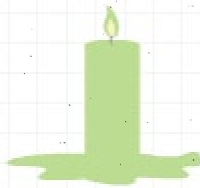
قیصر و کسریٰ

نسیم حجازی

جہانگیر بک ڈپو
• لاہور • راولپنڈی • ملتان • حیدر آباد • کراچی

پہلا حصّہ

پیاسی ریت



باب (۱)

ایک روز، دوپہر سے کچھ پہلے عاصم اور عباد یروشلم سے کوئی پانچ کوس دور پھر اُس سرائے کے قریب پہنچ چکے تھے، جہاں انہوں نے چند ہفتے قبل دمشق جاتے ہوئے ایک رات قیام کیا تھا۔ اپنی عمر کے لحاظ سے عاصم اُن تندرست اور توانا لوگوں میں سے تھا جو بچوں میں جوان اور جوانوں میں کمسن دکھائی دیتے ہیں۔ تاہم اُس کا خوبصورت چہرہ اُن طوفانوں سے آشنا معلوم ہوتا تھا جو ایک نوجوان کو قبل از وقت سنجیدہ بنا دیتے ہیں۔ اپنے لباس سے وہ ایک عالی نسب عرب معلوم ہوتا تھا اور اس کی سیاہ اور چمکیلی آنکھیں شوخی، ذہانت اور غرور کے علاوہ اُس حوصلے اور خود اعتمادی کی آئینہ دار تھیں جو عمر کا ایک حصہ ناہموار اور پر خطر راستوں پر گزارنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ وہ ترکش کمان اور تلوار سے سجا، ایک خوبصورت کُمیت گھوڑے پر کچھ اس انداز سے بیٹھا تھا کہ اگر اُس کے دائیں بائیں مسلح دشمن کی صفیں ہوتیں تو بھی اُس کی خود اعتمادی میں فرق نہ آتا۔ یا اگر وہ ایک عرب کی بجائے کسی رومی سپاہی کے لباس میں ہوتا اور اُس کے پیچھے ایک غلام کی بجائے سواروں کی فوج ہوتی تو اُس کی بیباک نگاہیں اس فوج کی فتح کی ضمانت سمجھی جاتیں۔ تاہم اگر یہ نوجوان کسی گزرگاہ پر چند اچھلتے، کودتے اور ہنستے کھلکھلاتے بے فکر لڑکوں کے سامنے نمودار ہوتا تو تماشائی اُس کے سپاہیانہ انداز کی بجائے اُس کی مسکراہٹیں دیکھنا اور اُس کے قہقہے سننا زیادہ پسند کرتے۔

عباد، اُس کا دراز قامت اور بھاری بھرکم غلام جو عمر میں اُس سے دس بارہ سال بڑا معلوم ہوتا تھا۔ ایک اونٹ پر سوار تھا اور دوسرے اونٹ پر جس کی نکیل عباد کے اونٹ کی دم سے بندھی تھی، سامان

لدا ہوا تھا۔

سرائے کی چار دیواری باہر سے ایک قلعے کی فصیل معلوم ہوتی تھی۔ عباد اور عاصم دروازے کے سامنے اتر پڑے اور اپنے گھوڑے اور اونٹوں سمیت اندر داخل ہوئے۔ سرائے کی دو منزلہ عمارت زیادہ بڑی نہ تھی لیکن صحن خاصا کشادہ تھا۔ برآمدے کے آگے لکڑی کے ستونوں پر کھجور کے تنوں اور پتوں کی چھت کے نیچے عام مسافروں کے لئے ایک طرف چٹائیاں بچھی تھیں اور دوسری طرف چند بوسیدہ میزیں اور تخت پڑے تھے۔ باقی صحن میں جگہ جگہ انجیر اور زیتون کے درخت تھے۔ بائیں ہاتھ کی دیوار کے ساتھ ایک طویل چھپر اصطبل کا کام دیتا تھا، جس کے اندر چند گھوڑے اور باہر چند اونٹ بندھے ہوئے تھے اور قریب ہی چند مسافر درختوں کی چھاؤں میں سستا رہے تھے۔

چار یہودی ایک میز کے گرد بیٹھے جوا کھیل رہے تھے۔ اُن سے تھوڑی دور ایک قوی ہیکل شامی جو اپنی قیمتی قبا اور عمامے سے کسی قبیلے کا رئیس معلوم ہوتا تھا، شراب پی رہا تھا اور ایک حبشی غلام ادب سے سر جھکائے اس کے قریب کھڑا تھا۔ شامی تلوار اور خنجر سے مسلح تھا اور شراب کے اثر سے اُس کے چہرے کی خشونت درندگی میں تبدیل ہو رہی تھی۔

تیسری میز پر قبرص کے دو عیسائی، جو یروشلم کی زیارت کے لئے آئے تھے، کھانا کھا رہے تھے اور سرائے کا مالک، ایک شگفتہ مزاج مصری، جس کا نام فرمس تھا، اُن سے باتیں کر رہا تھا۔

جب عاصم اور عباد اپنے گھوڑے اور اونٹوں کو درختوں سے باندھ رہے تھے۔ فرمس اچانک اُن کی طرف متوجہ ہوا اور جلدی سے آگے بڑھ کر بولا "اگر آپ یہاں ٹھہرنا چاہتے ہیں تو ان اونٹوں کو یہاں باندھنے کی بجائے چرنے کو باہر چھوڑ دیں۔ میں ان کی حفاظت کے لئے ایک نوکر بھیج سکتا ہوں۔"

عاصم نے جواب دیا "نہیں ان پر سامان لدا ہے اور ہم یہاں سے ابھی روانہ ہو جائیں گے، میں عرب تاجروں کے ایک قافلے کے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہوں۔ یہ لوگ غطفان اور کلب قبائل سے تعلق رکھتے ہیں، کئی منزلوں تک میرا اور اُن کا راستہ ایک ہوگا۔ وہ مجھ سے چار دن پہلے روانہ ہو گئے تھے، شاید آپ کو اُن کے متعلق کچھ معلوم ہو۔"

فرمس نے جواب دیا "وہ کل ہی یہاں سے گزرے ہیں اور یروشلم میں ایک دو ہفتے ضرور قیام کریں گے۔"

عاصم نے کہا "نہیں وہ ایک دن سے زیادہ وہاں نہیں ٹھہریں گے۔ عرب میں امن کے ایام ختم ہونے کو ہیں اور میری طرح اُن کے لئے بھی کسی تاخیر کے بغیر گھر پہنچنا ضروری ہے۔ میں آج شام تک یروشلم پہنچنا چاہتا ہوں، آپ ہمارے لئے کھانے کا انتظام کر دیجئے۔ اور اگر آپ کا نوکر، جس نے پچھلی مرتبہ میرے گھوڑے کی نعل بندی کی تھی، فارغ ہے تو اُسے بلا دیجئے۔ میں نئے نعل لگوانا چاہتا ہوں اور ایسا کاریگر مجھے راستے میں کہیں اور نہیں مل سکے گا۔"

"یہ کام ابھی ہو جائے گا۔ پہلے یہ بتائیے کہ آپ کا سفر کیسا رہا؟"

عاصم نے جواب دیا "دمشق میں میرے گھوڑے بہت اچھی قیمت پر فروخت ہوئے تھے۔ لیکن جنگ کے باعث وہاں تلواروں کی قیمت بھی بہت زیادہ تھی۔ اس لئے میں نے صرف چند تلواریں خریدنے پر اکتفا کیا ہے اور باقی سرمائے سے ریشمی کپڑا خرید لیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ کپڑے کی تجارت سے مجھے اچھا خاصا نفع ہوگا اور پھر اگر مزید تلواروں کی ضرورت پیش آئی تو ہم موتہ سے سستی قیمت پر منگوا سکیں گے۔"

فرمس نے سنجیدہ ہو کر کہا "میں دعا کرتا ہوں کہ اپنے وطن پہنچ کر تم یہ سنو کہ تمہاری جنگ ختم ہو چکی ہے اور تمہیں مزید تلواریں خریدنے کی ضرورت نہیں۔"

عاصم نے جواب دیا "ہم واقعی جنگ سے تنگ آ چکے ہیں اور دونوں قبائل کے بیشتر خاندان امن کے خواہش مند ہیں۔ لیکن میرا خاندان اُن میں سے نہیں ہے۔ میرے لئے اِس سے بُری خبر اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ اوس اور خزرج کی جنگ ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکی ہے اور میں اپنے باپ اور بھائیوں کے خون کا بدلہ نہیں لے سکتا۔ میرے چچا نے مجھے صرف اس لئے تلواریں خریدنے بھیجا تھا کہ ہمارے قبیلے کے دولت مند لوگ جن کے پاس تلواریں ہیں لڑائی سے منہ پھیر چکے ہیں اور غریب جن کی حمیت ابھی تک زندہ ہے۔ یہودی تاجروں کو تلواروں کی منہ مانگی قیمت ادا نہیں کر سکتے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ تلواریں حاصل کر لینے کے بعد جب چند آدمی میدان میں نکل آئیں گے تو قبیلے کا کوئی آدمی گھر میں نہیں بیٹھ سکے گا۔"

فرمس نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا "تم اپنا بہترین گھوڑا واپس لے آئے ہو۔ اگر اب بھی اپنا ارادہ بدل سکو تو میں اسے خریدنے کے لئے تیار ہوں۔"

عاصم نے جواب دیا "اگر اسے فروخت کرنے کی نیت ہوتی تو میں پہلے ہی انکار نہ کرتا۔ آپ کی طرح دمشق میں بھی کئی خریدار اس کی منہ مانگی قیمت ادا کرنے کو تیار تھے، لیکن یہ میرا بہترین دوست ہے۔"

فرمس نے کہا "بہت اچھا اگر یہ گھوڑا تمہیں اتنا ہی عزیز ہے تو میں اصرار نہیں کرتا۔ آؤ، میں تمہارے کھانے کا انتظام کرتا ہوں۔"



عاصم فرمس کے ساتھ چل دیا۔ لیکن چند قدم چلنے کے بعد اُس نے مُڑ کر اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور کہا۔ "آؤ عباد!"

عباد اپنے نوجوان آقا کے ساتھ خاصا بے تکلف تھا، لیکن دوسروں کی موجودگی میں اُسے ایک غلام کی حدود سے تجاوز کرنا پسند نہ تھا۔ اُس نے کہا "نہیں جناب آپ میرا کھانا یہیں بھجوا دیجئے۔"

فرمس نے پوچھا "آپ نے یہ غلام کہاں سے حاصل کیا؟"

عاصم نے جواب دیا "جب یہ سات آٹھ سال کا تھا، تو اسے میرے والد نے یمن کے ایک یہودی تاجر سے خریدا تھا، اس وقت تک میں پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔"

فرمس اپنے ایک نوکر کو گھوڑے کی نعل بندی کرانے اور دوسرے کو کھانا لانے کا حکم دے کر عاصم کے ساتھ چھپّر کے نیچے بیٹھ گیا۔

عاصم نے کہا "آپ کو یاد ہے، میں ایک مرتبہ پہلے بھی یہاں آیا تھا؟"

"کب؟"

"کوئی چار سال قبل میں نے اپنے والد کے ساتھ یہاں تین دن قیام کیا تھا اس کے بعد ہم ایک قافلے کے ہمراہ دمشق چلے گئے تھے۔ قریباً چھ مہینے وہاں گزارنے کے بعد ہم واپسی پر بھی ایک دن یہاں ٹھہرے تھے۔"

فرمس نے کہا "مجھے یاد نہیں۔ لیکن پچھلی مرتبہ سریانی میں تمہاری گفتگو سننے کے بعد میرا اندازہ تھا کہ تم پہلے بھی ان علاقوں کی سیاحت کر چکے ہو۔"

عاصم نے کہا میں غیر زبانیں سیکھنے کے معاملہ میں خاصا تیز ہوں ——— چنانچہ دمشق میں چھ مہینے بعض رومیوں سے میل جول کے باعث میں نے اُن کی زبان میں بھی شُدبُد پیدا کر لی تھی۔"

دوسری میز پر جؤا کھیلنے والے یہودیوں میں سے ایک آدمی اُٹھا اور اس نے آگے بڑھ کر عاصم سے کہا "نوجوان! ہمارے ساتھ قسمت آزمائی نہیں کرو گے؟"

"نہیں، میں نے گھر سے روانہ ہوتے وقت قسم کھائی تھی کہ اپنا عہد پورا کرنے سے پہلے میں جؤا کھیلوں گا، نہ شراب کو ہاتھ لگاؤں گا۔"

"تو پھر تم عرب نہیں ہو سکتے۔"

عاصم نے کہا "اگر تمہیں اصرار ہے تو میں تمہارے ساتھ جؤا کھیلے بغیر بھی اپنے عرب ہونے کا ثبوت دے سکتا ہوں۔"

یہودی نے عاصم سے اُلجھنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور کچھ کہے بغیر اپنے ساتھیوں کی طرف چل دیا۔

اچانک شامی رئیس جو شراب کی صراحی خالی کر چکا تھا، اپنی جگہ سے اُٹھا اور یہودیوں کے قریب جا کر بولا۔ "میں تمہارے ساتھ قسمت آزمائی کو تیار ہوں۔"

یہودی پریشان ہو کر اس دیو قامت انسان کی طرف دیکھنے لگے، بالآخر اُن میں سے ایک نے قدرے جرأت سے کام لیتے ہوئے کہا "نہیں جناب! ہم غریب یہودی ایک معزز شامی کے ساتھ بازی لگانے کی جسارت نہیں کر سکتے ———"

شامی نے اُس کی گردن دبوچ کر کرسی سے نیچے پھینک دیا اور گرجتی ہوئی آواز میں کہا "اگر تم یہودی ہو تو تمہیں ہمارے برابر بیٹھنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

دوسرے یہودی نے کہا "جناب یہ ایک سرائے ہے اور آپ کو یہاں ہمارے ساتھ زیادتی نہیں کرنی چاہیے ———"

"میں تمہاری کھال اتار دوں گا۔" شامی نے یہ کہہ کر اُس کے منہ پر تھپڑ رسید کیا اور وہ بھی اپنے ساتھی کی طرح کرسی سے گر پڑا۔ باقی دو بھاگ کر چند قدم کے فاصلے پر جا کھڑے ہوئے اور شرابی نے نشے کی حالت میں فحش گالیاں

بلکنا شروع کر دیں۔

"یہ کون ہے؟" عاصم نے دبی زبان میں فرمس سے سوال کیا۔

"یہ ایک شامی قبیلے کا رئیس ہے، یہ میری بد قسمتی تھی کہ میں نے اسے اپنی سرائے میں ٹھہرا لیا ہے۔ یہ صبح سے شراب کی دو صراحیاں خالی کر چکا ہے۔ اور وہ مسافر جو سائبان سے دُور بیٹھے ہیں، کئی بار اس کی گالیاں سُن چکے ہیں۔ اگر یہ پڑوس کے ایک خونخوار قبیلے کا رئیس نہ ہوتا تو یہ مسافر اس کی بوٹیاں نوچ ڈالتے۔ میں نے اپنا ایک آدمی یروشلم بھیج دیا ہے، وہاں ایک رُومی افسر میرا دوست ہے، اگر اُس نے کسی سپاہی کو روانہ کر دیا تو اس کا سارا نشہ ہرن ہو جائے گا۔"

شامی رئیس نے گرے ہوئے یہودی کو چند لاتیں رسید کرنے کے بعد واپس آکر خالی صراحی اُٹھائی، اُسے پیالے میں الٹ کر دیکھا اور پھر فرمس کی طرف متوجہ ہو کر چلایا "کیا دیکھ رہے ہو یہ صراحی خالی ہو چکی ہے۔"

فرمس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا "جناب آپ بہت پی چکے ہیں۔"

شامی نے گرج کر کہا "کیا بکتے ہو؟"

"جناب میں .... میں نے یہ کہا ہے کہ شراب ختم ہو چکی ہے۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ میں تمہاری سرائے اور تمہارے گھر کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" شامی برآمدے کی طرف بڑھا۔ فرمس کے چار نوکروں نے بھاگ کر اُس کا راستہ روکنے کی کوشش کی، لیکن اُس نے اچانک تلوار نکال لی اور وہ بد حواس ہو کر ایک طرف ہٹ گئے۔

فرمس نے قدرے جرأت سے کام لیتے ہوئے آگے بڑھ کر کہا "دیکھئے جناب آپ بہت زیادتی کر رہے ہیں۔ میں آپ کو اندر نہیں جانے دوں گا۔"

شامی نے اچانک اپنی تلوار سیدھی کر لی اور فرمس سراسیمگی کی حالت میں اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹتا ہوا برآمدے کے ستون سے جا لگا۔ شامی جس کی تلوار کی نوک اُس کے سینے پر تھی، قہقہے لگا رہا تھا۔ فرمس کے نوکر بے بسی کی حالت میں چیخیں مار رہے تھے۔ شامی اور اس کا حبشی غلام جو تلوار نکال کر اپنے آقا کی مدد کے لئے پہنچ چکا تھا، انہیں ڈرا دھمکا کر چند قدم دور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

فرمس چلایا "خدا کے لئے مجھ پر رحم کیجئے۔ میں ایک غریب الوطن مصری ہوں۔ میں نے آپ کے ساتھ کوئی گستاخی نہیں کی۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ زیادہ نشے کی حالت میں آپ کے لئے سفر کرنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ لیکن اگر آپ حکم دیتے ہیں تو میں شراب کا پورا مٹکا پیش کرنے کو تیار ہوں۔"

شامی نے تلوار کی نوک اُس کی گردن پر رکھتے ہوئے کہا "ذلیل آدمی اپنی زبان بند کرو ورنہ ......" فرمس شامی کے الفاظ سے زیادہ اپنی شاہ رگ پر اُس کی تلوار کا دباؤ محسوس کر کے خاموش ہو گیا، اب شامی کبھی اپنا ہاتھ پیچھے کر لیتا، اور کبھی اپنی تلوار کی نوک اُس کے پیٹ، سینے، گردن یا چہرے کے قریب لے جاتا۔ تماشائی جو پہلے یہ سمجھ رہے تھے کہ فرمس کا آخری وقت آ چکا ہے، اب یہ محسوس کر رہے تھے کہ یہ مہیب صورت انسان صرف اپنی زندہ دلی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اچانک برآمدے سے ایک نوعمر لڑکی نمودار ہوئی اور اُس نے چیخیں مارتے ہوئے آگے بڑھ کر شامی کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی لیکن اس دیو قامت آدمی نے اپنا ہاتھ جھٹک دیا اور وہ ایک طرف گر پڑی۔

فرمس چلایا "انطونیہ! انطونیہ! خدا کے لئے یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

لڑکی نے جلدی سے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن شامی نے اچانک بائیں ہاتھ سے اُس کے بال پکڑ لئے، ایک عورت جو صورت سے اس لڑکی کی ماں معلوم ہوتی تھی چیخیں مارتی آگے بڑھی اور آس پاس جمع ہونے والے لوگوں کو مدد کے لئے پکارنے لگی۔ شامی دوبارہ اپنی تلوار فرمس کی گردن پر رکھتے ہوئے چلایا "اگر اس عورت نے اپنی زبان بند نہ کی تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔"

عورت خاموش ہو گئی۔ اچانک عاصم جس کے لئے یہ کھیل ناقابل برداشت ہو چکا تھا، تلوار سونت کر شامی کے قریب پہنچا اور بولا "میں نے آج تک اتنا بزدل آدمی نہیں دیکھا۔"

شامی نے مڑ کر عاصم کی طرف دیکھا اور کہا "اگر یہ بزدل نہ ہوتا تو میں پہلے ہی وار میں اس کی گردن اڑا دیتا۔"

عاصم نے کہا "بزدل یہ نہیں، تم ہو۔"

شامی کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا۔ اُس نے کہا "تم مجھے بزدل کہہ رہے ہو؟ یہ جانتے ہو میں کون ہوں؟"

"ہاں میں تمہیں جانتا ہوں تم ایک وحشی ہو، جسے ایک نہتے مرد اور ایک بے بس لڑکی پر ہاتھ اٹھاتے شرم نہیں آتی۔"

شامی نے غضب ناک ہو کر لڑکی کو ایک طرف دھکیل دیا اور پھر پے در پے عاصم پر کئی وار کئے۔ عاصم اُس کے وار تلوار پر روکتا ہوا چند قدم پیچھے ہٹا لیکن جب اُس نے جوابی حملہ کیا تو شامی کا جوش و خروش پریشانی اور اضطراب میں تبدیل ہونے لگا۔ تماشائی جو کچھ دیر پہلے دم بخود کھڑے تھے اب تحسین کے نعرے لگا رہے تھے۔ شامی کے غلام نے اپنے آقا کو پیچھے ہٹتا دیکھ کر عقب سے عاصم پر وار کرنے کی کوشش کی لیکن عباد نے بھاگ کر اُس کی گردن پر مُکا مارا اور وہ زمین پر گر پڑا، عباد نے اس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور ایک پاؤں اُس کی گردن پر رکھتے ہوئے کہا "تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم اطمینان سے یہاں لیٹے رہو۔"

تھوڑی دیر بعد جب شامی ایک تھکے ہوئے گھوڑے کی طرح ہانپ رہا تھا۔ چھ سوار سرپٹ گھوڑے دوڑاتے سرائے میں داخل ہوئے اور کسی توقف کے بغیر گھوڑوں سے کود پڑے۔ فرمس بھاگ کر آگے بڑھا اور اُس نے ایک بارعب آدمی سے جو رومی فوج کا بڑا عہدہ دار معلوم ہوتا تھا مخاطب ہو کر کہا "آپ ذرا دیر سے تشریف لائے ہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ سے پہلے میری حفاظت کے لئے یہاں ایک فرشتہ پہنچ جائے گا ورنہ میں آپ کو تکلیف نہ دیتا۔ اگر یہ شریف عرب یہاں نہ پہنچتا تو اس وقت آپ یہاں میری لاش دیکھتے۔"

رومی افسر جس کی نگاہیں صحن میں داخل ہوتے ہی عاصم اور اُس کے حریف پر مرکوز ہو چکی تھیں، کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھا لیکن لڑائی کا رنگ دیکھ کر اُس نے فوری مداخلت کی ضرورت محسوس نہ کی اور اُس کے ہاتھ کا اشارہ پا کر اُس کے ساتھی بھی تماشائیوں کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔

عاصم نے پے در پے حملوں کے بعد شامی کو ہر طرف سے دھکیل کر اُس ستون سے لگا دیا جہاں کچھ دیر پہلے فرمس انتہائی بے بسی اور مایوسی کی حالت میں کسی معجزے کا انتظار کر رہا تھا۔ عاصم نے اُس کے جسم کی بجائے صرف اُس کے لباس کو اپنا ہدف بنانے پر اکتفا کیا تھا۔ چنانچہ شامی کی بیش قیمت قبا کئی جگہ سے چاک ہو چکی تھی، تھکاوٹ اور شراب کے نشے سے چور ہونے کے باعث ہر آن اُس کی ہمت جواب دے رہی تھی۔

عاصم نے اپنی تلوار کی نوک سے اُس کا عمامہ ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا "شراب کا نشہ گیدڑوں کو شیر نہیں بنا سکتا۔ اگر تم چاہو تو تلوار پھینک کر اپنی جان بچا سکتے ہو۔"

عاصم کے یہ الفاظ اُس کے حریف کے لئے ایک تازیانہ ثابت ہوئے اور وہ اپنی رہی سہی قوت بروئے کار

لاتے ہوئے ایک زخمی درندے کی طرح اُس پر ٹوٹ پڑا، لیکن یہ ایک اندھے جوش کا آخری مظاہرہ تھا۔ عاصم کو چند قدم پیچھے ہٹانے کے بعد شامی کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور وہ چند ثانیے ہوا میں اندھا دُھند تلوار گھمانے کے بعد اوندھے مُنہ گر پڑا۔

رُومی افسر جلدی سے آگے بڑھا اور اُس نے عاصم کا بازو پکڑ کر اُسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا "نوجوان! تم نے ایک شریف آدمی کی مدد کی ہے اور میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ میں ذرا دیر سے پہنچا اور یہ پورا تماشا نہیں دیکھ سکا۔ تم نے ایک مست ہاتھی کو پچھاڑا ہے۔"

عاصم کو قدرے پریشان دیکھ کر فرمس نے رومی افسر کی ترجمانی کر دی اور اُس نے سریانی میں جواب دیا "یہ صرف شراب سے مدہوش تھا اور اسے پچھاڑ کر مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔"

فرمس نے کہا "تم اسے نہیں جانتے۔ لیکن میں اس کے متعلق سب کچھ سُن چکا ہوں۔ تیغ زنی میں اس علاقے کے تمام قبائل اس کا لوہا مانتے ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا "تو پھر مجھے اس بات کا افسوس ہونا چاہیئے کہ آج یہ ہوش میں نہیں تھا۔"

رومی افسر نے سریانی زبان میں کہا "تم بہادر بھی ہو اور شریف بھی، اگر پسند کرو تو ہماری فوج میں تمہیں عزت کی جگہ مل سکتی ہے۔"

"شکریہ لیکن میں اپنے گھر جا رہا ہوں اور وہاں میری زیادہ ضرورت ہے۔"

"تمہارا گھر کہاں ہے؟"

"میں عرب سے آیا ہوں اور میرا گھر یثرب میں ہے۔"

رومی نے کہا "میرا نام پطلیوس ہے۔ اگر تم یروشلم سے گزرتے ہوئے میرے پاس قیام کرو تو مجھے خوشی ہوگی۔"

"شکریہ لیکن میں وہاں نہیں ٹھہر سکوں گا۔ میں بلا تاخیر اپنے گھر پہنچنا چاہتا ہوں۔"

رُومی نے کہا "فرمس میرا دوست ہے اور تم نے اِس کی جان بچائی ہے۔ اب مجھے یہ پوچھنا ہے کہ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

فرمس کے دو مسافروں میں سے ایک نے رومی افسر سے مخاطب ہو کر کہا "جناب اس نے ہم سب کی جان بچائی ہے

ہم قبرص سے آئے ہیں اور یہ بات ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ رومی حکومت نے اِس قسم کے وحشی انسانوں کو اتنی آزادی دے رکھی ہے۔ ہمیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ایک درندہ اپنے پنجرے سے باہر نکل آیا ہے۔"

ایک یہودی نے فریاد کی "جناب اِس وحشی نے ایک معصوم لڑکی پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے بھی شرم محسوس نہیں کی۔ مجھے ڈر تھا کہ یہ شراب کے نشے میں ہم سب کو قتل کر ڈالے گا۔"

تمام مسافر باری باری شامی کے خلاف اپنے غم اور غصے کا اظہار کر رہے تھے۔ لیکن عباد جس نے شامی کے گرتے ہی اُس کی تلوار چھین لی تھی اب لوگوں کو رومی افسر کی طرف متوجہ دیکھ کر تلوار کی نیام اور خنجر پر قبضہ کر چکا تھا۔ حبشی غلام خوفزدہ ہونے کے باوجود زیادہ دیر اپنے آقا کی بے بسی کا تماشا نہ دیکھ سکا اور جب عباد نے شامی کی قبا کے اندر ہاتھ ڈال کر سکوں سے بھری ہوئی تھیلی بھی نکال لی تو اُس نے آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا لیکن عباد ایک ہی جھٹکے میں اپنا ہاتھ چھڑا کر اٹھا اور حبشی کو دھکا دے کر چند قدم پیچھے ہٹا دیا۔ اس کے بعد حبشی کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی، تاہم اُس نے شور مچا کر حاضرین کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"یہ کون ہے؟" رومی افسر نے برہم ہو کر پوچھا۔

فرمس نے جواب دیا "جناب یہ اس وحشی کا غلام ہے۔"

حبشی نے عباد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رومی افسر سے فریاد کی "جناب اس نے میرے آقا کی تلوار اور خنجر چھین لئے ہیں۔ اِس نے میرے آقا کی تھیلی بھی نکال لی ہے اور میری تلوار بھی چھین لی ہے۔ جناب میرے آقا ہوش میں آتے ہی میری کھال اُدھیڑ دیں گے۔ اُن کی تلوار بہت قیمتی ہے جناب!"

رومی نے جواب دیا "تمہارے آقا کو یروشلم کے قید خانے میں ہوش آئے گا۔ اور ہم اِسے رہا کرنے سے پہلے اس بات کا اطمینان کر لیں گے کہ تم اُس کے عتاب سے محفوظ ہو۔ اب اگر اس کا گھوڑا یہاں موجود ہے تو اِسے اُس پر لاد دو اور ہمارے ساتھ چلو۔"

حبشی خاموش ہو گیا، لیکن جب عباد تلوار اٹھا کر نیام میں کرنے لگا تو وہ دوبارہ چلّا اٹھا "جناب میرے آقا ہوش میں آتے ہی اپنی تلوار کے متعلق پوچھیں گے۔ یہ بہت قیمتی ہے اور اس نے میری تلوار بھی کہیں چھپا دی ہے۔ اس نے میرے آقا کا خنجر اور تھیلی بھی کہیں غائب کر دی ہے۔"

رومی نے آگے بڑھ کر عباد کے ہاتھ سے تلوار لے لی، اُسے نیام سے نکال کر عباد سے پوچھا "تم کون ہو؟"

عباد کی بجائے عاصم نے جواب دیا "جناب یہ میرا غلام ہے۔ اور ہمارے ملک میں غلام اپنے آقا کے مغلوب کردہ دشمن کی تلوار پر قبضہ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں لیکن یہ شامی چونکہ آپ کی رعیت ہے، اس لئے اِس کے سامان کے متعلق آپ بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔"

رومی نے مسکرا کر عاصم کی طرف دیکھا اور تلوار نیام میں کر کے عباد کو واپس دیتے ہوئے کہا "یہ تلوار بہت خوبصورت ہے لیکن میں ایک بہادر آدمی کو اُس کی فتح کے انعام سے محروم نہیں کر سکتا۔"

عاصم نے عباد سے کہا "عباد ہمیں صرف تلواروں کی ضرورت تھی۔ یہ تھیلی واپس کر دو۔"

عباد کو مذبذب دیکھ کر فرمس نے فوری مداخلت کی ضرورت محسوس کی اور رومی افسر سے مخاطب ہو کر کہا "جناب میرے اصطبل میں ان کے دو خوبصورت گھوڑے بھی بندھے ہوئے ہیں، ان کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟"

رومی نے مسکرا کر جواب دیا "گھوڑوں کا مالک بے ہوش ہے اور رومی حکومت ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں لے سکتی مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ میری آمد سے قبل اس وحشی کو قتل کیوں نہیں کر دیا گیا تھا۔ لیکن آپ مطمئن رہیں، آئندہ یہ اِس سرائے کا رُخ نہیں کرے گا۔"

شامی کے غلام نے کہا "جناب آپ نے یہ حکم دیا تھا کہ میں اپنے آقا کو گھوڑے پر لاد کر آپ کے ساتھ چلوں۔"

رومی نے جواب دیا "تمہارے آقا کے سر پر ٹھنڈا پانی ڈالنے کی ضرورت ہے، جب اسے ہوش آجائے گا تو اس کے لئے یروشلم کے قید خانے تک چلنا مشکل نہیں ہوگا۔"

ایک یہودی چلّایا "جناب وہ ابھی سے ہوش میں آرہا ہے۔"

تماشائیوں کی نگاہیں اچانک شامی پر مرکوز ہو گئیں، اس نے کروٹ بدلی پھر اٹھا اور اپنا سر دونوں ہاتھوں میں دبا کر بیٹھ گیا ——— فرمس کا ایک نوکر پانی کا مٹکا اٹھا لایا اور اُس کے سر پر انڈیل دیا۔ شامی نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ اب فرمس کے دوسرے نوکر بھی باری باری پانی کے مٹکے لا کر اُس کے سر پر انڈیل رہے تھے اور تماشائی قہقہے لگا رہے تھے۔

فرمس نے رومی افسر سے کہا "جناب آپ تشریف رکھئے میں آپ کے لئے اپنی بہترین شراب منگواتا ہوں۔"

رومی افسر ایک میز کے قریب بیٹھ گیا۔

فرمس نے عاصم کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "آپ بھی تشریف رکھئے! میں آپ کے لئے کھانا بھجواتا ہوں۔"

عاصم نے رومی کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ یہ دو تلواریں میرے لئے بہت بڑا انعام ہیں۔"

"لیکن میں نے دوسری تلوار نہیں دیکھی۔"

"وہ میرے غلام نے کہیں چھپا دی ہے۔"

"میں نے ایک عرب کو پہلی بار لڑتے دیکھا ہے۔ تمہاری فوج یقیناً بہت اچھی ہوگی۔"

"جناب عرب میں فوج نہیں ہوتی۔"

"عرب میں فوج نہیں ہوتی تو وہاں حکومت کیسے چلتی ہے؟"

"وہاں حکومت بھی نہیں ہوتی۔"

"وہاں فوج بھی نہیں ہوتی۔ حکومت بھی نہیں ہوتی، پھر سلطنت کا کاروبار کیسے چلتا ہے؟"

"جناب عرب کسی سلطنت کا نام نہیں۔"

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ تمہارا کوئی بادشاہ نہیں ہوتا۔"

"نہیں۔"

رومی نے سراپا حیرت بن کر سوال کیا۔ "تو پھر وہاں کیا ہوتا ہے؟"

"وہاں صرف قبائل یا خاندان ہیں۔"

"سلطنت، حکومت اور فوج کے بغیر قبائل یا خاندان کس طرح زندہ رہ سکتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ اُن کے درمیان امن کیسے قائم رہ سکتا ہے؟"

"جناب امن کا لفظ ہمارے کانوں کے لئے اجنبی ہے۔ قدرت نے ہمیں صرف مرنے اور مارنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ عرب سے باہر میں نے ایک سلطنت کو دوسری سلطنت سے لڑتے دیکھا ہے لیکن وہاں صرف قبیلوں کے درمیان جنگیں ہوتی ہیں۔ عجم کے بادشاہوں کی جنگیں ایک کی فتح اور دوسرے کی شکست کے بعد ختم ہو سکتی ہیں لیکن ہماری جنگیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔"

"قبیلوں کی جنگ تو صرف ایک مضبوط حکومت ہی ختم کر سکتی ہے۔"

"لیکن ہم کسی ایسی حکومت کا تصور نہیں کر سکتے جو ہمیں لوٹ مار اور قتل و غارت کی آزادی سے محروم کر دے۔"

"لیکن تم مجھے ایک قاتل یا لٹیرے نظر نہیں آتے۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "اگر میرے خاندان کے کسی آدمی کا قاتل یہاں ہوتا تو آپ کو میری صورت بہت مختلف نظر آتی ——"

ایک عمر رسیدہ یہودی جھجکتا ہوا آگے بڑھا اور اُس نے ادب سے سلام کرنے کے بعد سوال کیا۔ "جناب محاذِ جنگ سے کوئی تازہ خبر آئی ہے؟"

پطیوس نے قہر آلود نگاہوں سے یہودی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم کیسی خبر سننا چاہتے ہو؟"

یہودی نے بدحواس ہو کر جواب دیا۔ "جناب ہم صرف آپ کی فتح کی خوش خبری سننا چاہتے ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ آرمینیا کی سرزمین ایرانی افواج کا قبرستان ثابت ہوگی۔"

پطیوس نے کہا۔ "میں تمہارا شکر گزار ہوں لیکن محاذِ جنگ کی تازہ ترین خبر یہ ہے کہ ایرانی لشکر جس علاقے میں داخل ہوتا ہے، وہاں کے یہودی اُس کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ ہمیں اپنے مستقبل کے لئے کوئی پریشانی نہیں، ہمیں اپنی طاقت پر بھروسا ہے لیکن تم لوگوں کو روم اور ایران کی جنگ سے دلچسپی لینے کی بجائے یہ سوچنا چاہیئے کہ بیرونی حملہ آوروں سے نبٹنے کے بعد جب ہم اپنے داخلی دشمنوں کی طرف توجہ کریں گے تو تمہارا انجام کیا ہوگا۔"

"جناب اگر آرمینیا کے یہودی گمراہ ہو چکے ہیں تو وہ اپنے کئے کی سزا بھگتیں گے لیکن آپ جیسے نیک دل حاکم کو ہماری وفاداری پر شبہ نہیں کرنا چاہیئے۔ شام کے تمام یہودیوں کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔"

یہودی دوبارہ ادب سے سلام کرنے کے بعد الٹے پاؤں پیچھے ہٹ گیا۔



تھوڑی دیر بعد عاصم کھانا کھانے اور رومی افسر پطیوس شراب پینے میں مشغول تھا اور فرمس ان کے قریب بیٹھا تھا۔ پطیوس نے شراب کا ایک جام پینے کے بعد میز سے صراحی اٹھائی اور دوسرا جام بھرتے ہوئے عاصم سے مخاطب ہوا۔ "یہ شراب بہت اچھی ہے۔ اگر تم چند گھونٹ پی لیتے تو تمہاری تھکاوٹ دُور ہو جاتی۔"

عاصم نے جواب دیا "گھر سے نکلتے وقت میں نے اپنے والد اور بھائیوں کی قبروں پر کھڑے ہو کر یہ قسم کھائی تھی کہ میں اُن کے قاتلوں سے انتقام لئے بغیر شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا اور میں اپنے عہد پر قائم رہنا چاہتا ہوں۔ اپنا فرض ادا کرنے کے بعد میں اچھی اور بُری شراب میں تمیز نہیں کروں گا۔"

عاصم اور فرمس سے کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد پطیوس نے اُن سے اجازت لی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ تین سپاہی جنھیں اُس نے شامی رئیس کو یروشلم پہنچانے کا حکم دیا تھا، سرائے میں رک گئے اور باقی دو اُس کے ساتھ چل دیئے۔ یہ تین سپاہی پطیوس کے باہر نکلتے ہی شراب پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے دیکھتے دیکھتے صراحی خالی کر دی۔ فرمس نے ایک اور صراحی منگوا کر اُن کے سامنے رکھتے ہوئے کہا "یہ اپنے ساتھ لے جاؤ۔ تمہارے ساتھیوں کا حصہ بھی اس میں شامل ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد سپاہی اپنے قیدی کو لے کر چل دیئے۔ لیکن عاصم کو گھوڑے کی نعل بندی کے انتظار میں رکنا پڑا۔ پھر جب اُس نے فرمس سے رخصت چاہی تو اُس نے کہا "دیکھئے اتنی جلدی نہ کیجئے۔ اب شام ہونے والی ہے آپ رات یہیں قیام کریں، میں علی الصباح آپ کو روانہ کر دوں گا۔ اگر آپ میری خاطر یہاں نہیں ٹھہر سکتے تو کم از کم میری بیوی اور بچّی کو تو شکریہ ادا کرنے کا موقع دیں۔" عاصم فرمس کی مخلصانہ دعوت رد نہ کر سکا۔

غروب آفتاب کے وقت یروشلم سے غزّہ کی طرف جانے والے مسافروں کا ایک قافلہ آ پہنچا اور فرمس عاصم کو سرائے کی بالائی منزل کے ایک کمرے میں ٹھہرا کر اُن کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا۔ یہ کشادہ کمرہ جو صرف حکّام اور رؤسا کے لئے مخصوص تھا عجم کے اُن تکلفات سے آراستہ تھا جن سے ایک عرب کی نگاہیں نا آشنا تھیں۔ عاصم کچھ دیر خوبصورت قالین پر ٹہلنے کے بعد ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد عباد ہانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور بولا "اگر آپ اجازت دیں تو وہ دو گھوڑے ابھی فروخت ہو سکتے ہیں۔ ایک تاجر اُن کے بدلے دو تلواریں اور ریشم کی چند چادریں دینے کو تیار ہے۔ میں ان گھوڑوں کو ساتھ لے جانا خطرناک سمجھتا ہوں، اگر یروشلم میں اُس شامی کے قبیلے کے کسی آدمی نے اُنہیں پہچان لیا تو ہم مشکل میں پھنس جائیں گے۔ سرائے کے مالک کا بھی یہی خیال ہے کہ اگر یہ گھوڑے یہیں بک جائیں تو بہتر ہو گا۔"

عاصم نے کہا "آج قدرت ہمارے حال پر بہت مہربان ہے۔ میں ابھی ان گھوڑوں کے متعلق سوچ رہا تھا تم

جاؤ اور انہیں بلا توقف فروخت کر دو، لیکن میں تمہاری ایک بات سے بہت خفا ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ اگر وہ رومی افسر، سرائے کے مالک کا دوست نہ ہوتا تو آج تم چوری کے جرم میں پکڑے جاتے۔ ایک خطرناک آدمی کی تلوار چھین لینے کو تو شاید رومی بھی اتنا بُرا نہ سمجھتے لیکن تمہیں اُس کی جیب خالی کرتے ہوئے بھی کوئی شرم محسوس نہیں ہوئی۔"

عباد نے جواب دیا "جناب میں بیوقوف نہیں ہوں، میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ رومی افسر کو اُس احمق سے ذرّہ بھر ہمدردی نہیں۔ جب آپ اُس کی قیمتی قبا پر تلوار کی مشق کر رہے تھے تو وہ قہقہے لگا رہا تھا۔ پھر میں یہ بھی جانتا تھا کہ سرائے کے اندر جتنے آدمی جمع ہیں وُہ سب ہمارے طرفدار ہیں۔ اور اگر رومی افسر میری حرکت پر بگڑ بھی گیا تو زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ مجھے مالِ غنیمت واپس کرنا پڑے گا۔ لیکن میرے سارے اندازے درست ثابت ہوئے اور مجھے افسوس ہے کہ آپ نے مجھے شاباش نہیں دی۔ آپ نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ اِس تھیلی کے اندر کیا ہے؟"

"اچھا اب بتا دو"

"جناب تھیلی سے تیس سونے کے اور باون چاندی کے سکّے برآمد ہوئے ہیں۔ اور میرے ہاتھ ایک اور چیز بھی آگئی تھی جس کا اب تک کسی کو علم نہیں۔"

"وہ کیا ہے؟"

"وہ ایک انگوٹھی ہے جسے اتارنے میں، میں نے اِس قدر ہوشیاری سے کام لیا تھا کہ اُس کے غلام کو بھی پتا نہیں چلا ——"

عاصم نے کہا "اچھا اب تم جاؤ اور فوراً گھوڑے فروخت کر دو۔"

"آپ نہیں آئیں گے؟"

"نہیں مجھے یہ اطمینان ہے کہ اس کام میں تم مجھ سے زیادہ ہوشیار ہو۔ اور سنو! تھیلی اور انگوٹھی تمہاری ہے میرا اُس میں کوئی حصہ نہیں۔ اب جاؤ!"

عباد مسکراتا ہوا وہاں سے چل دیا لیکن دروازے کے قریب پہنچ کر اچانک رُک گیا اور مڑ کر بولا "یہ کمرہ تو اِس سرائے کی بجائے کسی محل کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ دیکھئے ایسا قالین تو ——"

عاصم نے غضب ناک ہو کر اُس کی طرف دیکھا اور کہا "عباد اگر تم نے اِس کمرے کی کسی چیز کو ہاتھ لگایا تو میں تمہاری

آنکھیں نکال لوں گا ——— یہاں سے بھاگ جاؤ !"

عباد کمرے سے باہر نکل گیا اور عاصم کرسی سے اُٹھ کر بستر پر لیٹ گیا۔ ایک ساعت بعد فرمس کمرے میں داخل ہؤا تو عاصم گہری نیند سو رہا تھا۔ فرمس نے اُس کا بازو ہلا کر جگایا اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

فرمس نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو جلدی کھانا نہیں کھلا سکا۔ بات دراصل یہ تھی کہ آپ کا کھانا تیار کرنے میں دیر لگ گئی۔ میری بیوی اور بیٹی کو اس کا ملال تھا کہ آپ علی الصباح جا رہے ہیں، اِس لئے وہ آپ کو اپنی پسند کے تمام کھانے کھلانا چاہتی تھیں ——— چلئے وہ گھر میں آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔"

عاصم نے پُوچھا۔ "وہ گھوڑے فروخت ہو گئے ہیں ؟"

"ہاں اُن کا معاوضہ تو بہت کم ملا ہے لیکن آپ کی ایک الجھن دور ہو گئی ہے۔ آپ کا غلام بہت ہوشیار ہے وہ بہت تھکا ہؤا تھا اِس لئے میں نے اُسے کھانا کھلا دیا ہے۔"



عاصم اپنے میزبان کے ساتھ سرائے کے گرد نصف چکر لگانے کے بعد پچھلی طرف ایک چھوٹے سے سکونتی مکان میں داخل ہؤا، بلند دیواروں سے گھرے ہوئے ایک تنگ صحن میں فرمس کی بیوی اور بیٹی کھڑی تھیں اور سامنے ایک کمرے کے کھُلے دروازے سے روشنی آ رہی تھی۔

انطونیہ نے اپنے باپ کے ہاتھ سے مشعل لے کر دیوار کے سہارے کھڑی کر دی اور وہ کمرے میں داخل ہو کر دسترخوان پر بیٹھ گئے ———

انطونیہ اور اُس کی ماں نے اپنے مہمان کی تواضع کے لئے شام، فلسطین، مصر اور روم کے تمام تکلفات صرف کر دیئے تھے اور عاصم جسے اپنی زندگی میں پہلی بار ایسے مہذب انسانوں کے ساتھ بیٹھنے کا موقع ملا تھا، اپنی کم مائگی کے احساس سے پِسا جا رہا تھا۔ انطونیہ جسے اُس نے پہلی بار انتہائی بے بسی کی حالت میں دیکھا تھا۔ اب اپنے قیمتی لباس میں ایک شہزادی معلوم ہوتی تھی۔ کھانے کے دوران میں روم اور ایران کی جنگ اُن کی گفتگو کا موضوع تھی۔ فرمس نے آرمینیا میں ایرانیوں کے مظالم کی داستانیں بیان کرنے اور اُس کے بعد انطاکیہ کی تباہی کا حال سنانے کے بعد کہا۔ "اب نہ معلوم یہ

طوفان کہاں جا کر رُکے گا۔ ہم لوگ صدیوں سے مشرق اور مغرب کے ہولناک طوفانوں کا سامنا کر رہے ہیں۔ مصر اور شام میں ایک ظالم کے پرچم سرنگوں ہوتے ہیں تو دوسرا جابر اپنے جھنڈے گاڑ دیتا ہے۔ آج ہم رومیوں کے غلام ہیں اور کل شاید ہمیں ایرانیوں کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈالنا پڑے۔

نوجوان تم خوش نصیب ہو۔ تم ایک ایسے صحرا میں رہتے ہو۔ جس میں ایرانیوں یا رومیوں کے لئے کوئی کشش نہیں تمہاری تقدیر تمہارے اپنے ہاتھ میں ہے۔ عرب میں زرخیز وادیاں اور پُر رونق شہر نہ سہی لیکن تمہیں یہ خطرہ تو نہیں کہ مشرق یا مغرب سے کوئی عفریت اُٹھے گا اور تمہاری بستیوں اور شہروں کو ہڑپ کر جائے گا۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "ہمیں تباہ کرنے کیلئے کسی بیرُونی عفریت کی ضرورت نہیں ہماری بستیاں جلانے کیلئے ہمارے اپنے گھروں کی آگ کافی ہے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں جب عرب کے قبائل کا خون گرم ہوتا ہے تو وہ ایکدُوسرے کیلئے بھیڑیوں سے زیادہ خونخوار بن جاتے ہیں۔"

فرمس نے کہا۔ "مجھے تمہاری خانہ جنگیوں کا حال معلوم ہے۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ تم ہماری طرح بے بس اور مجبور نہیں ہو۔ تمہیں اس بات کا اختیار ہے کہ جب چاہو اپنی تلواریں نیام میں کر لو اور جب چاہو ایک دوسرے کو گلے لگا لو۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہماری طرح تمہارے وطن کو بیرونی اژدہے اپنی قوت آزمائی کا اکھاڑا نہیں بناتے اور تمہیں یہ خطرہ نہیں کہ وہ تم کو پیس کر رکھ دیں گے۔"

"نہیں،" عاصم نے جواب دیا۔ "ہم آپ سے زیادہ بے بس اور مجبور ہیں۔ ایک عرب اپنی نیام سے تلوار نکال سکتا ہے لیکن اُسے دوبارہ نیام میں کرنا اُس کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ جس زمین پر ہمارا خون گرتا ہے وہ ہمیشہ پیاسی رہتی ہے اور اس کی پیاس بجھانے کے لئے مزید خون گرانا ہماری زندگی کا مقصد بن جاتا ہے۔ ہماری سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کا انتقام لے سکیں اور ہماری آئندہ نسلوں کی خواہش یہ ہوگی کہ وہ ہمارے قاتلوں سے بدلہ لے سکیں۔ اگر رُوم اور ایران کے سپاہی اپنے شہنشاہوں کی فتوحات کے لئے جنگ کرتے ہیں تو ہم اپنے اپنے قبیلے کی طاقت کا لوہا منوانے کے لئے ایک دوسرے کا خون بہاتے ہیں۔"

فرمس نے کہا۔ "تمہاری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے ملک کی اس صورت حال سے خوش نہیں ہو۔ اگر عرب کے ہر قبیلے میں تم جیسے چند نوجوان پیدا ہو جائیں تو وہاں ایک خوش گوار انقلاب آ سکتا ہے۔"

عاصم نے کہا "میں صرف اپنے گھر سے کوسوں دور بیٹھ کر ایسی باتیں کر سکتا ہوں، ممکن ہے کہ میرے دل و دماغ پر یہاں کی آب و ہوا کا اثر ہو لیکن عرب کی ہوا میں سانس لینے کے بعد اپنے قبیلے کی عزت کے لئے لڑنا یا اپنے عزیزوں اور دوستوں کا انتقام لینا میرے لئے زندگی کا سب سے اہم مسئلہ بن جائے گا۔ اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کی روحوں کی پکاریں مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی چین سے نہیں بیٹھنے دے گی۔"

فرمس نے مغموم لہجے میں کہا "لیکن مجھے اس بات کا یقین نہیں آسکتا کہ تم جیسا رحم دل آدمی جس نے ایک بے بس مصری کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈال دی تھی محض انتقام کے لئے قتل و غارت پر آمادہ ہو جائے گا۔"

عاصم نے جواب دیا "میں بلا وجہ اتنی دور تلواریں خریدنے نہیں آیا تھا۔"

فرمس کی بیوی نے جواب تک خاموشی سے اُن کی گفتگو سُن رہی تھی۔ اپنے شوہر سے کہا "آپ ان سے بحث کیوں کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ انہوں نے اپنے دشمن کے ہاتھوں نقصان اُٹھایا ہو۔ اور انہیں لڑائی کے سوا تلافی کی کوئی صورت نظر نہ آتی ہو۔ انہوں نے ہم پر احسان کیا ہے اور آپ کو اس وقت صرف یہ سوچنا چاہیئے کہ ہم ان کے احسان کا کیا صلہ دے سکتے ہیں۔"

عاصم نے کہا "مجھے آپ کی نیک دعاؤں کے سوا کسی صلے کی ضرورت نہیں۔"

فرمس نے کہا "اگر ہم آپ کو سونے یا چاندی کے چند سکے پیش کریں تو یہ ہمارے جذبۂ تشکر کی توہین ہو گی۔ لیکن آپ کو تلواروں کی ضرورت ہے اور میری بیوی آپ کے لئے سرائے میں ٹھہرنے والے مسافروں سے دو تلواریں خرید چکی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ ان کا یہ تحفہ خوشی کے ساتھ قبول فرمائیں گے۔"

فرمس کی بیوی نے کہا "انطونیہ نے آپ کے نوکر کو شامی رئیس اور اُس کے غلام کی تلواریں چھینتے دیکھا تھا اور یہ اُس وقت سے آپ کو دو مزید تلواریں پیش کرنے پر مُصر تھی۔"

عاصم نے کہا "میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، ان دنوں واقعی ہمیں تلواروں سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

تھوڑی دیر بعد جب وہ کھانے سے فارغ ہو چکے تھے، انطونیہ برابر کے کمرے سے دو تلواریں لے آئی اور عاصم کو پیش کرتے ہوئے بولی "ایک بہادر شخص کے لئے تلوار سے بہتر کوئی اور تحفہ نہیں ہو سکتا۔ اگر میرا بھائی آج زندہ ہوتا تو میں ایک تلوار اُس کی کمر سے باندھتی اور اس سے کہتی کہ اِس شریف آدمی نے ہماری عزت بچائی ہے، اس لئے آج سے اِس کے

دوست ہمارے دوست اور اِس کے دشمن ہمارے دشمن ہیں۔ تم اگر میرے بھائی ہو تو احسانمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے ساتھ جاؤ۔"

انطونیہ پہلی بار اُس سے ہمکلام ہوئی تھی۔ عاصم کچھ دیر ایک طرح کی مرعوبیت کے احساس سے خاموش رہا۔ بالآخر اُس نے تلواریں اپنے پاس رکھ لیں اور کہا "اگر آپ کا بھائی زندہ ہوتا تو میں اُس سے کہتا کہ مجھ سے زیادہ تمہاری بہن اور تمہارے والدین کو تمہاری ضرورت ہے۔ اور جو شخص اپنے باپ اور بھائیوں کے خون کا بدلہ نہیں لے سکا اُسے ایک اجنبی کو اپنے مصائب میں حصہ دار بنانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔"

فُرمس نے کہا "پچھلے ہفتے مکہ کے جو تاجر یہاں ٹھہرے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ وہاں ایک نبی نیکی، رواداری اور عدل و انصاف کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ لوگ اُس کی تعلیم کا مذاق اڑاتے تھے۔ تاہم انہیں اس بات کا اعتراف ضرور تھا کہ مکہ کا نبی عرب کے شریف ترین خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور جو چند لوگ اُس کی صداقت پر ایمان لا چکے ہیں وہ اہلِ مکہ کے ہاتھوں بدترین اذیتیں اٹھانے کے باوجود اپنے عقیدے پر قائم ہیں۔ میں نے اُن سے پوچھا تھا کہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے اُس کی زندگی کیسی تھی اور وہ یہ کہتے تھے کہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے وہ اپنی راستبازی، حق گوئی اور دیانتداری کے لئے مشہور تھا اور جن لوگوں کو اُس سے سابقہ پڑا تھا وہ اُس کے صادق اور امین ہونے کی گواہی دیتے تھے ——"

عاصم نے کہا "میں نے مکہ کے نبی کے متعلق یہ سنا ہے کہ وہ ہماری قبائلی اور خاندانی عصبیتوں کا مخالف ہے اور ہمارے تمام خداؤں کو جھٹلا کر صرف ایک خدا کی تعلیم دیتا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک جادوگر ہے لیکن اگر وہ واقعی نبی ہے تو بھی اہل عرب کوئی ایسا دین قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں گے جو مساوات کی تعلیم دیتا ہو اور اعلیٰ اور ادنیٰ انسانوں کو ایک ہی صف میں دیکھنا چاہتا ہو۔ میں نے سنا ہے کہ مکہ کی گلیوں میں اِس نبی کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور اُس کے اپنے قبیلے کے لوگ جن کی عصبیت اُس کے لئے سہارا بن سکتی تھی اُس کے راستے میں کانٹے بچھاتے ہیں۔ اگر چند مفلس اور نادار لوگوں یا دو چار اچھی حیثیت کے آدمیوں پر اُس کا جادو چل گیا ہے تو یہ کوئی کامیابی نہیں۔ میں نے کبھی اس نبی کے متعلق سنجیدگی سے نہیں سوچا اور آپ کو بھی سنی سنائی باتوں سے متأثر نہیں ہونا چاہیئے، عرب کی پیاسی ریت تو بڑے بڑے دریاؤں کو جذب کر لیتی ہے، پھر وہاں ایک ایسا نبی کیسے کامیاب ہو سکتا ہے جس کی تعلیم

کا نقطۂ آغاز ہی اُن عصبیتوں کے خلاف ایک اعلانِ جنگ ہے جو ہمارے لئے اپنے بے شمار خداؤں سے بھی زیادہ مقدس ہیں ــــــ"

فرسؔ نے کہا "اس دنیا پر آج جو تاریکیاں مسلط ہیں۔ وہ اِس سے پہلے کبھی نہ تھیں۔ انسانی ضمیر کسی نجات دہندہ کو پکار رہا ہے۔ خدا اپنے بندوں کو ہمیشہ کے لئے اس حال میں نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ جس کی آمد کے متعلق ہمارے بزرگانِ دین بارہا بشارت دے چکے ہیں، ضرور آئے گا۔ وہ دعائیں جو آج سسکتے ہوئے بے بس انسانوں کے دِل سے نکل رہی ہیں، یقیناً مستجاب ہوں گی۔ وہ ضرور آئے گا اور زمین و آسمان کے مالک کی ساری رحمتیں اُس کے ہم رکاب ہونگی۔ اُس کے جمال سے مایوس نگاہوں میں امیدوں کے چراغ روشن ہوں گے اور اُس کے جلال سے قیصر و کسریٰ کے ایوان لرز اُٹھیں گے۔ ناداروں اور مظلوموں کو اُس کی حمیت میں پناہ ملے گی۔ مجروح اور ستم رسیدہ انسانوں کے سر پہ اُس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہوگا۔ لیکن کاش ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ وہ کب اور کس جگہ مبعوث ہوگا۔"

فرسؔ کی گفتگو کے دوران میں عاصم کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اُس کی نگاہیں انسانی ادراک کی سرحدوں سے آگے کسی خلاء کی وسعتوں میں پرواز کر رہی ہیں۔ اُس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد پوچھا "آپ قیصر اور کسریٰ دونوں کے مخالف ہیں ــــــ؟"

فرسؔ مُسکرایا۔ "یہ باتیں ابھی آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گی۔" اور عاصم کو یہ مسکراہٹ اُس آدمی کی مسکراہٹ سے یکسر مختلف نظر آئی جسے وہ صرف ایک سرائے کے مالک کی حیثیت سے جانتا تھا۔

علی الصباح جب عاصم اپنے نیک دِل میزبان سے الوداعی مصافحہ کر رہا تھا، فرسؔ نے کہا "میں آپ سے دو باتیں کہنا چاہتا ہوں، ایک یہ کہ اگر آپ کبھی دوبارہ یہاں آئیں تو میرے گھر کا دروازہ آپ کے لئے کھُلا ہوگا۔ دوسری یہ کہ اگر آپ گرے ہوئے دشمن کی شاہرگ پر تلوار رکھنے کے بعد اپنا ہاتھ روک لیں تو آپ کو زیادہ تسکین محسوس ہوگی۔"

عاصم نے جواب دیا "مجھے ایک دوست کے گھر کا راستہ ہمیشہ یاد رہے گا، لیکن کسی دشمن کی شاہرگ پر تلوار رکھنے کے بعد اپنا ہاتھ روک لینا ایک عرب کے بس کی بات نہیں۔"

فرسؔ نے کہا "لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم گرے ہوئے دشمن پر وار نہیں کر سکو گے۔"

عاصم نے ایک مغموم مسکراہٹ کے ساتھ فرسؔ کی طرف دیکھا اور گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ سرائے سے نکلنے کے

بعد اُس کو گزشتہ چند پہر کے واقعات ایک خواب محسوس ہوتے تھے۔ کبھی کبھی انطونیہ کا خیال آتا تو اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگتی لیکن جب وہ اُس کے خدوخال کے متعلق سوچتا تو اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ اُس کے ذہن میں فرسؔ کی بیٹی کا ایک مبہم سا تصور صرف چمکتی ہوئی سیاہ آنکھوں کی دلکشی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

باب (۲)

وقت کی آندھیاں شاہراہ حیات پر ماضی کے نشان مٹا رہی تھیں۔ اور حال کے ظلمتکدے میں بھٹکنے والوں کی نگاہوں سے وہ ستارے اوجھل ہو رہے تھے جو رات کے مسافروں کو سحر کی آمد کا پیغام دیتے ہیں۔ انسانیت کا پیرہن خون اور آنسوؤں میں ڈوبا ہوا تھا۔

بحیرۂ رُوم کے مشرقی علاقے، جو کبھی مصر کے فراعنہ اور کبھی بابل کے حکمرانوں کے ہاتھوں تباہی کا سامنا کیا کرتے تھے، اب کوئی ایک ہزار سال سے ایران اور اُس کے مغربی حریفوں کے درمیان قوت آزمائی کا اکھاڑا بنے ہوئے تھے۔

ولادتِ مسیحؑ سے ساڑھے پانچ سو سال قبل ایران پر سائرس کا تسلّط مشرق کی تاریخ کے ایک نئے دور کی تمہید تھا۔ اس چرواہے حکمران نے بابل کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اور پھر بلخ سے لے کر آبنائے باسفورس اور بحیرۂ خزر سے لے کر صحرائے سینا تک اپنی فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ ربع صدی کے اندر اندر ایرانی سلطنت کی حدود پنجاب سے لے کر یونان تک پھیل چکی تھیں اور مصر کی حیثیت اِس عظیم سلطنت کے ایک صوبے سے زیادہ نہ تھی۔ اس کے بعد قریبًا دو سو سال تک مشرق و مغرب میں سائرس کے جانشینوں کا کوئی مدِ مقابل نہ تھا۔ پھر اچانک یونان نے انگڑائی لی، مقدونیہ سے ایک نوجوان نمودار ہوا اور ایشیا میں ایران کا پرچم سرنگوں کرتا ہوا پنجاب تک پہنچ گیا۔ مصر، بابل اور نینوا کے تاجداروں نے ماضی کی گزرگاہوں پر جو نشان چھوڑے تھے وہ سکندرِ اعظم کے پاؤں تلے دب چکے تھے۔ پھر جب سکندرِ اعظم کی عظیم سلطنت کا انحطاط شروع ہوا تو یورپ سے ایک نیا اژدہا نمودار ہوا اور اس کی پھنکار

سن کر زمانے کی نگاہیں روم کو تکنے لگیں۔ رومی افواج ایک طرف مشرق کے پامال راستوں پر دوڑ رہی تھیں اور دوسری طرف یورپ کے اُن ممالک کو مسخر کر رہی تھیں جو ابھی تک مہذب دنیا کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ ۶۴ء قبل مسیحؑ میں رومیوں نے شام میں سکندرِ اعظم کے جانشینوں کو آخری شکست دی اور یورپ اور ایشیا کی عظیم ترین طاقت بن گئے۔ لیکن محکوم اقوام کے لئے ماضی کے ان گنت انقلابات کی طرح اِس نئے انقلاب کا مفہوم بھی آقاؤں کی تبدیلی کے سوا کچھ نہ تھا ——— ملوکیت کی قبا اب بھی انسانیت کے خون سے داغدار تھی۔

مذہبِ عیسوی مجبور اور بے بس انسانوں کے لئے ایک نئی زندگی کا پیغام لے کر آیا۔ لیکن یہ آواز اُن حکمرانوں کے لئے اجنبی تھی جو اپنے بے گناہ قیدیوں کو بھوکے شیروں کے آگے ڈال کر قہقہے لگایا کرتے تھے۔ قریبًا تین صدی یہ دین رومی شہنشاہوں کے مزاج پر اثر انداز نہ ہو سکا اور اِس عرصہ میں کمزور اور بے بس عیسائی رومیوں کے ہاتھوں بدترین اذیتیں برداشت کرتے رہے۔

چوتھی صدی عیسوی کے ربع اوّل میں شہنشاہ قسطنطین نے عیسائی مذہب قبول کیا اور اس کے بعد روم کی بجائے قدیم بازنطین کے کھنڈروں پر اپنے نئے دار الحکومت قسطنطنیہ کی بنیاد رکھی ——— اپنے جغرافیائی محل وقوع اپنے فوجی اور اقتصادی وسائل کے لحاظ سے قسطنطنیہ کو نہ صرف روم بلکہ مشرق و مغرب کے تمام اُن شہروں پر فوقیت حاصل تھی جن کے کھنڈروں میں عظیم ترین سلطنتوں کے عروج و زوال کی داستانیں دفن تھیں۔

۳۹۵ء تک رومی سلطنت کی یہ حالت تھی کہ کبھی قسطنطین کے جانشین اسے متحد کر لیتے اور کبھی یہ رومی اور بازنطینی شہنشاہوں میں تقسیم ہو جاتی۔ بالآخر شہنشاہ تھیوڈوسیس کی موت کے بعد یہ سلطنت مستقلاً دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ اس کے بعد قسطنطنیہ میں رومیوں کی مشرقی سلطنت کی جڑیں مضبوط ہوتی گئیں اور روم میں اُن کی سطوت کے محل بتدریج مسمار ہوتے چلے گئے، بالآخر پانچویں صدی کے نصف آخر میں وسطی یورپ کے وحشی قبائل کا ایک طوفان روم پر چھا گیا اور رومی سلطنت کے مستقبل کی تمام امیدیں قسطنطنیہ کے حکمرانوں کے مستقبل سے وابستہ ہو کر رہ گئیں ———

ڈیڑھ سو سال کے عرصہ میں رومیوں کا نیا دارالسلطنت دنیا کا ایک عظیم ترین شہر اور ایک انتہائی ناقابلِ تسخیر قلعہ بن چکا تھا اور قسطنطین کے جانشینوں کو مشرق کی طرف پیش قدمی کے لئے وہ راستے کھلے دکھائی دیتے تھے، جنھیں کسی زمانے میں سکندر اعظم نے ہموار کیا تھا لیکن زمانے نے ایک نئی کروٹ لی اور صدیوں کے بعد ایران کے آتشکدوں میں دبی ہوئی آگ اچانک بھڑک اٹھی۔ وہ پرچم جو یونانیوں کے ہاتھوں پرسی پولس، سوس اور اسطخر میں سرنگوں ہوئے تھے، اب دجلہ کے کنارے مدائن کی دیواروں پر نصب کئے جا رہے تھے۔ ایران میں ساسانی خاندان کا عروج تاریخ کے ایک نئے دور کی تمہید تھا۔ قسطنطنیہ کے حکمران پہلی بار ایشیا میں کسی کو اپنا مدِ مقابل دیکھ رہے تھے۔

ایران کے کسریٰ اور روم کے قیصر مشرق اور مغرب کے دو مہیب اژدہے تھے۔ اور ۵۲۷ء میں مشرقِ وسط کی زمین ان اژدھوں کی زور آزمائی کا اکھاڑا بن چکی تھی ——— یہ دو ننگی تلواریں تھیں جو آپس میں ٹکرانے کے لئے ہمیشہ بے قرار رہتی تھیں۔ مشرق کی طرف ایران کے سوا اہلِ روم کا کوئی مدِ مقابل تھا، نہ مغرب کی طرف روم کے سوا ایرانیوں کا کوئی حریف۔

مجوسی حکمران جب اپنے آتش کدوں سے باہر جھانکتے تو مغرب کی سمت اُن کی نگاہیں فرزندانِ تثلیث کے گرجوں پر مرکوز ہو کر رہ جاتیں اور قسطنطنیہ کے تاجدار جب اپنی مشرقی سرحدوں سے آگے دیکھتے تو مدائن اُن کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا۔ شام، آرمینیا اور ایشیائے کوچک کے باشندے بے بس تماشائیوں کی حیثیت سے آگ اور خون کے اُن طوفانوں کی ہولناکیاں دیکھ رہے تھے جو کبھی مدائن اور کبھی قسطنطنیہ سے اُٹھتے تھے۔ یہ چکی کے دو پاٹ تھے اور اُن کے درمیان پسنے والے انسان صرف اُن ادوار میں اطمینان کا کوئی سانس لے سکتے تھے جب کسی کسریٰ یا قیصر کو اندرونی خطرات اپنی طرف متوجہ کر لیتے تھے۔

ایسے ممالک میں جہاں ریاست کا ہر قانون، اور اخلاق کا ہر ضابطہ عوام کی بجائے اُن کے حکمرانوں کے تحفظ کے لئے وضع کیا جاتا تھا۔ تخت و تاج کے حصول کے لئے سازشیں کرنے والوں کی کمی نہ تھی۔ روم اور ایران میں کئی سرپھرے اقتدار کی اُن مسندوں پر قبضہ کرنے کو تیار رہتے تھے۔ جن پر بیٹھ کر ایک انسان دوسرے انسانوں کے حقے

کی تمام راحتیں چھین سکتا تھا۔ شکست اور ناکامی کی صورت میں تخت و تاج کے لئے جان کی بازی لگانے والوں کے سر قلم کر دیئے جاتے اور رعایا کو اس بات پر جشن منانے کا حکم دیا جاتا کہ دیوتاؤں کے دیوتا اور شہنشاہوں کے شہنشاہ نے ایک حقیر دشمن کے ناپاک عزائم خاک میں ملا دیئے ہیں۔ امراء ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اپنے آقا کی کامیابی پر خوشی کا اظہار کرتے اور مذہبی پیشوا اُس کے لئے دُعائیں مانگتے۔ لیکن اگر کوئی قسمت آزما اپنی سازش میں کامیاب ہو جاتا تو یہی اُمراء اُسے اپنی اطاعت اور یہی مذہبی پیشوا اُسے اپنی بہترین دعاؤں کا مستحق سمجھتے۔

سلطنت کے اندر ان انقلابات کے اثرات زیادہ تر اُن امراء اور مذہبی پیشواؤں یا کاہنوں تک محدود رہتے تھے، جنھیں ملک کا قانون، بادشاہ کے بعد رعایا کی ہڈیاں چبانے کی اجازت دیتا تھا۔ اور سلطنت کے باہر انقلابات کے اثرات اُن ہمسایہ ممالک کے باشندوں پر ظاہر ہوتے تھے جن کے خون اور آنسوؤں سے کسی نئے قیصر یا نئے کسریٰ کی فتوحات کی داستانیں لکھی جاتی تھیں۔

مذہب نیکی اور بدی کی کسوٹی یا تہذیب و اخلاق کے ارتقا کے لئے ایک زینے کا کام دینے کی بجائے اُس عمارت کے لئے ایک ستون کا کام دے رہا تھا۔ جس کی بنیاد ظلم و استبداد پر رکھی گئی تھی۔ یہ وہ پل تھا جس کے ذریعے کاہن یا پیشوا عوام کی صفوں سے نکل کر مراعات یافتہ لوگوں کی صف میں جا کر کھڑے ہوتے تھے۔

ایران کے مذہب میں انسانی اخوت اور مساوات کا کوئی تصوّر نہ تھا۔ زردشت نے اگر نیکی اور بدی کے متعلق کوئی اچھے تصور بھی پیش کئے تھے تو وہ صدیوں کے گرد و غبار میں گم ہو کر رہ گئے تھے۔ اب ایران کے مجوسیوں کا اوّلین مقصد اس معاشرے کو بیرونی اثرات سے محفوظ رکھنا تھا جو ابنائے آدم کو ادنیٰ اور اعلیٰ، با اختیار اور بے اختیار طبقوں میں تقسیم کرتا تھا۔ ایران میں چند خاندان ایسے تھے، جن کے لئے سلطنت کے تمام بڑے عہدے وقف تھے اور انہی خاندانوں کے گٹھ جوڑ کے نتائج کسی اندرونی انقلاب کی صُورت میں ظاہر ہوتے تھے۔ جس طرح ہندوستان کے برہمو سماج میں کسی اچھوت کے لئے برہمنوں یا کھشتریوں کے دائرے میں داخل ہونا ممکن نہ تھا، اسی طرح ایران میں کسی کے لئے عوام کی صف سے نکل کر خواص کے زمرے میں داخل ہو جانا بعید از قیاس تھا۔ ایران کے شہنشاہوں کو اپنی رعایا کے جان و مال پر کلّی اختیارات حاصل تھے۔ اقتدار کے دوسرے زینے پر باجگزار ریاستوں کے سربراہ اور شاہی خاندان کے وہ شہزادے براجمان تھے، جن میں سے بعض کو مفتوحہ

علاقوں کی نیم خود مختار سرداری اور بعض کو اعلیٰ سول اور فوجی عہدے مل جاتے تھے۔ اس کے بعد اُن چند خاندانوں کی باری آتی تھی، جن کی وسیع جاگیریں پورے ملک میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان خاندانوں کے سربراہ اپنے لئے جو لگان وصول کرتے تھے اس کے عوض بادشاہ کو بوقت ضرورت سپاہی مہیا کرتے تھے۔ اقتدار کے نچلے زینے پر وہ چھوٹے زمیندار یا دیہات کے سرکردہ لوگ تھے، جو سرکاری واجبات کی وصولی کیلئے کاشتکار عوام اور حکومت کے کارندوں کے درمیان ایک کڑی کا کام دیتے تھے اور یہ کاشتکار عوام وہ تھے، جن کی حیثیت غلاموں کے برابر تھی، جس زمیندار کی زمین میں ہل چلاتے تھے، اس کی ملکیت سمجھے جاتے تھے اور ان کے آقا اپنی جائیداد کے ساتھ انہیں بھی فروخت کرسکتے تھے۔ یہ وہ بھیڑیں تھیں، جن کا گوشت، اون اور ہڈیاں سب دوسروں کے لئے تھیں۔

مزدکیت اِس نظام کے خلاف ایک بغاوت تھی۔ اِس کا مقصد نجی املاک کو ختم کرکے ملک کی دولت میں پوری آبادی کو یکساں حصہ دار بنانا تھا۔ اِس تحریک کے بانی کی انتہا پسندی کا یہ عالم تھا کہ اُس نے زمین اور زر کی طرح عورت کو بھی افراد کی بجائے قوم کی ملکیت بنا دیا تھا۔ زندگی کی تمام راحتوں سے محروم اور غلاموں کی سی زندگی بسر کرنے والے عوام کا اس تحریک سے متاثر ہونا ایک قدرتی بات تھی۔ ایرانی امراء نے انہیں صرف زر اور زمین سے ہی محروم نہیں رکھا تھا بلکہ عورتوں سے بھی اپنے حرم بھر لئے تھے۔ قباد نے جو اس زمانے میں ایران کا حکمران تھا، اندرونی اور بیرونی خطرات کے پیش نظر عوام کے تعاون کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اِس تحریک کی سرپرستی کی۔ لیکن جب اِس نئے دین کے حامی امراء کی دولت لوٹنے، اُن کے گھر جلانے اور اُن کی بہو بیٹیوں کو زبردستی چھیننے لگے تو قباد کو اُن کی سرپرستی سے دست کش ہونا پڑا۔ اب ملک کی افواج امراء اور مجوسی پیشواؤں کے اشاروں پر اِس تحریک کے حامیوں کو چن چن کر موت کے گھاٹ اتار رہی تھیں۔ چند سال کے اندر اندر ایران کے طول و عرض میں مزدکیت کی تحریک مکمل طور پر ختم ہو چکی تھی اور مجوسی مذہب پھر ایک بار پہلا مقام حاصل کرچکا تھا۔



روم کے سیاسی حالات ایران سے ـــــ زیادہ مختلف نہ تھے۔ عیسائی مذہب کی تعلیم اپنی تمام خوبیوں کے باوجود ایک ایسی ملوکیت کا مزاج بدلنے سے قاصر تھی۔ جس نے قدیم یونان کے صنم خانوں میں آنکھ کھولی تھی۔

شام اور فلسطین میں عیسائیت کا فروغ ایک فطری بات تھی۔ یہ وہ سرزمین تھی جس کے باشندے گزشتہ صدیوں میں مشرق و مغرب کے افق سے اٹھنے والے ان گنت طوفانوں کی ہولناکیاں دیکھ چکے تھے۔ اور یہاں عیسائیت کی تعلیم میں اُن زیردستوں کی روح کے لئے وہ تسکین کا سامان موجود تھا، جن کے ہاتھوں میں بالادستوں کا وار روکنے کی سکت نہ تھی۔ لیکن رومی حکمرانوں کو اپنے محکوموں کی روحوں پر بھی کسی اور کی حکومت پسند نہ تھی۔ چنانچہ قریباً تین صدی تک عیسائیت کے آغوش میں پناہ لینے والے کمزور اور بے بس انسانوں کے ساتھ باغیوں کا سا سلوک ہوتا رہا، پھر جب شام اور فلسطین کے عوام کی طرح مشرقی یورپ کے عوام میں بھی یہ دین مقبول ہونے لگا تو حکومت نے بھی اس کے لئے اپنی آغوش کشادہ کردی۔ قیصر نے اپنا ظاہری لبادہ تبدیل کرلیا لیکن ملوکیت کی جبلت نہ بدل سکی۔ قسطنطنیہ کے شہنشاہوں کے سر پر پہلے اپالو کے مندر کے کاہن تاج رکھتے تھے اور اب یہ خدمت کلیساؤں کے اکابر اپنے ذمے لے چکے تھے۔ پہلے وہ اپنے دشمنوں پر حملہ کرتے وقت اپنے دیوتاؤں سے مدد مانگتے تھے اور اب اُن پر تلوار اٹھانے سے پہلے صلیب کو بوسہ دے لیا کرتے تھے۔ تلوار وہی تھی صرف نیام تبدیل کردی گئی تھی۔

عوام میں عیسائیت کی مقبولیت کی وجہ یہ تھی کہ یہ مذہب ظلم و تشدد کے خلاف محبت، رحم اور انکساری کی تعلیم دیتا تھا۔ لیکن اس تعلیم کا عملی نتیجہ رہبانیت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ابتدا میں بعض لوگ معاشرے کی اصلاح سے مایوس ہوکر تارک الدنیا ہوگئے اور شہروں اور بستیوں سے نکل کر ویرانوں کو جا بسایا۔ یہ راہب چلّے کاٹتے، زمین پر سوتے بھوکے رہتے اور اپنی روح کی تسکین کے لئے ان گنت جسمانی اذیتیں برداشت کرتے تھے، دنیا کے تمام مسائل انہوں نے حکمرانوں کے لئے چھوڑ دیئے تھے۔ لیکن اہلِ دنیا انہیں خدا رسیدہ سمجھ کر اُن کا پیچھا کرتے۔ کوئی اپنی بیماری سے نجات حاصل کرنے اور کوئی اپنے کاروبار میں برکت کے لئے اُن کی دعاؤں کا طلبگار ہوتا۔ وہ سردی میں ٹھٹھرنے اور دھوپ میں جلنا پسند کرتے لیکن اُن پر سائبان تان دیئے جاتے۔ وہ زندہ رہنے کے لئے سوکھے ٹکڑے کا ایک نوالہ کافی سمجھتے لیکن اُن کے سامنے دنیا کی نعمتوں کے ڈھیر لگا دیئے جاتے۔ وہ نفس کشی اور ریاضت کو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھتے لیکن اہلِ دنیا اُن کی کرامات کا ڈھنڈورا پیٹتے۔ غرض جس قدر وہ دنیا سے بھاگتے تھے، اُسی قدر دنیا اُن کا پیچھا کرتی تھی۔ پھر جب اُن میں سے کوئی مرجاتا تو اہلِ دنیا اُس کی قبر پر عظیم الشان خانقاہیں تعمیر کر ڈالتے۔

آہستہ آہستہ یہ رہبانیت عیسائی مذہب کا ایک اہم ترین جزو بن گئی۔

ایک ایسے معاشرے میں جہاں انسان دولت اور اقتدار کے پیمانوں سے ناپا جاتا تھا کسی تہی دست اور نادار آدمی کا مرجع خلائق بن جانا ایک معمولی بات نہ تھی۔ آہستہ آہستہ خانقاہیں راہبوں سے بھر گئیں اور ریاضت اور نفس کشی کے نئے نئے طریقے رائج ہونے لگے۔ بعض راہب سمندر کے کسی ٹاپو کی سنگلاخ چٹان پر ڈیرے ڈال لیتے اور ساری زندگی وہیں گزار دیتے۔ بعض اپنے لئے کسی جنگل یا صحرا میں مینار تعمیر کرتے اور اُس کی چوٹی پر بیٹھ کر اپنا وقت گزار دیتے۔ بعض لباس سے بے نیاز، سردی یا گرمی برداشت کرنے کی قوت کا مظاہرہ کر کے عوام سے داد و تحسین حاصل کرتے اور بعض لوہے کی اس قدر بھاری زنجیریں اور طوق پہن لیتے کہ اُن کی کمر بوجھ سے دُہری ہو جاتی۔ ابتدا میں ریاضت اور نفس کشی کے یہ ہولناک طریقے اُن لوگوں نے رائج کئے تھے، جن کے نزدیک دُنیا کی ہر خواہش کو مٹانا یا جسمانی اذیتیں برداشت کرنا روحانی نجات کا واحد ذریعہ تھا۔ لیکن بعد میں انفرادی جنون کے یہ مظاہرے مذہب کے اجتماعی فرائض میں داخل ہو گئے۔ یہ خانقاہیں جہاں اب لاکھوں مرد اور عورتیں پناہ لے چکی تھیں، کلیسا کے حصار بن گئیں۔ اور ان کی نگرانی مذہب کے اُن اکابر کے سپرد تھی، جن کی اکثریت ملوکیت کے دوش بدوش کلیسا کے پرچم نصب کرنے کے لئے کوشاں تھی۔ خانقاہوں کے نظم اور راہبوں کی تربیت کے لئے جو اصول و ضوابط وضع کئے گئے تھے، وہ سلطنت کے قوانین سے زیادہ سخت تھے۔

رومی شہنشاہوں نے اپنے بدترین ادوار میں بھی فرزندان تثلیث پر وہ مظالم نہیں کئے تھے جو ان خانقاہوں کے مکین اپنی خوشی سے برداشت کر رہے تھے۔ اب مذہب کی تعلیم کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ انسان پیدائشی طور پر گنہگار ہے۔ اُس کا جسم اُس کی روح کا سب سے بڑا دشمن ہے اور رُوح کی نجات کے لئے جسم کی تذلیل کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ——

غرض خانقاہیں وہ بھٹیاں تھیں جن کی آنچ میں روح کو جسم کی آلائشوں سے پاک کیا جاتا تھا۔

عام طور پر توہم پرست یا دنیا کے آلام و مصائب کے ستائے ہوئے پریشان حال لوگ ایک بہتر زندگی کی اُمید پر اور اپنے گناہوں پر پشیمان لوگ اپنے ضمیر کی تسکین کے لئے ان خانقاہوں میں داخل ہوتے تھے لیکن یہاں انہیں ایسے لوگوں سے سابقہ پڑتا تھا جنھوں نے اُن کی ہڈیوں پر کلیسا کے اقتدار کے محل کھڑے کرنے کا راز معلوم کر لیا تھا۔ خانقاہ میں داخل ہونے کے بعد دنیا کے ساتھ اُن کے ماضی کے تمام رشتے ٹوٹ جاتے تھے، یہاں تک کہ

ماضی کے متعلق سوچنا بھی ایک گناہ تھا۔ ہر نئے راہب کی نگرانی دو تربیت یافتہ راہبوں کو سونپ دی جاتی تھی۔ یہ دن رات اُس پر پہرا دیتے تھے، کوئی راہب اپنے محافظوں یا پہریداروں کی موجودگی کے بغیر اپنے عزیزوں یا رشتہ داروں سے ملاقات نہیں کر سکتا تھا۔ اگر وہ ملاقات سے انکار کر دیتا تو اس کا یہ فعل قابل قدر سمجھا جاتا تھا —— ایک طویل عرصہ تک بھوکا پیاسا رہنا یا جاگنا ایک راہب کی تربیت کا ضروری حصہ سمجھا جاتا تھا —— ہاتھ پاؤں دھونا یا نہانا جسمانی خواہشوں میں شامل تھے، اِس لئے جسم کو انتہائی غلیظ و متعفن رکھنا اور میلے کچیلے، بدبودار چیتھڑوں میں ملبوس یا ننگا رہنا کار ثواب سمجھا جاتا تھا —— خوبصورت چہروں اور جسموں کو مسخ کر دینا بھی ایک نیکی تھی —— چنانچہ کسی خوبصورت راہبہ کی ایک آنکھ نکال دینا یا کسی تندرست و توانا راہب کی ایک ٹانگ یا بازو توڑ دینا بھی ایک معمولی بات تھی۔ خانقاہ کے قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی کے جرم کی سزا سو درّے تھی۔ دنیا کی کسی شے پر اپنا دعویٰ جتانا ایک جرم تھا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی راہب بے خیالی میں بھی یہ کہہ دیتا کہ یہ میرا جوتا یا میری قمیص ہے تو اسے اس جرم کی پاداش میں چھ کوڑے رسید کئے جاتے تھے۔ خانقاہوں کے مکینوں کو ریاست کے قیدیوں سے زیادہ مشقت کرنا پڑتی تھی۔ ان گنت جسمانی اور ذہنی اذیتوں کے بعد نیند اُن کے لئے کسی راحت کا باعث ہو سکتی تھی لیکن اُن کی روحوں کے محافظ جہاں انہیں فاقہ کشی میں مبتلا رکھنا ضروری سمجھتے تھے وہاں اس بات کا بھی خیال رکھتے تھے کہ آرام کی نیند سے اُن کی رُوح پر جسم کی آلائشیں غالب نہ آجائیں۔

ان بدنصیب لوگوں کو ہر سزا کے بعد یہ یقین دلایا جاتا تھا کہ یہ سب اُن کی بہتری کے لئے ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے ہوش و حواس اور عقل و شعور کھو بیٹھتے تھے اور ان ناقابل برداشت اذیتوں میں بھی ایک تسکین محسوس کرتے تھے۔ رات کی تاریکی اور بسا اوقات دن کی روشنی میں بھی انہیں چاروں طرف ابلیس کی ان گنت صورتیں دکھائی دیتیں۔ اور ایسا محسوس ہونے لگتا کہ وہ گناہوں کے سمندر میں ڈوبے جا رہے ہیں۔ خیالی گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے وہ اپنی ارواح کے محافظوں سے مزید سزاؤں کے طلبگار ہوتے، بعض اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی ختم کر ڈالتے، بعض گناہوں کے مستقل خوف سے اپنا ذہنی[1] توازن کھو بیٹھتے۔

---

[1] چھٹی صدی عیسوی میں اس قسم کے پاگلوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی تھی۔ کہ یروشلم میں دماغی امراض کا ہسپتال تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

"راہب یا راہبہ بن جانے کے بعد کسی کے لئے جیتے جی اپنی خانقاہ سے بھاگ نکلنا ممکن نہ تھا۔ جو راہب اپنی خوشی سے ذہنی اور جسمانی اذیتیں برداشت کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے، انہیں مجبوراً نفس کشی کے تمام مراحل سے گزرنا پڑتا تھا۔

ابتدائی ادوار میں یہ خانقاہیں عام طور پر صرف اُن مفلوک الحال لوگوں سے آباد ہوتی تھیں جن کے لئے دنیاوی زندگی میں کوئی کشش نہ تھی لیکن جب رہبانیت نے مسیحی معاشرے میں ایک اہم مقام حاصل کرلیا تو خوشحال لوگ بھی ان کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ طبقہ اعلیٰ کے وہ نوجوان جن کے لئے رومی فوج میں بھرتی ہونا ضروری تھا، اپنی جان بچانے کے لئے خانقاہوں میں پناہ لیتے تھے۔

با اثر لوگوں کی شمولیت نے رہبانیت کی توقیر میں اور اضافہ کردیا ——— اور خانقاہوں کے بشپ عوام کی بجائے خواص کو ترجیح دینے لگے۔ یہ لوگ خوشحال تاجروں یا حکومت کے عہدہ داروں کے پاس جاکر اُن سے اپیلیں کرتے کہ تم اپنے فلاں بیٹے یا بیٹی کو دین مسیح کی خدمت کے لئے وقف کردو تو تم دنیا اور آخرت میں سرخرو ہوگے۔ اور اگر تم نے اُسے نجات کے راستے سے روکنے کی کوشش کی تو اُس کے زندگی بھر کے گناہوں کا بوجھ تمہاری گردن پر ہوگا۔ ان راہبوں کی تقریریں اِس قدر پرجوش اور مؤثر ہوتیں کہ والدین اپنے بچوں کو اُن کے حوالے کر دیتے۔ لوگوں کے دلوں پر خانقاہوں کا رعب جمانے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ بعض راہبوں کی کرامات کے متعلق عجیب وغریب باتیں مشہور کردی جاتی تھیں۔

ہر خانقاہ ایک چھوٹی سی سلطنت تھی، جہاں اختیارات ادنیٰ اور اعلیٰ عہدہ داروں میں تقسیم کئے جاتے تھے۔ اور جس طرح رعایا سلطنت کا حکم ماننے پر مجبور ہوتی ہے اِسی طرح عام راہب بااختیار راہبوں کا حکم مانتے تھے۔ خانقاہ کا حاکم اعلیٰ یا راہب اپنے اختیارات میں صرف اُن آزمودہ کار راہبوں کو شریک کرتا تھا جو نفس کشی اور ریاضت کے اَن گنت مراحل سے سرخرو ہوکر نکلتے تھے۔ ان خانقاہوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دولت کی کمی نہ تھی۔ لوگ یہاں اپنی اپنی استطاعت کے مطابق نذرانے لے کر آتے تھے۔

توہم پرستی اور اذیت پسندی نے ان راہبوں کو انتہائی متعصب اور تنگ نظر بنا دیا تھا۔ یہ لوگ اپنی ذات سے متنفر تھے اس لئے دوسروں کے ساتھ محبت یا رواداری سے پیش آنا اُن کے بس کی بات نہ تھی۔ اپنے تنگ و

تاریک راستوں کے سوا انہیں کوئی دوسرا راستہ پسند نہ تھا۔ عقائد کے معاملے میں ذرّہ بھر لچک اُن کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ اُن کی خانقاہوں میں نفس کشی کے جو طریقے رائج تھے اُن پر نکتہ چینی کرنا یا انہیں معقولیت کی کسوٹی پر کسنا ایک ایسا گناہ تھا جس کی کوئی بخشش نہ تھی۔ مختلف فرقوں کے درمیان اعتقادات یا عبادات کے طریقوں کا معمولی سا اختلاف انہیں قتل وغارت پر آمادہ کرسکتا تھا اور وہ اپنے مخالفین پر بھوکے درندوں کی طرح ٹوٹ پڑتے تھے۔ کسی کے قتل کر دینے یا زندہ جلا دینے سے انہیں یہ تسکین ملتی کہ انہوں نے مقتول کی روح پر احسان کیا ہے۔ اور کسی کے ہاتھوں قتل ہوتے وقت انہیں یہ اطمینان ہوتا کہ ان کی رُوح کو جسم کی نجاست سے نجات حاصل ہوگئی ہے۔

رومی حکومت اپنے تمام جاہ وجلال کے باوجود کلیسا کے معاملات میں مداخلت سے اجتناب کرتی تھی۔ اگر کسی بات پر دنیاوی اور روحانی حکمرانوں کے درمیان ٹھن جاتی تو رومی سپاہی یہ محسوس کرتے کہ کلیسا کے تقدس کے محافظ اُن سے کہیں زیادہ نڈر اور خونخوار ہیں۔

بادشاہی اور کلیسا کے علاوہ سلطنت کی تیسری قوت سینیٹ تھی جو رومی حکومت کو کسی حد تک جمہوریت کا رنگ عطا کرتی تھی۔ لیکن سلطنت کے معاملات میں سینیٹ کی مداخلت حکمرانوں کے مزاج پر منحصر تھی۔ ایک کمزور حکمران کبھی سینیٹ کے ارکان اور کبھی کلیسا کے اکابر کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر رہ جاتا تھا اور ایک طاقتور بادشاہ کے لئے اپنے اختیارات میں معمولی مداخلت بھی ناقابلِ برداشت ہوتی تھی۔

اصنام پرست یونانیوں کی بعض قدیم رسوم روم کی طرح قسطنطنیہ میں بھی پہنچ چکی تھیں۔ رتھوں کی دوڑ کو ایتھنز اور روم کی طرح یہاں بھی ایک قومی کھیل کا درجہ حاصل تھا۔ اور بازنطینی حکمران ایک مذہبی رسم کی طرح اِس کھیل کی سرپرستی کرتے تھے۔

ابتدائی ادوار میں یہ کھیل ایک تفریحی مشغلہ تھا لیکن آگے چل کر تفریح ایک مستقل فساد کا ذریعہ بن گئی۔ رتھوں کی دوڑ میں حصہ لینے والے کھلاڑیوں کے مختلف گروہ آپس میں برسرپیکار رہتے تھے۔ اور بازنطینی معاشرے میں انہیں مذہبی فرقوں کی سی اہمیت حاصل ہوگئی تھی۔ کھلاڑیوں کے جس گروہ کو شہنشاہ کی سرپرستی نصیب ہوتی، اُس کے مخالفین پر عرصہ حیات تنگ ہو جاتا تھا۔ یہ لوگ رات کے وقت مسلح ہو کر گھروں سے نکلتے اور شہر کی گلیوں اور بازاروں میں لوٹ مار اور قتل وغارت شروع کر دیتے۔ اُن کے مظالم اپنے مخالفین یا اُن کے حامی عوام تک ہی محدود نہ رہتے تھے

بلکہ یہ درندے اُن بے گناہ لوگوں کے گھروں میں بھی جا گھستے تھے جنھیں اُن کی دوستیوں یا دشمنیوں سے کوئی سروکار نہ ہوتا تھا۔ دولت مندوں کی دولت چھین لی جاتی، خاوندوں اور بھائیوں کے سامنے اُن کی بیویوں اور بہنوں کی عصمت لُوٹی جاتی، والدین کی گود سے اُن کے خوبصورت بچے چھین لئے جاتے لیکن انہیں احتجاج کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اگر کوئی ان درندوں کو دیکھ کر اپنے گھر کا دروازہ بند کرلیتا تو مکان کو آگ لگا دی جاتی۔

قسطنطنیہ کو ان ہولناکیوں سے بچانے کے لئے قانون، مذہب اور اخلاق کے تمام ضابطے ناکام ہو چکے تھے۔

عوام کے گھروں کی طرح گرجے اور خانقاہیں بھی وحشت اور بربریت کی اِس آندھی سے محفوظ نہ تھیں۔

حکومت کی فوج اور پولیس یہ المناک مناظر دیکھتی لیکن ملوکیت کا رعب وجلال ادائے فرض کے راستے میں حائل ہو جاتا۔ اگر کوئی فرض شناس حاکم یا دیانت دار جج عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرنے کی جرأت کرتا تو اُسے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑتے۔ ان کھلاڑیوں کے جس فریق کے سر پر شہنشاہ کا ہاتھ ہوتا اُس کے بدترین مظالم کے خلاف ملک کے قانون کی زبان گنگ ہو جاتی۔ پھر جب کوئی نیا حکمران کسی دوسرے فریق کا سرپرست بن جاتا تو ظالم مظلوم ہو جاتے اور مظلوم ظالم۔

رومی حکمرانوں کا یہ سلوک کسی بیرونی دشمن کے ساتھ نہیں، اُس رعایا کے ساتھ تھا جو انہیں اپنا محافظ سمجھتی تھی۔ جس کی مذہبی عبادت گاہوں میں ان کی عزت اور سربلندی کے لئے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔

یہ وہ دور تھا جب مشرق ومغرب کے چوسٹھ صوبوں، نوسو پینتیس شہروں اور بے شمار بستیوں کے عوام پر قیصر کا حکم چلتا تھا۔ اور اگر ان صوبوں، شہروں اور بستیوں میں سوچنے، سمجھنے اور محسوس کرنے والے انسان آباد تھے تو ہمارے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ شاہراہ حیات کے ان بھٹکے ہوئے مسافروں کی رات کتنی تاریک، کتنی بھیانک اور کتنی صبر آزما تھی۔ پھر ہمارے لئے یہ سمجھنا بھی مشکل نہیں کہ روم اور ایران کے تصادم کا نیا دور فرزندانِ آدم کے لئے کس قدر ہولناک تھا۔

یہ اُن شہنشاہوں کا تصادم تھا جنھیں خدا کی زمین پر اپنے سوا کسی اور کا سانس لینا گوارا نہ تھا۔ اور یہ اُن قوموں کا معرکہ تھا جو یکساں بے رحم، توہم پرست اور تنگ نظر تھیں۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود انسانی تاریخ کے اُس دور میں روم اور ایران ہی وہ عظیم سلطنتیں تھیں جن سے مشرق ومغرب کی اقوام تہذیب واخلاق کا درس لے سکتی تھیں۔ یہی وہ گدلے پانی کے چشمے تھے جن کی طرف بے آب وگیاہ صحراؤں میں بھٹکنے والے قافلے رجوع کر سکتے تھے۔

ایشیا اور یورپ کے شمالی اور وسطی ممالک میں جہالت اور پسماندگی اپنے انتہائی عروج پر تھی۔ یہ ممالک اُن خانہ بدوش اور وحشی قبائل کی شکارگاہیں تھیں جو مختلف ادوار میں منگولیا سے نکل کر یورپ اور ایشیا کے میدانوں میں پھیل جایا کرتے تھے۔ زرخیز خطوں پر قبضہ جمانے کے بعد جب یہ خانہ بدوش نسبتاً متمدن زندگی کے عادی ہو جاتے اور کھیتی باڑی کی بدولت وسائل حیات کی فراوانی اُن کی بدویانہ خصوصیات بدل ڈالتی تو وسط ایشیا سے وحشت اور بربریت کے طوفان کی ایک اور لہر اُٹھتی اور ان ترقی یافتہ وحشیوں کو اپنے انتہائی پسماندہ اور خونخوار بھائیوں کے لئے جگہ خالی کرنی پڑتی۔ سیتھین، ہُن اور ونڈال جن کی وحشت اور بربریت کبھی مشرق میں سلطنت ایران اور کبھی مغرب میں سلطنتِ روما کے لئے خطرۂ عظیم بن جاتی تھی۔ انہی قبائل کی شاخیں تھیں جو اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے منگولیا کی چراگاہوں کو ناکافی پاکر نئی چراگاہوں کی تلاش میں نکل پڑتے تھے۔



عرب، روم اور ایران کی عظیم سلطنتوں کا ایک گمنام اور حقیر ہمسایہ تھا۔ لیکن اس ملک کے باشندے اپنے ہمجوار ممالک کے اچھے یا بُرے اثرات سے محفوظ تھے۔ مشرق یا مغرب سے اگر کوئی طوفان نمودار ہوتا تھا تو اُس کی لہریں اِس صحرا کی ریت میں گم ہو کر رہ جاتی تھیں۔ اہل عرب مدنیت کے شعور کی اُس منزل سے صدیوں پیچھے تھے جہاں افراد یا قبائل کے اتحاد سے قوم یا ملّت معرضِ وجود میں آتی ہے اور زمین کے خطے ایک سلطنت کے اجزا بن جاتے ہیں۔

یہاں بیرونی تہذیبوں کے خفیف سے اثرات صرف اُن بستیوں اور شہروں تک محدود تھے جو یمن اور شام کے درمیان قدیم تجارتی شاہراہ پر آباد تھے۔ سلطنت کا تصوّر جزیرہ نمائے عرب کے اُن بیرونی اور نسبتاً زرخیز علاقوں تک محدود تھا جہاں مستقل آبادی اپنے وسائل حیات کے تحفظ کے لئے کسی طاقتور خاندان کی سیادت قبول کرنے پر مجبور ہو جاتی تھی۔ صحرائی آبادی اُن خانہ بدوشوں پر مشتمل تھی جو اونٹ کے بالوں یا بکریوں کی کھالوں کے خیموں میں رہتے تھے۔ اُن کے نزدیک بھیڑ بکریاں، اونٹ یا گھوڑے پالنا اور شکار کھیلنا ہی مردانہ کام تھے۔ جنوب کے زرخیز علاقے میں سلطنتیں بنی اور ختم ہو گئیں لیکن بے آب وگیاہ وادیوں کے مکین ان انقلابات سے محفوظ رہے۔ پانی کی کمیابی، خوراک کی قلّت اور جھلس دینے والی گرمی کے باعث بیرونی حملہ آوروں کے لئے اس خطۂ

زمین میں کوئی کشش نہ تھی لیکن اس کے باوجود یہ صحرا نشین امن وسکون سے ناآشنا تھے۔ وہ بیرونی جارحیت سے تو محفوظ تھے لیکن جہالت کا عفریت جسے وہ اپنی مخصوص تہذیبی اور اخلاقی روایات کا محافظ سمجھتے تھے اُن کے لئے روم وایران کی استبدادی قوتوں سے زیادہ خطرناک بن چکا تھا۔ وہ باہر کی آندھیوں سے محفوظ تھے لیکن اپنے گھر کی آگ سے اُن کے لئے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔

اُن کے ماضی کی تاریخ خاندانی جھگڑوں یا قبائلی جنگوں تک محدود تھی۔ یہ جنگیں عام طور پر افراد سے شروع ہوتی تھیں جو کبھی کسی پانی کے چشمے، یا چراگاہ پر قبضہ کرنے اور کبھی ایک دوسرے کے مویشی چھیننے کے لئے آپس میں الجھ پڑتے تھے، پھر تمام کے تمام قبیلے میدان میں آجاتے اور برسوں تک لوٹ مار، قتل وغارت اور انتقام در انتقام کا سلسلہ جاری رہتا۔ جب ایک نسل کی رگوں سے خون کا آخری قطرہ تک بہ نکلتا تو نئی نسل میدان میں آجاتی۔ اُن کے خطیب اور شاعر نفرت وانتقام کے جہنم کیلئے تازہ ایندھن مہیا کرتے تھے، اُن کا بیشتر شعر وادب اُن قصائد اور ہجویات پر مشتمل تھا جس کی بدولت وہ اپنی پُرانی عداوتیں زندہ رکھ سکتے تھے۔

قبائلیت بدوی سوسائٹی کی بنیاد تھی۔ ایک فرد کی زندگی کا اوّلین مقصد اپنے قبیلے کی انا کی تسکین کا سامان مہیا کرنا تھا۔ اپنے قبیلے کے کسی فرد کے قاتل کے لئے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ ایسا مجرم فرار ہو کر ہی قبیلے کے انتقام سے بچ سکتا تھا۔ لیکن ہمسایہ قبائل کے خلاف انتہائی گھناؤنے جرائم کا ارتکاب بھی قابل تحسین سمجھا جاتا تھا۔

کمزور قبائل کو اپنی سلامتی کے لئے کسی طاقتور قبیلے کی پناہ لینا پڑتی تھی اور اس کے بدلے وہ خراج ادا کرتے تھے۔ بعض اوقات ایک غیر جانبدار قبیلہ فریقین کے درمیان کود پڑتا تو ایک عارضی مدت کے لئے صلح بھی ہو جاتی تھی لیکن تصفیہ کا اصول یہ تھا کہ جنگ میں جس قبیلے کے کم آدمی مارے جاتے تھے اُسے اپنے حریف کی زائد اموات کا خون بہا دینا پڑتا تھا۔

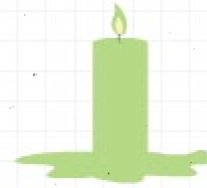
قبائل صرف پیدائشی اور نسلی رشتوں ہی سے نہیں بنتے تھے بلکہ ایک اجنبی کسی کے گھر کا کھانا کھانے اور اُس کے خون کی چند بوندیں چکھنے کی رسم ادا کرنے کے بعد اُس کے قبیلے میں داخل ہو سکتا تھا۔ بعض اوقات ایک چھوٹے اور کمزور قبیلے کے تمام افراد اپنی بقا کے لئے کسی بڑے اور طاقتور قبیلے میں جذب ہو جاتے تھے،

اور اس طرح انہیں اپنی قوت میں اضافہ کرنے کے بعد اپنے دشمنوں کے مظالم کا حساب چکانے کا موقع مل جاتا تھا ۔۔۔

عرب جس قدر جاہل تھے اُسی قدر ضدّی، خونخوار اور مغرور تھے۔ صحرا کی آب وہوا نے انہیں اونٹ کی طرح جفاکش اور کھجور کے درختوں کی طرح سخت جان بنا دیا تھا لیکن یہ جفاکشی کسی صحت مند معاشرے کی بجائے انہیں اپنے ماحول کی تاریکیوں میں ثابت قدم رکھنے کے کام آرہی تھی۔ اپنے اسلاف کی بدترین روایات پر قائم رہنا اُن کے نزدیک بہادری اور اپنے اسلاف کا راستہ چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا اُن کے نزدیک بزدلی اور بے غیرتی کے مترادف تھا۔

مکہ کو یہ شرف حاصل تھا کہ یہاں ابراہیم علیہ السلام نے خدا کا پہلا گھر تعمیر کیا تھا۔ لیکن شرک کی آندھیاں یہاں توحید کا چراغ بجھا چکی تھیں۔ اور خدا کا یہ گھر ایک بتکدہ بن چکا تھا۔ عرب اب بھی خانہ کعبہ کو اپنا روحانی مرکز سمجھتے تھے لیکن صدیوں کی جہالت کی طغیانیوں میں دینِ ابراہیمؑ کی تعلیم، چند مشرکانہ رسوم کا مجموعہ بن کر رہ گئی تھی ۔۔۔ خال خال ایسے لوگ تھے جن کے دلوں کی گہرائیوں میں دین ابراہیمؑ کی لَو جھلملا رہی تھی لیکن ظلمت کے طوفانوں کے آگے چند ٹمٹماتے ہوئے چراغوں کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ عرب سے باہر مجروح انسانیت کو اپنے زخموں کا احساس تھا۔ وہاں بھٹکے ہوئے قافلے کسی راہنما کے جویا ہو سکتے تھے۔ بالخصوص شام میں عیسائی اور یہودی مذاہب کے پیشوا جب اپنے گردوپیش سے مایوس ہوتے تھے۔ تو ان کی نگاہیں فلسطین کی وادیوں میں اُس نجات دہندہ کو تلاش کرتی تھیں جس کی آمد کی بشارت اُن کے آسمانی صحیفوں میں موجود تھی ۔۔۔ اگر وہ تاریکی میں بھٹک رہے تھے تو انہیں کسی روشنی کا انتظار تھا۔ اگر وہ جبر واستبداد کی چکی میں پس رہے تھے تو انہیں عدل وانصاف اور رحم وکرم کی طلب تھی۔ لیکن عرب کا ضمیر اُس روشنی سے محروم ہو چکا تھا جو اچھائی اور برائی میں تمیز کر سکتی ہے۔ انہیں اپنے اندوہناک ماضی پر فخر تھا، وہ اپنے حال کی پستیوں پر مغرور تھے۔ اُن کے مقدر کی ظلمتوں کو کسی روشنی کی احتیاج نہ تھی وہ جس ڈگر پر چل رہے تھے اُسی پر چلتے رہنا چاہتے تھے ۔۔۔ کوئی نیا راستہ جس پر اُن کے اسلاف کے نشان قدم موجود نہ تھے اُن کے لئے قابل قبول نہ تھا ۔۔۔ کوئی بُرائی جو انہیں ورثے میں ملی تھی قابلِ نفرت نہ تھی۔ اور کوئی نیکی جسے اُن کے آباؤ اجداد ٹھکرا چکے تھے اُن کے نزدیک قابل التفات نہ تھی ۔۔۔ اُن کا وجود زندگی کی

ہر سعادت کی نفی کرتا تھا ــــــ وہ اپنے ظلمتکدے کو اس صبح کی روشنی سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے جس کے انتظار میں امن و سکون کے جویاؤں کی نگاہیں پتھرا گئی تھیں۔ لیکن یہی وُہ ظلمتکدہ تھا جو روشنی کے جویاؤں کی نگاہوں کا مرکز بننے والا تھا ــــــ یہی وہ بنجر اور سنگلاخ زمین تھی جسے قدرت نے اپنے انعامات کی بارش کے لئے منتخب کیا تھا ــــــ اور یہی وُہ افق تھا جس کی بھیانک تاریکیاں، آفتابِ رسالتؐ کی ضیا پاشیوں کی اوّلین مستحق سمجھی گئی تھیں یہ داستان فرزندانِ آدم کی تاریخ کے اُس دور سے تعلق رکھتی ہے، جب مکّہ میں ایک نئی صبح کی روشنی نے تاریک رات کے مسافروں کو چونکا دیا تھا۔



باب (۳)

ایک دن یثرب کے یہودیوں کا ایک بااثر سردار کعب بن اشرف کھجوروں کے باغ سے گھرے ہوئے اپنے قلعہ نما مکان سے نمودار ہوا، اور شمعون اور اُس کے خاندان کے آٹھ آدمی جو کھجوروں کی چھاؤں تلے، چٹائیوں پر بیٹھے اُس کا انتظار کر رہے تھے اُسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

کعب نے شمعون سے پوچھا "ہبیرہ ابھی تک نہیں آیا؟"

شمعون نے جواب دیا "جناب میرے غلام نے اُسے آپ کا پیغام پہنچا دیا تھا اور اُس نے بہت جلد آنے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ وُہ ایک بدمزاج آدمی ہے۔ آپ ذرا سختی سے بات کریں۔ ان لوگوں کی یہ جرأت نہیں ہونی چاہیئے کہ ہمارے مقروض ہو کر ہمیں کو آنکھیں دکھائیں۔ پچھلے مہینے میں اُس کے پاس گیا تھا تو وہ لڑنے مرنے کو تیار ہو گیا تھا۔"

پانچ عرب، باغ سے مکان کی طرف آنے والے راستے پر نمودار ہوئے اور کعب نے اُن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "دیکھو! وہ آ رہا ہے۔ تمہیں اُس سے بات کرتے ہوئے ذرا تدبر سے کام لینا چاہیے۔ اوس اور خزرج کو ایک طویل جنگ نے تھکا دیا ہے اور اُن کے کئی سرکردہ لوگ درپردہ مصالحت کے لئے کوشاں ہیں۔ مجھے ہمیشہ اس بات کا اندیشہ رہتا ہے کہ اگر اُن کی لڑائی ختم ہو گئی تو وہ کسی دن ہمارے خلاف متحد ہو جائیں گے، ہمیں کسی فریق کو بھی اِس قدر آزردہ نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ مایوسی اور بے بسی کی حالت میں اپنے دشمن سے مصالحت کرنے پر آمادہ ہو جائے ــــ"

ہبیرہ اور اُس کے ساتھیوں کو قریب آتے دیکھ کر یہودی خاموش ہوگئے۔ ہبیرہ کی ڈاڑھی کے نصف بال سفید ہو چکے تھے تاہم اُس کے بھاری جسم اور بارعب چہرے سے تندرستی اور توانائی مترشح تھی۔ اُس کا دایاں بازو کہنی کے اوپر سے کٹا ہوا تھا اور پیشانی اور بائیں گال پر پرانے زخموں کے نشان تھے۔ اُس کے بائیں ہاتھ میں ایک مضبوط لاٹھی تھی۔ باقی چار افراد جن میں سے دو کی عمر پندرہ اور اٹھارہ برس کے درمیان معلوم ہوتی تھی اور دو ہبیرہ کے ہم عمر تھے، تلواروں سے مسلح تھے۔

یہ لوگ کعب کے اشارے سے یہودیوں کے قریب بیٹھ گئے۔ اور کعب نے اُن کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ہبیرہ میں حیران ہوں کہ تم امن کے دنوں میں بھی مسلح آدمیوں کے پہرے میں گھر سے باہر نکلتے ہو۔"

ہبیرہ نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ خالی ہاتھوں کے مقابلے میں تلواریں امن کی بہتر ضمانت ہو سکتی ہیں۔"

ایک یہودی نے کہا۔ "احتیاط بُری چیز نہیں، پرسوں بنوخزرج کے تین آدمی، ہتھیار بند شہر میں پھر رہے تھے۔"

کعب نے کہا۔ "ہبیرہ، شمعون کو شکایت ہے کہ تم نے اُس سے بدعہدی کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم آپس میں تصفیہ کر لو۔"

ہبیرہ کا چہرہ غصّے سے تمتما اُٹھا، اُس نے قہر آلود نگاہوں سے شمعون کی طرف دیکھا اور کہا۔ "میں نے اِس کے ساتھ کوئی بدعہدی نہیں کی۔"

شمعون نے کہا۔ "جناب اِس نے میرا قرض ادا کرنے کی بجائے، اپنے گھوڑے کہیں باہر بھیج دیئے ہیں۔"

ہبیرہ نے شمعون کے بدلے کعب کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "جناب میں نے اِس کا قرض ادا کرنے سے انکار نہیں کیا۔ صرف چند ماہ کی مہلت مانگی تھی۔"

شمعون نے کہا۔ "اگر تم اپنے گھوڑے دوسروں کے ہاتھ بیچنا چاہو تو میں تمہیں مہلت کیوں دوں، میں اُس دن کا انتظار کیوں کروں جب تم اپنا باغ، جانور اور گھر کا تمام اثاثہ بیچ کر کہیں بھاگ جاؤ۔"

ہبیرہ خون کا گھونٹ پی کر رہ گیا اور کعب نے فوری مداخلت کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "شمعون تمہیں ایک معزز آدمی سے اِس طرح بات نہیں کرنا چاہیئے۔ میں ہبیرہ کو جانتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ تمہارا ایک ایک درہم ادا کر دے گا۔"

ہبیرہ نے شکایت کے لہجے میں کہا۔ "میں نے جو رقم اس سے لی تھی اُس سے تین گنا سود ادا کر چکا تھا۔ اور یہ کہتا تھا کہ اگر میں اسے اپنے آٹھ بہترین گھوڑے دے دوں تو بھی صرف سود کی بقایا رقم ہی پوری ہو سکے گی۔ اور میں یہ چاہتا تھا کہ اس کا پورا حساب چکا دیا جائے، پچھلے دنوں شام میں گھوڑوں کی بہت مانگ تھی اس لئے میں نے گھوڑے وہاں بھیج دیئے تھے۔"

کعب نے کہا۔ "اگر تمہارا یہ خیال تھا کہ شمعون تمہارے گھوڑوں کی قیمت کم لگاتا ہے تو یہاں کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دیئے ہوتے۔"

ہبیرہ نے کہا۔ "اگر وہ تمام گھوڑے میرے اپنے ہوتے تو میں شاید یہی کرتا۔ لیکن اُن میں میرا بھتیجا عاصم بھی حصہ دار تھا۔ اور وہ انہیں یہاں بیچنے کی بجائے شام لے جانے پر مصر تھا، اُس کے اصرار کی وجہ یہ تھی کہ ہمیں اسلحہ کی بے حد ضرورت تھی۔ عاصم شام میں گھوڑے بیچنے کے بعد تلواریں خرید کر لائے گا۔ اور ہم یہاں اپنی ضرورت سے زائد تلواریں اپنے قبیلے کے لوگوں کے ہاتھ کئی گنا قیمت پر فروخت کر سکیں گے۔ پھر میرے لئے شمعون کا قرضہ اُتارنا مشکل نہ ہوگا۔ شمعون مجھ پر بدعہدی کا الزام لگاتا ہے لیکن آپ اِس سے پوچھیئے کیا اِس نے ہمارے خاندان کے آدمیوں سے بیس تلواریں مہیا کرنے کا وعدہ کرنے کے بعد ہمیں دھوکا نہیں دیا اور وہ تلواریں ہمارے دشمنوں کے ہاتھ فروخت نہیں کیں؟"

شمعون نے کہا۔ "جب قبیلۂ خزرج کے لوگ مجھے زیادہ قیمت دیتے تھے تو میں تم سے سودا کیوں کرتا؟"

ہبیرہ نے کہا۔ "پھر تمہیں یہ شکایت کیوں ہے کہ میں نے اپنے گھوڑے سستے داموں تمہارے ہاتھ فروخت کیوں نہیں کئے؟"

شمعون نے جواب دیا۔ "اس لئے کہ تم میرے مقروض ہو۔"

ہبیرہ نے طیش میں آکر کہا۔ "تمہاری تمام دولت ہمارے خون اور پسینے سے نچوڑی ہوئی ہے اور اب تم ہمیں مقروض ہونے کا طعنہ دیتے ہو۔؟"

کعب نے کہا۔ "دیکھو جھگڑنے سے کوئی فائدہ نہیں، میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ تمہارا تصفیہ کرا دیا جائے۔"

ہبیرہ نے کہا "آپ جو کہیں میں ماننے کو تیار ہوں، لیکن شمعون کو مجھ سے بدکلامی کرنے کا کوئی حق نہیں میں نے آج تک اس سے کوئی بدعہدی نہیں کی لیکن اس نے ہمیشہ میری مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے مجھ سے پہلے اِس نے میرے بھائی کو قرض دیتے وقت جو شرائط منوائی تھیں وہ انتہائی تکلیف دہ تھیں لیکن ہم نے مجبوری کی حالت میں سب کچھ برداشت کیا۔ میرے بھائی کو اپنا نصف باغ اور چشمے سے اپنے حصّے کا نصف پانی اس کے پاس رہن رکھنا پڑا۔ ظاہر ہے کہ یہ پانی رہن شدہ باغ کی آبیاری کے لئے استعمال ہونا چاہیئے تھا، لیکن جب میرا بھائی قرضے کی نصف سے زائد رقم ادا کر چکا تو اس کی نیت میں فتور آ گیا اور اس نے پانی اپنے نئے باغ کو دینا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ مزید تین سال گزرنے کے بعد جب میرے بھائی نے پوری رقم ادا کر کے اپنا باغ چھڑایا تو اُس کے بیشتر درخت سوکھ چکے تھے۔"

شمعون نے کہا "لیکن تم یہ بات بھول گئے ہو کہ تمہارے بھائی نے اپنے ایک بیٹے کو بھی میرے پاس رہن رکھا تھا اور ہمارا معاہدہ یہ تھا کہ قرضے کا آخری درم ادا ہونے تک وہ میرے پاس رہے گا۔"

ہبیرہ نے کہا "اگر تم اُسے اپنے پاس نہیں رکھ سکے تو اس میں میرا یا میرے بھائی کا کیا قصور تھا؟ کیا یہ درست نہیں کہ جب وہ تمہاری بدسلوکی سے تنگ آ کر گھر بھاگ آیا تھا تو ہم اُسے پکڑ کر تمہارے پاس لے گئے تھے لیکن تم نے خود ہی اُسے اپنے پاس رکھنے سے انکار کر دیا تھا۔؟"

شمعون نے کعب سے مخاطب ہو کر کہا "جناب آپ ہی انصاف کریں کہ میں نے عاصم کے ساتھ کیا بدسلوکی کی تھی۔ میں نے اُسے کام کا آدمی بنانے کے لئے اُس کی تعلیم کا انتظام کیا، لیکن جب وہ پڑھنے لکھنے کے قابل ہؤا تو الٹا میرا دشمن بن گیا۔ اُس نے تین دفعہ میرے بڑے لڑکے کو پیٹا۔ چوتھی بار میرے چھوٹے لڑکے کو ایک سرکش گھوڑے کی پیٹھ پر بٹھا کر چھوڑ دیا۔ میرے پاس بنو خزرج کے ایک معزز شخص عدی کا لڑکا عُمیر بھی رہن تھا، عاصم کی اس سے بھی نہیں بنتی تھی۔ ایک دن اس نے عُمیر بن عدی کو اتنا پیٹا کہ اُس کے منہ اور ناک سے خون بہنے لگا۔ میرے نوکروں کی مداخلت سے عُمیر جان چھڑا کر گھر پہنچا تو اُس کے خاندان کے بوڑھے اور جوان میرے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ عاصم کو ہمارے حوالے کر دو۔ یہ عاصم کی خوش قسمتی تھی کہ وہ میری پناہ میں تھا ورنہ عدی کے بیٹے سے یہ سلوک کرنے کے بعد اُس کا ایک لمحہ کے لئے بھی زندہ رہنا ممکن نہ تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر رخصت کیا۔

چند دن بعد مجھے معلوم ہؤا کہ اوس اور خزرج پھر کھلے میدان میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں مجھے ڈر تھا کہ اوس، خزرج کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے اس لئے میں نے نوکروں سے کہہ دیا کہ وہ عاصم کا خیال رکھیں چنانچہ لڑائی سے ایک دن قبل ہم نے اُسے ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ میرا قیاس درست نکلا، اس لڑائی میں بنو اوس کا بہت نقصان ہؤا۔ ہبیرہ کا ایک بیٹا اور اس کے بھائی کے دو بیٹے مارے گئے اور میری وجہ سے عاصم کی جان بچ گئی، لیکن اُس نے مجھے احسان کا بدلہ یہ دیا کہ جب اُس کی کوٹھڑی کا دروازہ کھولا گیا تو وہ باہر نکلتے ہی مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ یہ دیکھئے!" شمعون نے اپنا منہ کھول کر دانتوں پر انگلی پھیرتے ہوئے کہا "میرے تین دانت اب بھی ہلتے ہیں۔"

ہبیرہ نے فخریہ انداز میں کہا "یہ تم سے کس نے کہا تھا کہ میرا بھتیجا موت سے ڈرتا ہے۔ تم تو بنو خزرج کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ لڑائی کے دن تم نے ہمارے ایک شیر کو باندھ رکھا تھا۔ تمہیں اس بات کا دکھ ہے کہ اُس نے عمیر بن عدی کو پیٹ ڈالا تھا لیکن تم نے یہ کیوں نہ سوچا کہ آگ اور پانی ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ پھر تمہارے بیٹوں کے دماغ میں یہ خیال کیسے پیدا ہؤا کہ وہ میرے بھتیجے سے افضل تھے۔ ہم نے تم سے قرضہ لیا تھا بھیک نہیں مانگی تھی۔"

شمعون نے کہا "جناب! میں نے عاصم کو اپنے بچوں کی طرح گھر میں رکھا تھا۔ لڑائی کے دن میں نے اُسے صرف اس ڈر سے کمرے میں بند کر دیا تھا کہ وہ ابھی تلوار اٹھانے کے قابل نہیں ہؤا۔ اگر وہ میدان میں چلا جاتا تو اُس کا انجام اپنے بڑے بھائیوں سے مختلف نہ ہوتا۔ لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ اس نیکی کا یہ اجر ملے گا —— بات دراصل یہ تھی کہ جب، عاصم کے دو بھائی جنگ میں مارے گئے تو اس کے باپ نے اُسے اپنے پاس رکھنے کی ضرورت محسوس کی، پہلے اُس نے یہ کہا کہ میں تجارت کے سلسلے میں شام جا رہا ہوں اور عاصم کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ اُسے چند مہینے کے لئے آزاد کر دو۔ لیکن جب میں ادائے قرض سے پہلے اُسے چھوڑنے پر رضامند نہ ہؤا تو اُس نے عاصم کو میرے خلاف بھڑکا کر ایسے حالات پیدا کرنے کی کوشش کی کہ میں اُسے واپس کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔"

ہبیرہ نے اپنا غصّہ ضبط کرتے ہوئے کہا "تم جھوٹ کہتے ہو۔ اگر ہماری نیت بُری ہوتی تو ہم عاصم کو

دوبارہ تمہارے پاس لے کر نہ آتے۔"

شمعون نے کعب سے مخاطب ہوکر کہا "جناب! اُسے دوبارہ میرے پاس لانے سے ان کا مقصد صرف میرا مذاق اڑانا تھا۔ ایک طرف یہ مجھ سے مصالحت کی باتیں کر رہے تھے اور دوسری طرف وہ لڑکا میرے بیٹے کے کان میں کہہ رہا تھا کہ اگر اب مجھے یہاں رہنا پڑا تو میں سب سے پہلے تمہیں قتل کروں گا اور اس کے بعد تمہارے باپ اور بھائیوں کی باری آئے گی۔"

ہبیرہ نے کعب سے کہا "جناب! آپ اسی بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں عاصم کے ساتھ ان لوگوں کا سلوک کیسا تھا۔ ایک کمسن لڑکا بلاوجہ اس قدر مشتعل نہیں ہو سکتا۔"

کعب نے قدرے درشت ہوکر کہا "ہبیرہ ہم تمہارے کسی آدمی کو اس کی اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ ہمارے بچوں کو پیٹے۔ تم بنوخزرج کے مقابلے میں اپنی ناکامیوں کا انتقام یہاں کے یہودیوں سے نہیں لے سکتے۔ میں تمہیں یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ ہم سے بگاڑ کر تم ایک دن کے لئے بھی یثرب کی وادیوں میں نہیں رہ سکتے۔ میں نے انتہائی ضبط سے کام لے کر تمہاری باتیں سُنی ہیں اور مجھے افسوس ہے کہ تمہارا یہ رویہ دانشمندانہ نہیں، تمہیں قدم قدم پر ہماری ضرورت پڑے گی۔"

ہبیرہ کچھ دیر سکتے کے عالم میں کعب کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا "آپ شمعون کی غلط بیانی سے متاثر ہوئے ہیں۔ عاصم نے کسی بچے پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا، اس کا چھوٹا لڑکا اُس کا ہم عمر ہے اور باقی دونوں اُس سے بڑے ہیں۔ آپ شمعون سے یہ پوچھیئے کہ اس کے لڑکوں نے عاصم سے کیا کہا تھا؟"

شمعون بولا "تم خود ہی بتادو نا؟"

"انہوں نے کہا تھا کہ آئندہ ہم قرضہ مانگنے والوں سے لڑکوں کی بجائے لڑکیاں رہن رکھنے کا مطالبہ کیا کریں گے۔ عدی کا بیٹا بے غیرت تھا اور وہ یہ برداشت کر گیا، لیکن عاصم اُس سے مختلف تھا۔"

شمعون نے کہا "یہ بالکل غلط ہے۔ بات یہ تھی کہ لڑکے عُمیر کے ساتھ مذاق کر رہے تھے اور عاصم نے پہلے اُسے بے غیرتی کا طعنہ دے کر اکسانے کی کوشش کی تھی لیکن جب وہ اُس کی باتوں میں نہ آیا تو اُس نے بذاتِ خود میرے لڑکوں سے لڑنا شروع کر دیا۔ وہ ہمیشہ میرے لڑکوں سے اُلجھنے کے لئے کسی بہانے کی تلاش

میں رہتا تھا اور عُمیر سے اُس کی عداوت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ میرے بیٹوں کے خلاف اُس کا ساتھ نہیں دیتا تھا۔"

ہبیرہ نے کہا "جناب آپ خود ہی انصاف کریں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شمعون کے بیٹوں نے بنوخزرج کے ایک لڑکے سے مذاق کیا ہو اور عاصم کو طیش آگیا ہو۔ بات در اصل یہ تھی کہ انہوں نے ان دونوں کی عزت پر حملہ کیا تھا۔ عمیر نے اپنے خاندان کی توہین برداشت کر لی لیکن عاصم برداشت نہ کر سکا۔ اُس وقت اُس کی عمر بارہ یا تیرہ سال سے زیادہ نہ تھی لیکن شمعون آج تک ہم سے انتقام لے رہا ہے۔"

شمعون نے برہم ہوکر کہا "کیسا انتقام؟"

ہبیرہ نے جواب دیا "تم نے پہلے میرے بھائی کا نصف باغ ویران کر دیا۔ اس کے بعد ہماری بجائے ہمارے دشمنوں کے ہاتھ تلواریں فروخت کیں۔ پھر ابھی چار مہینے کی بات ہے کہ ہمارے گھر میں میرے بھائی کی لاش پڑی تھی اور تم رقم ادا کرنے پر اصرار کر رہے تھے، عاصم کا اولین فرض اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینا تھا، لیکن اُس پر تمہاری باتوں کا یہ اثر ہوا کہ وہ اپنے باپ کو دفن کرتے ہی گھوڑے لے کر شام کی طرف روانہ ہو گیا، تاکہ کسی تاخیر کے بغیر تمہاری رقم ادا کرنے کا بندوبست کر دیا جائے لیکن اب تم کچھ دن بھی صبر نہیں کر سکتے۔"

کعب نے کہا "شمعون میں ہبیرہ کو مدت سے جانتا ہوں یہ ایک با اصول آدمی ہے تمہیں اس کے وعدے پر اعتماد کرنا چاہیئے۔"

شمعون نے جواب دیا "میں اس کے وعدے پر اعتماد کر سکتا ہوں لیکن اوّل تو مجھے اس کے بھتیجے سے یہ توقع نہیں کہ وُہ واپس آجائے گا۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ راستے ہی میں سب کچھ گنوا بیٹھے۔"

ہبیرہ نے کہا "میرا بھتیجا اس سے پہلے بھی شام کا سفر کر چکا ہے اور مجھے اُس کی فراست پر اعتماد ہے لیکن اگر اُسے کوئی حادثہ پیش آگیا تو قرضے کی رقم کے عوض میں اپنا آدھا باغ تمہارے پاس رہن رکھ دوں گا۔"

کعب نے کہا "شمعون! اب تمہیں مطمئن ہو جانا چاہیئے۔ اور ہبیرہ! تم کو بھی یہ محسوس نہیں کرنا چاہیے کہ میں نے تم پر دباؤ ڈالنے کے لئے تمہیں یہاں بلایا ہے۔ میں صرف یہ چاہتا تھا کہ ہم سے تمہارے تعلقات خراب نہ ہوں۔ آئندہ اگر تمہیں کوئی دشواری پیش آئے تو میرے پاس آجانا۔"

ہبیرہ نے اٹھ کر احسان مندانہ لہجے میں کہا۔ "میں آپ کا شکرگزار ہوں۔ موجودہ حالات میں ہمارے لئے آپ سے اعانت طلب کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ اگر آپ لڑائی میں ہمارا ساتھ دینا پسند نہ کریں تو بھی ہمیں اتنا قرضہ ضرور دے دیا کریں کہ ہم بنوخزرج سے برابر کی ٹکر لے سکیں۔ ہمارے قبیلے کے معززین کا ایک وفد آپ کے پاس آنے والا ہے اور مجھے اُمید ہے کہ آپ انہیں مایوس نہیں کریں گے۔"

کعب نے جواب دیا۔ "تم اطمینان رکھو۔ ہم نے پہلے بھی تمہیں کبھی مایوس نہیں کیا۔ اور اب بھی اس شکایت کا موقع نہ دیں گے کہ ہم بنوخزرج کو بنواوس سے افضل سمجھتے ہیں۔"

"اور ہم بھی کبھی آپ کو یہ کہنے کا موقع نہ دیں گے کہ بنواوس احسان کا بدلہ دینا نہیں جانتے۔" ہبیرہ یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا اور اُس کے ساتھی اُس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ کعب کچھ دیر ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اُن کی طرف دیکھتا رہا اور جب وہ نخلستان میں غائب ہو گئے تو شمعون سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "شمعون اب تم سچ بتاؤ کیا یہ درست ہے کہ تمہارے بیٹوں نے صرف عمیر بن عدی سے مذاق کیا تھا اور عاصم کو اِس پر بلاوجہ غصہ آ گیا تھا؟"

"ہاں میں نے اپنے بیٹوں کے علاوہ عمیر سے بھی تصدیق کی تھی۔"

"اور عمیر نے تمہیں یہ بھی بتایا تھا کہ عاصم نے اُسے تمہارے بیٹوں کے خلاف لڑائی پر اُکسایا تھا؟"

"ہاں۔!"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عاصم اوس اور خزرج کے عام لڑکوں سے مختلف ہے۔"

"جی ہاں! وہ جس قدر ذہین ہے اُسی قدر خطرناک بھی ہے، ایک دن اُس نے میرے منہ پر کہا تھا کہ وہ وقت دور نہیں جب اوس و خزرج ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کی بجائے، متحد ہو کر یہودیوں کے خلاف لڑیں گے۔"

"پھر تم نے ایسے خطرناک لڑکے کو تعلیم کیوں دلوائی؟"

شمعون نے جواب دیا۔ "جناب جب وہ میرے پاس آیا تھا تو اُس کی عمر زیادہ نہ تھی۔ وہ باتوں سے بےحد ذہین معلوم ہوتا تھا، میرا خیال تھا کہ وہ بڑا ہو کر میرے کاروبار میں ایک اچھا معاون ثابت ہو گا اور شاید واپس جانا نہ پسند کرے۔ پھر مجھے یہ بھی اُمید تھی کہ اُس کا باپ میرا قرضہ نہیں اُتار سکے گا، اور اُسے مجبوراً میرے پاس رہنا پڑے گا۔"

کعب نے کہا۔ "تمہاری پہلی غلطی یہ تھی کہ تم نے ایسے ہوشیار لڑکے کو اپنے گھر میں رکھا۔ دوسری یہ کہ تم نے اُسے تعلیم دلوائی اور تیسری یہ کہ جب وہ بڑا ہو کر لڑائی میں حصہ لینا چاہتا تھا تو تم نے اُسے کوٹھڑی میں بند کر دیا۔"

ایک یہودی نے کہا۔ "جناب! اوس کے ایک معمولی خاندان کا لڑکا ہمارے لئے کسی پریشانی کا باعث نہیں ہو سکتا اوّل تو وہ خزرج کے کسی نوجوان کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا ورنہ ہم اُس سے نبٹ لیں گے۔"

کعب نے جواب دیا۔ "میں اُس کے متعلق پریشان ہوں۔ میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر اوس کے ایک نوعمر لڑکے کے دماغ میں ایسے خیالات پرورش پا سکتے ہیں تو ممکن ہے کہ کچھ دن میں اور بھی کئی لوگ ہمارے متعلق اسی طرح سوچنے لگیں۔ یثرب کے یہودیوں کی نجات اسی میں ہے کہ اوس و خزرج ایک دوسرے سے ٹکرا کر فنا ہو جائیں۔ عربوں میں صلح کی نوبت اُس وقت آتی ہے جب ایک شکست خوردہ فریق ہر طرف سے مایوس ہو کر اپنے نقصانات کے متعلق سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ گزشتہ لڑائیوں میں اوس کی حالت کمزور ہو چکی ہے اور خزرج کی اکثریت بھی لڑائی جاری رکھنا نہیں چاہتی۔ اب ہمارا کام یہ ہونا چاہیئے کہ بنواوس کے حوصلے قائم رکھیں اور درپردہ اُن کی اتنی مدد ضرور کرتے رہیں کہ وہ اپنی رگوں سے خون کا آخری قطرہ بہ جانے تک لڑتے رہیں۔ ہمیں خزرج کو بھی یہی احساس دلانا چاہیئے کہ ہم اُن کے دوست ہیں۔ اوس اور خزرج کی صلح یا اتحاد ہمارے لئے بہت خطرناک ہو گا، کیونکہ اس صورت میں اُن کی توجہ ہماری طرف مبذول ہو جائے گی۔ اگر ہم خود لڑنے کی بجائے صرف پیسہ دے کر اوس کے ہاتھوں خزرج اور خزرج کے ہاتھوں اوس کے آدمیوں کو قتل کرا سکتے ہیں تو ہمیں بخل سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ پھر ہمارا پیسہ بھی رائگاں نہیں جائے گا۔ اگر ہم انہیں چند سال ایک دُوسرے سے لڑاتے رہیں تو اُن کے باغات اور مال مویشی ہمارے قبضے میں آجائیں گے ——— شمعون! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی قوم کے مفاد کے لئے تم ذرا حوصلے سے کام لینے کی کوشش کرو۔"

شمعون نے جواب دیا۔ "جناب! آپ کا مشورہ ہمارے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو میں اُسے مزید قرض دینے کو بھی تیار ہوں۔ لیکن آپ کو اِس بات پر پریشان نہیں ہونا چاہیئے کہ اوس اور خزرج کے درمیان صلح ہو سکتی ہے۔ جب تک اُن کی صفوں میں ہبیرہ جیسے لوگ موجود ہیں وہ ایک دوسرے کا گلا کاٹتے رہیں گے اہل عرب جس مٹی پر ایک مرتبہ خون گراتے ہیں، اُس کی پیاس برسوں نہیں بجھتی۔ آپ بسوس اور فجار کی لڑائیوں کے

حالات جانتے ہیں اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اِن لڑائیوں میں حصّہ لینے والے قبائل یہودیوں کے اثر و رسوخ سے بہت دُور تھے۔"

کعب نے اٹھتے ہوئے کہا۔"یہ صحیح ہے کہ اُن قبائل کو ایک دوسرے کے خلاف اکسانے میں یہودیوں کا کوئی ہاتھ نہ تھا لیکن اگر اُن کے درمیان یہودی موجود ہوتے تو ان جنگوں کی شدّت اور طوالت میں مزید اضافہ کیا جا سکتا تھا۔ میں تمہیں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ اوس اور خزرج کی لڑائیوں سے براہ راست ہمیں فائدہ پہنچتا ہے اِس لئے ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ کوئی ایسی صورت پیدا نہ ہو جس سے وہ اپنی تلواریں نیام میں کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ ہمارا کام ہبیرہ جیسے تند مزاج لوگوں کو مایوس کرنا نہیں بلکہ اُن کی پیٹھ ٹھونکنا اور اُن کے حوصلے قائم رکھنا ہے"

ایک یہودی نے کہا۔"جناب! آپ مطمئن رہیں ہم اوس اور خزرج میں سے کسی کا جوش ٹھنڈا نہیں ہونے دیں گے۔ یہ درست ہے کہ اُن کے بیشتر خاندان لڑائی سے تنگ آچکے ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ عاصم کے واپس آنے پر جو تلواریں اُس کے رشتہ داروں میں تقسیم ہوں گی وہ زیادہ عرصہ نیام میں نہیں رہ سکیں گی۔"

کعب نے کہا۔"شمعون! تم ایک ہوشیار تاجر ہو لیکن تمہیں اِس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ تمہارا مستقبل یثرب کے باقی یہودیوں سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اور یہودیوں کو مستقبل کے خطرات سے بچانے کی واحد صورت یہی ہے کہ اوس اور خزرج کے درمیان مصالحت کے امکانات پیدا نہ ہونے پائیں۔ اگر ہبیرہ جیسے لوگ بجھتی ہوئی آگ کے لئے نیا ایندھن مہیا کر سکتے ہیں تو ہمیں دل شکنی کی بجائے اُن کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے ——— اِس مقصد کے لئے اگر ہمیں انہیں مُفت بھی تلواریں دینی پڑیں تو یہ سودا مہنگا نہیں ہوگا۔"

شمعون نے جواب دیا۔"جناب! آپ اطمینان رکھیئے! میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ اوس اور خزرج زیادہ عرصہ امن سے نہیں رہ سکیں گے۔"

باب (۴)

یروشلم سے آگے، بنوکلب اور بنوغطفان کے تاجروں کے ہمراہ ایک طویل سفر کے بعد عاصم کا راستہ جُدا ہو گیا اور پھر ایک روز، غروب آفتاب کے وقت، وہ سنگلاخ چٹانوں اور ریت کے ٹیلوں کے درمیان، ایک تنگ وادی سے گزر رہا تھا۔ صحرا کی ہوا بتدریج خنک ہو رہی تھی۔

عاصم نے اچانک اپنا گھوڑا روکا اور مڑ کر عباد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"اب ہم آگے نہیں جا سکتے، میرا گھوڑا بہت تھک گیا ہے۔ ہمارے لئے راستے سے ہٹ کر اِس وادی کے دوسری طرف قیام کرنا بہتر ہوگا۔ تم یہیں ٹھہرو، میں کوئی موزوں جگہ دیکھ کر ابھی آتا ہوں۔"

عباد نے کہا۔"میں خود آپ سے یہی کہنے والا تھا کہ ہمیں ٹھہرنا چاہیئے۔ آج سے کوئی بیس سال پہلے جب میں پہلی مرتبہ آپ کے والد کے ساتھ شام کے سفر پر گیا تھا تو واپسی پر ایک رات یہیں قیام کیا تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اُس وقت بھی ہم شام میں گھوڑے بیچ کر آئے تھے۔ لیکن اُس وقت ہم تنہا نہ تھے، ہمارے ساتھ یمن کے تاجروں کا ایک قافلہ تھا۔ وہ دن بہت اچھے تھے۔ ہمارے ساتھ قبیلۂ خزرج کے چند آدمی بھی سفر کر رہے تھے اور ہمیں ایک دوسرے سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ جب ہم دمشق سے واپس روانہ ہوئے تھے تو ......"

عباد کے ذہن میں ایک پوری داستان کا مواد آچکا تھا۔ لیکن عاصم نے اچانک باگ موڑ کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور آن کی آن میں، بائیں ہاتھ، ریت کے ایک ٹیلے پر جا پہنچا۔ وہاں سے دوسری طرف ایک اور تنگ وادی کا جائزہ لینے کے بعد اُس نے ہاتھ اونچا کر کے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا اور وہ اُس طرف چل پڑا۔ عاصم گھوڑے

سے کود پڑا اور اُس کی باگ پکڑ کر ٹیلے سے نیچے اترنے لگا۔ نشیب میں ایک جگہ ببول کی چند جھاڑیاں تھیں۔ عاصم نے اُن کے قریب پہنچ کر گھوڑے کا ساز اتارا اور اُس کے گلے کا رسا کھول کر ایک جھاڑی سے باندھ دیا۔ خرجی سے کچھ جو نکال کر چمڑے کے توبڑے میں ڈالے اور انہیں چھاگل کے پانی سے تر کرنے کے بعد توبڑے کو ایک طرف رکھ دیا۔ گھوڑے نے توبڑا دیکھتے ہی ہنہنانا اور اچھلنا شروع کر دیا۔ عاصم نے آگے بڑھ کر گھوڑے کو تھپکیاں دیتے ہوئے کہا۔ "دوست مجھے معلوم ہے تم بہت بھوکے ہو لیکن ابھی تھوڑی دیر انتظار کرو۔" پھر وہ جھاڑیوں کی طرف بڑھا اور اُن کی سوکھی ٹہنیاں توڑ کر ایک جگہ جمع کرنے لگا۔ اتنی دیر میں عباد بھی پہنچ گیا اور اُس نے اپنے اونٹ کو بٹھا کر اُترتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں یہاں سردی اتنی نہیں ہو گی کہ ہمیں رات کے وقت آگ جلانے کی ضرورت پیش آئے۔" عاصم نے جواب دیا۔ "خیال تو میرا بھی یہی ہے تاہم احتیاطاً یہ ایندھن جمع کر لیا ہے۔ اگر سردی زیادہ ہو گئی تو آگ جلا لیں گے۔ تم پانی کا مشکیزہ اور کھانے کا سامان اتار لو اور اونٹوں کو ان جھاڑیوں سے باندھ دو۔ باقی سامان اتارنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں پچھلے پہر یہاں سے روانہ ہو جانا چاہیئے۔ میں چاہتا ہوں کہ چاند ہم گھر پہنچ کر دیکھیں۔ مشکیزے میں پانی کافی ہے تم کچھ گھوڑے کو پلا دو۔ میں نے توبڑے میں جو بھگو دیئے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد رات ہو چکی تھی۔ اونٹ ببول کی ٹہنیاں نوچ رہے تھے اور گھوڑا توبڑے میں منہ ڈالے، جو چبا رہا تھا۔ عاصم نے عباد کے ساتھ بیٹھ کر پنیر سے جو کی روٹی کے چند نوالے کھائے اس کے بعد پانی پیا اور ٹھنڈی ریت پر ٹانگیں پھیلاتے ہوئے کہنے لگا۔ "ہمیں آگ کی ضرورت نہیں۔ تم اطمینان سے سو جاؤ میں آدھی رات تک پہرا دوں گا۔"

عباد کی آنکھیں پہلے ہی نیند سے بوجھل تھیں وہ فوراً لیٹتے ہوئے بولا۔ "دیکھئے، جب آپ کو نیند آنے لگے، تو مجھے ضرور جگا دیں۔ رات کے وقت ہم میں سے ایک کو پہرا ضرور دینا چاہیئے۔"

"تم میری فکر نہ کرو، میں نے کل رات خاصا سو لیا تھا۔ اب اگر مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا تو بھی اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دوں گا۔"

تھوڑی دیر بعد عباد خراٹے لے رہا تھا اور عاصم چت لیٹا ستاروں کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کے خیالات مختلف سمتوں میں پرواز کر رہے تھے، کبھی وہ شام کے شہروں کی پُر رونق گلیوں اور بازاروں کا طواف کر رہا تھا اور کبھی یثرب کے نخلستانوں کی سیر کر رہا تھا۔ وہ تقریباً چار مہینے کے طویل سفر کے بعد اپنے گھر جا رہا تھا اور راستے کی تمام

دشواریوں کے باوجود اُس کا یہ سفر اس کی توقع سے زیادہ کامیاب رہا تھا۔



امن کے دنوں میں، عرب کی حدود کے اندر، عاصم اپنے آپ کو نسبتاً محفوظ سمجھتا تھا۔ تاہم قافلے سے جدا ہونے کے بعد اُس نے احتیاطاً راستے کی صرف اُن بستیوں سے گزرنا مناسب سمجھا جن میں رہنے والے قبائل اہلِ یثرب سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔ اُسے اس بات کا شدید احساس تھا کہ اُس کا بخیر و عافیت گھر پہنچنا، اُس کے خاندان کی عزت کا مسئلہ ہے۔

اور اب وہ کسی ناخوش گوار حادثے سے دوچار ہوئے بغیر اپنی منزلِ مقصود کے قریب پہنچ چکا تھا۔ جب وہ سوچتا کہ میں صرف کپڑا فروخت کر کے اپنے چچا کا تمام قرضہ چکا سکوں گا، اور دمشق کی خوبصورت تلواریں دکھا کر قبیلہ اوس کے ہر نوجوان سے داد و تحسین حاصل کر سکوں گا تو اُس کے دل میں خوشی کی ایک لہر دوڑ جاتی لیکن جب اُسے اپنے گھر کا خیال آتا تو وہاں کے مناظر اس دشت کی تنہائی سے زیادہ وحشت ناک محسوس ہوتے۔ اُس کی ماں اُسے بچپن ہی میں داغِ مفارقت دے گئی تھی۔ اُس کے دو بھائی جن کی شجاعت و جواں مردی پر سارے قبیلے کو فخر تھا، لڑائی میں کام آ چکے تھے، اُس کا باپ اپنے کسی عزیز کی، ایک مدت تیمار داری کرنے کے بعد گھر واپس آ رہا تھا کہ کسی نے بے خبری کی حالت میں پیچھے سے حملہ کر کے اُسے قتل کر دیا۔ اب عاصم کی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ اپنے عزیزوں کے خون کا انتقام لینا تھا۔ اُس کے بھائیوں، اُس کے باپ اور اُس کے ابنِ عم کی روحیں پیاسی تھیں اور یہ پیاس صرف بنو خزرج کے خون سے بجھائی جا سکتی تھی —— ہبیرہ اُس کا چچا اپنے دائیں ہاتھ سے محروم ہونے کے باعث تلوار اٹھانے کے قابل نہ تھا۔ ہبیرہ کے چھوٹے بیٹے سالم کی عمر ابھی چودہ سال سے بھی کم تھی۔ اور اُس کی بہن سعاد اُس سے کوئی دو سال چھوٹی تھی۔ ان حالات میں اپنے گھرانے کے زندہ افراد کے حوصلے قائم رکھنے اور مرنے والوں کی روحوں کو آسودہ کرنے کی ساری ذمہ داری عاصم پر عائد ہوتی تھی۔

وہ فطرتاً ظالم یا خونخوار نہیں تھا لیکن اُس نے ایک ایسے ماحول میں آنکھ کھولی تھی جس میں خاندانی یا قبائلی حمیت پر جان دینا ایک نوجوان کا اولین فرض سمجھا جاتا تھا۔ اپنے معذور چچا اور اُس کے کمسن بچوں کی بے بسی اُس

کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ شام کی طرف روانہ ہوتے وقت اُس نے ہبیرہ، سالم اور سعاد کے سامنے منات کی قسم کھاکر یہ عہد کیا تھا کہ جب میں واپس آؤں گا تو تم لوگ فخر سے سر اٹھا کر یہ کہہ سکو گے کہ ہم اپنے دشمنوں سے انتقام لے چکے ہیں اور شمعون بھی ہمیں اپنا مقروض ہونے کا طعنہ نہیں دے سکے گا ـــــ آپ کو اس بات کا ملال نہیں ہونا چاہیئے کہ ہمارے قبیلے کے سرکردہ لوگ لڑائی سے اکتا چکے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میں اُن کی غیرت کو زندہ کر سکوں گا۔" اور اب وہ صحرا کی ٹھنڈی ریت پر لیٹا یہ سوچ رہا تھا کہ یہ نئی تلواریں جو اُس نے شام سے حاصل کی ہیں عنقریب اُن جوانوں کے ہاتھ میں ہوں گی جو قبیلے کے ایک ایک مقتول کا انتقام لینے کا عہد کریں گے پھر کوئی عرب ہماری آئندہ نسلوں کو یہ طعنہ نہیں دے گا کہ تمہارے اسلاف اس قدر بے حمیت تھے کہ وہ دشمن کے خون سے اپنے عزیزوں کی روحوں کی پیاس نہ بجھا سکے۔ لیکن اس کا انجام کیا ہوگا؟ کیا ہمارے انتقام لے چکنے کے بعد یہ جنگ ختم ہو جائے گی؟ نہیں، یہ جنگ ختم نہیں ہوگی! ہماری غیرت وحمیت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے عزیزوں کی روحوں کی پیاس بجھانے کے لئے اپنے دشمنوں کا خون پیش کریں۔ اور یہی حال بنوخزرج کا ہے۔ ہم دونوں اس جنگ کو جاری رکھنے پر یکساں مجبور ہیں۔ یہ انتقام در انتقام کا سلسلہ جاری رہے گا۔ کب تک جاری رہے گا؟

عاصم کے ذہن میں اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا وہ ذہنی الجھاؤ کی حالت میں دیر تک بے حس وحرکت لیٹا رہا۔ پھر حال اور مستقبل کے تلخ حقائق سے منہ پھیر کر، ماضی کے سپنوں میں پناہ لینے لگا۔ اُسے بچپن کے وہ دن یاد آرہے تھے جب اوس اور خزرج پرامن ہمسایوں کی طرح رہتے تھے اور وہ خزرج کے بچوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ اُس زمانے میں یثرب کے نخلستان کتنے خوبصورت معلوم ہوتے تھے۔ اُن دنوں بستیوں میں کتنی چہل پہل ہوتی تھی۔ اپنے بچپن کے ساتھیوں کی شوخیوں اور شرارتوں کے تصور سے عاصم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

صحرا کی ہوا اب خاصی سرد ہو چکی تھی، وہ آگ جلانے کے ارادے سے اُٹھا۔ اچانک اُسے دور سے کسی کی آواز سنائی دی اور وہ چونک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا، کچھ دیر بعد وہ اِسے اپنا وہم سمجھ کر لکڑیوں کے ڈھیر کی طرف بڑھا لیکن چند اور آوازیں آئیں اور اُس نے جلدی سے اپنی کمان اور ترکش اٹھانے کے بعد عباد کو جگاتے ہوئے کہا "عباد، ذرا ہوشیار ہو جاؤ میں نے اس ٹیلے کے اُس طرف، کچھ آوازیں سُنی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی قافلہ گزر رہا ہو میں ابھی معلوم کر کے آتا ہوں۔"

عباد اٹھ کر اپنے ہتھیار سنبھالنے لگا اور عاصم تیزی سے ٹیلے پر چڑھنے لگا۔ چوٹی پر پہنچ کر اُسے کچھ فاصلے پر الاؤ کی روشنی میں چند آدمی اور گھوڑے دکھائی دیئے۔ یہ لوگ الاؤ کے گرد بیٹھے ہونے کی بجائے کھڑے ہو کر کسی بات پر تکرار کر رہے تھے۔ عاصم احتیاط سے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا اور ٹیلے سے نیچے اتر کر، چلنے کی بجائے زمین پر رینگنے لگا۔ کوئی بلند آواز میں چلا رہا تھا "میں نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا، میں منات اور عزیٰ کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ بہتان ہے، یہ جھوٹ ہے۔ سوتے میں کسی کے ہاتھ پاؤں جکڑ دینا بہادری نہیں۔"

اس کے بعد دوسری آواز سنائی دی "تم جھوٹے ہو اور تمہارے منات اور عزیٰ بھی جھوٹے ہیں۔"

"میں تمہارے خدا کی قسم کھاتا ہوں۔ موسیٰ کے خدا کی قسم۔ ٹھہرو! میری بات سنو! میں بے گناہ ہوں۔ میں نے اُسے ایک غلام کے ساتھ شرمناک حالت میں دیکھا تھا۔ اس لئے اُس نے مجھ پر الزام لگا دیا ہے۔"

"تم جھوٹے اور مکار ہو۔"

"یاد رکھو، میرا قبیلہ یثرب کے تمام یہودیوں سے انتقام لے گا۔"

دو آدمیوں نے جھک کر جلتی ہوئی لکڑیاں اٹھائیں۔ اُس کے بعد پے در پے ضربوں کی آواز اور مضروب کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔

عاصم کے لئے یہ تمام واقعہ ایک معمہ تھا۔ ان لوگوں کی باتوں سے وہ صرف اتنا سمجھ سکا کہ جس شخص کو زدوکوب کیا جا رہا ہے وہ جکڑا ہوا ہے۔ اور زدوکوب کرنے والے یہودی ہیں۔ چند ثانیئے وہ یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ ایک طویل اور کٹھن سفر کے بعد، اپنی منزل مقصود کے قریب، اُسے بلاوجہ کسی خطرے کا سامنا کرنا گوارا نہ تھا۔ لیکن ایک بے بس انسان کی کرب انگیز چیخیں سُن کر اُس کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی اور اس نے اچانک ایک آدمی کے پاؤں کا نشانہ باندھ کر تیر چلا دیا۔ زخمی ہونے والے نے "ہائے" کہہ کر لکڑی پھینک دی اور عاصم نے کمان میں دوسرا تیر چڑھاتے ہوئے بلند آواز میں کہا "بزدلو، خبردار! تم ہماری زد میں ہو اور اب ہمارے تیروں کا نشانہ تمہارے دل ہوں گے۔"

فضا میں ایک ثانیئے کے لئے سناٹا چھا گیا۔ پھر ایک آدمی بھاگا اور اچھل کر اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھتے ہوئے چلایا "بدو آ گئے! یہاں سے بھاگو!"

آن کی آن میں چاروں آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر رات کی تاریکی میں غائب ہو گئے اور عاصم الاؤ کی طرف دوڑا۔ وہاں رسیوں میں جکڑا ہوا ایک آدمی جس کا چہرہ خاک اور خون میں لت پت تھا بے ہوش پڑا تھا۔ اور بھاگنے والوں کے پانچ گھوڑے اور سامان سے لدے ہوئے دو اونٹ جھاڑیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ الاؤ کے قریب ہی پانی کا ایک مشکیزہ اور کھانے کے چند برتن پڑے تھے۔

عاصم نے جلدی سے پانی کا مشکیزہ اٹھا کر زخمی کے منہ پر چھینٹے مارے۔ اُس نے کچھ دیر کراہنے کے بعد آنکھیں کھولیں اور وحشت ناک آواز میں چلایا "میں بے قصور ہوں۔ میرے ہاتھ پاؤں کھول دو، مجھے جانے دو۔"

عاصم نے اُس کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے کہا "تمہارے دشمن بھاگ گئے ہیں، اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔"

زخمی نے غور سے عاصم کی طرف دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ عاصم نے قریب پڑے ہوئے برتنوں میں سے مٹی کا ایک پیالہ اٹھایا اور پانی سے بھر کر اُس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ زخمی نے آنکھیں کھولے بغیر پانی کے چند گھونٹ پی لئے۔ اُس کے سر اور کنپٹیوں سے خون بہہ رہا تھا۔ عاصم نے اُس کی قبا پھاڑ کر زخموں پر پٹیاں باندھیں اور پھر اپنا خنجر نکال کر اُس کے ہاتھوں اور پاؤں کی رسیاں کاٹ ڈالیں۔ اس کے بعد اُس نے ایک دھجی پانی سے تر کی اور اُس کے چہرے اور پیشانی سے خون صاف کرنے لگا۔

زخمی نے جلدی سے اُس کے ہاتھ پکڑ لئے۔ عاصم نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا "گھبراؤ نہیں، میرے دوست میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔"

زخمی نے کہا "تم نے مجھے اپنی پناہ میں لے لیا ہے؟"

"ہاں! مجھے افسوس ہے کہ میں بروقت نہ پہنچ سکا۔ تم کون ہو اور وہ لوگ کون تھے؟"

زخمی اُس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے بولا "تم نے کہا ہے کہ مجھے اب کوئی خطرہ نہیں۔"

"ہاں تمہیں مجھ پر اعتماد کرنا چاہیئے۔"

عاصم نے بھیگے ہوئے کپڑے سے زخمی کا چہرہ پونچھتے ہوئے کہا "تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ میں نے پوچھا تھا تم کون ہو؟"

زخمی نے آنکھیں کھولیں اور جواب دیا "تم جانتے ہو! میں کون ہوں؟"

عاصم نے الاؤ کی روشنی میں غور سے اُس کی طرف دیکھا اور اپنے دل میں اضطراب، نفرت اور حقارت کا ایک طوفان محسوس کرتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ عمیر بن عدی تھا جس کا خاندان اور قبیلہ اُس کے خاندان اور قبیلے کے خون کا پیاسا تھا۔ عاصم بے حس و حرکت کھڑا، یہ محسوس کر رہا تھا کہ عمیر کے بزرگوں، بھائیوں اور عزیزوں کی روحیں اُس کے بزرگوں، بھائیوں اور عزیزوں کی روحوں کا مذاق اڑا رہی ہیں اور وہ اپنے قبیلے سے بدعہدی کا مرتکب ہو چکا ہے۔

عمیر نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اُس کے پاؤں پر رکھ دیا اور التجا آمیز لہجے میں بولا "عاصم تم مجھے پناہ دے چکے ہو" اور عاصم اس طرح مضطرب ہو کر پیچھے ہٹا جیسے کوئی زہریلا سانپ اُس کے پاؤں پر رینگ رہا ہو۔

عباد نے چند قدم کے فاصلے سے آواز دی "عاصم! عاصم تم ٹھیک ہو نا؟"

"میں ٹھیک ہوں" اُس نے جواب دیا "تمہیں وہیں رہنا چاہیئے تھا۔"

عباد نے آگے بڑھ کر پوچھا "کیا ہوا، یہ گھوڑے کس کے ہیں۔ اور یہ نوجوان کون ہے؟"

عاصم نے جھک کر اپنی کمان اٹھاتے ہوئے کہا "مجھے معلوم نہیں۔ آؤ چلیں۔"

عمیر نے دردناک لہجے میں کہا "عاصم! تم اگر چاہو تو مجھ سے انتقام لے سکتے ہو۔ میں ان یہودیوں کی بجائے تمہارے ہاتھوں قتل ہونا بہتر سمجھتا ہوں۔"

عاصم کچھ کہے بغیر وہاں سے چل دیا اور عباد ایک ثانیہ توقف کے بعد اُس کے پیچھے ہو لیا۔ عمیر اٹھ کر چلایا "عاصم ٹھہرو! مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ یہاں رات کے وقت بھیڑیئے مجھے نہیں چھوڑیں گے۔ مجھے اپنے ہاتھوں سے قتل کر دو۔ عاصم! عاصم!" وہ لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا لیکن چند قدم چلنے کے بعد منہ کے بل گر پڑا۔

عاصم رک گیا۔ اُس نے عباد کی طرف دیکھا اور کہا "عباد! یہ عمیر ہے عدی کا بیٹا۔ اور میں اِسے ایک مظلوم و بے بس انسان سمجھ کر پناہ دے چکا ہوں۔ اب میں اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا لیکن اس کی مدد کرنا بھی میرے بس کی بات نہیں۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اسے مارنے والے کون تھے؟ تم جانوروں کو لے آؤ میں یہاں تمہارا انتظار کروں گا۔"

عباد نے کہا "اگر آپ اسے پناہ دے چکے ہیں تو اتنا ضرور یاد رکھیئے کہ آپ ہبیرہ کے بھتیجے اور سہیل کے بیٹے ہیں

"تم جاؤ!" عاصم نے برہم ہو کر کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ ہم فوراً یہاں سے روانہ ہو جائیں، اب مجھے آرام کی ضرورت نہیں۔"

عباد چلا گیا اور عاصم واپس آکر عمیر کے پاس کھڑا ہو گیا۔ عمیر مُنہ کے بل پڑا ہؤا تھا۔ عاصم نے قدرے توقف کے بعد اُسے آواز دی "عمیر! عمیر!" عمیر نے کوئی جواب نہ دیا۔ عاصم جھک کر اُس کی نبض ٹٹولنے لگا۔ وہ زندہ تھا۔ عاصم نے اُسے اُٹھایا اور الاؤ کے قریب لٹا دیا۔ الاؤ میں جلنے والی لکڑیاں انگاروں میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ عاصم نے ایک اونٹ کا پالان اُتارا اور انگاروں کے اوپر رکھ دیا۔ جب آگ کے شعلے بلند ہونے لگے تو عمیر کی طرف متوجہ ہؤا۔

عمیر نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھولیں اور ادھر اُدھر دیکھنے کے بعد اپنی نظریں عاصم کے چہرے پر گاڑ دیں اور نحیف آواز میں کہنے لگا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم مجھے اِس بیچارگی کی حالت میں چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔ تمہیں یاد ہے ایک دفعہ تم نے شمعون کے سامنے کہا تھا کہ وہ دن دور نہیں جب بنو اوس اور بنو خزرج متحد ہو کر یہودیوں کے خلاف لڑیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دِن اب دُور نہیں۔"

عاصم نے روکھے انداز میں کہا "مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں، میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہیں مارنے والے کون تھے؟"

"وہ خیبر کے یہودیوں میں سے شمعون کا کوئی رشتہ دار تھا اور باقی اُس کے نوکر تھے۔ میں تمہیں اپنی پُوری سرگزشت سناتا ہوں۔ مجھے پانی دو!"

عاصم نے اُٹھ کر اُسے پانی پلایا اور عمیر نے اپنی سرگزشت شروع کی۔ "یہ یہودی خیبر سے گھوڑے خریدنے آیا تھا۔ اور شمعون کا مہمان تھا۔ جب اُس نے گھوڑے خرید لئے تو شمعون نے مجھ سے کہا کہ تم اِسے خیبر تک پہنچا آؤ۔ میرا باپ شمعون کا رہا سہا قرضہ چکانے کا انتظام کر چکا تھا اور میں اِسی ہفتے اُس سے رہائی پا کر اپنے گھر جانے والا تھا۔ لیکن شمعون نے اتنا اصرار کیا کہ میں خیبر کے یہودی کے ساتھ جانے پر مجبور ہو گیا۔ یہودی نے اپنی طرف سے مجھے ایک معقول معاوضے کا لالچ بھی دیا تھا۔ یہ فیصلہ رات کے وقت ہؤا تھا اور میں چاہتا تھا کہ روانگی سے پہلے اپنے

گھر ہو آؤں لیکن ہمارا قافلہ پچھلے پہر روانہ ہو گیا اور مجھے اپنے گھر والوں کو یہ بتانے کا موقع بھی نہ ملا کہ میں خیبر جا رہا ہوں۔ یہ جگہ ہماری دوسری منزل تھی۔ ہم یہاں غروبِ آفتاب کے بعد پہنچے۔ کھانا کھانے کے بعد یہودی نے مجھ سے کہا۔ "تم سو جاؤ، پچھلے پہر میرے آدمی پہرا دیں گے اِس کے بعد تمہیں جگا دیا جائے گا۔" میں الاؤ کے پاس سو گیا۔ کچھ دیر بعد مجھے کسی نے پاؤں کی ٹھوکر سے جگایا۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو میرے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے تھے اور یہودی اور اُس کے نوکر میرے چاروں طرف کھڑے تھے۔ یہودی نے مجھے گالیاں دیں، اور اُس کے نوکر مجھ پر ٹوٹ پڑے۔"

عاصم نے پوچھا "خیبر کے یہودی کو تم سے کیا دشمنی تھی؟"

عمیر نے جواب دیا "اُسے مجھ سے کوئی دشمنی نہ تھی لیکن شمعون مجھے کسی بہانے گھر سے دور بھیج کر قتل کرانا چاہتا تھا اور مجھے روانہ ہوتے وقت یہ بات معلوم نہ تھی۔ میں آپ کو پورا واقعہ سناتا ہوں۔ شمعون نے اپنی بیوی کی موت کے بعد خیبر کی ایک نوجوان لڑکی سے شادی کی تھی۔ اِس بدقماش لڑکی نے شمعون کے غلام سے ناجائز تعلقات پیدا کر لئے، ایک رات میں نے انہیں مکان سے باہر باغ میں پکڑ لیا۔ وہ میرے پاؤں پر گر پڑے مجھے اِس عورت سے زیادہ غلام کی بے کسی پر رحم آگیا اور میں نے اُن سے وعدہ کیا کہ اگر آئندہ تم نے کوئی شرمناک حرکت نہ کی تو میں تمہارا راز افشا نہیں کروں گا۔ اِس کے بعد چند دن خیریت سے گزر گئے، لیکن پھر شمعون کی بیوی مجھ پر ڈورے ڈالنے لگی۔ ایک دن شمعون اور اُس کے لڑکے شہر گئے ہوئے تھے اور میں باغ میں کام کر رہا تھا۔ اُس نے خادمہ کو بھیج کر مجھے بلایا لیکن میں نے شمعون کی غیر موجودگی میں اندر جانے سے انکار کر دیا۔ رات کے وقت میں ڈیوڑھی کے باہر سو رہا تھا کہ وہ میرے پاس آگئی۔ پاس ہی دو اور نوکر سو رہے تھے۔ میں بے عزتی کے خوف سے بھاگا اور سیدھا گھر چلا گیا۔ میں نے اپنے باپ سے کہا کہ میں اب شمعون کے گھر نہیں رہنا چاہتا اِس لئے آپ بلا تاخیر اُس کا قرضہ چکا دیں۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ میں اِسی ہفتے قرضہ چکا دوں گا۔ لیکن اس وقت تم واپس چلے جاؤ۔ مجھے اندیشہ تھا کہ شمعون کی بیوی مجھ سے انتقام لینے کے لئے کوئی تہمت تراشے گی۔ وہ مجھے اِس قسم کی دھمکیاں دے بھی چکی تھی۔ اِس لئے میں اپنے باپ کے اصرار کے باوجود واپس نہ گیا۔ لیکن دو دن بعد شمعون خود مجھے لینے آگیا اور اُس کی باتوں سے میرے خدشات دور ہو گئے۔ میرے والد نے مجھے شمعون کے ساتھ روانہ کرتے ہوئے اِس بات کا تسلّی

دی کہ میں بہت جلد باقی رقم ادا کرکے تمہیں واپس لے آؤں گا۔"

اِس کے بعد تیسرے دن مجھے اِس سفر پر بھیج دیا گیا۔ اس جگہ جب ان لوگوں نے مجھے گالیاں دینا شروع کیں تو میں سمجھ گیا کہ اس قدر اصرار کے ساتھ مجھے ان کے ہمراہ بھیجنے سے شمعون کا اصل مقصد کیا تھا۔ یہ یہودی بار بار مجھ پر یہ الزام لگا رہا تھا کہ میں نے اُس شخص کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے جس نے مجھے اپنے بچوں کی طرح پالا ہے۔ یہودی نے اپنے نوکروں کو حکم دیا تھا کہ وہ مجھے قتل کرکے راستے سے دور کسی جگہ دفن کر دیں۔ ان حالات میں کون کہہ سکتا تھا کہ تم میری جان بچانے کو یہاں پہنچ جاؤ گے۔ یہودیوں نے کہا تھا کہ منات اور عزیٰ جھوٹے ہیں لیکن منات اور عزیٰ نے تمہیں میری مدد کے لئے بھیج دیا۔ عاصم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم مجھے یہاں مرنے کے لئے چھوڑ کر نہیں جاؤ گے؟"

عاصم نے کوئی جواب نہ دیا اور عمیر نے مایوسی کی حالت میں آنکھیں بند کرلیں۔ کچھ دیر خاموشی طاری رہی بالآخر عمیر نے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا "شمعون کو یقین ہوگا کہ میں مرچکا ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ میرے اچانک غائب ہوجانے کے متعلق وہ کس قسم کے قصے مشہور کرے گا۔ وہ مجھ پر کوئی ایسا الزام لگائے گا کہ میرے قبیلے کے لوگ مجھ پر لعنت بھیجیں گے۔ مجھے یہاں چھوڑ کر نہ جاؤ، اپنے ہاتھوں سے میرا کام تمام کردو اور میری لاش کو کسی ایسی جگہ چھپا دو کہ کسی کو سراغ نہ مل سکے۔ میں تمہاری مدد کے بغیر گھر نہیں پہنچ سکتا۔ اس ویرانے میں میری موت یقینی ہے۔"

عاصم نے عمیر کی طرف دیکھا اور اضطراب کی حالت میں اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا "تم جانتے ہو کہ میں تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ لیکن میری ایک شرط ہے۔ اور وہ یہ کہ تم کسی سے میرا ذکر نہیں کروگے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے قبیلے کے لوگ میرا مذاق اڑائیں۔"

"مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔" عمیر نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

عاصم نے پوچھا "تم گھوڑے پر سواری کرسکو گے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔" عمیر نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا "میرا سر پھٹ رہا ہے۔ اور میرا جسم سن ہو رہا ہے لیکن میں کوشش کروں گا۔"

"ہمارا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ کہیں آس پاس چھپ کر ہمیں دیکھ رہے ہونگے۔"

عاصم اور عمیر کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے اتنے میں عباد گھوڑا اور اونٹ لے کر پہنچ گیا۔

عاصم نے کہا "عباد! میں عمیر کو جلد از جلد اس کے گھر پہنچانا چاہتا ہوں۔ تم ان میں سے ایک گھوڑا پکڑ لاؤ۔"

"ٹھہریئے! میرا گھوڑا شاید یہیں ہو میں اُسی پر سواری کروں گا۔" عمیر یہ کہہ کر اُٹھا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا سر دبائے، لڑکھڑاتا ہوا جھاڑیوں سے بندھے ہوئے گھوڑوں کی طرف بڑھا۔

عباد نے عاصم سے پوچھا "آپ یہ باقی گھوڑے اور اونٹ یہیں چھوڑ جائیں گے؟"

عاصم نے جواب دیا "نہیں یہ غنیمت کا مال ہے، ان کی رسیاں کھول دو، یہ خود بخود ہمارے پیچھے بھاگیں گے لیکن اگر کوئی جانور پیچھے رہ جائے تو تمہیں اُس کی فکر نہیں کرنا چاہیئے۔ ہمیں صبح تک ایک منزل ضرور طے کرلینی ہے۔ جب دھوپ تیز ہوجائے گی تو ہم کسی جگہ چند گھڑی سستالیں گے۔ پھر، اگر راستے میں اس کی حالت زیادہ خراب نہ ہوگئی تو ہم کل رات گھر پہنچ جائیں گے۔"



آفتاب غروب ہوچکا تھا اور عدی کے مکان کے ایک کشادہ کمرے میں چراغ جل رہا تھا۔ سمیرا ایک نو عمر، صحت مند اور خوبصورت لڑکی چراغ دان کے قریب بیٹھی کپڑے سینے میں مصروف تھی۔ عدی کا چھوٹا لڑکا نعمان جس کی عمر پندرہ سال کے لگ بھگ تھی اُس کے قریب دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ عدی کا دوسرا لڑکا عتبہ کمرے میں داخل ہوا اور نعمان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا "سمیرا، تم دو دن سے اِس میں لگی ہوئی ہو یہ قمیص کب ختم ہوگی۔؟"

سمیرا نے جواب دیا "مجھے وقت ہی کہاں ملتا ہے۔ سارے دن گھر کے کام میں مصروف رہتی ہوں۔"

نعمان نے کہا "اخی! سمیرا نے ہماری قمیصیں کبھی اتنے شوق سے نہیں سیں۔"

"بس، ختم ہوگئی" سمیرا نے جلدی جلدی چند ٹانکے لگانے کے بعد دانتوں سے دھاگا توڑا اور سوئی پاس ہی ایک طاقچے میں رکھ دی، پھر اُس نے قمیص پھیلا کر اپنے بھائیوں کو دکھاتے ہوئے کہا "کیوں ٹھیک ہے نا؟"

عتبہ نے اپنے کشادہ چہرے پر ایک شرارت آمیز تبسم لاتے ہوئے کہا "مجھے تو بالکل پسند نہیں۔ شاید عمیر کو پسند آجائے۔ اب ہمیں کھانا دو بھوک لگ رہی ہے۔"

"نہیں پہلے مجھے یہ قمیص پہن کر دکھائیے۔"

عتبہ نے کہا "بہت اچھا، لیکن اگر مجھے پسند آگئی تو میں اتاروں گا نہیں۔"

سمیرا نے بے چین ہو کر کہا "جلدی کیجئے، وہ آنے والے ہیں۔"

نعمان نے کہا "اخی! اباجان کو بہت دیر ہوگئی ہے ہمیں معلوم کرنا چاہیئے۔"

"وہ آرہے ہونگے۔" عتبہ نے یہ کہتے ہوئے اپنی قمیص کے اوپر نئی قمیص پہن لی۔

نعمان نے کہا "ارے یہ تو بہت ڈھیلی ہے۔"

سمیرا نے جواب دیا "لیکن عمیر کے بالکل ٹھیک آئے گی، اُس دن وہ آئے تھے تو میں نے اُن کا ناپ لے لیا تھا۔"

عتبہ نے کہا "سمیرا! تم عمیر کا بہت خیال رکھتی ہو۔"

سمیرا نے بگڑ کر جواب دیا "کیوں نہ رکھوں، کیا ہمارے خاندان پر اُس کا احسان سب سے زیادہ نہیں؟ اُس نے ہماری خاطر اتنے سال ایک ذلیل یہودی کی نوکری میں گزار دیئے ہیں۔"

عتبہ نے کہا "ارے، تم تو خفا ہوگئیں۔ میں نے یہ کب کہا ہے کہ خاندان پر اُس کا احسان نہیں۔"

باہر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور سمیرا نے مضطرب ہو کر کہا "وہ آرہے ہیں۔ آپ جلدی سے قمیص اُتار دیں۔"

عتبہ نے قمیص اتار کر اُسے دے دی۔ عدی کمرے میں داخل ہوا۔

سمیرا نے قدرے بے چین ہو کر پوچھا "ابا! آپ اکیلے آئے ہیں، بھائی کو ساتھ کیوں نہیں لائے؟"

عدی جواب دینے کی بجائے نڈھال ہو کر بیٹھ گیا۔ اور سمیرا اور اُس کے بھائی اُس کے تیور دیکھ کر سہم گئے۔

چند ثانیئے کمرے میں خاموشی طاری رہی، بالآخر سمیرا نے کہا "کیا ہوا آپ پریشان کیوں ہیں؟"

عدی نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا "مجھے عمیر سے یہ توقع نہ تھی۔"

عتبہ نے پوچھا "اباجان! عمیر نے کیا کیا؟ کیا گھر آنے سے انکار کر دیا؟"

"اگر وہ گھر آنے سے انکار کر دیتا تو مجھے اتنی تکلیف نہ ہوتی۔ لیکن اُس نے مجھے دنیا کے سامنے ذلیل کر دیا۔ اب کوئی یہودی ہمارا اعتبار نہیں کرے گا۔"

سمیرا نے کرب انگیز لہجے میں پوچھا "اباجان بتائیے تو سہی، اُس نے کیا کیا؟"

"وہ شمعون کے گھر سے دو سو دینار چوری کر کے بھاگ گیا۔"

عتبہ نے کہا "نہیں اباجان! یہ بات ناقابل یقین ہے۔ عمیر چوری نہیں کر سکتا۔ اُس کے بدترین دشمن بھی اُسے چور ہونے کا الزام نہیں دیں گے۔"

"پھر وہ بھاگا کیوں؟ میں نے اتنی مصیبتوں سے شمعون کا قرضہ چکایا تھا۔ صرف بیس دینار باقی تھے اور وہ بھی میں آج لے کر گیا تھا۔ اب یکایک اُس کے غائب ہو جانے سے شمعون کا ہر الزام صحیح سمجھا جائے گا۔"

عتبہ نے کہا "ہمارے قبیلے کا کوئی آدمی اس الزام کو درست تسلیم نہیں کرے گا۔"

عدی نے جواب دیا "ہمارے قبیلے کے آدمیوں کے تسلیم کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یثرب کے یہودی شمعون کی بات رد نہیں کریں گے۔ وہ انہیں ہمارے خلاف بھڑکائے گا اور اگر یہودیوں نے ہم سے لین دین بند کر دیا تو اس کی ساری ذمہ داری میرے خاندان پر ہوگی۔"

عتبہ نے پوچھا "عمیر کب سے غائب ہے؟"

"اُسے غائب ہوئے تین دن ہو چکے ہیں۔"

"تین دن؟ اور شمعون نے آپ کو آج اطلاع دی ہے؟"

عدی نے جواب دیا "شمعون کہتا ہے کہ گھر میں نقدی کے صندوق کی کنجیاں اکثر اُس کے پاس رہتی تھیں۔ پرسوں اُس نے مجھے کنجیاں واپس دیتے ہوئے کہا کہ اب میرا جی یہاں نہیں لگتا۔ تمہارے قرضے کی باقی رقم دو چار دن کے اندر اندر ادا ہونے والی ہے۔ اس لئے مجھے اجازت دیجئے۔ میں نے اُسے روکنے کی کوشش کی لیکن اُس نے اس قدر اصرار کیا کہ میں نے اُسے زبردستی روکنا مناسب نہ سمجھا۔"

سمیرا نے کہا "وہ یہودی یقیناً جھوٹ بولتا ہے اگر عمیر نے اُس کے گھر میں چوری کی ہوتی تو وہ اُسی وقت

بھاگتا ہوا آپ کے پاس آتا۔"

عدی نے جواب دیا "لیکن شمعون یہ کہتا ہے کہ چوری کے متعلق اُسے ابھی معلوم ہوا ہے۔ میرے وہاں پہنچنے سے تھوڑی دیر پہلے کوئی اُس سے قرض مانگنے آیا تھا۔ اُس نے نقدی کا صندوق کھولا، تو معلوم ہوا کہ دو سو دینار کی ایک تھیلی غائب ہے۔"

عتبہ نے کہا "اباجان! یہ سراسر جھوٹ ہے۔ عمیر کہا کرتا تھا کہ شمعون اپنے بیٹوں پر بھی اعتبار نہیں کرتا۔ یہ اُس کی شرارت ہے۔ اگر میرے بھائی کو بھاگنا تھا تو اُس نے ایک ہی تھیلی کیوں اٹھائی، پورا صندوق خالی کیوں نہیں کیا؟ پھر وہ گھر کے سوا جا کہاں سکتا تھا؟"

عدی نے کہا "بیٹا مجھے بھی یقین نہیں کہ عمیر ایسی حرکت کر سکتا ہے لیکن ایک بات شمعون کے حق میں جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ عمیر غائب ہے۔ وہ نہ شمعون کے گھر میں ہے اور نہ یہاں آیا ہے۔ کوئی باشعور آدمی یہ نہیں مانے گا کہ وہ بلاوجہ کہیں بھاگ گیا ہے۔ جب تک اُس کا پتا نہیں چلتا ہم کسی سے آنکھ اُٹھا کر بات نہیں کر سکتے۔ تم فوراً اُس کی تلاش شروع کر دو، وادی میں اُس کے جتنے دوستوں کو تم جانتے ہو، اُن کے پاس جاؤ۔ ممکن ہے کہ وہ شرم و ندامت کی وجہ سے کسی کے گھر چھپا ہوا ہو۔ نعمان تم بھی جاؤ۔ شمعون نے مجھے آٹھ پہر کی مہلت دی ہے۔ اور کہا ہے کہ اگر اس عرصے میں مجھے چوری کا مال واپس نہ ملا تو میں یہ واقعہ تمام وادی میں مشہور کر دوں گا۔ میں سمجھتا ہوں ممکن ہے وہ شراب کے نشے میں چور کہیں پڑا ہو۔ یا کسی جواری کے ہتھے چڑھ کر سب کچھ گنوا چکا ہو اور اب شرم سے منہ چھپائے پھرتا ہو۔ نوکروں کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اور دیکھو کسی کو یہ نہ بتانا کہ شمعون نے اُس پر الزام لگایا ہے۔ پوچھنے والوں سے صرف یہ کہنا کہ وہ گھر سے روٹھ کر کہیں چلا گیا ہے۔ پہلے اپنے تمام رشتہ داروں کے پاس جاؤ اس کے بعد اُس کے دوستوں سے معلوم کرو۔"

عدی اُٹھ کر باہر جانے لگا تو سمیرا نے کہا "اباجان مجھے یقین ہے کہ میرا بھائی بے قصور ہے لیکن اگر اُس سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو اُس پر سختی نہ کیجیے گا! اُس نے برسوں سے زندگی کی کوئی خوشی نہیں دیکھی اور آج اُسے گھر آنا تھا۔"

عدی نے جواب دیا "مجھے تمہاری نصیحتوں کی ضرورت نہیں، تم دعا مانگو کہ وہ ہمیں زندہ سلامت مل جائے۔"

باب (۵)

عدی اور اُس کے بیٹوں کو گھر سے نکلے ایک پہر گزر چکا تھا اور سمیرا چراغ کی روشنی میں تنہا بیٹھی انتہائی درد اور خلوص کے ساتھ یہ دعا مانگ رہی تھی "اے منات! تجھ سے دنیا کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ تجھے معلوم ہے کہ عمیر کہاں ہے؟ اُسے مصیبت سے بچا۔ اگر اُس نے چوری کی ہے تو اُس کی پردہ پوشی کر، اور اگر شمعون نے اُس پر تہمت لگائی ہے تو اُسے ذلیل و خوار اور رسوا کر۔ اگر عمیر واپس آ گیا تو میں مرتے دم تک تیرا احسان نہ بھولوں گی۔ میں ہر سال تیرے لئے نذرانہ لے کر قدید جایا کروں گی۔ لیکن اگر تو نے اس مصیبت میں ہمارا ساتھ چھوڑ دیا، تو میں تجھ سے روٹھ جاؤں گی اور تیری جگہ لات، ہبل اور عزیٰ کی پوجا کیا کروں گی۔ میں گھر گھر جا کر یہ اعلان کروں گی کہ تجھ سے کسی بھلائی کی امید رکھنا حماقت ہے۔ اے منات! اگر تو نے ہماری مدد نہ کی تو لوگ تیرا مذاق اڑائیں گے۔"

سمیرا چند بار یہ کلمات دہرانے کے بعد دیر تک بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ اچانک اُسے ایک آہٹ سنائی دی اور وہ بھاگ کر باہر نکل آئی۔ صحن میں پہنچ کر اُس نے محسوس کیا یہ گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز ہے۔ اُس کا باپ اور بھائی گھر سے پیدل گئے تھے اور انہیں رخصت کرنے کے بعد اُس نے صحن کا پھاٹک بند کر دیا تھا تاہم اُسے خیال آیا کہیں عمیر نہ ہو اور وہ دوڑتی ہوئی پھاٹک کی طرف بڑھی۔ گھوڑا پھاٹک کے قریب رُکا اور سمیرا نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا "کون ہے؟"

کسی نے باہر سے دریافت کیا "یہ عدی کا گھر ہے؟"

"ہاں!" اُس نے مضطرب ہو کر جواب دیا "تم کون ہو؟"

باہر سے آواز آئی "دروازہ کھولیئے۔ میں عُمیر کو لے کر آیا ہوں یہ زخمی ہے۔"
ایک بہن کی محبت اچانک ہر خوف پر غالب آگئی اور سمیرا نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔
عاصم گھوڑے پر سوار تھا اور اُس نے عمیر کو اپنے آگے ڈال رکھا تھا۔
"کہاں ہے میرا بھائی؟" سمیرا نے کرب انگیز لہجے میں سوال کیا۔
"گھبرائیے نہیں یہ بے ہوش ہے لیکن خطرے کی کوئی بات نہیں۔ آپ کسی آدمی کو بلائیے۔"
سمیرا نے کہا۔ "اِس وقت یہاں کوئی نہیں آپ اسے اندر لے چلیں۔"
عاصم اندر داخل ہوا اور مکان کے دروازے کے سامنے گھوڑا روکتے ہوئے بولا۔ "ذرا اسے سہارا دیجئے۔"
سمیرا نے دونوں ہاتھوں سے عمیر کو سہارا دیا اور عاصم گھوڑے سے اتر کر اُسے اپنے کندھے پر ڈالتے ہوئے بولا۔ "آپ اس کے لئے بستر بچھائیے۔"
سمیرا بھاگ کر کمرے میں چلی گئی اور عاصم عمیر کو اٹھائے اُس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔
سمیرا نے جلدی سے ایک تخت پر بچھونا بچھا دیا اور عاصم نے عمیر کو لٹا دیا۔ چراغ کی روشنی میں عمیر کے خون آلود کپڑے دیکھ کر سمیرا کچھ دیر سکتے کے عالم میں کھڑی رہی اور پھر یکایک عاصم کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔
"انہیں کس نے زخمی کیا ہے؟ آپ انہیں کہاں سے لائے ہیں؟ یہ کب سے بے ہوش ہیں؟ آپ کون ہیں؟"
پھر وہ عمیر کے دونوں بازو پکڑ کر جھنجھوڑنے لگی۔ "بھائی جان! بھائی جان!"
عاصم نے اُسے تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ "آپ گھبرائیں نہیں۔ آپ کے بھائی کو ابھی ہوش آجائے گا۔"
"آپ کو یقین ہے کہ انہیں کوئی خطرہ نہیں۔؟" سمیرا نے بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔
"مجھے یقین ہے۔"
سمیرا نے کمرے کے کونے سے ایک چوکی گھسیٹ کر عمیر کے بستر کے قریب کرتے ہوئے کہا۔ "آپ بیٹھ جائیں۔"
وہ بیٹھ گیا اور قدرے توقف کے بعد بولا۔ "ابھی ان کے سر کے زخم سے خون رِس رہا ہے۔ آپ پٹی باندھنے کے لئے کوئی صاف کپڑا لے آئیے۔"

سمیرا بھاگ کر دوسرے کمرے سے ایک چادر لے آئی اور یکے بعد دیگرے دو ٹکڑے پھاڑ کر عاصم کے سامنے رکھ دیئے۔ جب وہ تیسری پٹی پھاڑنے لگی تو عاصم نے کہا۔ "بس یہ کافی ہیں اور کپڑا ضائع کرنے کی ضرورت نہیں۔"
عاصم عمیر کے سر سے خون آلود پٹیاں کھولنے لگا تو سمیرا نے کہا۔ "زخم داغنے کی ضرورت ہے تو آگ جلا دوں۔"
"نہیں زخم گہرے نہیں صرف اوپر کی جلد پھٹ گئی ہے۔"
"تو میں ایک دوا لاتی ہوں اُس سے خون بند ہو جاتا ہے۔" سمیرا یہ کہہ کر طاقچے سے چمڑے کی تھیلی اُتار لائی۔ عاصم نے پٹیاں کھولیں اور سمیرا نے تھیلی سے ایک سفوف نکال کر زخموں پر چھڑک دیا۔ اس کے بعد عاصم نے نئی پٹیاں باندھ دیں۔
عمیر نے آہستہ آہستہ کراہنے کے بعد چند گہرے سانس لئے اور نحیف آواز میں پانی مانگا۔ سمیرا پانی کا کٹورا لے آئی۔ عاصم نے گردن کے نیچے ہاتھ رکھ کر عمیر کو اٹھایا اور سمیرا نے پانی کا کٹورا اُس کے منہ سے لگا دیا۔ پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد عمیر نے آنکھیں کھولیں۔ اور عاصم نے آہستہ سے اُس کا سر تکیے پر رکھ دیا۔ عمیر کچھ دیر عاصم کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے کمرے کی چھت اور دیواروں پر نظر دوڑائی اور بالآخر اپنی نگاہیں سمیرا کے چہرے پر گاڑ دیں۔ سمیرا نے مسکرانے کی کوشش کی اور اِس کے ساتھ ہی اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔
"بھائی جان! بھائی جان! میں ابھی آپ کے لئے دُعا مانگ رہی تھی۔"
عمیر نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور سمیرا نے اپنا سر اُس کے سینے پر رکھ دیا۔
"ابا جان، کہاں ہیں؟" اُس نے پیار سے سمیرا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔
"وہ آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔" سمیرا نے ہولے ہولے سسکیاں لیتے ہوئے جواب دیا۔
"عتبہ اور نعمان؟"
"وہ بھی آپ کو ڈھونڈنے گئے ہوئے ہیں۔"
عمیر نے آنکھیں بند کرلیں
"بھائی جان" سمیرا قدرے توقف کے بعد بولی۔ "آپ کہاں چلے گئے تھے؟ آپ نے ہمیں کیوں نہ

بتایا کہ آپ کہیں جا رہے ہیں۔؟ مجھے یقین ہے کہ آپ چوری کر کے نہیں بھاگے، شمعون نے آپ پر بہتان باندھا ہے۔ لیکن آپ تھے کہاں؟ آپ خاموش کیوں ہیں؟ بھائی جان! آپ کو مجھ سے کوئی بات چھپانے کی ضرورت نہیں۔ آپ یثرب کے تمام یہودیوں کو لوٹ لیں تو بھی آپ میرے بھائی ہیں۔ ابّا جان بہت خفا تھے۔ لیکن آپ فکر نہ کریں میں انہیں منا لوں گی۔"

عمیر نے کوئی جواب نہ دیا۔ سمیرا نے سر اٹھا کر اُس کی طرف دیکھا اور پھر عاصم کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ "یہ پھر بے ہوش ہو گئے ہیں۔"

اُس نے جواب دیا "تمہارے بھائی کو آرام کی ضرورت ہے۔ کچھ دودھ ہے تو لے آؤ۔"

"دودھ بہت ہے، میں ابھی لاتی ہوں۔" سمیرا یہ کہہ کر باہر نکل گئی۔



عاصم کا خیال تھا کہ وہ عمیر کو اُس کے گھر پہنچاتے ہی واپس چلا آئے گا۔ اور راستے میں اُس کے لئے سب سے بڑی ذہنی الجھن یہ تھی کہ عدی اور اُس کے خاندان کے افراد اُس کے ساتھ کس طرح پیش آئیں گے اگرچہ ابھی امن کے دن ختم نہیں ہوئے تھے۔ لیکن بنو خزرج کے کسی گھر کی چار دیواری میں قدم رکھنا اُس کے نزدیک ایک غیر متوقع بات تھی۔ اگر عمیر بے ہوش نہ ہوتا، تو آبادی کے قریب پہنچتے ہی اُن کے راستے جُدا ہو جاتے، وہ یہ سوچ کر اس گھر کے دروازے تک پہنچا تھا۔ کہ میں عمیر کو اُس کے باپ اور بھائیوں کے حوالے کرتے ہی لوٹ جاؤں گا۔ اگر کسی نے پوچھا کہ تم کون ہو تو میں جواب دیئے بغیر گھوڑے کو ایڑ لگا دوں گا اور وُہ عمیر کو اِس حالت میں دیکھ کر میری طرف زیادہ توجہ بھی نہ دیں گے۔ لیکن اب وہ کسی ندامت یا پریشانی کا احساس کئے بغیر اپنے دشمن کے گھر بیٹھا ہُوا تھا۔ یہ ایک خواب تھا، ایک ناقابل یقین خواب۔ اور سمیرا کو دیکھنے کے بعد اِس خواب کے تلخ اور اضطراب انگیز پہلو بتدریج اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہے تھے۔ سمیرا کا چہرہ فطرت کے اُن مظاہر کی دلکشی کا آئینہ دار تھا جن کی ایک ہلکی سی جھلک سے دیکھنے والوں کی نگاہوں کے زاویے بدل جاتے ہیں۔

عاصم کو دشمن کے مقابلے میں انتہائی سنگدلی کا ثبوت دینے کی تربیت دی گئی تھی اور عمیر کی اعانت کے ہر مرحلے میں اسے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنی قبائلی اور خاندانی روایات سے غداری کر رہا ہے۔ لیکن اب اُس کی ذہنی کیفیت میں ایک غیر متوقع تبدیلی آ رہی تھی۔ جب اُس نے سمیرا کو کرب و اضطراب کی حالت میں دیکھا تھا تو اُس کے ذہن میں تکلیف کی ایک ہلکی سی لہر اٹھی تھی۔ اور عمیر کے ہوش میں آنے پر سمیرا کی مسکراہٹوں سے اُسے ایک طرح کی تسکین اور راحت محسوس ہوئی تھی۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے یہ بھول چکا تھا کہ سمیرا اُس کے دشمن کی بیٹی ہے اور وہ ایک چھت کے نیچے جمع ہونے کے لئے پیدا نہیں ہُوئے۔ لیکن یہ کیفیت زیادہ دیر تک نہ رہی۔ وہ لمحات، جو اُسے ماضی کے تلخ ایام پر حاوی محسوس ہوئے تھے، گزر گئے اور یہ تمام واقعات اُسے ایک خواب سے زیادہ بے حقیقت محسوس ہونے لگے۔ وہ اٹھ کر بھاگ جانا چاہتا تھا، کہ سمیرا دودھ کا برتن اور پیالہ لئے کمرے میں داخل ہوئی اور اُس نے کہا "میں آپ کا گھوڑا اصطبل میں باندھ کر اُس کے آگے گھاس ڈال آئی ہوں۔ میں نے اُس کی زین بھی اُتار دی ہے۔ میں آپ کے لئے بھی دودھ لے آئی ہوں۔ میں نے اُس میں شہد ڈال دیا ہے۔ بھائی جان شہد بہت پسند کرتے ہیں۔ آپ انہیں اٹھائیں۔"

عاصم نے عمیر کا بازو ہلایا اور اُس نے آنکھیں کھولے بغیر کہا "مجھے سونے دو۔"

"بھئی تمہاری بہن دودھ لائی ہے، تھوڑا سا پی لو۔" عاصم نے اُسے زبردستی سہارا دے کر بٹھا دیا۔ عمیر نے غنودگی کی حالت میں آنکھیں کھولیں۔ سمیرا کے ہاتھ سے دودھ کا پیالہ لیا اور بڑے بڑے گھونٹ بھرنے کے بعد دوبارہ لیٹ گیا۔

سمیرا نے کہا۔ "بھائی جان ایک پیالہ اور پی لیجئے۔"

"نہیں نہیں، مجھے تنگ نہ کرو۔" عمیر نے آنکھیں بند کر کے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

سمیرا نے دودھ کا پیالہ بھر کر عاصم کو پیش کیا لیکن اُس نے جواب دیا "نہیں نہیں مجھے اِس کی ضرورت نہیں۔"

"آپ دودھ نہیں پیا کرتے ؟" سمیرا نے معصومانہ انداز میں سوال کیا۔

"پیتا ہوں لیکن اِس وقت مجھے اشتہا نہیں۔"

وہ بولی "یہ غلط ہے میں بچپن سے اپنے باپ اور بھائیوں کے لئے کھانا پکاتی ہوں اور میرا تجربہ ہے کہ

مرد خواہ عمر کے کسی حصے میں ہوں، اُن کی بھوک اُن کے چہرے سے نظر آجاتی ہے۔ آپ کی صورت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ مجھے کچھ کھانے کو چاہیئے۔"

عاصم نے سمیرا کی طرف دیکھا، وہ مسکراتے ہوئے بولی "لیجئے، آپ کے لئے کھانا بھی موجود ہے۔ میں ابھی لاتی ہوں۔"

عاصم کو سمیرا کی چمکتی ہوئی آنکھوں کی التجا حکم سے زیادہ مؤثر محسوس ہوئی اور اُس نے قدرے تذبذب کے بعد اُس کے ہاتھ سے دودھ کا پیالہ لے لیا۔ سمیرا اپنے بھائی کے پاؤں کی طرف بیٹھ گئی۔

عاصم نے دودھ پی کر پیالہ واپس کرتے ہوئے کہا "آپ کو میرے گھوڑے کی زین نہیں اُتارنی چاہیئے تھی۔ میں صرف آپ کے بھائی کو پہنچانے یہاں آیا تھا اور اب واپس جانا چاہتا ہوں۔"

سمیرا نے دودھ کا ایک اور پیالہ بھر کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "لیجئے! مجھے آپ کا چہرہ یہ بھی بتا رہا تھا کہ آپ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ اور شاید کئی راتوں سے نہیں سوئے۔ اِس لئے میں نے دوسرے کمرے میں آپ کا بستر بھی بچھا دیا ہے ـــــ مجھے ایک بات پر ندامت ہے۔ میں اِس سے پہلے یہ نہ دیکھ سکی کہ آپ بھی زخمی ہیں۔ میں بھائی جان کی وجہ سے بہت پریشان تھی۔"

"میں زخمی نہیں ہوں۔"

"لیکن سینے پر آپ کی قمیص خون سے بھری ہوئی ہے۔"

"یہ آپ کے بھائی کا خون ہے۔ میں بیشتر راستہ اسے اپنے ساتھ چمٹا کر لایا ہوں۔"

"میں خوش ہوں کہ آپ زخمی نہیں ہیں۔ لیجئے نا۔"

"آپ اصرار نہ کریں، میں کافی پی چکا ہوں، اب مجھے اجازت دیجئے۔"

سمیرا نے پیالہ ایک طرف رکھتے ہوئے کہا "مہمان آدھی رات کے وقت ہمارے گھر سے رخصت نہیں ہوتے۔ اور میرے بھائی کی جان بچانے والا کوئی معمولی مہمان نہیں ہو سکتا۔ آپ ابا جان سے ملے بغیر نہیں جا سکتے وہ مجھ پر خفا ہوں گے۔"

"میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔" عاصم نے اٹھ کر کہا۔

"کیوں ـــــ؟"

"آپ کے بھائی کو معلوم ہے۔"

سمیرا نے بددلی کے لہجے میں کہا۔ اگر آپ کا جانا ضروری ہے تو میں آپ کو روکنے کی کوشش نہیں کروں گی۔ لیکن آپ نے میرے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔ "آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ کہاں جا رہے ہیں؟ اور میرے بھائی جان آپ کو کہاں ملے تھے؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "مجھے آپ ایک بھٹکا ہوا مسافر سمجھ لیجئے۔"

سمیرا مسکرائی۔ "رات کے بھٹکے ہوئے مسافروں کو صبح کی روشنی کا انتظار کرنا چاہیے۔ دیکھئے اگر مجھے اپنے بھائی کے متعلق اطمینان ہوتا تو میں آپ کو مجبور نہ کرتی، میں گھر میں اکیلی ہوں اور ممکن ہے کہ رات کے وقت مجھے آپ کی مدد کی ضرورت پڑ جائے۔"

عاصم نے جواب دیا "آپ کے بھائی کو صرف آرام کی ضرورت ہے، چند گھنٹے سونے کے بعد اِس کی حالت بہتر ہو جائے گی۔ ہاں! میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا تھا۔ شمعون نے آپ کے بھائی پر کیا الزام لگایا ہے؟"

"آپ شمعون کو جانتے ہیں؟"

"ہاں ـــــ"

"اُس نے کہا ہے کہ میرا بھائی چوری کر کے بھاگا تھا۔"

"یہ جھوٹ ہے۔ آپ اپنے باپ کو تسلی دے سکتی ہیں کہ عمیر نے چوری نہیں کی۔"

سمیرا کی آنکھیں مسرت سے چمک اٹھیں اور اُس نے کہا "مجھے یقین تھا کہ شمعون جھوٹا ہے۔ لیکن یہ یکایک غائب کہاں ہو گئے تھے؟"

"میں آپ کو صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ شمعون نے اسے یہاں سے دور بھیج کر قتل کرانے کی کوشش کی تھی۔"

"اور آپ نے اس کی جان بچائی ہے؟"

"یہ محض اتفاق تھا کہ میں اُسی راستے سے آرہا تھا اور انہیں زدوکوب کرنے والے مجھے دیکھ کر بھاگ گئے۔ لیکن آپ کسی کو یہ نہ بتائیں کہ رات کے وقت ایک اجنبی نے آپ کے بھائی کو گھر پہنچایا ہے۔"

"کیوں ــــ؟"

"آپ کا بھائی آپ کو بتا سکے گا کہ اس میں کیا مصلحت ہے۔ اور دیکھیئے جب انہیں ہوش آئے تو میری طرف سے کہہ دیجئے کہ جو جانور ہمیں راستے میں ملے تھے ان میں نصف آپ کے حصے میں آئے ہیں۔ آپ جس وقت چاہیں گے انہیں آپ کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔" عاصم یہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"ٹھہریئے! میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔" سمیرا نے یہ کہہ کر ایک دیا اٹھایا اور اُسے جلتے ہوئے چراغ کی لَو سے روشن کرکے عاصم کے ساتھ چل پڑی۔ کشادہ صحن کے ایک کونے میں ایک چھپر کے نیچے تین اور گھوڑوں کے ساتھ عاصم کا گھوڑا بندھا ہوا تھا اور پاس ہی اُس کی زین پڑی تھی۔ عاصم گھوڑے کو لگام دینے کے بعد زین کسنے لگا تو سمیرا نے کہا۔ "آپ کہیں دور جا رہے ہیں، اگر کوئی دشمن آپ کا پیچھا کر رہا ہے تو آپ کو بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ ابا جان آپ کو پناہ دے سکیں گے۔ ہمارا تمام قبیلہ آپ کی مدد کرے گا۔"

یہ معصوم الفاظ عاصم کے دل کی گہرائیوں میں اتر گئے اور اُس نے فوراً گفتگو کا موضوع بدلنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارا نام سمیرا ہے۔"

"ہاں! آپ کو کیسے معلوم ہوا۔؟"

"ابھی عمیر نے تمہیں اس نام سے پکارا تھا۔"

سمیرا نے کہا۔ میں آپ کو دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ اگر میرا بھائی بے ہوش نہ ہوتا تو مجھے آپ کو اندر بلانے کی جرأت نہ ہوتی۔ پہلی بار چراغ کی روشنی میں آپ کو دیکھ کر بھی مجھے کچھ خوف محسوس ہوا تھا لیکن اب..... مجھے آپ سے ڈر نہیں لگتا۔"

عاصم زین کس چکا تھا۔ اُس نے رسا کھول کر گھوڑے کی گردن میں لپیٹتے ہوئے کہا۔ "آپ کو ایک اجنبی کی صورت سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔ ممکن ہے وہ آپ کا دشمن ہو۔"

سمیرا نے جواب دیا۔ "اگر آپ ہمارے دشمن ہوتے تو بھی آپ کی صورت دیکھنے کے بعد مجھے کوئی خوف

محسوس نہ ہوتا ــــ۔"

عاصم گھوڑے کی باگ پکڑ کر چھپر سے باہر نکلا اور سمیرا اُس کے آگے آگے چل پڑی۔ اچانک ہوا کے جھونکے سے چراغ بجھ گیا اور صحن میں تاریکی چھا گئی، سمیرا نے چراغ نیچے رکھ دیا اور وہ دونوں کچھ کہے بغیر پھاٹک کے قریب پہنچ گئے۔

عاصم جو چند لمحات قبل وہاں سے بھاگنا چاہتا تھا اب تذبذب کی حالت میں کھڑا تھا۔ سمیرا نے کہا۔ "مجھے معلوم نہیں کہ آپ کی مجبوریاں کیا ہیں؟ آپ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟ میرے گھر والوں کو اس بات کا افسوس ہوگا کہ وہ آپ کے احسان کا بدلہ نہ دے سکے۔ آپ دوبارہ ہمارے گھر نہیں آئیں گے؟"

"نہیں ــــ۔"

"کیوں ــــ؟"

عاصم نے قدرے تذبذب کے بعد جواب دیا۔ "ہر سوال کا جواب دینا آسان نہیں ہوتا۔"

"تو میں آپ سے کچھ نہیں پوچھوں گی۔ میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ اس گھر کے مکین احسان فراموش نہیں ہیں۔ ہمارا دروازہ آپ کے لئے ہمیشہ کھلا رہے گا۔"

عاصم کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ اُس نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ "اب میں جانے سے پہلے تمہاری الجھن دُور کر دینا ضروری سمجھتا ہوں، لیکن یہ باتیں صرف تمہارے کانوں کے لئے ہیں۔ میں قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا ہوں اور ہمارے درمیان خون کی ندیاں اور آگ کے پہاڑ حائل ہیں۔ تم نے کہا تھا کہ تاریک رات کے مسافر کو صبح ہونے کا انتظار کرنا چاہیئے، لیکن ہم جس بھیانک رات کے مسافر ہیں وہ شاید ہماری زندگی میں ختم نہیں ہوگی۔"

سمیرا کچھ دیر سر جھکائے کھڑی رہی بالآخر اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "جائیے۔"

عاصم کچھ کہے بغیر بھاری بھاری قدم اٹھاتا، پھاٹک سے باہر نکلا اور مڑ کر صحن کی طرف دیکھنے لگا۔ سمیرا بے حس و حرکت اپنی جگہ کھڑی تھی۔ عاصم پاؤں رکاب میں ڈال کر گھوڑے پر سوار ہونے لگا تو سمیرا نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ٹھہریئے!" وہ رک گیا۔ سمیرا چند قدم آگے بڑھی، رکی اور پھر بھاگ کر اُس کے قریب آ گئی۔

سمیرا نے کہا۔ "مجھے اس سے سروکار نہیں کہ آپ کون ہیں؟ لیکن اپنے بھائی کی اعانت کے لئے میں آپ کی شکر گزار ہوں۔ اگر آپ قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے ہیں تو ہم پر آپ کے احسان کا بوجھ اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔"

عاصم نے کہا۔"اب تمہیں یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں رہی کہ ہم زندگی میں دوبارہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکیں گے لیکن میں تمہاری رفاقت کے یہ چند لمحے زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ اس وقت مجھے یہ اعتراف کرتے کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی کہ اگر تم عدی کی بیٹی یا میں سہیل کا بیٹا نہ ہوتا تو تمہارا معمولی سا اشارہ بھی میرے لئے ایک حکم کا درجہ رکھتا۔"

"مجھے فخر ہے کہ میں عدی کی بیٹی ہوں لیکن آج کے بعد سے، میں آپ سے نفرت نہیں کرسکوں گی، چلئے میں آپ کو باغ کے باہر چھوڑ آتی ہوں۔"

وہ چل پڑے۔ عاصم نے کہا "تم یہ جاننے کے بعد بھی مجھ سے خوف محسوس نہیں کرتیں کہ میں سہیل کا بیٹا ہوں۔"

"نہیں" اُس نے جواب دیا "مجھے یقین ہے کہ اگر اس باغ سے درندوں کا لشکر نکل آئے تو بھی آپ میری حفاظت کریں گے۔ کاش! آپ کی صورت ایسی ہوتی کہ مجھے دیکھ کر خوف آسکتا۔"

وہ باغ کے آخری کنارے پہنچ کر رُک گئے۔

عاصم نے کہا "اب زمانہ امن کے صرف چند دن باقی ہیں۔ اس کے بعد اوس اور خزرج اپنی تلواریں تیز کرنے میں مصروف ہو جائیں گے۔"

سمیرا نے جواب دیا "امن کے دن ختم ہو جانے کے بعد، میں آپ سے یہ نہیں کہوں گی کہ آپ اپنی تلوار تیز نہ کریں۔ اوس اور خزرج اپنی تقدیر نہیں بدل سکتے۔ لیکن اس وقت آپ کو بار بار مجھے یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ آپ میرے دشمن ہیں۔"

"تم نہیں جانتیں کہ میں تمہیں یہ بات بار بار کیوں یاد دلا رہا ہوں؟ سنو! میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہم بے خیالی میں، چند لمحات کے اندر ایک خطرناک راستے کی کئی منزلیں طے کر چکے ہیں۔ قدرت نے میرے ساتھ مذاق کیا ہے اور تمہیں اس مذاق کو انتہا تک پہنچانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ جاؤ، سمیرا! جب تم سنجیدگی کے ساتھ سوچو گی تو یہ تمام واقعات تمہیں بھی ایک مذاق ہی محسوس ہوں گے۔ تم میری حماقت پر ہنسو گی لیکن میں شاید ہنس بھی نہ سکوں۔"

لیکن سمیرا اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ وہ بے حس و حرکت کھڑی عاصم کی طرف دیکھ رہی تھی اور عاصم تاریکی

میں بھی اُس کی آنکھوں کی چمک محسوس کرسکتا تھا۔

وہ بولی۔ "تو آپ کو عدی کی بیٹی سے نفرت نہیں۔ اس کے باوجود کہ آپ سہیل کے بیٹے ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا "میں سہیل کا بیٹا ہوتے ہوئے بھی ایک انسان ہوں اور کوئی انسان تم سے نفرت نہیں کرسکتا لیکن میرے نفرت کرنے یا نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ ہمارے راستے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ آج کے بعد ہم ایک دوسرے کو نہیں دیکھیں گے، خون کی جو ندیاں ہمارے درمیان حائل ہیں وہ بتدریج وسیع ہوتی جائیں گی۔"

"بعض اوقات انسان اپنے دشمن کو دیکھنے کے لئے بھی بے چین ہو جاتا ہے۔"

"ہاں ——!"

"تو کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ کسی دن مجھے دیکھنے کے لئے بے چین ہو جائیں۔"

عاصم نے جواب دیا "اگر تم اسے اپنی فتح خیال کرتی ہو تو مجھے یہ کہنے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی کہ میں ہمیشہ تمہیں دیکھنے کے لئے بے چین رہوں گا۔ میں اُس وقت بھی تمہیں دیکھنا چاہوں گا۔ جب میری تلوار تمہارے بھائیوں کی تلواروں سے ٹکرا رہی ہوگی۔"

سمیرا نے جواب دیا "تمہاری تلوار میرے بھائیوں کی تلوار سے نہیں ٹکرائے گی۔"

"تم مجھے بزدلی اور بے غیرتی کا طعنہ نہیں دے سکتیں۔"

"اگر تم بزدل ہوتے تو میرے بھائی کو اٹھا کر ہمارے گھر نہ لاتے۔ تم خون کی ندیاں اور آگ کے پہاڑ عبور کر کے یہاں آئے ہو اور اس کے لئے ایک مرد کے حوصلے کی ضرورت تھی۔ مجھے معلوم نہیں کہ کل میرے احساسات کیا ہوں گے۔ لیکن اگر میں اپنے بہادر دشمن کو دوبارہ دیکھنے کے لئے بے چین ہوگئی تو اُس کا انتظار کیا کروں گی۔ اُدھر دیکھو" سمیرا نے نخلستان کے باہر ایک پہاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اُس پہاڑی کی چوٹی پر کتنا تابناک ستارہ نمودار ہو رہا ہے۔ آئندہ ہر مہینے کی چاند راتوں کو یہ ستارا نمودار ہونے کے بعد میں اُس پہاڑی کے دامن میں تمہاری راہ دیکھا کروں گی۔ اور اگر تم نفرت کی آگ کا سمندر عبور کرنے پر مجبور ہو جاؤ، تو ضرور آنا۔"

عاصم نے جواب دیا"اگر میں اگلے مہینے تک زندہ رہا اور ایک حسین دشمن کو دیکھنے کی خواہش پر قابو نہ پاسکا تو ضرور آؤں گا۔ لیکن اِس کا انجام کیا ہوگا؟"

"مجھے معلوم نہیں! میں منات، عزیٰ اور ہبل سے یہ دعا کیا کروں گی کہ وہ مجھے آپ کو دیکھنے کے لئے بے چین نہ ہونے دیں۔ لیکن آپ ضرور آئیں، ممکن ہے میری دعائیں قبول نہ ہوں۔"

عاصم گھوڑے پر سوار ہوگیا اور کچھ دیر خاموشی سے سمیرا کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا"میں نہیں کہہ سکتا کہ منات اور عزیٰ سے میری دعائیں کیا ہوں گی۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اگر اِس طرف نہ آسکا تو بھی یہ راستہ نہیں بھولوں گا۔"

"میں نے آپ کا نام نہیں پوچھا۔"

"میرا نام عاصم ہے۔ عاصم بن سہیل۔ لیکن تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم کسی سے میرا ذکر نہ کرو۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں اُس تاب ناک ستارے کے سوا کسی سے آپ کا ذکر نہیں کروں گی۔"

"اگر اُس ستارے کی زبان ہوتی تو وہ تم سے یہ کہتا کہ عاصم تمہارے باپ، تمہارے بھائیوں، اور تمہارے قبیلے کا دشمن ہے۔ اُس کے لئے تمہارے دل میں نفرت اور حقارت کے سوا اور کوئی جذبہ نہیں ہونا چاہیئے۔" عاصم نے یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ سمیرا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی گھر کی طرف چل دی۔ راستے میں وہ یہ بار بار کہہ رہی تھی ——— "کاش، تم سہیل کے بیٹے نہ ہوتے! کاش، تم یہاں نہ آتے!"

عاصم اپنے مکان کی چاردیواری کے قریب پہنچا تو عباد باہر کھڑا اُس کا انتظار کر رہا تھا۔

"آپ نے بہت دیر لگادی"۔ وہ آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے بولا۔

عاصم نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا"تمہیں آرام کرنا چاہیئے تھا۔"

عباد نے شکایت کے لہجے میں جواب دیا"یہاں آرام کون کرسکتا ہے، آپ کے چچا نے آسمان سر پہ اٹھا رکھا ہے۔ وہ تین بار مجھے گالیاں دے چکے ہیں۔"

"تم نے انہیں کچھ بتایا تو نہیں؟"

"نہیں! میں نے ان کی تسلی کے لئے کہہ دیا تھا کہ ہمارا ایک گھوڑا کہیں بھاگ گیا ہے اور آپ اُسے

تلاش کر رہے ہیں۔ آپ جلدی سے اندر جائیں، وہ بہت پریشان ہیں۔"

عاصم تیز تیز قدم اٹھاتا صحن میں داخل ہوا۔ اُس کے قدموں کی چاپ سُن کر ایک لڑکا کمرے سے باہر نکلا اور بھاگ کر اُس سے لپٹ گیا۔ یہ اُس کا چچازاد بھائی سالم تھا۔

"ابا جان! بھائی عاصم آگئے!" اُس نے پکار کر کہا۔

ہبیرہ اور اُس کی بیوی لیلیٰ کمرے سے باہر نکلے، عاصم نے سالم کو ایک طرف ہٹا کر اپنی چچی کو سلام کیا اور اس کے بعد ہبیرہ سے بغل گیر ہوگیا۔

ہبیرہ نے شکایت کے لہجے میں کہا"عاصم آج تم نے مجھے بہت پریشان کیا۔ اگر تم تھوڑی دیر اور نہ آتے تو میں تمہاری تلاش میں نکلنے والا تھا۔ وہ گھوڑا مل گیا؟"

"نہیں! وہ بستی کے قریب پہنچتے ہی اچانک ایک طرف بھاگ گیا اور مجھے اُس کا سراغ نہ مل سکا۔"

"تمہیں اتنے کامیاب سفر کے بعد ایک گھوڑے کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ چلو اندر چلیں!"

"سعاد کہاں ہے؟"

"وہ کھڑی ہے۔" لیلیٰ نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

سالم نے کہا"بھائی جان! سعاد آپ سے روٹھ گئی ہے، وہ کہتی ہے کہ آپ نے بہت دیر لگائی ہے۔"

عاصم نے آگے بڑھ کر سعاد کو چمٹا لیا اور اُس کی ٹھوڑی پکڑ کر اُسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا"اگر میری ننھی بہن مجھ سے خفا ہے تو میں ابھی واپس چلا جاؤں گا!"

سعاد مسکرائی"سالم جھوٹ کہتا ہے۔"

وہ ایک کشادہ کمرے میں داخل ہوئے اور چٹائی پر بیٹھ گئے۔ عاصم نے کہا"سعاد! میں تمہارے لئے دمشق سے کپڑے اور یروشلم سے انگوٹھی لایا ہوں اور چچی جان! آپ کے لئے بھی!"

لیلیٰ نے کہا"سعاد اپنے بھائی کے لئے کھانا لاؤ!"

سعاد دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ ہبیرہ نے کہا"بیٹا! میں اس کامیاب سفر پر تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ یہ تلواریں بہت اچھی ہیں۔ صرف کپڑا بیچ کر ہم شمعون کا سارا قرضہ اتار سکیں گے لیکن یہ گھوڑے اور اونٹ

نہیں کیسے مل گئے ؟"

" چچا جان یہ آوارہ پھر رہے تھے اگر چند دن تک ان کا وارث نہ آیا تو یہ ہمارے ہیں۔"

ہبیرہ نے کہا "بیٹا! لوگ اپنے جانور یونہی راستے میں نہیں چھوڑ جاتے، تم مجھ سے کوئی بات چھپا تو نہیں رہے ؟"

" نہیں چچا جان "۔ عاصم نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

ہبیرہ نے کہا "اب ہمارے قبیلے کا ہر آدمی یہ تلواریں حاصل کرنے کی کوشش کرے گا لیکن ہم صرف اُن لوگوں کے ہاتھ فروخت کریں گے جو دشمن سے لڑنے کا عہد کریں گے۔"

عاصم نے جواب دیا "چچا جان! میرا کام تلواریں لانا تھا۔ یہ آپ بہتر جانتے ہیں کہ ان کا حق دار کون ہے۔"

ہبیرہ نے کہا "امن کے دن ختم ہونے کے بعد تمہیں بہت محتاط رہنا چاہیئے۔ تمہاری اس کامیابی کے بعد بنوخزرج حسد کی آگ سے جل اٹھیں گے۔"

" آپ میری فکر نہ کریں۔ میں اپنی حفاظت کر سکوں گا۔"

سعاد نے کھانا لا کر عاصم کے سامنے رکھ دیا اور ہبیرہ نے کہا "بیٹا تم کھانا کھاتے ہی سو جاؤ۔ صبح اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

" عباد کھانا کھا چکا ہے ؟" عاصم نے سوال کیا ؟

" ہاں "۔ ہبیرہ نے جواب دیا۔



رات کے پچھلے پہر شمعون کے نوکر نے اُسے جگایا اور اطلاع دی کہ داؤد واپس آگیا ہے اور اسی وقت آپ سے ملنے پر مصر ہے۔

شمعون بدحواس ہو کر اپنے کمرے سے باہر نکلا اور آنکھیں ملتا ہوا مہمان کے کمرے میں داخل ہوا۔

داؤد اندر بیٹھا تھا۔ شمعون نے اُسے دیکھتے ہی پوچھا۔ کیا ہوا تم واپس کیوں آ گئے ؟"

" ہم پر راستے میں کسی نے حملہ کر دیا تھا۔"

"عمیر کا کیا بنا ؟"

" ہم اُسے ادھ موا کر چکے تھے لیکن میں یقین کیساتھ نہیں کہہ سکتا، کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے۔ رات کے وقت کسی نامعلوم دشمن کا حملہ اِس قدر اچانک تھا کہ ہمیں سب کچھ چھوڑ کر بھاگنا پڑا، وہ میرے دو اونٹ اور پانچ گھوڑے لے گئے ہیں۔"

" بدو ہوں گے!"

" نہیں! میرے گھوڑے اور اونٹ یثرب کی طرف آئے ہیں، ہم نے اُن کے نشان دیکھے ہیں، اگر راستے میں رات نہ ہو جاتی تو ہم ڈاکوؤں کے گھر تک پہنچ جاتے۔ اگر وہ آگے نہیں نکل گئے تو میرے آدمی صبح ہوتے ہی اُن کا کھوج لگا لیں گے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکو یہیں سے ہمارے پیچھے لگ گئے تھے۔"

شمعون مضطرب ہو کر بولا "میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا، مجھے تمام واقعات سناؤ!"

داؤد نے کہا "ہم کل رات عمیر کو رسیوں میں جکڑ کر زدوکوب کر رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے اچانک حملہ کر دیا۔ ایک تیر میرے غلام کو لگا اور ہمیں بھاگنا پڑا۔ تاریکی میں ہم یہ نہ دیکھ سکے کہ حملہ آور کون ہیں اور انکی تعداد کتنی ہے۔ وہاں سے کوئی سات کوس دور بدوؤں کی ایک بستی تھی، ہم وہاں پہنچ گئے۔ بدوؤں کا سردار ہمارا واقف نکلا۔ اُس نے میرے زخمی نوکر کو اپنے پاس ٹھہرا لیا اور ہماری مدد کے لئے بیس آدمی ساتھ کر دیئے لیکن جب ہم واپس اُس جگہ پہنچے تو میرے گھوڑے اور اونٹ غائب تھے، ہم باقی رات اِدھر اُدھر تلاش کرتے رہے اور صبح کی روشنی میں اونٹوں اور گھوڑوں کے تازہ نشان دیکھ کر یثرب کی طرف چل پڑے۔ بدوؤں نے دن بھر ہمارا ساتھ دیا لیکن غروب آفتاب کے وقت یہ کہہ کر واپس چلے گئے کہ اگر ڈاکو یثرب کے رہنے والے ہیں تو ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ میں اپنے نوکروں کو تلاش جاری رکھنے کا حکم دے کر آپ کے پاس پہنچا ہوں۔ اگر صبح تک پتا چل گیا تو شاید اپنا مال چھڑانے کے لئے مجھے آپ کی اعانت کی ضرورت پڑے۔"

" لیکن عمیر کا کیا بنا۔ ؟" شمعون نے سوال کیا۔

" مجھے معلوم نہیں! ہم نے رات کے وقت اپنے پڑاؤ میں آگ جلائی تھی، لیکن جب ہم بدوؤں کو ساتھ لے کر واپس پہنچے تو آگ بجھ چکی تھی۔"

شمعون نے تلخ ہو کر کہا "تم نے رات کی تاریکی میں صرف یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ تمہارے اونٹ اور گھوڑے غائب ہیں اور تمہیں اِس بات کا خیال نہ آیا کہ میرے لئے عمیر کا مسئلہ خیبر کے تمام گھوڑوں اور اونٹوں سے زیادہ اہم ہے، اگر وہ زندہ ہے تو یثرب کے طول و عرض میں میرے خلاف غم و غصہ کی آگ بھڑک اٹھے گی "

داؤد نے جواب دیا "یہ درست ہے کہ ہم نے عمیر کو وہاں نہیں دیکھا اور میں نے اُسے رات کے وقت اِدھر اُدھر تلاش کرنے کی کوشش بھی نہیں کی لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ مر چکا ہو گا "

" لیکن تم کہتے ہو کہ تم نے اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تھے۔ کیا اب میں اس بات پر یقین کر لوں کہ مرنے کے بعد وہ اپنی رسیاں کھول کر بھاگ گیا ہے ؟"

" ممکن ہے کہ ڈاکوؤں نے اُسے کہیں دفن کر دیا ہو!"

" میں نے آج تک لاوارث لاشوں کو ٹھکانے لگانے والے ڈاکو نہیں دیکھے۔ اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ وہ زندہ ہو اور ڈاکو اُسے اپنے ساتھ لے آئے ہوں اور صبح تک بنو خزرج کے سینکڑوں آدمی میرے گھر کے سامنے جمع ہو جائیں۔ اگر یہ صورت ہوئی تو تمہیں اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کا مسئلہ اس قدر اہم نظر نہیں آئے گا۔ تم اتنے بیوقوف اور بزدل تھے کہ ایک آدمی رسیوں میں جکڑا ہوا تھا اور تم بھاگنے سے پہلے اُسے موت کے گھاٹ نہ اتار سکے!"

داؤد نے کہا "اگر مجھے ملامت کرنے سے آپ کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے تو میں احتجاج نہیں کروں گا لیکن کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ڈاکوؤں نے بھاگنے سے پہلے اُس کی رسیاں کاٹ دی ہوں اور وہ کہیں آس پاس پڑا اپنے آخری سانس گن رہا ہو "

شمعون نے جھنجھلا کر کہا "تم مجھے صرف ایک جواب دے سکتے ہو اور وہ یہ ہے کہ میں نے اپنے ایک بیوقوف رشتہ دار پر اعتماد کرنے میں غلطی کی ہے۔ اب تم یہیں بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں!"

شمعون باہر نکل گیا اور تھوڑی دیر بعد واپس آ کر داؤد کے قریب بیٹھ گیا۔

" آپ کہاں گئے تھے ؟" داؤد نے مرجھائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

میں نے اپنے نوکر کو عمیر کے گھر بھیجا ہے۔ اگر ڈاکو اُسے اپنے ساتھ لے آئے ہیں تو اس وقت اُسے

اپنے گھر میں ہونا چاہیئے۔ اور اگر وہ گھر نہیں پہنچا تو تمہیں فوراً واپس جا کر اُسے تلاش کرنا پڑے گا۔ اگر وہ زندہ ہے تو ہمارے لئے اُسے قتل کرنا ضروری ہے!"

داؤد نے کہا "آپ کو اُس کے متعلق اِس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیئے، اگر وہ زندہ ہے تو صرف میرے لئے کسی خطرے کا باعث ہو سکتا ہے اور میں اپنی صفائی میں یہ کہہ سکوں گا کہ جب ڈاکوؤں نے حملہ کیا تھا ہم بھاگ گئے تھے اور عمیر اُن کا مقابلہ کرتے ہوئے زخمی ہو گیا تھا۔ پھر جب میں یہ بتاؤں گا کہ ڈاکوؤں نے میرے ایک نوکر کو بھی زخمی کر دیا تھا تو یہ بات اور وزنی ہو جائے گی "

شمعون نے تلخ ہو کر کہا "لیکن جب عمیر یہ کہے گا کہ تم نے اُسے قتل کرنے کی کوشش کی تھی تو اہلِ یثرب تمہاری بات کیسے مانیں گے ؟"

" اگر یثرب کے یہودی میری وکالت کریں گے تو بنو خزرج کو مجھے جھٹلانے کی جرأت نہ ہو گی "

" لیکن میں عدی کو کیا جواب دوں گا! میں اُس سے کہہ چکا ہوں کہ عمیر میرے گھر سے دو سو دینار چوری کر کے کہیں بھاگ گیا ہے "

" میں تمہارے حق میں یہ گواہی دوں گا کہ میں نے ڈاکوؤں کے حملہ کرنے سے پہلے عمیر کے پاس دو سو دینار دیکھے تھے لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ چوری کا مال ہے "

شمعون نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا "اگر عمیر زندہ ہے تو تمہیں یہ تسلیم کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی کہ وہ تمہارے ساتھ سفر کر رہا تھا، تمہارے لئے یہ کہنا زیادہ بہتر ہو گا کہ تم پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا تھا اور تم کچھ دیر مقابلہ کرنے کے بعد بھاگ گئے، تمہارے ہاتھوں اُن کا ایک آدمی زخمی ہوا تھا لیکن رات کے وقت تم یہ معلوم نہیں کر سکے کہ وہ کون ہے، پھر اگر عمیر نے ہم پر کوئی الزام لگایا تو ہم کہہ سکیں گے کہ وہ چوری کا جرم چھپانے کے لئے الٹا ہمیں بدنام کرنا چاہتا ہے، اگر تمہارے گھوڑے اُس کے گھر سے مل گئے تو ہمیں لوگوں کو یہ یقین دلانے میں وقت پیش نہیں آئے گی کہ عمیر ڈاکوں کے ساتھ تھا لیکن یہ سب بعد کی باتیں ہیں اس وقت ہمارے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ عمیر زندہ ہے یا مر گیا "

داؤد نے کہا "خدا کی قسم! ذہانت میں عرب کا کوئی آدمی آپ کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ آپ کو یثرب

کے تمام یہودیوں کا سردار ہونا چاہیئے تھا۔ کنانہ، حارث اور کعب آپ کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔"



طلوعِ سحر سے کچھ پہلے عمیر بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ نعمان اور سمیرا اُس کے پاؤں کی طرف اور عدی اور عتبہ اُس کے قریب دوسرے تخت پر بیٹھے تھے۔

عدی نے کہا: "بیٹا! مجھے یقین ہے کہ شمعون نے تم پر بہتان باندھا ہے۔ میں اُسے مرتے دم تک معاف نہیں کروں گا۔ لیکن تمہیں چھڑانے والے کون تھے؟ کاش! تم نے اُن کا پتا معلوم کر لیا ہوتا۔ اب اُن کا احسان ہماری گردن پر رہے گا۔"

عمیر نے کہا: "ابا جان! رات کے وقت مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حملہ کرنے والے کون تھے؟ اس کے بعد میں بے ہوش ہو گیا تھا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں اُس جگہ سے کوسوں دور بستی کے باہر پڑا ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ مجھے بچانے والوں نے کسی مجبوری کے باعث ہمارے گھر تک آنا پسند نہ کیا ہو لیکن مجھے یقین ہے وہ کسی دن ضرور آپ کے پاس آئیں گے۔"

سمیرا نے کہا: "ممکن ہے وہ ہمارا کوئی دشمن ہو۔"

عدی نے برہم ہو کر کہا: "عمیر کی جان بچانے والا ہمارا دشمن نہیں ہو سکتا!"

عمیر نے کہا: "ابا جان! داؤد، شمعون کو یقیناً یہ اطلاع دے گا کہ میں زندہ ہوں۔ اس لئے آپ کسی کو میرے گھر پہنچنے کی خبر نہ ہونے دیں۔ ممکن ہے اب وہ دوسروں کے سامنے مجھ پر چوری کا الزام عائد کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرے۔ اُسے چند دن خاموش رکھنے کے بعد ہم اُسے جی بھر کر ذلیل کر سکیں گے اور مجھے یقین ہے کہ جب تک اُسے میرے مرجانے یا زندہ ہونے کے متعلق اطمینان نہیں ہو جاتا وہ خاموش رہے گا۔"

عدی نے پوچھا: "تم نے کسی پڑوسی کو خبر تو نہیں دی؟"

"نہیں" اُس نے جواب دیا۔ "ممکن ہے کہ ہمارے نوکر شاید یہ بات نہ چھپا سکیں۔"

"میں انہیں تاکید کر دوں گا۔"

نعمان نے چونک کر کہا: "معلوم ہوتا ہے، باہر کوئی آوازیں دے رہا ہے۔"

عدی نے کہا: "جا کر دیکھو، کون ہے؟ نوکر اس وقت نہیں اٹھیں گے وہ ساری رات کے تھکے ابھی سوئے ہیں۔"

عمیر نے کہا: "ٹھہرو۔ نعمان! ممکن ہے شمعون میرا پتا لگانے آیا ہو۔ عتبہ! تم جاؤ!"

"نہیں! میں خود جاتا ہوں۔" عدی یہ کہہ کر اٹھا اور باہر نکل گیا۔ صحن طے کر کے اُس نے پھاٹک کھولا تو باہر شمعون کا غلام کھڑا تھا۔

عدی خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

شمعون کے غلام نے کہا: "میں دیر سے آپ کے نوکروں کو آوازیں دے رہا ہوں!"

"وہ تھک کر سو گئے ہیں۔ ہم نے ساری رات عمیر کو تلاش کیا ہے۔"

"میرے آقا بہت فکر مند تھے وہ پوچھتے ہیں کہ اُس کا کوئی پتا چلا یا نہیں؟"

"اپنے آقا سے کہو کہ میں پھر اُس کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ اگر وہ نہ ملا تو بھی اس کی ایک ایک کوڑی ادا کی جائے گی۔"

"میرے آقا نے کہا تھا کہ اگر آپ کو عمیر کا کوئی سراغ ملے تو مجھے ضرور اطلاع دیں!"

"اُس سے کہہ دو کہ اگر عمیر مل گیا تو میں اُس کے گلے میں رسّی ڈال کر تمہارے پاس لاؤں گا۔"

شمعون کا غلام واپس چلا گیا۔



شمعون اپنے مکان کے ایک کمرے میں داؤد کے ساتھ ناشتہ کر رہا تھا۔ داؤد کے تین نوکر ہانپتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور اُن میں سے ایک نے کہا: "جناب ہم نے اپنے گھوڑے اور اونٹ بنو اوس کے ایک آدمی کے گھر دیکھ لئے ہیں!"

"کون ہے وہ؟" شمعون نے چونک کر سوال کیا۔

"جناب! وہ ہبیرہ ہے جس کا بھتیجا بچپن میں آپ کے پاس رہ چکا ہے۔"

"یہ ناممکن ہے ہبیرہ ڈاکو نہیں اور اس کا ایک ہاتھ بھی کٹا ہوا ہے۔"

"جناب! اُس کے پڑوسیوں سے ہمیں یہ پتا چلا ہے کہ اُس کا بھتیجا جو شام کی طرف گیا ہوا تھا واپس آگیا ہے اور اپنے ساتھ بہت کچھ لایا ہے۔"

شمعون اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "تمہیں یقین ہے کہ تمہارے گھوڑے اُس کے گھر میں ہیں؟"

"جی ہاں! ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں' وہاں وہ گھوڑا بھی موجود ہے جس پر عمیر سوار تھا۔"

"اگر یہ بات ہے تو میری تمام پریشانیاں دور ہو گئیں۔ میں ہبیرہ کے بھتیجے کو جانتا ہوں وہ بنو خزرج کے کسی آدمی کو قتل کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں دے سکتا۔ بالخصوص عدی کے بیٹے کو۔ اب تم یہ کہہ سکتے ہو کہ عمیر تمہارے ساتھ تھا۔ عاصم نے تمہارا قافلہ لوٹا اور عمیر کو قتل کر دیا۔ اب ہمیں اُس کی لاش کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں' اُس کے عزیز خود جا کر تلاش کر لیں گے۔ یہ واقعہ یثرب کی تاریخ کا عظیم ترین سانحہ بن جائے گا۔ قبیلۂ اوس کے ایک آدمی نے خزرج کے ایک آدمی کو امن کے زمانے میں قتل کیا ہے اب ان کی تلواریں بارہ مہینے آپس میں ٹکراتی رہیں گی اور اہلِ یثرب قریش اور بنو کندہ کی لڑائیوں کی داستانیں بھول جائیں گے!"

داؤد نے کہا۔ "لیکن ہم لوگوں کو کیسے یقین دلائیں گے کہ عاصم نے عمیر کو قتل کیا ہے؟"

شمعون نے کہا۔ "تم بہت موٹی عقل کے آدمی ہو۔ اُس کے گھر میں تمہارے اونٹ اور گھوڑے اس بات کی گواہی دیں گے کہ عمیر تمہارے ساتھ تھا۔ اور عمیر کا باپ یہ گواہی دے گا کہ اُس کا بیٹا مفقود الخبر ہے۔ عاصم نے صرف یہ سوچا ہو گا کہ تم عمیر کو زدوکوب کرنے کے بعد انتقام کے خوف سے مڑ کر نہیں دیکھو گے۔ لیکن یہ بات اُس کے ذہن میں نہیں آئی ہو گی کہ تمہارے لئے اُس کو عمیر کا قاتل ثابت کرنا کتنا آسان ہے۔ لیکن ــــــ میں ایک بات پر حیران ہوں کہ عاصم، عمیر کا گھوڑا اپنے گھر کیسے لے آیا! اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رات کے وقت اُس نے عمیر کو نہیں پہچانا اور وہ اُسے مردہ یا زندہ چھوڑ آیا ہے یہ ہو سکتا ہے کہ اُس نے اُسے جان کنی کی حالت میں دیکھ کر اُس کی رسیاں کھول دی ہوں اب تم جلدی سے اُس جگہ جاؤ، اگر وہ زندہ مل جائے تو اُسے موت کے گھاٹ اتار کر فوراً واپس آجاؤ اور اگر وہ مر چکا ہے تو اپنے آدمیوں کو اُس کی لاش کی

حفاظت کے لئے چھوڑ کر آجاؤ۔ عاصم کے گھر میں عمیر کا گھوڑا اور خیبر کے راستے میں عمیر کی لاش دیکھنے کے بعد کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہے گی۔"

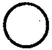
داؤد نے کہا۔ "لیکن وہ گھوڑا عمیر کا نہیں تھا بلکہ آپ نے اُسے دیا تھا۔"

شمعون نے کہا۔ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہمیں صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ عمیر اُس پر سوار ہو کر تمہارے ساتھ گیا تھا۔ اب تم وقت ضائع نہ کرو۔ تمہاری واپسی تک میں کوئی اقدام نہیں کروں گا۔ میرے اصطبل سے تمہیں تازہ دم گھوڑے مل جائیں گے۔ میں اپنے بیٹوں کو بھی تمہارے ساتھ بھیج دیتا ہوں۔"

داؤد نے کہا۔ "خدا کی قسم! میں بھی تھکاوٹ سے نڈھال ہو چکا ہوں۔"

شمعون نے جواب دیا۔ "یہ کام تمہارے آرام سے زیادہ اہم ہے۔ اب دیر نہ کرو، اُٹھو!"

داؤد بادلِ ناخواستہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے نوکروں اور شمعون کے تین بیٹوں کے ساتھ یثرب کے نخلستانوں سے باہر نکل رہا تھا۔



تین دن بعد عمیر اپنے مکان کے ایک کمرے میں چٹائی پر بیٹھا تھا۔ عدی کمرے میں داخل ہوا اور عمیر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ، بیٹا! آج تمہاری طبیعت کیسی ہے؟"

"ابا جان! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آج سر کا درد بھی کچھ کم ہے۔"

وہ دونوں چٹائی پر بیٹھ گئے۔

عدی نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "میرے خیال میں اب تمہیں لوگوں سے چھپنے کی ضرورت نہیں رہی۔ میں ابھی شمعون سے مل کر آیا ہوں۔ اُس کی توجہ کسی اور طرف مبذول ہو چکی ہے۔ کسی نے خیبر کے ایک یہودی کے اونٹ اور گھوڑے چھین لئے تھے۔ اور اب وہ ہمارے ایک دشمن کے گھر سے مل گئے ہیں۔ یہودی اس بات پر سخت برہم ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس واقعہ کے بعد وہ بنو اوس کے خلاف کھلے

بندوں ہماری حمایت شروع کر دیں گے۔"

"یہ اونٹ اور گھوڑے کس کے گھر سے ملے ہیں؟"

"ہبیرہ کے گھر سے۔ تم اُس کے بھتیجے کو جانتے ہو۔ وہ تمہارے ساتھ شمعون کے گھر میں رہ چکا ہے۔ سہیل کے بیٹے کا ڈاکو بن جانا مجھے ایک عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔"

عمیر نے پوچھا "آپ کو یہ شمعون نے بتایا ہے کہ خیبر کے یہودی کو عاصم نے لوٹا ہے؟"

"ہاں! رات کے وقت راستے میں حملہ کر کے اُس نے یہودی تاجر کے ایک غلام کو بھی زخمی کر دیا تھا۔"

عمیر نے کچھ سوچ کر کہا "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ جس طرح شمعون نے مجھ پر بہتان لگایا تھا اُسی طرح کسی یہودی نے عاصم پر جھوٹا الزام لگا دیا ہو؟"

عدی نے جواب دیا "تمہیں اپنے خاندان کے بدترین دشمنوں کی وکالت نہیں کرنی چاہیئے۔ اُن کے ہاتھ تمہارے بھائیوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ آج صبح یہودیوں کے چند سرکردہ آدمی ہبیرہ کے گھر پہنچے تو لوٹ کا مال وہاں موجود تھا۔ عاصم نے اپنی صفائی میں یہ کہا ہے کہ اُسے، یہ اونٹ اور گھوڑے یہاں سے چند کوس کے فاصلے پر راستے میں ملے تھے اور وہ انہیں لاوارث سمجھ کر اپنے ساتھ لے آیا ہے۔ یہ بیان اس قدر احمقانہ ہے کہ خود اس کے اپنے قبیلے کے سرکردہ لوگوں کو یقین نہیں آیا اور انہوں نے ہبیرہ کو ملامت کی ہے کہ تمہارا بھتیجا یہودیوں سے بگاڑ کر ہمارے راستے میں کانٹے بو رہا ہے۔ انہوں نے اِس جھگڑے کے تصفیے کے لئے کعب بن اشرف کو ثالث مان لیا ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ عاصم نے لوٹ کا مال واپس کرنے سے انکار کر دیا ہے؟"

"نہیں۔ یہودی اپنا مال لے گیا ہے۔"

"تو پھر اُن کے درمیان جھگڑا کیا ہے؟"

"جھگڑا یہ ہے کہ اُس نے ایک قافلے پر حملہ کیا تھا۔ پھر جب یہودی اُن کے گھر گئے تو شمعون بھی اُن کے ساتھ تھا اور عاصم نے سرکردہ یہودیوں کی موجودگی میں اُس پر ہاتھ اُٹھانے سے دریغ نہیں کیا۔ جب وہ اپنی صفائی پیش کر رہا تھا تو شمعون نے اُسے جھٹلایا اور اُس نے شمعون کی ڈاڑھی پکڑلی۔ اُس کے مُکّے سے شمعون

کا ایک دانت بھی ٹوٹ گیا ہے۔"

عمیر نے کہا "افسوس کہ میں یہ تماشا نہ دیکھ سکا۔ اور زیادہ افسوس مجھے اس بات کا ہے کہ اُس نے شمعون کا صرف ایک دانت توڑنے پر اکتفا کیا۔"

عدی نے کہا "اگر وہ سہیل کا بیٹا نہ ہوتا تو میں اُسے انعام دیتا۔ اب مجھے زیادہ خوشی اِس بات کی ہے کہ اِس واقعہ سے یہودی بنو اوس کے خلاف ہو جائیں گے۔ اور انہیں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ کعب بن اشرف نے کہا ہے کہ یہ معاملہ یثرب کے تمام باشندوں کی توجہ کا محتاج ہے۔ اگر یہاں کے قافلے لوٹنے کی رسم چل نکلی تو یثرب کے یہودی اور غیر یہودی یکساں متاثر ہوں گے۔ پھر یہ واقعہ زمانۂ امن میں پیش آیا ہے اس لئے کعب نے تمام قبائل کے سرکردہ آدمیوں کو آج سہ پہر کے وقت جمع ہونے کی دعوت دی ہے تاکہ آیندہ ایسے واقعات پیش آنے کا احتمال نہ رہے۔ میں بھی وہاں جا رہا ہوں۔ اور یہ مطالبہ کروں گا کہ عاصم اور اُس کے چچا کو جلا وطن کر دیا جائے۔"

"آپ کا خیال ہے کہ اوس یہ مطالبہ مان لیں گے؟"

"مجھے یقین ہے۔ یہودیوں کی آواز ہمارے ساتھ ہوگی اور اوس یہ پسند نہیں کریں گے کہ یہودی ہمارے حلیف بن کر اُن کے خلاف میدان میں آجائیں۔ وہ یہودیوں کو مطمئن کرنے کے لئے بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے پر تیار ہوں گے۔ میں نے سنا ہے کہ آج جب عاصم نے شمعون پر ہاتھ اٹھایا تھا تو اس کے قریبی رشتہ داروں نے بھی اُسے ملامت کی تھی۔ ہبیرہ کی تو یہ حالت تھی کہ اُس نے اپنے بھتیجے کے منہ پر تھپڑ بھی مار دیا تھا۔"

عمیر نے کہا "مجھے ڈر ہے کہ جب اوس اور خزرج کے سرکردہ لوگ کعب کے گھر جمع ہوں گے تو وہیں لڑائی شروع ہو جائے گی۔"

عدی نے جواب دیا "کعب کے گھر میں کوئی تلوار اُٹھانے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اور اُس نے ہمیں یہ ہدایت بھی کی ہے کہ وہاں کوئی مسلح ہو کر نہ آئے۔"

"ابّا جان! آپ کہا کرتے ہیں کہ کعب ایک انتہائی شر پسند آدمی ہے اور اوس و خزرج کو لڑانے میں اُس کی سازشوں کو خاصا دخل ہے۔"

"ہاں! لیکن اس مرتبہ اُس کے شر کا رخ ہماری بجائے اوس کی طرف ہوگا" عدی یہ کہہ کر کھڑا ہوگیا۔

عمیر نے پوچھا "آپ کہاں جارہے ہیں؟"

"میں اپنے آدمیوں سے مشورہ کرنے جارہا ہوں، ہمیں اس موقع سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔"

عمیر نے کہا۔ "اباجان! آپ کو شمعون نے یہ بتایا ہے کہ وہ یہودی جس کے گھوڑے چھینے گئے تھے، کون تھا؟"

"نہیں! میں نے اُس سے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔"

"آپ نے اُس سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ اُس پر حملہ کس جگہ ہوا تھا؟ اور جب اُس پر حملہ ہوا تھا تو وہ کیا کر رہا تھا؟"

"نہیں! لیکن ان بے ہودہ سوالات سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ کیا تم ...." آخری الفاظ عدی کے حلق میں اٹک کر رہ گئے اور وہ سکتے کے عالم میں عمیر کی طرف دیکھنے لگا۔

عمیر نے کہا۔ "اباجان! یہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے نوکروں کے ساتھ ایک بے بس آدمی کو زدوکوب کر رہا ہو اور اِس بے بس آدمی کی چیخیں سن کر کوئی مسافر وہاں آنکلا ہو۔ اور اُس کی للکار سے یہ ظالم اپنے اونٹ اور گھوڑے چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں۔ اور پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ مظلوم نوجوان جسے اُس کے ساتھی ادھ موا کر کے چھوڑ گئے ہوں، آپ کا بیٹا ہو ———— اباجان! بعض حقائق ناقابلِ یقین معلوم ہوتے ہیں اور تکلیف دہ بھی۔" آخری الفاظ کے ساتھ عمیر کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہ نکلے۔

عدی نڈھال سا ہو کر بیٹھ گیا۔ اور دیر تک خاموشی سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھتا رہا۔

عمیر نے کہا۔ "اباجان! وہ عاصم تھا ہمارے بدترین دشمن کا بھتیجا، اور وہ مجھے بستی کے باہر چھوڑ کر نہیں، بلکہ اس کمرے میں پہنچا کر گیا تھا۔"

عدی کرب کی حالت میں چلایا "لیکن تم نے یہ باتیں مجھے پہلے کیوں نہ بتائیں، عمیر! کم از کم تمہیں مجھ سے جھوٹ نہیں بولنا چاہیئے تھا۔"

عمیر نے کہا۔ "اباجان! عاصم نے مجھ سے وعدہ لیا تھا۔ کہ میں ان واقعات کا کسی سے ذکر نہیں کرونگا۔"

"لیکن کیوں؟"

"ہوسکتا ہے کہ وہ میری جان بچانا ایک جرم سمجھتا ہو اور اُسے اس جرم کی تشہیر گوارا نہ ہو۔ یہ بھی ہوسکتا

ہے کہ میرے خاندان اور میرے قبیلے کے سامنے وہ میری تذلیل نہ چاہتا ہو۔ میں نے اُس سے بے بسی کی حالت میں اعانت طلب کی تھی۔ اور اُسے میری حالت پر رحم آگیا تھا۔ ہم دونوں اپنی اپنی روایات سے غداری کر رہے تھے۔ ہم دونوں مجرم تھے اور کوئی مجرم اپنے جرم کی تشہیر پسند نہیں کرتا۔ اُس نے اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے میرا تذکرہ نہیں کیا، لیکن مجھ میں شاید اتنی ہمت نہیں۔ آپ مجھے بے غیرتی اور بے حیائی کا طعنہ دے سکتے ہیں لیکن میرے محسن کو مطعون نہیں کرسکتے۔"

عدی نے کہا "اُس نے میرے سر پر پہاڑ رکھ دیا! لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سہیل کے بیٹے اور ہبیرہ کے بھتیجے نے میرے بیٹے کی جان بچائی ہو۔ منات کی قسم! میرے خاندان سے وہ اس سے بدتر انتقام نہیں لے سکتا تھا۔"

عمیر نے کہا۔ "اباجان! آپ نے شمعون کو میرے متعلق تو نہیں بتادیا؟"

"نہیں! اگر تم نے مجھے منع نہ کیا ہوتا تو شاید میں یہ غلطی کر بیٹھتا۔ آج میرے ساتھ اُس کا رویہ بہت شریفانہ تھا۔ اُس کی باتوں سے مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنی چوری کی بجائے تمہاری سلامتی کے لئے زیادہ فکرمند ہے۔"

"اباجان! اُسے اب صرف اس بات کی فکر ہوسکتی ہے کہ اگر میں زندہ ہوا تو اُس کے لئے یثرب میں سانس لینا مشکل ہوجائے گا۔"

باب (۶)

کعب بن اشرف اپنے مکان کے سامنے کھجوروں کی چھاؤں میں یثرب کے سرکردہ لوگوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے دائیں بائیں اور پیچھے یہود قبائل کے رہنما اور سامنے ایک طرف بنو اوس اور دوسری طرف بنو خزرج کے بااثر لوگ بیٹھے تھے۔ اُن کے درمیان کچھ جگہ خالی تھی۔ تماشائی جن میں سے اکثر یہودی تھے ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑے تھے اور اُن کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔ کعب نے ایک قیمتی قبا پہن رکھی تھی۔ وہ خود ایک چھوٹے سے قالین پر بیٹھا تھا اور دوسرے معززین کھجور کی چٹائیوں پر۔ مدّت کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ اوس و خزرج ایک جگہ جمع تھے اور اس جگہ تلواروں کی جھنکار سنائی نہیں دیتی تھی۔ کعب بن اشرف کی ہدایت کے مطابق وہ خالی ہاتھ آئے تھے۔ لیکن نہتے ہونے کے باوجود اُن کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ یہاں امن و عافیت کی تلاش میں نہیں آئے۔ انہیں ایک دوسرے کے عزائم کے متعلق کوئی خوش فہمی نہ تھی۔ وہ صرف یہودیوں کی خوشنودی حاصل کرنے آئے تھے۔ قبیلۂ خزرج کے معززین کو یہ اُمید تھی کہ اُن کے حریف اِس مجلس سے رسوا ہو کر نکلیں گے اور وہ اپنی تلواریں خون آلود کئے بغیر ایک اہم فتح حاصل کر سکیں گے۔ اگر یہودی بگڑ گئے تو بنو اوس کے لئے یثرب کی زمین تنگ ہو جائے گی۔ اور بنو اوس ہر قیمت پر یہودیوں کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے تھے انہیں اِس بات کا شدید احساس تھا کہ خزرج اور یہودیوں کے اتحاد کے بعد اُن کے لئے یثرب کی فضاء میں سانس لینا مشکل ہو جائے گا۔

عدی اردگرد جمع ہونے والے تماشائیوں کی صف سے نمودار ہوا اور آگے بڑھ کر کعب بن اشرف کے سامنے خالی جگہ کھڑا ہو گیا۔ اُس کے قبیلے کے آدمیوں نے ہاتھ کے اشاروں سے اُسے اپنی طرف بلانے کی کوشش

کی لیکن اُس نے کسی کی طرف توجہ نہ دی۔

کعب نے کہا "عدی، بیٹھ جاؤ!"

عدی نے کہا "میں صرف اِس لئے آیا ہوں کہ مجھے آپ کا پیغام ملا تھا۔ میں اِس اجتماع کی کارگزاری میں کوئی حصّہ لینا نہیں چاہتا۔ اور چونکہ یہ معاملہ سراسر قبیلۂ اوس کے ایک فرد اور آپ کی قوم کے ایک آدمی سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے یہ کسی طرح مناسب نہ تھا کہ میرے قبیلے کے معززین یہاں جمع ہوتے ہمارے تعلقات ایسے نہیں کہ ہم ایک جگہ بیٹھ سکیں"

کعب نے شمعون اور داؤد کی طرف دیکھا اور پھر عدی کی طرف متوجہ ہو کر کہا "اگر یہ جھگڑا عاصم اور داؤد تک محدود ہوتا تو آپ میں سے کسی کو بھی یہاں آنے کی ضرورت نہ تھی۔ میری قوم اتنی گئی گزری نہیں کہ اُسے اپنے مسائل دوسروں کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی۔ ممکن ہے کہ اِس جھگڑے سے آپ کا تعلق ہم سب سے زیادہ ہو۔ آپ بیٹھ جائیں ہم ہبیرہ اور اُس کے بھتیجے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اُن کے آنے پر آپ دیکھ لیں گے کہ میں نے آپ کو بلاوجہ تکلیف نہیں دی۔ مجھے کل کسی نے آپ کے بیٹے کے اچانک غائب ہو جانے کی اطلاع دی تھی۔ یہ خبر بہت افسوس ناک ہے! اُس کا کوئی سراغ ملا؟"

عدی نے جواب دیا "نہیں! مجھے اُس کا کوئی سراغ نہیں ملا"

چند تماشائیوں کی آوازیں سنائی دیں "وہ آ رہے ہیں"۔

عدی اپنے قبیلے کے معززین میں بیٹھ گیا اور ایک ثانیہ بعد ہبیرہ اور عاصم تماشائیوں کے ہجوم سے نکل کر آگے بڑھے۔ ہبیرہ اپنے قبیلے کے آدمیوں کے پاس جا کر بیٹھ گیا لیکن عاصم کھڑا رہا۔

کعب نے کہا "نوجوان! تم بھی بیٹھ جاؤ!"

عاصم نے جواب دیا "نہیں، میں ایک ملزم ہوں اور کھڑا رہنا ہی بہتر سمجھتا ہوں"۔

کعب نے کہا "تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ جو گھوڑے اور اونٹ تمہارے گھر سے برآمد ہوئے ہیں وہ داؤد کی ملکیت تھے ــــــ؟"

"معلوم نہیں! وہ مجھے رات کے وقت راستے میں ملے تھے۔ اور میں انہیں لاوارث سمجھ کر اپنے گھر

لے آیا تھا۔ چونکہ داؤد انہیں اپنی ملکیت ثابت کرتا تھا، اِس لئے میں نے اُس کے حوالے کر دیئے۔

کعب بن اشرف نے کہا "یہ عجیب بات ہے کہ راستے میں اتنے لاوارث جانور تمہارا انتظار کر رہے تھے۔ میں کئی بار اُسی رستے گیا ہوں مگر مجھے کبھی ایک بکری بھی نہیں ملی۔"

قبیلہ خزرج کے آدمیوں نے قہقہہ لگایا اور بنو اوس خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

عاصم نے کہا "اگر آپ کو بکری نہیں ملی تو یہ میرا قصور نہیں۔ ممکن ہے آپ اتنے خوش قسمت نہ ہوں۔ یا رات کے وقت آپ کی آنکھیں دور تک نہ دیکھ سکتی ہوں۔"

محفل پر ایک سناٹا چھا گیا اور یہودی غضب ناک ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ہبیرہ چلایا۔ "عاصم! ہوش سے کام لو۔" اور پھر قبیلۂ اوس کے ایک معمر آدمی نے کعب سے مخاطب ہو کر کہا "جناب! آپ عاصم کے لئے جو سزا تجویز کریں گے، ہمیں منظور ہوگی۔"

کعب نے داؤد کی طرف متوجہ ہو کر کہا "داؤد! تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

داؤد اٹھ کر بولا "جناب! عاصم نے رات کے وقت ہم پر حملہ کیا تھا۔ ہمیں اپنے ایک ساتھی کی لاش چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ میرا ایک غلام بھی زخمی ہوا اور میں اُسے راستے کی ایک بستی میں چھوڑ آیا ہوں۔ میں اپنے جانوروں کے متعلق خاموش ہو سکتا ہوں کہ وہ مجھے مل چکے ہیں۔ میں اپنے نوکر کے بارے میں بھی درگزر کر سکتا ہوں کہ اُس کا زخم تشویش ناک نہیں۔ میں یہ بھی معاف کرنے کو تیار ہوں کہ عاصم نے کسی سابقہ دشمنی کے بغیر مجھ پر امن کے دنوں میں حملہ کیا تھا۔ لیکن یہ معاف نہیں کر سکتا کہ اُس نے میرے ایک بے گناہ ساتھی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اور رات کی تاریکی میں اُسے تلوار اُٹھانے کا موقع بھی نہیں دیا۔"

داؤد کے ایک ساتھی کے قتل ہو جانے کی خبر بنو خزرج کے لئے خاص طور پر مسرت بخش تھی۔ اب انہیں یقین ہو چکا تھا کہ یہ یہودی اِس بات پر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔

کعب نے پوچھا "قتل ہونے والا کون تھا؟"

"جناب! پیشتر اِس کے کہ میں آپ کے سوال کا جواب دوں، آپ کو اِس بات کا اطمینان کر لینا چاہیئے کہ یہ لوگ اِسی جگہ کشت و خون شروع نہیں کر دیں گے۔"

"تم اطمینان رکھو! میں ان سے پُرامن رہنے کا وعدہ لے چکا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ قوت آزمائی کے لئے میرا گھر منتخب نہیں کریں گے۔"

داؤد نے کہا "جناب! مقتول قبیلۂ خزرج کا ایک نوجوان تھا۔ اُس کا نام عمیر تھا۔ عمیر بن عدی۔"

محفل پر ایک ثانیہ خاموشی طاری رہی۔ پھر قبیلۂ خزرج کے آدمی ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اُن کی آوازیں آہستہ آہستہ بلند ہونے لگیں۔ لیکن عدی جس کی آنکھوں میں وہ انتقام کی آگ کے شعلے دیکھنا چاہتے تھے انتہائی سکون و اطمینان کے ساتھ عاصم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کسی نے اُسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا "عدی — ! سنتے ہو۔ عمیر کو عاصم نے قتل کر دیا۔" اور عدی نے جواب دیئے بغیر اُس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔ بنو خزرج کی آوازیں چیخوں میں تبدیل ہو رہی تھیں۔

"خاموش! خاموش!" کعب دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے چلایا اور جب محفل میں قدرے سکون کے آثار پیدا ہوئے تو اُس نے عاصم کی طرف متوجہ ہو کر کہا "تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

عاصم بولا "میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ داؤد جھوٹا ہے۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔"

داؤد نے کہا "جناب! امن کے دنوں میں ایک عرب کو قتل کرنے کا جرم ایسا نہیں کہ عاصم اپنے قبیلے کے مستقبل سے بے پروا ہو کر اس کا اعتراف کر لے۔ یہ تو عمیر کی لاش بھی کہیں چھپا چکا ہے اور ہم کوشش کے باوجود اُسے تلاش نہیں کر سکے۔ اگر آپ کا خیال ہے کہ میں نے کوئی بات غلط کہی ہے تو شمعون سے پوچھ لیجئے۔"

کعب نے کہا "کیوں، شمعون! تم کیا کہنا چاہتے ہو۔؟"

شمعون نے جواب دیا "جناب! عمیر کئی سال سے میرے پاس رہتا تھا۔ ایک دن خدا جانے اُس کے دل میں کیا سمائی کہ وہ میرے گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں چلا گیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ میرے گھر سے کچھ نقدی بھی اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ اِس واقعے کی اطلاع میں نے اِس کے باپ کو دے دی تھی۔ اس کے بعد داؤد میرے گھوڑے تلاش کرتا ہوا یہاں پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ عمیر یثرب سے نکلنے کے بعد، اُس کے ساتھ ہو گیا تھا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ عمیر کو کس نے قتل کیا ہے لیکن داؤد کے جانوروں کے علاوہ میرا وہ گھوڑا بھی جو عمیر لے کر گھر سے نکلا ہے۔ آپ عدی سے پوچھ لیجئے اگر عمیر ابھی تک گھر نہیں پہنچا تو ہمارے لئے یہ یقین

کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ بدنصیب قتل ہو چکا ہے۔ اور مجھے اِس بات کا بے حد ملال ہے کہ اُس کے قاتل نے امن کے دنوں کا بھی احترام نہیں کیا۔ میں نے عدی کو یقین دلا دیا تھا کہ عمیر میرے گھر سے چوری کر کے بھاگ گیا ہے۔ لیکن داؤد سے باقی واقعات سننے کے بعد مجھے یہ بتانے کا حوصلہ نہیں ہوا کہ وہ قتل ہو چکا ہے۔ میری خاموشی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ داؤد ابھی تک اُس کی لاش تلاش نہیں کر سکا۔ میرا خیال تھا کہ زخمی ہونے کے بعد شاید وہ کہیں چھپ گیا ہو۔ لیکن اتنے دنوں کے بعد بھی اگر وہ واپس نہیں آیا تو اس کی وجہ اِس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُس کے قاتل اُس کی لاش بھی ٹھکانے لگا چکے ہیں۔ اگر داؤد کا بیان صحیح مان لیا جائے تو عمیر کا قاتل عاصم کے سوا اور کون ہو سکتا ہے!"

کعب عدی کی طرف متوجہ ہوا "آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟"

عدی اپنی جگہ سے اٹھ کر آگے بڑھا اور عاصم کے قریب کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر ادھر ادھر دیکھنے کے بعد اُس نے عاصم کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں اور پھر اچانک اُس کے بازو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے چلایا "بیوقوف! تم خاموش کیوں ہو؟ یہ کیوں نہیں کہتے کہ عمیر قتل نہیں ہوا، زندہ ہے۔ اور اُس کے باپ نے تمہاری بے بسی کا تماشا دیکھنے کیلئے اسے اپنے گھر میں چھپا رکھا ہے۔ یہ کیوں نہیں بتاتے کہ تم اُسے اپنے کندھے پر اٹھا کر میرے گھر لائے تھے ــــــ؟"

محفل پر ایک سکتہ سا طاری ہو چکا تھا۔ عدی کا ایک رشتہ دار اٹھ کر آگے بڑھا اور اُس کے بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے چلایا "عدی! ہمت سے کام لو۔ عمیر کا خون رائگاں نہیں جائے گا قبیلہ کا ہر فرد تمہارے دکھ میں شریک ہے۔"

عدی نے اُسے دھکا دے کر پیچھے ہٹا دیا اور چلایا "مجھے تمہاری ہمدردی کی ضرورت نہیں۔ تم سب پاگل ہو گئے ہو ــــــ"

کعب نے کہا "اسے گھر لے جاؤ، صدمے سے اِس کے حواس ٹھیک نہیں رہے۔"

عدی چلایا "میرے حواس بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ کو اِس وقت شمعون اور داؤد کی فکر کرنی چاہیئے۔ اُن سے پوچھیئے کہ اب تمہاری زبانیں کیوں گنگ ہو گئی ہیں۔" حاضرین کی نگاہیں شمعون اور داؤد کی طرف مرکوز ہو گئیں۔

عدی نے قدرے توقف کے بعد مڑ کر عاصم کی طرف دیکھا "یہاں ایک ایسا گواہ موجود ہے جو تمہیں بے گناہ ثابت کر سکتا ہے تم اُسے آواز کیوں نہیں دیتے؟ وہ اُن لوگوں کے سامنے آنے کے لئے تمہارے اشارے کا منتظر ہے ــــــ تمہارا جرم صرف یہ ہے کہ تم نے عمیر کو موت کے منہ سے چھڑایا ہے اور تمہیں ڈر ہے کہ

تمہارے قبیلے کے لوگ تمہیں مطعون کریں گے۔ لیکن میں اپنے قبیلے کے لوگوں کے طعنوں سے نہیں ڈرتا۔ مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی کہ تم نے میرے بیٹے کی جان بچائی ہے اور میں تمہارا احسان مند ہوں۔ بُعاث کے وقت چند یہودی اُسے زدوکوب کر رہے تھے اور تم اُس کی چیخیں سن کر بے چین ہو گئے تھے۔ اگر تمہارا یہ خیال تھا کہ تمہارا احسان مند ہونا میرے لئے باعث ننگ و عار ہے تو تم غلطی پر تھے ــــــ عمیر! عمیر! تم آسکتے ہو۔"

عمیر تماشائیوں کی پچھلی صف سے نکل کر آگے بڑھا اور عدی اور عاصم کے قریب پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ ناک اور آنکھوں کے سوا اُس کا چہرہ چادر میں چھپا ہوا تھا۔ حاضرین دم بخود ہو کر اُس کی طرف دیکھنے لگے۔ اُس نے اپنے چہرے سے چادر ہٹائی اور کعب بن اشرف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ درست ہے کہ مجھے امن کے زمانے میں قتل کرنے کی سازش کی گئی تھی لیکن عاصم کا اِس سازش سے کوئی تعلق نہیں۔ میرے مجرم آپ کے دائیں ہاتھ بیٹھے ہیں شمعون تم مجھے پہچانتے ہو؟"

شمعون، جو کسی حد تک اپنے حواس درست کر چکا تھا، اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اُس نے کہا "میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اور مجھے اِس بات پر خوشی ہے کہ تم زندہ ہو، اِس کے باوجود کہ تم میرے گھر سے چوری کر کے بھاگ گئے تھے۔"

عمیر نے کہا "تمہیں اِس بات کی خوشی ہے کہ داؤد، جسے تم نے مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے منتخب کیا تھا، اپنا فرض پورا نہیں کر سکا۔؟"

شمعون چلایا "یہ جھوٹ ہے، بہتان ہے۔ تم اپنا جرم چھپانے کے لئے مجھے بدنام کرنا چاہتے ہو۔"

کعب بن اشرف کے سوا تمام یہودی اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور شور مچانے لگے "یہ جھوٹ بولتا ہے۔ یہ غلط کہتا ہے۔ ہم شمعون کی توہین برداشت نہیں کر سکتے۔"

عمیر بلند آواز میں چلایا "تم یہ سننا بھی پسند نہیں کرو گے کہ اِس پوری کارروائی کا مقصد صرف یہ تھا کہ اوس و خزرج آئندہ امن کے زمانے میں بھی چین سے اپنے گھروں میں نہ بیٹھ سکیں۔ کیا یہ غلط ہے کہ داؤد تمہارے گھر پر مہمان تھا اور تم نے اصرار کیا تھا کہ میں اِس کے گھوڑے خیبر پہنچا آؤں؟ کیا میں پچھلے پہر داؤد کے ساتھ روانہ نہیں ہوا تھا؟ کیا تم اِس مجلس میں یہ سننا چاہتے ہو کہ مجھ سے تمہارے عناد کی کیا وجہ تھی اور تم نے مجھے قتل کرانے

کی سازش کیوں کی تھی؟"

شمعون چلایا "مجھے معلوم نہیں کہ تم نے ہبیرہ کے بھتیجے سے کیا سمجھوتہ کیا ہے لیکن میں ایک چور کو اس بات کی اجازت نہیں دوں گا کہ وہ مجھ پر کیچڑ اچھالے۔"

"مجھے یہاں زبان کھولنے کے لئے تمہاری اجازت کی ضرورت نہیں۔"

یہودی یک زبان ہو کر چلانے لگے "ہم کچھ نہیں سننا چاہتے۔ تم جھوٹے ہو۔"

کعب پریشانی اور اضطراب کی حالت میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اُس نے کہا "اگر دو دشمن کسی مجبوری سے ایک دوسرے کے دوست بن جائیں۔ تو کسی کو انہیں مطعون کرنے کا حق نہیں لیکن یہ شرافت نہیں کہ ایک تیسرے فریق کو ہدفِ ملامت بنا لیا جائے۔ میں اوس و خزرج کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اُن کے دو نوجوان مصالحت کے لئے میدان میں نکل آئے ہیں۔ لیکن میرے لئے یہ بات ناقابلِ یقین ہے کہ شمعون نے عمیر کو قتل کرانے کی سازش کی ہے۔ اوس اور خزرج اگر ایک دوسرے کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہتے ہیں تو میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ میری قوم کا کوئی فرد اُن کے درمیان حائل نہیں ہو گا۔"

ہبیرہ نے بلند آواز میں کہا "اوس اور خزرج کے درمیان کبھی دوستی نہیں ہو سکتی۔ ہم اس قدر بے غیرت نہیں کہ اپنے عزیزوں کا خون بھول جائیں۔"

قبیلۂ خزرج کے ایک آدمی نے کہا "اور تمہارا خیال ہے کہ ہم بے غیرت ہیں۔ منات کی قسم! جب تک ہماری رگوں میں خون ہے ہماری تلواریں نیام میں نہیں جائیں گی۔"

ایک ثانیہ کے اندر اندر محفل کا رنگ بدل چکا تھا اور یہودی جو کچھ دیر پہلے ایک غیر متوقع صورتِ حال کا سامنا کر رہے تھے، اب اطمینان سے اوس و خزرج کے اکابر کی تکرار سُن رہے تھے۔

کعب بن اشرف نے کہا "یاد رہے کہ تم لوگ میرے گھر میں پُرامن رہنے کا وعدہ کر چکے ہو —— مجھے توقع ہے کہ ان وعدوں کا پاس کیا جائے گا اور یہاں کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آئے گا کہ ہم تمہاری لڑائیوں میں فریق بننے پر مجبور ہو جائیں۔ اس لئے میں درخواست کرتا ہوں کہ تم اطمینان کے ساتھ یہاں سے چلے جاؤ۔"

فریقین اپنے اپنے ساتھیوں کو صبر و تحمل کی تلقین کرتے ہوئے اُٹھے اور وہاں سے چل دیئے۔ ہبیرہ نے

عاصم کے قریب سے گزرتے ہوئے اُس پر ایک قہر آلود نگاہ ڈالی اور کہا "عاصم! مجھے تم سے یہ اُمید نہ تھی۔ عدی کے بیٹے کی جان اتنی قیمتی نہ تھی کہ تم اپنے باپ اور بھائیوں کے خون بھول جاتے۔" اور قبیلۂ خزرج کا ایک بزرگ عدی سے کہہ رہا تھا "اگر میرا بیٹا جان کنی کے وقت بھی اوس کے کسی فرد سے پانی کا گھونٹ طلب کرتا تو میں مرتے دم تک کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔"

اوس و خزرج کے معززین عاصم، عدی اور عمیر کو حقارت سے دیکھتے ہوئے وہاں سے نکل گئے۔ قبیلۂ اوس کے اکابر کے نزدیک عاصم کا یہ جُرم ناقابلِ معافی تھا کہ اُس نے عدی کے بیٹے کی جان بچائی تھی۔ اور خزرج یہ معاف کرنے کو تیار نہ تھے کہ عدی اور اُس کے بیٹے نے ایک ایسے مرحلے پر عاصم کی حمایت میں اپنی زبانیں کھولی تھیں جب یہودی بنو اوس کے خلاف مشتعل ہو چکے تھے۔ یہ تینوں کچھ دیر پریشان کھڑے رہے، جب ہجوم منتشر ہو گیا تو عاصم وہاں سے چل دیا۔ اور عدی اور عمیر اس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ تھوڑی دور جا کر عمیر نے آواز دی۔ "عاصم! ٹھہرو!"

وہ رُکا اور مڑ کر دیکھنے لگا۔ عمیر نے قریب پہنچ کر کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے وعدے پر قائم نہ رہ سکا۔ میرے لئے تمہاری یہ توہین ناقابلِ برداشت تھی۔ یہودیوں کی سازش کے خلاف زبان کھولنا میرا فرض تھا تاہم مجھے افسوس ہے کہ کچھ دیر پہلے ہم اپنے اپنے قبیلے کی عزت کے امین تھے لیکن اب ہم اِس عزت سے محروم ہو چکے ہیں۔"

عاصم نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا "مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔"

عدی نے کہا "تم نے میری گردن پر ایک پہاڑ کا بوجھ لاد دیا ہے، لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم نے عمیر کو اظہارِ صداقت سے کیوں منع کیا تھا؟ تم یہ جانتے تھے کہ عمیر ساری عمر لوگوں کی نظروں سے چھپ کر نہیں رہ سکتا۔"

عاصم نے جواب دیا "اگر یہودیوں کو فوراً یہ پتہ چل جاتا کہ عمیر اپنے گھر پہنچ چکا ہے تو آج وہ یہ موقف اختیار نہ کرتے، میں اہلِ یثرب پر ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ کس قدر جھوٹے، دغا باز اور شر پسند ہیں۔"

"لیکن تم یہودیوں کو شر پسند اور دغا باز ثابت کرنے کے باوجود اُن کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ تمہاری کارگزاری کا ماحصل یہ ہے کہ تمہارے اپنے قبیلے کے لوگ تمہارے خلاف ہو گئے ہیں۔"

عاصم نے کہا "جب میرے دل میں عمیر کو گھر پہنچانے کا خیال آیا تو مجھے یہ بھی محسوس ہوا تھا کہ میں ایک جرم کر رہا ہوں۔ لیکن اب میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے یہی کرنا چاہیئے تھا۔ اور وہ دن دور نہیں جب میرے قبیلے کا ہر ذی شعور آدمی میری طرح محسوس کرے گا۔"

عدی نے کہا "تمہارے قبیلے کے لوگ تمہاری صورت دیکھنے کے روادار نظر نہ آتے تھے۔ میں حیران ہوں کہ اتنی بڑی شکست کے باوجود تم پُر امید ہو——"

"اگر آپ یہاں نہ آتے اور آپ کی آواز میری حمایت میں بلند نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ میں اِس محفل سے شکست کا احساس لے کر نکلتا، لیکن اب میں یہ محسوس کرتا ہوں یہ میری پہلی فتح ہے۔"

عدی نے کہا۔ "یہ تمہاری پہلی اور آخری فتح ہے۔ تم نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ اوس و خزرج کے لئے نیا ہے۔ اور کوئی تمہارا ساتھ دینا پسند نہ کرے گا۔"

عاصم نے پوچھا۔ کیا آپ بھی میرا ساتھ دینا پسند نہ کریں گے۔"

"مجھے معلوم نہیں—— اس عمر میں شاید میں اپنے اسلاف کا راستہ چھوڑ کر نیا راستہ اختیار نہ کر سکوں۔"

عاصم نے کہا "کیا آپ یہ محسوس نہیں کرتے کہ ہمارے قبیلے گزشتہ جنگوں سے کافی سبق لے چکے ہیں اور اب کئی خاندان ایسے ہیں جو بظاہر جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن دل سے نہیں چاہتے کہ یہ بجھتی ہوئی آگ دوبارہ بھڑک اُٹھے۔"

عدی نے جواب دیا—— "میں صرف یہ جانتا ہوں کہ سر دست لڑائی سے ان خاندانوں کے اجتناب کی وجہ صرف ایک عارضی تھکاوٹ ہے۔ جب یہ تھکاوٹ دور ہو جائے گی تو ہمیں ایک دوسرے کو ذبح کرنے کے لئے ایک معمولی بہانے کی ضرورت بھی پیش نہ آئے گی۔ اوس و خزرج کے درمیان دائمی امن کی تمنا کرنا ایک دیوانگی ہے۔ تم دیوانے ہو عاصم اور شاید میں بھی دیوانہ ہو جاؤں، لیکن اس بستی میں ہمارے لئے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔"

عاصم کچھ کہے بغیر وہاں سے چل دیا۔ اور عدی نے عمیر کا بازو پکڑتے ہوئے کہا "آؤ، بیٹا! تم جس زمین پر پھول دیکھنا چاہتے ہو وہ نہیں کانٹوں کے سوا کچھ نہیں دے سکتی۔"

باب (۷)

رات کے وقت کعب بن اشرف یثرب کے پندرہ سرکردہ یہودیوں کے ساتھ اپنے مکان کے ایک کشادہ کمرے میں بیٹھا تھا۔ شمعون کمرے میں داخل ہوا اور حاضرین اُس کی طرف دیکھنے لگے۔ کعب نے اُس پر ایک قہر آلود نگاہ ڈالی اور کہا "بیٹھ جاؤ! ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ اب ہمارے لئے تمہاری حماقت کے خطرناک نتائج سے بچنے کی صورت کیا ہے؟ داؤد کہاں ہے؟"

شمعون نے جواب دیا "جناب! وہ خیبر چلا گیا ہے، میں نے اُسے اپنے گھر ٹھہرانا مناسب نہیں سمجھا۔"

کعب بن اشرف سوچ میں پڑ گیا اور کمرے میں کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔ بالآخر ایک یہودی نے کہا "یہ واقعہ بہت افسوسناک ہے۔ لیکن آپ کو زیادہ فکر مند نہیں ہونا چاہیئے۔ میں اوس و خزرج کے کئی آدمیوں سے مل چکا ہوں۔ اور پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ایک دوسرے کے خلاف اُن کے جذبات وہی ہیں جو پہلے تھے، آپ کو اُن کی طرف سے کسی ناخوشگوار ردِ عمل کا اندیشہ نہیں ہونا چاہیئے۔"

کعب نے کہا "میرے لئے یہ معمولی واقعہ نہیں کہ قبیلۂ اوس کے ایک آدمی نے خزرج کے ایک آدمی کی جان بچائی ہے اور قبیلۂ خزرج کے دو افراد نے اُس کے حق میں گواہی دی ہے۔ اور یہ واقعہ بھی میرے لئے معمولی نہیں کہ انہوں نے برسوں کے بعد ہماری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی جرأت کی ہے۔"

دوسرے یہودی نے کہا "جناب! اگر آپ کو یہ اندیشہ ہے کہ اوس اور خزرج پُر امن ہو گئے ہیں تو انہیں کل ایک دوسرے کے خلاف مشتعل کیا جا سکتا ہے۔"

کعب نے جواب دیا "تم ان لوگوں کو سراسر احمق سمجھنے کی غلطی نہ کرو!" یہ تمہارا کمال نہیں، کہ وہ مدت سے ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں۔ خاندانی منافرت، خونخواری اور انتقام جو، اُن کی سرشت میں داخل ہے۔ لیکن فرض کرو اگر وہ اپنی بقا کے لئے متحد ہو جائیں اور تمہیں اپنا مشترک دشمن سمجھ لیں تو تمہارا انجام کیا ہوگا؟"

ایک یہودی سردار نے کہا۔ آسمان پر دو سورج نکل سکتے ہیں لیکن اوس و خزرج متحد نہیں ہو سکتے۔ آج اُن کا کوئی خاندان ایسا نہیں جو اپنے کسی نہ کسی عزیز کے قتل کا انتقام لینے کے لئے بے چین نہ ہو۔ جب تک اُن کا یہ ایمان ہے کہ مقتول کا انتقام نہ لیا جائے تو اُس کی قبر میں اندھیرا چھایا رہتا ہے اور مرنے والوں کی روحوں کی پیاس صرف دشمن کے خون سے بجھائی جا سکتی ہے، ہمیں اُن کے پُرامن یا متحد ہونے کا کوئی خدشہ نہیں۔ جب تک اہلِ عرب میں قبائلی برتری کا احساس موجود ہے، وہ کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔"

کعب نے کہا "یہ درست ہے کہ عرب ضدی اور جاہل ہیں اور اپنی جہالت و گمراہی پر فخر بھی کرتے ہیں۔ لیکن تم نے شاید یہ نہیں سنا کہ مکہ میں ایک شخص جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اس جہالت اور بے راہ روی کے خلاف آواز بلند کر چکا ہے۔ انہیں اصنام پرستی، بے حیائی، جھوٹ، لوٹ مار اور قتل و غارت سے منع کرتا ہے۔ انہیں سمجھاتا ہے کہ تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو۔ اور مَیں نے سنا ہے کہ قریش جو عرب کے تمام قبائل سے زیادہ مغرور اور خود پسند ہیں، بتدریج اُس کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔

اہلِ عرب جہالت اور گمراہی کی دلدل میں اِس لئے پھنسے ہوئے ہیں کہ کسی نے انہیں سلامتی کا راستہ نہیں دکھایا۔ اُن کی نسلی اور قبائلی منافرتیں اس لئے زندہ ہیں کہ کسی نے انہیں اتحاد کی برکتوں سے آشنا نہیں کیا۔ وہ اپنے معاشرے کی ہر برائی پر اس لئے نازاں ہیں کہ اُن کے ہاں نیکی یا اچھائی کا تصور موجود نہیں، لیکن اگر کسی نے اُن کی ذہنی کایا پلٹ دی تو وہ ایک ایسی قوت کے مالک بن جائیں گے، جس کی مثال ماضی کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ یہ ایک ایسا سیلِ رواں ہوگا جو اپنے راستے کی ہر دیوار کو تنکوں کی طرح بہا لے جائے گا۔"

یہودیوں کے ایک با اثر قبیلے قینقاع کے ایک سردار نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ کا اشارہ محمدؐ کی طرف ہے تو آپ اطمینان رکھیئے! وہ ہمارے لئے کوئی خطرہ پیدا نہیں کر سکتا۔ آپ اُس کے متعلق سنی سنائی باتوں سے پریشان ہو گئے ہیں۔ خدا کی قسم! مکہ جا کر میں اُسے دیکھ آیا ہوں۔ وہاں لوگ اُس کا مذاق اڑاتے ہیں، اُس کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں۔ قریش کے چند آدمیوں کے سوا مکہ کے انتہائی بے بس مفلس اور نادار لوگ اُس کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ اور اُن کی حالت یہ ہے کہ اُنہیں آئے دن زدوکوب کیا جاتا ہے۔ انہیں جھلستی ہوئی ریت پر لٹایا جاتا ہے اور اُن کے سینوں پر پتھر رکھ دیئے جاتے ہیں۔"

"اور وُہ یہ تمام اذیتیں برداشت کر رہے ہیں؟"

"ہاں! وہ اِس کے سوا کر بھی کیا سکتے ہیں۔ مکہ میں قریش کا مقابلہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ نبی یا تو قریش کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا یا پھر اُسے مکہ سے نکلنا پڑے گا۔ اِس لئے آپ کو اُس کے متعلق فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں اِس وقت یہاں کے مسائل پر غور کرنا چاہیئے۔ اور اِس جگہ کا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ اوس و خزرج جلد از جلد ایک دوسرے کے خلاف بھڑک اٹھیں تاکہ عاصم یا عدی جیسے لوگ اُن کی توجہ ہماری طرف مبذول نہ کر سکیں۔"

کعب نے کہا "مکہ کے نبی کا ذکر کرنے سے میرا مقصد تمہیں مرعوب کرنا نہ تھا۔ میں صرف تمہارے ذہن میں یہ بات بٹھانی چاہتا تھا کہ تمہیں یہ فرض نہیں کر لینا چاہیئے کہ اوس و خزرج ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہیں گے۔ اُن کے درمیان کسی وقت بھی مصالحت نہیں ہو سکتی۔ وہ دو بھائیوں کی اولاد ہیں اور ان کا خون ایک ہے۔ اس لئے ہمیں اِس بات پر خاص توجہ دینی چاہیئے کہ عاصم اور عدی جیسے لوگ اُن پر اثر نہ ڈال سکیں۔"

ایک یہودی بولا "جناب! آج یہ حالت ہے کہ اوس کا ہر آدمی عاصم کو ملامت کر رہا ہے اور خزرج کا ہر آدمی عدی اور اُس کے بیٹے کو بزدلی اور بے غیرتی کا طعنہ دے رہا ہے۔ آپ کو اِس بات کی فکر نہیں ہونی چاہیئے کہ یہ لوگ کسی کو متاثر کر سکتے ہیں۔"

شمعون جو اب تک خاموش بیٹھا تھا بولا "جناب! میں آپ کو ایک اچھی خبر سناتا ہوں۔ عاصم کا چچا میرا مقروض تھا اور وہ ابھی میرا قرضہ چکانے آیا تھا۔"

کعب نے برہم ہو کر کہا "ہم سب تمہیں مبارکباد پیش کرتے ہیں لیکن اِس خبر میں ہمارے لئے خوشی کی کون سی بات ہے؟"

حاضرین ہنس پڑے اور شمعون نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "جناب! میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ میں نے اُس سے قرضہ وصول نہیں کیا۔"

کعب نے پوچھا "میں اس فیاضی کی وجہ دریافت کر سکتا ہوں؟"

"جناب! میں اُسے خوش کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اُس سے کہا تھا کہ عاصم کے طرزِ عمل سے مایوس ہونے کے بعد تمہیں دوسروں کی اعانت کی ضرورت ہے۔ میں تمہارے خاندان کے مقتولین کا انتقام نہیں لے سکتا لیکن اتنا ضرور کر سکتا ہوں کہ مناسب وقت آنے تک اِس رقم کا تقاضا نہ کروں۔ اس لئے ابھی یہ رقم اپنے پاس رکھو میں اس پر ایک سال تک تم سے کوئی سود نہیں لوں گا ——"

"اور وہ تمہاری اِس فیاضی پر خوش ہو گیا تھا۔؟"

"جی ہاں! وہ یہ کہتا تھا کہ میں اِس رقم سے اپنے قبیلے کے چند اور آدمیوں کو مسلح کر سکوں گا۔ اُس نے مجھ سے باتیں کرتے ہوئے آج کے واقعات کو کوئی اہمیت نہیں دی وہ یہ سمجھتا ہے کہ عدی کے بیٹے نے عاصم پر جادو کر دیا ہے ——"

کعب نے کہا "اب میں تمہیں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ اگر تمہارے پاس خزرج کا کوئی آدمی آئے تو اُس کے ساتھ بھی تمہارا یہی سلوک ہونا چاہیئے۔ میں تم سب کو یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں، تم اوس اور خزرج دونوں کو اپنی حمایت کا یقین دلاتے رہو۔ اگر تمہارا روپیہ انہیں لڑائی پر آمادہ کر سکتا ہے تو اُس کا اِس سے بہتر مصرف اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اوس اور خزرج کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے کے لئے اُن کے شعراء سے بہت کام لیا جا سکتا ہے۔ تم درپردہ اُن کی سرپرستی کرتے رہو۔ عدی، حمیر اور عاصم کے متعلق میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے یہ لوگ بہت خطرناک معلوم ہوتے ہیں، ممکن ہے ہمیں آگے چل کر اُن کا تدارک کرنا پڑے۔ لیکن فی الحال ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ کرتے کیا ہیں۔"



ان واقعات کو تین مہینے گزر چکے تھے اور یثرب کے یہودی اِس بات پر پریشان تھے کہ اِس عرصے میں اوس و خزرج کے درمیان کوئی جھڑپ نہیں ہوئی۔ وہ اپنے اپنے باغوں اور چراگاہوں میں، تیغ زنی، تیر اندازی اور نیزہ بازی کی مشق کیا کرتے تھے۔ اور گھروں سے باہر ہمیشہ مسلح ہو کر نکلتے تھے، اس بات کا احتمال ہر وقت رہتا تھا کہ مبادا کسی پگڈنڈی، کسی گلی یا بازار میں دو افراد یا دو گروہ ایک دوسرے کا راستہ روک کر کھڑے ہو جائیں۔ پھر کسی کی زبان حرکت میں آئے، دوسرا جواب دے اور اچانک اُن کے سینوں میں غصے اور انتقام کی دبی ہوئی چنگاریاں بھڑک اٹھیں۔ لیکن وہ ایک دوسرے سے کترا کر نکل جاتے۔ اُن کی تلواروں کو نیاموں سے باہر آنے کے لئے صرف کسی بہانے کی ضرورت تھی۔ وہ غضب ناک نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور بسا اوقات اُن کے ہاتھ تلواروں کے قبضوں تک پہنچ جاتے تاہم کسی کو پہل کرنے کا حوصلہ نہ ہوتا۔

عاصم کے لئے امن کے یہ دن انتہائی صبر آزما تھے۔ وہ گھر کے اندر اپنے عزیزوں اور گھر سے باہر اپنے دوستوں کے لئے ایک اجنبی بن چکا تھا۔ وہ چراگاہ میں اپنے مویشی لے کر جاتا تو قبیلے کے بوڑھوں اور جوانوں کی نگاہیں اُسے ہر وقت اِس بات کا احساس دلاتیں کہ وہ کسی انتہائی گھناؤنے فعل کا مرتکب ہوا ہے۔ اُسے مردانہ کھیل اب بھی پسند تھے اور وہ اپنے قبیلے کے نوجوانوں کے ساتھ تیغ زنی اور تیر اندازی کے مقابلوں میں حصہ لیا کرتا تھا، لیکن جب کوئی اوس اور خزرج کی گزشتہ لڑائیوں کا ذکر چھیڑ کر اُسے برانگیختہ کرنے کی کوشش کرتا تو وہ اضطراب کی حالت میں مُنہ پھیر لیتا۔

اُس کا چچا دورِ جاہلیت کے عربوں کی ہر بُری خصلت کا نمائندہ تھا۔ خاندانی غرور اُسے اپنے قبیلے کے لوگوں کے سامنے یہ تسلیم کرنے کی اجازت نہ دیتا تھا کہ اُس کا بھتیجا غیرت و حمیت سے محروم ہو چکا ہے۔ وہ عاصم کے ناقابلِ فہم ردِ عمل کی صرف ایک ہی توجیہہ کرتا تھا اور وہ یہ تھی کہ عدی یا اُس کے بیٹے نے عاصم پر جادو کر دیا ہے۔ وہ اپنے ہر عزیز اور جان پہچان کے آدمی کو سمجھانے کی کوشش کرتا کہ میرے بھائی کا بیٹا ایسا نہیں تھا۔ وہ ایک شیر تھا اور خزرج کے کسی آدمی کو اُس کی ہمسری کا دعوےٰ نہ تھا۔ وہ اُس کا راستہ چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔

وہ اپنے باپ بھائیوں اور عزیزوں کا خون کیسے بھول سکتا ہے۔ وہ قبیلے کے نوجوانوں کو مسلح کرنے کے لئے شام سے تلواریں لایا تھا کہ ہم اپنے بھائیوں اور عزیزوں کا انتقام لے سکیں۔ منات کی قسم! اب اُس پر جادو کا اثر ہے۔"

اور اِس جادو کا اثر زائل کرنے کے لئے وہ کئی جتن کر چکا تھا وہ قدید جاکر منات کے بُت کے سامنے دعائیں مانگ چکا تھا۔ اُس نے یثرب کے لوگوں سے تعویذ اور گنڈے حاصل کئے تھے۔ یثرب کے یہودی جو آسیب کا اثر زائل کرنے میں مشہور تھے باری باری اُس کے گھر آچکے تھے۔ زبردستی اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اُسے مختلف بوٹیوں کی دھونی دی گئی تھی۔ اُس کے سامنے عجیب و غریب منتر پڑھے گئے تھے، اور کئی متبرک مقامات کی مٹی اُس کے جسم پر ملی گئی تھی۔ عاصم احتجاج کرتا تھا۔ وہ چلاّ چلاّ کر کہتا تھا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھ پر کسی جادو کا اثر نہیں۔ لیکن کوئی اُس کی چیخ پکار پر کان دھرنے کو تیار نہ ہوتا۔

جب ہبیرہ چاروں طرف سے مایوس ہو چکا تو شمعون نے ایک ایسے یہودی کا پتا دیا جو ہر آسیب کا علاج جانتا تھا۔ ہبیرہ منت اور خوشامد کے بعد اِس یہودی کو اپنے گھر لے گیا اور اُس نے مسلسل تین پہر کئی منتر پڑھنے کے بعد ہبیرہ کو علیحدہ لے جاکر کہا "تمہارے بھتیجے پر ایک خطرناک جادو چل گیا ہے۔ اب اِس کا صرف ایک علاج ہے لیکن میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔"

"کیوں؟" ہبیرہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"اس لئے کہ میں ایک یہودی ہوں اگر تم نے کسی کو بتا دیا تو میں مصیبت میں پھنس جاؤں گا۔" جب ہبیرہ نے باری باری عرب کے تمام بتوں کا نام لے کر یہ قسم کھائی کہ میں کسی سے آپ کا ذکر نہیں کروں گا تو یہودی نے کہا۔ "اگر عاصم اپنے ہاتھ سے جادو کرنے والے کو قتل کر دے اور اِس کے بعد خون آلود تلوار میرے پاس لے آئے تو میں فوراً اِس جادو کا اثر زائل کر دوں گا۔"

"لیکن جادو کس نے کیا ہے؟"

"یہ معلوم کرنا آپ کا کام ہے۔ میں صرف یہ بتا سکتا ہوں کہ ایسا جادو کسی خطرناک دشمن کو زیر کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔"

"میں اُس دشمن کو جانتا ہوں۔"

اس کے بعد ہبیرہ کے سامنے زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ عاصم کو عدی اور اُس کے بیٹے کے قتل پر آمادہ کرنا تھا اور اِس مقصد کے لئے وہ باری باری اپنے قبیلے کے اُن شعرا کو گھر لایا کرتا تھا، جن کا آتشیں کلام عاصم کے دل میں غصے اور انتقام کی آگ بھڑکا سکتا تھا۔ یہ شعراء اُس کے باپ اور بھائیوں کے دردناک قتل کے واقعات بیان کرتے تھے۔ اُن کی قبروں کی تاریکی کا ہولناک منظر کھینچتے تھے، اُن کی پیاسی روحوں کی فریاد سناتے تھے جو دشمن کے خون کے لئے پکار رہی تھیں۔ آخر میں وہ عدی اور عمیر کی خوشیوں کا ذکر کرتے جنہوں نے جادو کے اثر سے قبیلۂ اوس کے ایک قابلِ فخر نوجوان کو مردانہ خصائل سے محروم کر دیا تھا۔

ہبیرہ کی ان تھک کوششوں کو دیکھ کر کبھی کبھی عاصم کو یہ شبہ ہونے لگتا کہ شاید یہ باتیں صحیح ہوں۔ لیکن پھر وہ اپنے دل سے یہ سوال کرتا کہ اگر عدی یا عمیر نے مجھ پر جادو کر دیا ہے تو اُن پر کس نے جادو کیا ہے، اگر میں نے عمیر کو اپنا دشمن جانتے ہوئے اُس کی جان بچائی تو کیا انہوں نے بھری محفل میں میری حمایت نہیں کی؟ اگر میرے عزیز و اقارب مجھے یہ طعنہ دیتے ہیں کہ میں اپنے باپ اور بھائیوں کا خون بھول چکا ہوں تو کیا عدی کو اُس کے عزیز و اقارب یہ طعنہ نہیں دیتے ہوں گے کہ وہ اپنے تین بیٹوں اور دو بھائیوں کا خون بھول چکا ہے۔ پھر وہ سمیرا کے متعلق سوچتا اور اُسے اپنے تیرہ و تار ماحول میں نئی امیدوں اور آرزوؤں کے چراغ جھلملاتے دکھائی دینے لگتے۔

سمیرا سے پہلی ملاقات کے بعد وہ پورے ایک مہینے ایک ناقابلِ برداشت ذہنی کشمکش میں مبتلا رہا میں وہاں نہیں جاؤں گا۔ مجھے اُس سے دوبارہ ملاقات کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ زندگی میں ہمارے راستے اور منزلیں مختلف ہیں۔ عدی کو ایک اتفاقی حادثہ نے متاثر کیا ہے لیکن وہ اپنی بیٹی کے متعلق کوئی طعنہ برداشت نہیں کرے گا...... اور سمیرا کو بھی یہ معلوم ہے کہ میں اُسے مایوسی کے آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں دے سکتا۔ لوگ ہمارا مذاق اڑائیں گے اور سرزمین عرب کا کوئی گوشہ ہمیں پناہ نہیں دے سکے گا۔ میں اُسے دوبارہ نہیں دیکھوں گا ــــــ پھر جب نیا مہینہ قریب آرہا تھا تو اُسے اپنے خیالات و عزائم میں ایک لچک سی محسوس ہونے لگی۔ وہ سوچتا۔ جب جنوب کے افق سے وہ تابناک ستارہ نمودار ہوگا تو وہ میری راہ دیکھ رہی ہوگی۔ اگر میں وہاں نہ گیا تو وہ کیا خیال کرے گی ـــ؟ نہیں! مجھے ایک بار اُس سے ضرور ملنا چاہیئے۔ صرف یہ بتانے کے لئے کہ یہ دیوانگی ہے۔ ایک ایسا خواب ہے جس کی تعبیر ممکن نہیں۔ میری تنگ اور تاریک دنیا میں تمہارے

لئے کوئی جگہ نہیں۔ تم میرے قبیلے کے ہر فرد کو اپنا دشمن پاؤ گی اور تمہارے قبیلے کا ہر فرد تمہارے باپ اور بھائیوں کو طعنے دے گا۔ سمیرا تمہاری عافیت اسی میں ہے کہ تم مجھے بھول جاؤ۔

پھر جب رات کے وقت وہ ٹیلے کے دامن میں کھڑے ایک دوسرے کی دھڑکنیں سُن رہے تھے تو اُن میں سے کسی کو بھی اِس بات کا احساس نہ تھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ وہ ماضی کی تلخیاں اور مستقبل کے خدشات بھول چکے تھے۔ وہ جس حال میں سانس لے رہے تھے اُس کا ایک ایک لمحہ انہیں ماضی کے برس ہا برس پر حاوی معلوم ہوتا تھا۔

"سمیرا!" وہ کہہ رہا تھا۔ "میں تمہیں یہ بتانے آیا تھا کہ میں دوبارہ یہاں نہیں آؤں گا۔"

سمیرا ہنس پڑی۔ اور تاریک رات کا دامن اچانک مسرت کے ان گنت ستاروں سے جگمگانے لگا۔ عاصم کو اپنے الفاظ کھوکھلے، بے معنی اور مضحکہ خیز محسوس ہونے لگے۔ وہ ایک دوسرے کے قریب بیٹھ گئے اور عاصم نے قدرے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "سمیرا تمہیں میری بات کا یقین نہیں آیا؟"

"کس بات کا؟"

"یہی کہ میں پھر یہاں نہیں آؤں گا۔"

وہ بولی۔ "نہیں، اگر آپ یہ بات ہزار بار دہرائیں تو بھی میں یقین نہیں کروں گی۔"

"کیوں ——؟"

"مجھے معلوم نہیں! میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ آپ کسی کا دل نہیں دُکھا سکتے۔"

"لیکن اِس کا انجام کیا ہوگا؟"

"مجھے معلوم نہیں۔"

"تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اوس و خزرج ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ اور ان کی دشمنی ہمارے درمیان آگ کے ایک پہاڑ کی طرح حائل رہے گی۔"

"اس وقت مجھے آگ کا پہاڑ دکھائی نہیں دیتا۔" سمیرا نے دوبارہ ہنسنے کی کوشش کی لیکن ایک مغموم قہقہہ اُس کے حلق میں اٹک کر رہ گیا۔

کچھ دیر دونوں خاموش رہے۔ بالآخر عاصم نے پوچھا "تم کیا سوچ رہی ہو سمیرا؟"

اُس نے جواب دیا۔ "میں یہ سوچ رہی ہوں کہ ہم نے دن کی روشنی میں ایک دوسرے کو نہیں دیکھا۔"

"تم جانتی ہو کہ دن کی روشنی میں ہم ایک دوسرے کو شاید کبھی نہیں دیکھ سکیں گے۔ اور یہ بھی محض اتفاق تھا کہ ہم نے پچھلی دفعہ چراغ کی روشنی میں ایک دوسرے کو دیکھ لیا تھا۔ ہماری رفاقت، تاریک رات کے مسافروں کی رفاقت ہے۔ اور تاریک رات میں بھٹکنے والے مسافر کبھی کبھی ایک دوسرے سے بچھڑ بھی جایا کرتے ہیں۔"

سمیرا نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ "کاش! ہم دو ستارے ہوتے۔ اور ساری رات ایک دوسرے کو تکتے رہتے۔"

"تمہیں ستارے بہت پسند ہیں؟"

"ہاں!" اس نے جواب دیا، "میں ہمیشہ ستاروں کی طرف دیکھا کرتی ہوں، آپ کو معلوم ہے شام کے وقت مغرب سے ایک نہایت چمکدار ستارہ طلوع ہوتا ہے؟"

"ہاں! اُسے زہرہ کہتے ہیں۔"

میں اُسے اپنا ستارہ سمجھتی ہوں اور میں نے زہرہ کی بجائے اُس کا نام سمیرا رکھ دیا ہے۔ اور یہ ستارہ۔" اس نے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کچھ دنوں سے یہ بھی مجھے بہت پسند ہے اور میں نے اِس کا بھی ایک نام رکھ دیا ہے۔"

"کیا نام ہے وہ؟"

"عاصم" سمیرا نے جواب دیا۔

وہ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ بالآخر عاصم نے کہا۔ "اب مجھے جانا چاہیئے۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ سمیرا نے کہا۔ "عاصم یہ مہینہ بہت طویل تھا۔ اور اگلا مہینہ میرے لئے اِس سے بھی زیادہ طویل ہوگا۔ تم آؤ گے نا؟ لیکن تمہیں جواب دینے کی ضرورت نہیں مجھے یقین ہے کہ تم آؤ گے"

"میں ضرور آؤں گا۔"

اور دوسرے مہینے عاصم نسبتاً زیادہ یقین اور خود اعتمادی کے ساتھ یہ ارادہ لے کر آیا تھا کہ سمیرا سے اُس کی یہ ملاقات آخری ہوگی لیکن جب وہ ٹیلے کے دامن میں پہنچا تو سمیرا وہاں موجود نہ تھی۔ وہ دیر تک انتظار کرتا رہا آخر مایوس ہو کر وہاں سے چل دیا۔ ایک صبر آزما انتظار کی کوفت کے باوجود وہ اپنے دل میں یہ اطمینان محسوس

کررہا تھا کہ وہ ایک تلخ فریضہ ادا کرنے سے بچ گیا ہے۔ اگر سمیرا خود ہی یہ سمجھ گئی ہے کہ میں اُسے آلام و مصائب کے سوا کچھ نہیں دے سکتا تو اُس نے بُرا نہیں کیا۔ لیکن ٹیلے سے نیچے اترتے وقت جب اُسے یہ خیال آیا، کہ شاید وہ بیمار ہو یا کسی اور وجہ سے نہ آسکی ہو تو وہ اپنے دل میں ایک اضطراب سا محسوس کرنے لگا۔ کچھ دیر تذبذب اور پریشانی کی حالت میں کھڑے رہنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا چل دیا۔ لیکن تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ اُسے کسی کی آواز سنائی دی۔ "ٹھہریئے!"

وہ رُک گیا۔ سمیرا بھاگتی ہوئی آگے بڑھی اور ہانپتے ہوئے بولی "میرا خیال تھا کہ آپ جا چکے ہوں گے۔ آج نعمان کو بخار ہے اور ابا جان اُس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، وہ ابھی سوئے ہیں مجھے افسوس ہے کہ آپ کو اتنی دیر انتظار کرنا پڑا، لیکن میرے لئے گھر سے نکلنا ممکن نہ تھا۔ اب بھی مجھے ڈر ہے کہ نعمان کہیں ابا جان کو جگا نہ دے وہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد بے چین ہو کر اٹھ بیٹھتا ہے۔ اِس لئے میں جاتی ہوں لیکن اب میں ایک ہفتے آپ کا انتظار نہیں کروں گی۔ نعمان کی علالت کی وجہ سے میں شاید دو تین دن گھر سے نہ نکل سکوں اِس لئے آپ کو اگلے ہفتے آنا چاہیئے۔ آپ آئیں گے نا۔؟"

عاصم نے کہا "سمیرا میں تم سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ........"

سمیرا نے جلدی سے بات کاٹتے ہوئے کہا "جب آپ دوبارہ آئیں گے تو ہم جی بھر کر باتیں کر سکیں گے اگلے ہفتے آج ہی کے دن آدھی رات کے وقت میں آپ کا انتظار کروں گی۔ اگر آپ اگلے ہفتے نہ آسکیں تو اِس چاند کی چودھویں رات کو ضرور آئیں۔ بتایئے آپ کب آسکتے ہیں؟ آپ خاموش کیوں ہیں۔؟"

عاصم نے کہا "بہت اچھا سمیرا میں چودھویں رات کو یہاں آنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن اگر میں نہ آسکوں تو تم بُرا تو نہ مانو گی؟"

"نہیں! میں یہ سمجھوں گی کہ آپ کسی مجبوری کے باعث نہیں آسکے لیکن میں اُس کے بعد ہر رات آپ کا انتظار کیا کروں گی۔ اگر مجھے نعمان کے متعلق اطمینان ہوتا۔ تو میں آپ کو کل ہی یہاں آنے پر مجبور کرتی اب یہ چودہ دن مجھے چودہ مہینوں سے زیادہ طویل محسوس ہوں گے۔"

عاصم نے کہا "لیکن چاندنی رات میں ہمارے لئے یہ ٹیلا محفوظ نہیں ہوگا۔ اگر کوئی اس طرف آگیا تو ہمیں دور سے دیکھ لے گا۔"

"یہ جگہ بالکل اجاڑ ہے۔ ہمارا گھر بستی کے آخری سرے پر ہے۔ رات کے وقت اِس طرف کوئی نہیں آتا۔ پھر بھی ہمیں احتیاط کرنی چاہیئے۔ دیکھیئے چاند کی روشنی میں ہمارا باغ زیادہ محفوظ ہوگا۔ میں اِدھر سے دائیں طرف باغ کے کونے میں آپ کا انتظار کروں گی۔ وہاں گھنے درختوں میں چاند کے سوا ہمیں کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔ اب میں جاتی ہوں۔"

عاصم نے مضطرب سا ہو کر کہا "سمیرا ذرا ٹھہرو!"

وہ رک گئی تو عاصم نے ایک ثانیہ توقف کے بعد کہا "تم نے یہ کہا تھا کہ ہم ابھی تک ایک دوسرے کو دن کی روشنی میں نہیں دیکھ سکے۔ سنو اگر کل طلوع آفتاب کے وقت تم اِس ٹیلے کے دوسری طرف آسکو تو میں گھوڑے پر سوار ہو کر اِدھر سے گزرنے کی کوشش کروں گا ——"

"لیکن اگر آپ نہ آئے تو میں غروب آفتاب تک وہیں بیٹھی رہوں گی ——"

"میں ضرور آؤں گا ——"

سمیرا وہاں سے چل پڑی۔ چند قدم اٹھانے کے بعد رُکی اور ایک ثانیہ مڑ کر دیکھنے کے بعد بھاگتی ہوئی درختوں میں روپوش ہو گئی۔ عاصم کچھ دیر بے حس و حرکت کھڑا رہا اور پھر ایک لمبی سانس لینے کے بعد اپنے گھر کی طرف چل دیا۔ اُسے اِس بات کا احساس ضرور تھا کہ وہ اپنے فیصلے پر قائم نہیں رہ سکا۔ لیکن وہ کسی پریشانی یا اضطراب کی بجائے ایک طرح کا سکون اور اطمینان محسوس کر رہا تھا۔ وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ مجھے اُس سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اتنی مختصر سی ملاقات میں میں اُسے کس طرح تمام باتیں سمجھا سکتا تھا —— اُس کے آنسو پونچھنے، تسلی دینے اور حال اور مستقبل کی ہولناکیوں کے متعلق اُسے اپنا ہم خیال بنانے کے لئے وقت کی ضرورت تھی —— لیکن کیا یہ درست ہے کہ اگر آج مجھے اُس کے ساتھ اطمینان سے باتیں کرنے کا موقع مل جاتا تو ہماری یہ ملاقات آخری ہوتی؟"

عاصم اپنے دل کی گہرائیوں میں اِس سوال کا جواب تلاش کر رہا تھا اور اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ایک بے پناہ [illegible] کے سامنے اُس کے ذہنی حصار کی تمام بنیادیں مسمار ہو رہی ہیں اور وہ ایک ایسی چیز سے نجات حاصل کرنے

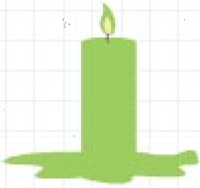
کی کوشش کر رہا ہے جو اُس کی رُوح کی گہرائیوں میں اتر چکی ہے۔ اُس کا سکون و اطمینان پھر ایک بار اضطراب میں تبدیل ہو رہا تھا اور وہ کہہ رہا تھا "سمیرا، کاش! ہم ایک دوسرے کو نہ دیکھتے۔ کاش! تم عدی کی بیٹی یا میں سہیل کا بیٹا نہ ہوتا۔ میں تمہیں کیسے سمجھا سکوں گا کہ ہم ایک دوسرے کے لئے نہیں ہیں۔ میں اپنے آپ کو بھی یہ کیسے سمجھا سکتا ہوں کہ میں نے جس راستے پر قدم اٹھایا ہے وہ سمیرا کے گھر کی چار دیواری کے باہر ہی ختم ہو جاتا ہے اس سے آگے اس کی کوئی منزل نہیں۔ ہم کس قدر مجبور اور بے بس ہیں، ہم کتنے نادان اور بیوقوف ہیں۔ نہیں، نہیں، سمیرا مجھے ایک نہ ایک دن ہمت سے کام لینا پڑے گا۔ اگر اگلی ملاقات پر نہیں تو اُس سے اگلی ملاقات پر مجھے اپنے دل پر جبر کر کے تم سے یہ کہنا پڑے گا کہ ہم نے جو خواب دیکھے ہیں اُن کی کوئی تعبیر نہیں۔ ہم نے امیدوں کے جو محل تعمیر کئے ہیں اُن کی کوئی بنیاد نہیں۔ ہمارے مقدر میں محرومی اور بدنصیبی کے سوا کچھ نہیں، پھر ہم اُس دن کا انتظار کیوں کریں جب زمانے کے بے رحم ہاتھ ہمیں زبردستی ایک دوسرے سے جدا کر دیں۔ ہم اپنے اپنے خاندانوں اور قبیلوں کو یہ موقع کیوں دیں کہ وہ تلواریں سونت کر ہمارے درمیان کھڑے ہو جائیں۔ ہم ایک تاریک اور خطرناک راستے پر اتنی دور کیوں چلے جائیں کہ ہمارے لئے مڑ کر دیکھنا بھی مشکل ہو جائے۔ سمیرا! میری سمیرا! مجھ سے وعدہ کرو کہ تم ہمت سے کام لو گی۔ تم آنسو نہیں بہاؤ گی۔ میں اپنے انجام سے نہیں ڈرتا۔ لیکن میں تمہیں اُن راستوں پر نہیں لے جاؤں گا جو کانٹوں سے بھرے ہیں۔ تم ایک عورت ہو اور تمہارے آلام و مصائب میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوں گے۔"

گھر میں اپنے بستر پر لیٹتے وقت عاصم کو صبح کی ملاقات کا وعدہ یاد آیا اور وہ دیر تک کروٹیں بدلتا رہا۔ اور پھر اگلے دن طلوعِ آفتاب کے وقت عاصم نے ٹیلے کے قریب اپنا گھوڑا روکا اُسے اچانک یہ محسوس ہوا کہ اُس کی دنیا کی ساری دلفریبی رعنائی اور دلکشی سمٹ کر سمیرا کے وجود میں آگئی ہے۔ وہ اُس کے سامنے چند لمحات سے زیادہ نہ رک سکا لیکن یہ چند لمحات اُس کے شعور و احساس کی ساری وسعتوں کو اپنے آغوش میں لے چکے تھے۔

سمیرا کے چہرے پر اُمید کی روشنی، ہونٹوں پر زندگی کی مسکراہٹیں اور آنکھوں میں محبت کی التجائیں تھیں۔ اور اِس روشنی، ان مسکراہٹوں اور ان التجاؤں کے سامنے اُسے اپنے ماضی کے آلام و مصائب، حال کی الجھنیں اور مستقبل کے خدشات بے حقیقت محسوس ہو رہے تھے۔

انہوں نے دبی زبان سے ایک دوسرے کا نام لیا اور اُن کی خاموش دنیا نغموں سے لبریز ہو گئی۔

سمیرا نے کہا۔ "عاصم! اب آپ چلے جائیں"۔ اور اس کے ساتھ ہی اُس کی خوبصورت آنکھیں آنسوؤں سے چھلک اُٹھیں۔ عاصم نے ایسا محسوس کیا کہ کسی نے اُسے جھنجھوڑ کر خواب سے بیدار کر دیا ہے — اُس نے ادھر اُدھر دیکھا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔



باب (۸)

ایک دن سہ پہر کے وقت ہبیرہ اپنے مکان کے صحن میں، کھجور کے گھنے درختوں کے نیچے سو رہا تھا۔ اور سعاد اس سے چند قدم کے فاصلے پر بیٹھی اُون کات رہی تھی۔ عاصم صحن میں داخل ہوا اور سعاد نے اُسے دیکھتے ہی منہ پھیر کر یہ گیت گانا شروع کر دیا۔

"دشمن نے میرے عم زاد پر جادو کر دیا ہے۔ اُس کے ہاتھ تلوار
اٹھانے کے قابل نہیں رہے۔ اب ان روحوں کی پیاس کون
بجھائے گا جو دشمن کے خون کے لئے تڑپ رہی ہیں۔"

عاصم کچھ دیر غصے اور اضطراب کی حالت میں کھڑا رہا، بالآخر اُس نے کہا "سعاد! اگر تم نے میرے سامنے دوبارہ یہ گیت گانے کی کوشش کی تو میں تمہارا چرخا توڑ ڈالوں گا۔"

سعاد نے بے پروائی سے جواب دیا "میرا چرخا توڑنے کے سوا آپ اور کر ہی کیا سکتے ہیں۔ لیکن اس میں خون نہیں جو آپ کے باپ اور بھائیوں کی روحوں کی پیاس بجھا سکے۔"

سعاد کا یہ طعنہ عاصم کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ وہ اُسے بے حد عزیز تھی اور ہر معاملے میں اُس کی طرفداری کیا کرتی تھی۔ لیکن عمیر کی جان بچانے کے بعد وہ اپنے چچا اور دوسرے رشتے داروں کی طرح سعاد کی نظروں سے بھی گر چکا تھا۔ ابتدا میں وہ اُس سے یہ کہا کرتی تھی کہ میری سہیلیاں مجھے طعنہ دیتی ہیں کہ تمہارا عم زاد بزدل ہو گیا ہے لیکن جب اس قسم کی باتیں بے اثر ثابت ہوئیں تو اُس نے اپنے والدین کی تقلید میں اسے چڑانا

شروع کر دیا۔ سعاد کے اس طرزِ عمل نے عاصم کے لئے گھر کی فضا کو بہت زیادہ مسموم بنا دیا تھا۔

اُس نے کہا "سعاد! تمہیں زیادہ دن اس قسم کے گیت گانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں۔"

سعاد نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا اور پوچھا "آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"تمہیں اس سے کیا؟"

سعاد کچھ دیر بے حس و حرکت بیٹھی اُس کی طرف دیکھتی رہی اور اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔ بالآخر اُس نے کہا "بھائی جان! اگر آپ مجھ سے خفا ہو گئے ہیں تو میں کبھی ایسے گیت نہیں گاؤں گی۔"

عاصم نے قدرے نرم ہو کر کہا "میں تم سے خفا نہیں ہوں، لیکن کچھ عرصہ کے لئے میرا یہاں سے جانا ضروری ہے۔"

سعاد نے کہا "نہیں، نہیں! ابا جان آپ کو اجازت نہیں دیں گے۔"

ہبیرہ نے اچانک آنکھیں کھولیں اور اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا "کیا بات ہے، عاصم! تم کہاں جا رہے ہو؟"

"میں شام جا رہا ہوں۔"

ہبیرہ نے مضطرب ہو کر کہا "تم گھر چھوڑ کر بھاگنا چاہتے ہو؟"

"نہیں، میں تجارت کی نیت سے جا رہا ہوں۔"

"لیکن تم جانتے ہو کہ ایرانی لشکر کی پیش قدمی کے باعث عرب کے تاجر اب شام کا رُخ نہیں کرتے۔"

عاصم نے جواب دیا "مجھے پرسوں یہ اطلاع ملی تھی کہ قبیلۂ غطفان کے تاجر جن کے ہمراہ میں نے یروشلم سے سفر کیا تھا، عنقریب دوبارہ شام جا رہے ہیں۔ میں اُن کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ سردست ایرانیوں کی پیش قدمی سے دمشق اور یروشلم کو کوئی خطرہ نہیں۔ شمال کے شہروں میں سراسیمگی کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہاں سے بعض خوشحال لوگ اپنا مال و متاع سمیٹ کر قسطنطنیہ اور اسکندریہ کا رُخ کر رہے ہیں۔ لیکن اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ وہاں بعض قیمتی اشیاء نہایت سستے داموں بک رہی ہیں۔ اگر آپ پچھلے نفع میں سے کچھ رقم دے سکیں تو میرا یہ سفر بھی بہت کامیاب ہو گا۔ اگر میں نے دمشق سے آگے جانے میں کوئی خطرہ محسوس کیا تو وہیں سے واپس آ جاؤں گا۔ اب تک دمشق اور شام کے شمالی علاقوں سے تاجروں کے کئی اور قافلے دمشق پہنچ چکے ہوں گے۔ اور وہاں کپڑا اور بھی سستا ہو گیا۔

ہوگا۔ اگر مجھے اِس سفر سے کسی فائدے کی اُمید نہ ہوتو بھی کچھ عرصے میرا گھر سے دُور رہنا ضروری ہے۔"

ہبیرہ دیر تک سر جھکائے سوچتا رہا۔ پھر اُس نے عاصم کی طرف دیکھا اور کہا۔ "میں تمہارے حصّے کی رقم کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ وہ تم جب چاہو لے سکتے ہو لیکن مجھے تمہاری تجارت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اب مجھے لوگوں کا یہ طعنہ بھی سننا پڑے گا کہ میرا بھتیجا بنو خزرج کے خوف سے گھر چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ تم اگر چاہو تو اپنے حصّے کا باغ بھی فروخت کر سکتے ہو ——"

عاصم نے کہا۔ "چچا جان! آپ کو معلوم ہے کہ میں لڑائی سے نہیں ڈرتا لیکن اوس اور خزرج کی لڑائی کا نتیجہ، ہم دونوں کی تباہی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس سے صرف یہودیوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

ہبیرہ نے کہا۔ "یہ تمہارے خیالات نہیں ہو سکتے، یہ کسی کا جادو بول رہا ہے۔ یہ درست ہے کہ گزشتہ جنگ میں تعداد اور اسلحہ کی برتری کے باعث خزرج کا پلہ بھاری رہا ہے۔ لیکن فتح کے باوجود دشمن کو کئی مہینے ہمارے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اِس کے بعد دشمن نے اچانک تمہارے باپ کو قتل کر دیا، اور ہمارے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ آئندہ لڑائی کیلئے پہل ہم کریں۔ جب تم شام سے تلواریں خریدنے گئے تھے تو خزرج نے ہمیں متعدد بار لڑائی کے لئے للکارا تھا، لیکن میں نے سمجھا بجھا کر اپنے قبیلے کے آدمیوں کا جوش ٹھنڈا کر دیا کرتا تھا۔ میں انہیں یہ سمجھایا کرتا تھا کہ کچھ دن صبر و تحمل سے کام لو، تمہیں لڑائی کے لئے اچھی تلواروں کی ضرورت ہے اور عاصم تمہارے لئے شام سے بہترین تلواریں لا رہا ہے۔ تمہیں لڑائی میں ایک بہادر راہنما کی ضرورت ہے اور وہ میرے بھتیجے کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ تمہیں اُس کا انتظار کرنا چاہیئے۔ قبیلے کے جوان مجھ سے بار بار پوچھا کرتے تھے کہ عاصم کب آئے گا؟ ہمیں اپنے دشمنوں سے بزدلی اور بے غیرتی کے طعنے کب تک سننے پڑیں گے ——؟ لیکن تم آئے تو تمہاری دنیا بدل چکی تھی۔ قبیلے کی عزت اور ناموس کا لحاظ تو درکنار، تمہاری نگاہ میں اپنے باپ کے خون کی بھی کوئی قیمت نہیں رہی۔ اب قبیلے کے لوگ مجھ پر ہنستے ہیں۔ کاش! میں اِس دن کے لئے زندہ نہ رہتا۔ لیکن مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں یہ سب عمیر یا عدی کے جادو کا اثر ہے۔ اور مجھے معلوم ہے کہ جب تک تم اپنی تلوار سے اُن کا خون نہیں بہاتے اِس خطرناک جادو کا اثر زائل نہیں ہو گا ——"

عاصم نے کہا۔ "لیکن چچا جان! میں پھر وہی سوال کرتا ہوں کہ اگر مجھ پر کسی کے جادو کا اثر ہے تو قبیلۂ خزرج کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے بھی تو اڑھائی مہینے لڑائی کے لئے پہل کرنے کی جرأت نہیں کی۔"

ہبیرہ نے جواب دیا۔ "انہیں پہل کرنے کی کیا ضرورت ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ فاتح ہیں اور اپنے ہر مقتول کا قصاص لے چکے ہیں۔ پھر تمہارے طرزِ عمل سے انہیں یہ اطمینان بھی ہو چکا ہے کہ ہم نے اپنی شکست کا اعتراف کر لیا ہے۔ لیکن وہ پہل کریں یا نہ کریں اب ہمارا قبیلہ دیر تک چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ میں اُن سے یہ نہیں کہوں گا کہ کچھ دن اور ٹھہر جاؤ۔ ذرا میرے بھتیجے پر سے جادو کا اثر زائل ہو جائے۔"

عاصم نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ ہمارے قبیلے کو پہل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ یثرب کے یہودی ہم سے زیادہ دور اندیش ہیں وہ کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ ضرور کھڑا کر دیں گے کہ اوس و خزرج ایک دوسرے کے خلاف تلواریں اٹھانے پر مجبور ہو جائیں۔ ہمارے درمیان امن کے یہ اڑھائی مہینے اُن کیلئے کچھ کم تکلیف دہ نہیں تھے۔"

ہبیرہ نے برہم ہو کر کہا۔ "تم ہر بات میں یہودیوں کا ذکر لے آتے ہو۔ لیکن انہیں ملامت کر کے تم اپنی ذمہ داریوں سے نہیں بچ سکتے۔"

عاصم نے کہا۔ "چچا جان! کیا یہ درست نہیں کہ یہودی در پردہ اوس و خزرج کی پیٹھ ٹھونکتے ہیں۔ دونوں کو قرض دیتے ہیں تاکہ ہم لڑائی جاری رکھ سکیں؟ کیا انہوں نے مجھ پر عمیر کے قتل کا جھوٹا الزام نہیں لگایا تھا؟"

ہبیرہ نے کہا۔ "میں تمہیں یہودیوں کو ملامت کرنے سے منع نہیں کرتا لیکن تم نے ان باتوں سے یہ نتیجہ کیسے نکالا کہ بنو خزرج ہمارے دوست بن گئے ہیں؟"

"بنو خزرج ہمارے دوست نہیں لیکن میں اُن سے زیادہ خطرناک دشمن کو دیکھ چکا ہوں —— میں کسی ایسی لڑائی کے لئے تلوار نہیں اٹھا سکتا، جس سے صرف یہودیوں کے مقاصد کی تکمیل ہوتی ہو۔"

ہبیرہ نے سوال کیا۔ "کیا جب ہمارے بچے، بوڑھے اور جوان خزرج کے سامنے صفیں باندھ کر کھڑے ہو جائیں گے تو تم اُس وقت بھی تلوار اٹھانے میں پس و پیش کرو گے؟"

"معلوم نہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ میں اُس وقت یہاں نہیں ہوں گا، اور مجھے یہودیوں کے چہروں پر خوشی کی مسکراہٹیں دیکھنے کی اذیت برداشت نہیں کرنی پڑے گی۔

چچا! میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں کیا اوس اور خزرج دو بھائی نہ تھے؟ کیا ہمارا اور ان کا خون ایک نہیں ——؟"

ہبیرہ نے غضب ناک ہو کر اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "تم بالکل پاگل ہو گئے ہو۔ کاش! میں تمہارے جادو کا علاج کر سکتا —— تم جہاں چاہو، جا سکتے ہو۔ میں تمہارا راستہ نہیں روکوں گا۔ میں یہ سمجھوں گا کہ میرے بھائی کا بیٹا، جس کی غیرت اور حمیت پر میں فخر کر سکتا تھا، مر چکا ہے۔"

ہبیرہ کی بیوی کمرے سے باہر نکلی اور آگے بڑھ کر بولی "کیا ہوا؟ آپ لڑکیوں رہے ہیں؟ کیا جادو کا اثر ان باتوں سے زائل ہو جائے گا ——؟"

ہبیرہ نے کوئی جواب نہ دیا اور اُس کی بیوی سعاد کے قریب بیٹھ گئی۔ قدرے توقف کے بعد اُس نے عاصم کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔ "سالم نہیں آیا؟"

عاصم نے جواب دیا "وہ عباد کے ساتھ مویشی لے کر آ رہا ہے۔ میں ذرا پہلے آ گیا تھا۔"



اچانک صحن سے باہر چند آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں اور یہ سب پریشان ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ ہبیرہ کی بیوی کا بھائی منذر بن عقیل۔ اُس کے دو جوان بیٹے مسعود اور جابر اور اُن کے پیچھے قبیلے کے سات اور آدمی صحن میں داخل ہوئے۔

ہبیرہ پریشانی کی حالت میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور منذر کی طرف دیکھ کر بولا "معلوم ہوتا ہے تم کوئی اچھی خبر نہیں لائے"

منذر نے جواب دیا۔ "تمہیں عاصم نے کچھ نہیں بتایا؟ اس نے آج ایک اور معرکہ سر کیا ہے۔"

ہبیرہ نے عاصم کی طرف دیکھا لیکن وہ خاموش کھڑا رہا۔ عاصم کی چچی نے منذر سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"بھائی جان! کیا ہوا؟"

منذر نے جواب دیا "عدی کے لڑکوں نے ہماری چراہ گاہ پر حملہ کر دیا تھا اور عاصم نے ہمارے خلاف اُن کی حمایت کی ہے۔"

عاصم چلایا۔ "یہ غلط ہے۔ اُن کی چند بکریاں اور اونٹ ہماری چراگاہ کے قریب آ گئے تھے مسعود اور جابر

اُنہیں گھیر کر چراگاہ کے اندر لے آئے۔ تھوڑی دیر بعد عدی کے بیٹے اور نوکر پہنچ گئے اور میں نے اُن کے جانور اُ[illegible] حوالے کر دیئے۔"

منذر نے کہا "اور تمہیں میرے بیٹوں کے مقابلے میں اُن کی طرف داری کرتے ہوئے شرم نہ آئی۔؟"

جابر بولا "عاصم بالکل جھوٹ کہتا ہے، ان کے جانور ہماری چراگاہ میں پہنچ چکے تھے اور ہم اُن پر قبضہ کرنے میں حق بجانب تھے۔ اُن کے نوکروں نے ہمیں دھمکیاں دیں اور شور مچا کر اپنے قبیلے کے آدمیوں کو جمع کر لیا۔ ہم اپنے ساتھیوں کو آوازیں دے رہے تھے کہ عاصم نے جانوروں کو ہانک کر اُن کی طرف بھیج دیا اور ہمیں ملامت کی۔"

عاصم کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو رہا تھا۔ اُس نے کہا "جابر! اگر تمہارے والد اور میرے چچا یہاں موجود نہ ہوتے تو تم مجھے جھوٹا کہنے کی جرأت نہ کرتے۔"

منذر نے غضبناک ہو کر کہا "تم میرے بیٹے کو مرعوب کرنے کی کوشش نہ کرو، اگر آج میں وہاں موجود ہوتا تو دیکھتا کہ عدی کے بیٹے کس طرح اپنے جانور چھڑا کر لے جاتے ہیں۔ اور تمہیں ہمارے دشمنوں کی حمایت میں زبان کھولنے کی کیسے جرأت ہوتی ہے۔"

عاصم نے حقارت آمیز لہجے میں جواب دیا۔ "اگر آپ وہاں ہوتے تو ملاحظہ فرماتے کہ خزرج کے چند آدمیوں کو جمع ہوتے دیکھ کر آپ کے دونوں فرزند بھیڑوں کی طرح ممیا رہے تھے اور انہیں اس بات کا [illegible] احساس تھا کہ ان کی آوازیں پہاڑ کے دوسری طرف باقی چرواہوں کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتیں۔ خزرج کے آدمیوں سے تکرار کرنے والے دوسرے تھے۔ ان جوانمردوں کو تو اُن کے قریب جانے کا حوصلہ بھی نہ ہوا، یہ کم از کم سو قدم دور کھڑے تھے اور مسعود نے تو ایک اونٹ بھی پکڑ رکھا تھا تاکہ بھاگنے کی ضرورت پیش آئے تو اپنی ٹانگوں کی بجائے پرائی ٹانگوں سے کام لیا جا سکے۔"

مسعود نے کہا "تم بکتے ہو۔ میں نے قبیلے کے دوسرے آدمیوں کو اطلاع دینے کے ارادے سے اونٹ پکڑا تھا۔"

عاصم نے کہا۔ "لیکن تم نے ان کے جانور گھیرتے وقت یہ کیوں نہیں سوچا تھا، کہ جب ان کے آٹھ دس آدمی جمع ہو جائیں گے، تو [illegible] ان کا سامنا کرنے کی بجائے دوسروں کی طرف بھاگنے کی ضرورت محسوس ہو گی، کیا یہ صحیح نہیں کہ اس وقت بھی وہاں ہمارے آدمیوں کی تعداد زیادہ تھی؟"

"لیکن تم ہمارے آدمیوں کو لڑائی سے منع کر رہے تھے۔"

"ہاں! میں انہیں منع کر رہا تھا۔ لیکن اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ لڑائی کے وقت دشمن کا پہلا وار تم روک گے تو میں تمہیں، مایوس نہ کرتا۔ کیا یہ درست نہیں کہ میری طرح عدی کے بیٹے بھی اپنے آدمیوں کو لڑائی سے باز رکھنے کی کوشش کر رہے تھے؟

منذر نے دوسرے آدمیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔"تم سن رہے ہو کہ عاصم نے دوسری مرتبہ دشمن کے سامنے اپنے قبیلے کو ذلیل کیا ہے۔"

عاصم بولا۔"میں نے کسی دشمن کی حمایت نہیں کی، صرف اپنے قبیلے کو تمہارے بیٹوں کے شر سے بچانے کی کوشش کی ہے۔"

منذر نے کہا۔"اگر تم ہبیرہ کے بھتیجے نہ ہوتے تو میں تمہیں دوبارہ زبان کھولنے کی مہلت نہ دیتا۔ اس وقت یہاں تمہاری لاش نظر آتی۔"

عاصم نے جواب دیا۔"اگر آپ کی تلوار بھی آپ کی زبان کی طرح تیز ہوتی تو مجھے واقعی ڈرنا چاہیئے تھا۔ لیکن گزشتہ لڑائی میں آپ کے سارے جوہر کھل چکے ہیں۔ آپ دشمن کو للکارنے والوں میں سب سے آگے لیکن لڑائی کے وقت سب سے پیچھے تھے۔ اور یہ سب لوگ گواہ ہیں کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

ہبیرہ کی بیوی چلائی۔"عاصم! شرم کرو تم پاگل ہو گئے ہو۔ تم نے ہمیں کہیں کا نہ رکھا۔"

جابر غضب ناک ہو کر آگے بڑھا اور اُس نے عاصم کے منہ پر تھپڑ مارنے کی کوشش کی لیکن عاصم نے جلدی سے اُس کی کلائی پکڑ لی اور وہ اُس کے ہاتھ کی آہنی گرفت میں بے بس ہو کر رہ گیا۔ چشم زدن میں عاصم نے اُس کی کلائی مروڑ کر پیٹھ سے لگا دی اور پھر زور سے دھکا دے کر اسے زمین پر گرا دیا۔

منذر اور مسعود غضب ناک ہو کر آگے بڑھے لیکن ہبیرہ اُن کے بیچ میں آگیا اور چلایا۔

"منذر! میری حالت پر رحم کرو۔ تمہیں معلوم ہے کہ عاصم کے حواس بجا نہیں اس پر جادو کا اثر ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب یہ میرے پاس نہیں رہے گا۔ میں شرمسار ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔"

منذر نے حقارت سے عاصم کی طرف دیکھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا صحن سے باہر نکل گیا۔ اُس کے بیٹے اُسکے پیچھے پیچھے ہو لئے اور چند ثانیے بعد دوسرے لوگ بھی، کچھ کہے بغیر، وہاں سے چل دیئے۔ سعاد جواب

تک سکتے کے عالم میں یہ ماجرا دیکھ رہی تھی، روتی ہوئی ایک کمرے میں جا گھسی۔

ہبیرہ کی بیوی اپنے شوہر کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔"تمہارے بھتیجے نے میرے بھائی کی توہین کی ہے۔ اب یا تو اسے گھر سے نکال دو یا میں یہاں نہیں رہوں گی۔"

ہبیرہ کوئی جواب دیئے بغیر، نڈھال ہو کر، چٹائی پر بیٹھ گیا۔

عاصم نے کہا۔"چچی! میں آپ کو پریشان نہیں کروں گا۔ میں خود ہی یہاں سے جانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

وہ کچھ کہے بغیر اپنے شوہر کے قریب بیٹھ گئی۔ عاصم کچھ دیر تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا اور پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا، باہر کے دروازے کی طرف بڑھا۔

ہبیرہ نے پیچھے سے آواز دی۔"عاصم، ٹھہرو!"

وہ رکا اور مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔ ہبیرہ کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ یہ ایک غیر منوقع بات تھی۔ عاصم نے اپنے چچا کی آنکھوں میں ہمیشہ نفرت اور انتقام کے شعلے دیکھے تھے۔ اُس کے دل پر ایک چوٹ سی لگی۔ ہبیرہ اٹھ کر آگے بڑھا اور عاصم کا بازو پکڑتے ہوئے بولا۔"سہیل کا بیٹا میرے گھر سے اس طرح نہیں جائے گا۔" اور یہ کہہ کر اُسے کھینچتا ہوا کمرے کے اندر لے گیا۔"میں تمہیں جانے سے نہیں روکتا۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجبور اور بے بس ہو۔"

عاصم نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔"چچا! مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو خوش نہ رکھ سکا۔"

ہبیرہ نے آگے بڑھ کر کمرے کے ایک کونے میں پڑا ہوا صندوق کھولا اور اُس میں سے ایک تھیلی نکال کر عاصم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔"یہ لو! یہ تمہارا مال ہے میں نے اس میں سے صرف شمعون کے قرضے کی رقم نکال کر علیحدہ رکھ لی تھی۔"

عاصم نے کہا۔"نہیں، چچا! مجھے اب اس کی ضرورت نہیں۔ اب میں نے تجارت کا ارادہ بدل دیا ہے۔"

ہبیرہ نے تلخ ہو کر کہا۔"عاصم! یہ لے لو، مجھے اِس سے زیادہ تکلیف دینے کی کوشش نہ کرو۔"

عاصم نے بادل ناخواستہ اُس کے ہاتھ سے تھیلی لے لی۔ لیکن پھر قدرے توقف کے بعد کہا۔"چچا جان! ...ی میں یہیں رہوں، یہ تھیلی آپ اپنے پاس رکھتے تو بہتر ہوتا، میں چند دن کسی دوست کے ہاں ٹھہروں گا اور جاتے ...ت بر ے جاؤں گا۔"

”نہیں، نہیں! اب میں اسے ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔ اور تمہیں کسی دوست کے ہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر اب تمہیں میرے ساتھ چند دن قیام کرنا بھی گوارا نہیں تو میں کہیں چلا جاؤں گا۔“

بیرہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

سعاد ایک طرف، دیوار سے ٹیک لگائے، مغموم نگاہوں سے عاصم کی طرف دیکھ رہی تھی وہ جلدی سے آگے بڑھی اور بولی ”لائیے! آپ کی امانت میں رکھ لیتی ہوں۔“

عاصم نے کچھ کہے بغیر تھیلی اُس کے حوالے کر دی۔ سعاد نے اُمڈتے آنسوؤں کے ساتھ کہا ”آپ کو نہیں جانا چاہیئے۔“

عاصم نے دونوں ہاتھ اُس کے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔ سعاد! اگر تم اِس بات سے خوش ہو سکتی ہو تو میں چند دن اور تمہاری ماں کے طعنے برداشت کر لوں گا۔“

لیکن آپ کو چند دن بعد بھی نہیں جانا چاہیئے۔ آپ کو ہمیشہ یہاں رہنا چاہیئے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ امی آپ کو کچھ نہیں کہیں گی۔ اور میں کبھی وہ گیت نہیں گاؤں گی ــــــ آپ کو یاد ہے جب میں چھوٹی تھی اور آپ کو کبھی غصہ آ جاتا تھا تو آپ مجھے پیٹا کرتے تھے۔ اب بھی پیٹ لیجئے مجھے، میں اتنی بڑی تو نہیں ہو گئی۔“

عاصم نے سعاد کو چمٹا لیا اور پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ سعاد سسکیاں لیتے ہوئے کہہ رہی تھی ”جب آپ گھر میں ہوتے ہیں تو مجھے رات کے وقت بھی کسی چیز سے خوف نہیں آتا اور یہ اطمینان ہوتا ہے کہ جب ڈر لگے گا تو میں آپ کو آواز دے کر جگا لوں گی، پھر ڈاکو، چور، جن اور بھوت سب بھاگ جائیں گے۔ لیکن جب آپ یہاں نہیں ہوں گے تو میں ہر چیز سے ڈرا کروں گی۔“

”لیکن تمہارے پاس سالم ہوگا۔ تمہارے ابا جان ہوں گے۔“

”نہیں، نہیں! مجھے آپ سب کی ضرورت ہے۔“

عاصم نے کہا ”سعاد! میں تم سے صرف یہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ تمہیں دیکھنے، کسی دن ضرور واپس آؤں گا۔ لیکن اب ہمارے خاندان کی بہتری اسی میں ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے کہ میں بہت جلد واپس آ جاؤں۔ کیا میں پچھلی مرتبہ تمہاری توقع سے پہلے واپس نہیں آ گیا تھا؟“

”لیکن پچھلی دفعہ آپ خفا ہو کر تو نہیں گئے تھے۔“

”میں اب بھی خفا ہو کر نہیں جا رہا۔ یہ ایک مجبوری ہے۔ کسی دن میں تمہیں یہ سمجھا سکوں گا کہ میرا گھر سے جانا کتنا ضروری تھا۔“

سعاد نے صحن کی طرف جھانکتے ہوئے کہا ”ابا جان باہر نکل گئے ہیں، مجھے ڈر ہے کہ وہ غصے میں کہیں چلے نہ جائیں۔“

نہیں، سعاد، تم اطمینان رکھو میں انہیں ابھی منا کر واپس لے آتا ہوں۔“ عاصم یہ کہہ کر باہر نکلا تو بیرہ مویشیوں کے چھپر کے قریب عباد سے باتیں کر رہا تھا۔ عاصم کو آتا دیکھ کر اُس نے حقارت سے مُنہ پھیر لیا۔ اُس کے تیور دیکھ کر عاصم کچھ کہنے کی ہمت نہ کر سکا اور چپکے سے باہر نکل گیا۔ کچھ دیر تک اسے یہ بھی ہوش نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے، اُس کے کانوں میں اپنے چچا اور منذر کے تلخ الفاظ گونج رہے تھے۔ پھر اچانک اُسے خیال آیا کہ آج چاند کی چودھویں تاریخ ہے اور اُس کی مغموم، اداس اور ویران دنیا سمیرا کی مسکراہٹوں سے لبریز ہو گئی۔

وہ آبادی سے باہر نکل گیا اور دیر تک اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد ایک ٹیلے پر بیٹھ گیا۔ سورج نے اپنی ایک دن کی مسافت طے کی شام کے دوڑتے ہوئے سائے زمین کی وسعتوں میں گم ہو کر رہ گئے۔ اور دھوئیں کی باریک لکیریں جو وادی میں پھیلے ہوئے مکانوں سے آسمان کی طرف اٹھ رہی تھیں شام کے دھندلکے میں جذب ہونے لگیں۔ پھر یثرب کے نخلستانوں اور پہاڑوں پر مشرق سے ابھرتے ہوئے چاند کی دلکش روشنی پھیلنے لگی۔

عاصم کو آدھی رات کا انتظار تھا۔ وہ بے چینی کی حالت میں اٹھتا اور کچھ دیر اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد پھر کسی پتھر پر بیٹھ جاتا۔ بالآخر وہ ندی کے باغ کی طرف چل دیا۔

باب (۹)

سمیرا وہاں نہ تھی اور عاصم اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد کھجوروں کے درمیان ایک خالی جگہ بیٹھ گیا۔ چودھویں رات کی چاندنی نخلستان میں ایک دلفریب سماں پیدا کر رہی تھی۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد وہ اٹھا اور بے چینی کی حالت میں اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ گزشتہ دن بھر کے واقعات سے اُس کی رُوح مضمحل ہو چکی تھی اور وہ کئی گھنٹے ایک اذیت ناک کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد یہاں پہنچا تھا۔ وہ یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ سمیرا سے یہ اُس کی آخری ملاقات ہوگی۔ اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اِس ملاقات کے بعد اُس کی زندگی کی تلخیوں میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ لیکن اِس کے باوجود سمیرا کو دیکھنے اور اس سے باتیں کرنے کے تصوّر سے اُسے ایک تسکین سی محسوس ہوتی تھی۔ لیکن اب وہ یہاں نہ تھی اور عاصم سوچ رہا تھا شاید وہ نہ آسکے۔ نہیں، وہ ضرور آئے گی، میں وقت سے پہلے آگیا ہوں۔ ابھی آدھی رات نہیں ہوئی۔ لیکن اس ستارے کو نمودار ہوئے، خاصی دیر ہو چکی ہے۔ وہ یقیناً کسی مجبوری کے باعث رُک گئی ہے۔ اب وہ کل آئے گی۔ اور مجھے آٹھ پہر اور انتظار کرنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کل بھی نہ آئے۔ کسی مجبوری کے سبب وہ کئی دن ... گھر سے نہ نکل سکے۔ اور میں اُسے یہ بھی نہ بتا سکوں کہ میں جا رہا ہوں۔

عاصم کو اپنے دل کا بوجھ ناقابلِ برداشت محسوس ہونے لگا۔ پھر اچانک قدرت نے اپنی تمام رنگینیاں اُس کی نگاہوں کے سامنے بکھیر دیں۔ اور اُس کا دل دھڑکنے لگا۔ سمیرا آرہی تھی۔

عاصم درختوں کے سائے سے نکلا اور چاند کی روشنی میں بازو پھیلا کر کھڑا ہوگیا۔ سمیرا آگے بڑھی، رُکی جھجکی، ہچکچائی اور پھر بھاگ کر بے اختیار اُس سے لپٹ گئی۔

عاصم نے کہا "میرا خیال تھا کہ تم نہیں آؤ گی۔ اور ہم جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں گے"۔

"ہم کبھی جدا نہیں ہوں گے" سمیرا نے جواب دیا۔

... نے بہت دیر لگائی"۔

... ن جاگ رہے تھے۔ پہلے قبیلے کے چند آدمی اُن کے پاس بیٹھے رہے، وہ چلے گئے تو پھر وہ عمیر اور عتبہ سے باتوں میں مصروف ہو گئے۔ اور اُن کی زیادہ باتیں آپ کے متعلق تھیں"۔

"میرے متعلق؟"

"ہاں، ابا جان بہت خوش تھے کہ آج آپ نے ہمارے قبیلوں میں لڑائی نہیں ہونے دی۔ آج جو لوگ ہمارے گھر آئے تھے۔ ابا جان نے اُن سے یہ وعدہ لیا ہے کہ وہ آئندہ کسی معاملے میں پہل نہیں کریں گے"۔

عاصم نے سمیرا کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر اُس کا منہ چاند کی طرف کر دیا اور بغور اُسے دیکھتے ہوئے بولا۔ "سمیرا! میں یہ لمحات کبھی نہیں بھولوں گا۔ یہ چہرہ ہمیشہ میری نگاہوں کے سامنے رہے گا۔ یہاں سے کوسوں دور میں یہ محسوس کیا کروں گا کہ تم اپنے نخلستان میں کھڑی ہو اور چاند تم پر اپنے نور کی بارش کر رہا ہے"۔

"یہاں سے کوسوں دور! آپ کہیں جا رہے ہیں؟"

"ہاں!"

سمیرا دم بخود ہو کر اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

عاصم زمین پر بیٹھ گیا اور اُس نے سمیرا کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "سمیرا! بیٹھ جاؤ، میں تم سے بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں"۔ وہ بیٹھ گئی۔

عاصم نے کہا "سمیرا میری طرف اِس طرح نہ دیکھو۔ تم جانتی ہو کہ تم سے جدا ہونا میری زندگی کی سب سے بڑی آزمائش ہے"۔

سمیرا نے گھٹی ہوئی آواز میں پوچھا "آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"شام کی طرف!"

"میری وجہ سے؟"

"سمیرا!" اُس نے کرب انگیز لہجے میں جواب دیا۔ "تمہیں میری باتوں سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہئے کہ میں اپنا وطن چھوڑنے پر خوش ہوں۔ اگر مستقبل کی بھیانک تاریکیاں صرف میرے لئے ہوتیں۔ یا میری غلطیوں [illegible] صرف میری ذات تک محدود رہ سکتے تو میں بدترین حالات میں بھی یہیں ٹھہرنا پسند کرتا۔ لیکن میں تمہیں اپنی سیہ [illegible] حصہ دار نہیں بناؤں گا۔"

"میں آپ کے ساتھ جاؤں گی!" سمیرا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"نہیں، سمیرا! تمہارے پاؤں پھولوں کی سیج پر چلنے کے لئے بنائے گئے ہیں اور میرے راستے میں انگاروں کے سوا کچھ نہیں۔ تم چاندنی راتوں میں مسکرانے کے لئے پیدا ہوئی ہو اور میرے ساتھ تمہیں ہولناک تاریکیوں میں ٹھوکریں کھانی پڑیں گی۔ یثرب کی زمین مجھ پر تنگ ہو چکی ہے۔ اور یہاں سے جانے کے بعد میرا کوئی گھر اور کوئی وطن نہ ہوگا۔ تمہارے لئے یہاں سب کچھ ہے۔ میں تم سے اتنی بڑی قربانی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ جب تم ٹھنڈے دل سے یہ سوچو گی کہ تمہارے باپ اور بھائیوں پر کیا گزرے گی اور تمہارے خاندان اور قبیلے کے لوگ کیا کہیں گے تو تمہارے احساسات مختلف ہوں گے۔"

وہ بولی۔ "عاصم! اگر تمہیں صرف میرے مصائب کا خیال ہے تو میں اسی وقت تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔ میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گی کہ تم کہاں جا رہے ہو؟ میں تم سے راستے کی مصیبتوں اور دشواریوں کی شکایت نہیں کروں گی۔ مجھے آگ کے انگاروں کی آنچ محسوس نہیں ہوگی۔ میں صرف یہ جانتی ہوں کہ تمہارے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکوں گی۔"

سمیرا پُرامید ہو کر مسکرا رہی تھی اور ساتھ ہی اُس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔

عاصم کا دل پھٹا جا رہا تھا اُس نے اپنی رہی سہی قوت بروئے کار لاتے ہوئے کہا۔ "سمیرا! ممکن ہے تم سب کچھ برداشت کر لو لیکن ایک بات تم برداشت نہیں کر سکو گی۔ تم یہ برداشت نہیں کر سکو گی کہ میرے قبیلے کا ہر بچہ اور بوڑھا تمہارے باپ اور بھائیوں کا مذاق اڑائے اور خود تمہارا قبیلہ ان کے ساتھ ایسا سلوک کرے کہ اُن کے لئے سر اٹھا کر چلنا مشکل ہو جائے ——— سمیرا اوس اور خزرج کی جنگ ختم ہونے کے امکانات پیدا ہو چلے ہیں اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ تمہارے بھائی کی جان بچا کر میں نے اہلِ یثرب کے لئے کوئی اچھا کام کیا ہے۔ اب میں انہیں

یہ احساس دلانا نہیں چاہتا کہ میں نے نیکی کے پردے میں تمہارے باپ اور بھائیوں سے بدترین انتقام لیا ہے اگر ہم نے ہمت سے کام نہ لیا تو اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اوس اور خزرج پھر تلواریں نکال لیں گے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں، سمیرا! تمہارے بغیر زندگی کا تصور مجھے ایک مذاق معلوم ہوتا ہے لیکن کیا تم یہ پسند کرو گی کہ میری محبت اوس اور خزرج کے لئے ایک نئی تباہی کا باعث بن جائے۔ تم یہ برداشت کر لو گی کہ ہمارے خاندان ہماری وجہ سے ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگیں؟"

سمیرا جواب دینے کی بجائے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر سسکیاں لینے لگی۔ عاصم اٹھا اور کچھ دیر تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا۔ پھر اُس نے جھک کر پیار سے سمیرا کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "سمیرا! ہم شاید مدت تک ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں۔ حوصلے سے کام لو اور میرے لئے یہ لمحات اور زیادہ اذیت ناک بنانے کی کوشش نہ کرو۔ اگر میں اپنا دل چیر کر دکھا سکتا تو تمہیں یہ شکایت نہ ہوتی کہ میں خوشی سے جا رہا ہوں۔"

سمیرا اٹھی اور اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ "مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں، لیکن آپ کو یہ بتانے کے لئے یہاں آنے کی ضرورت نہ تھی کہ آپ جا رہے ہیں۔"

عاصم نے کہا۔ "مجھے معلوم تھا کہ یہ مرحلہ ہم دونوں کے لئے یکساں تکلیف دہ ہوگا۔ لیکن مجھے ڈر تھا کہ اگر میں تمہیں دیکھے بغیر چلا گیا تو تم شاید مجھے بے وفا سمجھ کر مجھ سے نفرت کرنے لگو۔ اور پردیس میں یہ بات میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوتی کہ میری سمیرا جسے میں ہر سانس کے ساتھ یاد کرتا ہوں، مجھ سے روٹھ گئی ہے۔ میں اِس اُمید پر باہر جا رہا ہوں کہ جب واپس آؤں گا تو یثرب کے حالات بدل چکے ہوں گے۔ اوس اور خزرج کے پرانے زخم مندمل ہو چکے ہوں گے۔ اور پھر جب میں تمہارے باپ کے پاؤں پر گر کر یہ کہوں گا کہ میں سمیرا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تو وہ اُسے ایک گالی نہیں سمجھیں گے۔"

سمیرا نے پُرامید ہو کر کہا۔ "آپ یہاں رہ کر حالات کی تبدیلی کا انتظار نہیں کر سکتے؟"

"نہیں، سمیرا! میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ یہ ہم دونوں کے لئے ایک بہت بڑی آزمائش ہوگی۔ یہ ناممکن ہے کہ میں یہاں رہوں اور تمہیں دیکھنے کی کوشش نہ کروں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ ہماری محبت دیر تک لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ سکے۔ پھر اپنے قبیلے سے میرے تعلقات اتنے بگڑ گئے ہیں کہ میں اب یہاں نہیں رہ سکتا۔"

سمیرا کے آنسو تھم چکے تھے اور وہ اپنے دل میں کرب و اضطراب کی بجائے ایک ہلکا سا سکون محسوس کر رہی تھی۔ ایک ایسا سکون جو کسی زخم خوردہ سپاہی کو اپنے ہتھیار پھینکنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

عاصم نے اپنے دل میں ایک اطمینان محسوس کرتے ہوئے کہا "چلو! میں تمہیں گھر کے دروازے تک چھوڑ آتا ہوں"۔

"نہیں"۔ اُس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "آپ جائیے، میری فکر نہ کیجئے میں اپنے گھر کا راستہ نہیں بھول سکتی جائیے"۔

سمیرا کی آنکھوں میں دوبارہ آنسو چھلکنے لگے۔ عاصم چند ثانیے بے حس و حرکت کھڑا رہا اور پھر اچانک وہاں سے چل دیا۔ چند قدم اٹھانے کے بعد وہ رکا اور مڑ کر سمیرا کی طرف دیکھنے لگا۔ سمیرا نے جلدی سے منہ پھیر لیا۔ وہ رو رہی تھی۔ عاصم کو اُس کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں اور اُس کا دل پسا جا رہا تھا۔

"آپ جاتے کیوں نہیں؟" سمیرا نے جھنجھلا کر کہا۔ لیکن اُس کی آواز میں تلخی اور غصے سے زیادہ ایک بے بس کی التجائیں اور فریادیں تھیں اور عاصم یہ محسوس کر رہا تھا کہ اگر وہ چند لمحے اور یہاں ٹھہرا تو اُس کے عزائم کے تمام قلعے منہدم ہو جائیں گے۔ وہ دوبارہ مڑا لیکن پہلا قدم اٹھاتے ہی اُسے ایک بارعب آواز سنائی دی "ٹھہرو!"

عاصم چونک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دائیں طرف درختوں کی اوٹ سے کوئی نمودار ہوا اور عاصم نے جلدی سے اپنی تلوار نکال لی۔

"عاصم بھاگ جاؤ!" سمیرا یہ کہہ کر آگے بڑھی اور عاصم کا بازو پکڑ کر اسے ایک طرف دھکیلنے لگی۔

"عاصم کو بھاگنے کی ضرورت نہیں"۔ عدی نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

سمیرا عاصم کو چھوڑ کر عدی کی طرف بڑھی اور اُس کا بازو پکڑ کر چلانے لگی "اباجان! یہ بے قصور ہے۔ یہ یثرب چھوڑ کر کہیں جا رہا ہے —— یہ اِس لئے جا رہا ہے کہ اسے آپ کی عزت کا پاس تھا۔ اسے یہ گوارا نہ تھا کہ لوگ آپ کو طعنے دیں"۔

عدی نے کہا۔ "سمیرا! یہاں شور نہ مچاؤ، جاؤ! میں اس سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں"۔ عاصم حیران تھا کہ اُس کی آواز میں معمولی تلخی بھی نہ تھی۔

"اباجان! آپ انہیں کچھ نہ کہیں۔ یہ آپ کے دشمن نہیں ہیں"۔

"بیوقوف! تم خاموش رہو۔ میں خالی ہاتھ ہوں"۔ عدی نے اُسے ایک طرف دھکیل دیا اور آگے بڑھ کر

عاصم کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

وہ کچھ دیر خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر عدی نے کہا "تم اپنی تلوار نیام میں ڈال سکتے ہو۔ تمہیں عقب سے کسی حملے کا خطرہ نہیں، میرے آدمی سو رہے ہیں"۔

عاصم نے قدرے نادم ہو کر تلوار نیام میں کر لی۔

"میں تمہاری باتیں سن چکا ہوں اور اب مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔ میرے ساتھ آؤ"۔ عدی یہ کہہ کر مڑا۔ لیکن عاصم اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ عدی نے چند قدم اٹھانے کے بعد مڑ کر اُس کی طرف دیکھا اور کہا "تم ایک بوڑھے آدمی سے ڈرتے ہو؟"

عاصم کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھا اور اُس کے ساتھ ہو لیا۔ سمیرا جو چند قدم کے فاصلے پر پریشانی کی حالت میں کھڑی تھی بھاگ کر درختوں میں غائب ہو گئی —— عدی نخلستان عبور کر کے، اپنے گھر کی دیوار کے سامنے سوکھی گھاس کے ایک ڈھیر کے قریب رکا اور اُس نے تھوڑی سی گھاس اٹھا کر زمین پر بچھاتے ہوئے کہا "میرے خیال میں ہم یہیں بیٹھ جاتے ہیں، اس وقت اندر جا کر سونے والوں کو جگانا مناسب نہیں۔ تمہیں سردی تو محسوس نہیں ہوتی؟"

"نہیں!" وہ ایک دوسرے کے قریب بیٹھ گئے۔ عدی کا طرزِ عمل ہر آن عاصم کی پریشانی اور اضطراب میں اضافہ کر رہا تھا۔

"تم سمیرا کو کب سے جانتے ہو؟" عدی نے اُس کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے پوچھا۔

عاصم نے جواب دیا۔ "مجھے اندیشہ ہے کہ میری کوئی بات آپ کو مطمئن نہیں کر سکے گی لیکن اگر آپ کے دل میں سمیرا کے متعلق کچھ شبہات پیدا ہو گئے ہیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اُس نے ایسی کوئی بات نہیں کی جو آپ کے لئے شرمندگی کا باعث ہو"۔

عدی بولا۔ "تمہیں سمیرا کی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ اور تمہیں یہ بھی نہیں سمجھنا چاہیئے کہ میں نے کبھی اُس کی رکھوالی کی ضرورت محسوس کی ہے۔ یہ محض اتفاق تھا کہ جب وہ دبے پاؤں باہر نکلی تھی تو میں جاگ رہا تھا اور اُس کے کمرے کے دروازے کی چرچراہٹ نے مجھے اٹھ کر صحن میں جھانکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مجھے صرف اِس بات سے تشویش ہوئی تھی کہ صحن میں چند قدم رُک رُک کر چلنے کے بعد

اُس نے بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ اگر میں دل پر جبر کر کے تمہاری باتیں نہ سنتا تو شاید ہماری یہ ملاقات اِس قدر خوشگوار نہ ہوتی۔ لیکن تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ میں نے پوچھا تھا کہ تم کب سے ایک دوسرے کو جانتے ہو؟"

عاصم نے جواب دیا۔"میں نے اُسے پہلی مرتبہ اُس رات دیکھا تھا جب میں عبیرؔ کو آپ کے گھر پہنچانے آیا تھا۔"

"اور اب تم یثرب چھوڑ کر جا رہے ہو؟"

"ہاں ——!"

"تم اِس لئے جا رہے ہو کہ سمیرا میری بیٹی ہے اور تمہیں یہاں رہنے سے میرے خاندان کی رُسوائی کا خطرہ ہے۔"

"ہاں! لیکن میرے جانے کی اور وجوہ بھی ہیں۔"

"وہ میں سب سُن چکا ہوں اور مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس تمہاری مشکلات کا کوئی حل نہیں۔ لیکن فرض کرو اگر سمیرا میری بیٹی نہ ہوتی تو تم کیا کرتے؟"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ اگر سمیرا خزرج کی بجائے کسی اور قبیلے کی لڑکی ہوتی تو تمہارا طرزِ عمل کیا ہوتا؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ لیکن موجودہ حالات میں، میں کسی کو بھی اپنے مصائب میں حصہ دار بنانا پسند نہ کرتا۔"

"اگر سمیرا کے باپ کو اپنے قبیلے کی ملامت کا خوف نہ ہوتا۔ اور وہ خوشی سے اُسے تمہارے ساتھ جانے کی اجازت دے دیتا تو؟"

"اگر یہ ممکن ہوتا تو میں سمیرا کے باپ کو سمجھاتا کہ اِس وقت میرا تنہا جانا ضروری ہے۔ لیکن میں جلد واپس آؤں گا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میں اپنا ارادہ تبدیل کر دیتا۔ لیکن یہ ممکن نہیں مجھے سمیرا کے باپ کی مجبوریوں کا علم ہے۔"

عدی کچھ دیر سر جھکائے ایک گہری سوچ میں ڈوبا رہا، بالآخر اُس نے عاصم کی طرف دیکھا اور کہا۔"میں تمہیں اپنی زندگی کا ایک اہم واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ واقعہ تمہارے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا —— آج سے کوئی سولہ سال پہلے میں تاجروں کے ایک قافلے کے ساتھ دمشق جا رہا تھا۔ قبیلہ کنانہ کا ایک شخص، جس کا نام حارث تھا اِس سفر میں میرے ساتھ تھا۔ ہم بہت جلد ایک دوسرے کے دوست

بن گئے۔ جب ہم واپس پہنچے تو عکاظ کا میلہ شروع ہونے والا تھا اور یثرب سے کئی آدمی وہاں جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ حارث نے چند دن میرے ہاں قیام کیا اور اس کے بعد ہم اپنے مال سے زیادہ نفع کمانے کے شوق میں قافلے کے ساتھ عکاظ کی طرف روانہ ہو گئے۔ تجارت کے علاوہ، عکاظ جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میرے شام جانے سے قبل میری بیوی اُمید سے تھی اور میں اسے، اُس کے والدین کے ہاں چھوڑ آیا تھا۔ میری بیوی کا خاندان یہاں سے پانچ منزل دور عکاظ کے راستے میں آباد تھا اور میرا ارادہ تھا کہ میں جاتی دفعہ ایک دو دن کے لئے وہاں ٹھہروں گا اور پھر واپسی پر اپنے بال بچوں کو ساتھ لیتا آؤں گا۔

سسرال پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ میرے پیچھے جو لڑکی پیدا ہوئی تھی وہ تین ماہ کی ہو کر فوت ہو گئی ہے میری بیوی کو اس کا بہت صدمہ تھا کہ میں اُسے نہ دیکھ سکا۔ وہ بار بار کہتی تھی کہ میری بیٹی بہت خوبصورت تھی۔ اور قبیلے کی عورتیں اُسے، دور دور سے دیکھنے آیا کرتی تھیں۔ میری ساس اور میری بیوی کی بہنیں بھی اُس کی بہت تعریف کرتی تھیں۔ لیکن حارث اور میرے دوسرے ساتھی مجھے مبارکباد دیتے تھے کہ اللہ نے مجھے ایک لڑکی کا باپ بننے کی رسوائی سے بچا لیا ہے۔ حارث کہتا تھا تم بہت خوش قسمت ہو۔ میں یکے بعد دیگرے اپنی دو لڑکیوں کو زندہ دفن کر چکا ہوں۔ اِس مرتبہ بھی جب میں گھر سے نکلا تھا تو میری بیوی اُمید سے تھی اور میں نے عزیٰ کی قسم کھا کر کہا تھا کہ اگر تم نے پھر لڑکی جنی تو میں اُس کے ساتھ بھی وہی سلوک کروں گا۔

عکاظ کے میلے سے فارغ ہو کر میں واپس آنا چاہتا تھا لیکن حارث کی بستی وہاں سے دو منزل کے فاصلے پر تھی اور وہ مجھے چند دن اپنے پاس ٹھہرانے پر مُصر تھا۔ مجبوراً مجھے اُس کے ساتھ جانا پڑا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ حارث کے ہاں چند ماہ قبل لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ یہ خبر سننے کے بعد حارث کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنے خیمے میں قدم رکھنے تک کا روادار نہ تھا۔ میں نے اُسے تسلی دینے کی کوشش کی لیکن اُس پر میری باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بار بار یہ کہتا تھا کہ میں اپنے گھر میں سانپ پال سکتا ہوں لیکن ایک لڑکی کا باپ کہلانے کی ذلت برداشت نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنی بیوی کے سامنے عزیٰ کی قسم کھائی تھی کہ میں لڑکی کو زندہ دفن کر دوں گا یہ چاہتی تو پیدا ہوتے ہی اُس کا گلا گھونٹ کر مجھے اِس امتحان سے بچا سکتی تھی۔ اب وہ چار مہینے کی ہو چکی لیکن میں اپنی قسم پوری کر کے رہوں گا۔

گرمیوں کے دن تھے اور ہم رات کے وقت باہر کھلی ہوا میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حارث نے شراب کا ایک مٹکا منگوا کر میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے اُس کے اصرار سے تیز شراب کے چند گھونٹ پی لئے لیکن حارث بے تحاشا پی رہا تھا۔ نشے میں چور ہو کر وہ دیر تک مجھ سے بہکی بہکی باتیں کرتا رہا۔ مجھ پر نیند کا غلبہ ہو رہا تھا میں اپنے بستر میں لیٹ گیا۔ آدھی رات کے قریب گہری نیند میں مجھے کچھ شور سنائی دیا میں نے بدحواس ہو کر ادھر ادھر دیکھا تو حارث وہاں نہ تھا۔ خیمے سے کسی عورت کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ میں اٹھ کر بھاگتا ہوا خیمے کی طرف گیا اور قریب پہنچ کر حارث کو آوازیں دینے لگا۔

حارث کی بیوی روتی اور اپنے سر کے بال نوچتی ہوئی باہر نکلی اور اُس نے کہا۔ "وہ چلا گیا ہے، وہ میری بیٹی کو لے کر چلا گیا ہے۔ میں تمہیں لات اور عزیٰ کا واسطہ دیتی ہوں۔ میری بیٹی کو بچاؤ۔ یہ میری تیسری بچی ہے۔ آج خاندان کے کسی آدمی نے میری مدد نہیں کی۔ وہ سب جانتے تھے کہ حارث اُسے زندہ زمین میں گاڑنے کو لے جا رہا ہے لیکن کوئی میری چیخیں سن کر اپنے گھر سے باہر نہیں آیا۔"

میں نے اس سے پوچھا حارث کس طرف گیا ہے؟ اور اُس نے ایک سمت اشارہ کر دیا۔ میں کچھ کہے بغیر اُس طرف بھاگا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے بستی سے کچھ دور ایک بچے کے بلکنے کی آواز سنائی دی۔ میں دوڑتا ہوا اس طرف گیا حارث اپنی بیٹی کو زمین پر لٹا کر گڑھا کھود رہا تھا۔ وہ میری طرف دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور برہم ہو کر بولا "تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

میں نے جواب دیا "حارث! میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

اُس نے کہا۔ "قبر کھودنے کے لئے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔ اگر تم میری مدد کرنا چاہتے ہو تو اس لڑکی کا گلا گھونٹ دو! اس کی چیخیں مجھے پریشان کر رہی ہیں۔"

میں نے کہا "اس وقت تم شراب کے نشے میں ہو جب یہ نشہ اُتر جائے گا تو ان چیخوں کا تصور تمہیں اور زیادہ پریشان کرے گا۔"

اُس نے جواب دیا۔ "تم مجھے ورغلانے کی کوشش نہ کرو۔ میں اپنا عہد پورا کروں گا۔"

حارث دوبارہ گڑھا کھودنے میں مصروف ہو گیا اور میں نے آگے بڑھ کر اُس کے ہاتھ پکڑ لئے۔

اُس نے غضب ناک ہو کر مجھے پیچھے دھکیل دیا اور چلایا۔ "تم مجھے بے غیرت بنانا چاہتے ہو؟"

میں نے کہا۔ "حارث! عزیٰ کو تمہاری بیٹی کی جان لینا منظور نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اُس نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔ اگر تم اِس کا باپ کہلانا پسند نہیں کرتے تو اسے میرے حوالے کر دو، میری بیوی اِسے اپنی بیٹی کی طرح پالے گی۔ میں کسی پر یہ ظاہر نہیں کروں گا کہ یہ تمہاری بیٹی ہے۔ اور کوئی تمہیں طعنہ نہ دے گا۔"

حارث غضب ناک ہو کر چلایا۔ "نہیں، نہیں، یہ نہیں ہو سکتا!" اور پھر اُس نے اچانک آگے بڑھ کر لڑکی پر جھپٹنے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے اُس کا راستہ روک لیا اور ہم دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ وہ نشے میں تھا اس لئے میں نے جلد ہی اُس پر قابو پا لیا۔ یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ ہماری کشتی کے دوران میں لڑکی روتے روتے اچانک خاموش ہو گئی۔ میں نے دیر تک حارث کو دبوچے رکھا اور اطمینان سے اُس کی بدکلامی سنتا رہا۔ یہاں تک کہ اُس کا جوش ٹھنڈا پڑنے لگا۔ بالآخر اُس نے کہا "عدی! میرے قبیلے کے کسی آدمی کو میرے سامنے آنے کی جرأت نہ تھی۔ لیکن تم میرے مہمان ہو۔"

میں نے کہا "میں تمہارا دوست ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اگر تم نشے میں نہ ہوتے تو ہمارے درمیان ہاتھاپائی کی نوبت نہ آتی۔ تم نہیں جانتے کہ تم اِس وقت کیا کر رہے ہو۔"

وہ بولا "مجھے چھوڑ دو۔"

میں نے جواب دیا "لیکن پہلے یہ وعدہ کرو کہ تم اس معصوم بچی پر ہاتھ نہیں اٹھاؤ گے۔"

اُس نے کہا۔ "اگر میں یہ وعدہ نہ کروں تو؟"

میں نے جواب دیا۔ "تو میں عزیٰ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں اسی طرح تمہارے سینے پر بیٹھا رہوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ صبح تمہارے قبیلے کے آدمی یہاں جمع ہو جائیں گے لیکن مجھے اِس بات کی پروا نہ ہو گی کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔"

اُس نے کہا "تم اِس لڑکی کو بچانے کی کوشش میں میرے قبیلے کے لوگوں کے ہاتھوں قتل ہونا پسند کرو گے؟"

میں نے جواب دیا "ہاں میں اِس لڑکی کو بچانے کی قسم کھا چکا ہوں۔"

حارث کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا "کیا یہ ہو سکتا ہے کہ عزیٰ نے اِس لڑکی کو بچانے کے لئے تمہیں یہاں بھیج دیا ہو؟"

میں نے جواب دیا۔"مجھے یقین ہے کہ عزیٰ کو اِس کی جان لینا منظور نہیں۔"

وہ بولا۔"لوگ مجھے بزدلی اور بے غیرتی کا طعنہ دیں گے۔"

میں نے جواب دیا۔"کسی کو معلوم نہ ہوگا کہ یہ لڑکی زندہ ہے۔میں ابھی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔"

آہنی عزم کا مالک ہونے کے باوجود حارث ایک انسان تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس کے طرزِ عمل میں ایک غیر معمولی تبدیلی آچکی تھی۔اُس نے کہا۔"اگر میں اِس لڑکی کو تمہارے ساتھ بھیج دوں تو تمہارے گھر میں اِس کی حیثیت کیا ہوگی؟"

میں نے جواب دیا۔"میں اسے ہمیشہ اپنی بیٹی سمجھوں گا اور اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو میں حلف اٹھانے کو تیار ہوں۔تمہیں معلوم ہے کہ میری بچی مر چکی ہے، میں جب اپنی بیوی کو اُس کے میکے سے اپنے گھر لے جاؤں گا تو ہم اپنے قریبی عزیزوں کو بھی یہ شبہ نہ ہونے دیں گے کہ ہم کسی اور کی لڑکی اٹھا لائے ہیں۔"

کچھ دیر جھگڑنے کے بعد اُس نے ہار مان لی اور میں نے اُسے چھوڑتے ہوئے کہا۔"تم گھر جاکر میرا گھوڑا لے آؤ، میں یہیں ٹھہرتا ہوں۔"

جب وہ اٹھ کر جانے لگا۔ تو میں نے کہا۔"اگر تم اپنی بیوی کو یہ بتا سکو کہ اُس کی بیٹی زندہ ہے تو اچھی بات ہوگی۔"

وہ جواب دیئے بغیر چلا گیا۔جب وہ میرا گھوڑا لے کر آیا تو اُس کی بیوی اُس کے ساتھ تھی۔اُس نے کہا۔"اسے میری باتوں پر یقین نہیں آتا تھا۔اس لئے میں اسے ساتھ لے آیا ہوں۔"

حارث کی بیوی اپنی بیٹی سے ہمیشہ کے لئے جدا ہونے کے باوجود اِس بات پر مطمئن تھی کہ اُس کی جان بچ گئی ہے اُس نے آگے بڑھ کر میری طرف احسان مندانہ نگاہوں سے دیکھا اور لڑکی کو میرے ہاتھوں سے لیتے ہوئے کہا۔"اگر آپ اجازت دیں تو میں اِسے دودھ پلا دوں یہ بھوکی ہوگی۔"

وہ لڑکی کو ایک طرف لے کر بیٹھ گئی۔ دودھ پلانے کے بعد وہ اٹھی اور لڑکی کو بار بار سینے سے لگانے اور چومنے کے بعد میری طرف دیکھنے لگی۔جب میں گھوڑے پر سوار ہو گیا تو اُس نے روتے ہوئے لڑکی کو میرے حوالے کر دیا۔حارث نے مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔"مجھے معلوم نہیں کہ تمہارا یہ رویّہ کہاں تک درست ہے۔لیکن میں تمہارا شکر گزار ہوں۔کاش تم اُس وقت آتے جب میں اپنی پہلی لڑکی کو دفن کر رہا تھا۔"لڑکی اپنے ہاتھ سے اُس کی ڈاڑھی پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔حارث نے بے اختیاری کی حالت میں اُس کا ننھا سا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں سے

لگا لیا۔پھر اُس نے اچانک اُسے میری گود سے اٹھا کر اپنے سینے سے چمٹا لیا اور اُس کا سر اور مُنہ چومنے کے بعد دوبارہ میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔"عدی! میں نے اِسے اِس لئے پیار کیا ہے کہ اب یہ تمہاری بیٹی ہے۔جاؤ!"

میں وہاں سے تھوڑی دور گیا تھا کہ پیچھے سے اُس کی ماں کی آوازیں سنائی دینے لگیں"ٹھہرئیے! ٹھہرئیے!" میں نے گھوڑا روک لیا وہ بھاگ کر میرے قریب آگئی اور کہنے لگی۔"میں نے آپ کو اِس کا نام نہیں بتایا۔اِس کا نام سمیرا ہے۔"

عدی یہاں پہنچ کر خاموش ہو گیا اور بغور عاصم کی طرف دیکھنے لگا۔

عاصم نے کہا۔"سمیرا نے اِس کے بعد اپنے والدین کو نہیں دیکھا؟"

عدی نے جواب دیا۔"نہیں! تین سال کے بعد عکاظ کے میلے میں اُس کے خاندان کے چند آدمی ملے تھے اُن کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ حارث اُس سال ایک لڑائی میں قتل ہو گیا اور چند ماہ بعد اُس کی بیوی بھی وفات پاگئی۔"

"سمیرا کو معلوم ہے کہ وہ آپ کی بیٹی نہیں؟"

"نہیں! اور مجھے یقین ہے کہ اگر میں اُسے بتادوں تو بھی وہ یقین نہیں کرے گی۔میرے دل میں اُس کی محبت ایک باپ کی محبت سے کسی طرح کم نہیں۔سمیرا پانچ سال کی تھی کہ میری بیوی فوت ہو گئی، اُس نے مرتے وقت مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں سمیرا کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔آج سمیرا کے آنسو میرے لئے ناقابلِ برداشت تھے اور یہی وجہ تھی کہ میں نے تمہیں یہ قصہ سنانا ضروری سمجھا۔اب تمہیں اپنے اور اُس کے مستقبل کا فیصلہ کرتے وقت یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ وہ تمہارے دشمن کی بیٹی ہے۔بلکہ یہ سوچنا چاہیئے کہ وہ ایک یتیم اور بے بس لڑکی ہے اور تم اُس کا دل توڑ کر میرے خاندان کی عزت اور وقار میں کوئی اضافہ نہیں کر سکو گے آج جب میں اُس کی سسکیاں سُن رہا تھا تو مجھے وہ وقت یاد آرہا تھا جب حارث اُسے زندہ دفن کرنے کے لئے گڑھا کھود رہا تھا، وہ قریب پڑی بلک رہی تھی اور میری انسانیت نے مجھے مجبور کر دیا تھا کہ میں اُسے حارث سے چھین لوں۔آج میری انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ اُسے تمہارے حوالے کر دوں اور یہ نہ سوچوں کہ میرے دوست اور دشمن کیا کہیں گے۔حارث کے نزدیک ایک بیٹی کا باپ کہلانا بے غیرتی اور بے عزتی کے مترادف تھا اس لئے وہ سمیرا کو زندہ دفن کرنا چاہتا تھا۔لیکن جب میں نے اُس کے دل میں پدرانہ شفقت کے ایک دبے ہوئے شعور کو بیدار کیا تو اُس نے اپنے سابقہ عقیدے سے انحراف کر کے سمیرا کو میرے حوالے کر دیا۔اور اب تمہارے طرزِ عمل نے میرے سابقہ عقیدے بدل دیئے ہیں۔

جب تک تم نے عمیر کی جان نہیں بچائی تھی، میں یہی سمجھتا تھا کہ تمہارے قبیلے کے ساتھ لڑنا میری زندگی کی سب سے بڑی راحت ہے۔ تم نے میرے دل میں ایک ایسے احساس کو بیدار کیا ہے جو برسوں سے مرچکا تھا تم نے مجھ سے انتقام لینے اور دشمن کا خون بہانے کی لذت چھین لی ہے لیکن مجھے اِس کا افسوس نہیں۔ عاصم تمہیں میری وجہ سے سمیرا سے منہ پھیر کر بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ میں آج اور اسی وقت سمیرا کو تمہارے حوالے کرنے کیلئے تیار ہوں۔"

عاصم کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ تشکر اور احسانمندی کے آنسو۔ اُس نے کہا۔ "میں آپ کا شکرگزار ہوں، لیکن جب آپ سمیرا کو اپنے ساتھ لائے تھے تو آپ کو یہ اطمینان تھا کہ آپ اُسے خوش رکھ سکیں گے۔ آپ کو اس بات کی تسلی تھی کہ آپ کے گھر میں اُسے کوئی نفرت یا حقارت سے نہیں دیکھے گا۔ لیکن میرا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ میں اُسے آلام و مصائب کے سوا کچھ نہیں دے سکتا۔"

عدی نے کہا۔ "ایک اچھائی دوسری اچھائیوں کے لئے راستہ کھول سکتی ہے۔ تم نے ایک اچھی ابتدا کی تھی اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب یثرب کی فضا پرامن ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اور تھوڑے دنوں میں یہاں کے حالات بالکل بدل جائیں، اس لئے تمہیں یہاں سے جانے کی ضرورت نہیں ——— میں عرب کے مستقبل کے متعلق بہت پُرامید ہوں۔ تم نے سنا ہوگا کہ مکہ میں ایک نئے دین کا چرچا ہو رہا ہے۔ اِس دین کا بانی لوگوں کو اخوت و مساوات کا درس دے رہا ہے۔ اور جو لوگ اُس پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ نسلوں اور قبیلوں کی حدود پھاند کر آپس میں دوست اور بھائی بن جاتے ہیں۔ میں نے سنا ہے اُن میں غلام اور آقا کا امتیاز بھی مٹ جاتا ہے۔ قبیلۂ قریش کے چند انتہائی معزز لوگ مکہ کے نبیؐ کی صداقت پر ایمان لاچکے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اِس نئے دین کی بدولت پورے عرب کی ذہنی کایا پلٹ ہوجائے اور ہمارے پرانے طور طریقے بدل جائیں۔ اگر حجاز میں اس دین کے قدم جم گئے تو یثرب بہت جلد اس سے متاثر ہوگا۔ ہمیں اندھیری رات میں بھٹکنے کی بجائے اپنے گھر بیٹھ کر صبح کا انتظار کرنا چاہیئے۔"

عاصم نے کہا۔ "میں بھی کچھ عرصے سے اِس دین کے متعلق سن رہا ہوں، لیکن مجھے اُمید نہیں کہ اہلِ عرب کی جبلت بدل جائے۔ لوٹ مار اور قتل و غارت اُن کی سرشت میں ہے۔ جس دن انہیں اِس بات کا احساس ہوگیا کہ اُن کی قبائلی عصبیتیں مٹ رہی ہیں، وہ اِس دین کے حامیوں کے خلاف تلواریں سونت کر میدان میں آجائیں گے۔ یہاں خاندانوں اور قبیلوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکایا جاسکتا ہے، متحد نہیں کیا جاسکتا۔ عمیر سے ہمدردی

کرنا میرا ایک اضطراری فعل تھا لیکن میرے قبیلے کے لوگ یہاں تک کہ میرے قریبی رشتہ دار بھی اسے برداشت نہ کرسکے۔ پھر آپ یہ کیسے سوچ سکتے ہیں کہ قبائل عرب کے درمیان جو آگ صدیوں سے سلگ رہی ہے وہ اِس دین کی بدولت بجھ جائے گی۔ میں نے تو یہ سنا ہے کہ قریش نے اِس دین کے حامیوں کا مکہ کی فضا میں سانس لینا بھی مشکل کردیا ہے۔ بہرحال اگر آپ کی یہ خواہش ہے کہ میں یہاں سے نہ جاؤں تو میں آپ کا حکم ماننے کو تیار ہوں۔"

عدی نے کہا۔ "تم مجھے کچھ دن سوچنے کا موقع دو، ممکن ہے میں تمہاری مشکلات کا کوئی حل نکال سکوں۔ اگر میں نے دیکھا کہ تمہارا گھر میں رہنا ناممکن ہے تو عرب ایک وسیع ملک ہے۔ ممکن ہے میں تم دونوں کے لئے گوشۂ عافیت تلاش کرسکوں۔ اب تم جاکر آرام کرو اور آئندہ جب چاہو سیدھے راستے میرے گھر آسکتے ہو۔ تاہم ابھی لوگوں کی نگاہوں سے بچنا ضروری ہے۔ اگر مجھے ضرورت پڑی تو میں کسی نہ کسی طرح پیغام بھیج دوں گا۔"

وہ اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ عدی نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور عاصم گرمجوشی سے مصافحہ کرکے وہاں سے چل دیا۔

عدی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا، اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ سمیرا صحن کے دروازے سے لگی کھڑی تھی لیکن عدی کو دیکھ کر اُس نے بھاگنے کی بجائے بے اختیار رونا شروع کردیا۔ عدی نے اُس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"سمیرا! چلو اب تمہیں رونے کی ضرورت نہیں۔"

"اباجان!" اُس نے بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "آپ نے اُسے یہ کیوں بتایا کہ میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں؟"

عدی نے جواب دیا۔ "سمیرا! میں نے کئی بار ارادہ کیا کہ تم پر یہ راز ظاہر کردوں لیکن حوصلہ نہ ہوا۔ آج عاصم پر یہ باتیں ظاہر کرنا ضروری تھا۔"

"مجھے معلوم ہے۔ آپ نے اُس پر یہ باتیں اِس لئے ظاہر کی ہیں کہ اگر میں آپ کی بیٹی ہوتی تو آج آپ کو شرمسار ہونا پڑتا۔ آپ میرا گلا گھونٹ ڈالتے۔"

"تم پگلی ہو۔ جاؤ آرام کرو۔"

"لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں۔ یہ ناممکن ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ کہ میں عمیر اور [illegible] کی بہن نہ ہوں۔"

"تم نعمان کی ماں کا دودھ پی چکی ہو، سمیرا! اور تمہیں یہ کبھی نہیں سوچنا چاہیئے کہ تم میری بیٹی کے سوا کوئی اور ہو ——— چلو!"

سمیرا اپنے آنسو پونچھتی ہوئی عدی کے ساتھ چل پڑی۔



عاصم، عدی سے رخصت ہو کر باغ سے نکل رہا تھا کہ اچانک اُسے سامنے کوئی سو قدم کے فاصلے پر ایک آدمی بھاگتا ہوا دکھائی دیا۔ عاصم جلدی سے پلٹ کر ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ باغ کے نزدیک پہنچ کر بھاگنے والے کی رفتار کم ہو چکی تھی اور وہ مڑ مڑ کر پیچھے دیکھ رہا تھا۔ پھر عاصم کو ایک اور آدمی نظر آیا جو پوری رفتار سے پہلے آدمی کا پیچھا کر رہا تھا۔ پہلا آدمی باغ کے اندر داخل ہو کر، عاصم کے بالکل قریب، ایک درخت کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ پیچھے آنے والا باغ سے تھوڑی دور کے فاصلے پر رکا اور چند ثانیے توقف کے بعد اُسی طرح بھاگتا ہوا واپس چلا گیا۔ جو آدمی عاصم کے قریب کھڑا تھا بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

عاصم اُس کی نظروں سے بچنے کے لئے، سمٹا ہوا، درخت سے لگا کھڑا تھا اور اُس کے دماغ میں اِس قسم کے سوالات آ رہے تھے۔ "یہ کون ہے؟ اس کا پیچھا کرنے والا کون تھا؟ یہ اس طرف کیوں آیا ہے؟ اگر یہ عدی کا نوکر ہے تو یہاں کیوں کھڑا ہے؟ اگر پیچھا کرنے والا اس کا دشمن تھا تو اس نے یہاں پہنچ کر کسی کو آواز کیوں نہیں دی؟"

درختوں کے سائے میں عاصم اُسے اچھی طرح نہ دیکھ سکا۔ لیکن جب وہ اپنا سانس درست کرنے کے بعد باغ سے نکلنے لگا تو اُس نے دیکھا کہ بھاگنے والے کا نصف چہرہ ڈھاٹے میں چھپا ہوا ہے۔ عاصم کو شبہ ہوا اور اُس نے اچانک جست لگا کر اجنبی کی گردن دبوچ لی۔

اجنبی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ ایک ثانیہ کے بعد اُس نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن عاصم کی آہنی گرفت میں بے بس ہو کر رہ گیا۔ عاصم اُسے دھکیلتا ہوا باغ سے باہر لے آیا۔

"تم کون ہو؟" اُس نے پوچھا۔

اجنبی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"بولتے کیوں نہیں؟"

اجنبی کچھ دیر، سکتے کے عالم میں، عاصم کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اچانک چلایا۔ "میں بے قصور ہوں مجھے چھوڑ دو"

عاصم نے اُس کے چہرے کا نقاب نوچ کر پھینک دیا۔ اور کچھ دیر بدحواسی کی حالت میں اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے پوچھا "تم شمعون کے غلام ہو۔ بتاؤ تم اِس وقت یہاں کیوں آئے ہو؟ اور تمہارے پیچھے یہ کون تھا؟"

وہ دوبارہ چلایا "میں بے قصور ہوں۔ وہ کوئی ڈاکو تھا۔ اور میرا پیچھا کر رہا تھا۔"

"ڈاکو رات کے وقت غلاموں کے پیچھے نہیں دوڑا کرتے بتاؤ! یہ کیا معاملہ ہے؟ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم چوری کر کے بھاگ رہے تھے۔ لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم اِس طرف کیوں آئے ہو؟"

شمعون کے غلام نے کہا "خوف کی وجہ سے مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میں کس طرف جا رہا ہوں۔"

"کیا تم نے شمعون کے ہاں چوری کی ہے اور اُس کے نوکر تمہارا پیچھا کر رہے تھے؟"

غلام نے قدرے پر امید ہو کر کہا "جناب! آپ یہ کیوں پوچھتے ہیں؟ میں نے آپ کا تو کوئی قصور نہیں کیا۔ اگر میں نے شمعون کے ہاں چوری کی ہے تو وہ آپ کا دشمن ہے۔"

عاصم نے اُسے اپنی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے کہا "اچھا! یہ بتاؤ تم نے کیا چرایا ہے؟"

"جناب...... میں نے اُس کی بیوی کے زیور چرائے ہیں۔ لیکن اس وقت میرے پاس کچھ نہیں۔"

عاصم، عمیر سے اِس غلام اور شمعون کی بیوی کے تعلقات کے متعلق سُن چکا تھا اِس لئے اُس نے مزید سوالات کی ضرورت محسوس نہ کی اور غلام کو دھکا دیتے ہوئے کہا "بھاگ جاؤ!"

غلام گرتے گرتے سنبھل کر ایک طرف چل دیا۔ اور عاصم نے اپنے گھر کا رُخ کیا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک یہودی کے نخلستان کے قریب سے گزر رہا تھا کہ اُسے چند بھاگتے ہوئے آدمیوں کی آہٹ سنائی دی۔ اُسے خیال آیا کہ شمعون کے آدمی چوری کرنے والے غلام کو تلاش کر رہے ہیں۔

عاصم نے رات کے تیسرے پہر کسی اور کے سامنے آنا مناسب نہ سمجھا اور وہ راستہ چھوڑ کر باغ کے اندر چھپ گیا۔ جب بھاگنے والے آگے نکل گئے تو وہ باغ سے نکلا اور اپنے گھر کی طرف چل دیا۔

اپنے گھر سے کچھ دور عاصم کو مردوں اور عورتوں کی چیخ پکار سنائی دی۔ اور اُس نے دیکھا کہ مکان کے ایک کونے سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ وہ چند ثانیئے سکتے کے عالم میں کھڑا رہا اور پھر بڑی تیزی سے بھاگتا ہوا مکان کے صحن میں داخل ہوا۔ وہاں مردوں اور عورتوں کا ہجوم کھڑا تھا۔ باہر کی دیوار سے ملحق ایک چھپر قریباً جل چکا تھا۔ ملبے کے ڈھیر سے کہیں کہیں شعلے اٹھ رہے تھے اور چند آدمی وہاں پانی ڈال رہے تھے۔

"کیا ہوا؟ یہ آگ کیسے لگی؟" عاصم نے ایک آدمی کو پکڑ کر اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

اُس نے جواب دیا۔ "مجھے معلوم نہیں! میں ابھی آیا ہوں۔"

عاصم نے اُسے چھوڑ کر دوسرے آدمی کو اپنی طرف متوجہ کیا، لیکن وہ بھی کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ "تم اپنے چچا سے کیوں نہیں پوچھتے وہ زخمی ہونے کے بعد چیخ چیخ کر تمہیں بلا رہا تھا۔"

یہ منذر تھا۔ عاصم اُس کی طرف توجہ دینے کی بجائے ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ ہبیرہ اپنے کمرے کے دروازے کے سامنے چٹائی پر لیٹا ہوا تھا۔ سعاد، اُس کی ماں، سالم اور چند قریبی رشتہ دار اُس کے پاس بیٹھے تھے۔ ہبیرہ کے سینے اور سعاد کے بازو پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

"چچا کیا ہوا؟" عاصم نے مضطرب ہو کر سوال کیا۔

ہبیرہ نے جواب دینے کی بجائے عاصم کی طرف دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ سعاد اور اُس کی ماں جو سسکیاں لے رہی تھیں، عاصم کو دیکھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"تم کہاں تھے؟" قبیلے کی ایک معمر عورت نے عاصم سے سوال کیا۔

لیکن عاصم اُسے جواب دینے کی بجائے سعاد کی طرف متوجہ ہوا۔ "سعاد تم بھی زخمی ہو۔ بتاؤ! کیا ہوا؟"

سعاد نے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے جواب دیا۔ "کچھ نہیں! بھائی جان! میرا زخم معمولی ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ میں زندہ ہوں کاش! دشمن کا تیر میرے دل پر لگتا۔"

منذر نے آگے بڑھ کر کہا۔ "بیٹی! ایسی باتیں نہ کرو۔ تمہارے عم زاد کا دل بہت نرم ہے۔"

عاصم نے مڑ کر اُس کی طرف دیکھا اور خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اچانک اُس کی نگاہ اپنے ایک نوکر پر پڑی اور اُس نے چلا کر پوچھا۔ "تم کیوں خاموش ہو مجھے بتاتے کیوں نہیں کہ ہمارے گھر پر کس نے حملہ کیا ہے؟"

اُس نے جواب دیا۔ "جناب! ہم جانوروں کا شور سن کر بیدار ہوئے تو اصطبل میں آگ لگی ہوئی تھی۔ ہم نے پانچ بکریوں کے سوا باقی تمام جانور نکال لئے لیکن آگ پر قابو پانا مشکل تھا۔ آپ کے چچا باہر نکلے تو دیوار کے اوپر سے تیروں کی بوچھاڑ آئی اور یہ زخمی ہو گئے۔ اِس کے بعد سعاد اور سالم آگے بڑھے۔ سالم بچ گیا لیکن سعاد زخمی ہو گئی۔ پھر حملہ آور جنہوں نے دیوار پر چڑھ کر تیر چلائے تھے دوسری طرف کود کر بھاگ گئے۔ ہم نے ان کا پیچھا کیا تو وہ ہمارے باغ سے نکل کر گھوڑوں پر سوار ہو چکے تھے۔ صرف ایک آدمی پیدل تھا۔ ہم نے دُور تک اُس کا تعاقب کیا لیکن اُس کی رفتار ہم سے تیز تھی۔ عباد نے ہمیں حکم دیا کہ تم گھر جا کر زخمیوں کی دیکھ بھال کرو، میں اِس کا پیچھا کرتا ہوں، چنانچہ ہم واپس آ گئے۔"

"تم اُن میں سے کسی کو پہچان نہیں سکے؟"

"نہیں! انہوں نے اپنے چہروں پر نقاب ڈال رکھے تھے۔"

"اور وہ آدمی جو پیدل تھا اُس کے چہرے پر بھی نقاب تھا۔"

"ہاں ——!"

عاصم نے کہا۔ "چچا جان! میں آپ کا انتقام لوں گا۔ آپ کا زخم زیادہ گہرا تو نہیں۔"

ہبیرہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور زخم کی تکلیف کے باوجود اُس کی آنکھیں مسرت سے چمکنے لگیں۔ اُس نے کہا۔ "نہیں! میں نے اپنے ہاتھ سے تیر نکال کر پھینک دیا تھا۔ ہمارے دشمنوں کو کمان پکڑنی بھی تو نہیں آتی۔"

سعاد نے کہا۔ "اخی! دشمن اب میرے خون کے چند قطرے بھی گرا چکا ہے۔ اور میرے لئے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی کہ میرا انتقام آپ کے سوا کوئی اور لے۔"

"تم اطمینان رکھو سعاد! انہیں تمہارا خون بہت مہنگا پڑے گا۔" عاصم یہ کہہ کر ادھر ادھر دیکھنے کے بعد اپنے

غلام کو آوازیں دینے لگا۔ "عباد! عباد!"

ہبیرہ نے جواب دیا "عباد یہاں نہیں ہے۔ وہ واپس آتے ہی قبیلے کے چند آدمیوں کے ساتھ چلا گیا تھا۔ سالم، اور منذر کے بیٹے بھی اُس کے ساتھ گئے ہیں۔"

"کہاں گئے ہیں؟" عاصم نے بے چین ہو کر سوال کیا۔

منذر نے جواب دیا "وہ حملہ کرنے والوں کا سراغ لینے گئے ہیں۔ عباد اُن کا گھر دیکھ کر واپس آیا تھا۔ اور اگر انتقام کے متعلق تمہارا ارادہ تبدیل نہیں ہو گیا تو میں تمہیں بتا سکتا ہوں عباد بھاگنے والے دشمن کا پیچھا کرتا ہوا جس گھر تک پہنچا تھا وہ عدی کا گھر تھا۔"

ایک ثانیے کے لئے عاصم کے خون کا ہر قطرہ منجمد ہو کر رہ گیا۔ پھر اچانک اُس کے دل کی حرکت تیز ہونے لگی۔ وہ بھاگ کر کمرے میں داخل ہوا۔ وہاں سے گھوڑے کی لگام اٹھائی۔ باہر نکلا اور آن کی آن میں ہجوم کو چیرتا ہوا صحن کے اُس کونے میں پہنچ گیا جہاں دوسرے جانوروں کے ساتھ اُس کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ پھر جب گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی تو ہبیرہ نے غرور سے اپنا سر بلند کرتے ہوئے منذر کی طرف دیکھا اور کہا "دیکھ لیا تم نے میرے بھائی کے بیٹے کو؟"



جس وقت عاصم اپنے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر عدی کے مکان کا رخ کر رہا تھا، شمعون انتہائی بے چینی کی حالت میں اپنے کمرے کے اندر ٹہل رہا تھا اور اُس کا غلام سہمی ہوئی نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شمعون اچانک رُک کر اُس کی طرف متوجہ ہوا "تمہیں یقین ہے کہ وہ عاصم تھا؟"

"جی ہاں! میں نے اُسے چاند کی روشنی میں اچھی طرح دیکھا تھا۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ عدی کے باغ میں کیا کر رہا تھا۔"

شمعون نے جھنجھلا کر کہا "وہ عدی کے باغ میں کھجوریں چرانے نہیں گیا تھا، بیوقوف! وہ اپنے چچا کے اصرار پر اُسے قتل کرنے گیا ہوگا۔ کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ یہ آگ خود بخود بھڑک اٹھے گی اور مجھے پھونکیں مارنے کی ضرورت

نہیں۔ اب تم نے میرے لئے ایک ایسی مصیبت کھڑی کر دی ہے جس سے نجات حاصل کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔"

"جناب! میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے آپ نے کہا تھا کہ اگر کوئی تعاقب کرے تو میں اُسے عدی کے باغ تک ضرور لے جاؤں۔"

"لیکن بدمعاش! تم یہ کہتے تھے کہ یثرب میں تم سے زیادہ تیز بھاگنے والا کوئی نہیں۔ پھر اُس نے تمہیں کیسے پکڑ لیا؟"

"جناب! میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔ میرا پیچھا کرنے والا آدمی میری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ میں نے کئی بار اِس خیال سے اپنی رفتار کم کی تھی کہ وہ کہیں مایوس ہو کر میرا پیچھا کرنا نہ چھوڑ دے لیکن عدی کے باغ میں پہنچ کر مجھے یہ کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ عاصم میرے قریب چھپا ہوا ہے اور وہ اچانک میری گردن دبوچ لے گا۔"

شمعون نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سوال کیا "عاصم نے تمہیں پہچان لیا تھا؟"

"جی ہاں اُس نے میرے چہرے سے نقاب نوچتے ہی یہ کہا تھا کہ تم شمعون کے غلام ہو۔"

"پھر اُس نے تمہیں چھوڑ دیا؟"

"جی ہاں ——"

"تم بکتے ہو۔ اُس نے یقیناً تم سے یہ پوچھا ہوگا کہ تم اِس وقت عدی کے باغ میں کیوں آئے ہو۔ سچ کہو ورنہ میں تمہاری کھال اُدھیڑ دوں گا۔"

"جی ہاں! اُس نے پوچھا تھا۔"

"پھر تم نے کیا جواب دیا۔"

"جناب! میں نے یہ بہانہ کیا تھا کہ میں ڈاکوؤں کے خوف سے بھاگ رہا ہوں۔ لیکن اُس نے کہا: تم جھوٹ کہتے ہو۔ تم نے اپنے آقا کے ہاں چوری کی ہے اور اُس کے نوکر تمہارا پیچھا کر رہے تھے اور میں نے اپنی جان بچانے کے لئے اُس کا یہ الزام تسلیم کر لیا۔"

شمعون قدرے مطمئن ہو کر بولا "تم نے اپنی ساری زندگی میں یہی ایک عقل کی بات کی ہے۔ اور کل تمہیں

لوگوں کے سامنے چوری کرنے کے الزام میں کوڑے کھانے پڑیں گے۔ تاکہ جو لوگ عاصم سے یہ واقعہ سنیں وہ مطمئن ہو جائیں۔ لیکن میرے لئے عاصم سے جان چھڑانا مشکل ہوگا۔ وہ ایک خطرناک آدمی ہے۔"

"جناب! میں اُسے چند دن کے اندر اندر قتل کر دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ لیکن کوڑے کھانے کے بعد میرا انعام کیا ہوگا؟"

شمعون نے کہا "تمہارا انعام یہ ہوگا کہ کوڑے لگانے والے کو ہدایت کر دی جائے گی کہ وہ بہت زیادہ فرض شناسی سے کام نہ لے ورنہ تم کسی نرمی کے مستحق نہیں ہو۔ اگر تم ایک کارآمد جانور نہ ہوتے تو میں تمہارے دونوں ہاتھ کٹوا ڈالتا۔"

غلام نے کہا "جناب! آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ ہبیرہ کے خاندان کے آدمی اب تک عدی کے مکان پر حملہ کر چکے ہوں گے اور صبح تک اوس و خزرج ایک فیصلہ کن معرکے کے لئے میدان میں نکل آئیں گے۔ پھر شاید آپ کو مجھے کوڑے لگانے کی ضرورت بھی پیش نہ آئے۔ ابھی تک اوس و خزرج میں سے کسی نے ایک دوسرے کے گھر پر حملہ نہیں کیا تھا۔ کل اُن کے جوش و خروش کا یہ عالم ہوگا کہ وہ کسی کی بات سننے کو تیار نہ ہوں گے۔ ہم نے جو آگ لگائی ہے اُسے بجھانا عاصم یا عدی جیسے لوگوں کے بس کی بات نہ ہوگی۔"

باب (۱۰)

عدی صحن میں بھاگتے ہوئے گھوڑے کی آہٹ سن کر گہری نیند سے بیدار ہوا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اُس کے ساتھ ہی دوسرے بستر پر عتبہ سو رہا تھا۔ عدی نے اُس کا بازو جھنجوڑ کر جگایا اور کہا "بیٹا! معلوم ہوتا ہے کوئی گھوڑا کھل گیا ہے۔"

عتبہ نے اٹھ کر کہا "میں دیکھتا ہوں، ابا جان!"

"لیکن بیٹا! خالی ہاتھ مت جاؤ ہو سکتا ہے کہ باہر کوئی چور ہو۔"

عتبہ نے اپنے سرہانے کی کھونٹی میں لٹکی ہوئی تلوار اتاری اور دروازے کی طرف بڑھا۔

پاس ہی نعمان کی آواز سنائی دی "کیا ہے ابا جان؟"

"کچھ نہیں شاید کوئی گھوڑا کھل گیا ہے۔"

عتبہ نے آہستہ سے کنڈی کھولی اور کواڑ کا ایک پٹ کھول کر باہر جھانکنے لگا۔ ایک گھوڑا بدحواسی کی حالت میں ادھر اُدھر بھاگ رہا تھا۔ اور عتبہ کے لئے یہ ایک عجیب سی بات تھی۔ اچانک اُسے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی بھاری چیز صحن میں گری ہے۔ عتبہ باہر نکلا اور اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد گھوڑے کو پچکارتا ہوا آگے بڑھا۔ گھوڑا رک گیا۔ گلے میں اُس کے رسے کا کچھ حصہ لٹک رہا تھا۔ عتبہ نے اُسے پکڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ رسا ٹوٹا نہیں بلکہ کسی تیز چیز سے کاٹا گیا ہے۔ پھر اچانک اُس نے دیکھا کہ گھوڑے کی پچھلی ران میں ایک تیر پیوست ہے اور اُس کی حیرانی اضطراب میں تبدیل ہونے لگی۔ اُس نے جلدی سے تیر نکال کر ایک طرف پھینک دیا اور گھبراہٹ کے عالم میں سب کو آوازیں دینے لگا۔ اصطبل کی طرف سے، دوسرے گھوڑے کی ہنہناہٹ کے سوا، کوئی جواب نہ آیا تو وہ

گھوڑے کو لے کر آگے بڑھا لیکن چند قدم چلنے کے بعد دوبارہ رُک کر نوکروں کو آوازیں دینے لگا۔ اچانک ایک تیر اُس کے بائیں بازو پر آکر لگا اور وہ چیخ مار کر، صحن کے کونے میں، کھجور کے درختوں کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر یکے بعد دیگرے دو تیر آئے ایک اُس کے کندھے میں پیوست ہوگیا اور دوسرا اُس کی گردن کو چھوتا ہؤا نکل گیا۔ وہ ڈاکوڈاکو کہتا ہؤا ایک طرف ہٹا تو اصطبل کی طرف سے پانچ چھ مسلّح آدمی نمودار ہوئے۔ عتبہ نے مڑ کر مکان کے دروازے کا رُخ کیا، لیکن پانچ اور آدمی درختوں والے کونے سے آگے بڑھ کر اُس کا راستہ روک رہے تھے۔ اب خوف کی جگہ اُس کا مدافعانہ شعور بیدار ہوچکا تھا۔ وہ تیزی سے اُلٹے پاؤں، پیچھے ہٹ کر مکان کے آخری کمرے کی دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ یہ سمیرا کا کمرہ تھا اور اس کی ایک چھوٹی کھڑکی صحن میں کھلتی تھی۔ حملہ آوروں نے اپنے چہروں پر نقاب ڈال رکھے تھے اور اُن کی دونوں ٹولیاں عتبہ کے دائیں بائیں چند قدم کے فاصلے پر کھڑی تھیں۔

اچانک عدی، عمیر اور نعمان مکان سے باہر نکلے اور عتبہ کے بائیں جانب کے حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑے۔ عمیر کے پہلے وار سے ایک آدمی زخمی ہوکر گر پڑا اور باقی الٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگے۔ عدی اور نعمان عتبہ کے قریب پہنچ گئے لیکن عمیر دشمن کو پیچھے ہٹاتا ہؤا صحن کی دیوار کے قریب جا چکا تھا۔

عتبہ چلایا۔ "عمیر! عمیر! پیچھے آجاؤ، اُس طرف دشمن کے تیر انداز چھپے ہوئے ہیں۔" عمیر مڑ کر پیچھے بھاگا لیکن یکے بعد دیگرے اُس کے چار تیر لگے اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔

عتبہ چلایا۔ "اباجان! آپ اندر چلے جائیے، یہ بہت زیادہ ہیں۔" اور ساتھ ہی اُس نے پوری شدت کے ساتھ دائیں ہاتھ کی ٹولی پر حملہ کردیا۔ عدی اور نعمان پیچھے ہٹنے کی بجائے بھاگ کر اُس سے جا ملے۔ عدی پوری قوت کے ساتھ چلا رہا تھا۔ "نعمان! تم اندر چلے جاؤ، دروازہ بند کرلو۔" نعمان اُس کا کہنا ماننے کی بجائے سمیرا کو آوازیں دے کر دروازہ بند کرنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ عتبہ کی تلوار ایک آدمی کی گردن پر لگی اور وہ گر کر تڑپنے لگا۔ دوسرے وار میں اُس نے ایک اور آدمی کو زخمی کردیا۔ لیکن اِس کے بعد اُسے حملہ کرنے کا موقع نہ مِلا۔ ایک آدمی کی تلوار اُس کے سر پر لگی اور وہ تیورا کر گر پڑا۔ ایک اور آدمی نے عتبہ پر دوسرا وار کیا لیکن عدی نے اُس کی تلوار اپنی تلوار پر روک لی اور عتبہ اٹھ کر لڑکھڑاتا ہؤا پیچھے ہٹنے لگا۔ اِس عرصہ میں باقی حملہ آور جنہیں عمیر نے بائیں ہاتھ دھکیل دیا تھا اپنے ساتھیوں سے آملے اور اُن کے شدید حملے سے عدی اور نعمان کو بھی پیچھے ہٹنا پڑا۔ عتبہ کا چہرہ اور لباس خون سے تر ہوچکا تھا۔ وہ اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹتے ہٹتے پھر اُسی دیوار سے آلگا۔ عدی اور نعمان نے کچھ دیر حملہ آوروں کو اُس سے دور رکھنے کی کوشش کی لیکن اُن کی پیش نہ گئی۔ ایک آدمی کی تلوار عدی کے سینے پر لگی اور وہ چلایا۔ "نعمان! بھاگ جاؤ اور اندر سے دروازہ بند کرلو اب ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ نعمان میرا کہنا مانو۔ ابھی ہمارے قبیلے کے لوگ آگئے تو تمہاری جان بچ جائے گی۔ اب تک ہمارے نوکر انہیں خبردار کرچکے ہوں گے۔"

اپنی مہم کی کامیابی یقینی سمجھنے کے بعد، حملہ آوروں کا جوش و خروش قدرے کم ہوچکا تھا اور وہ مزید نقصان اٹھائے بغیر انہیں تنگ گھیرے میں لینے کی کوشش کررہے تھے۔

ایک آدمی نے کہا۔ "اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے نوکر تمہارے قبیلے کے آدمیوں کو خبردار کرنے کے لئے بھاگ گئے ہیں تو تم غلطی پر ہو۔ ہم نے آتے ہی اُن کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تھے۔ ہمارے دو آدمی ننگی تلواریں لئے اُن کے سر پر کھڑے ہیں۔ اور تمہاری آواز تمہارے قبیلے کے کسی گھر تک نہیں پہنچ سکتی۔ وہ یہاں سے بہت دُور ہیں اب تمہارے لئے ہتھیار پھینک دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

"ٹھہرو! تم جانتے ہو کہ اب ہمارے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔" عدی نے یہ کہہ کر دیوار سے پیٹھ لگا دی اور حملہ آوروں نے اپنے ہاتھ روک لئے۔

عدی نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "اگر تمہیں گھوڑوں کی ضرورت ہو تو لے جاؤ۔ لیکن ہم پر رحم کرو، ہم نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔"

ایک آدمی نے کہا۔ "احمقو! تم کیا سوچ رہے ہو انہیں جلدی ختم کرو۔"

عتبہ جو گردن جھکائے کھڑا بار بار اپنی پیشانی سے خون پونچھ رہا تھا چلّایا۔ "اباجان! آپ ان سے رحم کی درخواست نہ کیجئے ابھی میں زندہ ہوں۔" اور یہ کہہ کر اُس نے ایک غیر معمولی شدت کے ساتھ دشمن پر حملہ کردیا۔ یہ حملہ جس قدر شدید تھا اُسی قدر غیر متوقع تھا۔ عتبہ پے درپے دائیں بائیں اور سامنے وار کرتا ہوا آگے بڑھا اور وہ پیچھے بھاگنے لگے۔ لیکن یہ ایک دم توڑتے ہوئے آدمی کا اندھا جوش تھا۔ انہوں نے چند قدم پیچھے ہٹنے کے بعد پلٹ کر حملہ کیا۔ چشم زدن میں بیک وقت کئی تلواریں عتبہ کے جسم میں اتر گئیں اور وہ زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ عدی اور نعمان آگے بڑھے لیکن عدی چند قدم اٹھانے کے بعد منہ کے بل گر پڑا اور نعمان کے پاؤں زمین میں پیوست ہوکر رہ گئے وہ جھک

کر اپنے باپ کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ چند قدم دور عتبہ کی لاش ٹھنڈی ہو چکی تھی لیکن حملہ آور ابھی تک بے تحاشا اُس پر تلواریں برسا رہے تھے۔ اچانک کونے کے کمرے سے نسوانی چیخیں سنائی دیں اور اس کے ساتھ ہی عتبہ کی لاش مسخ کرنے والوں میں سے ایک آدمی چیخ مار کر گر پڑا۔ حملہ آور ششدر ہو کر ادھر ادھر دیکھ رہے تھے کہ دریچے سے دوسرا تیر آیا اور ایک آدمی اور زخمی ہو کر زمین پر آ رہا۔ وہ بدحواس ہو کر بھاگے اور آن کی آن میں دیوار کے قریب پہنچ گئے۔ چند آدمی کھجوروں کے پیچھے چھپ گئے۔ چند دیوار پھاند کر دوسری طرف کود گئے اور باقی صحن کے کھلے پھاٹک سے باہر نکل گئے۔

سمیرا کھڑکی سے سر نکال کر چلائی۔ "نعمان جلدی کرو، ابا جان کو اندر لے آؤ"۔ نعمان نے عدی کو اٹھا کر سہارا دیا۔ اور وہ درد سے کراہتا اور لڑکھڑاتا ہوا اُس کے ساتھ چلنے لگا۔ لیکن دروازے کے قریب پہنچ کر اُس کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ بولا۔ "نعمان! مجھے یہیں چھوڑ دو اور اپنی جان بچانے کی فکر کرو۔ جاؤ قبیلے کے لوگوں کو خبردار کرو۔"

اُس نے کہا۔ "میں آپ کو اور سمیرا کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ فوراً ایک حملہ اور کریں گے۔"

سمیرا دروازہ کھول کر باہر نکلی اور یہ دونوں عدی کو سہارا دے کر اندر لے گئے اور اُسے بستر پر لٹا کر دروازہ بند کر دیا۔ عدی اپنی رہی سہی قوت بروئے کار لاتے ہوئے چلایا۔ "نعمان! اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو ہم مکان کے اندر چوہوں کی طرح مارے جائیں گے۔ اگر انہوں نے دوبارہ حملہ کیا تو انہیں دروازہ توڑنے یا مکان کو آگ لگانے میں دیر نہیں لگے گی۔ تم مغرب کی طرف سے دیوار پھاند کر باہر جا سکتے ہو۔ اگر تم قبیلے کے لوگوں کو خبردار کر سکو تو ممکن ہے وہ ہماری مدد کو پہنچ جائیں۔ نعمان! وقت ضائع نہ کرو، میں تمہیں منات کا واسطہ دیتا ہوں۔ یہ میری آخری التجا ہے اسے رد نہ کرو۔"

سمیرا نے کہا۔ "نعمان جاؤ! میں کھڑکی سے تیر چلا کر انہیں اپنی طرف متوجہ رکھتی ہوں۔"

عدی کا گھر آبادی سے بالکل الگ اور چاروں طرف سے باغوں میں گھرا ہوا تھا۔

نعمان کو یقین تھا کہ واپس آ کر اپنے باپ اور سمیرا کو زندہ نہیں پائے گا تاہم حملہ آوروں سے بچنے کی اگر کوئی صورت تھی تو وہ یہی تھی کہ کسی طرح قبیلے کے لوگوں کو خبردار کر دیا جائے۔

اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ابا جان، کاش! مجھے آپ یہ حکم نہ دیتے۔" اور پھر کسی توقف کے بغیر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ سمیرا نے جلدی سے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی اور بھاگ کر دوسری طرف کھڑکی کے سامنے

جا کھڑی ہوئی۔ صحن میں مکمل سکوت تھا لیکن سمیرا کو یہ سکوت لڑائی کے ہنگامے سے زیادہ خوفناک محسوس ہوتا تھا۔ سامنے بیرونی دیوار کے قریب کھجور کے گھنے درختوں کے سائے میں چند آدمیوں کی موجودگی کا شبہ ہوتا تھا اور ہر لحظہ اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔

نعمان کمرے سے باہر نکلتے ہی مغربی دیوار کے ساتھ ساتھ بھاگتا ہوا کھجور کے ایک درخت کے قریب پہنچا تو یکے بعد دیگرے دو سنسناتے ہوئے تیر اُس کے قریب سے گزر گئے اور ساتھ ہی حملہ کرنے والوں کی چیخ پکار سنائی دینے لگی۔ "اُسے پکڑو، مارو، روکو، وہ دوسری طرف سے بھاگنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

نعمان نے انتہائی پھرتی سے کھجور پر چڑھ کر ایک پاؤں دیوار پر رکھا اور کسی توقف کے بغیر باہر چھلانگ لگا دی۔ چند آدمی شور مچاتے ہوئے آگے بڑھے لیکن دریچے سے سمیرا نے تیر چلایا اور ایک آدمی زخمی ہو کر دہائی دینے لگا۔ "آگے مت جاؤ تم سب بیوقوف ہو، یہ مکان آدمیوں سے بھرا ہوا ہے۔"

حملہ آور دوبارہ بھاگ کر درختوں کے سائے میں چلے گئے۔ چند ثانیے بعد ایک آدمی اپنے ساتھیوں کو سمجھا رہا تھا۔ "اب تم کیا سوچ رہے ہو۔ اُن کا ایک آدمی دیوار پھاند کر باہر نکل گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ عدی کا تیسرا لڑکا تھا۔ اب تمہیں اس بات کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ اپنا سارا قبیلہ جمع کر کے یہاں لے آئے۔ اب ہمیں اپنی فکر کرنی چاہیئے۔ چلو!"

لیکن دوسرے آدمی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "نہیں، ہرگز نہیں! یہاں میرے بھائی کی لاش پڑی ہے اور میں منات کی قسم کھاتا ہوں کہ اُس کا انتقام لئے بغیر نہیں جاؤں گا۔ اگر تم اس قدر بزدل تھے تو تمہیں ہمارے ساتھ نہیں آنا چاہیئے تھا۔"

"بزدل تم ہو جو اپنے بھائی کی لاش چھوڑ کر باغ میں جا چھپے تھے اگر تم بھیڑوں کی طرح نہ بھاگتے تو ہمارے لئے مکان کا دروازہ توڑنا کچھ مشکل نہ تھا۔"

تیسرے آدمی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھو اب صبح ہونے والی ہے اور تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ عدی زخمی ہے اور وہ لڑنے کے قابل نہیں رہا۔ اگر اُس کا لڑکا بھاگ گیا ہے تو اب اس کمرے میں عدی کی لاش اور لڑکی کے سوا اور کوئی نہیں اور یہ کتنے شرم کی بات ہے کہ ہم اُس کے تیروں کے خوف سے بھیڑوں کی طرح

بھاگ رہے ہیں۔ اگر ہمت ہے تو میرے ساتھ آؤ!"

"چلو! چلو!"

وہ درختوں کے سائے سے نکل کر بھاگتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھے۔ سمیرا کے تیر سے ایک آدمی زخمی ہؤا لیکن باقی اُس کی زد سے نکل کر دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔ سمیرا نے جلدی سے دریچہ بند کیا اور بھاگ کر عدی کے قریب آگئی۔ کسی نے دروازے کو دھکا دیتے ہوئے کہا "عدی! باہر نکل آؤ ورنہ ہم مکان کو آگ لگا دیں گے۔"

سمیرا نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا "ابا جان! اب ہم کچھ نہیں کر سکتے، ہمارا آخری وقت آگیا ہے۔ اب شاید قبیلے کے لوگ ہماری لاشیں بھی نہ دیکھ سکیں۔ کاش ہمارا گھر آبادی سے اس قدر دور نہ ہوتا۔"

باہر سے آواز آئی "عدی! تم آگ میں جلنے سے پہلے اپنے بیٹوں کی لاشیں نہیں دیکھو گے؟"

عدی نے کہا "میں تمہیں آگ لگانے سے نہیں روک سکتا لیکن یاد رکھو اِس آگ کے شعلے میرے گھر تک محدود نہیں رہیں گے۔ اوس اور خزرج نے ہمیشہ مردوں کی طرح ایک دوسرے کو میدان میں للکارا ہے۔ بزدلوں اور چوروں کی طرح رات کے وقت کسی کے گھر پر حملہ نہیں کیا۔"

"مظلوم نہ بنو، عدی! کیا تم نے رات کے وقت ہمارا گھر جلانے کی کوشش نہیں کی؟"

"میں لات، منات، ہبل اور عزیٰ کی قسم کھاتا ہوں، میں ابراہیمؑ کے خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے کسی کے گھر کو آگ نہیں لگائی۔ تم کون ہو؟"

"میں سالم ہوں —— ہبیرہ کا بیٹا! اب تم ہمارے ہاتھ سے نہیں بچ سکتے۔"

ایک آدمی نے کہا "سالم! ہمیں اِس سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ ابھی باہر آجائیں گے۔ تم کیا دیکھ رہے ہو، اِس دروازے کے سامنے سوکھی گھاس جمع کر کے آگ لگا دو، جلدی کرو!"

عدی چلایا "تم میری جان لینا چاہتے ہو؟"

باہر سے جواب آیا "تمہیں اب بھی اِس میں شبہ ہے۔"

عدی نے کہا "اہلِ یثرب دوسرے قبائل کی طرح لڑکیوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے، اگر تم وعدہ کرو کہ میری لڑکی کو کچھ نہیں کہو گے تو میں اپنے آپ کو تمہارے حوالے کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"تمہارا تیسرا لڑکا بھاگ گیا ہے؟"

"ہاں! لیکن تمہیں یہ کہنے کا موقع نہیں ملے گا کہ وہ بزدل ہے۔ وہ بہت جلد واپس آئے گا اور میرا پورا قبیلہ اُس کے ساتھ ہوگا۔ تمہیں یہ اچھی طرح سوچ لینا چاہیئے کہ میری بیٹی پر ہاتھ اٹھانے کے بعد تمہارے اپنے گھر کب تک محفوظ رہیں گے۔ میرے دو بیٹوں کی لاشیں باہر پڑی ہیں اور اب مجھے اپنی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں تم اگر میرے خون سے ہاتھ رنگ کر مطمئن ہو سکتے ہو، تو میں باہر آنے کو تیار ہوں لیکن صرف اِس شرط پر کہ تم ایک بے بس لڑکی پر ہاتھ نہیں اٹھاؤ گے اگر تم یہ وعدہ نہیں کر سکتے تو ہمیں آگ میں جلنا منظور ہے —— تم میرے گھر کو آگ لگانے کا شوق پورا کر لو لیکن یاد رکھو کہ یہ آگ اُس وقت تک نہیں بجھے گی جب تک کہ یثرب کی ساری وادی راکھ کا ڈھیر نہ بن جائے۔"

کچھ دیر باہر سے کوئی جواب نہ آیا۔ سمیرا دروازے کی ایک دراڑ سے صحن کی طرف دیکھ رہی تھی۔ حملہ آور دروازے کے سامنے گھاس اور کھجور کے سوکھے پتوں کا ڈھیر لگا چکے تھے۔ ایک آدمی جس کے ہاتھ میں گھاس کی مشعل تھی آگے بڑھا لیکن دوسرے نے جلدی سے آگے بڑھ کر اُس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا "ٹھہرو! مجھے اس سے بات کر لینے دو!"

"اب ہمارے پاس باتوں کے لئے وقت نہیں۔" تیسرا آدمی یہ کہہ کر آگے بڑھا اور اُس نے پہلے آدمی کے ہاتھ سے مشعل چھین کر گھاس کے ڈھیر پر پھینک دی۔

سوکھے ایندھن میں آگ کے شعلے بھڑکنے لگے لیکن ایک اور آدمی نے بھاگ کر گھاس کا گٹھا اٹھایا اور دروازے سے چند قدم دور پھینکتے ہوئے کہا "تم ایک ایسی برائی کا دروازہ کھول رہے ہو جسے ختم کرنا ہمارے بس کی بات نہ ہوگی۔" پھر اُس نے بلند آواز میں کہا "عدی! ہم تمہیں ایک بہادر آدمی کی طرح مرنے کا موقع دینا چاہتے ہیں۔ ہمیں آگ لگانے پر مجبور نہ کرو۔ اگر تم باہر نکل آئے تو ہم تمہاری لڑکی کو کچھ نہیں کہیں گے۔ لیکن اگر اُس نے دروازہ کھلنے پر تیر چلانے کی کوشش کی تو اُس کا انجام تمہارے بیٹوں کے انجام سے زیادہ عبرتناک ہوگا۔"

عدی بستر سے اٹھ کر لڑکھڑاتا ہؤا آگے بڑھا اور سمیرا کو ایک طرف ہٹا کر دروازے کی دراڑ سے باہر جھانکنے لگا گھاس اور کھجور کے سوکھے پتوں کا گٹھا جسے دروازے سے چند قدم دور پھینک دیا گیا تھا جل رہا تھا اور آگ کے شعلے ہر لحظہ بلند ہو رہے تھے۔ عدی نے کہا "ٹھہرو! میں باہر آرہا ہوں۔"

سمیرا اُس سے چمٹ کر چلائی "نہیں نہیں، ابا جان! آپ اِس طرح میری جان نہیں بچا سکتے۔"

عدی نے کہا "سمیرا۔ میرے باہر نکلتے ہی تم دروازہ بند کر لینا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ آگ لگانے کی جرأت نہیں کریں گے۔ انہیں معلوم ہے کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے۔"

سمیرا دوبارہ چلائی۔ "ابا جان! میں بھی آپ کے ساتھ مروں گی۔"

"سمیرا! بیوقوف نہ بنو، مجھے چھوڑ دو۔" عدی نے اپنی ساری قوت بروئے کار لاتے ہوئے اُسے ایک طرف دھکیل دیا اور کنڈی کھول کر باہر نکل آیا۔ اُس کا لباس خون میں لتھڑا ہوا تھا۔ حملہ آور ایک نصف دائرے میں اُس کی طرف بڑھے۔ اُن کی تلواریں آگ کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ عدی دروازے کے قریب دیوار سے پیٹھ لگا کر کھڑا ہو گیا۔ حملہ آور اب کسی بیتابی کا مظاہرہ کرنے کی بجائے، انتہائی اطمینان سے تلواریں بلند کئے، آگے بڑھ رہے تھے لیکن تین آدمی چند قدم پیچھے کھڑے رہے۔

منذر کے بیٹے مسعود نے اُن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کیا تمہاری تلواروں کو عدی کا خون پسند نہیں۔ آؤ ہم ایک ساتھ وار کریں گے۔"

ایک آدمی نے جواب دیا "ہم اپنی تلواروں کی پیاس بجھانے کے لئے خزرج کے جوانوں کا خون پسند کرتے ہیں۔ ہمیں ایک زخمی، ضعیف اور نہتے آدمی کے خون سے ہاتھ رنگنا پسند نہیں۔ تم جلدی سے اپنا کام ختم کرو۔ اب صبح ہو رہی ہے۔"

اچانک سمیرا ہاتھ میں تلوار لئے، کمرے سے باہر نکلی اور پلک جھپکتے میں اپنے باپ اور حملہ آوروں کے درمیان آ کھڑی ہوئی۔

عدی چلایا "سمیرا! تم اندر چلی جاؤ۔ سمیرا! سمیرا!" اُس کی آواز حملہ آوروں کی چیخوں اور قہقہوں میں گم ہو کر رہ گئی اور وہ نڈھال ہو کر گر پڑا۔

جابر نے اپنے ساتھیوں سے کہا "ٹھہرو! تم ایک طرف ہٹ کر تماشا دیکھو۔"

وہ رک گئے۔ جابر نے سمیرا پر چند وار کئے اور وہ اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگی۔ اچانک اُس کا پاؤں عدی کے جسم سے لگا اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑی۔ جابر نے ایک قہقہہ لگایا اور آگے بڑھ کر تلوار کی نوک اُس کی آنکھوں کے سامنے کر دی۔

ایک آدمی چلایا "جابر! ہم نے عدی سے وعدہ کیا تھا کہ ہم اُس کی لڑکی پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔"

"میں نے کوئی وعدہ نہیں کیا" جابر نے تلوار کی نوک ذرا اور آگے کرتے ہوئے کہا۔ سمیرا نے اپنی گردن ایک طرف کر لی تو جابر نے بھی اپنی تلوار کی نوک اُسی طرف پھیر دی۔

ایک آدمی چلایا "باہر باغ کی طرف سے گھوڑے کی ٹاپ سنائی دے رہی ہے کوئی آ رہا ہے۔ یہاں سے بھاگو!" وہ بدحواس ہو کر پھاٹک کی طرف دیکھنے لگے۔

ایک آدمی نے کہا "تم بدحواس کیوں ہو گئے، راستے میں ہمارے ساتھی پہرا دے رہے ہیں۔ اگر اس طرف آنے والا کوئی دشمن ہوتا تو وہ نقارہ بجا کر ہمیں خبردار کر دیتے۔"

جابر کی بدحواسی سے سمیرا کو اٹھنے کا موقع مل گیا اور اُس نے اچانک اُس پر حملہ کر دیا۔ اب جابر پیچھے ہٹ رہا تھا اور وہ پے در پے اُس پر وار کر رہی تھی۔

مسعود چلایا "تم کیا دیکھ رہے ہو؟ یہ عورت نہیں کوئی چڑیل ہے" یہ کہہ کر اُس نے پہلو سے حملہ کر دیا۔ سمیرا بائیں کندھے پر ایک گہرا زخم کھا کر ایک طرف ہٹی لیکن جابر نے ایک سیدھا وار کیا اور اُس کی تلوار کی نوک اُس کے سینے میں اتر گئی۔ وہ آگ کے الاؤ کے پاس گر پڑی۔ صحن میں تھوڑی دیر کے لئے ایک سناٹا چھا گیا۔

ایک آدمی نے حقارت آمیز لہجے میں کہا "منذر کے بیٹوں نے پہلی بار اپنی تلواروں کو آزمایا ہے۔ اور وہ بھی ایک لڑکی کے جسم پر۔ ورنہ اب تک اِس لڑائی میں ان کی حیثیت دور کے تماشائیوں کی سی تھی۔" اور منذر کے بیٹے خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

عدی اپنی جگہ سے اٹھ کر لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا، ڈگمگایا، گرا اور دوبارہ اٹھنے کی ایک ناکام کوشش کے بعد رینگتا ہوا سمیرا کے قریب پہنچ گیا۔

"سمیرا! سمیرا! میری مظلوم بیٹی۔" وہ اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا ——— اُسے اپنے سینے سے لگا کر بھینچ رہا تھا۔ پھر اُس نے آگ کی روشنی میں سمیرا کے خون سے بھیگا ہوا ہاتھ اٹھا کر دیکھا اور پوری قوت کے ساتھ چلایا "وحشیو! درندو! اب تم کس بات کا انتظار کر رہے ہو۔ مجھے قتل کیوں نہیں کرتے۔ تم سمیرا سے ڈرتے تھے لیکن اب وہ میری حفاظت کے لئے تلوار نہیں اٹھائے گی۔"

مسعود چلایا "تم کیا دیکھ رہے ہو اسے ختم کرو۔" لیکن اُس کے ساتھی اُس کے حکم کی تعمیل کرنے کی بجائے تذبذب اور پریشانی کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہ لوگ جو تھوڑی دیر قبل عدی کے خون کے پیاسے تھے، اپنے سامنے ایک لڑکی کی لاش دیکھ کر خوف زدہ نظر آتے تھے۔ بدوی قبائل کی لڑائیوں میں اِس قسم کے واقعات ایک عام بات تھی لیکن یثرب کے نسبتاً مہذب لوگوں کے نزدیک ایک لڑکی کا قتل ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ اِس کے علاوہ گھوڑے کی ٹاپ اب بہت قریب سنائی دے رہی تھی اور وہ عدی سے زیادہ دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ایک آدمی نے کہا "جابر، مسعود! تم اطمینان سے ان لاشوں پر تیغ زنی کی مشق کر سکتے ہو۔ یہ سوار تنہا ہے اور اگر وہ دشمن ہوا تو بھی تمہارے لئے کوئی خطرہ نہیں۔ ہم خطرے کے وقت تمہاری حفاظت کر سکیں گے۔ منات کی قسم! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تمہارا مقصد ایک لڑکی کو موت کے گھاٹ اتارنا ہے تو میں تمہارا ساتھ نہ دیتا۔ اب نہ معلوم یثرب میں کتنی مائیں اور بہنیں قتل کی جائیں گی۔"

سرپٹ سوار صحن میں داخل ہوا اور اُن کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے کود پڑا۔ یہ عاصم تھا۔

سالم نے آگے بڑھ کر اُس کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا "اخی! ہم ان سے انتقام لے چکے ہیں۔ یہ عدی ہے اور اِس کے دو بیٹوں کی لاشیں بھی صحن میں پڑی ہوئی ہیں۔ یہ وہ لڑکی ہے، جس نے جابر پر حملہ کیا تھا۔ آپ کہاں تھے؟"۔ عاصم نے آگے بڑھ کر الاؤ کے قریب ایک دلخراش منظر دیکھا اور چند ثانیئے سکتے کے عالم میں کھڑا رہا۔ پھر وہ اُس کی لاش کے قریب بیٹھ گیا اور اُس کا سر اپنی گود میں لے کر چلایا "سمیرا! سمیرا! میری طرف دیکھو، مجھ سے بات کرو، میں تمہارا عاصم ہوں۔" لیکن سمیرا کے پاس اُس کی التجاؤں کا کوئی جواب نہ تھا۔ اور عاصم کی آواز سسکیوں میں تبدیل ہو رہی تھی۔

عدی نے درد سے کراہتے ہوئے اپنی گردن اٹھائی اور کہا "عاصم! تم بہت دیر سے آئے، سمیرا اب ادی طرف نہیں دیکھے گی، اُسے عمیر اور غلبہ نے اپنے پاس بلا لیا ہے۔"

جابر نے آگے بڑھ کر اپنی تلوار بلند کرتے ہوئے کہا "عمیر اور عتبہ تمہیں بھی اپنے پاس بلا رہے ہیں۔ کاش ارح تمہارے قبیلے کے ہر آدمی کو اپنے پاس بلاتے رہیں۔"

عاصم اچانک اپنی جگہ سے اٹھا اور اُس نے پوری قوت سے جابر کو دھکا دے کر ایک طرف گرا دیا اور پھر چشم زدن میں اپنی تلوار نیام سے نکال لی۔

مسعود چلایا۔ "اسے پکڑلو۔ اسے مار ڈالو۔ یہ غدّار ہے" اور یہ کہتے ہی اُس نے عاصم پر حملہ کر دیا۔ عاصم نے اُس کا وار اپنی تلوار پر روکا اور پھر ایک زخمی شیر کی طرح اُس پر جھپٹ پڑا۔ مسعود کو چند قدم پیچھے دھکیلنے کے بعد اُس نے پوری قوت کے ساتھ ایک وار کیا اور مسعود کی لاش زمین پر تڑپنے لگی۔ جابر نے اٹھ کر عقب سے وار کرنے کی کوشش کی لیکن عدی چلایا۔ "عاصم! پیچھے دیکھو!" عاصم نے مڑ کر دیکھا تو وہ جابر کی تلوار کی زد میں آچکا تھا۔ اُس نے اچانک ایک طرف جست لگا دی۔ جابر کی تلوار کی نوک زمین پر جا لگی، اس کے ساتھ ہی عاصم نے ایک بھرپور ہاتھ مارا اور جابر کی تلوار عاصم کی تلوار سے ٹکرانے کے بعد، اُس کے ہاتھ سے نکل کر، چند قدم دور جا گری۔ اب عاصم کی تلوار کی نوک اُس کے سینے پر تھی۔ جابر الٹے پاؤں پیچھے ہٹتے ہوئے دیوار سے جا لگا۔

سالم نے بھاگ کر عاصم کا بایاں بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "اخی! آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ یہ میرے ماموں کا بیٹا ہے۔ یہ جابر ہے آپ مسعود کو قتل کر چکے ہیں۔ اخی! اخی! ہوش میں آئیے۔"

لیکن عاصم نے اپنی تلوار کی نوک جابر کے سینے سے ہٹائے بغیر اپنے بائیں ہاتھ کو جھٹکا دیا اور کمسن لڑکا زمین پر گر پڑا۔

عاصم نے مڑ کر اُن آدمیوں کی طرف دیکھا جو سراسیمگی کی حالت میں یہ ناقابلِ یقین منظر دیکھ رہے تھے۔ اُس نے کہا "سمیرا کو کس نے قتل کیا ہے؟۔ بزدلو! میں پوچھتا ہوں عدی کی معصوم لڑکی کو کس نے قتل کیا ہے؟"

کسی نے جواب نہ دیا۔

عاصم نے جابر کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا "تم بتاؤ! عدی کی بیٹی کو تم نے قتل کیا ہے؟"

جابر چلایا "بھائیو! تم کیا دیکھ رہے ہو، تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ عاصم اپنے ہوش میں نہیں۔ اس پر ابھی تک سری کے جادو کا اثر ہے۔ میری جان بچاؤ ــــــ" لیکن کسی کو آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔

سالم نے دوبارہ اٹھ کر عاصم کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا "اخی! ہم نے اِس لڑکی کی جان بچانے کا وعدہ کیا تھا۔ اُس نے اچانک جابر پر حملہ کر دیا۔ اگر وہ حملہ نہ کرتی تو یہ اُس پر ہاتھ نہ اُٹھاتا۔ اخی! ہوش سے کام

لیجئے۔" عاصم نے اپنا ہاتھ چھڑا کر سالم کے منہ پر ایک تھپڑ مارا اور وہ تیورا کر زمین پر گر پڑا۔ پھر اُس نے جابر کی طرف متوجہ ہو کر گرجتی ہوئی آواز میں کہا "تم نے سمیرا کو قتل کیا ہے؟ کاش! منذر کے دس ہزار بیٹے ہوتے اور میں سمیرا کے خون کے ایک ایک قطرے کے بدلے انہیں قتل کر سکتا۔"

وہ چلایا "عاصم! مجھ پر رحم کرو۔" لیکن عاصم نے اپنے ہاتھ کو جنبش دی اور تلوار کی نوک جابر کے سینے میں اتر گئی۔ وہ گرا عاصم نے ایک جنون کی سی حالت میں پے در پے اُس کی تڑپتی ہوئی لاش پر کئی وار کر دیئے۔

"بھائیو!" ایک آدمی چلایا "تم کیا دیکھ رہے ہو؟ منذر کے دو بیٹے قتل ہو چکے ہیں۔ اب تم واپس کیا منہ لے کر جاؤ گے۔ ہمارے لئے اِس کی بجائے مر جانا بہتر ہے۔ عاصم پاگل ہو چکا ہے۔ اسے پکڑ لو، اسے مار ڈالو، جلدی کرو گھیر ڈالو ورنہ تھوڑی دیر میں خزرج کے تمام آدمی یہاں پہنچ جائیں گے۔" وہ نصف دائرے میں آگے بڑھنے لگے۔ اور سالم ایک طرف ہٹ کر سسکیاں لینے لگا۔

عاصم اچانک ایک طرف جھپٹ پڑا اور اُس کے پہلے ہی وار سے ایک آدمی کی لاش زمین پر تڑپ رہی تھی اور باقی بدحواس ہو کر اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ عاصم صحن کے بیچ میں رک گیا اور اُس نے غصہ سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "بزدلو! میں تمہیں یہ بتانے آیا تھا کہ ہمارے گھر پر شمعون یہودی کے آدمیوں نے حملہ کیا تھا اور عدی کو اِس بات کا علم بھی نہ تھا جب شمعون کے آدمی ہمارے گھر پر حملہ کر رہے تھے میں عدی کے ساتھ اُس کے باغ میں بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن اب باتوں کا وقت گزر چکا ہے، تمہیں صرف لڑنے کا شوق تھا اور میں تمہارا یہ شوق پورا کرنا چاہتا ہوں۔ اب بھیڑوں کی طرح بھاگ کیوں رہے ہو ـــــ آؤ!"

لیکن کسی نے آگے بڑھنے کی جرأت نہ کی۔ اچانک باہر سے نقارے کی آواز سنائی دی اور ایک آدمی چلایا "سنو! ہمارے آدمی نقارہ بجا رہے ہیں۔ دشمن اِس طرف آ رہا ہے۔ بھاگو! جلدی کرو!"

دوسرا آدمی چلایا "ٹھہرو! ہم اپنی لاشیں چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔"

تیسرے نے کہا "پاگلو! اب لاشیں اٹھانے کا کون سا وقت ہے۔ یہ بات تمہیں اس وقت سوچنی چاہیئے تھی جب عدی کا ایک لڑکا اپنے قبیلے کو خبردار کرنے کے لئے یہاں سے بھاگ گیا تھا۔ اب اپنی جانیں بچانے کی فکر کرو۔"

آن کی آن میں صحن خالی ہو گیا لیکن سالم عاصم کے قریب کھڑا رہا۔ عاصم غضب ناک ہو کر چلایا "تم اب کیا دیکھ رہے ہو؟ جاؤ!"

سالم نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا "میں نہیں جاؤں گا۔ میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔"

عاصم نے آگے بڑھ کر اُس کا بازو پکڑ لیا اور اُسے زبردستی کھینچتا ہوا صحن کے دروازے تک لے گیا۔ سالم چلا رہا تھا "اخی! تم مجھے بھی جابر اور مسعود کی طرح قتل کیوں نہیں کر دیتے، اب میں قبیلے کے سامنے کیا منہ لے کر جاؤں گا۔"

عاصم نے اُسے پوری قوت کے ساتھ دروازے سے باہر دھکیل دیا اور وہ چند قدم کے فاصلے پر منہ کے بل جا پڑا۔ پھر وہ جلدی سے اٹھا اور ایک ثانیہ عاصم کی طرف دیکھنے کے بعد بھاگتا ہوا باغ میں روپوش ہو گیا۔

عاصم کچھ دیر بے حس و حرکت کھڑا صحن میں بکھری ہوئی لاشوں کی طرف دیکھتا رہا۔ یہ تمام واقعات اُسے ناقابلِ یقین معلوم ہوتے تھے۔ وہ اپنے دل کو تسلیاں دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ ناممکن ہے سمیرا کو موت نہیں آ سکتی۔ یہ ایک خواب ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سمیرا کو موت آ جائے اور میں زندہ رہوں۔ اچانک اُس نے ایک جھرجھری لی اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا سمیرا کی لاش کی طرف بڑھا۔

"پانی! پانی!" عدی کی نحیف آواز سنائی دی اور وہ بھاگ کر مکان کے دروازے کے قریب ایک مٹکے سے پانی کا کٹورا بھر لایا۔ عدی کو چند گھونٹ پلا کر دوبارہ زمین پر لٹانے کے بعد اُس نے سمیرا کو سہارا دے کر اٹھایا اور پانی کا پیالہ اُس کے منہ کو لگا دیا لیکن پانی سمیرا کے حلق میں جانے کی بجائے اِدھر اُدھر بہہ گیا اور عاصم کے لرزتے ہوئے ہاتھ سے پیالہ گر پڑا۔

"سمیرا، سمیرا!" وہ اُس کی لاش کو اپنے سینے سے بھینچ کر چلایا "میری طرف دیکھو! مجھ سے بات کرو۔ مجھے اس دنیا میں تنہا چھوڑ کر نہ جاؤ۔ سمیرا! میں تمہارا مجرم ہوں۔ کاش! میں یہاں نہ آتا۔ کاش! ہم ایک دوسرے کو نہ دیکھتے۔ کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ ہماری محبت اِس گھر کے لئے جہنم کی آگ بن جائے گی۔"

پھر اُس نے آسمان کی طرف دیکھا اور سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "اے لات! اے ہبل! اے عزیٰ! اے منات! مجھ پر رحم کرو۔ اگر تمہاری آنکھیں ہیں تو میری حالت دیکھو، اگر تمہارے کان ہیں تو میری فریاد

سنو، اگر تم کسی کو کچھ دے سکتے ہو تو میں تم سے سمیرا کی زندگی کی بھیک مانگتا ہوں۔ مہینوں اور برسوں کے لئے نہیں صرف ایک لمحہ کے لئے میری سمیرا مجھے واپس دے دو۔ پھر اسے دنیا کی کوئی طاقت مجھ سے نہیں چھین سکے گی۔ پھر اگر ساری دنیا کے درندے اِس گھر پر حملہ کر دیں تو میں تنہا ان کا مقابلہ کروں گا۔ آسمان کی بے رحم قوتو! تم نے سمیرا کو یہ دیکھنے کا موقع تو دیا ہوتا کہ میں اُس کے لئے اپنے قبیلے سے لڑ سکتا ہوں۔ اے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کے خدا! میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں۔"

عدی اُس کے قریب پڑا، اکھڑے اکھڑے سانس لے رہا تھا اور باہر آدمیوں کی چیخ پکار سنائی دے رہی تھی لیکن عاصم کو اپنے گرد و پیش کا کوئی ہوش نہ تھا۔ وہ بار بار سمیرا کے چہرے کی طرف دیکھتا اور پھر اُس کی لاش کو اپنے سینے سے لپٹا لیتا۔ باہر کی چیخ پکار صحن کے اندر پہنچ چکی تھی لیکن عاصم کو کسی خطرے کا احساس نہ تھا۔

کسی نے بلند آواز میں کہا "تم کیا دیکھ رہے ہو؟ یہ عاصم ہے اسے پکڑ لو، اسے مار ڈالو۔"

لیکن عاصم اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اُس نے بے اعتنائی سے اپنے گرد گھیرا ڈالنے والوں کی طرف دیکھا، اور گردن جھکا لی۔

کسی نے کہا "نعمان، سب سے پہلے تمہیں وار کرنے کا حق ہے۔" نعمان نے آگے بڑھ کر تلوار بلند کی لیکن عدی جو بظاہر اپنا سفرِ حیات ختم کر چکا تھا، اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ عاصم کے سر پر تان دیئے اور چلایا۔ "نہیں، نہیں! اسے کچھ نہ کہو۔ اِس نے ہماری خاطر منذر کے بیٹوں کو قتل کیا ہے ــــــ اب یہ تمہاری پناہ میں ہے ــــــ نعمان میری آخری خواہش یہ ہے کہ تم........ عاصم کو اپنا دوست سمجھو ــــــ بھائیو! عاصم میرے بیٹوں کا انتقام لے چکا ہے، اب تمہیں تلواریں اٹھانے کی ضرورت نہیں۔" عدی نے یہاں تک کہہ کر ایک جھرجھری لی اور ایک طرف گر پڑا۔

نعمان نے اپنی تلوار پھینک دی اور آگے بڑھ کر اُس کا سر اپنی گود میں لے لیا۔

"ابا جان! ابا جان!" اُس نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔

عدی نے جواب دینے کی بجائے چند اکھڑے اکھڑے سانس لئے اور گردن ڈھیلی چھوڑ دی۔ ایک معمر آدمی نے آگے بڑھ کر اُس کی نبضیں ٹٹولیں اور سر پھیر دیا۔ نعمان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

صبح کی روشنی نمودار ہو رہی تھی اور عاصم بدستور سمیرا کی لاش سینے سے لگائے بیٹھا تھا۔ جب قبیلے کے آدمی عدی اور اُس کے بیٹوں کی لاشیں اٹھا کر اندر لے گئے۔ تو ایک نوجوان نے عاصم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ عاصم نے مڑ کر اُس کی طرف دیکھا اور کچھ کہے بغیر سمیرا کو اٹھا کر کمرے کی طرف چل دیا۔ لوگ جو غصے اور اضطراب کی بجائے اب پریشانی کی حالت میں اُس کی طرف دیکھ رہے تھے کچھ کہے بغیر راستے سے ادھر ادھر ہٹ گئے۔ عاصم دروازے کے قریب رُکا اور چند ثانیئے سمیرا کے چہرے پر نظریں جمائے کھڑا رہا، پھر جب اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلکنے لگیں تو اُس نے آگے بڑھ کر سمیرا کو بستر پر لٹا دیا۔ اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا باہر نکل آیا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ لوگ جو اب آہستہ آہستہ سرگوشیاں کر رہے تھے۔ اُس کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ اُن میں سے ہر ایک کی زبان پر کئی سوال تھے لیکن کسی کو اُس سے ہمکلام ہونے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اُن کے نزدیک اِس گھر میں عدی اور اُس کے بیٹوں کی موت سے زیادہ اہم واقعہ یہ تھا کہ منذر کے بیٹوں کو عاصم نے قتل کیا تھا۔ اور جب خزرج والوں کی تلواریں اُس کے خون میں ڈوبنے والی تھیں تو عدی نے جان کنی کے وقت اُس کے سر پر اپنے ہاتھ تان دیئے تھے۔

عاصم صحن میں اُس جگہ جہاں وہ کچھ دیر قبل سمیرا کی لاش کو سینے سے لگائے بیٹھا تھا رُکا، اپنی تلوار اُٹھا کر نیام میں کی اور اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد صحن کے اُس کونے کی طرف بڑھا جہاں اُس کا گھوڑا کھڑا تھا۔

نعمان نے اچانک بھاگ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ "آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

عاصم نے بے اختیار اُسے گلے لگا لیا اور اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے جواب دیا "مجھے معلوم نہیں۔"

قبیلۂ خزرج کے ایک معمر آدمی نے کہا۔ "عاصم! یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ تم نے ہماری خاطر منذر کے بیٹوں کو کیسے قتل کیا ــــ لیکن ہم تمہیں اپنی پناہ میں لینے کو تیار ہیں۔"

عاصم نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "اب مجھے کسی کی پناہ کی ضرورت نہیں۔"

ایک نوجوان نے عاصم کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اُس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہیں ہماری پناہ میں رہنا پسند نہیں تو فوراً یثرب سے کہیں دور نکل جاؤ۔ ورنہ اب تمہارے قبیلے کے لوگ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"یثرب کو چھوڑ رہا ہوں لیکن جانے سے پہلے یہاں میرے حصے کا ایک کام باقی ہے۔"

عاصم اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوگیا اور اُسے سرپٹ دوڑاتا ہوا صحن سے باہر نکل گیا۔



عدی کے گھر سے کوئی ایک میل دور ایک کشادہ راستے کے دونوں کناروں پر کچی دیواریں یہودیوں کے باغوں کی حفاظت کرتی تھیں۔ اچانک دو آدمی یکے بعد دیگرے ان دیواروں پر سے کود کر عاصم کے راستے میں کھڑے ہوگئے اور انہوں نے اپنے ہاتھ بلند کردیئے۔

عاصم نے انہیں دیکھتے ہی پہچان لیا، یہ عباد اور سالم تھے۔ اُس نے پوری قوت کے ساتھ باگیں کھینچ کر اپنا گھوڑا روکا اور کہا۔"عباد! تم کہاں تھے؟"

عباد نے جواب دیا۔"میں راستے میں پہرا دے رہا تھا۔ سالم نے حکم دیا تھا کہ اگر دشمن خبردار ہوکر عدی کی مدد کے لئے اِس طرف آئے تو ہم نقارہ بجادیں۔ جب آپ یہاں سے گزرے تھے تو میں نے آپ کو پہچان لیا تھا اور آپ کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی لیکن آپ میری طرف توجہ دیئے بغیر آگے نکل گئے ـــــ اس کے بعد جب خزرج کی آبادی میں چیخ پکار سنائی دینے لگی تو میرے دو ساتھی نقارہ بجاکر بھاگ گئے لیکن چونکہ عدی کے گھر پر حملہ کرنے والے ساتھیوں نے بہت دیر لگادی تھی اِس لئے میں تشویش کی حالت میں باغوں سے گزرتا ہوا عدی کے گھر کی طرف چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے عدی کے باغ سے بھاگتے ہوئے آدمیوں کی آہٹ سنائی دی۔ مجھے یقین تھا کہ یہ ہمارے آدمی ہیں، تاہم میں اطمینان کرنے کے لئے ایک درخت کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔ وہ مجھ سے چند قدم دور باتیں کرتے ہوئے گزر گئے، وہ آپ کو بدترین گالیاں دے رہے تھے اور میں نے اُن کے سامنے جانا گوارا نہ کیا۔ پھر ایک آدمی جس کی ٹانگ زخمی تھی لنگڑاتا ہوا میرے پاس سے گزرا اور میں نے اُس کا راستہ روک کر اتنی دیر سے واپس آنے کی وجہ دریافت کی۔ اُس نے جواب دینے کے بجائے میرے منہ پر تھوک دیا۔ اور تلوار نکال کر مجھ پر حملہ کردیا۔ میں نے ایک طرف ہٹ کر اپنی جان بچائی اور وہ میرا پیچھا کرنے کی بجائے آپ کو گالیاں دیتا ہوا آگے نکل گیا۔ پھر میں کچھ دور اور آگے گیا تو مجھے سالم مل گیا اور ـــــ"

"اور پھر تمہیں سالم نے بتایا کہ میں اپنے قبیلے کا غدار اور قاتل ہوں۔ کہو! خاموش کیوں ہوگئے۔"

عباد نے آبدیدہ ہوکر کہا۔"مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ نے منذر کے بیٹوں کو قتل کیا ہے لیکن اگر یہ درست ہو تو بھی میں آپ کا غلام ہوں۔"

"تم آج سے آزاد ہو۔ اور سالم اِس بات کی گواہی دے گا کہ میں اپنے حصّے کی جائداد تمہارے حوالے کرکے جارہا ہوں۔"

"آپ مجھے قتل کرسکتے ہیں لیکن ان حالات میں اپنا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہیں کرسکتے۔"

عاصم نے کہا۔"میں تم سے صرف ایک خدمت لینا چاہتا ہوں۔ تم عدی کے گھر کے قریب چھپ کر میرا انتظار کرو۔ اگر کوئی خطرہ پیش آئے تو یہ کہہ دینا کہ تم میرے حکم کی تعمیل کررہے ہو۔ میں تھوڑی دیر تک وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

سالم نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔"اخی! آپ کہاں جارہے ہیں؟"

"تمہیں اطمینان رکھنا چاہیئے کہ میں گھر نہیں جاؤں گا۔"

سالم نے آبدیدہ ہوکر کہا۔"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اس طرف آبادی کا رُخ نہ کریں۔ اب قبیلے کا ہر آدمی آپ کی تلاش میں ہوگا۔"

عاصم نے قدرے نرم ہوکر کہا۔"سالم! اب تمہیں میری موت و حیات سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیئے۔ تم گھر جاؤ ـــــ"

سالم نے اُس کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔"نہیں! جب تک آپ یہ نہیں بتاتے کہ آپ اس طرف کیوں جارہے ہیں، میں یہاں سے نہیں ہلوں گا۔ میں منات کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر دشمن کا سارا قبیلہ اس طرف آگیا تو بھی میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔"

"تم جاننا چاہتے ہو میں اس وقت کہاں جارہا ہوں؟"

"ہاں ـــــ"

"بہت اچھا! میرے پیچھے بیٹھ جاؤ ـــــ"

سالم اُچھل کر عاصم کے پیچھے بیٹھ گیا اور عاصم نے گھوڑے کو ایڑ لگادی۔

تھوڑی دیر بعد سالم نے کہا۔"اخی! اس طرف مت جائیے۔ قبیلے کے آدمی ہمیں دیکھتے ہی آپ پر

ٹوٹ پڑیں گے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اب اباجان بھی آپ کی حمایت میں کچھ نہیں کہہ سکیں گے۔"

عاصم نے کہا "سالم! تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ اگر قبیلے کے لوگوں نے تمہیں جابر اور مسعود کے قاتل کے ساتھ دیکھ لیا تو تم اُن کے طعنے برداشت نہیں کر سکو گے۔"

سالم نے کہا "بھائی جان! میں آپ کی خاطر آگ میں کود سکتا ہوں۔ لیکن میرے لئے یہ ناقابلِ برداشت ہے کہ آپ نے عدی کی بیٹی کی خاطر میرے ماموں کے بیٹوں کو قتل کیا ہے۔ آپ اُس وقت کہاں تھے جب انہوں نے ہمارے گھر پر حملہ کیا تھا۔ آپ اُن لوگوں کو کیسے معاف کر سکتے ہیں جنہوں نے ہمارے گھر کو آگ لگائی تھی اور اباجان کو زخمی کیا تھا ــــ"

عاصم نے گھوڑے کی باگ کھینچتے ہوئے جواب دیا "اُس وقت میں عدی کے باغ میں اُس سے باتیں کر رہا تھا اور اُس کے بیٹے گھر میں سو رہے تھے۔"

"یہ ناممکن ہے! عباد نے عدی کے گھر تک حملہ کرنے والوں کا تعاقب کیا تھا۔ آپ اُس سے پوچھ سکتے ہیں۔"

"مجھے پوچھنے کی ضرورت نہیں، عباد نے صرف ایک آدمی کا تعاقب کیا تھا اور وہ شمعون کا غلام تھا۔ اُسے یہ خدمت سونپی گئی تھی کہ جب شمعون کے آدمی ہمارے گھر کو آگ لگا دیں تو وہ اُن کا پیچھا کرنے والوں کو عدی کے گھر کی طرف لے جائے۔"

سالم نے کہا "مجھے یقین ہے کہ آپ جھوٹ نہیں بولتے لیکن آپ کرنا کیا چاہتے ہیں؟"

"یہ تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

دائیں طرف ایک جگہ سے دیوار ٹوٹی ہوئی تھی اور وہاں جھاڑیوں کی باڑ لگی ہوئی تھی۔ عاصم نے باگ موڑ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور وہ باڑ پھاند کر باغ میں داخل ہو گیا۔

سالم نے کہا "یہ شمعون کا باغ ہے آپ اُس کے گھر پر حملہ کرنا چاہتے ہیں؟"

عاصم نے گھوڑا روکا اور نیچے کودتے ہوئے کہا "مجھے حملہ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ تم یہاں انتظار کرو ـــــ اگر کوئی خطرہ پیش آئے تو میرے گھوڑے پر یہاں سے نکل جانا۔"

"لیکن میں ـــــ"

عاصم نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "اب تم خاموش رہو، یہ باتوں کا وقت نہیں۔ میں تمہیں صرف اس لئے ساتھ لایا ہوں کہ شاید قبیلے کے لوگوں کو تمہاری گواہی پر اعتبار آجائے ـــــ اگر مجھے اپنے کام میں کسی کی مدد کی ضرورت ہوتی تو میں تمہاری بجائے عباد کو اپنے ساتھ لاتا۔"

سالم نے کہا "بہت اچھا! میں آپ کے ساتھ جانے پر ضد نہیں کرتا لیکن مجھ سے یہ توقع نہ رکھیئے کہ اگر کوئی خطرہ پیش آیا تو میں آپ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا۔"

عاصم نے کوئی جواب دیئے بغیر جلدی سے گھوڑے کی گردن سے رسا اُتارا اور بھاگتا ہوا درختوں میں غائب ہو گیا۔

باغ میں سو گز چلنے کے بعد وہ شمعون کے گھر کے بیرونی احاطے کی دیوار کے سامنے رکا اور دیوار پر چڑھ کر اندر جھانکنے لگا۔ دائیں طرف شمعون کے سکونتی مکان کا دروازہ بند تھا اور بائیں طرف کچھ فاصلے پر ایک چھپر کے نیچے اُس کے نوکر لیٹے تھے۔ عاصم کسی توقف کے بغیر صحن میں کود پڑا اور چھپر کی طرف بڑھا۔ چھپر کے اندر تین آدمی گہری نیند میں خراٹے لے رہے تھے۔ ایک دراز قامت اور قوی ہیکل آدمی کے خراٹے سب سے زیادہ بلند تھے۔ عاصم نے ہلکی سی ٹھوکر سے اُسے جگایا اور اُس کے سینے پر تلوار کی نوک رکھ دی۔ شمعون کے غلام نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں اور انتہائی بدحواسی کے عالم میں عاصم کی طرف دیکھنے لگا۔ عاصم نے تلوار پر ذرا دباؤ ڈالتے ہوئے کہا "اگر تم نے شور مچایا تو میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا۔ تمہیں اپنی جان عزیز ہے تو میرے حکم کی تعمیل کرو ـــــ اٹھو! اور اپنے ساتھیوں کی طرف مت دیکھو، وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے۔ میں اگر چاہوں، تو انہیں جگا کر بھی قتل کر سکتا ہوں۔" غلام خوف سے کانپتا ہوا اٹھا۔ عاصم نے اُس کے گلے میں پھندا ڈال کر رسّے کو ایک جھٹکا دیا۔ اور پھر تلوار کی نوک اُس کی گردن پر رکھتے ہوئے کہا "تمہاری خیر اسی میں ہے کہ تم خاموشی سے میرے آگے آگے چلتے رہو ـــــ" غلام کو اِس حکم کی تعمیل کے سوا کوئی راستہ نظر نہ آیا، وہ عاصم کے آگے آگے چل دیا۔

صحن کے دروازے کے قریب رک کر غلام نے پہلی بار عاصم سے ہمکلام ہونے کی جرأت کی اور اُس نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا "آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں؟"

عاصم نے جواب دیا "تم دروازہ کھولو۔ اور خاموشی سے میرے ساتھ چلتے رہو۔"

غلام نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دروازہ کھول دیا اور وہ باغ میں داخل ہوئے۔ اچانک بائیں ہاتھ

گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی اور سالم درختوں کی آڑ سے نکل کر اُن کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

"اخی!" اُس نے گھوڑے سے اتر کر معذرت کے انداز میں کہا۔ "میرے لئے وہاں انتظار کرنا بہت صبر آزما تھا اب صبح ہو گئی ہے آپ دیر نہ کریں۔"

عاصم کچھ کہے بغیر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور پھر شمعون کے غلام سے مخاطب ہو کر بولا۔ "تم رات بھر کی بھاگ دوڑ سے بہت تھک گئے ہو گے لیکن میں اِس وقت تمہارے لئے سواری کا انتظام نہیں کر سکتا۔ تمہیں کچھ دیر میرے ساتھ بھاگنا پڑے گا۔ تمہارا فائدہ اسی میں ہے کہ تم راستے میں گرنے کی کوشش نہ کرو ——— اور تمہارے فائدے کی دوسری بات یہ ہے کہ تم میرے ہر سوال کا جواب دو۔"

غلام نے کہا۔ "آپ نے وعدہ کیا ہے کہ آپ مجھے قتل نہیں کریں گے۔"

"لیکن اگر تم نے کوئی غلط جواب دیا تو میں اپنے وعدے پر قائم نہیں رہ سکوں گا ——— بتاؤ رات کے وقت ہمارے گھر سے عدی کے باغ تک کسی نے تمہارا پیچھا کیا تھا؟"

"جی ہاں ———"

"اور جب تم عدی کے باغ میں چھپ گئے تھے تو وہاں میں تمہیں ملا تھا؟"

"جی ہاں ———"

"تم ہمارے گھر میں آگ لگانے کے بعد بھاگے تھے؟"

"جناب! میں بے قصور ہوں، میں باہر کھڑا تھا۔ میں ایک غلام ہوں اور اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کر رہا تھا۔"

"میں تمہیں شمعون کے جرم کی سزا نہیں دوں گا۔ لیکن سچ کہو کیا شمعون نے تمہیں یہ حکم دیا تھا کہ جب ہمارے آدمی حملہ کرنے والوں کا تعاقب کریں تو تم انہیں اپنے پیچھے لگا کر عدی کے گھر تک پہنچا دو، تاکہ ہمارے آدمی یہ خیال کریں کہ حملہ کرنے والے عدی کے بیٹے تھے۔"

"جناب! مجھ پر رحم کیجئے وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

عاصم نے رسّے کو جھٹکا دیا اور گرجتی ہوئی آواز میں چلایا۔ "خبیث! ٹھیک ٹھیک جواب دو۔"

غلام نے سراپا التجا بن کر جواب دیا۔ "جناب! مجھ پر رحم کیجئے۔ میں نے صرف اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی ہے۔"

عاصم نے کہا۔ "سالم اب تم اپنے گھر جاؤ، اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ اِس لڑائی سے میرے اجتناب کی وجہ کیا تھی۔ میں اپنے قبیلے سے مایوس ہوں لیکن عدی کے گھر میں جمع ہونے والے لوگ شاید یہ بات سمجھ جائیں کہ ہم یہودیوں کے ناپاک مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں۔ اِس کے بعد میری کوشش یہ ہوگی کہ یہ شخص زندہ تمہارے پاس پہنچ جائے ——— اس لئے نہیں کہ میں اپنی صفائی پیش کرنا چاہتا ہوں بلکہ اِس لئے کہ جب میں یہاں سے نکل جاؤں تو تم میرا نام لیتے ہوئے شرم محسوس نہ کرو۔ اب تم جاؤ! اگر عباد راستے میں مل گیا تو میں اسے اُس کے حوالے کر دوں گا۔"

سالم نے کہا۔ "اخی! آپ ان باتوں میں وقت ضائع کرنے کی بجائے اپنی جان بچانے کی فکر کریں۔ جابر اور مسعود کے قتل کے بعد ہمارے قبیلے کا کوئی آدمی میری باتوں پر کان دھرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا، اور اگر وہ اِس ذلیل غلام کی گواہی پر اعتبار کر بھی لیں تو بھی وہ آپ کو معاف کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ آپ یہاں سے فوراً نکل جائیں۔ میں جبل احد کے چشمے کے قریب آپ کا انتظار کروں گا۔"

"سالم تمہارا کیا خیال ہے کہ میں عدی اور سمیرا کے قاتلوں سے رحم کی درخواست کروں گا۔ منات کی قسم! اگر بنو اوس میرے سر پر تاج رکھ دیں تو بھی میں اُن کی رفاقت گوارا نہیں کر سکتا۔ تمہیں احد کے دامن میں میرا راستہ دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ میں شام کا رُخ کر رہا ہوں اور یہ میری آخری ملاقات ہے۔ اگر تم عباد کا خیال رکھ سکو تو یہ مجھ پر احسان ہوگا۔"

عاصم نے یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور شمعون کا غلام جس کا رسّہ اُس نے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا اُس کے ساتھ بھاگنے لگا۔



قبیلہ خزرج کے کئی اور آدمی عدی کے گھر میں جمع ہو چکے تھے اور چند عورتیں بین کر رہی تھیں۔ مقتولین کے خون سے بھرا ہوا ایک پیالہ دروازے کے سامنے پڑا تھا اور نووارد باری باری اِس خون سے اپنی انگلیاں تر کر کے اُن کا انتقام لینے کا حلف اٹھا رہے تھے۔

عاصم گھوڑا دوڑاتا ہؤا صحن میں داخل ہؤا۔ شمعون کا غلام جس کا لباس پسینے سے تر ہو چکا تھا۔ بڑی مشکل سے اُس کا ساتھ دے رہا تھا۔ عباد اُسے پیچھے سے ننگی تلوار سے ہانک رہا تھا۔ عاصم نے صحن میں داخل ہوتے ہی رسے کو زور سے جھٹکا دیا اور غلام جس کی ہمت جواب دے چکی تھی منہ کے بل گر پڑا۔

صحن میں جمع ہونے والے لوگ ایک دوسرے کی زبانی عاصم کی کارگزاری کا حال سن چکے تھے اس لئے کسی نے اُس کی آمد پر بے چینی کا مظاہرہ نہ کیا لیکن شمعون کے غلام اور عباد کو دیکھ کر وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔

عاصم نے کہا۔ "بھائیو! میں نے آپ سے کہا تھا کہ یثرب میں میرے حصّے کا آخری کام باقی ہے ــــــ اب شمعون کے غلام کو آپ کے سامنے پیش کر کے میں اپنے فرض سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ یہ اِس بات کی گواہی دے گا کہ اوس اور خزرج ایک دوسرے کا خون بہا کر یہودیوں کے مقاصد کی تکمیل کر رہے ہیں۔ تم لوگ جانتے ہو کہ اب میرا اپنے قبیلے سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ مجھے اس سے سروکار نہیں کہ تم میں سے کون مرتا ہے اور کون زندہ رہتا ہے ــــــ میں یہاں نہیں رہوں گا، اور میری آنکھیں تمہاری بربادی کا تماشا نہیں دیکھیں گی، لیکن یثرب چھوڑنے سے پہلے میں آخری بار تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ اوس اور خزرج جس آگ کا ایندھن بن رہے ہیں وہ آگ یہودیوں نے لگائی ہے ــــــ یہ شمعون کا غلام ہے اور تم اِس سے میری باتوں کی تصدیق کر سکتے ہو۔ رات کے وقت جب ہمارے گھر پر حملہ ہؤا تھا تو میں باغ میں عدی سے باتیں کر رہا تھا۔ سمیرا کے سوا اِس گھر کے کسی اور فرد کو ہماری ملاقات کا علم نہ تھا۔ پھر جب میں عدی سے رخصت ہو کر باغ سے نکل رہا تھا تو شمعون کا غلام بھاگتا ہؤا اِس باغ میں داخل ہؤا۔ اور ایک آدمی جو اس کا پیچھا کر رہا تھا واپس چلا گیا۔ میں نے اس غلام سے اس طرف آنے کی وجہ پوچھی تو اس نے یہ بتایا کہ میں اپنے آقا کے گھر سے چوری کر کے بھاگا ہوں۔ اور اُس کے نوکر میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ مجھے شمعون کی چوری سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اِس لئے میں نے اِسے چھوڑ دیا ــــــ جب میں گھر پہنچا تو وہاں ہمارے مویشیوں کا چھپر جل رہا تھا اور میرا چچا زخمی تھا۔ قبیلے کے لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ عدی کے بیٹے ہمارے گھر پر حملہ کر کے بھاگ گئے ہیں اور میرے غلام عباد نے اس گھر تک، اُن میں سے ایک کا تعاقب کیا ہے۔ اِس کے ساتھ ہی مجھے یہ پتا چلا کہ منذر کے بیٹے عدی کے گھر پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔ میں واپس یہاں پہنچا تو اِس گھر پر حملہ کرنے والے اپنا کام پورا کر چکے تھے۔"

شمعون کا غلام بے حس و حرکت منہ کے بل پڑا تھا۔ عاصم نے عباد کو اشارہ کیا اور اُس نے اُس کی گردن پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ عاصم نے غلام سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بتاؤ! یہ باتیں درست ہیں؟"

"ہاں۔" اُس نے گردن جھکاتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا یہ درست ہے کہ حملے کے بعد شمعون نے تمہیں عدی کے گھر کی طرف بھاگنے کی ہدایت کی تھی؟"

"جی ہاں! لیکن میں بے قصور ہوں ـــ ایک غلام کے لئے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

عاصم نے عباد کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "عباد! اب تم اِسے میرے چچا کے پاس لے جاؤ۔ اگر یہ اُن کے سامنے اپنے بیان سے منحرف ہونے کی کوشش کرے تو اسے سالم کے سپرد کر دینا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اِس کا سر قلم کرتے ہوئے شمعون کا خوف محسوس نہیں کرے گا۔ تمہارے لئے یہودیوں کی آبادی سے گزرنا خطرناک ہوگا، اِس لئے باہر سے پھیر کھا کر گھر پہنچنے کی کوشش کرنا ــــــ"

عباد نے غلام کا رسّا پکڑتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "ساتھ کسی ایسے مسافر کا دیا جاتا ہے جس کی کوئی منزل ہو اور میرے لئے بے نشان راستوں کے سوا کچھ نہیں۔ تم جاؤ!"

عباد کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے اور وہ غلام کو کھینچتا ہؤا وہاں سے چل دیا۔

حاضرین اب آہستہ آہستہ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ عاصم کچھ دیر خاموشی سے اُن کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا۔ "منذر کے بیٹوں نے سمیرا، عدی اور نعمان کے بھائیوں کو قتل کیا ہے اور میں نے منذر کے بیٹوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے، لیکن یہ اوس اور خزرج میں سے کسی کی فتح نہیں ــــــ یہ صرف یہودیوں کی فتح ہے۔ تمہارے درمیان نفرت کی آگ یہودیوں نے جلائی ہے اور تمہارے خون کے چھینٹوں سے اِس کے شعلے بھڑکتے رہیں گے ــــــ میرا جُرم یہ تھا کہ میں نے اِس آگ کو بجھانے کی کوشش کی تھی۔ اور مجھے اِس جرم کی سزا مل چکی ہے۔ میرے باغ کے تمام پھول اِس آگ کی نذر ہو چکے ہیں۔ اب مجھے یثرب سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اب میں تم سے کوئی التجا نہیں کروں گا۔"

اتنا کہنے کے بعد عاصم کی آواز بھرّا گئی اور اُس نے گھوڑے کی باگ موڑ لی۔

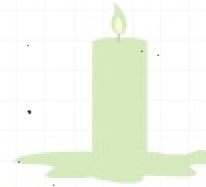
نعمان نے بھاگ کر صحن کے دروازے کے باہر اُسے روکا اور کہا "عاصم، ٹھہرو! ـــــ مجھے معلوم نہیں کہ تم سمیرا کو کب سے جانتے تھے۔ لیکن میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر وہ زندہ ہوتی اور تمہارا ساتھ دینا چاہتی تو میں اُس کا راستہ نہ روکتا۔ میرے لئے صرف یہ جان لینا کافی ہوتا کہ تم نے ابا جان کی حمایت میں تلوار اٹھائی تھی۔ مجھے اپنے قبیلے کے طعنوں کی پرواہ نہ ہوتی۔ اب اگر تم جانے سے پہلے ایک بار پھر اُسے دیکھنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

عاصم نے بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا "نعمان! اب میں سمیرا کو نہیں دیکھ سکوں گا۔"

ایک عمر رسیدہ آدمی آگے بڑھا اور اُس نے کہا "بیٹا! اب تم دیر نہ کرو ورنہ تمہارے لئے یثرب سے زندہ بچ نکلنا ناممکن ہو جائے گا۔"

نعمان نے کہا "آپ کا گھوڑا تھک گیا ہوگا۔ آپ میرا تازہ دم گھوڑا لے جائیے۔"

"نہیں! یہ میرا آخری دوست ہے اور میں اسے یہاں چھوڑنا پسند نہیں کروں گا ـــــ" عاصم نے یہ کہہ کر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔



باب (۱۱)

طلوع آفتاب کے کچھ دیر بعد عاصم ایک ٹیلے کے قریب سے گزر رہا تھا۔ اچانک ٹیلے کی اوٹ سے سالم گھوڑا بھگاتا ہوا نمودار ہوا اور عاصم نے اپنے گھوڑے کی باگ کھینچتے ہوئے کہا "سالم تمہیں اس طرف تنہا نہیں آنا چاہیئے تھا۔ اگر قبیلۂ خزرج کے آدمیوں نے تمہیں دیکھ لیا تو وہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔"

سالم نے کہا "آپ میری فکر نہ کیجئے۔ چلئے، میں آپ کو کسی محفوظ جگہ پہنچا کر، الوداع کہنا چاہتا ہوں۔"

عاصم نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور سالم اُس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ قریباً چار کوس سفر کرنے کے بعد وہ شام کے راستے سے ایک طرف ہٹ کر ایک اور ٹیلے کے عقب میں گھوڑوں سے اتر پڑے۔

سالم نے جلدی سے اپنی کمان اور تیروں سے بھرا ہوا ترکش عاصم کو پیش کرتے ہوئے کہا "مجھے ڈر تھا کہ آپ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر اس بے سروسامانی کی حالت میں زیادہ دُور نہیں جا سکیں گے۔ اس لئے میں پانی کا مشکیزہ اور ضرورت کی دوسری چیزیں لے آیا ہوں ـــــ آپ میرے گھوڑے پر سوار ہو جائیں۔ میں نے خرجین میں ستو، کھجوریں اور پنیر رکھ دیا ہے۔ اور جو امانت آپ سعاد کے پاس چھوڑ آئے تھے وہ بھی میں نے خرجین میں رکھ دی ہے۔ جب میں گھر کے قریب پہنچا تو قبیلے کے سواروں کی ایک ٹولی ملی، یہ لوگ شام کے راستے کی ناکا بندی کے لئے جا رہے تھے۔ میں نے انہیں بتایا کہ آپ مکہ کی طرف نکل گئے ہیں اور وہ اُس طرف چلے گئے۔ قبیلے کے باقی لوگ منذر کے گھر میں ...تھے۔ اور باری باری آپ سے انتقام لینے کا حلف اٹھا رہے تھے میں نے انہیں بھی یہی بتایا کہ آپ مکہ کی سمت ... دُور جا چکے ہیں اور یہ سنتے ہی کئی اور سوار اُس طرف چل پڑے۔ اس کے بعد میرے لئے سب سے بڑا

مسئلہ یہ تھا کہ آپ کو سفر کا ضروری سازوسامان مہیا کیا جائے ـــــ میں نے اُس ٹیلے کے پیچھے خاصی دیر انتظار کیا مجھے یہ ڈر لگ رہا تھا کہ شاید آپ جا چکے ہیں۔ اب آپ جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو جایئے۔"

عاصم نے کہا "مجھے اپنا گھوڑا چھوڑنا پسند نہیں۔ میں تمہارے گھوڑے کی زین اِس پر ڈال لیتا ہوں۔"

سالم نے کہا۔ "اچھا جلدی کیجئے مجھے اندیشہ ہے کہ مکّہ کے راستے پر تلاش کرنے کے بعد وہ آپ کو شام کے راستے پر تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔"

عاصم نے جلدی سے سالم کے گھوڑے کا سازوسامان اتار کر اپنے گھوڑے پر ڈال لیا اور اس کے بعد سالم سے پوچھا۔ "تم نے سعاد کو تمام واقعات بتا دیئے ہیں؟"

"ہاں! اُسے اب آپ کے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں رہی۔ وہ مسعود اور جابر کے لئے روتی ہے اور آپ کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگتی ہے۔"

"اور تم بھی میری سلامتی کے لئے دعائیں مانگتے ہو؟"

سالم نے جواب دینے کی بجائے عاصم کی طرف دیکھا اور اُس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔

عاصم نے کہا۔ "اچھا تم جاؤ اور سیدھے گھر پہنچنے کی کوشش کرو۔ میں نے شمعون کے غلام کو عدی کے گھر میں جمع ہونے والوں کے سامنے پیش کرنے کے بعد، عباد کے ساتھ بھیج دیا تھا۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ تمہارے ماموں جیسے لوگ میرے اِس اقدام کو بھی ایک سازش ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔ ممکن ہے کہ غلام وہاں جا کر اپنے بیان سے منحرف ہو جائے اور وہ عباد کی بوٹیاں نوچنے کو تیار ہو جائیں۔"

سالم نے کہا۔ "آپ اطمینان رکھئے۔ قبیلے کے آدمی منذر کے گھر میں جمع ہو رہے ہیں۔ اور میں نوکروں کو تاکید کر آیا تھا کہ اگر عباد شمعون کے غلام کے ساتھ آئے تو وہ انہیں گھر سے باہر روک لیں اور میری واپسی تک باغ میں چھپائے رکھیں۔"

"چچا جان نے میرے متعلق پوچھا تھا؟"

"نہیں! وہ اندر پڑے ہوئے تھے۔ ان سے اب تک کسی نے لڑائی کے واقعات کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اِس لئے میں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ ابھی انہیں پریشان نہ کیا جائے ـــــ سعاد جو مکان سے باہر میری راہ دیکھ رہی تھی، کسی سے جابر اور مسعود کی موت کی خبر سُن چکی تھی، مجھے اُس کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے تمام واقعات بتانے پڑے

میں اُس سے بھی کہہ آیا ہوں کہ وہ عباد کا خیال رکھے۔ اب آپ وقت ضائع نہ کیجئے۔"

عاصم گھوڑے پر سوار ہونے لگا تو سالم نے اچانک بدحواس ہو کر کہا۔ "ٹھہریئے! شاید کوئی آ رہا ہے۔"

عاصم کو ٹیلے کے دوسری طرف گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی اور وہ حیران ہو کر سالم کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں ابھی دیکھ کر آتا ہوں۔" سالم نے یہ کہہ کر اپنے گھوڑے کی باگ عاصم کے ہاتھ میں دے دی اور بھاگتا ہوا ٹیلے کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ چند ثانیئے ایک پتھر کی اوٹ میں سمٹ کر وہ ٹیلے کی دوسری جانب دیکھتا رہا، پھر باگ اس کے ہاتھ سے لے کر بولا۔ "وہ ہمارے قبیلے کے آدمی ہیں۔ شاید انہیں آپ کا سراغ مل گیا ہے۔"

"وہ کتنے ہیں ـــــ؟"

"تین ہیں۔ لیکن آپ کے لئے اُن سے الجھنا خطرناک ہوگا۔ وہ لڑنے کی بجائے واپس جا کر سارے قبیلے کو اِس طرف لے آئیں گے اور پھر شام کی حدود تک آپ کا پیچھا کریں گے۔ آپ یہیں کھڑے رہیں، میں انہیں دوسری طرف لے جانے کی کوشش کرتا ہوں۔"

سالم، عاصم کے جواب کا انتظار کئے بغیر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور آن کی آن میں ٹیلے کے گرد نصف چکر کاٹ کر دوسری جانب پہنچ گیا۔

عاصم چند ثانیئے بے حس و حرکت کھڑا رہا پھر گھوڑے کو ایک جھاڑی سے باندھ کر ٹیلے پر چڑھا اور چوٹی کے قریب لیٹ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ شام کے راستے پر تین سوار کافی دور جا چکے تھے اور سالم پوری تیز رفتاری کے ساتھ اُن کا پیچھا کر رہا تھا۔ پھر یہ سوار ایک پہاڑی کے دامن میں رک گئے اور مڑ کر سالم کی طرف دیکھنے لگے۔ سالم نے اُن کے قریب پہنچ کر اپنا گھوڑا روکا۔ وہ کچھ دیر کھڑے رہے اور اس کے بعد معمولی رفتار سے واپس یثرب کی طرف روانہ ہو گئے۔

جب وہ ٹیلے کے قریب سے گزر رہے تھے۔ عاصم ایک پتھر کی آڑ میں لیٹا اُن کی باتیں سُن رہا تھا۔

ایک سوار کہہ رہا تھا۔ "میرا اب بھی یہی مشورہ ہے کہ ہمیں یہیں پہرا دینا چاہیئے۔ تمہارے ابا کہتے تھے کہ وہ مکّہ کے سوا کہیں نہیں جائے گا۔"

سالم کی آواز سنائی دی۔ "میری نظر اتنی کمزور نہیں کہ میں عاصم کا گھوڑا بھی نہ پہچان سکوں۔ میں نے اُسے پہاڑی سے نکل کر اُس طرف مڑتے دیکھا تھا اور مجھے یقین ہے کہ اب تک وہ جبل احمد کے عقب میں پہنچ چکا ہوگا۔"

"اگر وہ اُس طرف گیا تھا تو تم ہمارے پیچھے کیوں بھاگ رہے تھے؟"

"اُس کا تعاقب کرنے کے لئے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت تھی۔ جب تم اُس پہاڑی کے قریب سے گزر رہے تھے تو میں نے تمہیں آوازیں دیں لیکن تم میری طرف متوجہ ہوئے بغیر آگے نکل گئے۔"

"لیکن تم تنہا اس طرف کیسے آ گئے؟"

"مجھے شک ہوا تھا کہ شاید وہ مکہ کا رُخ کرنے کی بجائے کہیں آس پاس چھپ کر دن گزارنے کی کوشش کرے۔ میں بنو قریظہ کے باغوں کے قریب پہنچا تو ایک چرواہے نے مجھے بتایا کہ میں نے ابھی ایک آدمی کو باغ سے نکلتے دیکھا ہے۔ گھوڑے کا حلیہ دریافت کرنے پر مجھے یقین ہو گیا کہ وہ عاصم کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔"

ایک اور آواز سنائی دی "میرے خیال میں ہمیں عاصم کا پیچھا کرنے کی بجائے قبیلے کے دوسرے لوگوں کو خبردار کرنا چاہیے۔ اگر شام تک اُس کا سراغ نہ ملا تو رات ہی رات میں وہ کوسوں دور نکل جائے گا۔"

عاصم اس سے زیادہ نہ سُن سکا۔ سوار آگے نکل گئے اور جب وہ اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو اُس نے ٹیلے سے نیچے اتر کر اپنا گھوڑا کھولا اور اُس پر سوار ہو گیا۔



ایک فوری خطرہ دور ہو چکا تھا۔ اور اب وہ کسی قدر اطمینان کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ لیکن اچانک اُس کے دل میں خیال آیا کہ میں کہاں جا رہا ہوں اور اُسے اپنی زندگی کا ہر سانس ناقابلِ برداشت محسوس ہونے لگا ——— ماضی سے اُس کے تمام رشتے کٹ چکے تھے اور مستقبل کی تمام امیدیں خاک میں مل چکی تھیں، اپنے وطن سے آگے وہ روئے زمین کی جن وسعتوں کو سمیرا کے حسین تصورات سے آباد کیا کرتا تھا، وہ اب ایک بھیانک خلا میں تبدیل ہو چکی تھیں۔

نسلی غرور اور قبائلی عصبیت ایک عرب نوجوان کی سب سے بڑی پونجی تھی۔ لیکن وہ یہ پونجی لٹا چکا تھا۔ اُسے بنو اوس کے لئے لڑنا اور مرنا سکھایا گیا تھا۔ لیکن اب وہ اُن تمام عقائد سے منہ پھیر چکا تھا جو اُسے زندگی سے زیادہ عزیز تھے۔ وہ تلوار جو اُس نے بنو خزرج سے لڑنے کے لئے خریدی تھی۔ اُس کے اپنے قبیلے کے آدمیوں کے خون سے تر ہو چکی تھی اور عرب کے قانون میں اپنے قبیلے کے کسی فرد کو موت کے گھاٹ اتارنے والے کے لئے رحم کی کوئی

گنجائش نہ تھی۔

اُمیدوں کے وہ چراغ، جن کی روشنی میں اُس نے اپنی زندگی کی ایک نئی منزل دیکھی تھی، بجھ چکے تھے۔ سمیرا کی موت اُس کے نزدیک، مستقبل کے تمام حوصلوں، ولولوں اور اُمیدوں کی شکست تھی۔ ماضی کی روایات سے منحرف ہو کر، جو الگ راستہ اُس نے اپنے لئے تلاش کیا تھا، ایک تاریک غار کے کنارے ختم ہو چکا تھا اور اب اُس کی حالت اُس مسافر کی سی تھی جسے بددلی اور مایوسی نے ہر راستے اور ہر منزل سے بے نیاز کر دیا ہو۔ ماضی کے آغوش سے موت کے مہیب سائے اُس کا پیچھا کر رہے تھے۔ اور اُس کے نزدیک اِس بات کی کوئی اہمیت نہ تھی کہ مستقبل اپنے دامن میں اُس کے لئے کتنی تلخیاں اور کتنی راحتیں لئے ہوئے ہے۔ تاہم زندگی کے ہر ولولے سے محروم ہونے کے باوجود اُسے اپنے قبیلے کے ہاتھوں مرنا پسند نہ تھا۔ یثرب اب اُس کے نزدیک ایک ایسا ظلمت کدہ تھا جہاں کسی روشنی کا تصور کرنا بھی ایک طرح کی خود فریبی تھی اور شام کا رُخ کرتے ہوئے عاصم کو صرف یہ تسکین تھی کہ وہ اِس ظلمت کدے سے دور جا رہا ہے ——— لیکن کاش! اُسے یہ معلوم ہوتا کہ صرف چند منزل پیچھے، جبل فاران کی چوٹیوں پر، آفتاب رسالت نمودار ہو چکا ہے جس کی ضیا پاشیوں سے یثرب کے در و دیوار منور ہونے والے ہیں۔ وہ جس وطن کے مستقبل سے مایوس ہو کر جا رہا ہے، اُس پر ارض و سما کی تمام نعمتوں کی بارش ہونے والی ہے۔ وہ زمین جو اُس کے لئے تنگ ہو چکی ہے، اطرافِ عالم میں امن و سکون کے جویاؤں کا مرکز بننے والی ہے۔ جہاں اُس نے شر کا غلبہ دیکھا ہے وہاں نیکی کا بول بالا ہو گا۔ جہاں اُس نے بربریت، وحشت اور انتقام کے انگارے دیکھے ہیں وہاں محبت کے پھول کھلیں گے۔

عاصم نے پیغمبرِ اسلام کے متعلق ابھی تک صرف اِس قسم کی باتیں سُنی تھیں کہ مکہ کی زمین اُس پر تنگ ہو چکی ہے۔ قریش اُسے اپنا دشمن خیال کرتے ہیں، اُس کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں اور اُس پر ایمان لانے والے مٹھی بھر انسانوں کو مکہ کی گلیوں اور بازاروں میں زدوکوب کیا جاتا ہے۔ قریش ایک زبردست قوت کے مالک ہیں اور مکہ میں کسی ایسے دین کی کامیابی بعید از قیاس ہے جس کی تعلیم اُن کے مروجہ عقائد کی نفی کرتی ہو۔

اگر کوئی مردِ حق آگاہ عاصم کا راستہ روک کر یہ کہتا "تم کہاں جا رہے ہو؟ تم اپنے مستقبل سے مایوس کیوں ہو؟ تم اُس قافلے کا انتظار کیوں نہیں کرتے، جسے قدرت نے اِس وادی میں اپنی عظمت اور جلال کے پرچم گاڑنے کے لئے ـب کیا ہے؟ تم شام کی بجائے حجاز کی طرف کیوں نہیں دیکھتے۔ تم جس وادی کو الوداع کہہ رہے ہو۔ وہ روئے زمین

کے تمام بے بس اور مجبور انسانوں کی امیدوں اور آرزوں کا مرکز بننے والی ہے۔ یہاں زمین کے فرش پر بیٹھنے والے محلوں ایوانوں میں سونے والے کجکلاہوں کی قسمت کے فیصلے کیا کریں گے۔ مکہ سے وہ ہادیٔ برحق آنے والا ہے جو اوس و خزرج کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دے گا۔ تم اِس سرزمین پر نفرت اور عداوت کی بجائے اخوت اور محبت کے مظاہرے دیکھو گے۔ تمہیں زندگی کی راحتوں کی تلاش میں کسی اور جگہ جانے کی ضرورت نہیں —— تو عاصم اُسے دیوانہ خیال کرتا۔ اگر اُس وقت اچانک آسمان کے دریچے کھل جاتے۔ اور وہاں سے نازل ہونے والے فرشتے عاصم کو یہ پیغام دیتے کہ پروردگارِ عالم نے اِس زمین کے باشندوں کو اپنے اُن انعامات کے لئے منتخب کیا ہے جو روئے زمین کی کسی قوم کے حصّے میں نہیں آئے تو بھی اُسے اپنی آنکھوں اور اپنے کانوں پر اعتبار نہ آتا۔



چند دن بعد ایک شام عاصم قبیلۂ غطفان کے ایک رئیس زید بن عبادہ کی بستی میں داخل ہوا۔ زید اُن تاجروں میں سے تھا جن کے ساتھ عاصم نے یروشلم سے واپسی میں سفر کیا تھا۔ عاصم کا چہرہ اِس قدر تبدیل ہو چکا تھا کہ زید پہلی نگاہ میں اُسے پہچان نہ سکا اور عاصم کو یہ کہنا پڑا "میں یثرب سے آیا ہوں اور میرا نام عاصم ہے؟"

زید نے گرمجوشی کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا "بھائی معاف کرنا۔ تمہاری صورت دیکھ کر مجھے یقین نہیں آتا کہ تم وہی ہو۔"

عاصم اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا "ایک مصیبت زدہ آدمی کی شکل تبدیل ہوتے دیر نہیں لگتی۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کی بستی میں ایک بے سہارا آدمی کو پناہ مل سکتی ہے؟ میں صرف چند دن کے لئے آرام کی نیند چاہتا ہوں ——"

زید نے جواب دیا "میرے گھر کے دروازے کے سامنے پہنچ کر تمہیں یہ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔"

عاصم بولا "میرا مقصد آپ کی مہمان نوازی کی توہین کرنا نہیں تھا۔ میں صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ میرے دشمن میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ ممکن ہے وہ یہاں بھی پہنچ جائیں۔"

زید نے ایک نوجوان سے کہا "تم اس کا گھوڑا اصطبل میں لے جاؤ اور پھر عاصم سے مخاطب ہو کر بولا ——

"میرے ساتھ آؤ!"

عاصم اُس کے ہمراہ چل دیا۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ اپنے میزبان کے ساتھ ایک پرتکلف دسترخوان پر بیٹھا تھا۔ عاصم نے چند نوالے کھانے کے بعد اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ تو زید نے قدرے پریشان ہو کر پوچھا "کیوں کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں۔" عاصم نے جواب دیا "میرا پیٹ بھر چکا ہے، اور اب مجھے چند پہر صرف پرسکون نیند کی ضرورت ہے۔"

"میں نے تمہارے آرام کے لئے ایک علیحدہ خیمے کا انتظام کر دیا ہے۔ اب اگر اسے مہمان نوازی کے آداب کے خلاف نہ سمجھو تو میں جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارا پیچھا کرنے والوں کی تعداد کیا ہے اور وہ یہاں سے کتنی دُور ہیں؟"

"ان کی پانچ ٹولیاں میرا پیچھا کر رہی ہیں۔ آخری ٹولی کو میں نے یہاں سے تین منزل کے فاصلے پر دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ تمام سواروں کی تعداد پچاس کے لگ بھگ ہو گی۔"

"بنو خزرج کے پچاس سوار تمہارا پیچھا کر رہے تھے اور تمہارے قبیلے کا کوئی آدمی تمہاری مدد کو نہیں پہنچا؟"

"میرا پیچھا کرنے والے بنو خزرج کے آدمی نہیں بلکہ میرے اپنے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں اور میں راستے میں لڑنے کی بجائے اُن کی نگاہوں سے بچ کر یہاں پہنچنا چاہتا تھا۔ مسلسل بے آرامی کے بعد میری آخری اُمید آپ کی بستی تھی لیکن یہاں تک پہنچنے سے قبل میرے لئے یہ اطمینان کرنا ضروری تھا کہ دشمن نے میرا پیچھا چھوڑ دیا ہے۔ سواروں کا پہلا گروہ میں نے یثرب سے فرار ہونے کے دوسرے روز دیکھا تھا۔ پھر میں راستہ چھوڑ کر دو دن صحرا میں بھٹکتا رہا۔ تیسری شام میں بھوکا اور پیاسا بنو کلب کی ایک بستی کے قریب پہنچا تو ایک چرواہے کی زبانی معلوم ہوا کہ یثرب کے پندرہ بیس سوار بستی کے رئیس کے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں۔ میں نے یہ رات بھی صحرا میں گزاری اور اس کے بعد تین دن اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ اِس عرصہ میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ بنو کلب کے سواروں کا ایک گروہ بھی مجھے تلاش کر رہا ہے۔ ایک رات میں نے ایک بدوی کے خیمے میں پناہ لی، اُس نے میری خاصی خاطر تواضع کی لیکن جب ہم کھانا کھا کر لیٹ گئے تو وہ دبے پاؤں خیمے سے باہر نکل گیا۔ میں ابھی نیم خوابی کی حالت میں تھا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے اپنے گھوڑے کی ہنہناہٹ سنائی دی۔ میں پریشان ہو کر باہر نکلا تو وہ میرے گھوڑے پر سوار ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے یہ اطمینان تھا کہ میرے گھوڑے پر کوئی غیر سواری نہیں کر سکتا اس لئے میں ایک طرف چھپ کر اطمینان سے یہ تماشا دیکھتا رہا۔ بدوی مایوس ہو کر اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور ایک طرف نکل گیا۔ میں نے سوچا کہ شاید وہ مجھے تلاش کرنے والوں کے پاس جا رہا ہے۔ اس وقت میں چند گھنٹے

کی نیند کے عوض اپنا گھوڑا اور زادِ راہ بھی قربان کرنے کو تیار تھا لیکن نیند کی حالت میں قتل ہونا مجھے پسند نہ تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے گھوڑے پر زین ڈالی اور سوار ہو کر وہاں سے چل دیا۔ کوئی پانچ کوس چلنے کے بعد میری ہمت جواب دے گئی اور میں گھوڑے کو کھلا چھوڑ کر ریت کے ایک ٹیلے پر لیٹ گیا۔ پچھلے پہر سردی سے میری آنکھ کھل گئی۔ اور میں نے آگ جلانے کی ضرورت محسوس کی لیکن ابھی میں کوئی خشک جھاڑی تلاش ہی کر رہا تھا کہ مجھے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی پھر چاند کی دھندلی روشنی میں ٹیلے سے کوئی دو سو قدم دور مجھے چند سوار دکھائی دیئے، ایک شتر سوار اُن کی راہنمائی کر رہا تھا۔ میرے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ وہ کون ہے۔ حیرانی کی بات صرف یہ تھی کہ اُس نے مجھے نیند کی حالت میں قتل کیوں نہیں کر دیا تھا۔"

"اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں۔ قتل نہ کرنے کی وجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ تمہیں پکڑوانے کے بعد اُسے زیادہ انعام کی توقع تھی۔ میں تمہاری تمام سرگزشت سننا چاہتا ہوں لیکن اس وقت تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔"

عاصم اُس کے ساتھ باہر نکلا، تھوڑی دیر بعد وہ کشادہ صحن کے کونے میں ایک چھوٹے سے خیمے میں داخل ہوا۔

زید نے کہا۔"اب تم اطمینان سے سو جاؤ۔ میں تمہیں اس بات کا یقین دلا سکتا ہوں کہ اگر یثرب کی ساری آبادی اس طرف امڈ آئے تو بھی میرا خاندان تمہاری حفاظت کرے گا۔ مجھے بنو کلب کے متعلق بھی یہ اطمینان ہے کہ وہ یثرب کے کسی خاندان کو خوش کرنے کے لئے ہماری دشمنی مول نہیں لیں گے۔"

زید عاصم کو تسلی دینے کے بعد خیمے سے باہر نکل گیا اور عاصم کو بستر پر لیٹتے ہی نیند آگئی۔ پچھلے پہر وہ بیدار ہوا تو اُس کا گلا پیاس سے خشک ہو رہا تھا۔ اور جسم بخار سے تپ رہا تھا۔ چاند کی روشنی میں اُسے خیمے کے دروازے کے قریب ایک مٹکا دکھائی دیا اُس نے اٹھ کر پانی کے دو کٹورے پیئے اور دوبارہ بستر پر لیٹ گیا۔ لیکن جسم کے درد اور بخار کے باعث اُسے نیند نہ آئی۔ طلوعِ سحر کے وقت وہ خیمے سے نکلا اور کچھ دیر بستی سے باہر گھومنے کے بعد واپس آکر پھر اپنے بستر پر لیٹ گیا۔

زید خیمے کے اندر داخل ہوا اور عاصم اٹھ کر بیٹھ گیا۔

زید نے کہا۔"میرا خیال تھا کہ تم ابھی تک سو رہے ہو گے؟"

عاصم نے جواب دیا۔"میں کئی دن کے بعد آرام کی نیند سویا تھا لیکن عجیب بات ہے کہ آج ہی مجھے اپنی تھکاوٹ کا احساس ہوا ہے۔ میرا سارا جسم درد کر رہا ہے اور شاید بخار بھی ہے۔"

زید نے آگے بڑھ کر اُس کی نبض دیکھی اور بولا۔"میں شام کے وقت بھی یہ محسوس کر رہا تھا کہ تم بیمار ہو۔ لیکن دو چار دن آرام کرنے کے بعد تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

عاصم نے کہا۔"میرا خیال تھا کہ میں ایک رات آرام کرنے کے بعد سفر کے قابل ہو جاؤں گا اور آپ کو زیادہ تکلیف نہ دوں گا۔"

زید نے جواب دیا۔"عاصم! میں تمہیں عمر بھر کے لئے پناہ دے چکا ہوں۔ اور میرا سارا خاندان یہ محسوس کرتا ہے کہ ہمارے لئے یہ سودا مہنگا نہیں۔ میں بنو غطفان کے تمام رؤسا کے سامنے یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ تم ہمارے قبیلے میں داخل ہو چکے ہو اور میرے خاندان سے تمہارا رشتہ خون کا رشتہ ہے۔ ہمارے پاس اہل یثرب کی طرح سرسبز و شاداب چراگاہیں اور باغ نہیں لیکن ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ دوسرے قبائل کے کئی پناہ گزین ہمارے قبیلے میں داخل ہو چکے ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔"میں آپ کا شکر گزار ہوں لیکن اس وقت میرا کوئی فیصلہ ایک ایسے انسان کا فیصلہ ہوگا جو اپنے حواس کھو چکا ہے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ مجھے چند دن سوچنے کا موقع دیں۔"

زید نے ندامت کے لہجے میں جواب دیا۔"میں نے تمہیں کسی شرط کے بغیر پناہ دی ہے لیکن مجھے یقین ہے تندرست ہونے کے بعد جب تم اپنے مستقبل کے متعلق اطمینان کے ساتھ سوچو گے تو میری مخلصانہ دعوت رد نہیں کر سکو گے۔"



پانچویں دن عاصم کا بخار اتر چکا تھا اور مزید چند دن آرام کرنے کے بعد وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ اس عرصہ میں اُسے اپنا تعاقب کرنے والوں کے متعلق یہ معلوم ہو چکا تھا کہ وہ بنو کلب کا علاقہ چھاننے کے بعد بنو غطفان کے بعض رؤسا کے پاس بھی پہنچے تھے لیکن زید کے اثر و رسوخ کے باعث قبیلہ کا کوئی با اثر آدمی ان کا ساتھ دینے پر آمادہ

نہ ہوا۔ ایک دن زید کو یہ اطلاع ملی کہ پانچ سوار اُس کی بستی کا رُخ کر رہے ہیں۔ اُس نے بیس جوان اُن کا راستہ روکنے کے لئے بھیج دیئے۔ زید کے آدمیوں نے بستی سے دو کوس کے فاصلے پر اُن پر حملہ کیا اور اُن کے گھوڑے اور اسلحہ چھین کر اُنہیں واپس بھیج دیا۔ اِس کے بعد کسی اور گروہ کو زید کی بستی کا رُخ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

تین ہفتے کے بعد ایک دن زید کی چھوٹی بہن کی شادی کے موقع پر قبیلے کا بڑا سردار اور دوسرے رؤسا اُس کے گھر جمع ہوئے تو اُس نے عاصم کو اُن کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”بھائیو اور بزرگو! مجھے اِس بات پر فخر ہے کہ قبیلہ اوس کے ایک معزز نوجوان نے پناہ لینے کے لئے میرا گھر منتخب کیا ہے اور میری وجہ سے بنو غطفان کے اسلحہ خانے میں ایک قیمتی تلوار کا اضافہ ہو رہا ہے۔ میں اسے اپنے قبیلے میں داخل کرنے کے لئے آپ کی اجازت چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ خوشی سے مجھے اس کی اجازت دیں گے۔ عاصم کے دل میں ابھی تک یہ شبہ ہے کہ ہم شاید اُسے پناہ دے کر بنو اوس کی دشمنی مول لینے کی جرأت نہ کرسکیں۔ اور اسے مطمئن کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ آپ سب باری باری میرے اِس اعلان کی تائید کریں کہ آج سے عاصم کے دوست ہمارے دوست اور اس کے دشمن ہمارے دشمن ہوں گے۔“

قبیلے کے بڑے سردار نے کہا۔ ”میں پورے قبیلے کی طرف سے تمہارے اعلان کی تائید کرتا ہوں اور اگر یہ نوجوان ہمارے دوستوں کی خاطر جان دینے کی ہمت اور ہمارے دشمنوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا حوصلہ رکھتا ہے تو میں تمہیں مبارکباد کا مستحق سمجھتا ہوں۔“

زید نے فخر سے اپنا سر اونچا کرتے ہوئے کہا۔ ”عاصم آپ کو مایوس نہیں کرے گا۔“ پھر وہ عاصم سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”کیوں، عاصم! تم مجھے شرمسار تو نہیں کرو گے؟“ لیکن عاصم نے جواب دینے کی بجائے سر جھکا لیا۔

زید نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ ”عاصم میں اپنا فرض ادا کرچکا ہوں، اب یہ حضرات تمہاری زبان سے یہ سننا چاہتے ہیں کہ آج کے بعد بنو غطفان کے دوستوں کے سوا تمہارا کوئی دوست نہ ہوگا۔ تم خاموش کیوں ہو؟“

حاضرین کی نگاہیں عاصم کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں، اُس نے گردن اٹھائی اور مغموم لہجے میں کہا۔ ”میں آپ کا احسان مند ہوں اور احسان مندی کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ میں آپ سے کوئی ایسا وعدہ نہ کروں جسے نبھانا میری ہمت سے بعید ہو۔ یثرب میں اپنے متعلق میں یہ تأثر چھوڑ کر آیا ہوں کہ قدرت نے مجھے دوست اور دشمن کے درمیان امتیاز

کرنے والی نگاہ سے محروم کر دیا ہے۔ وہاں میں نے جن لوگوں کی حمایت میں تلوار اٹھائی تھی وہ میرے دوست نہ تھے، بلکہ اُس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جس نے میرے باپ، میرے بھائیوں اور میرے عزیزوں کو قتل کیا تھا اور میں نے جن جوانوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا وہ میرے دشمن نہ تھے بلکہ میرے اپنے خاندان کے آدمی تھے۔ کل تک میں ایک خاندان اور ایک قبیلے کا فرد تھا اور میری دنیا دوستوں اور دشمنوں سے آباد تھی۔ لیکن آج میری دنیا دوستی اور دشمنی کے جذبات سے خالی ہے۔ میں اپنے اسلاف کے راستے سے بھٹک کر ایک ایسے صحرا کی طرف نکل گیا تھا جہاں میرے لئے ویرانیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اپنی بے بسی اور مایوسی کے باوجود صرف ایک گمنام زندگی کی خواہش مجھے زید کے دروازے تک لے آئی تھی۔ ورنہ میں اس عزت افزائی کا مستحق نہ تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ایک ایسے محسن کو مایوس کر رہا ہوں، جس نے مجھے زندہ رہنے کے لئے سہارا دیا ہے۔ لیکن اب میں یہ عہد کرچکا ہوں کہ زندگی بھر کسی انسان پر تلوار نہیں اٹھاؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ عرب میں اس قسم کا اعلان کرنے والے کو پاگل سمجھا جائے گا۔ لیکن جس شخص نے اپنے خرمن کو اپنے ہاتھ سے آگ لگائی ہو وہ ایک پاگل کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟ آپ اِس بات پر تعجب کریں گے کہ میں اپنے کئے پر پشیمان نہیں ہوں بلکہ یہ محسوس کرتا ہوں کہ اگر میری زندگی میں دوبارہ ایسے حالات پیش آئیں تو بھی میرا طرزِ عمل وہی ہوگا جس کے نتیجے میں میری دنیا دوستی اور دشمنی کے متعلق اپنے خاندان اور اپنے قبیلے کے دیرینہ تصورات سے خالی ہوچکی ہے۔“

عاصم یہاں پہنچ کر رُک گیا پھر اُس نے اپنی تلوار کا تسمہ کھولا اور اُسے زید کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”انسانی خون کے لئے میری پیاس بجھ چکی ہے۔ مجھے اب اِس تلوار کی ضرورت نہیں، لیجئے! اور اگر آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ میں نے آپ کو اس محفل میں شرمسار کیا ہے تو میری گردن حاضر ہے۔“

زید نے عاصم کے ہاتھ سے تلوار لے لی۔ وہ غصے سے کانپ رہا تھا۔ عاصم نے دو زانو ہو کر گردن جھکا دی۔ زید نے تلوار کے دستے پر ہاتھ ڈالا لیکن نیام سے آدھی تلوار کھینچنے کے بعد اُس کا ہاتھ رُک گیا، اُس نے بے بسی کی حالت میں قبیلے کے عمر رسیدہ سردار کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”میں اس پاگل کو پناہ دے چکا ہوں۔“

ایک اور آدمی بولا۔ ”لیکن ابھی تم یہ کہہ رہے تھے کہ اسے اپنے گھر میں پناہ دینا تمہاری زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔“

دوسرے نے کہا۔ ”زید اِسے پاگل کہہ کر اپنی خفت مٹا سکتا ہے لیکن اس نے ہماری دوستی کا ہاتھ جھٹک کر پورے قبیلے کی ہتک کی ہے۔ اس کی کم از کم سزا یہی ہے کہ اِسے بنو اوس کے پاس واپس بھیج دیا جائے۔“

بوڑھے سردار نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "نہیں نہیں اگر زید ایک پاگل آدمی کو پناہ دے چکا ہے تو ہم اس کے ساتھ بدعہدی نہیں کر سکتے۔ ہماری حدود میں اس کا بال بیکا نہیں ہونا چاہیئے۔"

"اور ہماری حدود سے باہر؟" ایک نوجوان نے پوچھا۔

سردار نے جواب دیا "حدود سے باہر زید کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔"

زید نے عاصم کو اُس کی تلوار واپس دیتے ہوئے کہا "یہ لو مجھے ایک بزدل آدمی کی تلوار کی ضرورت نہیں۔"

عاصم نے پہلی بار اپنی مردہ رگوں میں خون کی حرارت محسوس کی لیکن یہ کیفیت ایک ثانیئے سے زیادہ نہ رہی اُس نے اپنی تلوار لے کر نیام سے نکالی اُس کی نوک زمین پر رکھ کر درمیانی حصہ پر پاؤں کا دباؤ ڈالا اور دیکھتے دیکھتے اُس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اِس کے بعد دستے والا حصہ ایک طرف پھینک کر مڑا اور تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اصطبل کی طرف چل دیا۔

حاضرین کچھ دیر دم بخود، ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے بالآخر قبیلے کے بڑے سردار نے کہا "یہ دیوانہ کوئی بہت بڑا صدمہ اٹھا چکا ہے، اسے جانے دو ـــــ اور بنو اوس کو یہ پیغام بھیج دو کہ تمہارا مجرم ہماری پناہ سے نکل چکا ہے۔"

زید نے کہا "اگر یہ بذاتِ خود یثرب کی طرف نہ چلا گیا تو بنو اوس اسے نہیں پکڑ سکیں گے۔"

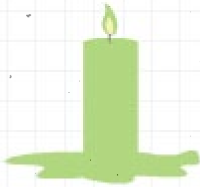
دولہا کا باپ جواب تک خاموشی سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ زید سے مخاطب ہو کر بولا "زید! یہ خوشی کا دن ہے ہمیں ایک دیوانے کو معاف کر دینا چاہیئے۔ میں قبیلے کے تمام لوگوں سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اِس کا پیچھا نہ کریں۔"

ایک نوجوان نے احتجاج کیا "لیکن ہمارے لئے یہ پابندی صرف اپنے علاقے کی حدود تک رہنی چاہیئے۔ اس کا گھوڑا بہت قیمتی ہے اور اس کی جیب بھی خالی نہیں ہو سکتی۔ اگر ہم نے اسے چھوڑ دیا، تو اس کا سامان راستے میں کسی اور کے کام آئے گا۔"

بوڑھے سردار نے کہا "اب مجھے یقین ہو چکا ہے کہ وہ دیوانہ ہے اور ایک دیوانے کو لوٹ لینا میرے قبیلے کے کسی آدمی کو زیب نہیں دیتا۔ یہ کام ہمیں اُن حقیر لوگوں کے لئے چھوڑ دینا چاہیئے جو صرف مُردوں کا لباس اتارنا جانتے ہیں۔"

باہر عاصم کے گھوڑے کی ٹاپ سنائی دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد زید کا ایک نوکر آیا اور اُس نے کہا "وہ پاگل اپنا ترکش اور کمان بھی وہیں پھینک گیا ہے۔"

حصہ دوم



آگ اور صلیب

باب ۱۲

مشرق اور مغرب کی جنگوں کا نیا دور ایران میں کسریٰ نوشیرواں اور بازنطینی[۱] روم میں قیصر جسٹنین کے اقتدار کے ساتھ شروع ہوا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب رومی بڑی تیزی کے ساتھ مشرق اور مغرب کی طرف پھیل رہے تھے۔ اہل حبشہ حمیری فرمانرواؤں کو شکست دے کر یمن پر قبضہ کر چکے تھے اور چونکہ وہ مذہباً عیسائی تھے اس لئے رومی اُن کی پشت پناہی کرتے تھے۔ ایرانیوں کو اپنے ہمسایہ ملک کے ایک اہم حصہ پر روم کے عیسائی حلیفوں کی فتح گوارا نہ تھی۔ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ اہلِ حبشہ مشرق کی طرف رومیوں کے اثر و اقتدار کا راستہ صاف کر رہے ہیں۔ شام اور عراق کی سمت عرب کی سرحدوں کے ساتھ غسانی اور لخمی خاندانوں کی منافرتیں بھی روم و ایران کے لئے وجہ نزاع بن گئی تھیں۔ حیرہ کے لخمی حکمران ایرانیوں کے حلیف اور شام کے غسانی فرماں روا رومیوں کے باجگزار تھے۔ اور ان دو خاندانوں کی نہ ختم ہونے والی جنگیں رومیوں اور ایرانیوں کو بھی بتدریج میدان کارزار کی طرف دھکیل رہی تھیں۔

چنانچہ کسریٰ نوشیرواں نے ایران کے اندرونی خلفشار سے نجات حاصل کرتے ہی بازنطینی سلطنت کی مشرقی سرحدوں پر دھاوا بول دیا اور شام کے باشندے پھر ایک بار آگ اور خون کے طوفان کی تباہ کاریاں دیکھ رہے تھے۔ لیکن قیصر

۱؎ روم کی مشرقی سلطنت جس کا دارالحکومت قدیم بازنطین یا قسطنطنیہ تھا ۳۳۰ء کے بعد اسی سلطنت کو صحیح معنیٰ میں رومی سلطنت سمجھا جاتا ہے۔

جسٹنین کے ہوشیار اور تجربہ کار جرنیل بلیساریوس نے ایرانی لشکر کی پیش قدمی روک دی۔ اس کے بعد چند سال امن کے گزرے لیکن ۵۴۰ء میں نوشیرواں نے تین لاکھ فوج کے ساتھ شام پر یلغار کی اور راستے کی آبادیوں کو تباہ و برباد کرنے کے بعد حلب کے خوبصورت شہر کو آگ لگا دی۔ ان ایام میں رومی افواج یورپ میں برسرِ پیکار تھیں۔ نوشیرواں نے شام میں رومیوں کی کمزوری سے پورا فائدہ اٹھایا اور حمص کے تمام نواحی علاقے تباہ و ویران کرنے کے بعد انطاکیہ کی طرف جا نکلا۔ یہ قسطنطنیہ اور اسکندریہ کے بعد بازنطینی سلطنت کا تیسرا عظیم شہر تھا۔ اور ایرانی لشکر نے یہاں بھی حلب اور حمص کی طرح پوری سفاکی اور درندگی کا مظاہرہ کیا۔ شام کے کئی اور شہروں کو لوٹنے کے بعد نوشیرواں نے واپس مدائن کا رُخ کیا تو مفتوحہ علاقوں کے ہزاروں مرد اور عورتیں جنگی قیدیوں کی حیثیت سے اُس کے ساتھ تھیں۔ ان قیدیوں کے لئے اُس نے مدائن سے ایک دن کے فاصلے پر ایک نیا شہر آباد کیا۔

کچھ مدت آرام کرنے کے بعد اُس نے مشرق اوسط میں رومیوں کا رہا سہا اقتدار ختم کرنے کے لئے فلسطین پر حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ لیکن قیصر روم نے بلیساریوس کو جو اٹلی میں یورپ کے وحشی قبائل کے خلاف مصروف پیکار تھا دوبارہ مشرقی محاذ پر بلا لیا۔ روم کے اسی تجربہ کار جرنیل نے اچانک ایران کی سرحد پر پہنچ کر نوشیرواں کو نہ صرف یروشلم کی طرف پیش قدمی کا ارادہ ملتوی کرنے پر مجبور کر دیا بلکہ ایران کے لئے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی کہ نوشیرواں کے لئے اپنے لشکر کے اُن دستوں کو بھی واپس بلانے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا، جو ابھی تک ایشیائے کوچک میں لوٹ مار کر رہے تھے۔ لیکن اُس وقت، جب بلیساریوس فرات کے کنارے ایرانیوں سے کسی فیصلہ کن لڑائی کی تیاریاں کر رہا تھا قسطنطنیہ کے دربار میں اُس کے خلاف سازشیں شروع ہوئیں اور اسے واپس بلا لیا گیا۔ اس کے بعد روم اور ایران کے حکمرانوں نے مصالحت کر لی اور چند سال امن سے گزر گئے۔ جسٹنین کی وفات کے بعد روم کی عنان اقتدار اُس کے بھانجے جسٹنین ثانی کے ہاتھ میں آئی اور اُس نے بھی چند سال نوشیرواں سے الجھنے کی ضرورت محسوس نہ کی لیکن اچانک یمن کے حالات نے روم و ایران کے درمیان تصادم کی ایک نئی صورت پیدا کر دی۔

۵۷۰ء میں یمن کے حبشی حکمران ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کی، اُس کا مقصد ایک طرف اُس قدیم تجارتی شاہراہ پر مکمل قبضہ جمانا تھا جو یمن اور شام کی تجارتی منڈیوں کو ملاتی تھی اور دوسرا مکہ کی مذہبی حیثیت کو ختم کر کے عرب میں عیسائیت کا راستہ صاف کرنا تھا۔ ابرہہ کو یقین تھا کہ مکہ میں خانہ کعبہ کو مسمار اور حجرِ اسود کو وہاں سے اٹھا کر یمن کے عبادت خانے میں

منتقل کر دینے کے بعد وہ مکہ کی بجائے یمن کو عربوں کی توجہ کا مرکز بنا سکے گا اور اِس طرح وہ عیسائیت کی طرف مائل ہو جائیں گے۔ اہلِ روم اِس بات پر خوش تھے کہ عرب کے جنگجو قبائل عیسائیت قبول کرنے کے بعد ابرہہ کے زیر اثر اُن کے حلیف بن جائیں گے اور اُن کی متحدہ قوت ایرانیوں کے خلاف استعمال کی جا سکے گی۔ چنانچہ جب ابرہہ نے اپنے ہاتھیوں کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کی تو قیصر اور کلیسا کے اکابر کی دعائیں اُس کی جلو میں تھیں۔ اب عرب کے بے آب و گیاہ صحراؤں کے پسماندہ جاہل اور بے راہ رو باشندوں کے مستقبل کے افق پر نئی تاریکیوں کا اضافہ ہونے والا تھا کسی بیرونی تسلط سے آزادی اُن کی آخری نعمت تھی اور اب یہ نعمت بھی اُن سے چھننے والی تھی۔ ابرہہ ایک ایسی فوج کا سپہ سالار تھا جن کا ہر سپاہی فتح کے یقین سے سرشار تھا۔ اُس کے سامنے وہ میدان تھے جو دشمن کی صفوں سے خالی تھے۔ وہ ایک ایسی بستی کو تاخت و تاراج کرنے جا رہا تھا جس میں نہ فصیلیں تھیں، نہ قلعے۔

لیکن اہلِ مکہ کی تمام کمزوریوں اور بد اعمالیوں کے باوجود احکم الحاکمین کو ابرہہ کے ہاتھوں اُس گھر کی تباہی منظور نہ تھی جس کی بنیاد خلیل اللہؑ نے رکھی تھی۔ وہ اِس گھر کو اُس چراغ کے لئے محفوظ رکھنا چاہتا تھا جس کے نور سے مشرق و مغرب کے ظلمتکدے روشن ہونے والے تھے۔

مغربی مؤرخ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ابرہہ نے ہاتھیوں کے لشکر سے مکہ پر چڑھائی کی تھی۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہاں اُس کا مدِمقابل کوئی نہ تھا۔ وہ اِس واقعہ کو بھی نہیں جھٹلاتے کہ اُسے عبرتناک شکست ہوئی تھی لیکن یہ بات اُن کی سمجھ میں نہیں آسکی کہ ابرہہ کے ہاتھی ابابیلوں کے خدائی لشکر کے سامنے عاجز آگئے تھے۔

ابرہہ کی شکست سے عرب کو اپنے پنجۂ اقتدار میں لانے کے متعلق رومیوں کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔ پھر جب اُس کے بیٹوں کے درمیان اقتدار کی جنگ چھڑی تو حمیری خاندان کا ایک شہزادہ گمنامی کے پردوں سے نکل کر مدائن پہنچا اور اہلِ حبشہ کو یمن سے نکالنے کے لئے نوشیرواں سے اعانت کا طلبگار ہوا۔ نوشیرواں ایک مدت سے موقع کا منتظر تھا۔ چنانچہ اُس نے کسی توقف کے بغیر یمن پر چڑھائی کر دی۔ ایرانی افواج نے ایک ہی ریلے میں اہلِ حبشہ کو یمن کی حدود سے باہر دھکیل دیا۔ لیکن حمیری شہزادے کو جلد ہی اِس تلخ حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ اُس کی کوشش کا ماحصل آقاؤں کی تبدیلی کے سوا کچھ نہیں۔ یمن جو قریباً نصف صدی تک اہلِ حبشہ کی شکارگاہ رہ چکا تھا اب ایرانیوں کی شکارگاہ بن گیا تھا۔ ایرانیوں کے ہاتھوں حبشہ کی افواج کی شکست کی اطلاع قسطنطنیہ پہنچی تو شہنشاہ جسٹنین نے

نوشیرواں کے خلاف اہلِ حبش اور وسطی ایشیا سے لے کر مشرقی یورپ تک کے منگولی اور ترک قبائل کا ایک متحدہ محاذ بنا لیا۔ نوشیرواں نے اہلِ روم کی جنگی تیاریوں کی اطلاع ملتے ہی چڑھائی کر دی۔ جب وہ شام کے شہروں کو تاخت و تاراج کر رہا تھا تو اُس کے ایک جرنیل آذرمان نے بابل سے پیش قدمی کی اور شمال مغرب کی طرف اپنے راستے کی بستیوں اور شہروں کو تباہ و برباد کرنے کے بعد انطاکیہ کے مضافات تک جا پہنچا۔ قسطنطنیہ کے عوام پر ایرانی فتوحات کا یہ اثر ہوا کہ وہ اپنے حکمران کے خلاف ہو گئے اور جسٹنین کو شرم و ندامت کے باعث اپنے تخت و تاج سے دستبردار ہونا پڑا۔ نئے حکمران طائبیریس نے ہوشمندی سے کام لے کر تین سال کے لئے عارضی صلح کر لی۔ لیکن اس دوران میں اہلِ روم پورے جوش و خروش کے ساتھ جنگ کی تیاریاں کرتے رہے۔ تین سال بعد رومیوں کی تیاریوں کا یہ عالم تھا کہ دریائے رائن سے لے کر ایلپس کے پہاڑوں تک یورپ کی جنگجو اقوام کے قریباً ڈیڑھ لاکھ سوار مشرق کا رُخ کرنے کے لئے طائبیریس کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ نوشیرواں کو ان تیاریوں کی اطلاع اُس وقت ملی جب روم کے سفیر اُس کے دربار میں دائمی مصالحت کی تجاویز پیش کر رہے تھے۔ چنانچہ ہوشیار سفیروں کو اُس کا آخری جواب یہ تھا۔
"کہ تم جاؤ اور مزید گفتگو کے لئے قیساریہ میں ہمارے لشکر کی آمد کا انتظار کرو۔"

چند ہفتے بعد ایران اور روم کے سپاہی دریائے فرات کے کنارے نبرد آزما تھے۔ ایرانی اپنے مورچوں سے تیروں کا مینہ برسا رہے تھے اور رومی دست بدست لڑائی کے لئے اُن کے قریب آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک ترک سردار نے جو رومی لشکر کے دائیں بازو کی کمان کر رہا تھا، اچانک ایرانی فوج کے میمنہ پر حملہ کر دیا اور دشمن کی صفیں درہم برہم کرتا ہوا نوشیرواں کے کیمپ تک جا پہنچا۔ اُس نے شاہی خیمے کی طنابیں کاٹ ڈالیں۔ سونے کی انگیٹھی میں مقدس آگ کے شعلے بجھا دیئے اور اپنے جانبازوں کے ساتھ فتح کے نعرے لگاتا ہوا واپس آگیا۔ اِس کے بعد باقی دن، فریقین اکادُکا حملوں پر اکتفا کرتے رہے۔ رات کے وقت جب رومی افواج آرام کے لئے پیچھے ہٹ گئیں تو ایرانیوں نے شبخون مار کر ان کا کیمپ لوٹ لیا، تاہم دن بھر کے نقصانات اور ان سے زیادہ مقدس آگ بجھ جانے کے باعث مجوسیوں کے حوصلے اِس قدر پست اور ان کا جوش اس قدر ٹھنڈا ہو چکا تھا کہ نوشیرواں کو پسپائی ہی میں خیریت نظر آئی اور اُس نے ایک ہاتھی پر سوار ہو کر دریائے فرات عبور کر لیا۔ رومیوں نے پیش قدمی کر کے بحیرہ خزر کی چند بندرگاہوں پر قبضہ کر لیا اور ستر ہزار ایرانیوں کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گئے جنہیں بعد میں سائپرس بھیج دیا گیا۔



موسمِ بہار کی آمد پر رومی لشکر نے دوبارہ پیش قدمی کی اور اشوریا کے کئی زرخیز علاقے تباہ کر دیئے۔ ایران کے عمر رسیدہ حکمران کو بالآخر موت کی آغوش میں پناہ ملی اور امرائنے اس کی آخری نصیحت پر عمل کرتے ہوئے رومیوں کے خلاف جوابی کاروائی کا ارادہ ترک کر دیا۔

نوشیرواں کے بعد ایران کے تخت پر اُس کا بڑا بیٹا ہرمز رونق افروز ہوا۔ یہ خود پسند اور مغرور حکمران ہر معاملے میں اپنے باپ کی ضد ثابت ہوا۔ اس نے نوشیرواں کے وفادار ساتھیوں کو ایک ایک کر کے دربار سے نکال دیا اور ان کی جگہ ذلیل اور خوشامدی اپنے گرد جمع کر لئے۔ ایران میں جبر و تشدد کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ جب عوام کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور بعض علاقوں میں بغاوت کے آثار ظاہر ہونے لگے تو مدائن کے مغرب کی طرف سے شہنشاہ روم اور شمال کی طرف سے خاقانِ ترک کی پیش قدمی کی خبریں آنے لگیں۔ ان غیر یقینی حالات میں ایران کو ایک لیڈر مل گیا اور محبانِ وطن ہرمز کے خلاف انتہائی نفرت و حقارت کے باوجود ملک کی حفاظت کے لئے اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ اس اولوالعزم لیڈر کا نام بہرام چوبین تھا اور وہ رے کے قدیم شاہی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔

نوشیرواں کی فوج کے ایک جرنیل کی حیثیت سے بہرام نے رومیوں کے خلاف بعض معرکوں میں غیر معمولی جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا تھا۔ ملک کی حفاظت کا ذمہ لینے کے بعد اس دیو قامت انسان نے ایرانی عوام اور فوج میں ایک نئی روح پھونک دی۔ خاقان نے ایک لاکھ جنگجو ترکوں کے ساتھ دریائے جیحوں عبور کر لیا لیکن ایک کوہستانی علاقے میں پیش قدمی کرتے وقت اُسے ایرانی تیر اندازوں کے ہاتھوں تباہی کا سامنا کرنا پڑا اور ترک شدید نقصان اٹھانے کے بعد پسپا ہو گئے۔ لیکن ہرمز نے محسوس کیا کہ سلطنت کے اندر اُس کا ایک طاقتور حریف پیدا ہو گیا ہے۔ خوشامدی امرا نے اُس کے کان بھرے کہ بہرام نے مالِ غنیمت کا کچھ حصہ چھپا لیا ہے اور یہ ظالم اور بے وقوف حکمران اُسے نیچا دکھانے کی تجاویز سوچنے لگا۔

بہرام ترکوں کے خلاف لڑائی سے فارغ ہوا تو اُسے یہ اطلاع ملی کہ رومی افواج دریائے فرات کے کنارے پہنچ چکی ہیں۔ چنانچہ اُس نے کسی توقف کے بغیر پیش قدمی کی اور دریا کے کنارے پہنچ کر رومی سپہ سالار کو پیغام بھیجا

کہ یا تو مجھے دریا کے پار آنے دو یا خود اسے عبور کر کے میرے مقابلے میں آ جاؤ۔ رومی لشکر کے سپہ سالار نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں تمہیں دریا کے پار آنے کا موقع دینے کو تیار ہوں۔ بہرام مکمل تیاریوں کے بغیر دریا عبور کرنے کو تیار نہ تھا۔ چنانچہ اُس نے مزید سپاہی اور جنگی سامان جمع کرنے میں کئی دن صرف کر دیئے۔ عوام اپنے بادشاہ سے نفرت کے باوجود ایک بہادر جرنیل کا ساتھ دینے کو تیار تھے اور وہ جوق در جوق ایرانی لشکر کے کیمپ میں جمع ہونے لگے، لیکن ہرمز، بہرام کی بڑھتی ہوئی ہر دلعزیزی سے اِس قدر خائف ہو چکا تھا کہ اُسے ایران کی فتح یا شکست سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔ وہ ہر قیمت پر اُس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک دن مدائن سے ایک ایلچی بہرام کے پاس پہنچا اور اُس نے ایک اٹیرن اور نسوانی لباس پیش کرتے ہوئے کہا "شہنشاہ والا تبار کا حکم ہے کہ تم سپاہی کا لباس اتار کر عورت کا لباس پہن لو اور یہ اٹیرن لے کر لشکر کے سامنے سے گزرو۔"

ہرمز اور اُس کے سازشی وزیروں کا خیال تھا کہ بہرام فوج کے سامنے اپنی یہ توہین برداشت کرنے کی بجائے مستعفی ہو کر بھاگ جائے گا لیکن اُس نے اپنے بادشاہ کے احمقانہ حکم کی تعمیل میں نسوانی لباس پہنا اور اٹیرن ہاتھ میں لے کر باری باری صف بستہ سپاہیوں کے سامنے سے گزرنے لگا۔ محبانِ وطن خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ اور بعض سر پھروں نے بادشاہ کے خلاف نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ تاہم اپنے سپہ سالار کی فرمانبرداری دیکھ کر کسی کو علمِ بغاوت بلند کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

ہرمز کو جب ان واقعات کی اطلاع ملی تو اُس نے دوسرے ایلچی کو یہ حکم دے کر بھیج دیا کہ بہرام کو پابہ زنجیر ہمارے سامنے حاضر کرو۔ اِس عرصے میں فوج کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا چنانچہ جب ایلچی بادشاہ کا حکم سنا رہا تھا تو سپاہیوں نے اُس کو پکڑ لیا اور باندھ کر ہاتھی کے آگے ڈال دیا۔ بہرام نے رومیوں سے جنگ کا ارادہ ترک کر کے مدائن کا رُخ کیا اور شاہی محافظوں کو موت کے گھاٹ اتار کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ اِس کے بعد باغی فوج نے اُن قید خانوں کے دروازے کھول دیئے جہاں سینکڑوں بے گناہ اپنے ظالم حکمران کی بدانجامی کا انتظار کر رہے تھے۔ جب باغی شاہی محل کے اندر داخل ہوئے تو رہائی پانے والے قیدی اُن کی اگلی صف میں تھے۔ ایک ساسانی شہزادے نے شکست خوردہ حکمران کو پکڑا اور محل سے باہر لا کر اُس قید خانے کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں دھکیل دیا جہاں وہ خود رہ چکا تھا۔

ہرمز کا بڑا بیٹا خسرو پرویز، باغیوں کے حملے کے وقت شہر سے بھاگ گیا تھا۔ لیکن بعض امراء اُسے تخت پر

بٹھانے کا وعدہ کرکے واپس لے آئے۔ ہرمز پر مقدمہ چلایا گیا۔ شہنشاہ ایران مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا تھا اور انصاف کی کرسیوں پر وہ لوگ رونق افروز تھے جنہیں بہرام نے قید خانوں سے نکالا تھا۔ بادشاہ نے عدالت کو متاثر کرنے کے لئے انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ التجائیں کیں۔ پھر جب اُس نے دیکھا کہ امراء متاثر ہو رہے ہیں تو اچانک اپنا انداز بدل لیا اور دوسروں کو اپنی کوتاہیوں اور بداعمالیوں کا ذمہ دار ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اپنے بڑے بیٹے خسرو پرویز پر مختلف الزامات عائد کرنے کے بعد اُس نے عدالت سے اپیل کی کہ اگر تمہیں میری حکومت پسند نہیں تو میں تخت و تاج سے دستبردار ہونے کو تیار ہوں لیکن میری آخری التجا یہ ہے کہ میری جگہ تم ضرور خسرو پرویز کی بجائے میرے چھوٹے بیٹے کو اپنا حکمران تسلیم کرلو۔ امراء اس پر مشتعل ہوگئے، انہوں نے ہرمز کے چھوٹے بیٹے اور اُس کی ماں کو موت کے گھاٹ اتار کر اُن کی لاشیں بے حرمتی کے لئے عوام کے حوالے کر دیں۔ پھر گرم سلاخوں سے ہرمز کی آنکھیں نکلوا دیں اور پرویز کے سر پر تاج رکھ دیا۔

نئے حکمران نے کچھ عرصہ انقلابیوں کو خوش رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن جب اُس کے پاؤں جم گئے تو وہ بہرام کے اثر و رسوخ سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدابیر سوچنے لگا۔ مجوسی کاہن اور امراء کو بھی یہ بات پسند نہ تھی کہ بہرام سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک بن جائے چنانچہ انہوں نے پرویز کو نسبتاً کمزور سمجھ کر اپنا مستقبل اُس سے وابستہ کر دیا۔ جب عوام کا جوش و خروش قدرے ٹھنڈا ہوا تو پرویز نے اپنے اندھے باپ کو قید خانے سے نکالا اور اپنے محل میں لے آیا۔ ہرمز کی زندگی کی ساری دلچسپیاں اب صرف اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل تک محدود تھیں۔ لیکن پرویز اُس کی بداعمالیاں برداشت کرتا رہا۔

بہرام جس کے لشکر نے شہر کے باہر پڑاؤ ڈال رکھا تھا اس صورت حال سے خوش نہ تھا۔ ملک کو ہرمز کے مظالم اور بے اعتدالیوں سے نجات دلانے کے بعد اُسے امید تھی کہ عوام، امراء اور مجوسی کاہن اُسے کندھوں پر بٹھا کر حکومت کی مسند تک لے جائیں گے لیکن اس انقلاب کے نتائج اُس کی توقعات کے سراسر خلاف تھے۔ وہ امراء جنہیں اُس نے قید و بند کی صعوبتوں سے نجات دلائی تھی اُس کا ساتھ چھوڑ کر پرویز کے گرد جمع ہو رہے تھے اور وہ بددیانت لوگ جنہیں اُس کے سپاہیوں نے قوم اور ملک کے بدخواہ سمجھ کر قید میں ڈالا تھا رہا کئے جا رہے تھے۔ اور عوام جو اپنے مذہبی پیشواؤں کے اشاروں پر چلنے کے عادی تھے اُسے بھلا چکے تھے۔ چنانچہ حالات اس قدر بگڑ گئے کہ پرویز اور بہرام کھلے بندوں ایک

دوسرے کے سامنے آگئے۔ پرویز اپنے محافظ دستوں اور مدائن کے عوام کو میدان میں لے آیا لیکن اُسے بہرام کے آزمودہ کار سپاہیوں کے مقابلے میں شکست ہوئی اور متلون مزاج اُمراء اُس کا ساتھ چھوڑ کر بہرام سے جا ملے۔ شاہی خاندان کا ایک بااثر آدمی جو بہرام کا ساتھ چھوڑ کر پرویز کا حلیف بن گیا تھا۔ پرویز کی شکست کے بعد میدان سے بھاگ کر شاہی محل میں داخل ہوا اور اپنی ذات کو بہرام کی نظرِ عنایت کا مستحق ثابت کرنے کے لئے اُس نے ہرمز کا سر قلم کر دیا۔ پرویز شکست کھانے کے بعد تیس وفادار ساتھیوں، چند لونڈیوں اور خواجہ سراؤں کے ہمراہ دریائے فرات کے کنارے سفر کرتا ہوا بازنطینی سرحد کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوگیا اور ایک سرحدی چوکی کے افسر نے اُسے اپنی پناہ میں لے لیا۔

پرویز نے روم کے نئے شہنشاہ موریس کے دربار میں اپنے ایلچی بھیج کر قسطنطنیہ پہنچنے کی اجازت مانگی۔ موریس نے اُس کے لئے ایک تاج اور چند قیمتی تحائف روانہ کر دیئے اور ساتھ ہی پیغام بھیجا کہ ”تمہیں ہماری اعانت حاصل کرنے کے لئے قسطنطنیہ آنے کی ضرورت نہیں۔ ہم تمہاری مدد کے لئے اپنی فوجیں بھیج رہے ہیں۔ اور جب تک تم اپنا کھویا ہوا تخت دوبارہ حاصل نہیں کر لیتے ہمارے سپاہی اپنی تلواریں نیاموں میں نہیں ڈالیں گے۔“



بہرام، پرویز کو شکست دینے کے بعد ملک کی زمامِ کار اپنے ہاتھ میں لے چکا تھا لیکن اُسے اطمینان سے حکومت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اہل مدائن اُسے اجنبی سمجھتے تھے۔ بہرام نے انہیں سختی سے دبانے کی کوشش کی اور مدائن کے قید خانے ان لوگوں سے بھر دیئے جنہیں ابھی تک شاہی خاندان سے عقیدت تھی۔ مجوسی کاہن جو نوشیرواں کے خاندان کا اقتدار بحال کرنے میں اپنا ذاتی فائدہ دیکھتے تھے عوام کو بھڑکا رہے تھے۔ چنانچہ جب خسرو پرویز رومی لشکر کے ساتھ دریائے دجلہ کے کنارے نمودار ہوا تو اہلِ مدائن جوق در جوق اُس کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔

مدائن کے عوام کی متلون مزاجی، اُمراء کی بدعہدی اور مجوسی کاہنوں کی سازشوں سے پریشان ہو کر بہرام نے مدائن سے باہر نکل کر پرویز کا راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن اُسے یکے بعد دیگرے دو معرکوں میں شکست کھانے کے بعد جیحوں کے مشرق کی طرف بھاگنا پڑا۔ اُس نے خاقانِ ترک کے پاس پناہ لی۔ یہ وہی خاقان تھا جسے کچھ عرصہ قبل

بہرام کے ہاتھوں عبرتناک شکست ہوئی تھی لیکن اُس نے ایک بہادر دشمن کی دلجوئی اور عزت افزائی اپنا فرض خیال کیا خاقان کی بیوی مدائن کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور اُس نے بہرام کا زندہ رہنا پرویز کے مستقبل کے لئے خطرناک سمجھ کر اُسے زہر دے دیا۔

بہرام کی موت ایک محب وطن اور بہادر سپاہی کی موت تھی۔ خسرو پرویز رومی تلواروں کی چھاؤں میں ایران کے تخت پر بیٹھا تھا اور اس کے عوض وہ آرمینیا کا تقریباً سارا علاقہ رومیوں کے حوالے کر چکا تھا۔ اب بازنطینی سلطنت کی سرحد طفلس تک پہنچ چکی تھی۔ تاہم ایران کے امرا اور مجوسی پیشوا اس بات پر مطمئن تھے کہ خسرو پرویز بہرام کی بہ نسبت کمزور ہے اور وہ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مدائن کے عوام کی یہ حالت تھی کہ وہاں جو خوشیاں کچھ عرصہ قبل ہرمز کی شکست اور بہرام کی فتح کے وقت منائی گئی تھیں اُس سے کہیں زیادہ بہرام کی شکست اور خسرو پرویز کی تخت نشینی پر منائی جا رہی تھیں۔

لیکن اُن کی یہ خوشیاں عارضی ثابت ہوئیں۔ پرویز نے اطمینان کا سانس لیتے ہی آنکھیں بدل لیں اور ایران میں ظلم و تشدد کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ ایک ہزار رومی سپاہی پرویز کے محل پر پہرہ دیتے تھے اور بہرام کی شکست اور موت کے بعد اُسے کسی اندرونی بغاوت کا خطرہ نہ تھا۔ اب وہ اپنی متلون مزاج رعایا کو سزائیں دینے میں پوری طرح آزاد تھا۔ رومی سپاہیوں کے ساتھ عیسائی پادریوں کا ایک گروہ بھی مدائن میں موجود تھا اور یہ لوگ ایران کے آتش پرست حکمران کو عیسائیت کی طرف مائل کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ ایران میں عیسائیت کے مستقبل کے متعلق ان لوگوں کے پرامید ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پرویز کی چہیتی ملکہ عیسائی[1] تھی۔ مجوسی مذہب کے پیشوا اس صورت حال سے بے حد پریشان تھے اور نئے حکمران کو اپنے اسلاف کے مذہب پر قائم رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے

---

[1] ۔ اس عیسائی بیوی کا نام شیریں تھا اور بعض روایت کے مطابق یہ شہنشاہ موریس کی بیٹی یا بھتیجی تھی اور پرویز نے اُس کے حسن و جمال سے متاثر ہو کر اُس کا نام شیریں رکھ دیا تھا۔ لیکن اکثر مورخین اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے ان کا خیال ہے کہ شیریں آرمینیا کے کسی عیسائی خاندان سے تعلق رکھتی تھی ——— یہ شیریں وہی ہے جس کے ساتھ فرہاد کے عشق کا قصہ مشہور ہے۔

تھے۔ نوجوان حکمران کے دل میں عیسائیت کے لئے کوئی جگہ نہ تھی وہ صرف اپنے رومی حلیفوں کو خوش رکھنے کے لئے کبھی کبھی عیسائی مبلغین کی باتیں سن لیتا تھا تاہم اہل روم بہرام پر پرویز کی فتح کو اپنی فتح خیال کرتے تھے۔

لیکن یہ حالات اچانک بدل گئے۔ قسطنطنیہ میں شاہ ایران کے سرپرست شہنشاہ موریس کے خلاف ایک عام بغاوت ہو گئی اور ایک فوجی رہنما فوکاس نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے موریس اور اُس کے پانچ بیٹوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ موریس کا چھوٹا بیٹا تھوڈوسیس فوکاس کے ہاتھوں بچ نکلا اور پرویز سے مدد لینے کے لئے مدائن کی طرف بھاگا لیکن فوکاس کے آدمیوں نے اُسے راستے میں گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ موریس کی بیوی کو کچھ عرصہ قیدی بنا کر ایک خانقاہ میں رکھا گیا لیکن اُس نے اپنے شوہر اور بیٹوں کا انتقام لینے کے لئے خانقاہ سے فرار ہونے کی کوشش کی اور فوکاس نے اُسے بھی قتل کرا دیا۔

ایران میں ان واقعات کی اطلاع پہنچی تو مجوسی مذہب کے پیشواؤں نے محسوس کیا کہ اہل روم کو نیچا دکھانے کا یہ بہترین موقعہ ہے۔ انہوں نے پرویز کو غیرت دلائی کہ فوکاس نے تمہارے محسن کو قتل کیا ہے اور اس سے انتقام لینا تم پر فرض ہے۔ پرویز کو ملک گیری کی ہوس اپنے اسلاف سے ورثے میں ملی تھی اور موریس سے ہمدردی محض ایک بہانہ تھا۔ چنانچہ بازنطینی سلطنت میں اندرونی خلفشار کے آثار دیکھتے ہی اُس نے اپنی افواج کو پیش قدمی کا حکم دے دیا۔

اہل روم فوکاس کے مظالم سے دل برداشتہ ہو چکے تھے اس لئے وہ کسی محاذ پر بھی ایرانی لشکر کا مقابلہ نہ کر سکے۔ چنانچہ ایرانیوں نے کسی قابل ذکر مزاحمت کا سامنا کئے بغیر آرمینیا پر قبضہ کر لیا۔ پھر چند ماہ بعد خسرو پرویز کی فوج شام کے شمال مشرقی علاقوں کو تاخت و تاراج کرتی ہوئی انطاکیہ کی طرف بڑھی۔ یہ شہر ایشیائی ممالک میں قیصر کے نائب السلطنت کا دارالحکومت تھا اور ماضی میں کئی بار ایرانیوں کے ہاتھوں تباہی کا سامنا کر چکا تھا۔ لیکن وحشت و بربریت کا یہ طوفان جس کے دروازے خسرو پرویز نے کھولتے تھے ماضی کے تمام طوفانوں سے زیادہ بھیانک تھا۔ اس سیل ہمہ گیر کے سامنے رومیوں کے دفاعی حصار تنکوں کے انبار ثابت ہو رہے تھے۔

فوکاس نے بازنطینی سلطنت کے لئے وہی حالات پیدا کر دیئے تھے جو چند سال قبل ہرمز نے ایران کے لئے پیدا کئے تھے۔ اور جب اندرونی خلفشار کے ساتھ بیرونی جارحیت انتہائی خطرناک نتائج پیدا کرنے لگی تو ایرانیوں کی طرح رومیوں نے بھی اپنے ظالم اور نااہل حکمران کے خلاف بغاوت کر دی۔ قسطنطنیہ کے امراء اور مذہبی پیشواؤں نے افریقی

مقبوضات کے گورنر کو قسطنطنیہ کے تخت پر قبضہ کرنے کی دعوت دی، لیکن عمر رسیدہ گورنر نے اپنی جگہ اپنے نوجوان بیٹے ہرقل کی خدمات پیش کر دیں۔ ہرقل کی قیادت میں ایک جنگی بیڑہ قرطاجنہ سے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہؤا اور باقی لشکر خشکی کے رستے چل پڑا۔ جب ہرقل کا جنگی بیڑا آبنائے باسفورس میں داخل ہؤا تو قسطنطنیہ کے باشندوں نے مسرت کے نعروں سے اُس کا خیر مقدم کیا۔ فوکاس کے محافظ جنہیں وفادار رکھنے کے لئے اُس نے خطیر رشوتیں دی تھیں، افریقہ اور مصر کے منظم لشکر کا مقابلہ نہ کر سکے۔

فوکاس کو پابہ زنجیر ہرقل کے سامنے لایا گیا اور وہ سخت اذیتوں کے بعد قتل کر دیا گیا۔

ہرقل تخت پر رونق افروز ہؤا لیکن اس کے ساتھ ہی قسطنطنیہ کی گلیوں اور بازاروں میں خوشیاں منانے والے عوام گرجوں میں دعائیں مانگنے والے راہب اور نئے حکمران کے دربار میں نذرانے پیش کرنے والے امراء یہ سن رہے تھے کہ پرویز کی فوجیں انطاکیہ پر قابض ہو چکی ہیں اور وہاں فرزندانِ تثلیث کے گرجے آتشکدوں میں تبدیل کئے جا رہے ہیں۔

باب ۱۳

موسم سرما کی ایک رات آسمان پر تاریک بادل چھائے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ ایک سوار فرس کی سرائے کے قریب گھوڑے سے اترا اور اُس نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ چند ثانیے کوئی جواب نہ آیا۔ پھر صحن میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور کسی نے دروازے کے قریب پہنچ کر سوال کیا۔

"آپ یروشلم سے آئے ہیں؟"

"ہاں" اجنبی نے جواب دیا۔

پوچھنے والے نے دروازہ کھول دیا اور اجنبی اپنے گھوڑے سمیت اندر داخل ہؤا۔ سرائے کے ملازم نے پوچھا "آپ کے ساتھی کہاں ہیں؟"

اجنبی نے جواب دیا "میرا کوئی ساتھی نہیں۔ میں یہ رات یروشلم میں گزارنا چاہتا تھا لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ ان دنوں شام ہوتے ہی شہر کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔"

"تو آپ کو کسی رومی افسر نے یہاں نہیں بھیجا؟"

"نہیں!—"

"ٹھہریئے! میں ابھی آتا ہوں۔" ملازم یہ کہہ کر بھاگ گیا اور اجنبی آگے بڑھ کر چھپر کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد فرس جس کے ہاتھ میں مشعل تھی اپنے دو نوکروں کے ساتھ برآمدے میں نمودار ہؤا اور اُس نے آگے بڑھ کر اجنبی سے پوچھا "تم یروشلم کی طرف سے آئے ہو؟"

"ہاں! مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو بے وقت تکلیف دے رہا ہوں۔ لیکن شہر کے دروازے بند تھے۔"

"تمہیں راستے میں کوئی اور مسافر تو نہیں ملا؟"

"نہیں! یروشلم سے آگے یہاں تک تمام راستہ سنسان تھا۔"

فرمس نے کہا "مجھے افسوس ہے کہ سرائے مسافروں سے بھری ہوئی ہے اور میں تمہارے لئے کوئی تسلی بخش انتظام نہیں کر سکتا۔ آج بارش کی وجہ سے غزہ کا ایک قافلہ یہاں رُک گیا تھا۔"

اجنبی نے جواب دیا "مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے اس بارش میں سڑک پر آرام کرنے کا مشورہ نہیں دیں گے۔ آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں پہلے بھی یہاں ٹھہر چکا ہوں۔ اگر آپ کے پاس سرائے کے اندر کوئی جگہ نہیں تو میں اصطبل میں گزارا کر سکتا ہوں۔ اگر کھانا نہ ہو تو بھوکا بھی رہ سکتا ہوں۔ لیکن میرے گھوڑے کے لئے آپ کو جَو کے ایک توبڑے اور گھاس کے ایک گٹھے کا انتظام ضرور کرنا پڑے گا۔"

سرائے کے مالک نے آگے بڑھ کر مشعل اونچی کی اور غور سے اجنبی کی طرف دیکھ کر چلایا "عاصم! بھائی مجھے معاف کرنا۔ اس وقت میرا خیال کہیں اور تھا۔ تمہارے لئے میں تمام سرائے خالی کرا سکتا ہوں۔"

پھر وہ نوکروں کی طرف متوجہ ہوا "بیوقوفو! کھڑے کیا دیکھ رہے ہو گھوڑا اصطبل میں لے جاؤ۔ اور ان کا کھانا اوپر کے کمرے میں پہنچا دو۔"

عاصم نے کہا "نہیں نہیں، اس وقت میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ صبح دیکھا جائے گا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو بے وقت تکلیف دی ہے۔"

فرمس نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "آؤ! تم نے مجھے کوئی تکلیف نہیں دی۔ میں کسی کا منتظر تھا۔ اور ان کے لئے میں نے کھانا بھی تیار کروا رکھا تھا۔ اب وہ نہیں آئے تو خدا نے تم کو بھیج دیا ہے۔"

عاصم فرمس کے ساتھ چل دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ بالائی منزل کے اُس کشادہ کمرے میں داخل ہوئے جہاں عاصم نے چند ماہ قبل ایک رات قیام کیا تھا۔ لیکن اب یہ کمرہ پہلے کی طرح آراستہ نہ تھا۔ خوشنما قالین اور پردے غائب تھے۔ دو پلنگوں پر صاف ستھرے بستر لگے ہوئے تھے۔ اور اُن کے درمیان ایک چھوٹی سی میز اور چار کرسیاں پڑی تھیں۔ سامنے انگیٹھی میں آگ سلگ رہی تھی اور دائیں بائیں دو طاقچوں میں چراغ روشن تھے۔

فرمس نے کہا "آج سردی بہت زیادہ ہے اور میں نے آگ یہاں اس لئے جلائی تھی کہ یروشلم سے آنے والے مہمانوں کو تکلیف نہ ہو۔ اب مجھے یہ توقع نہیں کہ وہ اس موسم میں سفر کریں گے۔ لیکن اگر وہ آگئے تو مجھے تمہارے لئے دوسرا انتظام کرنا پڑے گا۔ میرا رہنے کا مکان خالی پڑا تھا لیکن شام کے وقت ایک قافلہ پہنچ گیا اور میں نے دو کمرے بارش میں ٹھٹھرے ہوئے مسافروں کے حوالے کر دیئے۔ اب میرے پاس ایک چھوٹی سی کوٹھڑی ہے۔ اگر کوئی آگیا تو میں تمہیں وہاں لے جاؤنگا۔"

عاصم نے کہا "آپ کو میرے متعلق اس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیئے میں زمین پر سونے کا عادی ہوں۔ آج مجھے صرف بارش سے بچنے کے لئے چھت کی ضرورت ہے۔"

فرمس نے جواب دیا "لیکن پچھلے پہر خراٹے سن کر تم یہ محسوس کرو گے کہ چھت گر رہی ہے۔ انطونیہ کہا کرتی تھی کہ میرے خراٹوں سے بیک وقت پانچ آوازیں نکلتی ہیں۔"

عاصم نے پوچھا "اب وہ یہاں نہیں ہیں؟"

"نہیں! وہ پچھلے ہفتے اپنی ماں کے ساتھ اسکندریہ چلی گئی۔ اگر دمشق کی طرف ایرانیوں کی پیش قدمی رک گئی تو وہ واپس آجائیں گی ورنہ شاید مجھے بھی یہاں سے بھاگنا پڑے۔"

عاصم نے کہا "میں نے راستے میں اس قسم کی افواہیں سنی تھیں کہ ایرانیوں کی پیش قدمی کے باعث یروشلم اور شام کے دوسرے شہروں کے لوگ اسکندریہ اور قسطنطنیہ کا رُخ کر رہے ہیں۔"

فرمس نے جواب دیا "یہ افواہیں نہیں۔ انطاکیہ پر ایرانیوں کے قبضے کے بعد رومی اُمراء نے اپنے بال بچوں کو شام کے دوسرے شہروں سے نکالنا شروع کر دیا تھا۔ پھر جب ایرانیوں نے مزید پیش قدمی کی تو شام کے خوشحال لوگ بھی اپنے گھربار چھوڑ کر بھاگنے لگے اور اب تو یہ حال ہے کہ عوام کے قافلے بھی اسکندریہ اور مصر کے دوسرے شہروں کا رُخ کر رہے ہیں۔"

عاصم نے پوچھا "آپ جن مہمانوں کا انتظار کر رہے تھے وہ کون ہیں؟"

"مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ دو انتہائی معزز خواتین کو دمشق پہنچنے کے لئے میری مدد کی ضرورت ہے۔ تم پطیوس جانتے ہو جو پچھلی مرتبہ میری سرائے میں اُس سے تمہاری ملاقات ہوئی تھی۔ اُس نے مجھے یہ پیغام بھیجا تھا کہ وہ رات کے یہاں قیام کریں گی۔ پھر مجھے ان کو دمشق تک پہنچانے کا بندوبست کرنا ہوگا۔ اگر رات کے وقت کسی نے اُن کا پیچھا مل جانے گی پھر میرا یہ کام ہوگا کہ ایک دو دن انہیں یہاں چھپائے رکھوں۔ یہ خواتین کون ہیں؟ یہ بات میرے

لئے ایک معما ہے لیکن پطیوس ایک ایسا دوست ہے جس کی خاطر میں بڑے سے بڑا خطرہ مول لے سکتا ہوں۔ اب میں نیچے جاکر کچھ دیر اور اُن کا انتظار کرنا چاہتا ہوں۔ نوکر تمہارے لئے کھانا اور کپڑوں کا جوڑا لے آئے گا۔ میرا لباس تمہارے جسم پر عجیب معلوم ہوگا لیکن تمہارے لئے بھیگے ہوئے کپڑے تبدیل کرنا ضروری ہیں۔" فرمس یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔



عاصم کھانا کھانے کے بعد آگ کے سامنے بیٹھا اپنے کپڑے سکھا رہا تھا۔ فرمس دوبارہ کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اب ایک پہر سے زیادہ رات گزر چکی ہے اور بارش بھی خاصی تیز ہوگئی ہے ان حالات میں مجھے دو عورتوں کا یروشلم سے یہاں پہنچنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اب اگر تمہیں نیند نہ آگئی تو ہم اطمینان سے باتیں کرسکتے ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "آپ سے باتیں کرتے ہوئے مجھے نیند یا تھکاوٹ محسوس نہ ہوگی۔"

فرمس نے کہا۔ "میرے لئے اس سے بڑی خوشی اور کیا ہوسکتی ہے کہ تم یہاں آئے ہو۔ آج میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں نے اپنی بیوی اور بیٹی کو بھیج کر غلطی کی ہے۔ مجھے اُن کے ساتھ جانا چاہیئے تھا لیکن اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرے یہاں رُک جانے میں بھی قدرت کی ایک مصلحت تھی۔ میرے ایک محسن کو یہاں آنا تھا اور خدا کو یہ منظور نہ تھا کہ وہ رات کے وقت یہاں پہنچے اور اُس کے راستے میں آنکھیں بچھانے والا کوئی نہ ہو۔ لیکن تم تنہا آئے ہو اور ان دنوں بڑے بڑے قافلے بھی شام کا رُخ کرتے ہوئے خوف محسوس کرتے ہیں۔ تم بہت کمزور ہوگئے ہو اور تمہارا چہرہ یہ بتا رہا ہے کہ تم کانٹوں پر چل کر یہاں پہنچے ہو۔ پچھلی مرتبہ جب تم یہاں آئے تھے تو تمہیں تلوار سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت نہ تھی لیکن آج مجھے تمہارے سامان میں تلوار نظر نہیں آئی۔ عاصم میرے اَن گنت سوالات کا جواب تمہارے چہرے پر لکھا ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی میں تمہاری زبان سے تمہاری سرگزشت سننا چاہتا ہوں۔ میں تھوڑی دیر کے لئے کمرے سے باہر اِس لئے نکل گیا تھا کہ تم اطمینان سے کھانا کھا سکو اور میرے سوالات تمہیں پریشان نہ کریں۔ میزبان کے آداب مجھے تم سے ایسی باتیں پوچھنے سے منع کرتے ہیں جن کا جواب دینا ایک مہمان کے لئے تکلیف دہ ہو۔ لیکن میں تمہارا دوست ہوں۔ اور یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تم کن حالات میں گھر سے نکلے ہو، تمہاری منزلِ مقصود کہاں ہے اور میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں؟"

عاصم کچھ دیر سر جھکائے سوچتا رہا۔ بالآخر اُس نے فرمس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میرے وطن کی زمین میرے لئے تنگ ہوچکی ہے۔ اور میں اپنے مقدر کی تاریکیوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے بھاگ رہا ہوں۔ عرب کی حدود سے نکلنے کے بعد اس سرائے سے آگے میری کوئی منزل نہ تھی اور اب اِس کمرے سے باہر میرے لئے ساری دنیا تاریک ہے۔"

فرمس نے پوچھا۔ "کیا لڑائی میں تمہارے دشمن غالب آگئے تھے؟"

"میں نے جس وطن کو چھوڑا ہے وہاں میرا کوئی دوست یا دشمن نہ تھا۔ میرا گناہ یہ ہے کہ میں محبت اور انتقام کی لذت سے محروم ہوچکا ہوں اور آپ کے پاس اِس لئے آیا ہوں کہ اس محرومی کے باوجود زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

"تم مجھے اپنی سرگزشت سنا سکتے ہو؟"

وطن سے نکلنے کے بعد یہ پہلا انسان تھا جو عاصم کو اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی دعوت دے رہا تھا۔ اب اُسے اپنی نیند یا تھکاوٹ کا کوئی احساس نہ تھا۔ اُس نے احسانمندی کی نظر سے فرمس کی طرف دیکھا اور کسی توقف کے بغیر اپنی سرگزشت سنانی شروع کردی۔

جب وہ سمیرا اور عدی اور اُس کے بیٹوں کی موت کے واقعات سنا رہا تھا تو اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے پھر جب اُس نے اپنا قصہ ختم کیا تو فرمس نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "عاصم! تم آلام و مصائب کی اِس دنیا میں تنہا نہیں ہو۔ آج پوری انسانیت اپنے مقدر کی تاریکیوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے بھاگ رہی ہے۔ میں دس برس کا تھا جب میرے باپ کو اسکندریہ کے راہبوں نے صرف اِس لئے زندہ جلا دیا کہ اُس نے عیسائی ہوتے ہوئے رہبانیت کی مخالفت میں آواز بلند کی تھی۔ دو سال بعد میرے بڑے بھائی کو رومی حکومت کے مظالم کے خلاف آواز اٹھانے کے جرم میں، بابلیون کے ایک چوراہے پر پھانسی دی گئی۔ اس کے بعد میں قریباً آٹھ سال کبھی مصر، کبھی شام اور کبھی آرمینیا کی خاک چھانتا رہا۔ میرا دل نفرت و انتقام کے جذبات سے لبریز تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ زندہ رہنے کی خواہش میرے جذبات پر غالب آگئی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں ایک بے بس انسان ہوں اور زمانے کی گردش کا رخ بدل دینا میرے اختیار میں نہیں۔ میں صرف کلیسا کی فرمانبرداری اور حکومت کی اطاعت کرکے، زندہ رہ سکتا ہوں، پھر میں نے اسکندریہ کی ایک سرائے میں ملازمت کرلی۔ سرائے کا مالک ایک شریف آدمی تھا اُس نے میری محنت اور دیانتداری کی قدر کی اور دو سال بعد مجھے اپنے کاروبار میں حصہ دار بنالیا۔ اسی سال ایک شریف خاندان

کی لڑکی سے میری شادی ہوگئی۔ اگلے سال سرائے کا مالک مرگیا چونکہ اُس کے کوئی اولاد نہ تھی اِس لئے اُس کے بھائی اُس کی جائداد کے وارث بن گئے۔ اور میں نے اُن سے اُلجھنے کی بجائے علیحدہ تجارت شروع کردی۔ میرے پاس زیادہ سرمایہ نہ تھا لیکن میری بیوی کے بھائی نے میری مدد کی اور میں جلد ہی اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگیا۔ پھر ایک سال مجھے تجارت کے سلسلہ میں یروشلم آنا پڑا۔ ہمارا قافلہ گرمیوں کی دوپہر گزارنے کے لئے اس جگہ اتر پڑا۔ ان دنوں یہ پرانی عمارت خالی پڑی تھی اور سڑک کے دوسری طرف صرف نانبائی کی ایک دوکان تھی۔ ہم نے وہاں کھانا کھایا اور نانبائی سے گفتگو کے دوران میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ عمارت ایک قدیم سرائے ہے جو کئی بار اُجڑی اور کئی بار آباد ہوئی ہے۔ چند سال قبل ڈاکوؤں نے یہاں ایک قافلے کو لوٹ کر سرائے کے مالک کے ایک بیٹے کو قتل کردیا تھا۔ اُس وقت سے یہ سرائے بند پڑی تھی اور اِس کا موجودہ وارث جو اب یروشلم کا ایک بہت بڑا تاجر ہے، اس کے قریب سے گزرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ مجھے یہ جگہ پسند آگئی اور میں نے نانبائی سے اس کے مالک کا پتا پوچھ لیا۔

اگلے ہی دن اِس کے مالک سے میرا سودا ہوگیا۔ اُس نے جو قیمت مانگی وہ میری توقع سے بہت ہی کم تھی۔ اِس عمارت کی حالت بے حد خراب تھی۔ لیکن مجھے توقع تھی کہ اِس کی مرمت پر جو رقم صرف ہوگی وہ رائگاں نہیں جائے گی۔ یہ کمرہ میں نے بذاتِ خود بڑی حیثیت کے لوگوں کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ میں ایک سال تک اسکندریہ نہ جاسکا لیکن اس عرصہ میں میرا کاروبار اس قدر ترقی کرچکا تھا کہ پڑوس کے نانبائی نے اپنی دوکان بند کرکے میرے ہاں ملازمت کرلی۔ لیکن اس دنیا میں زندہ رہنے کے لئے صرف ایک منفعت بخش تجارت ہی کافی نہ تھی۔ میں یہ جانتا تھا کہ ماضی کے تاریک سائے اب بھی میرا پیچھا کررہے ہیں اور حکومت کے کسی ادنیٰ عہدہ دار، کلیسا کے کسی معمولی راہب کی ناراضگی میری تباہی کا باعث ہوسکتی ہے۔ میرے خلاف ان دو جابر اور بے رحم طاقتوں کو حرکت میں لانے کے لئے کسی دشمن کا یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ میرا باپ کلیسا اور میرا بھائی حکومت کا باغی تھا۔ چنانچہ میں اپنی کمائی کا ایک حصہ حکومت کے اہل کاروں اور کلیسا کے اکابر کی دوستی خریدنے پر صرف کیا کرتا ہوں۔ اگر وہ اس طرف سے گزریں تو میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ چند ساعت وہ میرے پاس قیام کریں اور میں اُن کی خدمت کروں۔ اگر وہ میرے پاس نہیں آتے تو میں خود تحائف لے کر اُن کی خدمت میں پہنچ جاتا ہوں۔ ایک مرتبہ یروشلم کا بشپ صرف پانی پینے کے لئے یہاں رُکا تھا لیکن میں نے چاندی کے برتنوں میں اُسے کھانا کھلایا اور پھر یہ برتن اُسے بطور نذرانہ پیش کردیئے۔ دوسری مرتبہ وہ یہاں آیا تو میں نے عرض کیا کہ میرا آبائی

وطن بابلیون ہے لیکن میں وہاں صرف اس لئے نہیں جاسکتا کہ میرے باپ اور بھائی کی بعض غلطیوں کے باعث وہاں کلیسا اور حکومت سے میری وفاداری کے متعلق بھی شکوک پیدا ہوچکے ہیں۔ میرے حال پر وہ اِس قدر مہربان ہوا کہ مجھے بابلیون کے بشپ کے نام ایک خط لکھ کر دے گیا۔ اِس خط کا مفہوم یہ تھا کہ ہم نے کسی مصری کو فرمس سے زیادہ رومی سلطنت کا وفادار اور کلیسا کا جان نثار نہیں دیکھا۔ اگر بابلیون میں اِس نیک مخلص اور ایثار پیشہ آدمی کے متعلق کوئی غلط فہمی پائی جاتی ہے تو اسے دور کرنا آپ کا فرض ہے۔ پھر میں بابلیون گیا اور وہاں کے بشپ کو یہ خط اور اپنی طرف سے سونے کا ایک پیالہ پیش کیا۔ اور اِس کے بعد میری ماضی کی ساری سیاہی دُھل چکی تھی۔ میرا آبائی مکان جو حکومت نے ضبط کرلیا تھا مجھے واپس مل چکا ہے۔ پطیوس کو میں نے اچھی قسم کی شراب پیش کی تھی اور اس کے بعد سے وہ میرا دوست ہے۔

تم مجھے ایک دوست سمجھ کر یہاں آئے ہو اور میں تم سے یہ باتیں اِس لئے کررہا ہوں کہ تمہیں میرے متعلق کوئی خوش فہمی نہ رہے۔ ظاہری اعتبار سے میں ایک کامیاب آدمی ہوں لیکن امن اور سکون کی زندگی اختیار کرنے کے بعد میں نے ہر قدم پر یہ محسوس کیا ہے کہ میرا ضمیر مرچکا ہے۔ میں نے صرف اپنے جسم کی آسائش کے سامان فراہم کئے ہیں لیکن میری روح تاریکیوں میں بھٹک رہی ہے۔ میں ظلم، جہالت، وحشت اور بربریت کے خلاف اپنے ضمیر کی چیخیں سنتا ہوں لیکن ظالموں کو خوش رکھنے کے لئے مسکرانے کی کوشش کرتا ہوں۔ جب میں مرنا چاہتا تھا تو میری روح زندہ تھی۔ میں نیک و بد کے متعلق اپنے جذبات کا اظہار کرسکتا تھا۔ اور جب میں نے زندہ رہنا ہی زندگی کا مقصد بنالیا تو میں اس دنیا میں ایک انسان کا حقیقی مقام کھو چکا تھا۔

میں رومیوں کی غلامی کو ایک لعنت سمجھتا ہوں لیکن میں نے ہر رومی کو یہ احساس دلانے کی کوشش کی ہے کہ میں تمہیں انسانیت کا محسن خیال کرتا ہوں۔ مجھے کلیسا کے اُن خداؤں سے نفرت ہے جنہوں نے خانقاہوں کو زندہ انسانوں کا قبرستان بنادیا ہے لیکن مجھ میں یہ حوصلہ نہیں کہ اُن کے خلاف زبان کھول سکوں۔

میں نے یہ راستہ اس لئے اختیار کیا تھا کہ میں ایک کمزور انسان تھا لیکن تم مجھ سے مختلف ہو۔ تمہارے متعلق میں یہ جانتا ہوں کہ تم طوفانوں سے لڑنے کے لئے پیدا ہوئے ہو۔ تم زیادہ عرصہ ایک خاموش اور پرسکون زندگی پر قانع نہیں رہ سکو گے۔ پچھلی مرتبہ جب تم اِس سرائے میں اُس دیو قامت شامی پر ٹوٹ پڑے تھے تو میں بار بار یہ سوچتا تھا کاش میری زندگی میں بھی چند ایسے لمحات آسکتے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ میں خونخواری کو پسند کرتا ہوں۔ مجھے ...ن

بہانے سے نفرت ہے لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ جب کسی ظالم کی مخالفت یا کسی مظلوم کی حمایت میں اپنا خون اور گوشت پیش کر دینے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہے تو ایک انسان کے لئے اس سے بڑی ذلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُس کا ہاتھ اپنی تلوار کے قبضے تک نہ پہنچ سکے اور اُس کے ضمیر کی آواز اُس کے ہونٹوں تک نہ آ سکے لیکن میں کئی بار اس قسم کی ذلتیں دیکھ چکا ہوں۔ اور آج جب میں اپنے سامنے ایک ایسے نوجوان کو دیکھتا ہوں جس کے ضمیر کی آواز نے اُسے اپنے دشمنوں کی حمایت میں تلوار اٹھانے پر آمادہ کر دیا تھا تو مجھے اپنی کمزوری پر شرم و ندامت محسوس ہوتی ہے۔ عاصم! تم بہت بڑا صدمہ اٹھا چکے ہو لیکن تم کمزور یا بے بس نہیں ہو۔ تم نے کوئی جرم، کوئی غلطی یا کوئی گناہ نہیں کیا۔ صرف اپنے لئے ایک نیا راستہ تلاش کیا تھا۔ اگر تمہارے پاؤں زخمی ہو گئے ہیں، تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ راستہ غلط تھا۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ ایک اولوالعزم انسان میرے پاس آیا ہے اور میں تمہیں یہ سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ تم پامال شدہ گزرگاہوں پر چلنے کے لئے پیدا نہیں ہوئے ــــــ تم عام انسانوں سے مختلف ہو۔

اب تم آرام سے سو جاؤ۔ جب تمہاری تھکاوٹ دور ہو جائے گی تو ہم اطمینان سے باتیں کریں گے۔ ممکن ہے میں تمہارے لئے کوئی ایسا مشغلہ سوچ سکوں جو تمہاری طبیعت کے موافق ہو۔"

فرمس عاصم کے کندھے پر تھپکی دے کر اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔



عاصم گہری نیند سو رہا تھا۔ فرمس اور اس کا نوکر ایک معمر عورت اور ایک دوشیزہ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔ نوکر نے ایک گٹھڑی جس سے ان خواتین کے لباس کی طرح پانی ٹپک رہا تھا۔ ایک کونے میں رکھ دی اور انگیٹھی میں بجھتے ہوئے انگاروں پر چند لکڑیاں رکھ کر آگ جلانے میں مصروف ہو گیا۔

فرمس نے رومی زبان میں کہا۔ "مجھے دوپہر کے وقت پطیوس کا پیغام مل گیا تھا۔ لیکن یہ توقع نہ تھی کہ آپ اس موسم میں یروشلم سے نکلنا پسند کریں گی۔ میں ابھی آپ کا کمرہ خالی کرا دیتا ہوں۔"

عورت نے جس کی شکل و صورت اُس کے عالی نسب ہونے کی گواہی دیتی تھی، کہا۔ "یہاں کسی غیر معتمد آدمی کو ہماری آمد کا علم نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ کون ہے؟"

"یہ ایک مصیبت زدہ انسان ہے، میں اسے جانتا ہوں اور آپ اس پر اعتماد کر سکتی ہیں"۔ یہ کہہ کر فرمس نے عاصم کو جگانے کی کوشش کی لیکن اُس نے آنکھیں کھولنے کی بجائے کچھ بڑبڑا کر کروٹ بدل لی۔

عمر رسیدہ عورت نے کہا۔ "ٹھہرو! اسے جگانے کی ضرورت نہیں۔ ہم بہت جلد یہاں سے نکل جانا چاہتے ہیں۔ خدا کرے بارش تھم جائے۔ ہم دمشق پہنچنے سے پہلے اطمینان کا سانس نہیں لے سکتے۔"

فرمس نے قدرے پریشان ہو کر پوچھا۔ "آپ تنہا دمشق کا سفر کرنا چاہتی ہیں؟"

"اگر تم کوئی قابل اعتماد آدمی نہ دے سکے تو پھر ہمیں تنہا ہی سفر کرنا پڑے گا۔ ہمارے نوکر ہمارے ساتھ نہیں آ سکے۔"

فرمس نے کہا۔ "آپ بہت پریشان ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی مصیبت میں گرفتار ہیں۔"

"پطیوس نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟"

"انہوں نے مجھے صرف یہ پیغام بھیجا تھا کہ یروشلم سے دو معزز خواتین رات کے وقت یہاں پہنچیں گی۔ اور مجھے اُن کی ہر ممکن مدد کرنی چاہیئے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پطیوس کا معمولی سا اشارہ بھی میرے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے اور آپ مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں۔ لیکن میں حیران ہوں کہ انہوں نے رات کے وقت آپ کو تنہا کیسے بھیج دیا۔"

عمر رسیدہ عورت نے جواب دیا۔ "اُس نے اپنے دو سپاہی ہمارے ساتھ روانہ کئے تھے اور وہ ہمیں تمہاری سرائے کے باہر چھوڑ کر واپس چلے گئے ہیں۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ انہیں یہاں کوئی ہمارے ساتھ دیکھ لے۔ شاید صبح ہوتے ہی یروشلم میں ہماری تلاش شروع ہو جائے۔ اُن ظالموں نے ہمارے ایک نوکر کو ہلاک کر دیا ہے اور دوسرے کو گرفتار کر کے لے گئے ہیں۔ وہ اُن سے یہ کہلوانا چاہتے تھے کہ میں اور میری بیٹی یروشلم میں ایرانیوں کی جاسوسی کر رہی ہیں۔ یروشلم کے حاکم کو، تو ہم پر دست درازی کی جرأت نہیں ہوئی لیکن اُس کا اشارہ پا کر بعض راہبوں نے عوام کو ہمارے خلاف بہت مشتعل کر دیا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ اگر ایرانی لشکر دمشق پر قبضہ کرنے کے بعد یروشلم کی طرف بڑھا تو وہ ہماری بوٹیاں نوچ ڈالیں گے۔ یروشلم کا حاکم اس بات پر تلا ہوا تھا کہ ہم وہاں سے زندہ بچ کر نہ نکل سکیں۔"

فرمس نے پوچھا۔ "وہ آپ کا دشمن کیوں تھا؟"

"وہ میرے والد کے ماتحت ایک نہایت معمولی افسر کی حیثیت سے کام کر چکا ہے۔ اور اُسے وہ زمانہ نہیں بھولا جب میں نے اُس کے منہ پر تھپڑ لگائے تھے۔"

فرمس نے کہا "میں یروشلم کے حاکم کو اچھی طرح جانتا ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ اگر وہ آپ کا اس حد تک دشمن ہے تو آپ کے لئے دمشق یروشلم سے زیادہ محفوظ نہ ہوگا۔ ایرانیوں کی جاسوسی کا الزام آپ کے لئے ہر جگہ خطرناک ہے۔"

عورت نے تلملا کر کہا "تم میرے والد کو نہیں جانتے۔ اگر میں دمشق پہنچ جاؤں تو یروشلم کے حاکم کے لئے اپنی جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔"

فرمس نے کہا "لیکن ایرانیوں کی پیش قدمی کے باعث دمشق کے حالات خاصے مخدوش ہو چکے ہیں۔ اگر خدانخواستہ انہوں نے دمشق پر قبضہ کر لیا تو آپ کیا کریں گی؟ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ دمشق کی بجائے اسکندریہ کا رخ کریں۔"

عورت نے جواب دیا "میرے والد دمشق میں ہیں۔ مجھے بہر صورت وہاں پہنچنا ہے۔"

نوکر آگ جلا چکا تھا، نوجوان لڑکی انگیٹھی کے سامنے بازو پھیلائے کھڑی تھی۔

فرمس نے کہا "معاف کیجئے مجھے یہ بھی خیال نہیں رہا کہ آپ سردی میں سے آئی ہیں۔ اس وقت آپ کا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ آپ کو خشک کپڑے مہیا کئے جائیں۔ میں آپ کو چادریں دے سکتا ہوں۔ آپ کے لئے کھانا بھی تیار ہے۔"

"ہم کھانا کھا کر آئے تھے۔"

نوجوان لڑکی نے کمرے کے کونے میں جا کر اپنی گٹھڑی کھولی اور بھیگے ہوئے کپڑے نکال کر دیکھنے لگی۔

فرمس نے اپنے نوکر سے کہا "تم یہ کپڑے لے جاؤ اور انہیں آگ کے سامنے اچھی طرح سوکھا کر لاؤ۔" پھر وہ عمر رسیدہ عورت کی طرف متوجہ ہو کر بولا "میرے خیال میں یہ بہتر ہوگا کہ میں اس آدمی کو جگا کر نیچے لے جاؤں، آپ کو یقین ہے کہ اس کی موجودگی آپ کے لئے کسی پریشانی کا باعث نہ ہوگی؟"

"نہیں! اسے تکلیف دینے سے ہمیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تم ہمارے لئے کسی قابلِ اعتماد ساتھی کا بندوبست کرو۔ صبح تک اگر بارش نہ تھمی تو بھی ہم روانہ ہو جائیں گے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر انہیں ہمارا پتہ چل گیا تو وہ ہمارا تعاقب ضرور کریں گے۔"

فرمس نے کہا "آپ اطمینان رکھیے! میرے آدمی سرائے کے باہر پہرا دیں گے اگر کوئی اس طرف آیا تو مجھے قبل از وقت اطلاع مل جائے گی اور میں آپ کو اسی سرائے کے اندر ایک ایسے تہ خانے میں چھپا دوں گا جس کا میرے ایک نوکر کے سوا کسی کو علم نہیں۔ اور سفر میں بھی میں شاید ایک اچھا ساتھی آپ کے ساتھ کر سکوں۔"

"وہ آپ کا نوکر ہے؟"

"نہیں وہ ایک مہمان ہے۔"

"کہاں ہے وہ؟"

فرمس نے عاصم کے بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا "یہ ہے وہ۔ اگر یہ دمشق جانے پر رضامند ہو گیا تو آپ کو اس سے بہتر ساتھی نہیں مل سکتا۔"

"یہ یروشلم کا باشندہ ہے؟"

"نہیں، یہ عرب سے آیا ہے۔"

"عرب سے؟" نوجوان لڑکی نے چونک کر کہا "آپ ایک عرب پر اعتماد کر سکتے ہیں؟"

"ہاں! میں اُس شخص پر اعتماد کرنے میں بالکل حق بجانب ہوں، جو کسی نیک مقصد کے لئے قربانی دے چکا ہو۔"

لڑکی کی ماں نے کہا "ایک عرب کسی نیک مقصد کے لئے قربانی دے سکتا ہے؟"

"ہاں! قدرت نے نیکی کے سارے دروازے کسی قوم کے لئے بند نہیں کئے۔"

لڑکی نے کہا "میں نے پہلی بار سنا ہے کہ ایک عرب بھی کوئی نیکی کر سکتا ہے؟"

"میں آپ کی تسلی کے لئے صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اگر آپ کی جگہ میری اپنی بیٹی ہوتی تو میں اُس کے لئے بھی اس نوجوان سے بہتر محافظ تلاش نہ کر سکتا۔ شاید اس میں بھی کوئی مصلحت تھی کہ ہم نے اسے بے آرام نہیں کیا۔ اسے مدت کے بعد آرام کی نیند نصیب ہوئی ہے۔ اب مجھے اجازت دیجئے میں بارش کا زور ٹوٹتے ہی آپ کے سفر کا بندوبست کر دوں گا ——" فرمس اور اُس کا نوکر کمرے سے باہر نکل گئے۔



عاصم نے خواب میں کچھ دیر بڑبڑانے کے بعد کروٹ بدلی اور نوجوان لڑکی جو انگیٹھی کے سامنے کرسی پر بیٹھی تھی مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اُس کی ماں اُس کے دائیں ہاتھ دوسری کرسی پر سو رہی تھی۔ کمرے میں داخل ہونے کے بعد پہلی بار وہ عاصم کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی اور اس نوجوان کی شکل وصورت اُن نفرت انگیز داستانوں کو جھٹلا رہی تھی جو اُس نے سن شعور سے لے کر آج تک عربوں کی جہالت اور درندگی کے متعلق سنی تھیں۔ اُسے یہ بات ناقابلِ

یقین معلوم ہوتی تھی کہ وہ بیچارگی کی حالت میں سرائے کے ایک کمرے میں بیٹھی ہے اور ایک عرب اُس کے قریب سو رہا ہے تاہم ایک بڑی مصیبت کا احساس اُس کے فخر و غرور پر غالب آچکا تھا۔ اُس نے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور اُسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ اُس کا دل ایک ناقابلِ برداشت بوجھ تلے پسا جا رہا ہے۔

عاصم اچانک دوبارہ بڑبڑایا اور بستر پر ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ اُس کا لحاف ایک طرف گر پڑا۔ لڑکی کی حیرانی اضطراب میں تبدیل ہونے لگی اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ نوجوان نیند میں کسی سے لڑ رہا ہے۔ اُس کا چہرہ پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ چند ثانیے بعد وہ خاموش ہو گیا۔ اور کچھ دیر بے حس و حرکت پڑا رہا۔ پھر اچانک اُس نے آنکھیں کھولیں اور اُس کی نگاہیں ایک ان جانی اور ان دیکھی صورت پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ لڑکی نے گھبرا کر منہ پھیر لیا۔ اُس کے سنہرے بال اُس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور چادر سے باہر اُس کا ایک بازو، جو اب عاصم کی نگاہوں کے سامنے تھا، مرمر کی طرح سفید تھا۔

عاصم کی حیرانی اضطراب میں تبدیل ہونے لگی اُس نے کمرے کی چھت اور دیواروں کی طرف دیکھا اور انتہائی بدحواسی کے عالم میں اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا "میں کہاں ہوں؟"

لڑکی دوبارہ اُس کی طرف دیکھنے لگی۔ اُس کی آنکھوں میں آسمان کی نیلاہٹ، سمندر کی گہرائی اور صبح کی روشنی تھی۔

"تم ...... تم کون ہو؟" عاصم نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

لڑکی نے بے اعتنائی سے سر ہلاتے ہوئے سریانی زبان میں کہا "میں آپ کی زبان نہیں جانتی۔"

" عاصم اچانک پلنگ سے اتر کر ایک طرف کھڑا ہو گیا اور اُس نے سریانی میں کہا "معاف کیجئے سرائے کے مالک کو شاید آپ ہی کا انتظار تھا۔ اور مجھے یہ کمرہ اِس شرط پر دیا گیا تھا کہ جب اُس کے مہمان آجائیں گے تو میں اسے خالی کر دوں گا آپ کو یہاں پہنچتے ہی مجھے جگا دینا چاہیے تھا۔ مجھے یہاں سونے کا کوئی حق نہ تھا۔"

"تم سو رہے تھے اور ہمارا یہاں ٹھہرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا اس لئے ہم نے تمہیں تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔" لڑکی نے یہ کہہ کر اپنی ماں کو جھنجھوڑا اور وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے کے بعد عاصم کی طرف متوجہ ہوئی۔ "نوجوان تم اپنی نیند پوری کر چکے ہو ——؟"

"جی ہاں اور مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کو اس قدر تکلیف ہوئی۔"

عورت نے کہا "ہمارا یہاں ٹھہرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا اس لئے تمہیں جگانا مناسب نہ سمجھا۔ اگر بارش اس قدر تیز

نہ ہوتی تو ہم یہاں رکنا بھی پسند نہ کرتے۔ بیٹھ جاؤ! تم کھڑے کیوں ہو؟"

عاصم میز کے دوسری طرف ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ عورت کچھ دیر خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتی رہی۔

بالآخر اُس نے کہا "سرائے کے مالک نے تمہاری بہت تعریف کی ہے۔ تم ہمارے ساتھ دمشق تک جانا پسند کرو گے؟"

"کب ——؟"

"ہم صرف بارش تھمنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ لیکن اگر بارش نہ رکی تو بھی ہم صبح تک یہاں سے نکل جائیں گے۔ یہ ہماری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ سرائے کے مالک نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ تم ایک بہادر آدمی ہو اور تمہاری نیکی اور شرافت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ہم تمہاری اعانت کے محتاج ہیں، اگر تم دمشق تک ہمارا ساتھ دے سکو تو میں اِس نیکی کا پورا معاوضہ دے سکوں گی؟"

ماں اور بیٹی سراپا التجا بن کر عاصم کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اور اُس کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ وہ کسی بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ اُس نے قدرے توقف کے بعد کہا "اگر سرائے کے مالک کی یہی خواہش ہے، تو میں ضرور آپ کے ساتھ چلوں گا۔ اور آپ سے اس کا کوئی معاوضہ بھی نہیں لوں گا۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ ایرانیوں کی پیش قدمی کی وجہ سے دمشق خالی ہو رہا ہے۔ کیا ان حالات میں آپ کے لئے وہاں جانا خطرناک نہ ہوگا؟"

عورت نے جواب دیا "ہمیں ایرانیوں سے کوئی خطرہ نہیں، اگر سارا دمشق خالی ہو جائے تو بھی ہم وہاں ضرور جائیں گے۔ اور تمہیں ہم کو اس قدر نادار نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہم تمہاری خدمت کا کوئی صلہ نہ دے سکیں۔ بعض اہم وجوہ کی بنا پر ہمیں اِس بے سروسامانی کی حالت میں یروشلم سے نکلنا پڑا اور ہم اپنے نوکروں کو ساتھ نہ لا سکے لیکن تمہارے لئے ہمارے پاس اِس وقت بھی بہت کچھ ہے۔"

باہر بادل کی گرج سنائی دی اور بارش کا شور پہلے سے زیادہ ہو گیا۔ عورت نے مضطرب ہو کر کہا "اب صبح ہونے والی ہے۔ خدا معلوم یہ طوفان کب تھمے گا۔ ہمارے لئے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ صبح ہوتے ہی اُن کے لوگ اِس طرف بھی ہمارا پیچھا کریں گے۔"

"آپ کا پیچھا کرنے والے کون ہیں؟" عاصم نے سوال کیا۔

عورت نے اچانک سنبھل کر جواب دیا "آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا۔ ہم صرف

ایک پریشانی سے بچنا چاہتے ہیں۔ یروشلم کی فوج کا ایک بڑا افسر اس بات کی ہر ممکن کوشش کرے گا کہ وہ ہمارا تعاقب نہ کر سکیں۔ تاہم ہمارے لئے یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔"

"میرے خیال میں بارش کا زور ٹوٹ رہا ہے۔" عاصم یہ کہہ کر اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے واپس آکر کہا۔ "مغرب کی طرف بادل چھٹ رہے ہیں اور اب یہ معمولی بوندا باندی بھی زیادہ دیر نہ رہے گی۔ آپ کے پاس گھوڑے ہیں؟"

"ہاں ــــ"

"اگر آپ کے پاس گھوڑے تھے تو آپ کو بارش میں بھی یہاں قیام نہیں کرنا چاہئے تھا۔ میں ابھی سرائے کے مالک کو جگاتا ہوں۔"

فرمس اچانک کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے کہا۔ "آپ کو یہ کیسے خیال آیا کہ میں سو رہا ہوں۔ گھوڑے تیار ہیں میں صرف بارش تھمنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اب میں آپ کے پاس ایک درخواست لے کر آیا ہوں۔ ان خواتین کو دمشق تک پہنچنے کے لئے ایک قابلِ اعتماد ساتھی کی ضرورت ہے اور مجھے اس خدمت کے لئے آپ سے بہتر کوئی نظر نہیں آتا۔"

عورت نے کہا۔ "اب تمہیں درخواست کرنے کی ضرورت نہیں یہ شریف نوجوان ہمارے ساتھ جانے کو تیار ہے۔"

فرمس کا ملازم کپڑوں کی گٹھڑی اٹھائے کمرے میں داخل ہوا اور اسے بستر پر رکھ کر بولا۔ "لیجئے میں نے انہیں اچھی طرح سکھا دیا ہے۔"

فرمس نے عورت سے مخاطب ہو کر کہا۔ "آپ فوراً تیار ہو جائیے۔ ہم نیچے آپ کا انتظار کریں گے۔"

عاصم دروازے کے قریب ایک کھونٹی سے اپنے کپڑے اتارنے لگا تو فرمس نے اپنے نوکر سے کہا۔ "تم یہ کپڑے لے جاؤ اور انہیں کھانے کے سامان کے ساتھ ان کی خرجین میں ڈال دو۔ اس کے بعد ان معزز خواتین کو نیچے لے آؤ۔" پھر وہ عاصم سے مخاطب ہوا۔ "تمہارے سفر کے لئے یہ لباس موزوں نہیں۔ تم میرے ساتھ آؤ میں نے تمہارے لئے کچھ اور انتظام کیا ہے؟"

عاصم فرمس کے ساتھ چل دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ اُس کے سکونتی مکان کے ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوا۔ فرمس نے جلدی سے ایک صندوق کھولا اور ایک رومی افسر کی وردی نکال کر عاصم کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"تم ایک رومی افسر کے بھیس میں دمشق جا رہے ہو۔ تمہارے لئے ایک عرب کی بجائے ایک رومی کی حیثیت سے ان عورتوں کی حفاظت کرنا زیادہ آسان ہو گا۔ یہ میرے ایک دوست کی نشانی ہے۔ اُس نے فوج سے بھاگ کر یروشلم کی ایک خانقاہ میں پناہ لی تھی اور اپنی وردی میرے پاس چھوڑ گیا تھا۔ دو سال اس نے راہبانہ زندگی بسر کی اور آخر کار اس سے بیزار ہو کر وہ خانقاہ سے بھی فرار ہو گیا۔ اِس کے بعد اُس کا کہیں پتا نہ چلا۔ اُس کا قد بالکل تمہارے برابر تھا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ وردی تمہارے ٹھیک آئے گی۔ اب جلدی کرو۔"

عاصم نے کہا۔ "لیکن میں رومی زبان کے چند الفاظ ہی جانتا ہوں۔ اور میرا رنگ بھی کسی رومی کو دھوکا نہیں دے سکے گا ــــ"

"تمہارا رنگ خاصا سفید ہے۔ اور روم و یونان کے وہ لوگ جو مدت سے شام میں آباد ہیں، یہاں کی زبان سیکھ گئے ہیں اور تم سریانی زبان میں روانی کے ساتھ گفتگو کر سکتے ہو۔ پھر اگر کسی جگہ رومی زبان میں گفتگو کرنے کی ضرورت پیش آگئی تو تھوڑی دیر کے لئے بہرے بن کر ان خواتین کو آگے کر دینا۔ وہ خاصی سمجھ دار معلوم ہوتی ہیں۔ جو لوگ تمہیں راستے میں ملیں گے وہ اس لباس کو دیکھ کر ہی مرعوب ہو جائیں گے۔ تم پانی مانگو گے تو دودھ ملے گا۔ تمہیں صرف ان عورتوں کا پیچھا کرنے والوں سے کوئی خطرہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے تمہاری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ جلد از جلد یہاں سے دور نکل جاؤ۔ یہ عورت دمشق کے کسی با اثر رومی کی بیٹی ہے اور مجھے اُمید ہے کہ یروشلم کے حاکم کے آدمی دو چار منزلوں سے زیادہ ان کا پیچھا کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ اس لباس کی بدولت تم بوقت ضرورت تازہ دم گھوڑے بھی حاصل کر سکو گے؟"

عاصم وردی پہن چکا، تو فرمس نے صندوق سے تلوار نکال کر اُسے پیش کرتے ہوئے کہا۔ "خدا کی قسم اب اگر تم قیصر کے دربار میں جاؤ تو بھی تم پر کوئی شک نہیں کرے گا۔"

عاصم نے کہا۔ "نہیں مجھے تلوار کی ضرورت نہیں۔ میں نے عہد کیا تھا کہ باقی عمر تلوار کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا اور میں [illegible] پر قائم رہنا چاہتا ہوں۔"

فرمس نے کہا۔ "عاصم! تم ایک بہادر آدمی ہو۔ اور راستے میں تمہیں ایسے حالات پیش آ سکتے ہیں کہ تم بھاگنے کو پسند کرو۔ اور مجھے یقین ہے کہ اگر ان بے بس عورتوں پر کسی نے حملہ کیا تو تم ان کی چیخیں برداشت نہ کر سکو گے۔"

موجودہ حالات میں مجھے یہ توقع نہیں کہ یروشلم کا حاکم انہیں گرفتار کرنے کے لئے کوئی لشکر بھیجے گا، لیکن اگر دو چار آدمیوں نے تمہارا پیچھا کیا تو تم یقیناً تلوار کی ضرورت محسوس کرو گے۔ اگر مجھے یہ اطمینان ہوتا کہ خطرے کے وقت تمہیں صرف اپنی جان بچانے کی فکر ہوگی اور تم ان عورتوں کی طرف سے آنکھیں بند کر سکو گے تو میں یہ تلوار تمہیں پیش نہ کرتا۔“

عاصم نے کوئی جواب نہ دیا اور فرمس نے تلوار کا تسمہ اُس کی کمر سے باندھتے ہوئے کہا۔”خدا جانتا ہے کہ مجھے تمہاری جدائی پسند نہیں۔ جب تم اپنی سرگزشت سنا رہے تھے تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر ایرانیوں کی پیش قدمی کے باعث مجھے یہاں سے بھاگنا پڑا تو میں تمہیں اپنے ساتھ اسکندریہ لے جاؤں گا۔ اور پھر وہاں سے ہم بابلیون چلے جائیں گے۔ مگر قدرت تم سے یہ کام لینا چاہتی تھی۔ لیکن اب تم جلدی واپس آنے کی کوشش کرنا۔ اگر حالات زیادہ خراب ہوگئے اور مجھے تمہاری آمد سے پہلے یہاں سے کوچ کرنا پڑا تو میں اسکندریہ اور اُس کے بعد بابلیون میں تمہارا انتظار کروں گا۔“

عاصم نے صندوق سے ترکش اور کمان نکالتے ہوئے کہا۔”اب کہ میں اپنے عہد سے انحراف کر رہا ہوں تو مجھے پوری طرح مسلح ہو کر جانا چاہیئے۔“

وہ کمرے سے باہر نکلے تو بارش ختم ہو چکی تھی اور مشرق سے سپیدۂ سحر نمودار ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد فرمس سرائے کے دروازے کے باہر کھڑا عاصم اور اُس کے ساتھیوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سُن رہا تھا۔

باب ۱۴

آفتاب نمودار ہو چکا تھا۔ اور چند میل سرپٹ دوڑنے کے بعد عاصم اور اُس کے ساتھیوں کے گھوڑے بُری طرح ہانپ رہے تھے۔ عاصم نے اپنا گھوڑا روکا اور مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف، جو کچھ پیچھے رہ گئے تھے، دیکھنے لگا۔

لڑکی کی ماں نے اُس کے قریب پہنچ کر کہا۔”گھوڑے تھک گئے ہیں۔ اب ہمیں کچھ دیر آرام سے سفر کرنا چاہیئے۔“

عاصم نے کہا۔”مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن یہ بہتر ہوگا کہ ہم دوپہر سے پہلے زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کر لیں۔“

لڑکی نے کہا۔”آپ کو یقین ہے کہ یہ راستہ دمشق کی طرف جاتا ہے؟“ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ عاصم سے ”تم“ کی بجائے پ کہہ کر مخاطب ہو رہی تھی۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ وہ دن کی روشنی میں انسانی حسن و جمال کے اِس پیکرِ مجسم کو دیکھ رہا تھا س کی عمر چودہ یا پندرہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ تاہم شباب کی تمام رعنائیاں اُس کے چہرے پر رقص کر رہی تھیں۔

اُس نے جواب دیا۔”ہاں! میں اِس راستے پر پہلے بھی سفر کر چکا ہوں۔“

لڑکی نے کہا۔”ہم خاصی دور آگئے ہیں۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تھوڑی دیر کسی جگہ، سستانے کے لئے ٹھہر جائیں۔“

”نہیں۔“ عاصم نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔”ہم دوپہر سے پہلے آرام نہیں کریں گے۔“

ماں نے کہا۔”بیٹی! ہمت سے کام لو۔ ہماری منزل بہت دور ہے۔“

ایک گھاٹی کے موڑ سے انہیں گھوڑوں کی ٹاپ اور رتھوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ عاصم نے جلدی سے ے کی باگ موڑی اور راستے سے ایک طرف ہٹ کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔”میرا خیال ہے کہ وہ سپاہی پنے گھوڑوں کا رُخ دوسری طرف کر لیں اور راستہ چھوڑ دیں، انہیں ہمارے متعلق یہی سمجھنا چاہیئے کہ ہم بھی

یروشلم جارہے ہیں۔ پھر شاید وہ ہم سے ہمکلام ہونے کی ضرورت محسوس نہ کریں۔"

عاصم کے ساتھیوں نے بلاتاخیر اُس کی ہدایت پر عمل کیا۔ چند ثانیے بعد گھاٹی کے موڑ سے دو رتھ اور چند مسلح سوار نمودار ہوئے۔ سب سے اگلی رتھ پر ایک رومی افسر سوار تھا۔ اُس نے قریب پہنچ کر ہاتھ کے اشارے سے سلام لیا اور پھر ہانپتے ہوئے گھوڑوں کو چابک مارتا ہوا آگے نکل گیا۔ جب یہ لوگ کچھ دور چلے گئے تو عاصم نے اطمینان کا سانس لینے کے بعد اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "میں یہ وردی پہننے پر اپنے آپ کو کوس رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر وہ مجھ سے پوچھ بیٹھے تو میں کیا جواب دوں گا۔"

لڑکی بولی "تمہیں اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ لوگ دمشق سے آرہے تھے اور انہیں مرعوب کرنے کے لئے میرے اباجان کا نام کافی تھا۔ میں اگر انہیں یہ بھی بتا دیتی کہ تم ایک عرب ہو اور تم نے صرف ہماری خاطر ایک رومی کا بھیس بدلا ہے تو بھی وہ تمہیں کچھ کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ دمشق کی فوج کے تمام عہدہ دار میرے اباجان کو جانتے ہیں۔ ہمیں اگر کوئی خطرہ پیش آسکتا ہے، تو صرف یروشلم کے حاکم کے آدمیوں سے۔"

عاصم نے کہا "اگر یروشلم کے حاکم کے آدمی آپ کی تلاش میں اس طرف روانہ ہو چکے ہیں تو راستے میں ان لوگوں سے انہیں آپ کا پتا مل جائے گا۔ اس صورت میں آپ کو آرام کے لئے بہت کم وقت ملے گا۔ اب چلئے۔"

عاصم نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ ماں اور بیٹی نے بے بسی کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بغیر کچھ کہے اُس کے پیچھے چل پڑیں۔

ایک ساعت بعد یہ لوگ ایک سرسبز وادی میں داخل ہوئے جہاں ایک چھوٹی سی ندی بہہ رہی تھی۔ گندم اور جو کے لہلہاتے کھیتوں میں کہیں کہیں زیتون کے درخت کھڑے تھے۔ سامنے تھوڑی دور کسی بستی یا قصبے کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ عاصم نے سڑک سے اتر کر ندی کے کنارے گھوڑا روکا اور اُسے پانی پلاتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "میرے خیال میں ہمیں اُس بستی کی بجائے یہیں کسی جگہ تھوڑی دیر آرام کر لینا چاہیئے۔ آپ اپنے گھوڑوں کو پانی پلالیں۔ اس کے بعد ہم کوئی موزوں جگہ تلاش کریں گے۔"

لڑکی گھوڑے سے اتری اور اوک سے پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد نڈھال سی ہو کر ندی کے کنارے گئی۔ ماں نے بیٹی کی تقلید کی لیکن عاصم نے کہا "آپ اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں ورنہ یہ پانی پیتے ہی بھاگ

لڑکی بادلِ ناخواستہ اٹھی اور اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ کر بولی "ہمارے گھوڑوں میں اب بھاگنے کی ہمت نہیں۔"

عاصم نے اپنا گھوڑا آگے بڑھا کر دوسرے گھوڑے کی باگ پکڑی اور کہا "بھوکے گھوڑوں کے لئے یہ لہلہاتے کھیت خاصے صبر آزما ثابت ہو سکتے ہیں۔ آپ ذرا ہمت سے کام لیں۔ ہمارے لئے سڑک کے قریب ٹھہرنا مناسب نہیں۔"

لڑکی نے کہا "لیکن اب مجھ میں گھوڑے پر دوبارہ سوار ہونے کی ہمت نہیں۔"

عاصم نے کہا "چند قدم پیدل چلنا آپ کے لئے سودمند ہوگا، آئیے!"

ماں اٹھتے ہوئے بولی "چلو، بیٹی! یہ درست کہتے ہیں۔ ہمیں معمولی تکلیف سے بچنے کے لئے سڑک کے کنارے رکنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیئے۔"

لڑکی منہ بسورتی ہوئی اُن کے پیچھے چل پڑی۔ وہ کچھ دیر ندی کے کنارے چلتے رہے، ایک چھوٹا سا ٹیلا عبور کرنے کے بعد عاصم نے ادھر ادھر دیکھا اور کہا "میرے خیال میں یہ جگہ زیادہ محفوظ ہے، کم از کم ہمیں سڑک کی طرف سے کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔"

لڑکی اور اُس کی ماں زمین پر بیٹھ گئیں اور عاصم نے تینوں گھوڑے زیتون کے درختوں سے باندھ دیئے۔ پھر اپنی خرجین سے ایک گٹھڑی، جس میں کھانا بندھا ہوا تھا، نکالی اور اُسے اپنے ساتھیوں کے آگے رکھ کر کھولتے ہوئے کہا "آپ تھکاوٹ سے زیادہ بھوک محسوس کر رہی ہوں گی۔ دیکھئے! ہمارے میزبان نے کس قدر تکلف سے کام لیا ہے۔ یہ کھانا ہمارے رے سفر کے لئے کافی ہوگا۔"

لڑکی نے کہا "کیا آپ کے خیال میں ہمیں اگلی منزلوں میں بھی اسی باسی کھانے پر اکتفا کرنا پڑے گا؟"

عاصم نے جواب دیا "ہاں! اگر تازہ کھانا نہ ملا!"

لڑکی کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن بھوک کی شدت اُس کی قوتِ گویائی پر غالب آگئی۔

پھر گوشت کے چند ٹکڑے اور روٹی کے چند نوالے کھانے کے بعد، اُس نے قدرے تازہ دم ہو کر کہا "دیکھئے! کی ایک غلط فہمی دور کرنا چاہتی ہوں۔ ہمارے لئے یروشلم ٹھہرنا اس لئے خطرناک تھا کہ شہر کا حاکم درپردہ ہمارا ور اُس کے جاسوسوں نے بعض افواہیں پھیلا کر عوام کو ہمارے خلاف مشتعل کر دیا تھا۔ لیکن یروشلم سے باہر ہمیں کوئی ورنر کے آدمی ہمارا تعاقب کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ آپ میرے نانا کو نہیں جانتے۔ ورنہ آپ کو

ہمارے متعلق اس قدر پریشانی نہ ہوتی آپ دیکھیں گے کہ جب یروشلم کے حاکم کو یہ معلوم ہوگا کہ ہم اُس سے خفا ہیں تو وہ کانپتا ہؤا میرے نانا کے پاس آئے گا اور ان کے پاؤں پر گر کر یہ کہے گا کہ میں بے قصور ہوں، میں تو آپ کی بیٹی اور نواسی کی حفاظت کر رہا تھا۔ یہ ہماری غلطی تھی کہ ہم اپنے ایرانی نوکروں کو اپنے ساتھ یروشلم لے آئے تھے۔ اور عوام کسی دشمن کی افواہوں سے ان کے خلاف مشتعل ہو گئے تھے۔ اس لئے آپ ہمیں بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکنے کی کوشش نہ کریں۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔"

لڑکی کی ماں نے کہا "فسطینہ! یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ہماری عزت اور ہماری جانیں خطرے میں ہیں۔ ہمارا ایک نوکر اب بھی انڈرونیکس کی قید میں ہے۔ اور اس کا قصور صرف یہ تھا کہ اس نے ہمارے خلاف کوئی بیان نہیں دیا۔"

لڑکی نے ماں کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے خفگی ہوئی نگاہوں سے عاصم کی طرف دیکھا اور کہنے لگی "اگر وہ ہمیں پکڑ کر لے جائیں تو آپ دمشق پہنچنے کی کوشش کریں۔ ہمارا مکان شہر کے مشرقی دروازے کے بالکل قریب ہے اور میرے نانا کا نام مینوڈوسیس ہے۔ جب آپ انہیں یہ بتائیں گے کہ آپ کی فسطینہ گرفتار ہونے سے پہلے بارش کے طوفان میں یروشلم سے نکلی تھی اور پھر اُس نے اتنا لمبا سفر طے کیا تھا تو آپ دیکھیں گے کہ وہ یروشلم کے گورنر کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں اور آپ میرے باپ کے متعلق بھی نہیں جانتے۔ اماں جان آپ انہیں بتائیے کہ میرا باپ کون ہے۔ پھر انہیں یقین آجائے گا کہ ہمیں کوئی خطرہ نہیں اور ہم دمشق تک اطمینان سے سفر کر سکتے ہیں۔"

فسطینہ کی ماں اور عاصم اضطراب و پریشانی کی حالت میں اُس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اور تھوڑی ہی دیر میں فسطینہ آنکھیں بند کئے گہری نیند میں بڑبڑا رہی تھی۔

عاصم نے کہا "آپ بھی تھوڑی دیر آرام کر لیجئے۔"

فسطینہ کی ماں نے زمین پر لیٹتے ہی آنکھیں بند کر لیں اور تھوڑی دیر بعد اپنی بیٹی کی طرح وہ بھی گہری نیند سو رہی تھی۔

عاصم دیر تک فسطینہ کی طرف دیکھتا رہا۔ اُس کا حسین چہرہ اُسے بیک وقت معصوم، شوخ اور مغرور دکھائی دیتا تھا۔ اُسے گزشتہ چند گھنٹوں کے تمام واقعات ایک خواب معلوم ہوتے تھے۔ اور یہ خواب جس قدر دلچسپ اور دلفریب تھا اُسی قدر مضحکہ خیز معلوم ہوتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا اگر رات کے وقت یروشلم کے دروازے بند نہ ہوتے اور مجھے بارش سے پناہ لینے کے لئے قومس کی سرائے کا رخ نہ کرنا پڑتا تو ان سے میری ملاقات بھی نہ ہوتی۔ میں دنیا سے تمام رشتے توڑ کر سکون کی تلاش میں نکلا تھا۔ مجھے اپنے سفر میں کسی کی رفاقت کی تمنا نہ تھی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قدرت نے تین مصیبت زدہ افراد کو مختلف سمتوں سے دھکیل کر ایک راستے پر ڈال دیا ہے؟ کیا قدرت کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ اس وقت فسطینہ کی بجائے سمیرا میرے پاس ہوتی —— اُس سے میری پہلی ملاقات جن حالات میں ہوئی تھی وہ اس سے کہیں زیادہ غیر متوقع اور ناقابلِ یقین تھے۔ اور میں نے ان غیر متوقع حالات کو قدرت کا معجزہ سمجھ کر یہ یقین کر لیا تھا کہ ہم ایک دوسرے کے لئے ہیں۔ ہمیں دنیا کی کوئی طاقت ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کر سکتی۔ سمیرا کی رفاقت کے بغیر میرے ذہن میں اپنے مستقبل کا کوئی تصور نہ تھا۔ لیکن اب وہ مر چکی ہے۔ میں اُسے دوبارہ نہیں دیکھوں گا۔ منات جس کی مورتی کے سامنے میں نے منتیں مانی تھیں صرف یہ چاہتا تھا کہ میں اپنے راستے سے بھٹک کر سمیرا کے گھر پہنچ جاؤں۔ اُس نے عمیر کو بے بسی کے عالم میں میرے راستے میں ڈال دیا تھا۔ اُسی نے میرے دل میں عدی کے خاندان کے لئے دوستی اور محبت کے جذبات بیدار کر دیئے تھے اور مجھے اِس بات کا قطعاً احساس نہ تھا کہ میں اپنے قبیلے سے بدعہدی کر رہا ہوں۔ کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ میں نے اُن پر موت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ ہیں جسے نیکی سمجھتا تھا وہ میری زندگی کا سب سے بڑا جرم بن جائے گی۔ اور میں جن پھولوں کو ہاتھ لگاؤں گا وہ خاکستر بن کر رہ جائیں گے۔

عاصم نے کرب کی حالت میں آنکھیں بند کر لیں اور اپنے دل میں کہا "قدرت کی بے رحم قوتو! اب تم مجھ سے مذاق نہیں کر سکتیں۔ اب میں نئے سپنے نہیں دیکھوں گا۔ اب مجھے کسی خواب کی تعبیر پریشان نہیں کرے گی۔ اب پھولوں کی جستجو مجھے انگاروں میں ہاتھ ڈالنے پر آمادہ نہیں کرے گی۔ تم میرے خالی ہاتھوں سے کچھ نہیں چھین سکو گے۔ دمشق پہنچنے کے بعد مجھے ان لوگوں سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ وہاں سے ہمارے راستے مختلف ہو جائیں گے۔" پھر تھوڑی دیر بعد جب وہ دوبارہ فسطینہ کی طرف دیکھ رہا تھا تو اُس کے دل میں اس قسم کے سوالات ابھر رہے تھے۔ "کیا دمشق سے آگے اپنی زندگی کے ویران راستوں پر قدم رکھتے ہوئے مجھے کسی ہم سفر کی احتیاج محسوس نہیں ہوگی؟ کیا مجھے اِس عارضی رفاقت کا تصور پریشان نہیں کرے گا؟"

عاصم کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ جتنا فسطینہ کی طرف دیکھتا اتنی ہی شدت کے ساتھ یہ محسوس کرتا کہ مستقبل کے تاریک خلا میں یہ تابناک چہرہ مدتوں اُس کا تعاقب کرتا رہے گا۔ تاہم اُسے یہ اطمینان تھا کہ اگر مجبوری نہ ہوتی تو یہ مغرور لڑکی ایک غریب الدیار عرب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہ کرتی اور جب وہ دمشق پہنچ جائیں گے تو

ان کے راستے خود بخود ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔ اچانک اُسے کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور وہ چونک کر پیچھے دیکھنے لگا۔ ایک عمر رسیدہ آدمی آہستہ آہستہ ٹیلے پر چڑھ رہا تھا۔ عاصم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بوڑھے نے قریب پہنچ کر ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا اور کہا۔ "جب آپ سڑک سے اتر کر اس طرف آ رہے تھے تو میں نے آپ کو دیکھا تھا۔ میں سمجھا شاید آپ آگے کسی گاؤں کی طرف جا رہے ہیں۔ لیکن ابھی میں اپنے کھیتوں کی طرف جا رہا تھا تو آپ یہاں بیٹھے دکھائی دیئے۔ اگر آپ سڑک سے اُتر کر اس طرف نہ آتے تو تھوڑی دور آگے آپ ایک سرائے میں قیام کر سکتے تھے۔ اب اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے گھر تشریف لے چلیں، میں بستی کے باہر اُس باغ کے پیچھے رہتا ہوں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "آپ کا شکریہ! لیکن اب ہم تھوڑی دیر میں یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

"تو میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "ہمارے گھوڑے بھوکے ہیں اگر آپ ان کے لئے اناج اور چارا مہیا کر سکیں تو بڑی نوازش ہوگی۔"

"آپ بہت نیک دل معلوم ہوتے ہیں ورنہ رومیوں کے گھوڑے اگر بھوکے ہوں تو وہ انہیں ہماری فصلوں میں چھوڑ دیتے ہیں۔ میں ابھی چارے کا انتظام کر دیتا ہوں۔" بوڑھا یہ کہہ کر واپس چل دیا۔



کچھ دیر بعد گھوڑے چارا کھا رہے تھے اور بوڑھا کسان اور اُس کا ایک نوجوان بیٹا عاصم کے پاس بیٹھے تھے۔

کسان نے کہا۔ "جناب! اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"کہیئے!"

"میرا بڑا بیٹا فوج میں ملازم ہے۔ پچھلے مہینے اُس نے مجھے غزہ سے اطلاع دی تھی کہ ہمارے دستے دمشق جا رہے ہیں۔ لیکن اس کے بعد سے اُس کا کوئی خط یا پیام نہیں آیا۔ اگر آپ اُسے گھر آنے کے لئے کچھ دن کی رخصت دلوا سکیں تو میں آپ کا بے حد ممنون ہوں گا۔ میری بیوی بیمار ہے اور اُسے بہت یاد کرتی ہے۔ اُسے رخصت نہ مل سکے تو بھی ہمارے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ خیریت سے ہے۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "میں اُسے دمشق میں تلاش کروں گا۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ جنگ کے دنوں میں سپاہی کو چھٹی نہیں مل سکتی۔ بہرحال میں کوشش کروں گا کہ آپ کو اُس کی خیریت کی اطلاع مل جائے۔"

"آپ بہت نیک دل ہیں۔ ورنہ رومی افسر کسی شامی سے ہمکلام ہونا بھی اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ آج چند رومی ہمارے گاؤں سے گزرے تھے اور میں نے یہی التجا اُن کے افسر سے کی تھی۔ لیکن اُس نے جواب دینے کی بجائے مجھے چابک رسید کر دیا۔ اگر گاؤں کا ایک آدمی مجھے دھکا دے کر ایک طرف نہ ہٹاتا تو اُس نے مجھے اپنی رتھ کے نیچے کچل ہی دیا ہوتا۔"

عاصم نے کہا۔ "وہ کوئی بد دماغ آدمی ہوگا۔"

نوجوان نے کہا۔ "جناب! اگر میں وہاں ہوتا تو یہ ضرور پوچھتا کہ اگر تم انطاکیہ اور حمص سے شکستیں کھا کر بھاگے ہو تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔"

بوڑھے نے خوفزدہ ہو کر اپنے بیٹے کی طرف دیکھا اور کہا۔ "جناب! یہ لڑکا بہت بیوقوف ہے آپ اس کی بات کا کوئی خیال نہ کریں۔"

عاصم نے کہا۔ "آپ پریشان نہ ہوں۔ ایک غیرت مند بیٹا اپنے باپ کے ساتھ بدسلوکی برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر یہ نوجوان اُس رومی افسر کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیتا تو بھی میں اسے حق بجانب سمجھتا۔"

بوڑھے کسان کا خوف اب پریشانی اور حیرت میں تبدیل ہو رہا تھا۔ "جناب! ہم لوگ تصور میں بھی ایسی گستاخی نہیں کر سکتے۔ آپ جیسے نیک دل انسان کو ہماری وفاداری پر شبہ نہیں کرنا چاہیئے۔"

عاصم نے کہا۔ "مجھے آپ کی وفاداری پر کوئی شبہ نہیں اور میں اس بات پر نادم ہوں کہ رومی فوج کا ایک افسر آپ سے اس قدر بدسلوکی کے ساتھ پیش آیا ہے۔ میں دمشق پہنچتے ہی آپ کے بیٹے کا پتا چلاؤں گا، اُس کا نام کیا ہے؟"

"اُس کا نام یوسف ہے اور اُس کے خدوخال میرے اِس چھوٹے لڑکے سے اِس قدر مشابہت رکھتے ہیں کہ آپ اُسے دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔"

عاصم نے کچھ سوچ کر کہا۔ "میں نہیں کہہ سکتا کہ دمشق کے حالات مجھے کتنی دیر وہاں ٹھہرنے کی اجازت دیں گے۔ لیکن اگر مجھے موقع ملا تو میں اُسے تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"جناب! آپ کے خیال میں دمشق کے حالات بہت زیادہ مخدوش تو نہیں ہیں؟"

عاصم نے جواب دیا۔"دمشق کو خطرہ ضرور ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ ایرانی اس شہر کو فتح نہیں کر سکتے۔"

"جناب مجھے بھی یقین ہے کہ فوکاس جیسے ظالم حکمران سے نجات حاصل کرنے کے بعد قسطنطنیہ کے حالات بدل چکے ہیں اور ہمارا انیا شہنشاہ میدان میں آتے ہی ایرانیوں کا منہ پھیر دے گا۔"

عاصم کو روم اور ایران کی جنگوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اُسے اس بات سے بھی کوئی سروکار نہ تھا کہ فوکاس کس قدر ظالم تھا اور نئے قیصر کے عزائم کیا ہیں، وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ یہ سادہ دل کسان اُس کو ایک رومی افسر سمجھ رہا ہے اور وہ اُسے یہ نہیں بتا سکتا کہ میرا ظاہری لباس تمہیں دھوکا دے رہا ہے۔ تاہم یہ تصنع اُس کے بدوی مزاج کے خلاف تھا اور ندامت کے احساس سے اُس کی گردن جھکی جارہی تھی۔

بوڑھے کو اس بات کی خوشی تھی کہ رومی فوج کا ایک بڑا عہدہ دار اُس سے ہمکلام ہے۔ وہ مشرق و مغرب کے تازہ ترین حالات معلوم کرنے کے لئے بیتاب تھا اور عاصم اپنے دل پر جبر کرکے اُس کے ہر الٹے سیدھے سوال کا جواب دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب درختوں کے سائے طویل ہونے لگے تو اُس نے فسطینہ کی ماں کا بازو ہلا کر اُسے جگایا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور پریشانی کی حالت میں بوڑھے کسان اور اُس کے بیٹے کی طرف دیکھنے لگی۔

عاصم نے کہا۔"آپ خاصی دیر سو چکی ہیں، اب ہمیں تاخیر نہیں کرنی چاہیئے۔ ہمارے گھوڑے بھی تازہ دم ہو چکے ہیں۔ یہ شریف آدمی اُن کے لئے چارا لے آیا تھا۔"

ماں نے کسی توقف کے بغیر فسطینہ کو جگا دیا۔ اور تھوڑی دیر بعد یہ لوگ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو رہے تھے۔

بوڑھے کسان نے کہا۔"جناب! اب تو شام ہونے والی ہے اگر آپ آج رات میرے ہاں ٹھہر سکتے تو مجھے بہت خوشی ہوتی۔"

"نہیں! ہمارے لئے بلا تاخیر دمشق پہنچنا ضروری ہے۔ اگر میں دوبارہ اس راستے سے گزرا تو آپ کے پاس ضرور ٹھہروں گا۔ ہاں! دیکھیے، اگر گاؤں کے باہر سے کوئی راستہ سڑک سے ملتا ہے تو ہمیں اُس پر ڈال دیجئے۔ اس وقت مجھے گاؤں میں سے گزرنا پسند نہیں۔ میں راستے میں جتنے آدمیوں سے ملا ہوں وہ مجھ سے عجیب و غریب سوال کرتے ہیں۔ اور مجھے ان کی باتوں سے بہت الجھن ہوتی ہے۔"

"ہاں جناب! ان دنوں ایرانیوں کی پیش قدمی کے باعث چاروں طرف افراتفری پھیلی ہوئی ہے اور عام لوگ یہی خیال کرتے ہیں کہ ملک کے حالات رومیوں سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔ لیکن آپ کو گاؤں میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ ندی کے اسی کنارے چلتے رہیں تو تھوڑی دور آگے جا کر آپ کو ایک پگڈنڈی ملے گی جو گاؤں سے باہر دمشق کی سڑک سے جا ملتی ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو میں اپنے لڑکے کو آپ کے ساتھ کر دیتا ہوں۔"

"نہیں! اسے تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔"

فسطینہ کی ماں نے سونے کا ایک سکہ بوڑھے کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔"لو! یہ تمہارا انعام ہے۔"

کسان زمین سے سکہ اٹھانے کی بجائے سراپا احتجاج بن کر عاصم کی طرف دیکھنے لگا ——————

عاصم گھوڑے سے کود کر آگے بڑھا اور اُس نے زمین پر پڑا ہوا سکہ اٹھا کر اُس کے بیٹے کو پیش کرتے ہوئے کہا۔"لیجئے یہ صرف انعام ہے۔"

لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور اُس کا اشارہ پا کر عاصم کے ہاتھ سے سکہ لے لیا۔ عاصم دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ تھوڑی دور آگے جا کر عاصم مڑا اور فسطینہ کی ماں کی طرف دیکھ کر بولا۔"وہ کسان غریب ضرور تھا لیکن بھکاری نہیں تھا، آپ کو اُس کی دل آزاری نہیں کرنی چاہیئے تھی۔"

عورت نے ندامت کا اظہار کرنے کی بجائے تلخ ہو کر کہا۔"اگر ہم اُسے کچھ نہ دیتے تو وہ ہمیں بھکاری سمجھتا۔ میں نے یہ بات آج تک نہیں سنی کہ سونا دیکھ کر کسی شامی کی دل آزاری ہو سکتی ہے۔ آپ کو اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے گھوڑے سے اُترنے کی ضرورت نہ تھی۔"

اس مغرور خاتون کے تیور صاف بتا رہے تھے کہ مجھے صرف یروشلم کے رومی حاکم کا خوف ہے۔ لیکن میں فلاں کی بیٹی اور فلاں کی بیوی ہوں اور کوئی بڑی سے بڑی مصیبت بھی میری نگاہ میں ایک شامی کسان کا درجہ اونچا نہیں کر سکتی۔

عاصم نے اضطراب کی حالت میں اُس کی طرف دیکھا لیکن اِس مسئلہ پر مزید بحث کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اور وہ کسان جو ابھی تک ٹیلے پر کھڑا تھا اپنے بیٹے سے یہ کہہ رہا تھا۔"مجھے یقین ہے کہ وہ عورت کسی امیر اور با اثر رومی گھرانے سے تعلق رکھتی ہے لیکن وہ اُس نوجوان کی ماں نہیں ہو سکتی۔ آج گاؤں کا کوئی آدمی نہیں مانے گا کہ ایک رومی نے مجھ سے ایک دوست کی طرح باتیں کی ہیں۔ لیکن تم یہ دیکھ چکے ہو کہ وہ میرے ساتھ کس قدر ادب سے پیش آتا تھا۔ اُس نے وعدہ کیا ہے کہ آئندہ میں تمہارے گھر ٹھہرا کروں گا۔ ایسا شریف آدمی چھوٹا نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دمشق

پہنچتے ہی تمہارے بھائی کو تلاش کرے گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تمہارے بھائی کو اس کی مدد سے فوج میں ترقی مل جائے۔"

نوجوان نے کہا۔ "لیکن مجھے تو اُس کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ رومی نہیں ؟"

"تم بیوقوف ہو اگر وہ ایک چرواہے کے لباس میں ہوتا تو بھی مجھے اُس کے رومی ہونے میں شک نہ ہوتا۔ تم نے ایک نہایت احمقانہ بات کی تھی اگر وہ عالی نسب نہ ہوتا تو ہماری شامت آجاتی۔"

"لیکن میں حیران ہوں کہ اُسے ہمارے گاؤں سے گزرنا کیوں پسند نہ تھا۔ کوئی ایسی بات تھی جسے وہ چھپانا چاہتا تھا"

بوڑھے نے جھنجھلا کر کہا۔ "ارے پاگل! گاؤں میں وہ اس لئے داخل نہیں ہوا کہ وہاں تم جیسے بے وقوفوں کی کمی نہیں۔ اور وہ ہر مسافر کا راستہ روک کر عجیب و غریب سوال کرتے ہیں۔"



غروب آفتاب تک عاصم اور اُس کے ساتھی چند کوس اور سفر کر چکے تھے۔ شام کے وقت سڑک کے قریب انہیں ایک چھوٹی سی بستی دکھائی دی۔ عاصم نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "ہمارے لئے سڑک کے قریب بستی میں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ اس لئے ہم یہاں سے گھوڑوں کو پانی پلاتے ہی روانہ ہو جائیں گے اور کچھ دور آگے کسی موزوں جگہ قیام کریں گے۔"

فسطینہ کی ماں نے کہا۔ "ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اگر آپ چاہیں تو ہم آدھی رات تک سفر کر سکتے ہیں۔"

وہ سڑک سے اتر کر بستی کے ایک کنوئیں پر پہنچے۔ وہاں چند دیہاتی پانی بھر رہے تھے انہوں نے ان مسافروں اور ان کے گھوڑوں کو پانی پلایا۔ عاصم نے احتیاطاً اپنا مشکیزہ بھی بھر لیا۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہونے لگے تو بستی کے ایک معمر آدمی نے انہیں رات کے وقت اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دی لیکن عاصم نے اپنے گھوڑے کی باگ موڑتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ کا شکریہ! لیکن ہم اگلی بستی میں قیام کرنا چاہتے ہیں۔"

ایک نوجوان نے معمر آدمی سے کہا۔ "تم عجیب آدمی ہو۔ اگر وہ تمہاری دعوت قبول کر لیتے تو ہمارے پاس انہیں ٹھہرانے کے لئے کون سی جگہ تھی ؟"

بوڑھے نے جواب دیا۔ "بھئی! مجھے معلوم تھا کہ ایک رومی افسر یہاں نہیں ٹھہرے گا۔ اور اسی لئے میں نے

ے دعوت دی تھی۔"

ایک اور آدمی نے کہا۔ "میں نے آج تک کسی رومی افسر کو رات کے وقت ایک مسلح دستے کے بغیر سفر کرتے نہیں دیکھا۔ اور اُسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اگلی بستی یہاں سے ایک منزل دُور ہے۔"

بوڑھے نے کہا۔ "بھئی ایسے گھوڑوں پر چند میل چلنا کون سا مشکل ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ پیچھے اُن کے ساتھی آرہے ہوں۔"

عاصم اور اُس کے ساتھیوں نے دوبارہ سڑک پر پہنچتے ہی اپنے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی۔ تھوڑی دیر بعد یہ سڑک ایک ایسے وسیع میدان سے گزر رہی تھی جہاں انسانی آبادی کے کوئی آثار دکھائی نہ دیتے تھے آسمان صاف تھا اور فضا میں دسویں رات کے چاند کی روشنی پھیلی ہوئی تھی —— سڑک کے دونوں کناروں پر ریت کے ٹیلوں کے درمیان کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں دکھائی دیتی تھیں۔ کچھ دیر سرپٹ دوڑنے کے بعد اُن کے تھکے ہوئے گھوڑے معمولی رفتار سے چل رہے تھے۔ اچانک عاصم نے اپنی گھوڑے کی باگ کھینچ لی اور مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔ فسطینہ اور اُس کی ماں نے بھی پریشان ہو کر اپنے گھوڑے روک لئے۔

فسطینہ نے مضطرب ہو کر پوچھا۔ "کیوں کیا بات ہے ؟"

عاصم نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور اُسے اپنا سوال دہرانے کی جرأت نہ ہوئی۔ چند ثانیے یہ تینوں دم بخود کھڑے رہے۔ پھر عاصم نے کہا۔ "کوئی آرہا ہے۔ مجھے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمارا پیچھا کر رہے ہوں۔ تاہم ہمیں راستے سے ایک طرف ہٹ کر اُن کے گزر جانے کا انتظار کرنا چاہیئے۔ آئیے !" عاصم نے اپنے گھوڑے کو دائیں طرف موڑ کر ایڑ لگا دی اور فسطینہ اور اُس کی ماں کچھ کہے بغیر اُس کے پیچھے چل پڑیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ ریت کے ایک ٹیلے کی آڑ میں کھڑے تھے۔ اور فسطینہ سہمی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ گورنر کے آدمی ہیں۔ آپ وعدہ کریں کہ اگر وہ ہمیں گرفتار کر کے یروشلم لے گئے تو آپ اُن سے بچ کر دمشق پہنچنے کی کوشش کریں گے اور میرے نانا کو خبردار کر دیں گے۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "وہ اس وقت ہمیں سڑک سے نہیں دیکھ سکتے لیکن اگر وہ اس طرف آ بھی جائیں تو بھی آپ کو خوفزدہ نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ چار سوار آپ کو گرفتار نہیں کر سکتے۔ میرا ترکش تیروں سے بھرا ہوا ہے۔"

فسطینہ نے کہا "آپ کو یہ کیسے معلوم ہؤا کہ وہ صرف چار ہیں؟"

عاصم نے جواب دیا "میرے لئے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سننے کے بعد اُن کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ میں ایک عرب ہوں ـــــ لیکن آپ اطمینان رکھیئے، وہ اس طرف نہیں آئیں گے۔ اگر پچھلی بستی کے لوگوں نے اُن کی رہنمائی کی ہے تو وہ اگلی بستی میں داخل ہونے سے پہلے کسی جگہ نہیں رُکیں گے۔"

عاصم کے یہ الفاظ فسطینہ اور اُس کی ماں کی تسلی کے لئے کافی نہ تھے۔ وہ دم بخود ہو کر اُس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز قریب سنائی دینے لگی اور عاصم نے فسطینہ سے مخاطب ہو کر کہا "میرا خیال غلط نہ تھا وہ صرف چار ہیں۔"

فسطینہ کی ماں نے کہا "اب ہمارے لئے سڑک پر سفر کرنا خطرناک ہوگا۔"

عاصم نے جواب دیا "اب ہمیں سڑک پر جانے کی ضرورت نہیں۔ آئیے۔"

وہ کچھ کہے بغیر اُس کے پیچھے چل پڑیں، لیکن ایک گھنٹہ سفر کرنے کے بعد فسطینہ کی ماں نے کہا "آپ کس طرف جا رہے ہیں۔"

"دمشق کی طرف"، اُس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"آپ کو یقین ہے کہ آپ اِس صحرا میں راستہ نہیں بھول جائیں گے۔"

"آپ گھبرائیں نہیں میں ستاروں سے اپنا راستہ دیکھ سکتا ہوں۔ لیکن اب ہم زیادہ دیر سفر نہیں کریں گے میں قیام کے لئے کوئی موزوں جگہ دیکھ رہا ہوں ـــــ آج کی رات آپ کو آسمان کی چھت کے نیچے سونا پڑے گا۔"

وہ پریشانی اور اضطراب کی حالت میں کچھ دیر اور عاصم کے پیچھے چلتی رہیں۔ بالآخر عاصم نے ریت کے چند بلند ٹیلوں کے درمیان رکتے ہوئے کہا "میرے خیال میں یہ جگہ موزوں ہے۔"

وہ گھوڑوں سے اُتر پڑے۔ عاصم نے گھوڑوں کو جھاڑیوں سے باندھ دیا۔ پھر اُس نے ادھر ادھر سے کچھ سوکھی لکڑیاں اور گھاس کے تنکے جمع کئے اور اپنی خرجین سے چقماق نکال کر آگ جلانے میں مصروف ہوگیا۔

فسطینہ اور اس کی ماں خاموشی سے ایک طرف بیٹھی اُس کی کارگزاری دیکھ رہی تھیں۔ جب آگ سلگنے لگی تو فسطینہ کی ماں نے کہا "یہاں آگ جلانا خطرناک تو نہ ہوگا؟"

"نہیں" اُس نے اطمینان سے جواب دیا "ہم سڑک سے خاصی دور ہیں۔ اور اس سردی میں آگ کے بغیر رات گزارنا بہت مشکل ہوگا۔ آپ الاؤ کے قریب آجائیں۔"

وہ اٹھ کر آگ کے قریب بیٹھ گئیں اور فسطینہ نے اپنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا "میرا جسم سُن ہو رہا ہے اور میں ابھی یہ سوچ رہی تھی کہ اس بیابان میں اچانک ہمیں کوئی خانقاہ دکھائی دے گی اور جب ہم اُس کے دروازے پر دستک دیں گے تو کوئی نیک دل راہب باہر نکل کر ہمارا خیر مقدم کرے گا۔ اور ہمیں یہ مژدہ سنائے گا کہ تمہارے لئے اندر ایک کشادہ کمرے میں آگ جل رہی ہے۔ اس وقت مجھے آگ سے زیادہ کسی چیز کی خواہش نہ تھی۔"

عاصم نے خرجین سے ایک اونی چادر نکال کر زمین پر بچھاتے ہوئے کہا "آپ یہاں بیٹھ جائیں۔ میں کچھ اور ایندھن جمع کر لوں۔"

جب عاصم اپنی تلوار سے ایک جھاڑی کاٹ رہا تھا تو فسطینہ اٹھی اور کٹی ہوئی شاخیں اٹھا اٹھا کر الاؤ کے قریب ڈھیر کرنے لگی۔

عاصم نے کہا "آپ تکلیف نہ کریں، یہ جھاڑیاں کانٹوں سے بھری ہوئی ہیں۔"

فسطینہ نے جواب دیا "اس سفر کے بعد مجھے یہ کانٹے تکلیف نہیں دے سکتے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ الاؤ کے گرد بیٹھے دوپہر کا بچا ہؤا کھانا کھا رہے تھے۔ گذشتہ کئی گھنٹے کی بے آرامی کے باعث عاصم پر نیند کا غلبہ ہو رہا تھا، لیکن فسطینہ اور اُس کی ماں کے لئے ایک ویرانے میں رات بسر کرنے کا یہ پہلا موقع تھا اور وہ نیند یا تھکاوٹ کی بجائے خوف محسوس کر رہی تھیں۔ ماں اپنی آنکھوں کے اشاروں سے اپنی بیٹی کو یہ سمجھا رہی تھی کہ ہم ایک خطرے سے بچنے کے لئے دوسرا خطرہ مول لے چکے ہیں۔ یہ نوجوان بہرحال ایک اجنبی ہے اور اگر اُس نے ہماری بے بسی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تو ہم اِس ویرانے میں کیا کر سکیں گے۔ لیکن جب وہ عاصم کی طرف دیکھتیں تو انہیں ایسا محسوس ہوتا کہ اُن کے دِل کا بوجھ ہلکا ہو رہا ہے۔

اچانک فسطینہ کی ماں نے کہا "میں آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں۔"

"میرا نام عاصم ہے۔" اُس نے جواب دیا۔

وہ قدرے توقف کے بعد بولی "یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ آپ سرائے میں موجود تھے اور ہمیں دمشق پہنچانے

کا خطرہ مول لینے کو تیار ہو گئے ۔"

عاصم نے جواب دیا۔"جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، میں دمشق جانے میں کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتا۔ میری صرف یہ خواہش ہے کہ آپ بخیریت اپنے گھر پہنچ جائیں۔"

"میں کبھی اس احسان کا بدلہ نہیں دے سکوں گی۔"

عاصم نے جواب دیا۔"میں نے اپنی خوشی سے یہ ذمہ داری قبول کی تھی۔"

فسطینہ نے پوچھا۔"اگر وہ سوار ہم پر حملہ کر دیتے تو آپ کیا کرتے ؟"

عاصم مسکرایا۔"مجھے معلوم نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میرے ترکش کے چند تیر یقیناً کم ہو جاتے۔"

"اور اگر وہ زیادہ ہوتے تو ؟"

"تو مجھے زیادہ تیر ضائع کرنے پڑتے۔ کم از کم میں آپ کو گرفتار ہوتے دیکھنا پسند نہ کرتا ـــــ معاف کیجئے آپ کا یہ مشورہ میرے لئے ناقابل قبول تھا کہ اگر وہ حملہ کر دیں تو مجھے لڑنے کی بجائے دمشق پہنچ کر آپ کے گھر اطلاع دینی چاہئیے ـــــ جب میں اپنے وطن سے نکل کر شام کا رُخ کر رہا تھا تو میں نے اپنی تلوار اتار کر پھینک دی تھی اور اپنے دل میں یہ عہد کیا تھا کہ اب میں کسی لڑائی میں حصہ نہیں لوں گا۔ لیکن آپ کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد جب میں نے سرائے کے مالک سے یہ تلوار حاصل کی تھی تو مجھے اِس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اگر آپ کو راستے میں کوئی خطرہ پیش آیا تو میں اپنے عہد پر قائم نہیں رہ سکوں گا۔"

فسطینہ نے کہا۔"آپ ہماری خاطر اپنی زندگی خطرے میں ڈالنا قبول کر لیتے ؟"

عاصم نے جواب دیا۔"آپ کو میرے متعلق یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئیے کہ مجھے زندگی سے کوئی دلچسپی ہے؟"

فسطینہ کی ماں نے غور سے عاصم کی طرف دیکھا اور اُسے اپنے شبہات پر ندامت محسوس ہونے لگی۔"آپ نے ہم سے یہ نہیں پوچھا کہ ہم کون ہیں اور کس مصیبت میں مبتلا ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔"مجھے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ میں ایک مصیبت زدہ انسان کا چہرہ پہچان سکتا ہوں تاہم اگر آپ مجھے اپنے حالات بتا سکیں تو میری بہت سی الجھنیں دور ہو جائیں گی۔ لیکن گر کوئی ایسی بات ہے جسے ظاہر کرنا آپ مناسب خیال نہیں کرتیں تو میں اصرار نہیں کروں گا۔"

فسطینہ کی ماں نے کہا۔"اگر اب بھی میں آپ پر اعتماد نہ کروں تو یہ احسان فراموشی ہو گی! سُنیئے :

میرا نام یوسیبیا ہے۔ اور فسطینہ میری بیٹی ہے۔ میں ایک یونانی خاندان سے تعلق رکھتی ہوں۔ میرا دادا فوج میں بھرتی ہو کر قسطنطنیہ سے دمشق آ گیا تھا۔ اپنی ذہانت اور کارگزاری کی بدولت وہ دمشق کی فوج کا سالارِ اعلیٰ بن گیا اور ایک شامی خاندان کی لڑکی سے شادی کرنے کے بعد مستقل طور پر وہیں آباد ہو گیا۔

جب میں پندرہ برس کی تھی تو میرے والد تھیوڈوسیس ایران کی سرحد کے قریب ایک قلعے کے محافظ تھے میری ماں فوت ہو چکی تھی اور وہ مجھے اپنے پاس لے آئے تھے۔ اپنے باقی خاندان کے متعلق مجھے صرف یہ معلوم تھا کہ میری پیدائش سے قبل جب ایرانیوں نے حملہ کیا تھا تو میرے والد کے دو بھائی انطاکیہ کی حفاظت کرتے ہوئے مارے گئے تھے اور میرے دادا اور دادی اس حادثہ سے دو سال قبل وفات پا چکے تھے۔

ایک لڑکی کے لئے سرحد کا یہ دور افتادہ قلعہ قطعاً موزوں نہ تھا۔ لیکن اب میرے والد کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ میں ہمیشہ اُن کے پاس رہوں۔ وہ فرصت کے لمحات میں مجھے سواری اور تیر اندازی سکھایا کرتے اور اس بات کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے کہ مجھے تنہائی کا احساس نہ ہو۔ مجھے اپنے والد کے ساتھ رہتے ہوئے کوئی چار مہینے گزرے تھے کہ ایران سے انقلاب کی خبریں آنے لگیں۔ پھر ایک رات پچھلے پہر میں گہری نیند سو رہی تھی کہ میرے والد نے مجھے جگایا اور کہا۔"بیٹی اگر تم ایران کے شہنشاہ کو دیکھنا چاہتی ہو تو اپنا لباس تبدیل کر کے باہر آ جاؤ۔"

میرے لئے یہ بات ناقابلِ یقین تھی، لیکن چند سوال کرنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایران کی سلطنت پر وہاں کے سپہ سالار بہرام نے قبضہ کر لیا ہے اور خسرو پرویز مدائن سے فرار ہو کر یہاں پہنچنے والا ہے۔ میرے والد ایران میں خانہ جنگی کی خبریں سُن کر بہت خوش ہوا کرتے تھے، لیکن خسرو پرویز کو اِس قلعے میں پناہ دینے کا مسئلہ بہت نازک تھا۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ قیصر کے دربار سے اُس کے لئے دوستی کا پیغام آئے گا یا وہ اُس کی گردن اڑا دینے کا حکم بھیجیں گے۔ بہر حال وہ ایک شہنشاہ تھا اور میرے والد ایرانیوں سے انتہائی نفرت کے باوجود اُس کا استقبال کرنے کے لئے مجبور تھے۔

مجھے ایرانیوں کے تصوّر سے خوف آتا تھا لیکن ایک شہنشاہ کو دیکھنے کی خواہش میرے خوف پر غالب آ گئی، میں اپنا بہترین لباس پہن کر باہر نکلی تو صبح ہو رہی تھی اور قلعے کے دروازے پر تمام افسر اور سپاہی قطاریں باندھے کھڑے تھے۔ یہاں اُس نوجوان سے میری پہلی ملاقات ہوئی جو میرا رفیق حیات بننے والا تھا۔ وہ بیش قیمت

لباس پہنے ہوئے تھا اور اُس کا چہرہ اُس کے عالی نسب ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔ اُس کی تلوار کے دستے میں بیش قیمت جواہرات چمک رہے تھے ـــــ وہ میرے باپ سے باتیں کر رہا تھا اور دو ایرانی جو اُس کے نوکر معلوم ہوتے تھے، ادب سے اُس کے پیچھے کھڑے تھے۔ میں کچھ دیر تذبذب کی حالت میں چند قدم دُور کھڑی رہی۔ بالآخر میرے باپ نے میری طرف دیکھ کر اشارہ کیا اور میں جھجکتی ہوئی آگے بڑھی۔ مجھے یقین ہو چکا تھا کہ ایران کا شہنشاہ یہی ہے لیکن جب میں نے اُسے جھک کر سلام کیا تو میرے والد اور فوج کے دوسرے افسر اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔

یہ نوجوان ایران کا شہنشاہ نہ تھا بلکہ اُس کا ایک وفادار ساتھی تھا۔ جس نے رات کے وقت میرے والد کو پرویز کی آمد کی اطلاع دی تھی۔"

یوسیبیا اس ملاقات کی ایک ایک تفصیل بیان کرنا چاہتی تھی لیکن فسطینہ نے اُسے ٹوکتے ہوئے کہا۔ "اماں! آپ ہر ایک کے سامنے یہ قصہ لے بیٹھتی ہیں۔ بھلا ان کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ انہیں آرام کرنے دیجئے۔"

یوسیبیا نے غصے کی حالت میں اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور پھر عاصم کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ "میں آپ کو سارے واقعات سنا کر پریشان نہیں کروں گی۔ اس نوجوان کا نام سین تھا اور اُس سے میری دلچسپی کی پہلی وجہ یہ تھی کہ وہ انتہائی بے تکلفی سے ہماری زبان میں گفتگو کر سکتا تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اُس کی ماں، اُن ہزاروں لڑکیوں میں سے ایک تھی جنہیں نوشیرواں کی فتوحات کے زمانے میں ایرانی آرمینیا اور شام کے شہروں سے پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

خسرو پرویز اور اُس کے ساتھیوں نے ہمارے قلعے میں صرف ایک روز قیام کیا اور اگلے دن، چند کوس دور، ایک شہر کے حاکم کے پاس چلے گئے۔ اور قسطنطنیہ سے قیصر کا پیغام آنے تک انہیں وہیں ٹھہرنا پڑا۔ اس عرصہ میں سین ایک مرتبہ سیر و شکار کے بہانے ہمارے پاس آیا اور تین دن اِس قلعے میں مہمان رہا۔ اُس کے دورانِ قیام میں، میں یہ محسوس کرنے لگی کہ ایرانیوں سے میری نفرت بتدریج کم ہو رہی ہے۔ وہ آتش پرست تھا لیکن اُس کی باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ عیسائیوں سے نفرت نہیں کرتا۔ میرے والد کسی ایرانی کو اپنا دوست سمجھنے کے لئے تیار نہ تھے، لیکن سین ایران کے شہنشاہ کا خاص آدمی تھا، اس لئے وہ اس کی خاطر مدارت کرنے پر مجبور تھے۔ پھر انہیں یہ بھی خیال تھا کہ شہنشاہ موریس ایران سے دوستانہ تعلقات استوار کرنے کا یہ زریں مو...

پسند نہیں کریں گے اور خسرو پرویز کو اپنا کھویا ہوا تخت و تاج حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن مدد دی جائے گی۔ سین بار بار ہمیں اس بات کا یقین دلانے کی کوشش کرتا تھا کہ اگر پرویز رومیوں کی مدد سے اپنی سلطنت پر دوبارہ قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تو ایران اور روم کی جنگ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گی اور اِس کے برعکس اگر ایران میں بہرام کے قدم جم گئے تو وہ عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لئے روم پر چڑھائی کر دے گا۔ سین کے قیام کے آخری دن، میں شام کے قریب گھوڑے پر سیر کر کے واپس آ رہی تھی کہ وہ قلعے سے کچھ دُور ٹہلتا ہوا دکھائی دیا۔ اُس نے میری طرف دیکھ کر ہاتھ سے اشارہ کیا اور میں بادلِ ناخواستہ رک گئی۔ اُس نے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے کہا۔ "میں کل صبح ہوتے ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ اور پھر شاید مدت تک آپ کو نہ دیکھ سکوں۔ چند دن تک قیصر کا حکم پہنچ جائے گا اگر انہوں نے ہماری مدد کی تو ہم مدائن پر حملہ کر دیں گے۔"

میں نے گھبرا کر کہا۔ "چلئے، میرا یہاں آپ سے باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔"

اُس نے کہا۔ "آپ کو مجھ سے خوف آتا ہے؟"

میں نے جواب دیا۔ "نہیں۔ اگر آپ ایران کے بادشاہ ہوتے تو بھی مجھے آپ سے خوف نہ آتا۔"

اُس نے کہا۔ "اگر میں ایران کا بادشاہ ہوتا تو اپنا تاج اتار کر تمہارے قدموں میں ڈال دیتا۔"

میں کچھ دیر سکتے کے عالم میں اُس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر میں نے اچانک اُس کے ہاتھ سے باگ چھین لی اور گھوڑے کو چابک رسید کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد میں اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو میرا دل دھڑک رہا تھا اور ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ میں نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری رگوں کا سارا خون سمٹ کر میرے چہرے میں آ گیا ہے۔ رات کے وقت جب والد نے مجھے دستر خوان پر بلایا تو میں سر کے درد کا بہانہ کر کے اپنے بستر پر پڑی رہی ـــــ سین اگلے دن چلا گیا اور کچھ عرصہ بعد جب روم کے لشکر نے پرویز کی مدد کے لئے مدائن کی طرف کوچ کیا تو میرے والد کو بھی اُس کا ساتھ دینا پڑا۔ میرا تنہا قلعے میں رہنا مناسب نہ تھا۔ اس لئے مجھے والد کے ایک دوست کے گھر پہنچا دیا گیا، جو پڑوس کے شہر کا حاکم بھی تھا۔ قلعے میں میرے والد کا قائم مقام انڈرونیکس تھا۔ یہ آدمی کسی صورت اس منصب کا اہل نہ تھا لیکن وہ قسطنطنیہ کے ایک با اثر خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور گورنر نے اُس کی سفارش کی تھی۔ ان دنوں یہی انڈرونیکس یروشلم کا حاکم ہے۔ اور مجھ سے اُس کی

دشمنی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جب میرے والد کی غیر موجودگی کے دنوں میں وہ میرے پاس شادی کا پیغام لے کر آیا تھا تو میں نے اُس کے منہ پر چپت رسید کر دی تھی۔

بہرام کو شکست دینے اور خسرو پرویز کو تخت پر بٹھانے کے بعد جب میرے والد واپس آئے تو میں بھی شہر سے قلعے میں آگئی۔ رات کے وقت میں اُن کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی اور وہ مجھے مدائن کے حالات بتا رہے تھے۔ اچانک میں نے سین کے متعلق پوچھا اور وہ میری طرف غور سے دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے کہا۔"بیٹی سین چند دن تک یہاں آ رہا ہے۔"وہ یہاں کیوں آ رہا ہے"؟ میں نے پریشان ہو کر سوال کیا

وہ بولے تمہیں معلوم نہیں ؟"

میرا دل دھڑکنے لگا۔ آخری ملاقات کے بعد مجھے سین کے الفاظ اکثر یاد آیا کرتے تھے، پھر بھی میں یہ اطمینان محسوس کرتی تھی کہ وہ دوبارہ مجھے پریشان نہیں کرے گا۔ لیکن اب وہ پھر آ رہا تھا اور میں خوشی سے زیادہ خوف محسوس کر رہی تھی۔ تاہم میں نے کہا۔"اباجان کیا بات ہے آپ پریشان کیوں ہیں ؟"

انہوں نے کہا۔"بیٹی سین نے تم سے شادی کا پیام دیا ہے اور ہماری فوج کے سپہ سالار نے اس کی سفارش کی ہے۔ وہ یہ کہتا تھا کہ خسرو پرویز نے ذاتی طور پر مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں اِس مسئلہ میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کروں۔ ہماری فوج کے دوسرے افسر بھی مجھے یہ سمجھاتے تھے کہ یہ شادی ایران اور روم کے تعلقات کے لئے ایک اچھا شگون ثابت ہو گی۔"

میں اضطراب کی حالت میں کھڑی ہو گئی لیکن میرے والد نے مجھے پکڑ کر اپنے قریب بٹھا لیا اور کہا۔"بیٹی میرے لئے اُن سب کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہو گا، اگر یہ معاملہ شہنشاہ موریس کے پاس پہنچا تو مجھے یقین ہے کہ وہ بھی پرویز کی حمایت کریں گے۔ سین ایران کے شہنشاہ کو بہت عزیز ہے۔ لیکن اگر تمہاری مرضی نہ ہو تو تمہیں اُس سے شادی کرنے پر کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ میں وہاں یہ کہہ آیا ہوں کہ اگر میری بیٹی رضامند ہوئی تو میں مخالفت نہیں کروں گا۔ اب اگر تم اِس شادی سے بچنا چاہتی ہو تو تمہیں سین کے سامنے انکار کرنا پڑے گا۔ میں اُس سے یہ وعدہ کر آیا ہوں کہ اُسے براہ راست تم سے گفتگو کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ اور اُس نے یہ بات مان لی ہے کہ اگر تم انکار کر دو تو وہ تمہیں دوبارہ پریشان نہیں کرے گا۔ وہ شاید اسی مہینے یہاں پہنچ جائے، اور تمہیں اقرار یا انکار کرنے سے پہلے اچھی طرح

سوچ لینا چاہیئے کہ تم اپنے فیصلے پر کہاں تک قائم رہ سکو گی۔"

اگلے روز میرے والد نے مجھ سے پوچھا۔"یوسیبیا! انڈرونیکس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ اُس نے بھی آج تمہارے رشتے کی درخواست کی ہے۔ میں نے فی الحال اُسے ٹال دیا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اگر وہ تمہیں پسند آ جائے تو ہمارے لئے سین کو جواب دینا آسان ہو جائے گا۔"

میں نے غصے کی حالت میں انہیں یہ بتا دیا کہ انڈرونیکس نے مجھے آپ کی غیر حاضری میں ورغلانے کی کوشش کی تھی اور میں اُسے مناسب جواب دے چکی ہوں۔ اب اُسے آپ کے سامنے منہ کھولنے کی جرأت نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ میں اُسے انتہائی قابل نفرت انسان سمجھتی ہوں۔ اور یہ بھی جانتی ہوں کہ اگر وہ انطاکیہ کے گورنر کا رشتہ دار نہ ہوتا تو آپ اُسے اپنا نوکر رکھنا بھی پسند نہ کرتے۔

میری باتوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ والد نے اُسی دن انڈرونیکس کو اس کی خدمات سے سبکدوش کر کے انطاکیہ روانہ کر دیا۔

چند دن بعد سین بھی آگیا۔ مدائن کے رومی سفیر کا ایک خاص ایلچی اور چند ایرانی امراء اُس کے ساتھ تھے۔

جب سین نے ان سب کی موجودگی میں مجھ سے شادی کی درخواست کی تو میری زبان گنگ ہو گئی اور میں جواب دینے کی بجائے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی ——— اُس نے میرا پیچھا کیا اور جب میں اپنے ہاتھوں میں مُنہ چھپا کر سسکیاں لے رہی تھی تو وہ کہہ رہا تھا۔"یوسیبیا تم مجھ سے اس لئے ڈرتی ہو کہ میں آتش پرست ہوں۔ لیکن میں زرتشت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہارے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کروں گا ——— تمہیں معلوم نہیں کہ خسرو پرویز بھی ایک عیسائی لڑکی سے شادی کر چکا ہے۔ میری قسمت کا فیصلہ اب تمہارے ہاتھ میں ہے میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا لیکن فیصلہ کرنے سے پہلے تمہیں اتنا ضرور سوچ لینا چاہیئے کہ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گا ———"

میرا باپ پریشانی کی حالت میں اُس کے پیچھے دروازے میں کھڑا تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر سین کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔"اب آپ کو زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میری بیٹی اپنی قسمت کا فیصلہ کر چکی ہے۔"

تیسرے دن ہماری شادی ہو گئی۔

عاصم نے قدرے بے چین ہو کر پوچھا۔"آپ کا شوہر زندہ ہے ؟"

یوسیبیا نے جواب دیا "ہاں! لیکن اس وقت مجھے معلوم نہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔"

"وہ کہاں ہے؟" عاصم نے دوبارہ سوال کیا۔

"اُسے قسطنطنیہ میں قید کر لیا گیا تھا۔ میں آپ کو پوری داستان سناتی ہوں۔ شادی کے بعد میں اپنے شوہر کے ساتھ مدائن چلی گئی تھی۔ وہاں زندگی میرے لئے ایک سہانا خواب تھی۔ پرویز، شہنشاہ موریس کو اپنا باپ سمجھتا تھا اور میں یہ محسوس کرتی تھی کہ ایران اور روم کے درمیان جنگ کے امکانات ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکے ہیں۔ مدائن میں ہمارے پادری کسی روک ٹوک کے بغیر تبلیغ کر سکتے تھے لیکن چند سال بعد میں یہ محسوس کرنے لگی کہ مجوسی پیشوا ایران میں عیسائیت کے پرچار سے خائف ہیں۔ اور شاہ ایران اپنی ظاہری رواداری کے باوجود یہ محسوس کرتے ہیں کہ قیصر نے اپنی اعانت کے بدلے اُس سے آرمینیا کے علاقے چھین کر بہت بڑی قیمت وصول کی ہے۔ میرا شوہر پرویز کے انتہائی قابلِ اعتماد آدمیوں میں سے تھا اور میرے لئے یہ معلوم کرنا مشکل نہ تھا کہ ایران ایک وسیع پیمانے پر جنگی تیاریوں میں مصروف ہے۔ تاہم شہنشاہ موریس کے ساتھ خسرو پرویز کے تعلقات ایسے تھے کہ ہمیں کسی فوری جنگ کا خطرہ نہ تھا۔ لیکن ایک دن اچانک یہ خبر آئی کہ قسطنطنیہ میں بغاوت ہو گئی ہے اور فوکاس نے شہنشاہ موریس کو قتل کر کے سلطنت پر قبضہ کر لیا ہے۔ ایران کے امراء اور مذہبی اکابر نے پرویز کو مشورہ دیا کہ اب روم سے حساب چکانے کا وقت آگیا ہے۔ پرویز خود بھی برسوں سے کسی موقع کا انتظار کر رہا تھا۔ چنانچہ اس نے موریس کے قتل کی اطلاع ملتے ہی یہ اعلان کر دیا کہ ہم فوکاس سے موریس کے قتل کا انتقام لیں گے۔ میرا شوہر جنگ کے خلاف تھا، اور اُس نے بھرے دربار میں یہ کہا کہ ہمیں روم کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اچھی طرح حالات کی چھان بین کر لینی چاہیئے۔ اگر شہنشاہ مجھے اجازت دیں تو میں قسطنطنیہ جانے کو تیار ہوں، اگر وہاں میری تسلی نہ ہوئی تو ہم روم پر حملہ کرنے میں حق بجانب ہوں گے ـــــ پرویز جنگ پر تلا ہوا تھا، تاہم اُس نے میرے خاوند کی یہ درخواست رد نہ کی۔

میرے والد بڑھاپے میں ملازمت سے سبکدوش ہو کر دمشق اپنے گھر آگئے تھے۔ اور میں نے انہیں کئی سال سے نہیں دیکھا تھا۔ فسطینہ کو بھی اپنے نانا کا گھر دیکھنے کا شوق تھا۔ اِس لئے ہم بھی اُن کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ چند منزلوں تک ہم نے ایک ساتھ سفر کیا۔ پھر ہمارے راستے ایک دوسرے سے الگ ہو گئے اور انہوں نے ہمیں اپنے دو وفادار نوکروں اور چند مسلح سپاہیوں کے ساتھ دمشق کی طرف روانہ کرتے ہوئے کہا کہ میں قسطنطنیہ سے

فارغ ہو کر دمشق آؤں گا اور اِس کے بعد ہم اکٹھے مدائن چلے جائیں گے۔ شام کی ایک سرحدی چوکی کے سالار نے ہمیں اپنی حفاظت میں دمشق پہنچانے کا ذمہ لے لیا اور ہم نے ایرانی سپاہی واپس کر دیئے، تاہم میرے شوہر کے دو وفادار نوکر ہمارے ساتھ رہے۔ دمشق پہنچ کر ہمیں چند مہینے سین کے متعلق کوئی اطلاع نہ ملی۔ میرے والد نے دمشق کے حاکم کی وساطت سے اُس کا پتا لگانے کی کوشش کی تو ہمیں یہ اطلاع ملی کہ فوکاس نے انہیں موریس کا طرف دار سمجھ کر گرفتار کر لیا ہے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اِس خبر سے ہماری کیا حالت ہوئی ہو گی۔ مرحوم والد نے قسطنطنیہ میں اپنے دوستوں کو پیغام بھیجے۔ انطاکیہ کے گورنر سے مداخلت کے لئے التجائیں کیں لیکن فسطینہ کے باپ کو رہا کرانے کے لئے اُن کی ساری کوششیں بے نتیجہ ثابت ہوئیں۔ پھر جب ایران نے چڑھائی کر دی تو ہمیں ایسا محسوس ہونے لگا کہ اب اُن کے لئے فوکاس کی قید سے رہا ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا ـــــ اب دعائیں ہمارا آخری سہارا تھیں۔ دمشق کے ایک راہب نے ہمیں مشورہ دیا کہ اگر ہم یروشلم جائیں تو وہاں ہماری دعائیں ضرور قبول ہوں گی۔ والد بڑھاپے کی وجہ سے سفر کے قابل نہ تھے۔ لیکن دمشق سے زائرین کا ایک قافلہ یروشلم جا رہا تھا اور ہم اپنے دو ایرانی نوکروں کے ساتھ اِس قافلے میں شامل ہو گئے۔ اباجان نے ہمیں یروشلم کی فوج کے ایک سالار پطلیوس کے نام تعارفی خط دے دیا تھا۔ یہ شخص اباجان کے ایک دوست کا بیٹا تھا۔ اُس نے ہمیں اپنے پاس ٹھہرانے کی کوشش کی لیکن میں نے اصرار کیا کہ آپ ہمارے لئے ایک علیحدہ مکان کا بندوبست کر دیں۔ اُس نے ہمیں کرائے پر ایک مکان لے دیا، تاہم یہ شرط پیش کی کہ ہم کم از کم دو دن اُس کے پاس ضرور ٹھہریں گے۔ ہم نے پطلیوس سے زیادہ اُس کی نیک دل بیوی کے اصرار پر یہ شرط منظور کر لی۔ دو دن اُن کے ہاں مہمان رہنے کے بعد کرائے کے مکان میں چلے گئے۔ یروشلم میں ہماری مصروفیات مختلف خانقاہوں اور گرجوں میں جا کر دعائیں کرنے تک محدود تھیں۔ اور ہم نے یہ عہد کیا تھا کہ جب تک ہمیں سین کے متعلق کوئی امید افزا خبر نہیں ملے گی ہم واپس نہیں جائیں گے۔ میں نے کھلے دل سے تمام گرجوں اور خانقاہوں کو نذرانے پیش کئے۔ دولت کی میرے پاس کمی نہ تھی۔ میں نے خانقاہوں سے کئی مشہور و معروف راہبوں کی ہڈیاں حاصل کیں اور بعض انتہائی متبرک ہڈیوں کے عوض میں نے اپنے قیمتی زیورات تک لٹا دیئے۔"

"راہبوں کی ہڈیاں!" عاصم نے چونک کر پوچھا "وہ کس کام آتی ہیں؟"

فسطینہ اُسے اِس قدر بدحواس دیکھ کر اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی لیکن یوسیبیا نے قہر آلود نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا اور پھر عاصم کی طرف متوجہ ہو کر بولی "ہم عذرا رسیدہ راہبوں کی ہڈیوں کو بہت متبرک سمجھتے ہیں اور یروشلم کی خانقاہوں میں بعض راہبوں کی ہڈیاں تو جواہرات سے زیادہ قیمتی سمجھی جاتی ہیں۔ میں نے ایک مشہور راہب کی ڈیڑھ سو سال پرانی ہڈیوں کو چھونے کی خوشی میں اپنا موتیوں کا ہار اُتار کر بشپ کی نذر کر دیا تھا اور انہوں نے مجھے اُس مٹی کے پیالے کا ایک ٹکڑا عنایت کیا تھا جس میں یہ بزرگ پانی پیا کرتے تھے۔ لیکن تم ایک عرب ہو اور ایرانیوں کی طرح تمہیں بھی ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔"

عاصم نے اس بحث میں الجھنے کی ضرورت محسوس نہ کی وہ یوسیبیا کی سرگزشت کا آخری حصہ سننے کے لئے بیتاب تھا۔ اس نے کہا۔ معاف کیجئے! میں ہڈیوں کے متعلق بحث نہیں کرنا چاہتا، آپ یہ بتائیے کہ اِس کے بعد کیا ہوا؟"

یوسیبیا نے کہا "پھر کوئی بیس دن بعد پطیوس اپنی بیوی کے ہمراہ ہمارے پاس آیا اور اُس نے کہا آج فلسطین کے نئے حاکم نے اپنا عہدہ سنبھال لیا ہے اور کل شام وہ شہر کے رؤسا اور بڑے بڑے عہدہ داروں کو کھانے کی دعوت دے رہا ہے۔ میں نے فسطینہ اور آپ کا نام مہمانوں کی فہرست میں لکھوا دیا ہے۔ جب میں نے حاکم سے آپ کے والد کا ذکر کیا تھا تو وہ بہت خوش ہوا تھا اور اُس نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں آپ کو دعوت میں ضرور لاؤں۔ مجھے اِس دعوت سے کوئی دلچسپی نہ تھی لیکن فسطینہ کا دل بہلانے کے لئے وہاں جانے کا وعدہ کر لیا۔

ہماری بدقسمتی سے یہ نیا گورنر وہی انڈرونیکس تھا، جسے میں نے بے عزت کر کے قلعے سے نکلوایا تھا اور مجھے یہ بات اُس وقت معلوم ہوئی جب میں اُس کے محل میں داخل ہو چکی تھی۔ بظاہر وہ ہم سے بڑی عزت کے ساتھ پیش آیا اور اُس کی بیوی نے بھی ہماری بہت دلجوئی کی۔ لیکن مجھے یہ جاننے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ انڈرونیکس ابھی تک پرانے واقعات نہیں بھولا۔ اُسے معلوم تھا کہ میں ایک ایرانی کی بیوی ہوں اور میرا شوہر قسطنطنیہ میں قید ہے۔ لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ میں تھیوڈوسیس کی بیٹی ہوں اور مجھے بلاوجہ پریشان کرنا اُس کے لئے سودمند نہ ہوگا۔ تاہم میں اُس کی طرف سے خوفزدہ تھی۔ چند دن ہمیں کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑا، لیکن جب دمشق کی طرف ایرانیوں کی پیش قدمی کی اطلاعات آنے لگیں تو مجھے یروشلم میں قیام کرنا خطرناک محسوس ہونے لگا۔ کسی طرح لوگوں کو پتا چل گیا کہ میرا شوہر ایرانی ہے اور ہمارے نوکر بھی ایرانی ہیں اور یہ بات انھیں مشتعل کر دینے کے لئے کافی تھی۔

ایک روز ہم ایک خانقاہ کی زیارت کر کے واپس آ رہے تھے کہ ہمیں مکان کے دروازے پر لوگوں کا ایک ہجوم دکھائی دیا۔ ہم اُن کے قریب پہنچے تو انہوں نے ہمارے خلاف نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ وہ ہمیں مرتد، غدار اور ایرانیوں کے جاسوس کہہ رہے تھے۔ پھر چند آدمی "پکڑلو، مار ڈالو" کے نعرے لگاتے آگے بڑھے اور ہم بھاگ کر قریب کے ایک مکان میں گھس گئے۔ اندر صرف چند عورتیں اور بچے تھے۔ ایک عورت نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ مشتعل ہجوم دروازے پر حملہ کرنے والا تھا کہ رومی سپاہیوں کا ایک دستہ وہاں پہنچ گیا۔ انہوں نے لوگوں کو بھگا دیا اور ہمیں وہاں سے نکال کر اپنے گھر پہنچا دیا۔ گھر سے ہمارے دونوں نوکر غائب تھے۔ میری درخواست پر ایک سپاہی پطیوس کو اطلاع دینے چلا گیا اور باقی ہماری حفاظت کے لئے وہاں ٹھہر گئے۔ پطیوس اطلاع ملتے ہی ہمارے گھر پہنچا اور یہ صورتِ حال معلوم کرتے ہی شہر کے کوتوال کے پاس چلا گیا۔ رات کے وقت وہ واپس آیا تو ہمیں اُس کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ جب ہم خانقاہ کی زیارت کو گئے ہوئے تھے تو پولیس کے آدمی ہمارے نوکروں کو پکڑ کر لے گئے تھے۔ اور اب انہیں یہ بیان دینے پر مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ ایرانیوں کے جاسوس ہیں۔"

میں نے اُسی وقت انڈرونیکس کے پاس جانے کا ارادہ کیا، لیکن پطیوس نے کہا: "اِس وقت اُس کے پاس جا کر آپ کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ میں اُس سے مل آیا ہوں۔ وہ یہ کہتا ہے کہ جب تک پولیس اچھی طرح چھان بین نہیں کر لیتی آپ کے نوکروں کو رہا نہیں کیا جا سکتا، تاہم آپ کے متعلق اُس نے مجھے یہ ہدایت کی ہے کہ مشتعل لوگوں کو آپ کے مکان سے دور رکھوں۔ آپ تسلی رکھیئے! آپ کا بال بیکا نہ ہوگا۔ جب تک آپ کو خطرہ ہے میرے سپاہی آپ کے مکان پر دن رات پہرا دیتے رہیں گے۔"

میں نے کہا "تم نے انڈرونیکس کو یہ نہیں بتایا کہ میرے نوکر عیسائی مذہب قبول کر چکے ہیں۔"

وہ بولا "میں نے کہا تھا لیکن وہ یہ کہتا تھا کہ اُن کے مذہب کے متعلق تحقیقات کرنے کا معاملہ کلیسا کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اگر کلیسا نے یہ فتویٰ دیا کہ وہ مرتد ہیں۔ تو میں اِس معاملے میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

مجھے اپنے والد کو اطلاع دینے کا خیال آیا لیکن میں یہ محسوس کرتی تھی کہ اس معاملے میں وہ بھی ہماری طرح بے بس ہوں گے۔

چند دن اور گزر گئے۔ اِس عرصہ میں ہمیں کچھ معلوم نہ تھا کہ ہمارے گھر کے باہر کیا ہو رہا ہے۔ ہم کو دروازے

سے باہر جھانکنے کی اجازت نہ تھی۔ سپاہی جو ہمارے گھر پر پہرا دیتے تھے ہمیں بازار سے ضرورت کی اشیاء خرید کر لا دیتے تھے۔ ہمیں یقین ہو چکا تھا کہ گورنر ہمارے خلاف کوئی خطرناک سازش کر رہا ہے۔ لیکن ہمیں اس بات کا ملال تھا کہ پطیوس نے دوبارہ ہماری خبر تک نہ لی۔ میں نے سپاہیوں کی وساطت سے اپنے باپ کو اس صورت حال سے خبردار کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اس سلسلے میں ہماری مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ پھر ایک روز کلیسا کے بشپ اور چند پادری ہمارے پاس آئے اور ہم سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ ان سب کو معلوم تھا کہ میں نے خانقاہوں اور گرجوں میں کس فیاضی کے ساتھ نذرانے پیش کئے ہیں۔ لیکن اُن کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہمارے مذہب ہی پر شک نہیں کرتے، بلکہ ہمیں ایران کا جاسوس بھی سمجھتے ہیں۔

میں غصے سے بے قابو ہو کر خدا معلوم کیا کہہ گئی۔ کہ بشپ نے مجھ پر کلیسا کی توہین کا الزام عائد کر دیا۔ پھر جب میں روتے ہوئے اُن کے پاؤں پر گر پڑی تو انہوں نے قدرے نرم ہو کر کہا۔ بیٹی کلیسا تمہارے اِس جرم سے چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ تم ایران کے دو جاسوسوں کو اپنے ساتھ لے کر یروشلم آئی ہو۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تمہیں اُن پر کوئی شبہ نہ ہو — لیکن وہ ہمیں دھوکا نہیں دے سکیں گے۔ اُن کے مُنہ سے سچی باتیں اگلوانے کے لئے ہمارے پاس مؤثر ذرائع موجود ہیں۔ لیکن تمہیں اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے اور مذہب سے اپنی سچی محبت کا ثبوت دینے کے لئے ایک قربانی دینی پڑے گی۔ ہم تمہیں سزا دینے نہیں آئے — بلکہ تمہاری بھلائی کے لئے آئے ہیں — تم اگر اپنی بیٹی کو راہبہ بننے کی اجازت دے دو تو تمہارے خلاف نوکروں کے بیانات سننے کے بعد بھی کوئی تمہاری معصومیت پر شک نہیں کرے گا۔"

میں نے کہا۔"میں قسم کھاتی ہوں کہ میرے نوکر عیسائی ہیں اور وہ ایرانیوں کے جاسوس نہیں۔"

پادری نے کہا۔"ہو سکتا ہے یہ درست ہو لیکن لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تم مذہب سے محبت کا عملی ثبوت دو اور تمہاری طرف سے بہترین ثبوت یہی ہو سکتا ہے کہ تم فسطینہ کو ہمارے حوالے کر دو۔" میں نے گڑگڑا کر کہا۔"مقدس باپ! فسطینہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ اسے مجھ سے چھیننے کی کوشش نہ کیجئے۔"

جب بشپ اور دوسرے راہب مجھے سمجھانے کے بعد مایوس ہو گئے تو انہوں نے فسطینہ کو رہبانیت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی لیکن یہ ڈر کر روتی ہوئی مجھ سے چمٹ گئی۔ اور وہ مجھے یہ دھمکی دے کر چلے گئے کہ تم

اپنے دین سے گمراہ ہو چکی ہو۔ ایرانیوں کی پیش قدمی نے تمہارے خلاف یروشلم کے عوام کو بہت مشتعل کر دیا ہے۔ اب اگر انہوں نے تمہارے مکان پر دھاوا بول دیا تو ہم کچھ نہیں کر سکیں گے اور حکومت بھی شاید تمہاری حفاظت کا ذمہ لینے کی جرأت نہ کرے۔"

مجھے یہ تمام باتیں ناقابلِ یقین معلوم ہوتی تھیں۔ رات کے وقت اچانک پطیوس ہمارے پاس آیا اور اُس نے اطلاع دی کہ ہم واقعی کسی بڑے خطرے کا سامنا کر رہے ہیں۔ ہمارے ایک نوکر کو خوفناک اذیتیں دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے لیکن اُس نے ہمارے خلاف کوئی بیان نہیں دیا۔ اور اب دوسرے نوکر کو شکنجے میں جکڑ دیا گیا ہے اور اس سے ہمارے خلاف بیان لینے کی کوشش کی جا رہی ہے اور یہ سب کچھ اینڈرونیکس کے ایما پر ہو رہا ہے۔ اگر وہ دمشق میں میرے باپ کے اثر و رسوخ سے خائف نہ ہوتا تو نوکروں کی بجائے ہم سے اقبال جرم کرانے کی کوشش کی جاتی۔ اینڈرونیکس کا خیال ہے کہ اگر نوکر ہمارے خلاف گواہی دے دے تو اُسے کلیسا سے ہمارے لئے بدترین سزا کی سفارش کرانے میں کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔ اور پھر میرا باپ بھی کچھ نہ کر سکے گا۔"

میں نے پطیوس کی باتیں سُن کر کہا۔"مجھے یقین ہے کہ ہمارا دوسرا نوکر بھی اپنی جان پر کھیل جائے گا لیکن ہمارے خلاف زبان نہیں کھولے گا۔"

پطیوس نے جواب دیا۔"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پولیس اُسے ہلاک کرنے کے بعد کسی دقت کا سامنا کئے بغیر یہ اعلان کر سکتی ہے کہ آپ کے دونوں نوکروں نے جرم کا اقبال کر لیا تھا، اُن کی لاشیں پولیس کی من گھڑت داستانوں کی تردید نہیں کر سکیں گی — ویسے بھی اب اینڈرونیکس کو آپ کے خلاف کسی اقدام کی ضرورت نہیں۔ اگر ایرانی فوجیں دمشق میں داخل ہو گئیں تو عوام، جنہیں ایک منظم سازش کے تحت آپ کے خلاف مشتعل کیا گیا ہے، یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔ اینڈرونیکس نے آپ کی حفاظت میرے ذمے کی ہے لیکن اُسے یقین ہے کہ کلیسا کے بب اور عوام آپ پر حملہ کریں گے تو میرے سپاہی اُن کے خلاف تلوار نہیں اٹھا سکیں گے۔ اور اُس نے اشارتاً مجھے یہ بھی سمجھایا تھا کہ اگر حالات قابو سے باہر ہو جائیں تو فوج کو ایک ایرانی کی بیوی کی جان بچانے کے لئے کلیسا اور م کا عتاب مول نہیں لینا چاہیئے۔ اور میں نے مصلحتاً اُس سے یہ کہہ دیا تھا کہ میں کسی صورت میں بھی اپنے سپاہیوں
۵ عوام کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں دوں گا۔ مجھے اندیشہ ہے اگر اُسے یہ علم ہو گیا کہ میں آپ سے ہمدر

رکھتا ہوں۔ تو وہ اِس مکان کی حفاظت کے لئے ایسے پہرے دار مقرر کرنا مناسب سمجھے گا جو خطرے کے وقت آنکھیں بند کر لیں۔ یہی وجہ تھی کہ میں گزشتہ چند دن آپ کے پاس نہیں آیا۔"

میں نے کہا۔ "لیکن میں اپنے باپ کو بھی ان حالات سے خبردار نہیں کر سکی۔ آپ کے سپاہی بھی وہاں ہمارا پیغام پہنچانے کے لئے تیار نہ ہوئے۔"

پطلیوس نے جواب دیا۔ "اس میں ایک مصلحت تھی۔ اینڈرونیکس کی باتوں سے مجھے معلوم ہوتا تھا کہ اُسے آپ کے والد کے متعلق بھی یہ شبہ ہے کہ وہ درپردہ ایرانیوں کے طرف دار ہیں۔ اور اُس کا اصلی مدعا انہیں پھانسنا ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ آپ کے والد ان حالات کی اطلاع ملتے ہی یروشلم پہنچ جائیں گے اور یہاں آ کر انہیں بھی انہی خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا جو آپ کو درپیش ہیں، اس لئے میں نے اینڈرونیکس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی تھی کہ اگر آپ کے والد کو ان حالات کا پتا چل گیا تو وہ آپ کو بچانے کے لئے دوڑ دھوپ شروع کر دیں گے۔ انطاکیہ کے گورنر اور فوج کے بڑے بڑے رومی عہدہ دار اُس کے دوست ہیں، اس لئے جب تک تھیوڈوسیس کی بیٹی کے خلاف ہمارے ہاتھ کوئی ناقابلِ تردید ثبوت نہیں آتا۔ ہمیں اِس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ یہاں سے کوئی خبر اُس کے کانوں تک نہ پہنچے۔ اور یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ میری باتوں نے اُس پر اثر کیا اور اُسے میرے متعلق بھی اِس بات کا یقین ہو گیا کہ میں آپ کو بچانے کی کوئی کوشش نہیں کروں گا۔ میں نے یہ چند دن ضائع نہیں کئے۔ میں آپ کو یہاں سے نکالنے کا انتظام کر چکا ہوں۔ میں نے یہاں کے ایک بشپ کو اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ وہ آپ کو کلیسا کی پناہ میں لے لے۔"

میں نے کہا۔ "بشپ آج صبح چند راہبوں کے ساتھ ہمارے پاس آیا تھا اور اس نے میری بیٹی کو رہبانیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن میں نے انکار کر دیا اور وہ مجھے دھمکیاں دے کر چلے گئے۔"

پطلیوس نے جواب دیا۔ "مجھے معلوم ہے۔ میں بشپ سے مل چکا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ اِس وقت مجھے آپ کے پاس آنا پڑا۔ اب میری باتیں غور سے سُنیے۔ میں نے بشپ کو یہ بات سمجھائی تھی کہ آپ ایک دولت مند اور بااثر ایرانی جرنیل کی بیوی ہیں۔ اس وقت یہ کہنا مشکل ہے کہ ایران کی فوجیں کہاں پہنچ کر دم لیں گی۔ لیکن اگر آپ سین کی بیوی اور بیٹی کو پناہ دے سکیں، تو ممکن ہے کہ وہ آپ کا شکر گزار ہو اور اگر خدانخواستہ یروشلم کو کوئی خطرہ پیش آئے تو وہ آپ کے احسان کے بدلے ہمارے گرجوں اور خانقاہوں پر کوئی زیادتی نہ ہونے دے۔ اگر یروشلم کو کوئی خطرہ پیش نہ آئے تو بھی ایک اہم

عورت کی جان بچا کر آپ نیک کاموں کے لئے اُس سے خاصی دولت حاصل کر سکیں گے۔ بشپ نے پہلے تو یہ کہہ کر میری درخواست رد کر دی کہ مجھے ایک ایرانی کی بیوی کی موت و حیات سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن میں نے یہ سمجھایا کہ فوکاس کے قتل کے بعد قسطنطنیہ میں ایک نیا انقلاب آ چکا ہے۔ اور ہرقل کے برسرِ اقتدار آنے سے جہاں روم اور ایران میں صلح کے امکانات روشن ہو گئے ہیں۔ وہاں یہ بات بھی یقینی معلوم ہوتی ہے کہ سین جسے فوکاس نے قید کیا تھا بہت جلد رہا کر دیا جائے گا۔ وہ پرویز کا خاص آدمی ہے اور اُس کی بیوی کے ساتھ کوئی زیادتی اُس کے لئے ناقابلِ برداشت ہو گی ——— اور نیا قیصر بھی شاید اسے اچھا نہیں سمجھے گا۔

میری باتیں بشپ کے دل میں بیٹھ گئیں اور وہ آپ کے پاس آنے کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ فسطینہ کو راہبہ بننے کی ترغیب دے گا۔ بہرحال اب یہ ضروری ہے کہ آپ کو یہاں سے نکالا جائے۔ میں اینڈرونیکس سے بھی ملا تھا۔ اُسے فوکاس نے یروشلم کا حاکم بنا کر بھیجا تھا اور وہ اپنے سرپرست کی موت پر سخت پریشان ہے ——— میں نے اُسے بھی یہی بات سمجھائی تھی کہ اگر ہرقل صلح کا خواہش مند ہے تو مجھے یقین ہے کہ وہ سین کو فوراً رہا کر دے گا۔ ممکن ہے کہ اب تک وہ قسطنطنیہ سے مصالحت کی تجاویز لے کر پرویز کے پاس پہنچ بھی چکا ہو۔ ان حالات میں آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ سین کے گھر کی دشمنی مول لینا آپ کے لئے کس قدر خطرناک ثابت ہو گا۔ اُس نے پریشان ہو کر پوچھا کہ پھر مجھے کیا کرنا چاہیئے اور میں نے اُسے سمجھایا کہ ہمیں سین کی بیوی اور بیٹی کو خانقاہ میں بھیج کر وقت کا انتظار کرنا چاہیئے وہاں راہب آپ کی طرف سے اُس کا دل صاف کرنے کی کوشش کریں گے اور اُن سے یہ حلف لینا مشکل نہ ہو گا کہ وہ آپ کے خلاف زبان نہیں کھولیں گی۔

کل بشپ دوبارہ آپ کے پاس آئے گا۔ آپ غروبِ آفتاب تک اُسے باتوں میں مصروف رکھیں اور اس کے بعد اُس کے ساتھ خانقاہ میں چلی جائیں۔ وہ خانقاہ، جہاں آپ کو ٹھہرانے کا انتظام کیا جائے گا، شہر کے باہر ہے۔ جب آپ خانقاہ سے کچھ دور ہوں گی تو آپ کے محافظوں پر اچانک حملہ ہو گا۔ حملہ کرنے والوں میں سے دو آدمی آپ کو گھوڑوں پر سوار کر کے چند میل دور ایک سرائے کے دروازے پر پہنچا دیں گے۔ اِس سرائے کا مالک میرا دوست ہے اور اُسے آپ کی حفاظت کے لئے ضروری ہدایات بھیج دی جائیں گی۔ باقی آدمی بشپ اور راہبوں کو اپنے گھوڑوں پر لاد کر کوسوں دور کسی اور راستے پر چھوڑ آئیں گے ——— اِس کے بعد جب وہ واپس آئیں گے تو میرا کام یہ ہو گا کہ آپ کو غلط

راستوں پر تلاش کیا جائے ——— میں آپ کے نوکر کے لئے کچھ نہیں کر سکا۔ لیکن ممکن ہے کہ آپ کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میں اُس کے متعلق سوچ سکوں۔ کل تک آپ کا یہاں سے نکل جانا اس لئے ضروری ہے کہ مستقبل کے متعلق وثوق سے کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔ ممکن ہے آپ کا نوکر آپ کے خلاف کوئی بیان دینے پر تیار ہو جائے اور اینڈرونیکس کسی تاخیر کے بغیر آپ کی قسمت کا فیصلہ کر دے۔ یہ بھی ممکن ہے ایران اور روم کی صلح نہ ہو سکے اور یہاں کے عوام آپ کے خون کے پیاسے ہو جائیں۔ پھر آپ یہ بھی نہیں چاہتیں کہ خانقاہ میں پہنچ کر آپ کی بیٹی ایک راہبہ بن جائے اور سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اینڈرونیکس بزدل بھی ہے اور ظالم بھی۔ اور میں ایسے آدمی پر کوئی اعتبار نہیں کر سکتا۔ اب میں آپ سے دوبارہ نہیں مل سکوں گا۔ اور میرا آپ سے ملاقات کرنا ٹھیک بھی نہیں۔ میں بشپ کو یہ بات سمجھا چکا ہوں کہ عوام کے اشتعال سے بچنے کے لئے آپ کو دن کی بجائے رات کی تاریکی میں یہاں سے لے جانا بہتر ہوگا۔ کل میں اُسے آپ کے پاس بھیجنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

میں نے پوچھا" راستے میں ہم پر حملہ کرنے والے کون ہوں گے؟"

اُس نے جواب دیا" آپ کو یہ جاننے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر آپ کو میرے متعلق کوئی پریشانی ہے تو یہ اطمینان رکھیئے کہ وہ سپاہیوں کے لباس میں نہیں ہوں گے۔"

پطلیوس ہمیں یہ باتیں سمجھا کر چلا گیا۔ اگلی رات بارش ہو رہی تھی اور بشپ اور اُن کے ساتھیوں کو خاصی دیر ہمارے گھر بیٹھنا پڑا۔ بالآخر اُس نے یہ مشورہ دیا کہ ہمیں خانقاہ میں جانے کا ارادہ اگلے دن پر ملتوی کر دینا چاہیئے۔ لیکن میں نے گڑگڑا کر التجا کی کہ کل تک شاید شہر کے مشتعل عوام ہمارے گھر پر حملہ کر دیں اور یہ لوگ ہمیں ساتھ لے جانے پر مجبور ہو گئے ——— باقی داستان شاید آپ کے لئے دلچسپ نہ ہو۔ شہر اور خانقاہ کے درمیان جن آدمیوں نے ہم پر حملہ کیا تھا ان کے چہروں پر نقاب تھے ——— انہوں نے آن کی آن میں بشپ اور اُن کے ساتھیوں کو باندھ کر اپنے گھوڑوں پر ڈال لیا۔ اور انہوں نے اُف تک نہ کی ——— اب ہم تمہارے رحم و کرم پر ہیں۔"

عاصم نے اٹھ کر چند لکڑیاں الاؤ پر ڈالتے ہوئے کہا" معزز خاتون! میں آپ کا احسانمند ہوں کہ آپ نے مجھے قابلِ اعتماد سمجھا۔ اور میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ آپ مجھے اعتماد کے قابل پائیں گی۔ اب آپ اطمینان سے سو جائیے۔"

یوسیبیا نے کہا" نہیں! مجھے نیند نہیں آئے گی۔ آپ سو جائیں! آپ نے دوپہر کے وقت بھی آرام نہیں کیا۔"

عاصم نے ایک طرف ہٹ کر لیٹتے ہوئے کہا" اگر آپ کوئی خطرہ محسوس کریں تو مجھے جگا دیں۔"

باب ۱۵

رات کے تیسرے پہر فسطینہ اچانک گہری نیند سے بیدار ہوئی۔ یوسیبیا اس کے قریب بیٹھی اونگھ رہی تھی۔

"امی! آپ ابھی تک نہیں سوئیں؟" اُس نے پوچھا۔

ماں نے تھکی ہوئی آواز میں جواب دیا" بیٹی رات کے وقت اِس ویرانے میں، ہم میں سے کسی ایک کا جاگتے رہنا ضروری تھا۔"

فسطینہ نے کہا" میری نیند پوری ہو چکی ہے، اب آپ سو جائیں۔"

یوسیبیا لیٹ گئی، فسطینہ نے الاؤ میں لکڑیاں ڈالیں اور آگ کے قریب بیٹھ گئی۔

یوسیبیا نے کہا" بیٹی میں یہ چاہتی ہوں کہ ہمارا ساتھی اچھی طرح آرام کرے لیکن اگر تمہیں نیند آ جائے تو اسے جگا دینا۔"

فسطینہ نے کہا" امی آپ فکر نہ کیجئے۔ اب مجھے نیند نہیں آئے گی۔"

تھوڑی دیر بعد یوسیبیا گہری نیند سو رہی تھی اور فسطینہ پریشانی اور خوف کی حالت میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ رات کے سناٹے میں کبھی کبھی بھیڑیوں کی آوازیں سنائی دیتیں اور اُس کا دل دھڑکنے لگتا۔ پھر فضا پر خاموشی چھا جاتی اور اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ آس پاس ریت کے ٹیلوں اور جھاڑیوں کی آڑ سے اچانک لاتعداد دشمن نمودار ہوں گے اور اُن پر حملہ کر دیں گے۔ کبھی کبھی وہ حوصلے سے کام لے کر اٹھتی اور چاروں طرف نگاہ دوڑانے کے بعد دوبارہ بیٹھ جاتی۔ تنہائی، خوف اور بے بسی کے احساس سے اُس کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ تاہم جب وہ آگ کی روشنی میں عاصم کا چہرہ دیکھتی تو اُسے ایک طرح کی تسکین محسوس ہونے لگتی۔ اُس نے بچپن میں اپنے ایرانی نوکروں سے سنا تھا کہ درندے آگ کے قریب نہیں آتے۔

چنانچہ اُس نے تھوڑی دیر میں تمام وہ ایندھن جو عاصم نے جمع کیا تھا اٹھا اٹھا کر الاؤ میں ڈال دیا تھا۔ لیکن اب وہ اس بات سے پریشان ہو رہی تھی کہ آگ کے بلند شعلے دور دور سے نظر آسکتے ہیں۔

اچانک عاصم کا گھوڑا کان کھڑے کرکے زمین پر پاؤں مارنے لگا اور اُس کے نتھنوں سے کھر کھر کی آواز سنائی دینے لگی۔ پھر دوسرے گھوڑے بھی بدحواسی کا مظاہرہ کرنے لگے۔ فسطینہ دم بخود ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اُسے بائیں ہاتھ ایک ٹیلے کے نشیب میں کوئی متحرک شئے دکھائی دی اور ایک ثانیہ کے لئے اُس کا خون رگوں میں منجمد ہو کر رہ گیا۔ پھر اُس کا مدافعانہ شعور بیدار ہونے لگا اور وہ زمین پر بیٹھے بیٹھے عاصم کی طرف کھسکنے لگی ——— دہشت سے کانپتے ہوئے اُس نے عاصم کا بازو پکڑ کر ہلایا۔ عاصم نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور کسی توقف کے بغیر تلوار سنبھال کر کھڑا ہو گیا۔

"بھیڑیے! بھیڑیے!" فسطینہ نے ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

عاصم نے ٹیلے کی طرف دیکھتے ہوئے اطمینان سے کہا "مجھے آپ نے پریشان کر دیا تھا۔ میں سمجھا آپ کے دشمن پہنچ گئے ہیں۔"

فسطینہ نے جلدی سے کمان اور ترکش اٹھا کر عاصم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "آپ کو بھیڑیئے نظر نہیں آتے، دیکھئے وہ سامنے کھڑے ہیں اُس جھاڑی کے بالکل قریب۔"

عاصم نے فسطینہ کے ہاتھ سے کمان اور ترکش لینے کی بجائے ایک جلتی ہوئی لکڑی اٹھا کر ٹیلے کی طرف پھینک دی اور کہا "دیکھئے، وہ بھاگ گئے ہیں اب آپ اطمینان سے سو جائیے۔"

وہ بدحواس ہو کر بولی "آپ کے خیال میں وہ بھیڑیئے نہیں تھے۔ ابھی ہمارے گھوڑے اُن کے ڈر سے رسّے تڑا رہے تھے۔"

عاصم نے جواب دیا "ہاں، ہاں وہ بھیڑیئے ہی تھے لیکن صرف دو تھے۔"

فسطینہ نے کہا "مجھے یقین ہے کہ اُن کے کئی اور ساتھی ان ٹیلوں کے پیچھے چھپے ہوئے ہیں۔ انہوں نے صرف آگ کی وجہ سے ہم پر حملہ نہیں کیا لیکن میں نے تمام لکڑیاں جلا دی ہیں۔"

عاصم نے پریشان ہو کر پوچھا "آپ ساری رات جاگتی رہی ہیں؟"

"نہیں میں اپنی نیند پوری کر چکی ہوں۔ جب میں بیدار ہوئی تھی تو امی جان بیٹھی ہوئی تھیں۔"

عاصم نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "خاصی رات گزر چکی ہے۔ ہمیں تھوڑی دیر میں یہاں سے کوچ کر دینا چاہئیے" ——— وہ بولی "آپ کو یقین ہے کہ بھیڑیئے اب زیادہ تعداد میں جمع ہو کر ہم پر حملہ نہیں کریں گے؟"

عاصم نے الاؤ کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا "آپ اطمینان رکھئیے! اگر اس جنگل کے تمام بھیڑیئے آجائیں تو بھی میں آپ کی حفاظت کر سکوں گا۔"

فسطینہ مطمئن سی ہو کر اُس کے قریب بیٹھ گئی اور قدرے توقف کے بعد بولی "آپ کبھی بھیڑیوں سے لڑے ہیں؟"

"نہیں" اُس نے جواب دیا "آج تک میرا بھیڑیوں سے واسطہ نہیں پڑا۔ میں صرف اُن انسانوں کو خطرناک سمجھتا ہوں جو بلاوجہ ایک دوسرے کا خون بہانے کے لئے بے چین رہتے ہیں۔"

"آپ نے کبھی انسانوں سے جنگ کی ہے؟"

"ہاں! لیکن اب میں انسانی خون کی پیاس محسوس نہیں کرتا۔"

فسطینہ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا "جب آپ سو رہے تھے تو مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ انڈرونیکس کے آدمی ان جھاڑیوں اور ٹیلوں کی آڑ سے ہمارے گرد گھیرا ڈال رہے ہیں۔ میں سوچ رہی تھی کہ اگر پندرہ بیس آدمی اچانک ہم پر حملہ کر دیں تو آپ کیا کریں گے۔"

عاصم بولا "آپ نے سوچا ہوگا کہ میں بھاگ جاؤں گا۔"

"نہیں" اُس نے عاصم کے چہرے پر آنکھیں گاڑتے ہوئے کہا "میں صرف یہ سوچ رہی تھی کہ ایک عرب جس کا کل تک ہم سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا اتنا رحم دل کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ہماری خاطر اپنی جان خطرے میں ڈال دے۔"

عاصم نے مغموم لہجے میں کہا "کل تک مجھے بھی یہ معلوم نہ تھا کہ میری زندگی کسی کے کام آسکتی ہے۔"

فسطینہ نے کہا "مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ ہماری طرح آپ بھی کسی مصیبت سے گزر چکے ہیں۔"

عاصم نے فسطینہ کی طرف دیکھا اور اُسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ اُن کے درمیان اجنبیت کی دیواریں ٹوٹ رہی ہیں۔ پھر اچانک اُسے ایک گھبراہٹ سی محسوس ہونے لگی اور اُس نے کہا "میرا خیال ہے اگر ہم طلوع آفتاب سے پہلے چند کوس اور طے کر لیتے تو اچھا ہوتا، ہمارے گھوڑے بھوکے ہیں اور ہمیں کسی ایسی جگہ پہنچ کر دم لینا چاہئیے، جہاں انہیں چارا مل سکے۔ آپ اپنی والدہ کو جگا دیں۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہم جس قدر یروشلم سے دور ہوں گے،

اُسی قدر محفوظ ہوں گے۔"



طلوعِ آفتاب کے ایک ساعت بعد ایک سنگلاخ زمین پر عاصم اور اُس کے ساتھی سفر کر رہے تھے۔ اُن کے بائیں ہاتھ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور ٹیلوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ عاصم کا سخت جان گھوڑا بھوک اور تھکاوٹ کے باوجود گردن اٹھا کر چل رہا تھا اور فسطینہ کا گھوڑا ابھی اُس کا ساتھ دینے کی کوشش کر رہا تھا لیکن یوسیبیا چند قدم پیچھے تھی۔ اور اُس کے گھوڑے کی رفتار ہر آن سست ہوتی جا رہی تھی۔ عاصم نے ایک پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر اپنے ساتھیوں کو رکنے کا اشارہ کیا اور گھوڑے سے اتر کر بھاگتا ہوا پہاڑی پر چڑھ گیا۔ چوٹی پر سے تھوڑی دیر دوسری طرف جھانکنے کے بعد وہ مڑا اور اپنے گھوڑے پر دوبارہ سوار ہو کر بولا "ہم راستے سے زیادہ دور نہیں، تھوڑی دیر اور چلنے کے بعد ہم ایک بستی میں پہنچ جائیں گے۔"

یوسیبیا نے کہا "میرا گھوڑا جواب دے چکا ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم تھوڑی دیر یہاں رُک جائیں۔"

"نہیں۔" عاصم نے جواب دیا "یہاں رُک کے ہم گھوڑوں کی بھوک کا علاج نہیں کر سکتے۔"

وہ کچھ دیر خاموشی سے چلتے رہے۔ بالآخر یوسیبیا نے پوچھا "ابھی ہم بستی کے قریب نہیں آئے؟"

عاصم نے جواب دیا "ہم بستی سے آگے نکل چکے ہیں۔ لیکن آپ کو چند قدم اور چلنا پڑے گا۔"

یوسیبیا نے پوچھا "آپ نے بستی میں رکنے کا ارادہ بدل دیا ہے؟"

عاصم نے جواب دیا "نہیں! ارادہ تو نہیں بدلا ہے لیکن آپ کے لئے بستی سے دُور رہنا ہی بہتر ہوگا۔ میں پہلے اکیلا وہاں جاؤں گا۔"

فسطینہ بولی "لیکن آپ تو کہتے ہیں کہ ہم بستی سے آگے نکل آئے ہیں؟"

"اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں، میں بستی والوں کو یہ تاثر دینا چاہتا ہوں کہ میں یروشلم سے نہیں بلکہ دمشق سے آرہا ہوں، تاکہ اگر وہاں ہماری تلاش ہو رہی ہو تو مجھ پر کوئی شبہہ نہ کرے۔"

تھوڑی دور چل کر عاصم اپنے گھوڑے سے اُترا اور اُسے ایک جھاڑی سے باندھنے کے بعد بولا "اب آپ

بھی گھوڑے یہاں باندھ دیں اور اطمینان سے بیٹھ جائیں۔ میں بہت جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو تنہا چھوڑ کر جا رہا ہوں لیکن آپ کو ساتھ لے جانا زیادہ خطرناک ہے۔ اگر میں کسی وجہ سے نہ آؤں تو آپ کچھ دیر میرا انتظار کرنے کے بعد کسی اگلی بستی میں پہنچنے کی کوشش کریں۔ اگر میں زندہ ہوا تو وہاں پہنچ جاؤں گا۔ میں اپنا گھوڑا یہاں اس لئے چھوڑے جا رہا ہوں کہ آپ کا گھوڑا جواب دے چکا ہے۔ اگر دوسرا گھوڑا بھی ہمت ہار دے تو آپ دونوں اس پر سوار ہو سکتی ہیں۔ اس نے عرب کی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ آپ کو دھوکا نہیں دے گا۔ میری خرجین سے آپ کو کچھ بچا ہوا کھانا بھی مل جائے گا اور مشکیزے میں تھوڑا سا پانی بھی ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میری واپسی تک آئندہ سفر کے لئے تیار ہو جائیں۔ اگر بستی سے تازہ دم گھوڑے مل گئے تو ہم دوپہر سے پہلے آرام نہیں کریں گے۔"

یوسیبیا اور اُس کی ماں گھوڑوں سے اتر پڑیں اور عاصم بھاگتا ہوا ٹیلے کی طرف بڑھا پھر اچانک اُس کے دل میں کوئی خیال آیا اور اُس نے مُڑ کر اپنی کمان اور ترکش یوسیبیا کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا "آپ نے کہا تھا کہ آپ بچپن میں تیراندازی سیکھا کرتی تھیں۔ میں احتیاطاً اپنی کمان اور ترکش آپ کے پاس چھوڑے جا رہا ہوں، ہم عرب اگر چاروں طرف سے مایوس ہو جائیں تو ہماری آخری خواہش یہ ہوتی ہے کہ مرنے سے پہلے کم از کم اپنے ایک دشمن کو اپنے ساتھ لیتے جائیں۔"

یوسیبیا کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن عاصم بھاگتا ہوا ٹیلے پر چڑھا اور اُن کی نگاہوں سے روپوش ہو گیا۔



سڑک کے کنارے ایک قدیم سرائے کے کھلے احاطے میں تقریباً سَو مرد عورتیں اور بچے جمع تھے جن میں سے چند ایک طرف چٹائی پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور باقی سرائے کے مالک سے جھگڑ رہے تھے۔ ایک طرف ایک چھپر کے نیچے سات گھوڑے بندھے ہوئے تھے اور دوسری طرف چند اونٹ بیٹھے جگالی کر رہے تھے۔ عاصم سڑک سے اتر کر احاطے میں داخل ہوا۔ لوگ اُسے ایک رومی سمجھ کر اُس کے گرد جمع ہو گئے اور ایک مسافر نے شکایت کی "جناب ہمارے بچے بھوک سے بلک رہے ہیں اور سرائے کا مالک ہمیں کھانا نہیں دیتا۔ یہ یہودی ہے آپ اسے سمجھائیے!"

سرائے کا مالک اپنی بھاری توند ہلاتا ہوا آگے بڑھ کر چلایا "حضور! میں یہودی نہیں، عیسائی ہوں، میں انہیں

سمجھ رہا ہوں کہ آج دو قافلے یہاں سے گزرے ہیں اور وہ باسی ٹکڑے تک ہڑپ کر گئے ہیں۔ اگر یہ تھوڑی دیر صبر کریں تو میں انہیں سوکھی روٹیاں دے سکتا ہوں لیکن یہ میری بات نہیں سنتے۔"

عاصم نے شور مچانے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "تم تھوڑی دیر صبر کیوں نہیں کرتے۔ تم چاہتے ہو کہ یہ شخص اپنا کاروبار بند کر کے بھاگ جائے؟"

لوگ جو عاصم کے الفاظ سے زیادہ اُس کے رومی لباس سے مرعوب تھے۔ اِدھر اُدھر ہٹ گئے۔

سرائے کے مالک نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا "جناب! ایرانی جاسوسوں کا کوئی پتا چلا؟"

"کون سے ایرانی جاسوس؟" عاصم نے اپنی بدحواسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

سرائے کے مالک نے غور سے عاصم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "معاف کیجئے میں سمجھا تھا کہ آپ اُن لوگوں کے ساتھی ہیں جو صبح سے ہماری بستی کے ایک ایک گھر کی تلاشی لے رہے ہیں۔"

عاصم نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا "یہ تلاشی لینے والے کون ہیں؟" سرائے کے مالک نے جواب دیا "جناب! وہ یروشلم سے آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ دو عورتیں جو وہاں ایرانیوں کی جاسوسی کر رہی تھیں فرار ہو کر اس طرف آئی ہیں۔ اُن کا یہ بھی کہنا ہے کہ کوئی رومی افسر اُن کے ساتھ سفر کر رہا ہے۔"

عاصم نے پوچھا "میں حیران ہوں کہ اس بستی کے لوگوں نے ایران کے جاسوسوں کو پناہ دینے کی جرأت کیسے کی؟"

"جناب! بستی کے لوگ روم کے غدار نہیں ہو سکتے لیکن انہیں ہماری باتوں پر یقین نہیں آتا۔ وہ پہلے میری سرائے میں آئے تھے اور سرائے کی تلاشی لینے کے بعد لوگوں کے گھروں میں گھس گئے ہیں۔"

"وہ کتنے آدمی ہیں؟"

"پانچ ہیں جناب! اور انہوں نے یہ دھمکی دی ہے کہ اگر یہاں سے وہ جاسوس عورتیں برآمد نہ ہوئیں تو بستی کو آگ لگا دی جائے گی۔"

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

"میں دمشق سے آ رہا ہوں اور کسی تاخیر کے بغیر یروشلم پہنچنا چاہتا ہوں، میرے گھوڑے نے یہاں سے کچھ دور دم توڑ دیا ہے اور میں پیدل یہاں پہنچا ہوں ــــــ اب مجھے ایک تازہ دم گھوڑے کی ضرورت ہے۔"

"جناب! میرے پاس صرف دو گھوڑے تھے اور وہ یروشلم کے سپاہیوں نے اپنے لئے رکوا لئے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں تازہ دم گھوڑوں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ اُن کے افسر کو رضامند کر لیں تو مجھے آپ کو اپنا بہترین گھوڑا دینے میں کوئی تکلف نہ ہوگا۔ وہ دیکھئے میرا ابلق گھوڑا کتنا خوبصورت ہے؟"

عاصم نے جواب دیا "اگر وہ ایرانی جاسوسوں کا پیچھا کر رہے ہیں تو مجھے اُن کے کام میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہیئے۔ تم میرے لئے اگر ایک اونٹ کا بندوبست کر دو تو میں اسے بھی غنیمت سمجھوں گا۔ میں یروشلم کے حاکم کے پاس ایک نہایت ضروری پیغام لے کر جا رہا ہوں، اگر آگے کسی بستی سے مجھے گھوڑا مل گیا تو میں تمہارا اونٹ وہاں چھوڑ دوں گا۔ اس خدمت کے لئے تمہیں معقول انعام دیا جائے گا۔"

سرائے کے مالک نے کہا "جناب یہ اونٹ ان مسافروں کے تھے اور یروشلم کے سپاہیوں نے یہ بھی چھین لئے ہیں۔ آپ کو اُن سے بات کرنی چاہیئے۔ وہ تھوڑی دیر میں آ جائیں گے۔ اور اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں آپ سے دمشق کے متعلق کچھ پوچھوں، کیا یہ درست ہے کہ دمشق پر ایرانیوں نے حملہ کر دیا ہے؟"

ایک بوڑھے نے آگے بڑھ کر کہا "ہاں، جناب! خدا کے لئے۔ ہمیں سچ سچ بتائیے کیا رومی فوج دمشق کی حفاظت کر سکے گی۔؟"

"دمشق کی حفاظت بہر قیمت ہوگی۔ تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے، ایرانی لشکر کو دمشق سے کوسوں دور رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔"

ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا "جناب! دمشق پر حملہ ہو چکا ہے میں وہیں سے آ رہا ہوں، آپ ہمیں کب تک جھوٹی تسلیاں دیں گے۔"

پریشان لوگ اب عاصم کے گرد جمع ہو رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا "تم کو یہ معلوم نہیں کہ لوگوں میں سراسیمگی پھیلانا کتنا بڑا جرم ہے۔"

ایک اور آدمی نے آگے بڑھ کر کہا "جناب! ہمیں معلوم ہے۔ لیکن لوگوں سے صحیح حالات چھپانے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ غلط افواہوں پر بھی یقین کر لیتے ہیں۔"

عاصم وہاں سے کھسکنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ پانچ مسلح سپاہی وہاں آ پہنچے اور عاصم اپنے دل میں ناخوشگوار

دھڑکنیں محسوس کرنے لگا۔ لیکن خوش قسمتی سے یہ پانچوں شامی تھے۔ اُن میں سے ایک نے جو اپنے لباس سے کوئی افسر معلوم ہوتا تھا عاصم کو دیکھتے ہی آگے بڑھ کر سلام کیا اور پوچھا۔ ”آپ کہاں سے آئے ہیں؟“

”میں دمشق سے آرہا ہوں۔“

”یہاں کب پہنچے تھے؟“

”ابھی پہنچا ہوں۔“

”آپ نے راستے میں ایک رومی افسر اور دو عورتیں دیکھی ہیں؟“

”رات کے وقت میں نے اِس طرف آنے والے کئی قافلے دیکھے ہیں۔ لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ جن عورتوں اور رومی افسر کے متعلق آپ پوچھ رہے ہیں وہ اُن کے ساتھ تھے یا نہیں۔“

”میں جن لوگوں کے متعلق پوچھ رہا ہوں وہ یروشلم سے دمشق کی طرف جا رہے ہیں۔“

عاصم نے کہا۔ ”رات کے وقت مجھے دمشق کی طرف جانے والا کوئی مسافر نہیں ملا۔ اور طلوع سحر کے بعد بھی میں نے کسی عورت کو اُس طرف جاتے نہیں دیکھا۔ میرے گھوڑے نے پچھلے پہر راستے میں دم توڑ دیا تھا اور میں پیدل چل کر یہاں پہنچا ہوں۔ مجھے دمشق کے سپہ سالار نے ضروری ہدایات دے کر یروشلم بھیجا ہے اور مجھے ایک تازہ دم گھوڑے کی ضرورت ہے۔“

شامی افسر نے مشکوک نگاہوں سے عاصم کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ”آپ دمشق سے تنہا سفر کر رہے ہیں؟“

”ہاں ــــ۔“

”راستے میں آپ نے کسی جگہ قیام نہیں کیا؟“

”نہیں ــــ۔“

شامی افسر نے عاصم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ ”یہ عجیب بات ہے کہ یہاں سے چار کوس کے فاصلے پر ہماری چوکی ہے جہاں آٹھ دس گھوڑے ہر وقت موجود رہتے ہیں لیکن آپ وہاں سے مدد لینے کی بجائے یہاں پہنچ گئے ہیں۔“

عاصم کی حالت اُس شخص کی سی تھی جس کی گردن میں اچانک پھندا ڈال دیا گیا ہو، تاہم اُس نے اپنے

اضطراب پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”شاید آپ کو معلوم نہیں کہ چوکی کے محافظوں کو دمشق بلا لیا گیا ہے۔“

ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”جناب! جب گزشتہ شام ہمارا قافلہ وہاں سے گزرا تھا تو چوکی کے سپاہی وہیں تھے۔“

شامی افسر اور اُس کے ساتھی جواب طلب نگاہوں سے عاصم کی طرف دیکھنے لگے لیکن اُس نے انتہائی پریشانی کے باوجود مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”چوکی کے سپاہی مجھے آدھی رات گزرنے کے تھوڑی دیر بعد راستے میں ملے تھے۔ اگر اُس وقت مجھے معلوم ہوتا کہ میرا گھوڑا آگے چل کر جواب دے جائے گا تو میں یقیناً اُن میں سے کسی کا گھوڑا چھین لیتا۔ اُس وقت میں نے یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ چوکی کے تمام گھوڑے اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔“

شامی افسر بظاہر مطمئن ہو چکا تھا لیکن عاصم کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اُس کے شبہات دُور نہیں ہوئے۔

سرائے کے مالک نے پوچھا۔ ”جناب! کھانے کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟“

شامی افسر نے جواب میں کہا۔ ”کھانا تیار ہو چکا ہے تو لے آؤ۔“

وہ بولا۔ ”جناب! آپ کے لئے کھانا تیار ہو چکا ہے۔ لیکن آپ اندر تشریف لے چلیں یہاں یہ لوگ آپ کو پریشان کریں گے۔“

شامی نے عاصم سے کہا۔ ”میرے خیال میں آپ نے بھی کھانا نہیں کھایا ہوگا۔ چلئے، کھانے کے بعد ہم آپ کے سفر کا بندوبست کر دیں گے۔“

جب وہ کمرے کے دروازے کے قریب پہنچے تو شامی نے اپنے ایک آدمی کو الگ بُلا کر کوئی بات سمجھائی اور وہ اُس چھپر کی طرف بھاگ گیا، جس میں گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ پھر جب عاصم نے کمرے کے اندر داخل ہوتے وقت مڑ کر دیکھا تو وہ ایک گھوڑے پر سوار ہو کر سڑک کا رُخ کر رہا تھا۔

عاصم کو تھوڑی دیر قبل یہ اطمینان تھا کہ اگر یہ لوگ واپس چلے جائیں تو فسطینہ اور اُس کی ماں مزید خدشات کا سامنا کئے بغیر اپنا سفر جاری رکھ سکیں گی۔ چنانچہ وہ ان کے ساتھ یروشلم جانے کے لئے تیار تھا اور اُسے اس بات کی کوئی پروا نہ تھی کہ وہاں اُس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ لیکن اب اُسے یہ بات پریشان کر رہی تھی کہ ان میں سے ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں جا چکا ہے۔ اور اگر اُسے چوکی کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے تو اُسے واپس آنے میں دیر نہیں لگے گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چوکی کے سپاہی اُس کے ساتھ آجائیں اور وہ فسطینہ اور اُس کی

ماں کو تلاش کرنے کے لئے اس علاقے کا گوشہ گوشہ چھان ماریں۔ پھر یہ حقیقت بھی زیادہ دیرچھپی نہیں رہ سکتی کہ میں رومی نہیں ہوں ——— اب مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ اب میں کیا کر سکتا ہوں؟"

ایک نوکر نے کھانا لاکر بوسیدہ میز پر رکھ دیا۔ عاصم کی بھوک مر چکی تھی، تاہم وہ ان لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے کھانا کھا رہا تھا۔

شامی افسر نے کہا۔ "ہم دمشق کے متعلق بہت پریشان ہیں، وہاں سے متضاد خبریں آ رہی ہیں۔ چند دن قبل ہم نے یہ سنا تھا کہ ہماری فوج شہر کے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرے گی۔ لیکن آج یہ افواہ گرم ہے کہ ایرانیوں نے شہر پر حملہ کر دیا ہے ——— آپ کو صحیح حالات کا علم ہوگا۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "میں آپ کو صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ دمشق میں ایرانی لشکر کو عبرتناک تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

شامی افسر نے عاصم کے چہرے پر نگاہیں گاڑتے ہوئے کہا۔ "یہ عورتیں جنھیں ہم تلاش کر رہے ہیں ایرانیوں کی جاسوس ہیں۔ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ ایک رومی افسر بھی اُن کے ساتھ ہے لیکن خدا معلوم یہ لوگ کہاں غائب ہو گئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم انہیں پیچھے چھوڑ آئے ہیں اور وہ کسی بستی میں چھپے ہوئے ہیں۔ تاہم میں نے احتیاطاً ایک آدمی کو آگے بھیج دیا ہے اگر وہ آگے نکل گئے ہیں تو چوکی کے آس پاس کسی بستی سے اُن کا سراغ مل جائے گا۔"

عاصم نے پوچھا۔ "آپ کب سے اِن جاسوسوں کا پیچھا کر رہے ہیں؟"

"کل سہ پہر سے ہم نے ایک لمحہ آرام نہیں کیا۔ یروشلم کی فوج انہیں الرقیم کے راستے پر تلاش کر رہی ہے۔ لیکن شہر کے حاکم کو یہ شبہہ تھا کہ وہ ہمیں چکما دے کر دمشق پہنچنے کی کوشش کریں گی، چنانچہ مجھے اِس راستے پر اُن کا پتا لگانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم راستے کی کسی بستی میں چھپ کر اُن کا انتظار کریں گے لیکن یروشلم سے چند میل دور ہمیں دمشق سے آنے والے سپاہی ملے اور انہوں نے بتایا کہ ہم نے اِن جاسوسوں کو ایک رومی افسر کے ساتھ راستے میں دیکھا ہے۔ میں دس آدمی پیچھے چھوڑ آیا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ انہوں نے اِس وقت تک سڑک کے آس پاس تمام بستیاں چھان ماری ہوں گی۔ جب ہمارا ساتھی اگلی چوکی سے اُن کا پتا معلوم کر کے آ جائے گا تو ہم بھی واپس ہو جائیں گے آپ کو یقین ہے کہ چوکی خالی ہو چکی ہے۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہاں دو چار آدمی موجود ہوں، لیکن گھوڑے وہاں نہیں تھے؟"

اچانک باہر گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی اور چند ثانیے بعد ایک سرپٹ سوار نے صحن میں جمع ہونے والے لوگوں کے قریب پہنچ کر پوری قوت سے گھوڑے کی باگیں کھینچیں اور نیچے کود کر بھاگتا ہؤا سرائے کی طرف بڑھا۔ یہ وہی تھا جسے شامی افسر نے اگلی چوکی کی طرف روانہ کیا تھا۔ وہ ہانپتا ہوا کمرے میں داخل ہؤا اور بے اختیار چلّانے لگا۔ "جناب! غضب ہو گیا، ایرانی لشکر دمشق میں داخل ہو گیا ہے۔"

ایک ثانیے کے لئے شامی افسر کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی پھر اُس نے اُٹھ کر پوچھا۔ "تم اتنی جلدی چوکی سے ہو کر واپس کیسے آ گئے ہو؟"

وہ بولا۔ "جناب! فوج کا ایک دستہ مجھے راستے میں ملا ہے۔ وہ میرے پیچھے آ رہا ہے۔ ایک زخمی سپاہی گھوڑے سے گر پڑا تھا، اُس نے مجھے بتایا کہ ایرانی دمشق میں داخل ہو چکے ہیں۔ میرا گھوڑا تازہ دم تھا، اس لئے میں اُن سے آگے نکل آیا ہوں وہ زیادہ دور نہیں ہیں۔"

شامی افسر نے غضب ناک ہو کر کہا۔ "تم چوکی تک کیوں نہیں گئے ہو؟"

"جناب یہ خبر آپ کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ ایرانی دمشق میں داخل ہو چکے ہیں۔ اور وہاں قتلِ عام ہو رہا ہے؟"

آن کی آن میں یہ وحشت انگیز خبر صحن کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ چکی تھی اور پریشان حال لوگ جن کی زبانیں تھوڑی دیر کے لئے گنگ ہو گئی تھیں، چیختے چلاتے کمرے کے اندر اور باہر جمع ہو رہے تھے پھر اچانک دور سے گھوڑوں کی ٹاپ اور رتھوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دینے لگی اور باہر سے کوئی بلند آواز میں چلایا۔ "فوج آ رہی ہے فوج آ رہی ہے۔" اور وہ سڑک کی طرف بھاگنے لگے۔

شامی افسر اور اُس کے ساتھی کمرے سے نکل گئے اور عاصم اُن کے پیچھے چل دیا۔ شامی افسر نے صرف ایک بار مڑ کر اُس کی طرف دیکھا اور یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ وہ بھی اُن کے ساتھ آ رہا ہے بھاگ کر سڑک کے کنارے جمع ہونے والے ہجوم سے جا ملا۔ عاصم نے ادھر اُدھر دیکھا، صحن خالی ہو چکا تھا۔ لوگوں کی نگاہیں شام کے راستے پر لگی ہوئی تھیں۔ عاصم چند قدم، سڑک کی طرف، اٹھانے کے بعد چھپر کی طرف مڑا اور گھوڑوں کی قطار کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ اب اُسے سڑک کی طرف سے کوئی نہیں دیکھ سکتا، اُس نے ابلق گھوڑے کا

توبڑا اتار کر اُسے لگام دی، اس کے بعد دو اور گھوڑوں کے توبڑے اتارے اور ان میں جتنا اناج تھا وہ ایک توبڑے میں ڈال کر زین سے باندھ دیا پھر جلدی سے رسا کھولا اور گھوڑے کو چھپر سے نکال کر زیتون کے درختوں میں سے گزرتا ہؤا سرائے کی پچھلی طرف پہنچا اور اُس پر سوار ہوگیا۔

کچھ لوگ ابھی تک آس پاس کے مکانوں اور جھونپڑیوں سے نکل نکل کر سڑک کا رُخ کر رہے تھے لیکن کسی نے اُس کی طرف توجہ نہ دی۔ ایک عورت نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے روکنے کی کوشش کی لیکن عاصم نے اُس کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے گھوڑے کی رفتار تیز کردی۔

اس عرصے میں شامی افسر کے ساتھ ایک دل چسپ واقعہ پیش آچکا تھا۔ سپاہیوں کا دستہ جو رتھوں اور سواروں پر مشتمل تھا سرائے کے قریب پہنچا تو اُن کی رفتار سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ یہاں نہیں رکیں گے۔ شامی افسر اچانک اپنے دونوں ہاتھ بلند کرکے سڑک کے بیچ میں کھڑا ہوگیا۔ اگلی رتھ پر ایک قوی ہیکل رومی نے اپنی پوری طاقت سے باگیں کھینچ کر گھوڑوں کو روکا تو شامی افسر نے قریب آکر ادب سے سوال کیا۔

"جناب! میں آپ سے دمشق کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں؟"

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟" رومی نے غصے سے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"جناب! میں نے ابھی ایک منحوس خبر سنی ہے۔"

"اور یہ منحوس خبر سننے کے بعد بھی تم راستہ روک کر ہمارا وقت ضائع کرنا چاہتے ہو؟"

"جناب! میں پچھلی چوکی کے سپاہیوں کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔ وہ دمشق چلے گئے ہیں یا راستے سے آپ کے ساتھ لوٹ آئے ہیں۔"

رومی افسر کی قوتِ برداشت جواب دے چکی تھی اُس نے کچھ کہے بغیر شامی کے ایک کوڑا رسید کردیا اور ساتھ ہی اپنے رتھ کے گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دیں۔ آن کی آن میں آٹھ رتھ اور اُن کے پیچھے کوئی ڈیڑھ سو سوار آگے نکل گئے۔ اور تماشائی پریشان حال شامی افسر کے گرد جمع ہونے لگے۔ شامی افسر نے چاروں طرف دیکھا اور بلند آواز میں کہا۔

"وہ کہاں ہے؟ وہ رومی کہاں گیا؟"

اُس کے ایک ساتھی نے جواب دیا۔ "جناب! وہ یہیں تھا۔ وہ ہمارے ساتھ آرہا تھا۔"

شامی افسر لوگوں کو دھکے دے کر اپنے راستے سے ہٹاتا ہؤا سرائے کی طرف بھاگا اور پھر صحن میں نظر دوڑانے کے بعد چلانے لگا۔ "اُسے تلاش کرو، اُسے پکڑو اگر وہ نکل گیا تو میں تمہاری کھالیں اتروا دوں گا۔"

سرائے کے مالک نے بھاگ کر چھپر کی طرف دیکھا اور اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "جناب! غضب ہوگیا وہ میرا ابلق گھوڑا لے گیا ہے۔"

شامی افسر نے بھاگ کر ایک گھوڑے کا رسا کھولتے ہوئے کہا۔ "وہ زیادہ دور نہیں جاسکتا، اُس کے ساتھی کہیں آس پاس ہی چھپے ہوئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ان عورتوں کا ساتھی ہے۔ تم جلدی سے گھوڑوں پر سوار ہوجاؤ۔"

ایک آدمی نے کہا۔ "جناب ابلق گھوڑے پر ایک سوار ابھی اُس طرف جارہا تھا۔"

دوسرے نے کہا۔ "جناب میں نے بھی اُسے دیکھا ہے لیکن وہ ایک رومی افسر تھا۔"

"بیوقوف وہ رومی نہیں تھا۔" شامی نے گھوڑے پر اچھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔



یوسیبیا نے اضطراب کی حالت میں اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور کہا۔ "فسطینہ اُسے بہت دیر ہوگئی ہے۔ اب ہم کیا کریں؟"

"امی مجھے ڈر ہے کہ وہ گرفتار ہوچکا ہے۔"

اُس نے ہمیں تاکید کی تھی کہ اگر مجھے دیر ہوجائے تو تمہیں انتظار نہیں کرنا چاہیے۔"

"امی آپ جانتی ہیں کہ اُس کے بغیر ہم سفر نہیں کرسکتے۔"

یوسیبیا نے کہا۔ "تمہیں یقین ہے کہ وہ ہمارے ساتھ دھوکا نہیں کرے گا۔"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "اُس کی نیک نیتی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ اپنا گھوڑا ہمارے پاس چھوڑ گیا ہے۔"

یوسیبیا نے کہا۔ "بیٹی میں اُس کی نیت پر شبہ نہیں کرتی۔ مجھے صرف یہ ڈر ہے کہ اگر گرفتار کرنے والوں نے اُسے جسمانی اذیتیں دے کر ہمارا پتا معلوم کرنے کی کوشش کی تو ممکن ہے کہ وہ ہمت ہار دے۔ آخر ہم نے اُس

پر کون سا احسان کیا ہے کہ وہ ہماری خاطر اپنی کھال اتروانے کے لئے تیار ہو جائے گا۔"

"امی میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ دھوکا نہیں کرے گا۔ اگر وہ زندہ ہے تو ضرور واپس آئے گا۔ اُس کی صورت دیکھ کر مجھے بار بار یہ احساس ہوتا تھا کہ اگر وہ میرا بھائی ہوتا تو بھی میں اُس پر اس سے زیادہ اعتماد نہ کر سکتی۔ میں دوبارہ ٹیلے پر چڑھ کر دیکھتی ہوں۔" فسطینہ یہ کہہ کر کھڑی ہوگئی۔

یوسیبیا نے کہا "بیٹی! بہت احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ اگر تمہیں دوسری طرف سے کسی نے دیکھ لیا تو یہ بہت خطرناک بات ہوگی۔ ٹھہرو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔"

یوسیبیا ترکش اور کمان اٹھا کر فسطینہ کے ساتھ ٹیلے پر چڑھنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ماں اور بیٹی چوٹی پر ایک پتھر کی اوٹ سے دوسری طرف دیکھ رہی تھیں۔ ٹیلے سے کوئی آدھ میل دور دو چرواہے بھیڑوں کا ایک گلہ ہانک رہے تھے ان سے آگے ایک بل کھاتی ہوئی سڑک جس پر مسافروں کے چھوٹے چھوٹے قافلے نظر آتے تھے۔ بستی کے درختوں میں روپوش ہو جاتی تھی۔

"وہ دیر تک ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہیں، بالآخر یوسیبیا نے کہا "فسطینہ! اگر وہ نہ آیا تو ہم بھوکے اور پیاسے گھوڑوں پر زیادہ دور نہیں جا سکیں گے۔"

اچانک فسطینہ نے بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہ دیکھو، امی! ایک سوار اس طرف آرہا ہے۔ شاید دشمن کو ہمارا سراغ مل گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اُس کے پیچھے ایک فوج ہوگی۔"

یوسیبیا کے چہرے پر اچانک زردی چھا گئی اور اُس نے مغموم لہجے میں کہا "بیٹی مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔"

"ان درختوں کی طرف دیکھو، امی! وہ سیدھا اس طرف آرہا ہے۔"

یوسیبیا چلائی "بیٹی وہ سچ مچ اس طرف آرہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہمارے ساتھی نے انہیں ہمارا پتا دے دیا ہے۔ اب تم میرا کہا مانو اور بھاگ کر گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ وہ کہتا تھا کہ میرا گھوڑا بہت سخت جان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم عزت بچا سکو گی۔ میں انہیں روکنے کی کوشش کروں گی۔ اگر وہ تعداد میں زیادہ ہوئے تو بھی کم از کم میرے دو تیر خالی نہیں جائیں گے۔"

فسطینہ نے کہا "امی آپ یہ سمجھ رہی ہیں کہ میں آپ کو چھوڑ کر بھاگ جاؤں گی؟"

یوسیبیا نے کہا "فسطینہ جلدی کرو۔ ممکن ہے کہ تم گھر پہنچ کر میرے لئے کچھ کر سکو۔"

فسطینہ چند ثانیے بے حس و حرکت کھڑی ماں کی التجائیں سنتی رہی، بالآخر وہ چلائی "امی! ذرا غور سے دیکھو۔ وہ آرہا ہے، وہ زندہ ہے، اُس نے ہمارے ساتھ دھوکا نہیں کیا۔ وہ دو بے بس عورتوں کے ساتھ دھوکا نہیں کر سکتا تھا۔"

تھوڑی دیر میں عاصم ٹیلے کے قریب پہنچ گیا۔ تیز رفتار گھوڑا چند چھلانگوں میں ٹیلے کے وسط تک پہنچ گیا لیکن اس سے آگے چڑھائی سخت تھی اور اُس کے پاؤں پھسل رہے تھے۔ عاصم گھوڑے سے کود پڑا اور اُس کی باگ پکڑ کر پیدل دوڑنے لگا۔ فسطینہ پتھر کی آڑ سے نکل کر چند قدم آگے بڑھی تو وہ بلند آواز میں چلایا "فسطینہ! پیچھے چھپ جاؤ۔ وہ آرہے ہیں، جلدی کرو۔"

فسطینہ بدحواس ہو کر پیچھے پلٹی اور پتھر کی اوٹ سے سامنے دیکھنے لگی۔ اچانک اُس کی رگوں کا سارا خون منجمد ہو کر رہ گیا۔ دائیں طرف چند سوار درختوں کے جھنڈ سے نمودار ہو رہے تھے۔

یوسیبیا نے کہا "فسطینہ! اب بھی وقت ہے تم بھاگ جاؤ۔"

لیکن اُس نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا "امی! اب میں کسی سے نہیں ڈرتی۔"

عاصم نے چند قدم چوٹی کے دوسری طرف اترنے کے بعد کہا "فسطینہ! اس گھوڑے کی باگ پکڑو اور اپنی ماں کے ساتھ فوراً نیچے چلی جاؤ۔"

فسطینہ نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑلی اور عاصم نے یوسیبیا کے ہاتھ سے کمان اور ترکش لیتے ہوئے کہا "آپ فوراً یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ یہ گھوڑا تازہ دم ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ میرا گھوڑا ابھی اس کا ساتھ دے سکے گا۔ ان پہاڑیوں کی اوٹ میں کوئی ایک کوس چلنے کے بعد آپ دمشق کے راستے پر پہنچ جائیں گی۔ یہ آپ کا آخری مرحلہ ہے مجھے یقین ہے کہ اس کے بعد کوئی آپ کا تعاقب نہیں کرے گا۔ دمشق پر ایرانیوں کا قبضہ ہو چکا ہے اور راستے میں جو لوگ آپ کو ملیں گے وہ آپ سے زیادہ پریشان ہوں گے۔ اب جلدی کیجئے، میں آپ سے بہت جلد آملوں گا ــــ لیکن آپ میرا انتظار نہ کریں۔ میں یہ اطمینان کر چکا ہوں کہ آپ کو تلاش کرنے والے اس بستی سے آگے نہیں گئے ــــــ اور میں آپ کو یہ یقین بھی دلا سکتا ہوں کہ ان پانچ آدمیوں میں سے، جو اس وقت میرے

پیچھے آرہے ہیں۔ کوئی آپ کا تعاقب کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔"

فسطینہ کی ماں اُس کا بازو پکڑ کر کھینچنے لگی۔ لیکن اُس نے آبدیدہ ہو کر عاصم کی طرف دیکھا اور کہا۔ "آپ تنہا اُن پانچ آدمیوں کا مقابلہ کریں گے؟"

"تم میری فکر نہ کرو۔ میرا ترکش تیروں سے بھرا ہوا ہے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ وہ تمہاری طرف متوجہ نہ ہوں۔ دیکھو وقت ضائع نہ کرو۔ مجھے اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ قدرت تمہیں ان بھیڑیوں سے بچانا چاہتی ہے، وہ تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہ تمام واقعات اِس طرح پیش نہ آتے۔ آپ کو ایک تازہ دم گھوڑے کی ضرورت تھی وہ میں لے آیا ہوں۔ میرا گھوڑا بھوکا تھا اُس کے لئے مجھے اناج کا توبڑا مل گیا ہے۔ اگر آپ کو راستے میں کوئی ضرورت پیش آئی تو میری خرجین میں پڑے ہوئے چند سکے آپ کے کام آسکیں گے۔ اب جائیے!"

فسطینہ اپنے آنسو پونچھتی ہوئی ماں کے ساتھ چل پڑی —— عاصم نے اپنی کمان اور ترکش پتھروں کی آڑ میں رکھ دیئے اور چند قدم آگے بڑھ کر ٹیلے کے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

پانچ سوار ٹیلے کے نیچے پہنچ کر رکے اور گھوڑوں سے کود کر ایک نصف دائرے میں اوپر چڑھنے لگے۔

شامی افسر نے بلند آواز میں کہا۔ "اب تم بچ کر نہیں جا سکتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ایران کی جاسوس عورتیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر تم انہیں ہمارے حوالے کر دو تو میں تمہاری جان بچانے کا ذمہ لیتا ہوں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "تمہیں تھیوڈوسیس کی بیٹی اور نواسی پر ایرانیوں کے جاسوس ہونے کا الزام لگاتے ہوئے شرم آنی چاہیئے۔"

شامی افسر نے کہا۔ "تھیوڈوسیس کی بیٹی کا شوہر ایک ایرانی ہے لیکن اگر وہ ایرانیوں کی جاسوس نہ ہو تو بھی ہم کوئی فیصلہ نہیں دے سکتے۔ ہم صرف یروشلم کے حاکم کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔"

"تم اپنے گھر کی فکر کیوں نہیں کرتے۔ تمہیں معلوم ہے کہ ایرانی دمشق پر قبضہ کر چکے ہیں اور انہیں یروشلم پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔"

شامی چلایا۔ "تم ایک غدار ہو اور تمہاری سزا موت ہے۔"

"اِس وقت میری بہ نسبت تم موت سے زیادہ قریب ہو۔"

عاصم نے یہ کہہ کر اچانک ایک بھاری پتھر نیچے لڑھکا دیا۔ اور پیچھے ہٹ کر ان پتھروں کی آڑ میں بیٹھ گیا۔ جہاں اُس کا ترکش اور کمان پڑی تھی۔

نیچے سے آواز آئی۔ "تمہارے پتھر ہمارے تیروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اگر تم چاہتے ہو کہ ہم ان عورتوں کو باعزت طریقے سے یروشلم پہنچا دیں تو اپنی تلوار پھینک کر نیچے آجاؤ، ورنہ ہم ان کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو ایرانیوں نے انطاکیہ کی عورتوں کے ساتھ کیا ہے۔"

عاصم نے اٹھ کر دوسری طرف دیکھا۔ فسطینہ اور اُس کی ماں گھوڑوں پر سوار ہو کر کوئی تین سو گز دور جا چکی تھیں پھر وہ حملہ کرنے والوں کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ پیٹ کے بل رینگتے ہوئے اوپر آرہے تھے۔ عاصم نے یکے بعد دیگرے چند پتھر اٹھا کر نیچے پھینک دیئے اور پھر ترکش اور کمان اٹھا کر پتھروں کی آڑ لیتا ہوا بائیں طرف ایک چٹان کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گیا —— اب وہ اوپر آنے والے تمام آدمیوں کو اچھی طرح دیکھ سکتا تھا —— یہ لوگ سیدھے اوپر چڑھنے کی بجائے دائیں بائیں چکر کاٹ کر اوپر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔ بائیں طرف سے دو آدمی چٹان کے بالکل قریب آچکے تھے۔ اچانک عاصم کی کمان سے ایک تیر نکلا اور ایک سپاہی زخمی ہو کر لڑھکتا ہوا کئی گز نیچے چلا گیا۔ دوسرے نے بھاگ کر ایک پتھر کی آڑ میں پناہ لینے کی کوشش کی لیکن عاصم کا دوسرا تیر اُس کی پسلی میں لگا اور وہ چیخ مار کر ایک طرف گر پڑا۔ باقی تین آدمی جو، دائیں ہاتھ، پتھروں کے پیچھے چھپ کر ایک دوسرے کو ہدایات دے رہے تھے اچانک خاموش ہو گئے۔ عاصم ٹیلے کی چوٹی سے ذرا پیچھے ہٹ کر بھاگتا ہوا دوبارہ ان پتھروں کے پیچھے جا بیٹھا جہاں اُس نے چند ثانیے پہلے پتھر لڑھکائے تھے۔ اچانک اُسے دائیں ہاتھ کوئی آہٹ محسوس ہوئی۔ اُس نے آہستہ سے سر اٹھا کر دیکھا تو ایک آدمی رینگتا ہوا چوٹی کے اُوپر پہنچ چکا تھا، عاصم اور اُس کے درمیان صرف دس قدم کا فاصلہ تھا۔ عاصم نے جلدی سے سر نیچا کر کے اپنی تلوار نکالی اور پھر اچانک پتھروں کی آڑ سے نکلا اور پلک جھپکتے میں اُس کے سر پر جا پہنچا۔ یہ ان سپاہیوں کا افسر تھا اور پیشتر اِس کے وہ اپنی کمان سیدھی کر سکتا عاصم کی تلوار کی نوک اُس کی گردن کو چھو رہی تھی۔ عاصم نے کسی توقف کے بغیر اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "تم میرے تیر کی زد میں تھے لیکن میں نے بلا وجہ ایک اور آدمی کی جان لینا مناسب نہیں سمجھا۔ اپنے ساتھیوں کو حکم دو کہ وہ ہتھیار پھینک دیں ورنہ مجھے تمہاری گردن سے اِس چھوٹے سے سر کا بوجھ اتارنا پڑے گا۔"

شامی افسر نے کہا۔ "تم مجھے قتل کر کے بھاگ نہیں سکو گے، تھوڑی دیر میں میرے کئی اور ساتھی یہاں پہنچ جائیں گے"

"لیکن تم اُن کی کارگزاری نہیں دیکھ سکو گے۔ اپنے ساتھیوں کو آواز دو۔"

شامی افسر اپنے ساتھیوں کو آوازیں دینے لگا۔ دو آدمی چند قدم نیچے پتھروں کی اوٹ سے سر نکال کر دیکھنے لگے۔

عاصم نے بلند آواز میں کہا۔ "اگر تم اپنے ساتھی کی جان بچانا چاہتے ہو تو ہتھیار پھینک کر آگے آجاؤ۔"

وہ تذبذب کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، عاصم نے اپنی تلوار کو ذرا دبایا اور شامی افسر چلایا۔ "تم سنتے نہیں، کیا کہہ رہے ہیں۔ جلدی کرو!"

وہ اپنے ہتھیار پھینک کر آگے بڑھے۔ اور عاصم نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے اُٹھ کر کہا۔ "میں تم سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی تو تمہاری جانیں محفوظ ہیں۔ مجھے تمہارے دو ساتھیوں کی ہلاکت کا افسوس ہے لیکن مجھے کرائے کے سپاہیوں کے ہاتھوں مارا جانا پسند نہ تھا۔"

شامی افسر نے کہا۔ "اب آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں یہ چاہتا ہوں کہ تم تھوڑی دیر میرا پیچھا نہ کر سکو۔ دیکھو! اُس طرف میرے دو گھوڑے بندھے ہوئے ہیں، تم اپنے ایک آدمی کو حکم دو کہ وہ اُن کے رسے اتار کر یہاں لے آئے۔ لیکن یاد رکھو! اگر اس نے بھاگنے کی کوشش کی تو میں تم دونوں کو قتل کر دوں گا۔"

شامی افسر کے اشارے سے ایک سپاہی نیچے چلا گیا اور عاصم نے دوسرے سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم اپنے ساتھی کے قریب لیٹ جاؤ۔" اُس نے کسی توقف کے بغیر حکم کی تعمیل کی۔

تھوڑی دیر بعد اُن کا تیسرا ساتھی رسے لے کر آگیا۔ عاصم نے ایک رسّا بیچ میں سے کاٹ کر دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے شامی افسر سے کہا۔ "اب تم اٹھ کر اطمینان سے اپنے ساتھیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دو۔"

شامی افسر نے کہا۔ "میں وعدہ کر چکا ہوں کہ ہم تمہارا پیچھا نہیں کریں گے۔"

"میں تمہارے وعدے سے زیادہ اپنی احتیاط پر بھروسا کرنا چاہتا ہوں ——— جلدی کرو اور یاد رکھو اگر تمہارے ساتھی سے مجھے کوئی خطرہ پیش آیا تو میں سب سے پہلے تم سے نپٹنے کی کوشش کروں گا۔"

افسر نے دل پر پتھر رکھ کر اپنے ساتھیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تو عاصم نے کہا۔ اب تمہاری باری

ہے لیکن تمہیں لیٹنے کی ضرورت نہیں میں صرف تمہارے ہاتھ باندھنے چاہتا ہوں۔"

عاصم نے دوسرے رسے سے اُس کے ہاتھ باندھنے اور گلے میں پھندا ڈالنے کے بعد اطمینان سے نیچے پڑے ہوئے سپاہیوں کا معائنہ کیا اور اُن کے ہاتھ پاؤں ذرا مضبوطی سے کس دیئے پھر آگے بڑھ کر پتھروں کی آڑ سے اپنی کمان اور ترکش اٹھایا اور جکڑے ہوئے سپاہیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "دیکھو! میں تمہارے ساتھی کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے تو مجھے اس کی گردن کی رسی کھینچنے میں دیر نہیں لگے گی۔ میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ جن خواتین کو تم تلاش کر رہے ہو وہ کہاں ہیں لیکن اگر وہ چند دن تک دمشق نہ پہنچیں تو اس کی لاش مشرقی دروازے پر لٹک رہی ہوگی ——— میں نہیں جانتا کہ تمہیں اپنے افسر کی جان کتنی عزیز ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ تم رومیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے ایک شامی بھائی کی زندگی خطرے میں نہیں ڈالو گے۔ بستی کے لوگ تمہیں بہت جلد تلاش کر لیں گے، اس کے بعد تمہارے لئے یہ بہتر ہوگا کہ تم اپنے گھروں کی فکر کرو۔ ایرانی دمشق میں داخل ہو چکے ہیں اور اگر تم نے یروشلم پہنچنے میں تاخیر سے کام لیا تو وہ شاید تم سے پہلے وہاں پہنچ جائیں۔

عاصم اپنے قیدی کے گلے کا رسا پکڑ کر چل دیا۔ اُس کا رُخ ٹیلے کی اُس نشیب کی طرف تھا جہاں یہ لوگ اپنے گھوڑے چھوڑ آئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پہاڑی سے اُتر کر ان جھاڑیوں کے قریب پہنچے جہاں اُن کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ عاصم نے تین گھوڑوں کی لگامیں اتار کر انہیں ایک طرف ہانک دیا۔ اس کے بعد ایک گھوڑے پر اپنے قیدی کو لادا اور دوسرے پر خود سوار ہو گیا۔ اِس طرف سے، ٹیلوں اور پہاڑیوں کی دیوار کے ساتھ ساتھ کچھ دور چلنے کے بعد، وہ نسبتاً ایک آسان راستے سے دوسری طرف جا نکلا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ دمشق کے راستے کے قریب پہنچے تو عاصم نے اپنے قیدی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "میں تمہیں کسی مناسب جگہ چھوڑ دوں گا۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ تمہارے رسّے کا دوسرا سرا میری زین سے بندھا ہوا ہے۔ اگر تم نے راستے میں کسی کو اپنا مددگار سمجھ کر شور مچایا تو مجھے تمہاری زبان مستقل طور پر بند کرنے کے لئے صرف اپنے گھوڑے کو ایڑ لگانے کی ضرورت پیش آئے گی۔ اگر میں راستے میں کسی سے بات کروں تو تم میری تردید نہیں کرو گے مجھے یقین ہے کہ اب تک ایرانیوں کے خوف سے راستے کی تمام چوکیاں خالی ہو چکی ہوں گی۔ تاہم اگر کسی نے ہماری

طرف توجہ کی تو تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ میں کسی خطرے کا سامنا کئے بغیر اپنا سفر جاری رکھوں "۔

قیدی نے سراپا التجا بن کر کہا۔ "جناب! میں باپ، بیٹے اور روح القدس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آپ مجھے چھوڑ دیں تو میں سیدھا اپنے گھر جاؤں گا۔ اب مجھے اپنے بیوی بچوں سے زیادہ کسی بات کی فکر نہیں۔ دمشق کی شکست کے بعد رومی یروشلم میں نہیں ٹھہریں گے۔ مجھ پر رحم کیجئے"۔

عاصم نے کہا۔ "میں تمہیں زیادہ دور نہیں لے جاؤں گا۔ لیکن میرے لئے یہ اطمینان کرنا ضروری ہے، کہ تمہارے ساتھی میرا پیچھا نہیں کر رہے"۔

"جناب! اب اگر ان کی مدد کے لئے یروشلم کی پوری فوج آجائے تو بھی وہ دمشق کا رُخ نہیں کریں گے۔ وہ تو دمشق کی شکست کی خبر سنتے ہی واپس جانا چاہتے تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے انہیں آپ کا پیچھا کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ اپنے دوسرے ساتھیوں کے متعلق جو پچھلی بستیوں میں آپ کو تلاش کر رہے ہیں میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ پوری رفتار سے یروشلم کا رُخ کر رہے ہوں گے۔ پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ کے ساتھ جو عورتیں تھیں وہ کئی کوس دور جا چکی ہیں اور اب انہیں کوئی خطرہ نہیں"۔

"تمہیں کیسے معلوم ہے کہ وہ آگے جا چکی ہیں"۔

"جناب! یہ سمجھنے کے لئے کسی ذہانت کی ضرورت نہیں۔ مجھ سے صرف ایک غلطی ہوئی اور وہ یہ کہ میں نے آپ کو سرائے میں دیکھتے ہی فوراً گرفتار نہیں کیا۔ اور "آپ سے چند باتیں کرنے کے بعد مجھے یہ یقین ہو چکا تھا کہ آپ رومی نہیں ہیں۔ میرا خیال تھا کہ آپ شامی ہوں گے۔ یہاں غسانی قبیلے کے کئی معززین رومیوں کا لباس پسند کرتے ہیں لیکن آپ کی بعض باتوں سے میرا یہ شبہہ بھی دُور ہو گیا۔

عاصم نے پوچھا۔ "اور اب تمہارے خیال میں میں کون ہوں؟"

قیدی نے کہا۔ "اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ خالص عرب ہیں۔ کم از کم آپ کی زبان سے یہی ظاہر ہوتا ہے"

عاصم نے کہا۔ "اچھا، اب ہوشیار ہو جاؤ! میں گھوڑے کی رفتار ذرا تیز کر رہا ہوں"۔

دوپہر کے وقت فسطینہ اور اُس کی ماں نے ایک چھوٹی سی بستی کے قریب ندی کا پل عبور کیا، اور فسطینہ نے اپنا گھوڑا روکتے ہوئے کہا۔ "امی اب ہم بہت دور آگئے ہیں میرے خیال میں ہمیں اس ندی کے کنارے تھوڑی دیر آرام کر لینا چاہیئے ــــــ بستی کے اندر داخل ہونا ٹھیک نہیں وہاں لوگ ہمیں پریشان کریں گے"۔

ماں نے کہا۔ "بیٹی! میں تم سے زیادہ تھک گئی ہوں اور اب اگر کوئی خطرہ بھی ہو تو میں آگے نہیں جا سکتی"۔

فسطینہ نے کہا۔ "امی! راستے میں ہمیں کتنے آدمی ملے ہیں، لیکن کسی نے ہماری طرف دیکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ سب کو اپنی اپنی پڑی ہوئی ہے اور یہ بستی بھی شاید خالی معلوم ہوتی ہے"۔

وہ گھوڑوں سے اتریں اور اُن کی باگیں پکڑ کر بائیں طرف چل پڑیں۔ ندی کے بلند کنارے سرسبز درختوں میں چھپے ہوئے تھے۔ پل سے تھوڑی دور انہیں نیچے اترنے کا راستہ دکھائی دیا۔ انہوں نے نیچے جا کر گھوڑوں کو پانی پلایا۔ پھر اپنی پیاس بجھائی اور اس کے بعد درختوں سے گھوڑے باندھ دیئے۔ فسطینہ نے اناج کا توبڑا کھول کر عاصم کے گھوڑے کے منہ پر چڑھا دیا اور اپنی ماں کے پاس سبز گھاس پر بیٹھ گئی۔

بستی سے ایک چرواہا، جو اپنے مویشیوں کو پانی پلانے کے لئے لا رہا تھا، انہیں کچھ فاصلے سے دیکھ کر ٹھٹکا اور پھر تذبذب اور پریشانی کی حالت میں آگے بڑھ کر بولا۔ "آپ دمشق سے تشریف لائی ہیں"۔

فسطینہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن یوسیبیا نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر ٹوکتے ہوئے کہا۔ "ہاں"۔

"آپ کے ساتھی کہاں ہیں؟"

"وہ پیچھے رہ گئے ہیں۔ ابھی پہنچ جائیں گے"۔

چرواہے نے کہا۔ "ہماری بستی خالی ہو رہی ہے۔ صرف چند لوگ رہ گئے ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے گھر میں آرام کر سکتی ہیں"۔

یوسیبیا نے کہا۔ "نہیں شکریہ ہم یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہریں گے"۔

چرواہے نے کہا۔ "اگر آپ پسند فرمائیں تو میں آپ کے لئے گھر سے دودھ لا سکتا ہوں"۔

یوسیبیا نے کہا "بہت اچھا لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم بستی کے لوگوں کو جمع کر کے یہاں لے آؤ۔ ہم بہت پریشان ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں میں کسی کو یہاں نہیں آنے دوں گا۔" چرواہا یہ کہہ کر پوری رفتار سے بستی کی طرف بھاگنے لگا

یوسیبیا نے کہا "فسطینہ! اب مجھے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن میں اُس کے متعلق بہت پریشان ہوں۔"

فسطینہ نے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور اُس کی خوبصورت آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔ پھر اُس نے اچانک پُرامید سی ہو کر کہا "امی! وہ ضرور آئے گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔ جب وہ ہمارے لئے گھوڑا لینے گیا تھا تو آپ اُس کی نیت پر شک کرتی رہیں۔"

یوسیبیا نے مغموم لہجے میں کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں نے اُس پر شک کیا تھا۔ جب ہم اُس سے جُدا ہو رہے تھے تو میرے دل میں بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ میں اُس سے معافی چاہوں۔ اس سے کہوں کہ میں تمہارے احسان کا بدلہ نہیں دے سکتی۔"

فسطینہ نے کہا "مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ ایک عرب تھا۔"

"بیٹی! دنیا کا کوئی خطہ فرشتوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔

مجھے تو اس کا نام بھی یاد نہیں رہا ممکن ہے ہم اُسے دوبارہ نہ دیکھیں، شاید وہ زخمی ہو چکا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ....؟"

فسطینہ کی آواز بیٹھ گئی اور وہ سسکیاں لینے لگی "امی! مجھ سے وعدہ کرو کہ ہم کسی دن وہاں جائیں گے۔ نہیں! ہم ہر سال اُن ٹیلوں کا طواف کیا کریں گے، جہاں ہمارے لئے اُس نے اپنا خون گرایا ہے۔ ہم وہاں ایک گرجا تعمیر کروائیں گے۔ جب آپ نانا جان سے کہیں گی تو وہ خوشی سے اُس کی یادگار تعمیر کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ میں ابّا جان کو بھی مجبور کروں گی کہ وہ اپنی ساری دولت وہاں نذر کریں۔"

یوسیبیا نے کہا "بیٹی حوصلے سے کام لو میرا دِل گواہی دیتا ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔"

"امی! اگر وہ نہ آیا تو نانا جان اور ابّا جان کو اِس بات کا کتنا صدمہ ہو گا کہ وہ ہمارے ایک محسن کو کوئی صلہ نہ دے سکے ــــ لیکن ....." فسطینہ اچانک اٹھ کھڑی ہوئی اور پل کی طرف دیکھنے کے بعد بولی ...... "امّی مجھے یقین ہے کہ اگر وہ آیا تو سیدھا آگے نکل جائے گا۔ میں پل پر جا کر اُس کا راستہ دیکھتی ہوں۔"

ماں نے برہم ہو کر کہا "فسطینہ پاگل نہ بنو۔ بیٹھ جاؤ۔ تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں۔ ممکن ہے کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہو۔"

"امی! آپ فکر نہ کریں۔ میں اُن درختوں کے پاس چھپ کر راستہ دیکھوں گی۔" فسطینہ یہ کہہ کر بھاگتی ہوئی پل کے قریب جا پہنچی۔

دمشق کی سمت سے سواروں کی ایک ٹولی اور اُس کے بعد پیدل انسانوں کا ایک چھوٹا سا قافلہ گزر گیا لیکن فسطینہ کی طرف کسی نے توجہ نہ دی۔ وہ پل کے قریب ایک درخت کی آڑ میں کھڑی دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ اچانک اُسے ایک گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی۔ پھر سڑک کے موڑ سے ایک سوار نمودار ہوا اور اُس کی تمام حسیات سمٹ کر آنکھوں میں آ گئیں۔ یہ عاصم تھا۔ اُس نے پل کے قریب پہنچ کر گھوڑا روکا اور پھر قدرے توقف کے بعد سڑک کے دائیں جانب، نشیب کی طرف باگ موڑ لی۔ فسطینہ اُس کی طرف بھاگنا چاہتی تھی لیکن اُس کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ اُس نے آہستہ آہستہ چند قدم اٹھائے پھر آدھا پل عبور کرنے کے بعد وہ ایک ہرنی کی طرح بھاگ رہی تھی۔ عاصم پانی کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اتر پڑا اور ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ چُلّو سے پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد وہ اپنے منہ پر چھینٹے مار رہا تھا کہ پیچھے کوئی آہٹ محسوس ہوئی۔ اُس نے مُڑ کر دیکھا اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ فسطینہ ہچکچائی رکی اور پھر اچانک آگے بڑھ کر اُس کے قریب کھڑی ہو گئی۔ وہ مسکرا رہی تھی، اُس کا دل مسرت سے اچھل رہا تھا اور اِس کے ساتھ ہی اُس کی نگاہوں کے سامنے آنسوؤں کے پردے حائل ہو رہے تھے۔ "مجھے یقین تھا کہ آپ ضرور آئیں گے۔ میں اُن درختوں کے پیچھے چھُپ کر آپ کا راستہ دیکھ رہی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ آپ ہمیں دیکھے بغیر آگے نہ گزر جائیں۔ آپ نے بہت دیر لگائی۔ آپ زخمی تو نہیں ہیں؟" فسطینہ نے یہ کہہ کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور سسکیاں لینے لگی۔

عاصم نے کہا "فسطینہ اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ تمہاری والدہ کہاں ہیں؟"

"وہ پُل کے دوسری طرف بیٹھی ہوئی ہیں۔"

"تم رو رہی ہو، دیکھو میں زندہ ہوں، اور مجھے کوئی زخم بھی نہیں آیا۔"

فسطینہ نے اپنے ہاتھ نیچے کر لئے اور پھر عاصم کی طرف دیکھ کر اچانک سوال کیا۔

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"میرا نام عاصم ہے"۔ عاصم نے قدرے حیران ہو کر جواب دیا۔

"آپ ان سے لڑے تھے؟"

"ہاں"

"اگر آپ نہ آتے تو ہمیں یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ ہمارے محسن کا نام کیا تھا۔ آپ ان سب کو قتل کر آئے ہیں؟"

"نہیں میں نے صرف دو آدمیوں کو قتل کیا ہے۔ دو کو باندھ کر اُس ٹیلے پر چھوڑ آیا ہوں اور ایک کو پکڑ کر ساتھ لے آیا تھا"

"وہ کہاں ہے؟"

"میں نے اُسے یہاں سے دو میل دُور چھوڑ دیا ہے۔ اب اُس سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ اب اگر میں آپ کے ساتھ نہ جاؤں تو بھی آپ دمشق پہنچ سکتی ہیں"

فسطینہ نے اچانک سنجیدہ ہو کر پوچھا "آپ ہمارے ساتھ نہیں جانا چاہتے؟"

عاصم نے جواب دیا "میرا خیال ہے کہ اب آپ کو میری ضرورت نہیں؟"

"آپ کا خیال غلط ہے۔ آئیے امی آپ کا انتظار کر رہی ہیں" فسطینہ یہ کہہ کر مسکراتی ہوئی پل کی طرف چل پڑی اور عاصم اپنے گھوڑے کی باگ تھامے اُس کے پیچھے ہولیا۔

باب ۱۶

ایرانیوں کی فتح کے بعد انطاکیہ کے رومی گورنر کا محل شہنشاہ ایران کی قیام گاہ بن چکا تھا۔ ایک دن پرویز محل کے ایک کشادہ کمرے میں رونق افروز تھا اور اُس کے چند مصاحب مسند سے نیچے، دائیں بائیں، دو قطاروں میں کھڑے تھے۔ نقیب کی آواز سُن کر مختلف محاذوں سے آنے والے ایلچی باری باری کمرے میں داخل ہوتے، اپنی معروضات پیش کرتے اور شہنشاہ سے ہدایات لینے کے بعد رخصت ہو جاتے۔ آج سب سے پہلے حاضری دینے والے ایلچی نے دمشق کے محاصرے کی خبر سنائی تھی، اس لئے پرویز کے نزدیک دوسرے محاذوں سے آنے والے ایلچیوں کی کوئی اہمیت نہ تھی چنانچہ وہ کسی کو مختصر سی ہدایات اور کسی کو اگلے دن پیش ہونے کا حکم دے کر رخصت کر رہا تھا۔ سب سے آخر میں نقیب نے سین کا نام پکارا اور شہنشاہ کے مصاحب حیران ہو کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ پرویز نے محل کے داروغہ کی طرف دیکھا اور کہا "ہمارا خیال ہے کہ آج جن لوگوں کو ملاقات کی اجازت دی گئی تھی، اُن کی فہرست میں سین کا نام نہیں تھا۔ اور ہم جس سین کو جانتے ہیں وہ قسطنطنیہ میں تھا"

داروغہ نے ادب سے سر جھکاتے ہوئے کہا "عالیجاہ! یہ وہی ہیں اور حضور کے غلام نے انہیں انتظار کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن وہ اِسی وقت حضور کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہونے پر مصر تھے ——— وہ کوئی اہم خبر لے کر آئے ہیں"

ایک قوی ہیکل آدمی جس کی چال میں غایت درجہ کی خود اعتمادی تھی کمرے میں داخل ہؤا۔ وہ جھک جھک کر سلام کرتا ہؤا آگے بڑھا اور مسند کے قریب پہنچ کر سربسجود ہو گیا۔

چند ثانیے کمرے کے اندر خاموشی طاری رہی، بالآخر پرویز نے کہا "تم رومیوں کی قید میں تھے؟"

"جی، عالیجاہ"۔ اس نے اُٹھ کر ادب سے سر جھکاتے ہوئے جواب دیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے انطاکیہ پہنچ کر اپنا لباس تبدیل کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی"۔

"عالیجاہ! یہ غلام کسی تاخیر کے بغیر قدم بوسی کو حاضر ہونا چاہتا تھا"۔

"تم مہمان خانے میں آرام کرو! مابدولت فرصت کے وقت تمہاری سرگزشت سنیں گے"۔

سین کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا، اُس نے اپنے بچپن کے ساتھی اور دوست کی طرف دیکھا اور کہا "عالیجاہ میں ایک نہایت اہم خبر لے کر آیا ہوں"۔

پرویز نے سوال کیا "کیا دمشق فتح ہو چکا ہے؟"

"عالیجاہ! میں قسطنطنیہ کے قید خانے سے چھوٹ کر سیدھا یہاں پہنچا ہوں۔ اس لئے مجھے دمشق کے حالات کا علم نہیں ہو سکتا"۔

"تو پھر ہمارے لئے تمہاری کوئی اہم خبر نہیں ہو سکتی۔ بہر حال ہم خوش ہیں کہ تم واپس آگئے ہو۔ ہمیں تمہارا وہاں جانا پسند نہ تھا لیکن تم ایران کی تلواروں کی بہ نسبت اپنی زبان کو زیادہ موثر سمجھتے تھے۔ اب تمہیں یہ اطمینان ہو گیا ہو گا کہ رومی صرف تلوار کی زبان سمجھتے ہیں"۔

سین نے کہا "عالیجاہ! میں ایک خوشخبری لے کر آیا ہوں"۔

"قسطنطنیہ سے ہم صرف ایک خبر سن کر خوش ہو سکتے ہیں اور وہ یہ کہ رومیوں نے ہماری فوج کے لئے شہر کے دروازے کھول دیئے ہیں"۔

"عالیجاہ قسطنطنیہ میں انقلاب آچکا ہے۔ فوکاس باغیوں کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے اور رومیوں نے افریقی ممالک کے گورنر کے بیٹے ہرقل کو تخت پر بٹھا دیا ہے۔ فوکاس کے جو ساتھی شہنشاہ موریس کے قتل کے ذمہ دار تھے گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ ہرقل نے حکومت پر قبضہ کرتے ہی میری رہائی کا حکم صادر کر دیا تھا لیکن انقلاب سے قبل مجھے قسطنطنیہ کے قید خانے سے جزیرۂ قبرص میں منتقل کر دیا گیا تھا اور ہرقل کی یہ خواہش تھی کہ میں انطاکیہ کا رُخ کرنے سے پہلے اُس سے ملاقات کروں۔ چنانچہ مجھے دوبارہ قسطنطنیہ جانا پڑا۔ اب حضور کا یہ ناچیز غلام ہرقل کی

طرف سے امن اور دوستی کا پیغام لے کر حضور کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا ہے"۔

پرویز نے اطمینان سے جواب دیا "قسطنطنیہ کے انقلاب کی خبر اب بہت پرانی ہو چکی ہے۔ ہمیں صرف اس بات کا افسوس ہے کہ جنگ میں تاخیر کے باعث ہم قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کا بہترین موقع کھو چکے ہیں۔ اب حملہ کرنے کے لئے ہمیں زیادہ تیاری کی ضرورت ہے"۔

سین نے کہا "لیکن ہمارا دشمن مارا جا چکا ہے اور روم کا نیا حکمران، لڑائی کے بغیر، ہمارے جائز مطالبات ماننے کو تیار ہے"۔

پرویز نے کہا "اگر یہ بات ہے تو ہمارا پہلا مطالبہ یہ ہے کہ ہمارے لشکر کے لئے قسطنطنیہ کے دروازے کھول دیئے جائیں"۔

سین نے کہا "عالیجاہ! قسطنطنیہ روم کا دار السلطنت ہے اور اُس کی حفاظت کے لئے لاکھوں انسان جان کی بازی لگا دیں گے"۔

پرویز نے تلخ ہو کر کہا "تم ہم سے یہ کہنے آئے ہو کہ ہم قسطنطنیہ فتح نہیں کر سکیں گے"۔

"نہیں عالیجاہ! میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جن حالات نے حضور کو روم سے جنگ کرنے پر مجبور کیا تھا، وہ بدل چکے ہیں اور ہرقل، فوکاس کی غلطیوں کی تلافی کرنے پر آمادہ ہے"۔

پرویز نے کہا "سین! ہمارے ایک بہادر اور وفادار سپاہی کو یہ بار بار ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے کہ اُس کی بیوی نے اُسے رومیوں کا طرفدار بنا دیا ہے۔ تم ہمارے ایلچی کی حیثیت سے قسطنطنیہ گئے تھے اور انہوں نے تمہیں قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ لیکن اب تم اُس فوج کو راستہ دکھاؤ گے جو تمہارے لئے قیصر کے محل کا دروازہ کھول سکتی ہے۔ ہم تمہیں قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی کرنے والی فوج کے ہراول کی کمان سونپنا چاہتے ہیں لیکن تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم تھکے ہوئے ہو۔ اس لئے ہم تمہیں آرام کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اس کے بعد تمہیں ضروری ہدایات مل جائیں گی۔ مہمان خانے کا داروغہ اس بات کا خیال رکھے گا کہ یہاں تمہارے قیام کے لمحات تمہاری توقع سے زیادہ خوشگوار رہیں۔ اور اگر وہ تمہاری تفریح کے سامان مہیا نہ کر سکے تو تم شہر کے کسی مکان کا دروازہ اپنے لئے بند نہیں پاؤ گے"۔

سین نے کہا۔ "عالیجاہ! مجھے اپنی تھکاوٹ کا احساس نہیں، ایک غلام کے لئے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل سب سے بڑا آرام ہے لیکن میری بیوی اور بیٹی دمشق میں ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ وہ کس حال میں ہیں۔ اگر اجازت ہو تو میں محاذِ جنگ کا رُخ کرنے سے پہلے اُن کا حال معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

پرویز نے قدرے نرم ہو کر کہا۔ "یہ بات ہمیں معلوم نہ تھی، ہمارا خیال تھا کہ تم انہیں ساتھ لے گئے تھے اب تم دمشق پہنچ کر ہمارا انتظار کرو۔ ہم بہت جلد وہاں پہنچ جائیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ دمشق تمہارے وہاں پہنچنے سے پہلے فتح ہو چکا ہو گا اور ہم تمہیں ایشیائے کوچک کے محاذ پر بھیجنے کی بجائے کوئی اور اہم ذمہ داری سونپ سکیں گے۔"

سین نے احسان مندی سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "عالیجاہ! آپ اس غلام کو اعتماد کے قابل پائیں گے۔"

پرویز نے کہا۔ "اگر کسی وجہ سے دمشق کا محاصرہ طویل ہو جائے تو تمہیں سپہ سالار کی مدد کرنی چاہیئے۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ ہم آئندہ تمہارے مُنہ سے نصرانیوں کی حمایت میں ایک لفظ سننا بھی پسند نہیں کریں گے۔" شہنشاہ ایران یہ کہہ کر اٹھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا عقب کے کمرے میں چلا گیا۔ حاضرین چند ثانیے خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور پھر آگے بڑھ بڑھ کر سین کو مبارکباد دینے لگے۔

ایک مجوسی پیشوا نے اُس کے کان میں کہا۔ "آپ بہت خوش قسمت ہیں اگر آپ کی جگہ کوئی اور اِس طرح کی باتیں کرتا تو شاید اُس کی کھال اُتار دی جاتی۔"

سین نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خوش ہونے کی بجائے یہ محسوس کر رہا تھا کہ اُسے مبارکباد دینے والے اُس کا مذاق اُڑا رہے ہیں۔

ایک ساعت بعد سین بیس سواروں کے ہمراہ دمشق کا رُخ کر رہا تھا۔ وہ اُن لوگوں میں سے تھا جو بدترین حالات میں بھی مسکرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن آج اُس کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ اپنی بیوی اور اکلوتی بیٹی سے زیادہ اُسے پرویز کے طرزِ عمل کے متعلق پریشانی تھی۔ انطاکیہ میں داخل ہونے سے قبل وہ یہ سوچتا تھا کہ شہنشاہ اُسے دیکھتے ہی خوشی سے اچھل پڑے گا۔ اور نئے قیصر کی طرف سے صلح کے پیغام کو آرمینیا اور شام کی فتوحات سے زیادہ اہمیت دی جائے گی —— پرویز اُس کے لئے صرف ایک شہنشاہ نہ تھا بلکہ بچپن کا ساتھی اور جوانی کا دوست بھی تھا۔ جب محل کے محافظوں نے اُس کا راستہ روک کر اُسے یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ جہاں پناہ آج آپ سے ملاقات نہیں کر سکیں گے تو اُس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ اگر داروغہ بروقت مداخلت نہ کرتا تو وہ محافظ دستے کے ایک گستاخ افسر کے مُنہ پر تھپڑ مارنے سے بھی دریغ نہ کرتا۔ پھر جب شاہی نقیب ملاقات کرنے والوں کے نام پکار رہا تھا تو اُس کا غم و غصہ جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ وہ معمولی افسر جو مختلف محاذوں سے پیغامات لائے تھے باری باری دربار میں حاضری دے کر باہر نکل رہے تھے اور وہ بے بسی کی حالت میں باہر ٹہل رہا تھا کبھی وہ یہ سوچتا تھا کہ شاید داروغہ نے شہنشاہ کو اُس کی آمد کی اطلاع نہ دی ہو۔ کبھی اُسے یہ خیال پریشان کرنے لگتا کہ شاید دربار میں اُس کے رقیبوں اور حاسدوں کا پلّہ بھاری ہو چکا ہے۔ پھر جب سب سے آخر میں نقیب نے اُسے آواز دی تو اُس کے سارے گلے جاتے رہے۔ لیکن اِس ملاقات کے بعد اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دنیا بدل چکی ہے انطاکیہ کا فاتح اُس شخص سے مختلف تھا، جسے وہ بچپن سے جانتا تھا اور جس کے لئے اُس نے بارہا اپنی جان کی بازی لگائی تھی۔ شہنشاہ کی سرد مہری سے زیادہ اُسے اِس بات کی شکایت تھی کہ دربار میں بعض ایسے لوگوں نے بھی اُس کی بے بسی کا تماشا دیکھا تھا، جنھیں اُس کے ساتھ آنکھ ملا کر بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

انطاکیہ سے روانہ ہونے کے بعد سین خاصی دیر تک اپنے دل پر ایک ناقابلِ برداشت بوجھ محسوس کرتا رہا لیکن اچانک اُس کے دل میں ایک اور خیال آیا اور اُسے مستقبل کے افق پر اُمید کی ایک نئی روشنی دکھائی دینے لگی۔ وہ سوچ رہا تھا —— "کیا شہنشاہ نے مجھے قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی کرنے والی فوج کے ہراول کی کمان پیش نہیں کی۔ کیا میرے رقیب اور حاسد اب کسی سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں اپنے آقا کی نگاہوں سے گر چکا ہوں۔ شہنشاہ کو یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ میں رومیوں کی طرف داری کر رہا ہوں اور اب شاید مجھے لڑائی سے خوف آتا ہے لیکن کیا اب یہ ثابت کر دکھانا میرے اختیار میں نہیں کہ ایران کا کوئی سپوت تلوار کے کھیل مجھ سے بہتر نہیں جانتا میں ایک سپاہی ہوں اور ایک سپاہی کا مقام مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔"

اب اُس کے ذہن میں قسطنطنیہ کی جنگ کے مختلف نقشے تیار ہو رہے تھے لیکن پھر اُسے اپنی بیوی اور بیٹی کا خیال آیا اور اُسے ایک تلخی سی محسوس ہونے لگی —— وہ اپنے دل سے پوچھ رہا تھا۔ کیا ایران اور روم کی جنگ ضروری ہے۔ کیا فوکاس کی موت کے بعد پُرانے حالات بدل نہیں گئے۔ کیا رومیوں کے خلاف تلوار اٹھاتے وقت مجھے یہ خیال پریشان نہیں کرے گا کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ بدعہدی کر رہا ہوں۔ جب میں اُسے یہ بتاؤں گا

کہ مجھے قسطنطنیہ پر چڑھائی کرنے والی فوج کی رہنمائی سونپی گئی ہے تو وہ کیا خیال کرے گی ــــ میں نے ہمیشہ اُسے یہ اُمید دلائی تھی کہ اب روم اور ایران کی دشمنی ختم ہو چکی ہے۔ یہاں تک کہ فوکاس کے ہاتھوں موریس کے قتل کی خبر سننے کے بعد میں نے اُسے یہی تسلی دی تھی کہ میں روم اور ایران کے تعلقات خراب نہیں ہونے دوں گا لیکن اب میں کیا کر سکتا ہوں ؟"

سین کے پاس اِس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ پرویز سے ملاقات کے بعد اُسے یہ یقین ہو چکا تھا کہ جنگ کو روکنا اب اُس کے بس کی بات نہیں رہی ــــ اور اپنے متعلق اُس کا آخری فیصلہ یہی تھا کہ میں صرف ایک سپاہی ہوں۔



باقی راستے، کسی پریشانی کا سامنا کئے بغیر عاصم اور اُس کے ساتھیوں نے ایک رات دمشق سے دس کوس کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی میں قیام کیا۔ راستے کی دوسری بستیوں کی طرح اِس بستی میں بھی صرف نادار کسان اور چرواہے رہ گئے تھے۔ خوش حال لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر فرار ہو چکے تھے۔ ایک بوڑھے کسان نے اپنے جھونپڑے سے باہر نکل کر ان مسافروں کا خیر مقدم کیا اور جب عاصم نے اُس سے سرائے کے متعلق پوچھا تو اُس نے کہا "جناب! یہاں کوئی سرائے نہیں لیکن گاؤں کے سب سے بڑے رئیس کا مکان خالی پڑا ہے۔ ایک بوڑھے نوکر کے سوا وہاں کوئی نہیں۔ اگر آپ اس مکان میں ٹھہرنا پسند کریں تو اُسے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

عاصم نے کہا "ہم دمشق پہنچنا چاہتے تھے لیکن ہمارے گھوڑے تھک چکے ہیں اور ان خواتین کو بھی آرام کی ضرورت ہے ــــ آج رات ہم تمہارے مہمان ہیں اور یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے کہ ہمیں کہاں ٹھہرنا چاہیئے۔"

کسان نے جواب دیا "جناب! اگر آپ کے آرام کا خیال نہ ہوتا تو میں آپ کو اپنے جھونپڑے میں ٹھہرانے پر اصرار کرتا۔ لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آپ کے لئے بستی کے رئیس کا مکان زیادہ موزوں ہوگا۔ مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ دمشق کیوں جا رہے ہیں ؟ آپ وہاں کے حالات سے بے خبر نہیں ہو سکتے۔"

عاصم نے جواب دیا "ہم وہاں کے حالات سے بے خبر نہیں ہیں لیکن ہمارے لئے وہاں پہنچنا ضروری ہے۔

اِس وقت ہمارا سب سے بڑا مسئلہ رات گزارنے کے لئے کوئی جائے پناہ تلاش کرنا ہے۔"

"آیئے، میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں" کسان نے یہ کہہ کر عاصم کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک کشادہ حویلی کے دروازے کے سامنے گھوڑوں سے اُترے۔ کسان نے مکان کے محافظ کو آوازیں دیں۔ ایک بوڑھا آدمی دروازہ کھول کر باہر نکلا اور بدحواس ہو کر عاصم اور اُس کے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

کسان نے کہا "یہ بستی میں سرائے تلاش کر رہے تھے اور میں انہیں یہاں لے آیا ہوں۔"

نوکر نے عاصم کی طرف دیکھا اور کہا "میرا مالک یہاں نہیں ہے لیکن اگر آپ یہاں ٹھہرنا پسند کریں تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔ یہ سارا مکان خالی پڑا ہے۔ آیئے!"

عاصم نے کہا "تمہیں ہمارے گھوڑوں کے لئے چارے کا بندوبست کرنا پڑے گا یہ بہت بھوکے ہیں۔"

نوکر نے کہا "جناب! آپ فکر نہ کریں۔"

وہ چار دیواری کے اندر داخل ہوئے اور نوکر نے کسان سے کہا "تم ان کے گھوڑے اصطبل میں لے جاؤ۔ میں ان کے لئے کھانا تیار کرتا ہوں۔"

عاصم نے کہا "ہمارے کھانے کے لئے تمہیں کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔ ان حالات میں ہمارے لئے سوکھی روٹی بھی ایک نعمت ہوگی۔"

نوکر نے جواب دیا "جناب! میرے آقا نے یہاں سے روانہ ہوتے وقت یہ حکم دیا تھا کہ ہماری بھیڑیں ایرانیوں کے کام نہیں آنی چاہییں، اس لئے میں ہر روز ایک بھیڑ کاٹ کر پڑوسیوں کو تقسیم کیا کرتا ہوں۔ آج میں نے جو برہ ذبح کیا تھا اُس کا خاصا گوشت گھر میں پڑا ہوا ہے۔"

عاصم نے کہا "لیکن تمہیں سب سے پہلے ہمارے گھوڑوں کے لئے چارے کا بندوبست کرنا چاہیئے وہ بہت بھوکے ہیں۔"

نوکر نے کہا "جناب! اگر آپ پچاس گھوڑے لے کر آتے تو بھی ہمارے گھاس کے ذخیرے میں کمی نہ آتی۔"

عاصم نے یوسیبیا اور فسطینہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا "آپ اندر تشریف لے جایئے میں گھوڑے بندھوا کر آتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد یوسیبیا اور فسطینہ ایک کشادہ کمرے میں بیٹھی سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ عاصم خورجین اٹھائے اندر داخل ہوا اور اُس نے ایک کرسی پر بیٹھ کر اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا "مجھے اُمید نہ تھی کہ اِس بستی میں ہمیں اتنی آرام دہ جگہ مل جائے گی۔ یہ نوکر کوئی نیک آدمی معلوم ہوتا ہے۔"

یوسیبیا نے کہا "آپ کو یقین ہے کہ یہاں ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔"

عاصم نے اطمینان سے جواب دیا "مجھے یقین ہے کہ اب اگر آپ یہ اعلان کر دیں کہ آپ ایرانی ہیں تو بھی آپ کو کوئی خطرہ نہیں، اس بستی میں صرف وہ نادار لوگ رہ گئے ہیں جو اپنے لئے رومیوں یا ایرانیوں کی غلامی میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے۔ وہ آدمی جو ہمیں یہاں لے کر آیا تھا، یہ کہہ رہا تھا کہ ہم بھیڑوں کا گلہ ہیں، اور بھیڑوں کے لئے اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اُن کی اون اور ان کا گوشت رومیوں کے کام آتا ہے یا ایرانیوں کے۔"

یوسیبیا نے کہا "اب اس بات کا تو ڈر نہیں رہا کہ کوئی ہمارا پیچھا کر رہا ہے لیکن مجھے معلوم نہیں کہ دمشق پہنچ کر ہم کن حالات کا سامنا کریں گے۔"

عاصم نے جواب دیا "دمشق میں ایرانی لشکر کا کوئی عہدہ دار آپ کے شوہر کے نام سے ناواقف نہ ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں آپ کے والد کی حیثیت عام رومیوں سے مختلف ہوگی۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ نئے قیصر نے آپ کے شوہر کو رہا کر دیا ہو اور وہ دمشق پہنچ چکے ہوں۔"

فسطینہ بولی "اگر میرے ابا جان قید سے رہا ہو چکے ہوتے تو وہ دمشق میں ہمارا انتظار کرنے کی بجائے فوج لے کر یروشلم پہنچنے کی کوشش کرتے۔"

یوسیبیا نے غور سے عاصم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "بیٹا! تمہارے والدین زندہ ہیں؟"

"نہیں" اُس نے جواب دیا۔

وہ قدرے توقف کے بعد بولی "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں تمہیں ایک مدت سے جانتی ہوں اور تمہیں بیٹا کہتے ہوئے مجھے ایک طرح کی خوشی اور تسکین محسوس ہوتی ہے۔ لیکن ابھی تک مجھے یہ پوچھنے کا موقع نہیں ملا کہ تم کن حالات میں اپنے گھر سے نکلے ہو۔ تمہاری صورت ان انسانوں سے مختلف ہے جو کسی کے ساتھ بُرائی یا زیادتی کر سکتے ہیں ــــ میں تمہیں بیٹا کہہ چکی ہوں اور ایک ماں کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے

بچوں کے دُکھ درد میں شریک ہو، بُرا نہ مانو تو میں تمہاری سرگزشت سننا چاہتی ہوں۔ اگر میں تمہاری کوئی مدد نہ کر سکی تو کم از کم تمہیں تسلی ضرور دے سکوں گی۔

عاصم نے جواب دیا "میں آپ کا شکر گزار ہوں لیکن میری سرگزشت سن کر آپ کو ایک ذہنی کوفت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ممکن ہے آپ بھی مجھے ایک دیوانہ سمجھنے لگیں۔"

"نہیں، بیٹا! تم سناؤ۔"

یوسیبیا کے اصرار پر عاصم نے ماضی کے وہ واقعات بیان کر دیئے، جن کے باعث اُس کے لئے یثرب کی زمین تنگ ہو چکی تھی۔

فسطینہ کی موجودگی کا احساس کرتے ہوئے اُس نے سمیرا سے اپنی محبت کی داستان کی تفصیلات میں جانے کی کوشش نہ کی لیکن اپنی گفتگو کے دوران میں جب کبھی وہ فسطینہ کی طرف دیکھتا تو اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ اُس کی ذہین نگاہیں، اُس کے احساس کی گہرائیوں میں جھانک رہی ہیں۔

جب وہ عدی کے گھر کا آخری منظر بیان کرنے کے بعد خاموش ہو گیا تو فسطینہ کی آنکھوں سے آنسو چھلک رہے تھے اور وہ اپنی ماں سے یہ کہہ رہی تھی "امی! مجھے اب بھی سمیرا کی موت کا یقین نہیں آتا۔ میں سوچ رہی تھی کہ جب یہ اپنے وطن سے روانہ ہوئے ہونگے تو وہ ان کے ساتھ ہوگی۔ اور پھر اُس کی علالت یا کسی اور مجبوری کے باعث یہ اُسے راستے کی کسی بستی یا شہر میں چھوڑ آئے ہوں گے۔ مجھے یہ بات بھی بعید از قیاس معلوم نہیں ہوتی تھی کہ ان کے دشمنوں نے پیچھا کیا ہوگا اور وہ سمیرا کو چھین کر واپس لے گئے ہوں گے۔ امی! اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو میں ہر روز یہ دعا کیا کرتی کہ وہ انہیں مل جائے۔ میں اپنے ابا جان سے التجا کرتی کہ وہ ان کی مدد کریں۔ میں کسریٰ کے پاس جا کر یہ فریاد کرتی کہ میں سین کی بیٹی ہوں اور یہ ہمارے محسن ہیں، اس لئے ان کی اعانت آپ پر فرض ہے۔ امی جان اُسے مرنا نہیں چاہیے تھا۔ کاش یہ تھوڑی دیر پہلے اُن کے گھر پہنچ جاتے۔" فسطینہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور اُس کی آواز سسکیوں میں تبدیل ہو چکی تھی۔

یوسیبیا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "بیٹی! موت کے سامنے کسی کا زور نہیں چلتا۔ اب تم ان کے لئے یہ دعا کیا کرو کہ خدا انہیں صبر اور ہمت دے۔"

تھوڑی دیر بعد نوکر کھانا لے کر آگیا اور وہ دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ عاصم کھانے سے فارغ ہوتے ہی دوسرے کمرے میں چلا گیا اور یوسیبیا اور فسطینہ اُسی کمرے میں سو گئیں۔

پچھلے پہر یوسیبیا نے فسطینہ کو جھنجوڑ کر گہری نیند سے بیدار کیا اور کہا "بیٹی! اب صبح ہو رہی ہے، سفر کی تیاری کرو۔" فسطینہ نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ "امی جان! ابھی بہت رات باقی ہے، انہوں نے کہا تھا کہ پچھلے پہر گھوڑے تیار کر کے ہمیں جگا دیں گے۔"

"بیٹی! میں نے ساتھ کے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آہٹ سنی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ اصطبل کی طرف گیا تھا۔"

"اچھا! اُٹھتی ہوں۔" فسطینہ نے انگڑائی لے کر کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

ماں نے پوچھا۔ "بیٹی! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں، امی جان! میں بالکل ٹھیک ہوں لیکن ابھی میرا اُٹھنے کو جی نہیں چاہتا۔"

صحن میں پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور پھر کسی نے آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے کہا۔ "فسطینہ!"

یہ عاصم کی آواز تھی۔ فسطینہ نے جلدی سے اُٹھ کر دروازہ کھولا تو وہ ایک رومی کی بجائے ایک عرب کے لباس میں اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ اُس نے کہا۔ "اس سے آگے میں رومی لباس میں سفر کرنا خطرناک سمجھتا ہوں۔ وہ نوکر مجھے دیکھ کر ڈر گیا تھا۔ اُس نے یہ خیال کیا تھا کہ رومی فوج کا کوئی عرب دستہ یہاں پہنچ گیا ہے۔ میں نے بڑی مشکل سے اُسے تسلی دی ہے۔ گھوڑے تیار ہیں۔ آپ جلدی سے تیار ہو کر اصطبل میں آ جائیں میں وہاں آپ کا انتظار کرتا ہوں۔"



چند میل اور سفر کرنے کے بعد انہیں دمشق کے حسین مناظر دکھائی دے رہے تھے۔ فسطینہ اب اُس لڑکی سے مختلف نظر آتی تھی جسے عاصم نے انتہائی بے بسی کی حالت میں دیکھا تھا۔ آلام و مصائب کے بادل چھٹ چکے تھے اور اُس کا سنجیدہ اور معصوم چہرہ، ایک کھلتے ہوئے پھول کی طرح شگفتہ تھا۔ لیکن یوسیبیا اب بھی مغموم اور پریشان دکھائی دیتی تھی۔ اب اُسے پیچھا کرنے والوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہ تھا لیکن دمشق کے متعلق طرح طرح کے

خیالات اُسے پریشان کر رہے تھے اور وہ گردن جھکائے گھوڑے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

فسطینہ نے اپنا گھوڑا اُس کے قریب کرتے ہوئے کہا۔ "امی جان! اب تو آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ ہم تھوڑی دیر میں گھر پہنچ جائیں گے اور وہاں ایرانی لشکر کی موجودگی میں ہمیں کوئی خطرہ نہ ہوگا۔"

یوسیبیا نے جواب دیا "بیٹی! میں تمہارے نانا کے متعلق سوچ رہی ہوں۔ خدا معلوم، وہ کس حال میں ہوں گے۔ فاتح لشکر جب کسی شہر میں داخل ہوتا ہے تو کسی پر رحم نہیں کرتا۔"

فسطینہ نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "امی جان! مجھے یقین ہے کہ ایران کے سپاہی ہمارے گھر کی حفاظت کر رہے ہوں گے وہ میرے باپ سے ناواقف نہیں ہو سکتے۔"

"بیٹی! مجھے ڈر ہے کہ ان حالات میں تمہارے نانا کسی کو یہ بتانا بھی گوارا نہیں کریں گے کہ میں سین کا خسر ہوں اگر ایرانیوں نے دمشق کے باشندوں پر مظالم کئے تو انہیں اپنی جان بچانے کی فکر نہیں ہوگی۔ اور میں تمہارے باپ کے متعلق بھی پریشان ہوں۔ قسطنطینیہ کے لوگ شام میں ایرانیوں کے مظالم کی داستانیں سننے کے بعد انہیں کسی نیک سلوک کا مستحق نہیں سمجھیں گے۔ اگر انہوں نے اُن پر کوئی اور سختی نہ کی تو بھی جنگ کے دوران میں اُن کا قید سے رہا ہونا ممکن نہیں۔"

فسطینہ کے چہرے پر اداسی کے بادل چھا گئے۔ کچھ دیر وہ خاموشی سے سر جھکائے اپنی ماں کے ساتھ چلتی رہی اور پھر گھوڑے کو ایڑ لگا کر عاصم سے جا ملی۔

عاصم نے پوچھا۔ "کیا بات ہے فسطینہ!"

فسطینہ قدرے توقف کے بعد بولی۔ "امی جان میرے نانا کے متعلق بہت پریشان ہیں۔ اور میں بھی یہ سوچ رہی ہوں کہ جب فاتح لشکر کے سپاہی کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو وہ جوان اور بوڑھے میں تمیز نہیں کیا کرتے۔"

عاصم نے کہا۔ "تمہیں اس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارے باپ کا نام تمہارے نانا کے لئے ایک ڈھال کا کام دے سکے گا۔"

"آپ میرے نانا کو نہیں جانتے وہ اپنی جان کے خوف سے روم کے دشمنوں کی پناہ لینا گوارا نہیں کریں گے اور میرے ابا وہاں یہ کہنے کے لئے موجود نہ ہوں گے کہ میں ایران کے شہنشاہ کا دوست ہوں اور یہ بوڑھا شخص میرا خسر ہے۔"

فسطینہ کے چہرے سے ایک الہڑ لڑکی کی شوخیاں رخصت ہو چکی تھیں اور وہ ایک بار پھر اپنی عمر سے بڑی دکھائی دے رہی تھی۔

عاصم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا "فسطینہ! ہمارا سفر ختم ہونے والا ہے۔ اس وقت میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ جب تم اپنے گھر کے اندر پاؤں رکھو تو میں دروازے کے باہر کھڑے ہو کر تمہارے قہقہے سنوں اور پھر تمہارے یہ معصوم قہقہے ہمیشہ کے لئے میرے کانوں میں گونجتے رہیں۔ دمشق سے کوسوں دور رہ کر بھی میرے لئے یہ تسکین بہت بڑا انعام ہو گی کہ تم اپنے گھر میں خوش ہو۔ کاش! تمہارے ابا جان بھی وہاں پہنچ چکے ہوں اور مجھے دمشق کو الوداع کہتے ہوئے یہ اطمینان ہو کہ تمہاری تمام مصیبتیں ختم ہو چکی ہیں۔"

فسطینہ نے کہا "اگر میرے ابا جان وہاں موجود ہوئے تو مجھے یقین ہے کہ آپ کو دمشق سے کوسوں دور بھاگنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ آپ انہیں احسان فراموش نہ پائیں گے۔"

عاصم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا "فسطینہ! جب تم بڑی ہو جاؤ گی تو تمہارے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ ہو گا کہ دمشق میں میرے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔"

فسطینہ نے کہا "ہمارا گھر مدائن میں ہے اور میں ابا جان سے کہوں گی کہ وہ آپ کو فوج میں کوئی بڑا عہدہ دے کر وہاں بھیج دیں۔"

"نہیں! میرے لئے دمشق اور مدائن میں کوئی فرق نہ ہو گا۔"

"تو آپ کہاں جائیں گے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ جب میں اپنے ملک سے نکلا تھا تو میرا یہ خیال تھا کہ مجھے فارس یا شام کے کسی اور تاجر کے ہاں نوکری مل جائے گی۔ میں کسی کی بھیڑیں چرانے کے لئے بھی تیار تھا۔ لیکن اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ زندگی کی تلخیاں یہاں بھی میرا پیچھا کر رہی ہیں۔ میں کوئی ایسی جگہ تلاش کروں گا، جہاں ایک انسان دوسرے انسان کے خون کا پیاسا نہ ہو۔"

فسطینہ نے مسکرا کر کہا "اگر آپ بھیڑیں چرا کر خوش رہ سکتے ہیں تو میں ابا جان سے کہوں گی کہ وہ شام کی تمام بھیڑ بکریاں اکٹھی کر کے آپ کے حوالے کر دیں۔ وہ آپ کو کوئی بہترین چراگاہ بھی دلوا سکیں گے۔ لیکن فرض کیجئے اگر وہ بھی

...ید سے رہا ہو کر وہاں نہ پہنچے ہوں اور خدانخواستہ میرے نانا پر کوئی مصیبت آگئی ہو اور جب ہم گھر میں پاؤں ...ں تو آپ کو قہقہوں کی بجائے ہماری چیخیں سنائی دیں تو آپ ہمیں اپنے حال پر چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟"

عاصم نے جواب دیا "تمہیں معلوم ہے کہ میں ایسے حالات میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑ سکوں گا۔"

فسطینہ نے آبدیدہ ہو کر کہا "آپ بہت رحم دل ہیں۔ لیکن وہاں آپ ہماری کوئی مدد نہ کر سکیں گے اور ...ں کبھی یہ گوارا نہ کروں گی کہ آپ ہمارے لئے کوئی اور خطرہ مول لیں ـــــ جب آپ اُس پہاڑی پر تنہا رہ گئے ...ے اور پانچ آدمی آپ پر حملہ کرنے والے تھے تو میں اپنے آپ کو ملامت کر رہی تھی اور جب تک آپ واپس نہ ...ئے تھے، میں ہر سانس میں آپ کی سلامتی کی دعائیں کر رہی تھی۔ اب اگر دمشق کے حالات سازگار نہ ہوئے تو میں آپ سے درخواست کروں گی کہ آپ اپنی جان بچانے کی فکر کریں ـــــ لیکن میں یہ کبھی نہ سمجھ سکوں گی کہ ایک عرب جس سے ہمارا کوئی رشتہ نہ تھا، ہم پر اتنا مہربان کیوں تھا۔"

عاصم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "میں چند دن پہلے اپنے عرب ہونے پر فخر کر سکتا تھا لیکن اب میرا کوئی وطن نہیں۔"

فسطینہ کچھ دیر عاصم کے ساتھ چلتی رہی۔ پھر اُس نے مڑ کر چند قدم دور اپنی ماں کی طرف دیکھا اور ...گھوڑا روک کر اُس کا انتظار کرنے لگی۔

کچھ دیر بعد یہ لوگ اپنے راستے کے دو رویہ سرسبز باغات میں سے گزرتے ہوئے دمشق کی ایک مضافاتی بستی میں داخل ہوئے جہاں جگہ جگہ انسانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ آس پاس کے درخت گدھوں سے پٹے پڑے تھے اور بعض لاشیں جنہیں انہوں نے قابل توجہ سمجھا تھا صرف ہڈیوں کے ڈھانچے دکھائی دیتی تھیں۔ ایک مکان کے دروازے کے باہر دو لاشوں پر چند کتے اور گدھ زور آزمائی کر رہے تھے۔ عاصم نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا "اب آپ کو ذرا ہمت سے کام لینا پڑے گا۔"

فسطینہ چلائی "خدا کے لئے! یہاں سے نکلنے کی کوشش کیجئے۔ یہاں تعفن سے میرا دم گھٹا جا رہا ہے۔"

عاصم نے اپنے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی ـــــ لیکن بستی کے دوسری طرف کے حالات بھی اس سے مختلف نہ تھے بلکہ یہاں سڑک کے آس پاس لاشوں کی تعداد زیادہ تھی اور ہر لاش ایک نئی داستان بیان کر رہی

تھی۔ وہ قدم قدم پر دلخراش مناظر دیکھتے ہوئے شہر کے مشرقی دروازے کے قریب پہنچے۔ باہر مسلح سپاہیوں کے دستے گشت کر رہے تھے۔ اور دروازے کے سامنے ایک درخت پر پانچ لاشیں لٹک رہی تھیں۔ سپاہیوں ایک گروہ نے کچھ فاصلے سے عاصم اور اُس کے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور شور مچاتے ہوئے بھاگ کر اُن کے گرد جمع ہو گئے۔

ایک آدمی نے جو اس دستے کا افسر معلوم ہوتا تھا۔ عاصم سے مخاطب ہو کر فارسی میں کہا "تم نے یہ قیمتی شکار کہاں سے حاصل کیا ہے؟"

عاصم نے سر ہلاتے ہوئے عربی زبان میں جواب دیا "میں تمہاری زبان نہیں سمجھتا۔"

ایرانی افسر نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "میں پہلی بار ایک عرب کی قید میں رومی عورتوں کو اس قدر مطمئن دیکھ رہا ہوں۔ لیکن کیا تمہارے خیال میں یہ دو عورتیں ایک آدمی کی ضرورت سے زیادہ نہیں۔"

اُس کے ساتھی بھوکے درندوں کی طرح فسطینہ اور یوسیبیا کی طرف دیکھنے لگے۔

یوسیبیا نے غصّے سے لال پیلی ہو کر کہا "بدتمیز! تم کیا بک رہے ہو۔ میں سین کی بیوی ہوں اور یہ میری بیٹی ہے۔"

ایرانی افسر یوسیبیا کے غصے سے زیادہ اُس کی فارسی زبان سے متاثر ہوا اور بدحواس ہو کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا پھر اُس نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "سین کون ہے؟"

یوسیبیا نے جواب دیا "تم یہ سوال ایران کے شہنشاہ سے کر سکتے ہو۔ اور اگر یہاں مدائن کا کوئی باشندہ ہے تو وہ سین سے ناواقف نہیں ہو سکتا۔"

ایک سپاہی نے افسر کے کان میں کچھ کہا اور اُس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔

اُس نے ملتجیانہ لہجے میں کہا "معزز خاتون! مجھ سے بھول ہوئی۔ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ اور آپ کے کسی ادنیٰ نوکر کے ساتھ بھی گستاخی نہیں کر سکتا ــــ اگر اِس عرب نے آپ کے ساتھ کوئی بدسلوکی کی ہے تو میں اِس کی کھال اتروا دوں گا۔"

یوسیبیا نے جواب دیا "اِس عرب نے ہماری جان اور عزت بچائی ہے۔"

ایرانی افسر نے کہا "معاف کیجئے! جس سین کو ہم جانتے ہیں وہ تو شاید قسطنطنیہ میں ہیں آپ کہاں سے آ رہی ہیں؟"

"ہمارے لئے تمہارے ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں۔ اب بہتر یہی ہے کہ تم ہمارا راستہ چھوڑ دو۔"

"معاف کیجئے! اب آپ کی حفاظت میری ذمہ داری ہے۔ آپ کہاں جانا چاہتی ہیں؟"

"ہمارا مکان دروازے کے قریب ہے۔"

"اگر اجازت ہو تو میں وہاں تک آپ کے ساتھ جاؤں گا۔"

یوسیبیا نے فاتحانہ انداز سے عاصم اور فسطینہ کی طرف دیکھا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ ایرانی افسر اور اُس ...د سپاہی اُن کے ساتھ بھاگ رہے تھے۔ کوئی پچاس قدم کے فاصلے پر دروازے سے گزرتے ہی انہیں چند ایسے ...ی دکھائی دیئے جن کے لباس ایرانیوں کی بجائے عربوں سے ملتے تھے۔ یہ لوگ تین چیختی چلاتی عورتوں کے بال پکڑ کر گھسیٹتے ...ایک مکان کے اندر لے گئے۔ اور فسطینہ اور اُس کی ماں کچھ دیر اپنے گھوڑے روک کر اُن کی جگر دوز چیخیں سُنتی ...بالآخر یوسیبیا نے ایرانی افسر سے مخاطب ہو کر پوچھا "یہ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟"

اُس نے جواب دیا "یہ حیرہ، نجد اور یمن کے قبائل سے تعلق رکھتے ہیں، اور ہمارے حلیف ہیں۔"

"تم اُن مظلوم عورتوں کی مدد نہیں کر سکتے؟"

ایرانی افسر نے جواب دیا "جناب! ہمارے سپہ سالار کی طرف سے انہیں پوری آزادی ہے۔ اپنے سردار کے ...سوا یہ کسی کا حکم نہیں مانتے اور انہیں کوئی بات سمجھانے کے لئے مجھے ان کے سردار کو تلاش کرنا پڑے گا لیکن آپ ...لئے یہاں رُکنا مناسب نہیں، چلئے!"

یوسیبیا نے کچھ کہے بغیر گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور عاصم اور فسطینہ اُس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ تھوڑی دور آگے جا کر ...یک ڈیوڑھی کے سامنے رکے اور گھوڑوں سے اتر پڑے۔ عاصم نے تینوں گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں اور فسطینہ اور ...کی ماں آگے بڑھ کر ڈیوڑھی کے بند دروازے پر دستک دینے لگیں۔ جب چند ثانیے کوئی جواب نہ آیا تو یوسیبیا اضطراب کی ...حالت میں نوکروں کو آوازیں دینے لگی۔

اچانک اندر سے زنجیر کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دی اور یوسیبیا اور فسطینہ بھاری کواڑوں کو دھکیل کر اندر داخل ...ئیں۔ دروازہ کھولنے والا اپنے لباس سے عرب معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے اپنی زبان میں کچھ سمجھانے کی کوشش کی ...ن وہ اُس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر پائیں باغ میں بھاگتی ہوئی آگے نکل گئی۔

پہریدار انہیں چند آوازیں دینے کے بعد دروازے کی طرف متوجہ ہؤا تو عاصم نے جلدی سے آگے بڑھ کر اپنے گھوڑے اندر ہانک دیئے۔

پہریدار چلایا "تم کون ہو۔ تم اندر نہیں جا سکتے۔"

عاصم نے جواب دیا "اگر یہ تھیوڈوسیس کا مکان ہے تو تم میرا راستہ نہیں روک سکتے۔"

"تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ آگے نہ جاؤ۔ یہ مکان ہمارے سردار کے قبضے میں ہے اور تمہارا شکار اب ایک شیر کی کچھار میں داخل ہو چکا ہے۔ اب تمہیں کسی اور گھر کا رُخ کرنا چاہیے۔"

پہریدار اپنی تلوار سونت کر عاصم کے راستے میں کھڑا ہو گیا۔

عاصم کی رگوں کا سارا خون سمٹ کر اُس کے چہرے میں آگیا۔ اُس نے جھپٹ کر ایک ہاتھ سے اپنے مدِمقابل کی کلائی پکڑ لی۔ اور دوسرے ہاتھ کی ایک ہی ضرب سے اُسے زمین پر لٹا دیا۔ پھر چشمِ زدن میں نیچے پڑی ہوئی تلوار اٹھائی اور باغ سے مکان کی طرف بھاگنے لگا۔

اتنی دیر میں ایرانی افسر اور اُس کے ساتھی جنہیں وہ پیچھے چھوڑ آئے تھے بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور پہریدار نے اُن کے تیور دیکھ کر اٹھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

عاصم کو باغ میں چند قدم بھاگنے کے بعد اچانک نسوانی چیخیں سنائی دیں اور جب وہ سیب کے درختوں سے نکل کر ایک عالیشان عمارت کے قریب پہنچا تو یوسیبیا دہائی مچاتی واپس آ رہی تھی اور تین آدمی قہقہے لگاتے اور گالیاں دیتے ہوئے اُس کا پیچھا کر رہے تھے۔

شراب کے نشے میں اُن کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ سب سے اگلے آدمی نے یوسیبیا کی گردن پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی اور وہ دونوں مُنہ کے بل گر پڑے۔ عاصم نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا "ٹھہرو! تم نہیں جانتے کہ تمہیں ایران کے شہنشاہ کے سامنے اس گستاخی کا جواب دینا پڑے گا۔ تم شہنشاہ کے ایک ایسے دوست کا عتاب مول لے رہے ہو جس کے اشارے پر تمہارے سرداروں کی گردنیں اڑا دی جائیں گی۔"

وہ انتہائی بدحواسی کے عالم میں عاصم کی طرف دیکھنے لگے اور بیشتر اِس کے کہ وہ کوئی اور اقدام کر سکتے ایرانی سپاہی جو عاصم کے پیچھے آ رہے تھے انہیں اپنے گھیرے میں لے چکے تھے۔

عاصم نے آگے بڑھ کر یوسیبیا کو اٹھنے کے لئے سہارا دیا۔ اور وہ ہوش میں آتے ہی چلانے لگی "خدا کے لئے! میری بیٹی کو بچاؤ۔ وہ مکان کے اندر ہے۔"

عاصم پوری قوت سے مکان کی طرف بھاگا ایک کمرے سے فسطینہ کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ اُس نے زور سے دھکا دے کر دروازہ کھولا اور ہوا کے ایک تند و تیز جھونکے کی طرح اندر داخل ہؤا۔ فسطینہ ایک دیو قامت آدمی کے بازوؤں کی گرفت سے آزاد ہونے کی جدوجہد کر رہی تھی —— وہ فسطینہ کو ایک طرف دھکیل کر عاصم کی طرف متوجہ ہؤا لیکن اُس کے ہاتھ خالی تھے اور ہتھیار کمرے کے دوسرے کونے میں پڑے تھے۔ عاصم اپنی تلوار پھینک کر ایک زخمی شیر کی طرح اُس پر جھپٹ پڑا۔ اُس نے مدافعت کے لئے ہاتھ اٹھائے لیکن نشے کی حالت میں اُس کی پیش نہ گئی۔ عاصم نے یکے بعد دیگرے اُس کے منہ اور گردن پر چند مکے رسید کئے وہ تیورا کر فرش پر گرا اور دوبارہ اٹھنے کی کوشش نہ کی۔ فسطینہ ایک بچے کی طرح سسکیاں لیتی اور روتی ہوئی عاصم سے لپٹ گئی۔ وہ کہہ رہی تھی "خدا کے لئے! آپ یہاں سے نکل جائیں۔ آپ بھاگ جائیں۔ آپ کو ہمارے ساتھ نہیں آنا چاہیئے تھا۔ ہمیں آپ کو بار بار خطرے میں ڈالنے کا کوئی حق نہیں۔ اگر ہمارے مقدر میں ذلت اور رسوائی ہے تو آپ ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔"

عاصم نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا "نہیں فسطینہ میں بھاگنے کے لئے یہاں تک نہیں آیا۔ میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اور تمہارے مقدر میں ذلت و رسوائی نہیں ہے۔"

یوسیبیا اور ایرانی افسر کمرے میں داخل ہوئے اور فسطینہ عاصم کو چھوڑ کر اپنی ماں سے لپٹ گئی۔ ایرانی افسر نے آگے بڑھ کر نیچے پڑے ہوئے آدمی کو اچھی طرح دیکھنے بھالنے کے بعد یوسیبیا کی طرف متوجہ ہو کر کہا "اگر آپ کا محافظ اس معزز آدمی کو قتل کر دیتا تو مسئلہ بہت خطرناک ہو جاتا۔"

یوسیبیا غصے سے کانپتے ہوئی بولی "تم اس وحشی کو ایک معزز آدمی سمجھتے ہو؟"

ایرانی افسر نے کہا "جناب! یہ حیرہ کے ایک معزز خاندان کا رئیس ہے اور لڑائی کے میدان میں بہت کم لوگ اُن کے ہم پلہ سمجھے جاتے ہیں، آج اگر یہ شراب سے مدہوش نہ ہوتا تو اِس کی یہ حالت نہ ہوتی۔"

یوسیبیا فسطینہ سے مخاطب ہوئی "وہ لڑکی کون تھی، وہ کہاں گئی؟"

فسطینہ نے جواب دیا "میں اُسے اچھی طرح نہیں پہچان سکی لیکن میرا خیال ہے کہ وہ یوحنا کی بہن تھی میں نے اُسے پچھلے کمرے کی طرف بھاگتے دیکھا تھا۔"

یوسیبیا نے آگے بڑھ کر عقبی کمرے کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے کہا "دروازہ کھولو۔ تمہیں اب کوئی خطرہ نہیں میں تمہاری حفاظت کا ذمہ لیتی ہوں۔ میں یوسیبیا ہوں۔"

ایک عورت دروازہ کھول کر باہر نکلی، اُس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے سے وحشت برس رہی تھی۔

"ہیلانہ!" یوسیبیا اور فسطینہ نے یک زبان ہو کر کہا۔ وہ چند ثانیے گردن جھکائے بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ پھر اُس نے اچانک آگے بڑھ کر فرش پر پڑی ہوئی تلوار اٹھائی اور گرے ہوئے آدمی پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن عاصم نے بھاگ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ چلائی "مجھے چھوڑ دو۔ خدا کے لئے! مجھے انتقام لینے دو۔ تم نہیں جانتے یہ کتنا ظالم ہے۔ اُس نے میرے شوہر کو قتل کیا ہے۔ اور میں کل سے ......" ستم رسیدہ عورت کی آواز سسکیوں میں گم ہو کر رہ گئی اور اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔

عاصم نے اُس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی۔

ایرانی افسر نے یوسیبیا سے سوال کیا "یہ آپ کی بہن ہے؟"

اُس نے جواب دیا "یہ ہمارے ایک پڑوسی کی بیوی ہے۔"

فسطینہ نے کہا "ہیلانہ! حوصلے سے کام لو۔ اور خدا کے لئے مجھے نانا جان کے متعلق بتاؤ۔"

"تمہارے نانا جان یہاں نہیں ہیں۔" ہیلانہ نے اپنی سسکیاں ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"وہ کہاں ہیں؟"

"انہیں زندہ جلا دیا گیا۔ دمشق والوں کو ایک بے گناہ آدمی کی جان لینے کی سزا ملی ہے۔ میرے خاوند نے انہیں بچانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بے بس تھا۔ اور کل اُس وحشی نے میری آنکھوں کے سامنے آپ کے بوڑھے نوکر کا گلا گھونٹ دیا۔"

یوسیبیا نے پوچھا "میرے باپ کو زندہ جلانے والے کون تھے؟"

"انہیں رومی سپاہی پکڑ کر لے گئے تھے۔ اور ہمارا بشپ اور شہر کے سینکڑوں آدمیوں کا جلوس اُس کے ساتھ

تھا۔ اُن پر ایرانیوں کے جاسوس ہونے کا الزام لگایا گیا تھا۔"

یوسیبیا نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا "تمہیں یقین ہے کہ میرے باپ کو زندہ جلا دیا گیا۔"

"ہاں! جب اُن کی چتا کو آگ لگائی گئی تھی تو میرا شوہر اور محلے کے کئی آدمی وہاں موجود تھے۔"

"اور محلے کے لوگوں نے اُن کی کوئی مدد نہ کی؟"

"ان کے سینکڑوں ہمدرد رہے تھے لیکن کلیسا کی عدالت کے فیصلے کے بعد کسی کو اُن کے خلاف دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔ اور شہر کے عوام کی اکثریت بھی اُن کے خلاف مشتعل ہو چکی تھی۔"

یوسیبیا اور فسطینہ تھیوڈوسیس کی موت کی تفصیلات پوچھ رہی تھیں اور ایرانی افسر سریانی زبان سے ناآشنا ہونے کے باعث پریشانی کی حالت میں کھڑا تھا۔ مکان کے باہر اُس کے سپاہی تین عربوں کو گھیرے میں لئے کھڑے تھے۔ ایک سپاہی کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے اپنے افسر سے کہا "جناب! اُن عربوں کے متعلق کیا حکم ہے۔ وہ ہمیں دھمکیاں دے رہے ہیں۔"

"انہیں پڑاؤ میں لے جاؤ، شراب کا نشہ اُترنے کے بعد اُن کا دماغ ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن پہلے اُن کے سردار کو یہاں سے نکالو اور کم از کم چار آدمیوں کو پہرا دینے کے لئے یہاں چھوڑ دو۔"

سپاہی نے مڑ کر اپنے ساتھیوں کو آواز دی اور تین آدمی بھاگتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ ایرانی افسر آگے بڑھ کر عرب سردار کو جھنجھوڑنے لگا اور اُس نے ہوش میں آکر آنکھیں کھول دیں۔ ایرانی افسر کے اشارے پر سپاہیوں نے اس کے بازو پکڑ کر اُسے اٹھایا اور دروازے کی طرف کھینچنے لگے۔ اُس نے بدحواسی کی حالت میں چند قدم اُٹھائے اور پھر اچانک اپنے آپ کو اُن کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن چار آدمیوں کے مقابلے میں اُس کی پیش نہ گئی اور وہ اُسے زبردستی کمرے سے باہر لے گئے۔

ایرانی افسر نے یوسیبیا سے مخاطب ہو کر کہا "یہ عرب سخت منتقم مزاج ہوتے ہیں لیکن یہ شخص دوبارہ آپ کو پریشان نہیں کرے گا۔ تاہم موجودہ حالات میں آپ کا گھر محفوظ نہیں۔ اس لئے جب تک آپ یہاں ہیں میرے سپاہی آپ کے دروازے پر پہرا دیں گے۔ میں سپہ سالار کو آپ کے متعلق اطلاع دینے جا رہا ہوں اور اگر انہوں نے اجازت دی تو میں بذاتِ خود آپ کی حفاظت کے لئے یہاں آجاؤں گا۔ اگر سپہ سالار نے آپ کو کسی اور محفوظ

جگہ ٹھہرانا ضروری خیال نہ کیا تو میں اس بات کا خیال رکھوں گا کہ یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ لیکن اگر اس نوجوان کو اپنی جان عزیز ہے تو اسے مکان سے باہر نہیں نکلنا چاہیئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ کسی لخمی یا تمیمی دستے کا آدمی ہوگا لیکن یہ تو کوئی اجنبی معلوم ہوتا ہے۔"

یوسیبیا نے جواب دیا "اگر یہ نوجوان یروشلم سے دمشق تک ہمارا ساتھ نہ دیتا تو ہم اس وقت بدؤوں کی قید میں ہوتے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر شہنشاہ ایران کی نظروں میں سین کی بیوی اور بیٹی کی کوئی قیمت ہے تو وہ اِس نوجوان کو عزت کے قابل سمجھیں گے۔ تم اپنے سپہ سالار سے کہو کہ جب تک مجھے اپنے خاوند کا حال معلوم نہیں ہوتا میں یہیں رہنا پسند کروں گی۔"

"بہت اچھا! میں فی الحال چار آدمی یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں لیکن تھوڑی دیر میں چند اور آدمی یہاں پہنچ جائیں گے۔" افسر یہ کہہ کر باہر نکل گیا اور یوسیبیا اور فسطینہ دونوں ہیلانہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔

باقی سارا دن خیریت سے گزر گیا۔ سہ پہر کے قریب دمشق فتح کرنے والے لشکر کا سپہ سالار بذاتِ خود اظہار ہمدردی کے لئے سین کی بیوی کے پاس آیا۔ اور پہریداروں کو، جو بیرونی دروازے کے قریب پائیں باغ میں ایک خیمہ نصب کر چکے تھے، ضروری ہدایات دینے کے بعد واپس چلا گیا۔

باب ۱۷

رات کے وقت عاصم سلوتی مکان کے ایک سرے پر مہمان خانے کے ایک کمرے میں لیٹا ہؤا تھا لیکن تھکاوٹ کے باوجود اس کی آنکھوں میں نیند نہ تھی۔ دن بھر اُس نے ہیلانہ کی زبان سے اہل دمشق پر ایرانی لشکر کے وحشیانہ مظالم کی داستانیں سُنی تھیں۔ اور اُسے یہ خوبصورت شہر اپنے وطن کے ریگ زاروں سے زیادہ وحشت ناک محسوس ہوتا تھا۔ وہاں قبائل ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھے اور یہاں سلطنتوں کا تصادم تھا۔ دمشق کی گلیوں اور بازاروں میں فاتح لشکر کے نعرے اور قہقہے اور آس پاس کے مکانوں سے مفتوح قوم کی چیخیں سنائی دے رہی تھی۔ وہ اپنے دِل میں کہہ رہا تھا۔ "کاش! میں وحشت اور بربریت کے اِس طوفان کو روک سکتا ـــــ کاش! میں دمشق کے ہر گھر پر پیغام دے سکتا سمیرا! تم نے کہا تھا کہ رات کے مسافر کو صبح کی روشنی کا انتظار کرنا چاہیئے، لیکن وہ صبح کب آئے گی؟۔ کیا ان تاریک بادلوں کے آغوش سے کوئی آفتاب نمودار ہو سکتا ہے؟" عاصم کے پاس اِس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ اُسے انسانیت کا مستقبل اس کے ماضی اور حال سے زیادہ بھیانک نظر آتا تھا اور وہ بار بار یہ کہہ رہا تھا "کاش! فسطینہ کی دنیا سمیرا کی دنیا سے مختلف ہوتی۔" دیر تک بے چینی کی حالت میں کروٹیں بدلنے کے بعد اُس کو نیند آ گئی۔ لیکن پچھلے پہر وہ ہڑبڑا کر اٹھا۔ بیرونی دروازے کی طرف پہریداروں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ اُس نے تلوار اٹھائی اور ننگے پاؤں باہر نکل آیا پائیں باغ میں چند آدمی مشعلیں اُٹھائے مکان کا رُخ کر رہے تھے۔ عاصم درختوں کی آڑ لیتا ہؤا چند قدم اُس طرف بڑھا لیکن پھر اچانک کچھ سوچ کر بھاگتا ہؤا اُس کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا جہاں یوسیبیا اور اُس کی بیٹی [illegible] رہی تھیں۔ مشعلوں کی روشنی میں اُسے آٹھ دس آدمی دکھائی دے رہے تھے۔ عاصم سوچ رہا تھا "وہ آ رہے

ہیں۔ پہریداروں نے اُن کا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کی ـــــ شاید اُن کا افسر بھی غداری کر رہا ہو۔ میں اتنے آدمیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر میں ایک بار اُن کا منہ پھیر دوں تو بھی یہ معاملہ ختم نہ ہوگا۔ اگر یہ بھاگ گئے تو اور آجائیں گے اور اُن کی تعداد زیادہ ہوگی ـــــ فسطینہ کہتی تھی کہ اگر ہمارے مقدر ہی میں ذلت اور رسوائی ہے تو تم ہماری مدد نہیں کر سکتے۔ لیکن میں اپنی زندگی میں اُس کی ذلت و رسوائی نہیں دیکھوں گا۔ اور اِس کے بعد مجھے اِس بات سے کوئی سروکار نہ ہوگا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ میری آنکھیں اُسے سمیرا کی طرح مرتے ہوئے نہیں دیکھیں گی۔ وہ میری لاش روندے بغیر اُس کے کمرے میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ لیکن کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اگر میں انہیں تھوڑی دیر کے لئے روک سکوں تو سین کا کوئی وفادار دوست یہاں پہنچ جائے۔ آج ایرانی سپہ سالار بذاتِ خود اُن کی مزاج پُرسی کے لئے آیا تھا ـــــ عاصم موت کے بھیانک چہرے پر اُمید کی روشنی تلاش کر رہا تھا۔ وہ مکان سے چند قدم دُور رُکے ایک دراز قامت آدمی نے دوسرے کے ہاتھ سے مشعل لینے کے بعد ان سے کچھ کہا اور وہ واپس چلے گئے۔ اجنبی تیزی سے آگے بڑھا اور عاصم دروازے کی محراب کے اندر سمٹنے لگا۔ پھر اچانک اُس نے اپنی تلوار کی نوک اُس کے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ "تم آگے نہیں جا سکتے۔"

اجنبی ٹھٹھک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور ایک ثانیہ توقف کے بعد اُس نے کہا۔ "تم جانتے ہو کہ میں اکیلا نہیں ہوں۔ اور میری آواز پر آن کی آن میں بیسیوں آدمی تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "مجھے معلوم ہے لیکن تمہاری آواز حلق سے باہر نہیں نکل سکے گی۔"

اجنبی نے اطمینان سے کہا۔ "تم عرب معلوم ہوتے ہو اور میں حیران ہوں کہ تم اِس گھر کی حفاظت کے لئے اپنی جان کیوں خطرے میں ڈال رہے ہو؟"

"اگر تم ایرانی ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ سین کی بیوی کا گھر ہے اور سین شہنشاہ کا دوست ہے۔"

"اور تم اُن کے محافظ ہو؟"

"تمہیں ابھی تک یقین نہیں آیا؟"

اجنبی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم بہت بہادر ہو اور بہت بیوقوف بھی۔ لیکن میں تمہارا شکرگزار ہوں بہت دُور سے آیا ہوں اور اب میرے لئے واپس قسطنطنیہ کا رُخ کرنا ممکن نہیں ـــــ میرا نام سین ہے۔"

عاصم سکتے کے عالم میں کھڑا رہا۔ سین نے اپنے ہاتھ سے اُس کی تلوار ایک طرف ہٹا دی اور آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ تھوڑی دیر اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو عاصم نے کہا۔ "وہ اس وقت بہت خوفزدہ ہیں آپ انہیں آواز دیں۔"

سین چلایا۔ "فسطینہ فسطینہ، بیٹی دروازہ کھولو میں آگیا ہوں۔"

فسطینہ دروازہ کھول کر باہر نکلی اور ابا جان، ابا جان کہتی ہوئی اُس سے لپٹ گئی۔

سین نے مڑ کر عاصم کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اب تمہیں اطمینان ہو جانا چاہیئے۔ پہریداروں نے مجھے تمہارے متعلق بتا دیا تھا لیکن مجھے یہ توقع نہ تھی کہ تم اِس وقت دروازے پر کھڑے ہو گے۔ جاؤ اب آرام کرو۔"

عاصم مہمان خانے کی طرف چل دیا۔



اگلے دن دیر تک عاصم کو سین سے دوبارہ ملاقات کا موقع نہ ملا۔ وہ کبھی اصطبل میں جا کر اپنے گھوڑے کو دیکھتا اور کبھی پائیں باغ میں ٹہلنا شروع کر دیتا۔ مکان کے محافظ اُس کے ساتھ ادنیٰ خادموں کی طرح پیش آتے تھے۔ دوپہر کے وقت وہ اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا۔ اچانک فسطینہ اندر داخل ہوئی اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ فسطینہ نے کہا۔ "آج میں بہت دیر سوئی ہوں ـــــ امی اور ابا جان ابھی بیدار ہوئے ہیں۔ وہ کھانے پر آپ کو بُلانا چاہتے تھے لیکن ہیلانہ نے کہا تھا کہ آپ کھانا کھا چکے ہیں۔ ہم صبح تک آپ کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ ابا جان اب سپہ سالار سے ملنے جا رہے ہیں۔ واپس آکر وہ آپ سے ملاقات کریں گے۔ امی جان کہتی ہیں کہ اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیجئے۔ ابھی انہوں نے ایک آدمی کو آپ کے لئے نیا لباس خریدنے بھیجا ہے۔"

عاصم نے کہا۔ "مجھے نئے لباس کی ضرورت نہیں ـــــ میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ آپ کے ابا جان خیریت سے گھر پہنچ جائیں اور یہ خواہش پوری ہو چکی ہے۔ اب دمشق کو خدا حافظ کہتے ہوئے میرے دل پر کوئی بوجھ نہ ہوگا۔"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "اب آپ کے میزبان میرے ابا جان ہیں۔ اور یہ فیصلہ کرنا اُن کا کام ہے کہ آپ کب جا رہے ہیں؟ اور جب تک انہیں یہ اطمینان نہیں ہو جاتا کہ آپ جس جگہ جا رہے ہیں وہ دمشق سے بہتر ہے

وہ آپ کو کبھی اجازت نہیں دیں گے۔"

باہر سے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فسطینہ نے مڑکر دیکھتے ہوئے کہا۔"اباجان آرہے ہیں۔"

عاصم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور فسطینہ ایک طرف ہٹ گئی۔ سین کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے ایک قدم کے فاصلے سے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔"میں ایک ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں اور واپس آکر اطمینان سے تمہارے ساتھ باتیں کروں گا۔ میری بیٹی کہتی ہے کہ تم بھاگ جاؤ گے اور میں اسے یہ اطمینان دلا چکا ہوں کہ تم اِس گھر سے میری اجازت کے بغیر باہر نہیں نکلو گے۔"

"یہ آپ کا حکم ہے؟"

"نہیں! ہم اپنے محسنوں کو حکم نہیں دیا کرتے۔ فسطینہ! میری غیر حاضری میں تمہیں اپنے مہمان کا خیال رکھنا چاہیئے۔" سین نے عاصم کے کندھے پر تھپکی دی اور مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

شام کے وقت عاصم اپنے کمرے کے باہر ٹہل رہا تھا۔ ہیلانہ کپڑوں کی ایک گٹھڑی اٹھائے سکونتی مکان سے نمودار ہوئی اور اُس کے قریب آکر بولی۔"لیجئے! یہ آپ کے کپڑے ہیں۔ آپ انہیں جلدی پہن لیجئے۔ فسطینہ کے اباجان آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

عاصم نے پوچھا۔"کیا وہ نئے لباس کے بغیر کسی سے ملاقات نہیں کرتے۔"

ہیلانہ نے پریشان ہو کر جواب دیا۔"نہیں! انہوں نے یہ نہیں کہا کہ آپ یہ کپڑے پہن کر ہی اُن کے پاس آئیں۔ لیکن فسطینہ کی یہ خواہش ہے کہ آپ لباس تبدیل کر لیں۔"

عاصم نے اُس سے گٹھڑی لے کر کمرے کے اندر پلنگ پر پھینک دی اور واپس آکر بولا۔"لباس تبدیل کرنے میں دیر ہو جائے گی۔ میں پہلے اُن سے ملنا چاہتا ہوں۔"

ہیلانہ کچھ کہے بغیر اُس کے آگے آگے چل پڑی اور تھوڑی دیر بعد اُس نے سکونتی مکان کے ایک نیم وا دروازے کے سامنے رُکتے ہوئے کہا۔"آپ اندر تشریف لے جائیے!"

عاصم جھجکتا ہوا اندر داخل ہوا۔ کمرے میں دو مشعلیں جل رہی تھیں اور سین، یوسیبیا اور فسطینہ کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ سین نے اُسے دیکھتے ہی اپنے سامنے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔"بیٹھ جاؤ! میری بیوی

بیٹی کی یہ خواہش تھی کہ میں اُن کی موجودگی میں تمہارا شکریہ ادا کروں۔ اور میں ان سے یہ کہہ رہا تھا کہ اگر میرے پاس وقت ہوتا تو میں ایران کے تمام امراء کو یہاں بلاتا اور اُن کے سامنے تمہارا ہاتھ پکڑ کر یہ اعلان کرتا کہ یہ نوجوان اِس دُنیا میں میرا سب سے بڑا محسن ہے۔ اور میں آج سے اسے اپنا بیٹا سمجھتا ہوں۔ میرے لئے سریانی زبان میں اپنے جذبات کا اظہار ممکن نہیں۔ لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم فارسی نہیں جانتے۔"

عاصم نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔"آپ کو میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے صرف اپنا فرض ادا کیا ہے۔"

سین نے کہا۔"میں علی الصباح ایک مہم پر جا رہا ہوں۔ لیکن دمشق چھوڑنے سے پہلے میرے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ دولت کی میرے پاس کمی نہیں۔ فسطینہ اور اِس کی والدہ تمہاری بدولت جو جواہرات بچا لائی ہیں اُن پر تم سے زیادہ کسی کا حق نہیں، وہ تمہیں قبول کرنے پڑیں گے۔"

عاصم نے جواب دیا۔"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

سین نے کہا۔"تم غریب الوطن ہو اور میں تمہیں شام اور آرمینیا کے ہر شہر میں بہترین محل، زمین اور باغات دلوا سکتا ہوں۔ اگر تم کسی طاقتور دشمن کے ہاتھوں تنگ آکر اپنے وطن سے نکلے ہو تو میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اس جنگ سے فارغ ہونے کے بعد میں تمہیں ایک فاتح کی حیثیت سے وہاں بھیجوں گا اور تمیمی اور لخمی قبائل کا ایک ایسا لشکر تمہارے ساتھ ہو گا جس کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہ ہو گی۔ میں یمن کے گورنر کو بھی شہنشاہ کی طرف سے تمہاری اعانت کا حکم بھجوا سکتا ہوں۔"

عاصم نے جواب دیا۔"معاف کیجئے! میں محلات، زمین اور باغات کی تلاش میں یہاں نہیں آیا۔ یہ درست ہے کہ میری زندگی کی تمام راحتیں میرے وطن کی خاک میں دفن ہو چکی ہیں لیکن میں وہاں اُس آگ کی چنگاریاں نہیں لے جاؤں گا جس کے شعلے میں نے دمشق میں دیکھے ہیں۔ میرے ہم وطنوں کے لئے قدرت کی یہی سزا کچھ کم نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔"

سین نے کہا۔"نوجوان! میں صرف تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں ورنہ عرب پر ایرانیوں کے حملے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عرب کا بہترین علاقہ یمن ہے اور وہ پہلے ہی ہمارے قبضے میں ہے۔ عراقِ عرب کے

قبائل ہمارے باجگذار ہیں اور باقی عرب ایک ایسا صحرا ہے جس سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ مجھے معلوم نہیں کہ تم کن حالات میں اپنے گھر سے نکلے ہو لیکن اگر تم ہمیشہ کے لئے اپنے وطن کو خیر باد کہہ چکے ہو تو مجھے اپنا دوست سمجھو میں تمہیں یہ احساس نہیں ہونے دوں گا کہ تمہارا کوئی وطن یا گھر نہیں۔ تم دمشق کے حالات سے بہت پریشان معلوم ہوتے ہو اور میں خود بھی ایرانی لشکر کے طرزِ عمل سے خوش نہیں ہوں لیکن یہ جنگ کا زمانہ ہے اور ایرانی لشکر فاتح کی حیثیت سے ماضی کی انہی روایات پر عمل کر رہا ہے، جو رومیوں نے قائم کی ہیں۔"

عاصم نے پریشان ہو کر کہا۔ "لیکن آپ تو اس جنگ کے مخالف تھے۔"

"ہاں! اور میں اس مخالفت کی سزا بھگت چکا ہوں۔ میں قیصر کو یہ سمجھانے گیا تھا کہ تم شہنشاہ ایران کو ناراض کر کے ایک بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہو۔ ایران اور روم کی بھلائی اسی میں ہے کہ انہیں جنگ سے باز رکھا جائے کسریٰ شہنشاہ موریس کے قاتلوں کو معاف نہیں کرے گا۔ اور اگر تم روم کو تباہی سے بچانا چاہتے ہو تو قسطنطنیہ کو کسی ایسے آدمی کے حوالے کر دو جو پرویز کی رنجش دور کر سکتا ہو۔ مجھے خدشہ تھا کہ فوکاس براہ راست میری باتوں سے متاثر نہیں ہوگا۔ اس لئے میں نے اُس سے ملاقات کرنے سے پہلے بااثر امراء کو ہم خیال بنانا ضروری سمجھا لیکن کسی نے فوکاس کو بتا دیا کہ میں سینیٹ کے ارکان کو مرعوب کر رہا ہوں اور مجھے قید کر لیا گیا۔ پھر مجھے قبرص کے ایک قید خانے میں یہ اطلاع ملی کہ قسطنطنیہ میں انقلاب آ چکا ہے۔ فوکاس قتل کر دیا گیا ہے اور نئے قیصر نے مجھ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی ہے۔ میں قبرص سے قسطنطنیہ پہنچا اور مجھے ایک قیدی کی بجائے ایک معزز مہمان کی حیثیت سے نئے قیصر ہرقل کے دربار میں پیش کیا گیا۔ میں نے ہرقل کی طرف سے اپنے شہنشاہ کو دوستی کا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری قبول کر لی اور میرا خیال تھا کہ خسرو پرویز ہرقل کی طرف سے دوستی کا پیغام سن کر خوش ہوگا اور یہ جنگ ختم ہو جائے گی لیکن یہ میری دوسری حماقت تھی۔ انطاکیہ پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ پانی سر سے گزر چکا ہے اور اب اس طوفان کو روکنا میرے بس کی بات نہیں۔ فوکاس نے جو آگ جلائی تھی وہ اب خطرناک شعلوں کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اب میں اگر اسے بجھانے کی کوشش بھی کروں تو مجھے اپنے ہاتھ جلانے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ میں انطاکیہ سے یہاں پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ اہلِ دمشق اُس شخص کو موت کے گھاٹ اتار چکے ہیں جسے میں دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ قابلِ عزت سمجھتا تھا۔ تھیوڈوسیس نے مجھے رومیوں اور شامیوں سے محبت کرنا سکھایا

تھا لیکن ان کے نزدیک اُسے آگ میں جلانے کے لئے یہ بات کافی تھی کہ وہ میرا خسر تھا۔"

عاصم نے پوچھا۔ "اب آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

سین نے جواب دیا۔ "میں پرویز کا ایک سپاہی ہوں۔ اور میری سب سے بڑی غلطی یہی تھی کہ میں نے ایک سپاہی کی حدود سے باہر پاؤں رکھنے کی کوشش کی تھی۔ میں اپنے شہنشاہ کا خادم ہوں اور میرے آقا کو صلح اور امن کا راستہ دکھانے والوں کی بجائے ایران کی فتوحات کے پرچم لہرانے والوں کی ضرورت ہے۔ میری وفاداریاں ایران کے لئے ہیں اور اگر حالات نے ایران کو بازنطینی سلطنت کا دشمن بنا دیا ہے تو میں اپنے حصے کی ذمہ داریوں سے بھاگنے کی کوشش نہیں کروں گا ـــــ اب ایران کا لشکر قسطنطنیہ فتح کئے بغیر نہیں رکے گا اور بازنطینی مقبوضات کے عوام کی بھلائی اسی میں ہے کہ قسطنطنیہ جلد فتح ہو جائے کیونکہ یہ جنگ جتنا طول کھینچے گی اُسی قدر ان کی مظلومیت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ تم اہل دمشق کے حالات سے بہت متاثر ہو لیکن جنگ کے آئین ہم نے نہیں بنائے۔ روم اور ایران صدیوں سے ایک دوسرے کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اگر ہمارا کوئی شہر رومیوں کے قبضے میں آ جائے تو وہاں کے عوام کے ساتھ اُن کا سلوک اِس سے بہتر نہیں ہوگا۔"

عاصم نے کہا۔ "میں یہ ماننے کے لئے تیار ہوں کہ اگر فوکاس، شہنشاہ موریس کو قتل کر کے بازنطینی سلطنت پر قبضہ نہ کرتا تو ایران کو حملہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ لیکن اب جب کہ فوکاس قتل ہو چکا ہے اور نیا قیصر ایران کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا خواہش مند ہے تو پرویز کے لئے اس جنگ کو جاری رکھنے کا کیا جواز ہے؟"

سین نے جواب دیا۔ "ہمارے شہنشاہ کے لئے جنگ جاری رکھنے کی سب سے بڑی وجہ اُن کی فتوحات ہیں۔ ایک شکست خوردہ فوج ہمیشہ صلح اور امن کی طرف راغب ہوتی ہے لیکن ایک فاتح لشکر کو ایک کامیابی ہمیشہ دوسری کامیابی کا راستہ دکھاتی ہے۔ مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ روم اور ایران کبھی ایک دوسرے کے دوست نہ تھے۔ بعض حالات نے عارضی طور پر انہیں جنگ بند کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ خسرو پرویز کو بہرام سے نپٹنے کے لئے شہنشاہ موریس کی اعانت کی ضرورت تھی اور موریس یہ محسوس کرتا تھا کہ بہرام کے مقابلے میں پرویز کو مدد دینا رومیوں کے لئے زیادہ سود مند ہوگا۔ بہرام سے انہیں یہ اُمید نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ لڑے بغیر اپنی سلطنت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی رومیوں کے حوالے کر دے گا لیکن پرویز کے متعلق شہنشاہ موریس کو اس بات کا یقین تھا کہ وہ ایک

کمزور ہمسایہ ثابت ہوگا۔ پرویز نے رومیوں کی اعانت کے صلے میں آرمینیا کے بیشتر علاقے اُن کے حوالے کر دیئے تھے لیکن اگر رومیوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ کسریٰ نے ہمیشہ کے لئے اُن کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں تو اُن کی غلطی تھی۔ پرویز کو اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس لینے کے لئے کسی بہانے کی ضرورت تھی اور فوکاس کے ہاتھوں موریس کے قتل سے اُسے یہ بہانہ مل گیا۔ اگر شہنشاہ موریس قتل نہ ہوتا تو ممکن ہے کہ دو چار سال اور خیریت سے گزر جاتے لیکن یہ کہنا غلط ہے کہ ایران اور روم کے جو تعلقات ہنگامی مصلحتوں کے تحت استوار ہوئے تھے وہ کسی دائمی امن کی ضمانت ہو سکتے ہیں۔ اگر آرمینیا میں ایرانی لشکر کو کسی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا تو ممکن ہے کہ پرویز اپنی تلوار نیام میں کرنے پر مجبور ہو جاتا لیکن اب رومیوں کے مقابلے میں اُسے پہلی بار اپنی قوت کا احساس ہوا ہے اور یہ احساس اِس قدر شدید ہے کہ وہ صلح اور امن کے الفاظ بھی سننا گوارا نہیں کرتا۔“

عاصم نے کہا۔ ”لیکن آپ ان سب باتوں کے باوجود اس جنگ کو پسند نہیں کرتے۔“

سین نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا۔ ”میری پسند ناپسند کوئی معنی نہیں رکھتی ــــ انطاکیہ میں شہنشاہ سے ملاقات کے بعد میرے لئے صرف دو راستے تھے ایک یہ کہ میں پوری قوت کے ساتھ اِس جنگ کے خلاف اپنی آواز بلند کروں اور وہ مجھے بزدل، یا رومیوں کا طرف دار سمجھ کر کچل ڈالیں اور دوسرا یہ کہ میں اِس حقیقت کا اعتراف کر لوں کہ اِس لڑائی کو روکنا اب میرے بس کی بات نہیں۔ صلح اور جنگ کے متعلق سوچنا ایک بادشاہ کا کام ہے۔ مجھے صرف اُن ذمہ داریوں کو پُورا کرنا چاہیئے جو ایران کے ایک سپاہی کی حیثیت سے مجھ پر عائد ہوتی ہیں ــــ میں نے دوسرا راستہ اختیار کیا ہے۔ اور یہ اِس لئے نہیں کہ مجھے خون بہانے میں کوئی لذت محسوس ہوتی ہے بلکہ اِس لئے کہ مجھے ہمیشہ کے لئے اُس آدمی کی نگاہوں سے گر جانا پسند نہیں جسے وقت آنے پر میں کوئی اچھا مشورہ دے سکتا ہوں۔ خسرو پرویز کبھی میرا دوست تھا اور میرے مشوروں پر عمل کیا کرتا تھا۔ لیکن اِس وقت اُس کے صلاح کار ایسے لوگ ہیں جنہیں میرے سامنے دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔ میری آخری اُمید یہی ہے کہ کسی دن میں اُس کا کھویا ہوا اعتماد حاصل کر سکوں گا۔ اور صلح و امن کے حق میں میری آواز شہنشاہ کے کانوں کو ناخوش گوار محسوس نہیں ہوگی۔ میری غیر حاضری میں بعض حاسدوں کو شہنشاہ کے کانوں میں زہر بھرنے کا موقع مل گیا تھا لیکن میں اُنہیں اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ شہنشاہ عنقریب یہاں پہنچ رہا ہے اور اس کے بعد شاید مجھے کسی محاذ پر بھیج دیا جائے۔ لیکن جب تک میں یہاں ہوں

تمہیں اپنے مستقبل کے متعلق سوچنے کی ضرورت نہیں۔“

”دمشق پہنچنے سے پہلے میری بیوی اور بیٹی تمہاری پناہ میں تھیں اور اب تم میری پناہ میں ہو۔ تم نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے اور میں صرف اپنا فرض ادا کرنا چاہتا ہوں۔ آج سے ہم دنیا کی ہر خوشی اور غم میں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ اگر میں تمہارے لئے کچھ نہ کر سکا تو مجھے ساری عمر افسوس رہے گا۔“

عاصم کچھ دیر سر جھکائے سوچتا رہا بالآخر اُس نے مغموم لہجے میں کہا۔ ”جب میں گھر سے نکلا تھا تو مجھے سر چھپانے کے لئے کسی جگہ کی ضرورت تھی۔ اب میں نہیں جانتا کہ میرا سفر کہاں ختم ہوگا؟ مجھے ایران اور روم کی جنگ سے کوئی دلچسپی نہیں، لیکن اگر آپ نے مجھ کو ایک غریب الدیار سمجھ کر میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے تو آپ مجھے احسان ناشناس نہیں پائیں گے۔ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔“

سین نے کہا۔ ”میں تمہارا شکر گزار ہوں اور تمہیں کوئی ایسا حکم نہیں دوں گا جو ایک باپ اپنے بیٹے یا ایک دوست اپنے دوست کو نہ دے سکے۔ میرا پہلا حکم یہ ہے کہ تم اپنے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کرو اور پھر واپس آکر ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔“

سین مسکرا رہا تھا اور عاصم یہ محسوس کر رہا تھا کہ اِس خوش وضع انسان کی نگاہیں سنگلاخ چٹانوں کو بھی موم بنا سکتی ہیں وہ اپنے دل میں محبت اور اطاعت کی دھڑکنیں محسوس کرتا ہوا اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ پھر جب وہ کھانا کھانے کے بعد اپنے کمرے میں لیٹا سین کی باتوں پر غور کر رہا تھا تو اُسے ایک اُلجھن سی محسوس ہوتی تھی۔ اُسے یہ توقع نہ تھی کہ ایران کا ایک جرنیل اُس سے اس درجہ بے تکلفی کے ساتھ پیش آئے گا۔ پھر اُسے سین کی گفتگو کے دوران میں یوسیبیا کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھ کر بار بار یہ محسوس ہوا تھا کہ وہ کسی ذہنی کرب میں مبتلا ہے اور سین کا مقصد اُس کی دلجوئی سے کہیں زیادہ اپنی بیوی کو مطمئن کرنا ہے۔

عاصم کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ زمانے کی گردش نے ایک جری انسان کو امن اور جنگ کے متعلق اپنا موقف تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔

چند دن بعد کسریٰ پرویز انطاکیہ سے دمشق پہنچ گیا اور ایران کے لشکر نے شام کے کئی اور شہروں کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد لبنان پر یلغار کر دی۔ لبنان کے ساحلی شہر دفاعی لحاظ سے خاصے مضبوط تھے اور سمندر کی طرف

سے اُن کے رسد وکمک کے راستے کھلے تھے لیکن رومیوں کی سراسیمگی کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی جگہ بھی جم کر مقابلہ نہ کرتے۔

دمشق میں پرویز کی آمد کے بعد سین کی یہ پریشانی دور ہو چکی تھی کہ وہ شہنشاہ کی نگاہوں سے گر چکا ہے اب وہ دربار میں اُن چند سرکردہ جرنیلوں کے دوش بدوش کھڑا ہوتا تھا جو جنگی امور کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ پرویز دمشق کے اُس عالیشان محل میں مقیم تھا جہاں فتح سے قبل رومی حاکم رہا کرتے تھے۔ سین صبح ہوتے ہی محل میں چلا جاتا اور غروب آفتاب تک وہاں مصروف رہتا۔ بعض اوقات وہ گھر آ کر بھی کئی کئی گھنٹے مختلف محاذوں کے جنگی نقشے تیار کرنے میں منہمک رہتا تھا۔

ان ایّام میں عاصم کی حالت ایک ایسے انسان کی سی تھی جو کسی تیز رفتار ندی کے بھیانک گرداب سے نکلنے کے بعد کنارے کی چٹان کے دوسری طرف ایک بڑے دریا کی طغیانیوں کا مشاہدہ کر رہا ہو اور جسے آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا یکساں دشوار اور ہمت شکن محسوس ہوتا ہو۔ یہ چٹان سین کا گھر تھا جہاں پاؤں جمانے کے بعد وہ ماضی کے گرداب کو بھول جانا چاہتا تھا لیکن اس سے آگے اُس کے مستقبل کی تمام منزلیں زیادہ بھیانک اور زیادہ حوصلہ شکن طوفان کے آغوش میں چھپی ہوئی تھیں۔

یہ گھر حال اور مستقبل کے درمیان ایک جزیرہ تھا جہاں اُس کی خواہش صرف زندہ رہنے تک محدود تھی۔ وہ علی الصباح اٹھتا۔ اپنے گھوڑے کی دیکھ بھال کرتا، پائیں باغ میں ٹہلتا اور پھر جب اسے اپنے گرد وپیش سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگتی تو مہمان خانے کے ایک کمرے میں جا بیٹھتا۔ یوسیبیا اُس کے ساتھ حسب معمول انتہائی شفقت سے پیش آتی لیکن کبھی کبھی اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ وہ اپنے دل پر جبر کر کے مسکرانے کی کوشش کر رہی ہے۔ جنگ کے باعث جو اداسی دمشق کے در و دیوار پر چھائی ہوئی تھی وہ کبھی کبھی اُس کے پُروقار چہرے کو بھی مغموم بنا دیتی تھی ـــــ نوکر جن کی تعداد اب سات تک پہنچ چکی تھی مختلف محاذوں پر ایرانیوں کی فتوحات کی خبریں لاتے تھے۔ یوسیبیا بظاہر ان خبروں پر مسرت کا اظہار کرتی لیکن عاصم کو بارہا ایسا محسوس ہوتا کہ سین کی بیوی اپنے صحیح احساسات پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔ فسطینہ اُس سے مختلف تھی۔ اُسے اِس بات پر فخر تھا کہ وہ سین کی بیٹی ہے اور اُس کا باپ شہنشاہ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ وہ اُسے ایران کا سب سے بڑا جرنیل اور پرویز کو ساری دنیا کا فاتح دیکھنا چاہتی تھی۔ رومی اور یونانی سپاہیوں کی تباہی اور اہل شام کی مظلومیت کے متعلق اُس کے تاثرات

ہی ماں سے قطعاً مختلف تھے۔ وہ بے حس یا سنگدل نہ تھی اور کبھی کبھی شامیوں کی مظلومیت کی داستانیں سُن کر اس کے شگفتہ چہرے پر غم کے بادل چھا جاتے تھے لیکن ایرانیوں کے مظالم سے شاکی ہونے کے باوجود اُسے یہ یقین تھا کہ رومی بلاوجہ اِس جنگ کو طول دے کر اہل شام کے مصائب میں اضافہ کر رہے ہیں، وہ اکثر کہتی "قیصر یہ جانتا ہے کہ وہ ایران کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اُس کی افواج ہر محاذ سے بھاگ رہی ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ہار نہیں مانتا۔ اگر وہ ہمارے شہنشاہ کی اطاعت قبول کر لے تو یہ جنگ ختم ہو سکتی ہے۔ کاش! رومیوں کو کوئی یہ بات سمجھا سکتا کہ ایرانی قسطنطنیہ فتح کئے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ فسطینہ مختلف طریقوں سے عاصم کو بھی یہ سمجھانے کی کوشش کیا کرتی تھی کہ ایران کے لشکر میں ایک بہادر سپاہی کے لئے شہرت اور ناموری کے دروازے کھلے ہیں۔ اگر تم چاہو تو اباجان تمہارے لئے بہترین عہدہ حاصل کر سکتے ہیں اور تم کسی دن ایران کے شہنشاہ کو بھی اپنا گرویدہ بنا سکو گے لیکن عاصم اُس کی باتوں کو ایک بچے کی دل لگی سمجھ کر گفتگو کا موضوع بدل دیتا۔

کچھ دنوں سے عاصم نے سین کے گھر میں بیکاری کے لمحات گزارنے کے لئے فارسی زبان سیکھنی شروع کر دی تھی اور اُس کی درخواست پر سین فوج کے ایک عمر رسیدہ سپاہی کو اپنے گھر لے آیا تھا جس نے نوشیرواں کے زمانے میں گرفتار ہونے کے بعد ایک رومی افسر کے غلام کی حیثیت سے اپنی جوانی کے ابتدائی سال قسطنطنیہ اور شام کے مختلف شہروں میں گزارے تھے۔

اس بوڑھے سپاہی کا نام فیروز تھا اور وہ اپنی مادری زبان کے علاوہ سریانی، رومی اور یونانی زبانوں میں بے تکلفی سے گفتگو کر سکتا تھا۔ عاصم کو سین کے گھر میں بیکاری کے لمحات گزارنے کے لئے کسی ساتھی اور فیروز کو بڑھاپے میں کسی قدردان کی ضرورت تھی چنانچہ وہ چند دن میں ایک دوسرے کے ساتھ خاصے بے تکلف ہو گئے۔ فیروز درمیانے قد اور دوہرے جسم کا ایک تندرست اور توانا آدمی تھا۔ اُس کے بال سفید ہو چکے تھے لیکن چہرے پر ابھی تک جوانوں کی سی تازگی نظر آتی تھی۔ سین نے اُسے عاصم کو فارسی سکھانے کے علاوہ اُس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی سونپ دی تھی اور وہ سائے کی طرح اُس کے ساتھ رہتا تھا۔ کبھی کبھی عاصم اور فیروز سیر و شکار کے بہانے گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر سے باہر نکل جاتے اور جب وہ تھک کر کسی درخت کی چھاؤں میں بیٹھ جاتے تو فیروز اپنے بچپن یا جوانی کی کوئی دلچسپ داستان شروع کر دیتا۔

ایک رات عاصم فیروز سے باتیں کر رہا تھا۔ سین کا ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے کہا "جناب آقا آپ کو یاد فرماتے ہیں"۔

عاصم کسی توقف کے بغیر اٹھا اور نوکر کے پیچھے چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سین کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ ایک خوبصورت قالین پر بیٹھا ایک نقشہ دیکھنے میں منہمک تھا۔ عاصم کچھ دیر تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا اور پھر ادب سے اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ سین نے نقشہ لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا اور اُس کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"عاصم! تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ شہنشاہ نے میرا مشورہ مان لیا ہے"۔

"تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ اب جنگ ختم ہو جائے گی"۔

"نہیں" اُس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"اس مرتبہ میں نے انہیں صلح کا مشورہ دینے کی حماقت نہیں کی۔ بلکہ اس بات پر زور دیا کہ ہمیں یروشلم پر چڑھائی کرنے سے پہلے لبنان کی چند اور بندرگاہوں پر قبضہ کر لینا چاہیئے تاکہ رومیوں کا بحری بیڑہ ہمارے لئے کسی پریشانی کا باعث نہ ہو ــــ ہمارے جرنیلوں کی اکثریت اس بات کی حامی تھی کہ ہمیں کسی تاخیر کے بغیر یروشلم پر چڑھائی کر دینی چاہیئے۔ وہاں سے کل یہودیوں کا ایک وفد آیا تھا اور انہوں نے بھی شہنشاہ پر زور دیا تھا کہ رومی افواج فیصلہ کن جنگ لڑنے کی نیت سے یروشلم میں جمع ہو رہی ہیں اس لئے ہمیں حملے میں تاخیر کر کے انہیں مزید تیاری کا موقع نہیں دینا چاہیئے لیکن میں نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ اگر یروشلم کے محاصرے نے طول کھینچا تو اہل روم کو اپنی بحری قوت سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل جائے گا اس لئے ہمیں یروشلم کا محاصرہ کرنے سے پہلے اُن کی کمک کے راستے بند کر دینے چاہئیں۔ آج ایک طویل بحث کے بعد شہنشاہ نے میری تجویز مان لی ہے۔ اور اِس کے ساتھ ہی مجھے قیساریہ کا محاصرہ کرنے والے لشکر کو کمک پہنچانے کا حکم دیا ہے۔ میں کل صبح یہاں سے تین ہزار سواروں کے ساتھ روانہ ہو جاؤں گا۔ چند دن تک شہنشاہ خود بھی لبنان کے محاذ پر پہنچ جائیں گے۔ اس جنگ کو ختم کرنے کی اب ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے اور وہ یہ کہ ہم رومیوں کو اِس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور کر دیں کہ وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور اُن کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ بلا تاخیر ہتھیار ڈال دیں ــــ میں علی الصبح فوج کے مستقر میں چلا جاؤں گا۔ اور وہاں سے محاذ پر روانہ ہو جاؤں گا اس لئے شاید تم سے دوبارہ ملاقات کا

موقع نہ ملے ــــ میں تم سے یہ وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم یہیں رہو گے اور میری غیر حاضری میں دمشق چھوڑ کر جانے کی کوشش نہیں کرو گے ــــ یہ حکم نہیں بلکہ ایک درخواست ہے، ایک ایسے شخص کی درخواست جو تمہیں اپنا بیٹا سمجھنے میں ایک راحت محسوس کرتا ہے۔ میری عمر کا انسان نئے ساتھی اور دوست تلاش نہیں کرتا لیکن تمہیں دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم جیسے ہمیشہ سے میرے ساتھ ہو"۔

عاصم نے متأثر ہو کر کہا "اِس گھر سے باہر میرے لئے کوئی جگہ نہیں اور اگر ہو بھی تو میں آپ کی اجازت کے بغیر نہیں جاؤں گا"۔

سین مسکرایا "میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں"۔

تھوڑی دیر بعد عاصم اپنے بستر پر لیٹا اپنے دل میں سین کی گفتگو دُہرا رہا تھا۔ اُسے اس بات کی کوئی خوشی نہ تھی کہ پرویز نے لبنان کی بندرگاہیں فتح کرنے کے متعلق سین کا مشورہ مان لیا ہے۔ تاہم یہ پہلا موقع تھا کہ اُس کے خیالات ایرانیوں کی فتح کے حق میں تھے اور اِس کی وجہ صرف یہ تھی کہ سین محاذِ جنگ پر جا رہا تھا۔

باب ۱۸

عاصم کو سین کے گھر میں زندگی کی تمام آسائشیں میسّر تھیں۔ ماضی کے زخم آہستہ آہستہ مندمل ہو رہے تھے۔ وہ دنیا جسے عاصم اپنے پیچھے چھوڑ آیا تھا دنوں، ہفتوں اور مہینوں کے پردوں میں چھپتی جا رہی تھی۔

ابتدا میں جنگ کے متعلق وحشت ناک خبریں اُسے پریشان کیا کرتی تھیں اور وہ ہر نئے شہر یا قلعے پر ایرانیوں کی فتح یابی کی خبر سننے کے بعد اپنے دل میں ناخوشگوار دھڑکنیں محسوس کیا کرتا تھا ـــــ لیکن اب وہ ان خبروں کا عادی ہو چکا تھا۔ ایرانیوں کی بربریت کے خلاف اگر اُس کے دل میں کوئی نفرت تھی تو وہ سین سے عقیدت کے جذبات میں دب چکی تھی۔ تاہم جب وہ تنہائی کے لمحات میں اپنے حال اور مستقبل کے متعلق سوچتا تو اُسے اِس قسم کے خیالات پریشان کرنے لگتے، میں یہاں کیا کر رہا ہوں؟ اِس گھر میں میری کیا حیثیت ہے؟ میں کب تک روم اور ایران کی جنگ سے بے تعلق رہ سکتا ہوں؟ یہ گھر اِس دنیا میں میری آخری جائے پناہ ہے۔ سین نے اُس وقت میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے جب میرا کوئی سہارا نہ تھا کیا وفاداری کا یہ تقاضا نہیں کہ میں اُس کے دوستوں کو اپنا دوست اور اُس کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھوں۔ وہ میدان جنگ میں میرے متعلق کیا سوچتا ہو گا؟ اُس کی بیوی جو عیسائی ہونے کے باوجود صبح و شام اپنے شوہر کی سلامتی کی دعائیں مانگتی ہے اور اُس کی بیٹی جس کا چہرہ ایرانیوں کی فتوحات کی خبریں سُن کر دمک اُٹھتا ہے، میرے متعلق کیا سوچتی ہوں گی۔ اور یہ نوکر جنہیں فسطینہ میری بہادری کے قصے سنا کر مرعوب کرنے کی کوشش کیا کرتی ہے میرے متعلق کیا خیال کرتے ہوں گے؟"

کبھی کبھی اُسے اِس گھر کی چار دیواری کے اندر ایک گھٹن سی محسوس ہونے لگتی اور اُس کا جی چاہتا کہ وہ

بے بسی اور مجبوری کی زنجیریں توڑ کر کسی ایسے ویرانے کی طرف نکل جائے جہاں اُسے جاننے والا کوئی نہ ہو۔ لیکن پھر مکان کے کسی گوشے سے فسطینہ کے معصوم قہقہے سنائی دیتے اور زندگی کے تلخ حقائق اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے۔

ایک دن فسطینہ بھاگتی ہوئی اُس کے پاس آئی اور عاصم کو ایسا محسوس ہوا کہ کائنات کی ساری خوشیاں اور تمام قہقہے اُس کی آنکھوں میں سما گئے ہیں۔ وہ بولی "ابا جان کا خط آیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہم نے تین شہر اور فتح کر لئے ہیں۔ دیکھئے یہ اُن کا خط ہے۔ انہوں نے امی جان کو آپ کے متعلق بھی چند باتیں لکھی ہیں۔ میں آپ کو پڑھ کر سناتی ہوں ـــــ وہ لکھتے ہیں مجھے ہمیشہ اس بات کا خیال رہتا ہے کہ میں ساری عمر اس کی نیکی کا بدلہ نہیں دے سکوں گا۔ میں واپس آ کر اُسے کسی ایسے کام پر لگا دوں گا جو اُس کی خواہش کے مطابق ہو۔ میں نے شہنشاہ سے اُس کا ذکر کیا تھا اور انہوں نے فرمایا تھا کہ ایسا نوجوان ہماری طرف سے انعام کا مستحق ہے۔ میں کسی دن موقع ملتے ہی اُسے شہنشاہ کی خدمت میں پیش کروں گا۔"

عاصم کوئی جواب دینے کی بجائے اِس انجان لڑکی کی طرف دیکھتا رہا۔ اور وہ قدرے توقف کے بعد بولی "مجھے یقین تھا کہ ابا جان آپ کے لئے کوئی بڑا عہدہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جب آپ شہنشاہ کے سامنے پیش ہوں گے تو آپ کے لئے عزت اور شہرت کے تمام دروازے کھل جائیں گے۔ ممکن ہے آپ کسی لشکر کے سالار بن جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کو کسی علاقے کا حاکم بنا دیا جائے۔"

عاصم مسکرایا "اگر میں سالار یا حاکم بن جاؤں تو تم خوش ہو جاؤ گی؟"

"ہاں" اُس نے سنجیدہ ہو کر جواب دیا "پھر کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہو گی کہ آپ جنگ میں حصہ لینے سے خوف کھاتے ہیں۔ اور آپ کو کسی کی بھیڑیں چرانے کا خیال بھی نہ آئے گا۔"

فسطینہ ہنستی ہوئی واپس جا رہی تھی اور عاصم پہلی بار چند برس آگے ان دنوں کا تصور کر رہا تھا جب وہ کسریٰ کی فوج کے ایک سالار کی حیثیت سے کسی بڑی مہم سے واپس آ رہا ہو گا اور کسی خوبصورت محل کے دروازے پر اس کمسن لڑکی کی بجائے ایک عورت اُس کے استقبال کے لئے کھڑی ہو گی ـــــ لیکن تھوڑی دیر بعد اُسے یہ حسین تصورات مضحکہ خیز محسوس ہونے لگے ـــــ وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ میں پرویز کی فوج میں بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کر لوں۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ کسی خوبصورت محل پر میرا انتظار کرنے والی عورت فسطینہ ہو۔ میں ایک عرب ہوں اور سین کی بیٹی کسی ایرانی شہزادے کی راہ دیکھنے کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ میں اُسے

اپنے دل میں جگہ دے سکتا ہوں لیکن میری دنیا اُس کے لئے بہت تنگ ہے۔ اور اُس کی دنیا میں کسی دن میری حیثیت اُن ستاروں سے مختلف نہیں ہوگی جن کی ٹمٹماہٹ طلوع آفتاب کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔"

پھر جب اپنی غریب الوطنی، کم مائگی اور بے بسی کے احساس سے اُس کا دم گھٹنے لگا تو اُس کے دل کی گہرائیوں میں وہ جذبۂ خود پسندی کروٹیں لینے لگا جو زندگی کے ہر امتحان میں ایک بدوی کا آخری سہارا تھا ـــ اب وہ اپنے دِل کو تسلی دے رہا تھا۔ میں اپنے ماضی کو واپس نہیں لا سکتا لیکن مجھے اپنے حال اور مستقبل سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ اس دنیا کی راحتیں اُن لوگوں کا خراج ہیں جو تلوار کی نوک سے اپنا راستہ صاف کرتے ہیں اور میں اپنی تلوار پر بھروسا کر سکتا ہوں۔ زندگی میں یہی میرا ایک ایسا دوست اور ساتھی ہے جس نے مجھے کبھی دھوکا نہیں دیا ـــ اسی نے میرے لئے سین کے گھر کا دروازہ کھولا ہے اور یہی مجھے آئندہ کے لئے اُس کی دوستی کا مستحق ثابت کر سکتی ہے۔ اپنی قوتِ بازو پر اعتماد کر کے میں ایران کے عالی نسب شہزادوں کے دوش بدوش کھڑا ہو سکتا ہوں۔ اگر یہ لوگ مجھے ایک بہادر آدمی سمجھتے ہیں تو میں انہیں مایوس نہیں کروں گا۔"



ایک دن عاصم فیروز کے ساتھ سیر کو نکلا اور دیر تک جبل الشیخ کی دلفریب وادیوں میں گھومتا رہا۔ شام کے قریب گھر پہنچتے ہی اُسے سین کی آمد کی اطلاع ملی اور اُس نے اپنے دل میں خوشگوار دھڑکنیں محسوس کرتے ہوئے ایک نوکر سے پوچھا۔ "وہ ٹھیک ہیں نا؟"

"ہاں! بالکل ٹھیک!" اُس نے جواب دیا۔ عاصم کوئی اور سوال کئے بغیر آگے بڑھا اور اصطبل کے سامنے گھوڑے سے کود پڑا، ایک نوکر نے بھاگ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور عاصم چند ثانیے اُس کی گردن پر ہاتھ پھیرنے اور تھپکیاں دینے کے بعد زین اُتارنے لگا۔ اچانک اُسے ایک بلند قہقہہ سنائی دیا اور وہ مڑ کر بائیں باغ کی طرف دیکھنے لگا۔ فسطینہ چند قدم دور ایک خوش پوش اور وجیہہ نوجوان کے ساتھ انتہائی بے تکلفی سے باتیں کر رہی تھی اور وہ اُس کی مسکراہٹوں کے جواب میں پوری قوت کے ساتھ ہنسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عاصم کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر فسطینہ آگے بڑھی اور اس اجنبی نوجوان کے کھوکھلے قہقہے حلق میں اٹک کر رہ گئے۔

فسطینہ نے قریب آ کر کہا۔ "اباجان آ گئے ہیں اور انہوں نے آتے ہی آپ کے متعلق پوچھا تھا، آپ نے بہت دیر لگائی ـــ" عاصم نے کہا۔ "میں ذرا دور نکل گیا تھا۔ وہ کہاں ہیں؟"

"اندر سو رہے ہیں۔"

"اور وہ کون ہے؟"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "یہ ایرج ہے اور ایران کے ایک بہت بڑے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ مدائن میں اس کا گھر ہمارے گھر کے سامنے تھا۔ اس کا باپ اباجان کا دوست تھا۔ یہ آرمینیا کی جنگوں میں دو بار زخمی ہو چکا ہے اور اب لبنان کے محاذ سے اباجان کے ساتھ آیا ہے۔"

ایرج جو تذبذب اور پریشانی کی حالت میں کھڑا تھا، آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا۔

فسطینہ نے اُس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "یہ عاصم ہیں اگر یہ ہماری مدد نہ کرتے تو آج شاید ہم یہاں نہ ہوتے۔"

عاصم نے ایرج کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن اُس نے مصافحہ کرنے کی بجائے عاصم کے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ گھوڑا بہت خوبصورت ہے۔"

ایک ثانیہ کے لئے عاصم کی رگوں کا سارا خون سمٹ کر اُس کے چہرے میں آ گیا۔ تاہم اُس نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "یہ گھوڑا خوبصورت بھی ہے اور شریف بھی اور عرب، گھوڑوں کے ظاہری حُسن کی بجائے اُن کی شرافت کی زیادہ قدر کرتے ہیں۔"

ایرج نے گھور کر عاصم کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ہم گھوڑے کی شرافت کا اندازہ کرنے کے لئے اُس کے سوار کو دیکھتے ہیں۔ اگر ہماری ملاقات اِس گھر کی بجائے کسی اور جگہ ہوتی تو میں اپنے نوکروں سے کہتا کہ اس گھوڑے کو ایک اچھے سوار کی ضرورت ہے۔ اب میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اِس کی قیمت کیا ہے؟"

عاصم نے زین اتار کر نوکر کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "اِس کی قیمت ایک بہادر اور شریف دوست کی مسکراہٹ ہے۔"

فسطینہ جواب تک پریشانی کی حالت میں اُن کی گفتگو سن رہی تھی۔ ایرج سے مخاطب ہو کر بولی۔ "آپ کو یہ خیال کیسے آیا کہ ہمارے گھر میں مہمان اپنے گھوڑے فروخت کرنے آتے ہیں؟"

ایرج کا غرور پریشانی میں تبدیل ہو رہا تھا اور اُس نے اپنی خفت مٹانے کی کوشش کرتے ہوئے ... صرف مذاق کر رہا تھا فسطینہ! مجھے معلوم تھا کہ یہ عرب اپنے گھوڑے پر جان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔"

نوکر گھوڑے کو اصطبل کے اندر لے گیا اور فسطینہ نے عاصم کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "ابا جان! بہت تھکے ہوئے تھے جب وہ بیدار ہوں گے تو میں انہیں آپ کے متعلق بتا دوں گی۔"

فسطینہ وہاں سے چل پڑی اور ایرج اُس کے ساتھ ہو لیا۔ فیروز نے آگے بڑھ کر عاصم کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ ایرج ایک انتہائی مغرور اور بدمزاج نوجوان ہے۔ اور اُس کا غرور بلاوجہ نہیں یہ ایران کے ایک انتہائی بااثر خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ برابری کا دعویٰ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ اگر اُس کے دل میں سین کا احترام نہ ہوتا تو یہ تلخ کلامی آپ کے لئے انتہائی خطرناک نتائج پیدا کر سکتی تھی۔"

عاصم نے کہا۔ "فیروز کیا تم بھی یہ کہنا چاہتے ہو کہ مجھے منہ پر طمانچہ کھا کر مسکرانے کی کوشش کرنی چاہیئے تھی؟"

فیروز نے جواب دیا۔ "نہیں! میں یہ مشورہ دے رہا ہوں کہ آپ کو ایک اژدہے کے مُنہ میں ہاتھ دینے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے، کم از کم اُس وقت تک جب تک آپ کے بازوؤں میں اُس کے جبڑے چیرنے کی قوت نہ ہو۔ میں جانتا ہوں کہ سین کی پناہ میں تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ ایران میں بہت کم لوگ اُس سے زیادہ بااثر ہیں۔ وہ شہنشاہ کا دوست ہے اور اُس کے اثر و رسوخ کا یہ عالم ہے کہ آج جب کہ سینکڑوں ایرانی عیسائی ہونے کے شبہ میں موت کے گھاٹ اتارے جا رہے ہیں۔ بڑے سے بڑا مجوسی پیشوا بھی یہ اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کرتا کہ سین کی بیوی عیسائی ہے۔ لیکن یہی اُس کی ایک ایسی کمزوری ہے جس سے کسی وقت بھی اُس کے دشمن فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ تم اِس بات پر حیران ہو کہ سین روم اور ایران کی لڑائی کا مخالف ہونے کے باوجود خوشی سے محاذ پر چلا گیا تھا۔ لیکن میرے لئے یہ بات کوئی معمّا نہیں میں جانتا ہوں کہ آج اُس کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ اپنی بیوی کو شہنشاہ، امراء اور سب سے زیادہ مجوسی کاہنوں کے عتاب سے بچانا ہے۔ اگر تمہیں اُس سے کوئی ہمدردی ہے تو تمہاری کوشش بھی یہی ہونی چاہیئے کہ تمہاری وجہ سے اُس کا کوئی دوست دشمن نہ بن جائے اور ایرج ایک ایسا نوجوان ہے جس کی دشمنی اُس کے لئے خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے"۔

عاصم نے فیروز کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا شکرگزار ہوں اور تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میری وجہ سے سین کو کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا ۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں۔"

جب عاصم اور فیروز یہ باتیں کر رہے تھے۔ مکان کے کمرے میں یوسیبیا، ایرج اور اپنی بیٹی کی ناخوشگوار بحث سن رہی تھی۔

فسطینہ کہہ رہی تھی۔ "مجھے یہ توقع نہ تھی کہ آپ اُس آدمی کی توہین کریں گے۔ جس نے اپنی جان پر کھیل کر ہماری عزت بچائی ہے۔ اور آپ کو یہ کیسے خیال آیا کہ وہ گھوڑے پر سواری کرنا نہیں جانتا۔؟"

اور ایرج اُسے مطمئن کرنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ "فسطینہ! میں اُس سے دل لگی کر رہا تھا اور ایک عرب کو اِس قدر حساس نہیں ہونا چاہیئے تھا۔"

یوسیبیا کچھ دیر اُن کی بحث سُنتی رہی بالآخر اُس نے کہا۔ "ایرج! وہ ایک غریب الوطن ہے لیکن ہمارا محسن ہے۔ کم از کم تمہیں ہماری خاطر اُس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا چاہیئے تھا۔"

ایرج نے کہا۔ "مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ اُسے اتنی اہمیت دیتی ہیں۔ بہرحال فسطینہ کو معلوم ہے کہ اُس نے میرے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں کی ــــــ اگر ابھی تک اُس کے دل میں کوئی رنجش ہے تو میں جانے سے پہلے اُسے دور کرنے کی کوشش کروں گا۔"

یوسیبیا نے کہا۔ "بیٹا! میں تمہاری شکرگزار ہوں اور اب فسطینہ کا گلہ بھی دور ہو جانا چاہیئے۔"

فسطینہ بولی۔ "امی جان! مجھے کوئی گلہ نہیں۔"

سین کمرے میں داخل ہوا اور ایرج اور فسطینہ ادب سے کھڑے ہو گئے۔ سین نے اپنی بیوی کے قریب بیٹھتے ہوئے تھکی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "عاصم ابھی تک نہیں آیا؟"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "جی! وہ آگیا ہے۔"

"اُسے یہیں بلا لو، بیٹی۔"

فسطینہ باہر نکل گئی اور سین نے ایرج کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "ایرج! بیٹھ جاؤ! تم کھڑے کیوں ہو۔"

ایرج بیٹھ گیا اور سین نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "میں بہت دیر سویا ہوں، تم نے آرام نہیں کیا؟"

"جی! میں نے بھی تھوڑی دیر آرام کر لیا تھا۔"

سین نے کہا۔ "میں نے تمہیں عاصم کے متعلق بتایا تھا؟"

"جی ہاں! اور میں ابھی اُس سے ملاقات بھی کر چکا ہوں۔ میرے خیال میں ایسے آدمی کو ہماری فوج میں ہونا چاہیے تھا"

"میں بھی یہ محسوس کرتا ہوں کہ وہ ایک اچھا سپاہی بن سکتا ہے۔" سین یہ کہہ کر یوسیبیا کی طرف متوجہ ہوا۔"میرے خیال میں اب تک وہ فارسی میں کافی دسترس پیدا کر چکا ہوگا۔"

"ہاں! وہ بہت ذہین ہے اور اگر اُس کا لب ولہجہ درست ہو جائے تو کسی کو یہ شک بھی نہیں گزرے گا، کہ وہ عرب ہے۔"

سین نے کہا۔"عربوں کا حافظہ بہت تیز ہوتا ہے اور میں نے کئی ایسے تاجر دیکھے ہیں جو متعدد زبانوں میں بے تکلفی سے گفتگو کر سکتے ہیں۔"

فسطینہ کمرے میں داخل ہوئی اور اپنی ماں کے قریب بیٹھ گئی لیکن عاصم تذبذب کی حالت میں دروازے کے باہر کھڑا رہا۔

سین نے فارسی میں کہا۔"آؤ! عاصم ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

وہ کمرے میں داخل ہوا اور سین کے اشارے پر ایرج کے قریب بیٹھ گیا۔

سین نے کہا۔"میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ جنگی مہمات سے فارغ ہونے کے بعد میں اطمینان سے تمہارے مستقبل کے متعلق سوچوں گا اور تمہیں یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ جنگ اب ایک فیصلہ کن دور میں داخل ہو چکی ہے۔ غزہ کے سوا بحیرۂ روم کے مشرقی ساحل کے تمام قلعے ہمارے قبضے میں آ چکے ہیں اور اب ہماری فوجیں فلسطین میں داخل ہو گئی ہیں، جہاں دشمن کا سب سے بڑا حصار یروشلم ہے۔ رومی اب اپنی تمام قوت وہاں جمع کر رہے ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ یروشلم میں شکست کھانے کے بعد وہ مشرق میں کسی اور محاذ پر ہمارا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں کریں گے اور اس شہر پر قبضہ کرنے کی خواہش پوری ہونے کے بعد ہمارے شہنشاہ بھی شاید جنگ جاری رکھنے میں کوئی فائدہ نہ دیکھیں۔ مجھے صرف ایک رات کے لئے گھر ٹھہرنے کی اجازت ملی ہے اور کل میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ اب میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر تمہیں کچھ مدت اور یہاں ٹھہرنا پڑے تو تم اداس تو نہیں ہو جاؤ گے؟"

عاصم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا۔"اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔"

فسطینہ کا چہرہ مسرت سے تمتما اُٹھا اور یوسیبیا حیرت زدہ ہو کر عاصم کی طرف دیکھنے لگی۔

عاصم نے کہا۔"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اگر آپ کو کبھی ضرورت پڑے تو میں آپ کے خیمے پر پہرا دے سکوں۔"

سین نے جواب دیا۔"تم اپنے دوستوں کے خیموں پر پہرا دینے کے لئے نہیں بلکہ دشمن کے قلعوں پر فتوحات کے پرچم لہرانے کے لئے پیدا ہوئے ہو —— مجھے خوشی ہے کہ میں نے تمہیں پہچاننے میں غلطی نہیں کی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ کسی دن میں تمہارے شجاعت آزما کارناموں پر فخر کر سکوں گا۔ لیکن اگر تم جنگ سے نفرت کرتے ہو تو تمہیں محض میری خاطر فوج میں شامل ہونے کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے۔ میں چاہتا ہوں تم اچھی طرح سوچ لو۔"

"میں نے بہت سوچا ہے۔" عاصم نے اطمینان سے جواب دیا۔

ایرج نے کہا۔"تمہیں یہ بھی سوچ لینا چاہیئے کہ لڑائی کے میدان میں عزت و ناموری کی طرف ہر نئے قدم کے ساتھ جان کا خطرہ بھی ہوتا ہے۔ میں آرمینیا کی جنگوں میں دو بار زخمی ہو چکا ہوں اور میں نے میدان میں گرنے والے بڑے بڑے سورماؤں کو پانی کے ایک گھونٹ کے لئے ترستے دیکھا ہے۔"

عاصم نے حقارت آمیز تبسم کے ساتھ اُس کی طرف دیکھا اور کہا۔"آپ کو میرے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیئے، میں گرتے وقت آپ سے پانی نہیں مانگوں گا۔"

یوسیبیا نے مغموم لہجے میں کہا۔"بیٹا! کہیں تمہارے دل میں یہ خیال تو نہیں آیا کہ اس گھر میں تمہاری ضرورت نہیں؟"

"نہیں۔" عاصم نے جواب دیا۔"میں صرف یہ سوچتا ہوں کہ اس گھر کو اپنا گھر سمجھنے کے بعد مجھ پر کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔"

سین سے کچھ دیر اور باتیں کرنے کے بعد عاصم جب باہر نکلا تو وہ ایسا محسوس کرتا تھا کہ اُس کے دل سے ایک بوجھ اُتر چکا ہے۔



اگلے دن طلوع آفتاب سے ایک ساعت قبل عاصم سفر کی تیاری کر چکا تھا۔ نوکر اصطبل کے سامنے گھوڑوں کی باگیں تھامے کھڑے تھے۔ لیکن سین اور ایرج ابھی تک باہر نہیں نکلے تھے۔ عاصم کچھ دیر باغ میں ٹہلنے کے بعد اپنے کمرے میں چلا گیا۔ نوکر ناشتا لے آیا اور وہ کھانے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد فسطینہ دبے پاؤں کمرے میں داخل

ہوئی اور وہ اپنے دل میں ناخوشگوار دھڑکنیں محسوس کرتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

وہ بولی۔"مجھے ڈر تھا کہ آپ مجھے دیکھے بغیر چلے جائیں گے۔ رات سوتے وقت میرے ذہن میں کئی باتیں تھیں لیکن اب مجھے معلوم نہیں کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔"

"فسطینہ!" عاصم نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔"تمہارے والدین تمہارا یہاں آنا پسند نہیں کریں گے۔"

وہ مسکرائی۔"ابا جان یہ جانتے ہیں کہ اُن کے بعد آپ سے بڑھ کر میرا اور کوئی محافظ نہیں ہوسکتا اور امی جان کو بھی معلوم ہے کہ میں آپ کو الوداع کہنے آئی ہوں۔ ابھی اُن سے میرا جھگڑا ہوگیا تھا وہ کہتی تھیں کہ آپ کو جنگ سے نفرت ہے اور آپ صرف مجھے خوش کرنے کے لئے جنگ میں حصّہ لینے جا رہے ہیں۔"

"اور تم نے کیا کہا تھا؟"

"میں نے کہا تھا کہ ایک بہادر انسان جنگ سے خائف نہیں ہوسکتا۔"

عاصم نے کہا۔"تم واقعی اس سے خوش ہو کہ میں ایران کی فوج میں شامل ہو رہا ہوں؟ تمہاری والدہ عیسائی ہیں اور میرا خیال ہے کہ تمہارا مذہب بھی اُن سے مختلف نہیں۔ مجھے ڈر ہے کل تم بھی مجھے ایک وحشی اور خونخوار انسان نہ سمجھنے لگو۔"

فسطینہ نے جواب دیا۔"میرے والد کسریٰ کے دوست ہیں۔ وہ ایران کے ایک نامور جرنیل ہیں اور میں فتوحات، شہرت اور عزت کے راستے میں اُن کا ساتھ دینے والوں کو وحشی یا خونخوار نہیں کہہ سکتی۔ میں جانتی ہوں کہ جب آپ چلے جائیں گے تو دمشق کا شہر میرے لئے سونا ہو جائے گا لیکن میں یہ بھی محسوس کرتی ہوں کہ آپ اس دنیا میں صرف میرے والد کے رفیق بن کر ہی کوئی قابلِ عزت مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ جب کوئی آپ کا ذکر کرے تو میں فخر سے سر اونچا کر سکوں۔ جب آپ فتوحات کے پرچم لہراتے ہوئے واپس آئیں تو میں آپ کے راستے میں پھول نچھاور کروں۔ میرے لئے سب سے بڑی خوشی یہی ہوسکتی ہے کہ ایران میں کسریٰ اور میرے والد کے بعد آپ کا رتبہ سب سے بلند ہو اور میں یہ ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ تم ایک عرب ہونے کے باوجود ایرج جیسے لوگوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ عزت اور احترام کے حق دار ہو۔"

عاصم نے کہا۔"فسطینہ! مجھے عزت اور شہرت کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تم میری قبا پر خون کے چھینٹے دیکھ کر خوش ہوسکتی ہو تو میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔ جنگ کے میدانوں میں میری سب سے بڑی تمنا یہی ہوا کرے گی کہ میں کسی دن تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ سکوں۔ لیکن اگر میرے لئے واپسی مقدر نہ ہوئی تو کوئی تمہیں یہ طعنہ نہیں دے سکے گا کہ میں ایک بزدل کی موت مرا تھا۔"

فسطینہ کی آنکھوں میں اچانک آنسو امڈ آئے اور اُس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔"نہیں، نہیں، ایسا نہ کہیئے مجھے یقین ہے کہ آپ بہت جلد واپس آئیں گے۔ میں آپ کی راہ دیکھا کروں گی۔"

عاصم نے کہا۔"فسطینہ! تم سین کی بیٹی ہو اور چند سال بعد تمہیں میرے متعلق سوچتے ہوئے بھی ندامت محسوس ہوگی۔ مجھے اس وقت بھی تمہارا یہاں آنا ناقابلِ یقین محسوس ہوتا ہے۔"

فسطینہ نے کہا۔"آپ وعدہ کیجئے کہ جنگ کے میدان میں بلاوجہ کوئی خطرہ مول نہیں لیں گے۔"

عاصم نے جواب دیا۔"فسطینہ! تمہیں میرے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ اس دنیا میں میری زندگی کی کوئی قیمت نہیں۔ اگر تم مجھے اپنے اباجان کی فتوحات میں شریک دیکھنا چاہتی ہو تو مجھے اُن تمام خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا جو ایک سپاہی کے حصے میں آتے ہیں۔ جنگ کے میدانوں میں میرا خون دوسروں سے زیادہ قیمتی نہیں سمجھا جائے گا۔"

ہیلانہ اچانک دروازے کے سامنے نمودار ہوئی اور اُس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔"فسطینہ تمہارے اباجان تمہیں بلاتے ہیں۔"

فسطینہ جلدی سے باہر نکلی تو اُسے مکان کے وسطی دروازے کے سامنے اپنے والدین دکھائی دیئے وہ اُن کے قریب پہنچی تو سین نے بگڑ کر کہا۔"فسطینہ! ہمارے گھر کے حالات دمشق کے راستے کی منزلوں سے مختلف ہیں۔ ایرج کیا خیال کرے گا؟ مجھے عاصم کے ساتھ تمہاری بے تکلفی پسند نہیں۔ تم اندر جاؤ!"

فسطینہ کچھ کہے بغیر اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد سین کمرے میں داخل ہوا تو وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے سسکیاں لے رہی تھی۔

سین نے آگے بڑھ کر پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔"فسطینہ اب تم بچی نہیں ہو۔ مجھے

ذرہ تھا کہ عاصم ہمارے متعلق کیا خیال کرے گا۔"

فسطینہ نے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے سین کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ابا جان مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ بُرا مانیں گے ورنہ میں وہاں نہ جاتی۔ اب آپ وعدہ کیجئے کہ اُسے میری غلطی کی سزا نہیں دیں گے۔"

"پگلی کہیں کی۔" سین نے یہ کہہ کر اُسے اپنے سینے سے چمٹا لیا اور پھر اچانک باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد فسطینہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن کر کمرے سے باہر نکلی تو وہ بیرونی دروازے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اُس نے یوسیبیا کی طرف دیکھا اور ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "امی جان! میرے لئے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی کہ وہ اِس بے بسی کے عالم میں ہمارے در پر پڑا رہے۔ لیکن اگر وہ واپس نہ آیا تو میں بھی زندہ نہ رہوں گی آپ اُس کے لئے دعا کریں۔"

ماں نے بے اختیار اُسے سینے سے لگا لیا اور کہا۔ "بیٹی! تم جانتی ہو کہ وہ مجھے ایک بیٹے کی طرح عزیز ہے۔"



لبنان کی گل پوش وادیوں میں خون کی ندیاں بہانے کے بعد ایرانی لشکر نے فلسطین کا رخ کیا اور اردن اور گلیلی کے علاقوں میں تباہی مچا دی۔

اب ایران اور روم کی جنگ، آگ اور صلیب کے ایک فیصلہ کن معرکے میں تبدیل ہو چکی تھی۔ مقامی عیسائی اِس یقین کے ساتھ اپنے رومی آقاؤں کے دوش بدوش لڑ رہے تھے کہ قدرت نوشیرواں کی طرح اُس کے پوتے کو بھی بیت المقدس سے دور رکھنے میں اُن کی مدد کرے گی۔ جو لوگ ایرانیوں کی پیش قدمی سے دہشت زدہ ہو کر اسکندریہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے اُن کی جگہ شام اور لبنان سے بھاگنے والے وہ پادری اور راہب لے رہے تھے جن کے گرجوں اور خانقاہوں کو ایرانیوں نے آتش کدوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ یہ لوگ عوام کو مفتوحہ شہروں اور بستیوں کے لوگوں کی مظلومیت کی داستانیں سناتے تھے۔ اور اُن کے مُردہ حوصلوں میں جان ڈالنے کے لئے دینِ مسیح کی فتح و نصرت اور آتش پرست ایرانیوں کی تباہی اور بربادی کی بشارتیں دیتے تھے۔ چنانچہ ایرانی اپنی عسکری برتری کے باوجود قدم قدم پر شدید مزاحمت سے دوچار ہو رہے تھے۔ گرجوں اور خانقاہوں میں اب روحانی برکات کی بجائے

تقسیم ہوتی تھیں اور ہزاروں راہب زندگی اور موت سے بے پروا ہو کر میدان میں آ چکے تھے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ایران کی لاتعداد فوج ارضِ مقدس کے شہروں اور بستیوں کو تباہ و ویران کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس جنگ میں فلسطین کے یہودی جو عیسائیوں کے ازلی دشمن تھے۔ من حیث القوم ایرانیوں کے حلیف بن چکے تھے۔ پرویز اُن کے نزدیک کوئی بیرونی حملہ آور نہ تھا بلکہ ایک ایسا مربی اور سرپرست تھا جسے قدرت نے انہیں نصرانیوں کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے بھیجا تھا۔ جب فاتح لشکر کسی قصبے یا شہر میں داخل ہوتا تھا تو جنگی قیدیوں اور نہتے عوام کو ٹھکانے لگانے کا کام اِس کینہ پرور قوم کے رضا کاروں کو سونپ دیا جاتا تھا جو برسوں سے اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کے لئے کسی موقع کا انتظار کر رہی تھی۔ ایرانی لشکر میں خونخوار یہودیوں کی تعداد ساٹھ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔

اردن اور گلیلی کے علاقے فتح کرنے کے بعد پرویز کی فوجیں یروشلم کے گرد گھیرا ڈال رہی تھیں۔ مفتوحہ علاقوں سے جانیں بچا کر بھاگنے والے انسانوں کے بعض قافلے غزہ اور اسکندریہ کا رُخ کر رہے تھے اور بعض یروشلم میں پناہ لے رہے تھے۔

ایرانیوں، یہودیوں اور عراقِ عرب کے جنگجو قبائل کی متحدہ قوت کے سامنے پے در پے شکستیں کھانے کے باوجود یروشلم کے ناقابلِ تسخیر ہونے کے متعلق عیسائیوں کا یقین متزلزل نہ ہوا تھا۔ چاروں طرف سے دشمن کی پیش قدمی کے باعث ان کی رسد اور کمک کے راستے مسدود ہو چکے تھے لیکن وہ مایوس نہ تھے۔ اُن کے بشپ اور راہب انہیں اس قسم کی تسلیاں دے رہے تھے کہ دشمن کا ہر قدم تباہی کی طرف اٹھ رہا ہے۔ جب وہ یروشلم پر حملہ کرے گا تو قدرت کی ان جانی اور ان دیکھی قوتیں حرکت میں آ جائیں گی۔ فلاں راہب نے دینِ مسیح کی نصرت کے متعلق جو خواب دیکھے ہیں وہ غلط نہیں ہو سکتے۔ فلاں بزرگ نے جو پیش گوئی کی ہے وہ درست ثابت ہو گی۔ یروشلم کے بیشتر یہودی پہلے ہی اپنے گھر بار چھوڑ کر ایران کے مفتوحہ علاقوں میں پناہ لے چکے تھے لیکن کچھ ایسے بھی تھے جنہیں فرار ہونے کا موقع نہیں ملا تھا اور وہ عیسائیوں کے ہاتھوں اپنی قوم کی بداعمالیوں کی سزا بھگت رہے تھے۔ جو عیسائی دوسرے شہروں سے فرار ہو کر یہاں پہنچے تھے وہ اپنے ساتھ یہودیوں کے بے پناہ مظالم کی ان گنت داستانیں لائے تھے اور اب یروشلم میں یہودیوں کے ساتھ وہی سلوک ہو رہا تھا جو انہوں نے اپنے عیسائی ہمسایوں کے ساتھ روا رکھا تھا۔

گلیلی اور اردن کے چند یہودی جنھیں ایرانیوں نے جاسوسی کے لئے منتخب کیا تھا عیسائیوں کے بھیس میں یروشلم کے اندر داخل ہو چکے تھے اور مقامی لوگوں کو دہشت زدہ کرنے کے لئے طرح طرح کی افواہیں پھیلا رہے تھے۔ ایک دن گلیلی کے کسی عیسائی پناہ گزین نے ایک یہودی جاسوس کو، جو نصرانی راہب کا لباس پہنے تھا، پہچان لیا۔ جاسوس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن عیسائی کی چیخیں سن کر چند آدمیوں نے اُس کا پیچھا کیا اور اُسے پکڑ کر مشتعل ہجوم کے حوالے کر دیا۔ تھوڑی دیر میں جاسوس اپنے جرم کی سزا بھگت چکا تھا اور لوگ اُس کی لاش مسخ کر رہے تھے۔ اس کے بعد شام سے پہلے پہلے کئی لوگ جن میں سے اکثر بے گناہ تھے گرفتار کئے جا چکے تھے۔ عوام کو ایک اجنبی کے خلاف مشتعل اور پولیس کو پکڑ دھکڑ پر آمادہ کرنے کے لئے کسی انتہائی غیر ذمہ دار آدمی کا یہ نعرہ کافی سمجھ لیا جاتا تھا کہ فلاں شخص یہودی ہے اور پولیس اذیت رسانی کے ایسے طریقوں سے واقف تھی جو انتہائی معصوم آدمیوں کو بھی اقبالِ جرم پر مجبور کر دیتے تھے ۔۔۔ جب ایک بے گناہ ناقابل برداشت جسمانی اذیتوں کے باعث جرم کا اقبال کرتا تو اُسے اپنے ساتھیوں کا نام بتانے کے لئے مزید اذیتیں دی جاتیں۔ پھر اُس کی نشان دہی پر کئی اور بے گناہ آہنی شکنجوں میں جکڑ دیئے جاتے۔ ایرانیوں کی فتوحات کا سیل رواں ہر آن قریب آ رہا تھا اور یروشلم کے محافظوں کی یہ حالت تھی کہ کسی کو کسی پر اعتماد نہ تھا۔

یہودیوں کی طرح عیسائیوں کے اپنے دو فرقے، نسطوری اور یعقوبی جنھیں کلیسا کا باغی خیال کیا جاتا تھا، مدتوں سے ایک انتہائی متعصب اور بے رحم اکثریت کے جبر و تشدد کی چکی میں پس رہے تھے۔ دائمی مصائب نے ان لوگوں کو بھی یہودیوں کی طرح کلیسا کا بدترین دشمن بنا دیا تھا۔ جب تک رومی حکومت اور کلیسا کا دبدبہ قائم رہا یہ اقلیتی فرقے طوعاً و کرہاً ان کی وفاداری کا دم بھرتے رہے لیکن جب ایرانیوں کی فتح یقینی نظر آنے لگی تو یہودیوں کی طرح ان لوگوں نے بھی اپنے مستقبل کی ساری امیدیں کسریٰ سے وابستہ کر دیں۔

باب ۱۹

عاصم سین کی رفاقت میں فلسطین کے کئی معرکوں میں حصہ لے چکا تھا۔ جنگ جس کے اچھے اور بُرے پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے وہ اپنے ذہن میں ایک خلجان محسوس کیا کرتا تھا اب اُسے ایک کھیل محسوس ہوتی تھی۔ ایک ایسا کھیل جس سے اُس کی ابتدائی دلچسپی، محبت یا نفرت اور دوستی یا دشمنی کے جذبات سے خالی تھی۔ کسریٰ کی فتح یا قیصر کی شکست کی بجائے اُس کے لئے یہ مسئلہ کہیں زیادہ اہم تھا کہ سین اس جنگ میں حصہ لے رہا ہے اور وہ اُس کا دوست اور ساتھی ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ وہ عصبیتیں جنھیں وہ یثرب کی خاک میں دفن کر آیا تھا دوبارہ زندہ ہو رہی تھیں اور سین کے دوست اُسے اپنے دوست اور سین کے دشمن اُسے اپنے دشمن محسوس ہوتے تھے۔ سین ایران کی فتح کے لئے لڑ رہا تھا اور ضمیر کی دبی دبی سسکیوں کے باوجود یہ فتح عاصم کے لئے بھی ایک مقصدِ حیات بنتی جا رہی تھی۔

سین فرصت کے اوقات میں اُسے منظم لڑائی کے طور طریقے سکھایا کرتا تھا ۔۔۔ اور عاصم اپنی خداداد ذہانت کے باعث اُس کی بلند ترین توقعات پوری کر رہا تھا ۔۔۔ سین کو اگر عاصم کے متعلق کوئی بے اطمینانی تھی تو یہ کہ لڑائی کے میدان میں اپنی انفرادیت قائم رکھنے کے لئے اُس کا شوق بسا اوقات ضبط و نظم کے تقاضوں پر غالب آجاتا تھا اپنے وطن میں عاصم نے صرف انتہائی محدود پیمانے پر وہ قبائلی لڑائیاں دیکھی تھیں جن میں فریقین کے پہلوانوں کی انفرادی شجاعت کو ایک فیصلہ کن عنصر سمجھا جاتا تھا لیکن دنیا کی دو عظیم ترین سلطنتوں کے معرکوں میں ہزاروں انسانوں کا اجتماعی نظم و ضبط انفرادی شجاعت سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔

سین کو پانچ ہزار سواروں کی کمان مل چکی تھی۔ وہ پرویز کے انتہائی ہوشیار جرنیلوں میں سے تھا اور عاصم کو ان

منظم جنگوں کے قواعد و ضوابط سکھانے کے لئے اُس سے بہتر اُستاد نہیں مل سکتا تھا۔ فرصت کے اوقات میں وہ عاصم کو اپنے پاس بٹھا لیتا اور کوئی نقشہ کھول کر اُس کے سامنے رکھتے ہوئے کبھی اُسے کسی گزشتہ لڑائی کے پلان کی خوبیاں اور خامیاں سمجھاتا اور کبھی آئندہ کے لئے صف بندی اور حملے کی مختلف تجاویز پر بحث شروع کر دیتا۔ عاصم کی فطری صلاحیتیں سین کی توقعات سے کہیں زیادہ ثابت ہوئی تھیں اور چند ہفتوں میں اُسے پچاس سواروں کی کمان مل چکی تھی۔ ان سواروں کے لئے یہ بات نئی تھی کہ اُن کا سالار ایک عرب تھا۔ اور ابتداء میں وہ یہی خیال کرتے تھے کہ اِس اجنبی کو کسی خدمت کے عوض نوازا گیا ہے۔ لیکن چند معرکوں کے بعد یہ دستہ ساری فوج میں ایک غیر معمولی شہرت و عزت حاصل کر چکا تھا اور اس کا ہر سپاہی اپنے سالار پر فخر کرتا تھا۔ عاصم کی نگاہوں میں ان پچاس سواروں کی حیثیت اپنے قبیلے کے آدمیوں کی سی تھی اور اس کی تمام دلچسپیاں انہیں دوسروں کے مقابلے میں زیادہ معزز، زیادہ بہادر، فرض شناس اور قابل اعتماد ثابت کرنے تک محدود تھیں۔ ایران کے سماج میں زیردستوں اور بالادستوں کا رشتہ بندوں اور آقاؤں کا رشتہ تھا اور فوج کے اندر بھی یہی حالت تھی۔ کہ افسر، جو عام طور پر طبقہ اعلیٰ سے تعلق رکھتے تھے، اپنے سپاہیوں کو غلاموں کی طرح حقیر سمجھتے تھے لیکن عاصم اپنے سپاہیوں کا غمگسار دوست اور دردمند ساتھی بن چکا تھا اور اپنے دل میں اُن کے لئے وہی شفقت محسوس کرتا تھا جو ایک عرب سردار کے دل میں اپنے قبیلے کے آدمیوں کے لئے ہو سکتی تھی۔ اور یہ لوگ اُس کے اشارے پر جان دیتے تھے پھر جس طرح ایک سردار ہمیشہ اپنے قبیلے کی نگاہوں میں ممتاز رہنا پسند کرتا ہے۔ عاصم بھی اپنی ایک امتیازی شان برقرار رکھنے کے لئے کوشاں رہتا تھا۔

لڑائی کے میدان میں سین کی نگاہیں ہمیشہ اُسے کسی ایسے مقام پر تلاش کرتی تھیں جہاں دشمن کا دباؤ سب سے زیادہ ہوتا تھا۔ اُس کے سپاہی سائے کی طرح، ہمیشہ اُس کے ساتھ لگے رہتے۔

لڑائی کے بعد جب اُس کے تھکے ہارے سپاہی کسی چٹان یا ریت کے ٹیلے پر سستاتے تو وہ بھی اُن کے پاس بیٹھ جاتا۔ وہ اُس کی موجودگی میں بے تکلفی سے باتیں کرتے اور ہنستے بولتے تھے اور وہ اُن کے ہر غم اور ہر خوشی میں شریک ہونا اپنا فرض خیال کرتا تھا۔ سین اِس بات پر خوش تھا کہ اُس نے عاصم کے افسردہ چہرے کے لئے مسکراہٹوں کے سامان مہیا کر دیئے ہیں۔

عرب قبائل کے رضاکار اور اُن کے سردار عاصم کی جرأت و ہمت کے معترف تھے اور جب سے انہیں یہ

معلوم ہوا تھا کہ عاصم یثرب کے ایک عرب خاندان سے تعلق رکھتا ہے وہ اُس سے اور بھی بے تکلف ہو گئے تھے۔ فرصت کے اوقات میں وہ عاصم کو تیر اندازی، تیغ زنی اور نیزہ بازی کے مقابلوں میں دعوت دیا کرتے تھے۔ اور وہ نامی گرامی پہلوانوں سے اپنا لوہا منوا چکا تھا۔ چند ہی مہینوں میں عاصم کی مصروفیتوں میں اِس قدر اضافہ ہو چکا تھا کہ اُسے اپنے ماضی یا مستقبل کے متعلق سوچنے کا موقع ہی نہ ملتا تھا۔ فرصت کے اوقات میں، وہ اپنے سپاہیوں سے فراغت پاتا تو کسی عرب قبیلے کے رضاکاروں کی محفل میں جا بیٹھتا۔ تاہم ان تمام دلچسپیوں اور مصروفیتوں کے باوجود جب کبھی وہ اس جنگ میں یہودیوں کے کردار کے متعلق سوچتا تو اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ شام اور فلسطین کے حالات یثرب کے حالات سے مختلف نہیں ۔۔۔ وہاں یہودی اوس و خزرج کی دائمی نزاع میں اپنی بھلائی دیکھتے ہیں اور یہاں انہیں روم اور ایران کے شہنشاہوں کی زور آزمائی میں اپنا مفاد نظر آتا ہے۔ یہودی جنگ کے میدان سے عام طور پر دور رہتے تھے لیکن فتح کے بعد جب بے بس انسانوں پر قوت آزمائی کا موقع ملتا تو وہ سب سے آگے ہوتے تھے ۔۔۔ کبھی کبھی اُن کی وطن دشمنی، شقاوت اور بربریت کے خلاف عاصم کا ضمیر چیخ اٹھتا لیکن یہ چیخیں جنگ کے ہنگاموں میں دب کر رہ جاتیں۔ وہ ایک ایسے تیز رفتار قافلے کے ساتھ شامل ہو چکا تھا جس کے مسافروں کو اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینے کی فرصت نہ تھی اور وہ ایک ایسا راستہ اختیار کر چکا تھا جس کی منزلیں خون میں ڈوبی ہوئی تھیں، اور یہودی اُس کی تمام نفرت و حقارت کے باوجود اُس کے ہم سفر بن چکے تھے۔ وہ ایک آندھی کے ساتھ اڑ رہا تھا ایک سیلاب کے ساتھ بہہ رہا تھا اور اب کسی نئے راستے یا منزل کے متعلق سوچنا اُس کے بس کی بات نہ تھی۔ لطیف اور نازک خیالات صرف اُس وقت پریشان کرتے جب اُسے رات کی تنہائیوں میں سوچنے کا موقع ملتا۔ لیکن اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ کا رُخ کرتے وقت وہ صرف ایک سپاہی رہ جاتا تھا۔ آئے دن اُس کے قدردانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا لیکن اُس کی بڑھتی ہوئی شہرت و مقبولیت نے بعض لوگوں میں حسد و رقابت کے جذبات بھی بیدار کر دیئے ۔۔۔ ایرج، سین کی فوج میں ایک ہزار سپاہیوں کا سالار ہونے کے باوجود عاصم کو اپنا حریف سمجھتا تھا ۔۔۔ اُس کے دل میں پہلی ملاقات کی تلخی ابھی تک باقی تھی۔ اور اب وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ یہ عرب جس سے برابر کی سطح پر بات کرنے کے تصور ہی سے اُسے کراہت محسوس ہوتی تھی شہرت اور ناموری کے میدان میں سرپٹ دوڑ رہا ہے۔ ۔۔ ایرج نے عاصم کو ایک ایرانی دستے کا افسر بنانے کی مخالفت

کی تھی اور اُس کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ ایرانی ایک عرب کی سرداری قبول نہیں کریں گے لیکن اب وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ ایرانی، جنھیں اُس سے نفرت و حقارت سے پیش آنا چاہیئے تھا، اُس کے پجاری بن چکے ہیں۔



ایک دن پرویز کی فوجیں یروشلم سے چار منزلوں کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالے پڑی تھیں کہ اچانک اُسے اطلاع ملی کہ غسانی قبائل کے ایک تازہ دم لشکر نے دفعتہً حملہ کر کے گلیلی کے دو شہروں پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور اب یہ لوگ چند میل دُور ایرانی افواج کے عقب میں جمع ہو کر کسی بڑے حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

غسانی عرب عیسائی تھے اور رومیوں کے طاقتور حلیف خیال کئے جاتے تھے چنانچہ پرویز نے یروشلم پر حملہ کرنے سے پہلے ان کی طرف توجہ دینا ضروری سمجھتے ہوئے کسی توقف کے بغیر سین کو پیش قدمی کا حکم دیا۔ اس مہم میں یمن اور عراق عرب کے رضا کار بھی شریک ہو گئے۔ اس لشکر میں ایرانیوں کے علاوہ دو ہزار عرب سوار لخم، تمیم اور دوسرے حلیف قبائل کی نمائندگی کرتے تھے۔ بنو بکر کے پانچ سو سواروں کے ایک قوی ہیکل سردار کا نام حابس تھا اور اُس سے عاصم کی ابتدائی دلچسپی کی وجہ یہ تھی کہ اُس کا دایاں ہاتھ کٹا ہوا تھا۔ روانگی کے وقت سین نے اُسے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ تم بذاتِ خود اس مہم پر جانے کی بجائے، اپنے آدمیوں کی رہنمائی کے لئے کسی اور کو بھیج دو لیکن اُس نے جواب دیا۔ "میرے قبیلے کے آدمی صرف میری موجودگی میں مردانگی کے جوہر دکھا سکتے ہیں اور میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ وہ کسی سے پیچھے رہ جائیں۔" پھر جب ایک شہر کے باہر کھلے میدان میں لڑائی شروع ہوئی تو حابس کے سپاہی پہلے ہلے میں ہی دشمن کے قلب تک پہنچ چکے تھے۔ غسانی لشکر نے کچھ دور پیچھے ہٹنے کے بعد پوری قوت سے جوابی حملہ کیا اور اُس کے دائیں اور بائیں بازو کے سواروں نے آگے بڑھ کر حابس کے لئے پیچھے ہٹنے کا راستہ مسدود کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد پھر ایرانیوں کا پلہ بھاری نظر آنے لگا اور غسانی دوبارہ پیچھے ہٹنے لگے لیکن حابس کے جانباز ابھی تک اُن کے نرغے میں تھے۔ ایک شدید حملے کے بعد چند ایرانی اور عرب دستے دشمن کا گھیرا توڑ کر آگے بڑھے لیکن اتنی دیر میں حابس کے ڈیڑھ سو آدمی ہلاک اور زخمی ہو چکے تھے۔ وہ خود بھی زخمی تھا اور بڑی مشکل سے گھوڑے پر اپنا

توازن قائم رکھنے کی کوشش کر رہا تھا اُس کے ساتھی اپنی تلواروں اور نیزوں کی مدد سے دُشمن کو پیچھے ہٹا رہے تھے اچانک ایک غسانی کا نیزہ حابس کے گھوڑے کی گردن پر لگا گھوڑا اُچھلا اور حابس ایک طرف لڑھک گیا۔ اس عرصہ میں عاصم اور اُس کے ساتھیوں کے علاوہ ایرانی لشکر کے چند اور دستے اس کی مدد کیلئے پہنچ گئے اور انہوں نے دشمن کو پیچھے ہٹا دیا۔ عاصم نے گھوڑے سے کود کر گرے ہوئے سردار کو اٹھایا اور پلک جھپکتے میں اُسے زین پر ڈال کر اُس کے پیچھے بیٹھ گیا، تھوڑی دیر بعد میدان صاف ہو چکا تھا اور عاصم حابس کو ایک خیمے میں لٹا کر اُس کی ران کے زخم پر پٹی باندھ رہا تھا۔

ایک ساعت بعد جب حابس کو ہوش آیا تو سین، ایرج اور چند عرب سردار اُس کے گرد جمع تھے۔ اپنے تیمار داروں سے چند سوال کرنے کے بعد اُس نے پوچھا۔ "اور وہ کون ہے جس نے میری جان بچائی ہے؟"

تمیمی رضا کاروں کے سردار نے عاصم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارا محسن یہ ہے؟"

حابس کچھ دیر بغور عاصم کی طرف دیکھتا رہا پھر اُس نے احسانمندانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "نوجوان! میرے قریب آؤ۔"

عاصم آگے بڑھا اور حابس نے اُس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا شکر گزار ہوں۔"

ایرج نے کہا۔ "تمہیں خود کشی کے لئے میدان میں آنے کی ضرورت نہ تھی۔ تمہارے بے معنی جوش سے کئی کارآمد آدمی مارے جا چکے ہیں۔"

حابس کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا اور سین نے فوراً مداخلت کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "وہ کارآمد آدمی اس لئے مارے گئے کہ جب حملہ کرنے کی ضرورت تھی تم تذبذب کی حالت میں کھڑے تھے اگر تم بھی عاصم کی طرح فرض شناسی کا ثبوت دیتے تو اُن میں سے اکثر کی جانیں بچائی جا سکتی تھیں۔"

ایرج جسے ہر معاملے میں سین سے دلجوئی اور ناز برداری کی توقع تھی، اپنا سا مُنہ لے کر رہ گیا اور چند ثانیے بعد جب یہ لوگ جنگ کے واقعات پر گفتگو کر رہے تھے وہ اُن کی نگاہوں سے بچتا ہوا دبے پاؤں خیمے سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد جب سین اور دوسرے لوگ حابس کے خیمے سے جانے لگے تو حابس نے سین سے کہا۔

آپ تھوڑی دیر ٹھہریئے میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

سین رک گیا اور باقی لوگ خیمے سے باہر نکل گئے۔ حابس نے کہا "مجھے اِس بات کا پورا احساس تھا کہ میں دائیں ہاتھ سے محروم ہونے کے بعد لڑنے کے قابل نہیں رہا لیکن لخمی اور تمیمی سرداروں نے میرے آدمیوں کو بزدلی کا طعنہ دیا تھا اور میں اُن پر یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ تلوار اٹھائے بغیر بھی میں اپنے آدمیوں کو شیروں کی طرح لڑا سکتا ہوں لیکن آئندہ کچھ عرصے کے لئے میں شاید گھوڑے پر سواری بھی نہ کر سکوں اب میرے آدمیوں کو ایک اچھے راہنما کی ضرورت ہے اور یثرب کا یہ نوجوان، جس نے آج میری جان بچائی ہے، ہر لحاظ سے اس ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کا اہل ہے۔"

سین نے کچھ دیر سوچنے کے بعد سوال کیا۔ "آپ کے قبیلے کے آدمی اُس کی قیادت میں لڑنا پسند کریں گے؟"

"کیوں نہیں! اُس نے میری جان بچائی ہے اور میرا ہر آدمی اُسے آنکھوں پر بٹھانے کے لئے تیار ہوگا۔ میں نے سنا ہے کہ اپنے قبیلے سے اُس کا رشتہ کٹ چکا ہے اگر وہ پسند کرے تو میں اُسے اپنے قبیلے میں داخل کرنے کو تیار ہوں۔ میں اُسے اپنا بیٹا سمجھوں گا۔"

سین نے مضطرب سا ہو کر اُس کی طرف دیکھا اور کہا "وہ ایک سپاہی ہے اور ایران کی فوج کے سوا اُس کا کوئی قبیلہ نہیں، میں اُسے رضامند کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ اپنے ایرانی دستے کو چھوڑ کر شاید کوئی بڑے سے بڑا عہدہ قبول کرنا بھی پسند نہ کرے۔"

حابس نے پُر امید ہو کر کہا "کیا یہ ایرانی دستہ میرے آدمیوں کے ساتھ نہیں رہ سکتا؟"

سین نے جواب دیا "یہ ہو سکتا ہے۔ اگر تم اِس قدر مصر ہو تو وہ تمہیں مایوس نہیں کرے گا۔ لیکن میرا خیال تھا کہ عرب صرف اچھے گھوڑے ہی کو پہچان سکتے ہیں۔"

حابس مسکرایا "جناب! میں پہلے دن اُس کا گھوڑا دیکھ کر ہی اُس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔"



شام کے وقت ایرج، سین کے خیمے میں داخل ہوا اور اُس نے کہا "جناب اگر آپ خفا نہ ہوں تو میں کچھ

عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا بات ہے، تم بہت پریشان معلوم ہوتے ہو؟"

"جناب! مجھے معلوم ہے کہ آپ عاصم کو بہت چاہتے ہیں۔ اور میری بھی یہی خواہش ہے کہ آپ دل کھول کر اُس کی نیکی کا بدلہ دیں لیکن وہ فوج کے نظم و ضبط کی اہمیت قطعاً محسوس نہیں کرتا"

سین نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "اس نے کیا کیا ہے؟"

"جناب! فوج کے کسی چھوٹے یا بڑے عہدہ دار کو اپنے سپاہیوں کے ساتھ اس قدر مانوس نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ اُس کے ساتھ برابری کا دعویٰ کرنے لگیں۔ عاصم دوسروں کے لئے ایک غلط مثال قائم کر رہا ہے۔ آپ ذرا باہر نکل کر دیکھیں اُس کے سپاہی گا رہے ہیں اور وہ اُن کے درمیان زمین پر بیٹھا ہوا ہے۔"

"تمہیں سپاہیوں کا گانا پسند نہیں؟"

"جناب! مجھے یہ شکایت ہے کہ وہ بھی اُن کے ساتھ گا رہا ہے اور اُسے اِس بات کا احساس تک نہیں کہ اس قسم کی بے تکلفی سے سپاہیوں کے دل سے اپنے سالار کا رعب اٹھ جاتا ہے۔"

سین نے جواب دیا "ایک سالار کی کامیابی کا اندازہ اُس کے سپاہیوں کی جرأت اور فرض شناسی سے لگایا جاتا ہے اور ہماری فوج کا کوئی دستہ عاصم کے سپاہیوں سے زیادہ بہادر اور فرض شناس نہیں۔ وہ انہیں کوڑے سے ہانکنا پسند نہیں کرتا لیکن جہاں تک اپنے احکام کی تعمیل کرانے کا تعلق ہے فوج کا کوئی سالار اُس سے زیادہ کامیاب نہیں ——" ایرج نے پریشان ہو کر کہا "جناب! ابھی میں اُن کے قریب سے گزر رہا تھا۔ لیکن میرا ادب یا احترام تو درکنار کسی نے میری طرف دیکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی —— فوج کے دوسرے افسروں کو بھی یہ شکایت ہے کہ اُس کے سپاہی بہت گستاخ ہو گئے ہیں اور وہ کسی کی پروا نہیں کرتے۔ مجھے عربوں کے ساتھ اُس کے میل جول پر کوئی اعتراض نہیں، وہ یوں بھی کسی ضبط و نظم کی پابندی نہیں کرتے لیکن سپاہیوں اور عہدہ داروں کے درمیان یہ بے تکلفی ایرانی فوج کی روایات کے منافی ہے۔"

سین نے تلخی کے لہجے میں کہا۔ "ایرج! تمہیں فوج میں ایک اہم عہدہ اس لئے دیا گیا ہے کہ تم ایک بااثر باپ کے بیٹے ہو —— لیکن عاصم فطرتاً سپاہی ہے۔ میں نے اُس پر کوئی احسان نہیں کیا۔ وہ گزشتہ لڑائیوں میں اپنے

آپ کو بڑی سے بڑی ذمہ داری کا اہل ثابت کر چکا ہے۔

میں اُس سے تمہاری عداوت کی وجہ نہیں سمجھ سکا تاہم تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ عاصم اب تمہارے ماتحت نہیں رہے گا اور اُس کا طرزِ عمل ان افسروں کو پریشان نہیں کرے گا، جو اپنے سپاہیوں میں عزت نفس کے معمولی احساس کو بھی نظم وضبط کے تقاضوں کے منافی سمجھتے ہیں۔ عابس اپنے قبیلے کے جانبازوں کی قیادت کے لئے اُس کی خدمات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اب تک میں تذبذب میں تھا، میرا خیال تھا کہ میں واپس جا کر کسی اہم عہدے کے لئے شہنشاہ سے اُس کی سفارش کروں گا لیکن اُسے میری سرپرستی کی ضرورت نہیں، آئندہ اگر میرے کسی افسر کو عاصم کے خلاف کوئی شکایت ہو تو اُسے عابس کے پاس جانا چاہیئے میں اُسے ایرانی نہیں بنا سکتا لیکن میں وہ دن دیکھ رہا ہوں، جب تم لوگ اُس سے مصافحہ کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرو گے۔"

ایرج نے کھسیانا ہو کر کہا "جناب! میں اُس کا دشمن نہیں بلکہ اُس کی جرأت وہمت کا معترف ہوں میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ اُسے ذرا احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔"

سین نے کہا "ایرج! جاؤ، اب آرام کرو۔ عاصم کو تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں۔ اُس کی دنیا تمہاری دنیا سے مختلف ہے۔"

ایرج انتہائی پریشانی کی حالت میں خیمے سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد اپنے خیمے سے کچھ فاصلے پر اُسے عاصم اور اُس کے ساتھیوں کے قہقہے سنائی دے رہے تھے اور وہ ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے وہ لوگ اُس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

پرویز کا لشکر یروشلم کا محاصرہ کر چکا تھا۔ چاروں طرف سے رسد وکمک کے راستے بند ہو چکے تھے تاہم شہر کے محافظ جس عزم وثبات کا مظاہرہ کر رہے تھے وہ اِس سے قبل شام کے کسی اور شہر میں نہیں دیکھا گیا تھا گرجوں اور خانقاہوں میں دعائیں مانگی جا رہی تھیں، خدا رسیدہ راہبوں کی ہڈیوں سے برکات حاصل کی جا رہی تھیں اور معجزات کا انتظار ہو رہا تھا۔ فریقین کے منجنیق ایک دوسرے پر پتھر برسا رہے تھے۔ ایرانیوں نے کئی بار دبابوں اور سیڑھیوں کی مدد سے فصیل پر حملہ کیا لیکن اوپر سے پتھروں، آتشیں تیروں اور کھولتے ہوئے تیل کے آگے اُن کی پیش نہ گئی۔ یروشلم کے محاذ پر پرویز کی موجودگی اُن کے حوصلے زندہ رکھنے کے لئے کافی تھی۔ ہر دستے کا سالار

اور ہر قبیلے کا سردار شہنشاہِ ایران کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بیتاب نظر آتا تھا۔

فرزندانِ صلیب کے لئے یروشلم کی حفاظت موت وحیات کا مسئلہ بن چکا تھا۔ وہ یہ جانتے تھے کہ شکست کی صورت میں انہیں مکمل تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن رسد وکمک کے تمام راستے مسدود ہو جانے سے اُن کے حوصلے بتدریج پست ہو رہے تھے۔ پھر ایک دن ایرانی فوجیں پوری قوت کے ساتھ چاروں طرف سے یروشلم پر ٹوٹ پڑیں اور انہوں نے فصیل کے ایک حصے پر قبضہ جمانے کے بعد وہ آہنی دروازہ کھول دیا جو ہلاکت وبربادی کے ایک سیلِ عظیم کو روکے ہوئے تھا۔ تھوڑی دیر بعد فصیل کے ہر بُرج پر صلیب کے جھنڈے سرنگوں ہو چکے تھے اور ایرانی فوجیں مختلف دروازوں سے شہر کے اندر داخل ہو رہی تھیں۔ وحشت اور بربریت کے عفریت انسانیت کے وجود سے تہذیب واخلاق کا پیراہن نوچ رہے تھے۔ یہودی رضاکار، جنہیں مدت کے بعد اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کا موقع ملا تھا، لوگوں کے گھروں، گرجوں اور خانقاہوں میں داخل ہو گئے تھے۔ یعقوبی اور نسطوری فرقوں کے عیسائی جو کلیسا کے باغی خیال کئے جاتے تھے۔ اب ایرانیوں اور یہودیوں کے ساتھ مل کر اُن راہبوں اور پادریوں سے صدیوں کے مظالم کا انتقام لے رہے تھے جن کی قبائیں کبھی انکے خون سے داغدار تھیں۔ یروشلم میں قتل وغارت اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ گلیوں اور بازاروں میں خون کی ندیاں بہ رہی تھیں۔ اُن مقدس گرجوں اور خانقاہوں کو لوٹنے کے بعد مسمار کیا جا رہا تھا جہاں صدیوں سے مشرق ومغرب کی دولت جمع ہو رہی تھی۔ راہب اور پادری انہی آہنی شکنجوں میں کسے جا رہے تھے جنہیں وہ بدعقیدہ لوگوں کی اصلاح کے لئے استعمال کیا کرتے تھے۔ یروشلم میں دینِ مسیح کا سب سے بڑا پیشوا ذکریا گرفتار ہو چکا تھا۔ وہ مقدس صلیب جس پر عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے جان دی تھی مجوسیوں کے قبضے میں آ چکی تھی۔



یروشلم فتح ہونے تک عاصم صرف ایک سپاہی کے ذہن سے سوچتا تھا۔ محاصرے کے دوران میں وہ اپنی غیر معمولی جرأت کے باعث ایران کے سورماؤں سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا تھا۔ آخری حملے کے وقت وہ

اُن جانبازوں کے ساتھ تھا جنہیں سب سے پہلے فصیل کے ایک حصّے پر قبضہ کرنے میں کامیابی ہوئی تھی لیکن اب وہ معرکہ، جس میں اُس کے سپاہیانہ جوہر پوری طرح بیدار تھے، ختم ہو چکا تھا اور ہار ماننے والے انسانوں کی مظلومیت اور بے بسی اُسے پریشان کر رہی تھی۔

شہر میں داخل ہونے کے بعد فاتح لشکر کے سپاہی بے بس انسانوں کے ساتھ وہی سلوک کر رہے تھے جو عرب کے وحشی قبائل اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا کرتے تھے لیکن عاصم کا دِل انتقام کے جذبات سے خالی تھا اور وہ اپنے ساتھیوں کی ترغیب کے باوجود وحشت و بربریت کے گھناؤنے کھیل میں حصّہ لینے کے لئے تیار نہ ہؤا۔

قتل عام کی پہلی رات وہ چند گھنٹے شہر کی گلیوں اور بازاروں میں پھرتا رہا۔ اور پھر آدھی رات کے قریب جب اُس کی قوتِ برداشت جواب دینے لگی تو شہر کے ایک دروازے سے باہر نکلا اور پڑاؤ کی طرف چل دیا۔

راستے میں اُسے اُن سپاہیوں کی ٹولیاں دکھائی دیں جو چیختی چلاتی عورتوں کو گھروں سے نکال کر پڑاؤ کی طرف ہانک رہے تھے۔ عاصم کو یہ چیخیں تلواروں کی جھنکار سے زیادہ خوفناک محسوس ہو رہی تھیں۔ پڑاؤ میں داخل ہوتے ہی وہ سیدھا اپنے خیمے کی طرف بڑھا، چند آدمی جو عرب رضاکاروں کے خیموں اور گھوڑوں کی حفاظت پر متعین تھے اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ یہ لوگ کبھی اپنے ساتھیوں کے متعلق پوچھتے اور کبھی عاصم کے خالی ہاتھ واپس آنے پر حیرت کا اظہار کرتے۔ عاصم کا کوئی جواب انہیں مطمئن کرنے کے لئے کافی نہ تھا۔ اچانک پاس ہی ایک خیمے سے حابس کی آواز سنائی دی۔ "عاصم آگیا ہے؟"

"جی ہاں" ایک سپاہی نے جواب دیا۔

"عاصم یہاں آؤ"، وہ بلند آواز میں چلّایا۔

عاصم خیمے کے اندر داخل ہؤا۔ وہاں ایک مشعل جل رہی تھی اور حابس ٹانگیں پھیلائے ایک چٹائی پر بیٹھا تھا۔ اُس نے کہا "میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ لخمی اور تمیمی رئیس اپنے خیموں میں دادِ عیش دے رہے تھے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ میرے ساتھیوں نے مجھے فراموش کر دیا ہے۔ کم از کم شراب کا ایک مشکیزہ ہی تم نے بھیج دیا ہوتا میں نے آج اُن سے مانگ کر پی ہے۔ وہ سب تمہاری بہادری کی تعریف کرتے تھے۔ اور مجھے یقین تھا کہ تم میرے لئے بہترین تحائف لاؤ گے۔"

عاصم نے کہا "میں آپ کے لئے یروشلم کی فتح کی خوشخبری کے سوا اور کچھ نہیں لایا"

حابس چند ثانیے حیرت زدہ ہو کر عاصم کی طرف دیکھتا رہا، بالآخر اُس نے کہا "تم مذاق کر رہے ہو۔ میں یہ کیسے مان سکتا ہوں کہ تم یروشلم کی فتح کے بعد خالی ہاتھ واپس آئے ہو"

"میں مذاق نہیں کرتا۔ فتح کے بعد وہاں خون، آنسوؤں اور چیخوں کے سوا کچھ نہ تھا"

"میرے آدمی کہاں ہیں؟ کیا وہ بھی تمہاری طرح خالی ہاتھ واپس آگئے ہیں؟"

"نہیں! وہ ابھی تک وہیں ہیں اور جب وہ واپس آئیں گے تو آپ کو یہ شکایت نہیں رہے گی کہ وہ درندگی کا مظاہرہ کرنے میں کسی سے پیچھے رہ گئے ہیں، لشکر کے شہر میں داخل ہوتے ہی وہ میرے حکم سے آزاد ہو گئے تھے"

"تم میرے لئے ایک معمّا ہو۔ کبھی کبھی مجھے تمہارے عرب ہونے پر بھی شک ہونے لگتا ہے۔ بیٹھ جاؤ! تمہیں اِس وقت شراب کی ضرورت ہے۔ اور میرے مشکیزے میں ابھی چند گھونٹ باقی ہیں یہ لو"

حابس نے یہ کہہ کر چھوٹا سا مشکیزہ اٹھایا اور عاصم کو پیش کر دیا۔ عاصم کچھ دیر تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا پھر اُس نے ایک گہری سانس لی اور مشکیزہ پکڑ کر حابس کے قریب بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ مشکیزہ خالی کر کے ایک طرف پھینک چکا تھا تو حابس نے کہا "سین کہتا تھا کہ تم شراب کو ہاتھ نہیں لگاتے لیکن میں یہ محسوس کیا کرتا تھا کہ تم صرف ایک سالار کی ذمہ داریوں کا لحاظ کرتے ہوئے احتیاط برتتے ہو۔ آج میرا خیال تھا کہ تم یروشلم کے کسی عالیشان مکان پر قابض ہو گے۔ تمہارے سامنے شراب کے مٹکے کھلے ہوں گے اور تمہارے پہلو میں وہ دوشیزائیں ہوں گی جن کے جسم دودھ کی طرح سفید ہوتے ہیں"

عاصم نے جواب دیا "سین درست کہتا تھا، میں نے مدت کے بعد شراب کو ہاتھ لگایا ہے۔ جب میں گھر سے نکلا تھا تو میں نے باقی زندگی شراب نہ پینے کا عہد کیا تھا پھر جب میں شام کی حدود میں داخل ہؤا تو میں نے یہ عہد کیا تھا کہ تلوار کو بھی ہاتھ نہیں لگاؤں گا لیکن میری تمام قسمیں ٹوٹ چکی ہیں اب مجھے اپنی کسی بات پر یقین نہیں رہا"

حابس نے کہا "تم تنہائی محسوس کر رہے ہو اور تمہارا علاج یہ ہے کہ تمہیں دوبارہ شہر میں بھیج دیا جائے وہاں ایسی عورتوں کی کمی نہیں جنہیں دیکھ کر تم ماضی کی تلخیاں بھول جاؤ"

عاصم نے جواب دیا "میں وہاں بے شمار لاشیں دیکھ آیا ہوں، اُن سب کا خون سمیرا کی طرح سُرخ تھا۔

اور جو زندہ تھیں اُن کی آہیں اور چیخیں مجھے سمیرا کی آہیں اور چیخیں محسوس ہوتی تھیں۔ کاش! شراب کا نشہ ماضی اور حال کی تمام تلخیوں کو میرے ذہن سے فراموش کر سکتا۔"

حابس نے سوال کیا۔ "سمیرا کون تھی؟"

عاصم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "آپ نے کسی ایسی لڑکی کو دیکھا ہے جس کے چہرے کی روشنی میں آپ کو اپنے بدترین دشمن دوست نظر آنے لگیں۔ جس کی مسکراہٹ آپ کی نفرت کو محبت سے بدل دے۔ جس کے ساتھ آپ کی وفاداری تمام خاندانی اور قبائلی وفاداریوں پر غالب آجائے۔ اور جس کی خاطر آپ اپنے عزیزوں اور دوستوں سے بزدلی اور غداری کے طعنے سننا گوارا کر لیں۔"

"نہیں" حابس نے پریشان ہو کر جواب دیا۔ "میری رگوں میں ایک عرب کا خون ہے اور کوئی عرب کسی ایسی لڑکی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ جس کی محبت اُس کی خاندانی اور قبائلی عصبیت پر غالب آجائے۔"

"تو پھر میں آپ کو یہ نہیں سمجھا سکوں گا کہ سمیرا کون تھی اور یہ بات بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آسکے گی کہ میں اس وقت شہر سے کیوں بھاگ آیا ہوں۔"

حابس نے کہا۔ "تم میرے لئے ایک معمّا ہو۔ لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر تمہیں فتح کی خوشی میں حصہ دار بننے سے نفرت ہے تو تم لڑائی میں کیوں شریک ہوئے تھے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔"

"لیکن مجھے معلوم ہے۔ میں نے پہلے دن تمہیں لڑائی کے میدان میں دیکھا تھا تو اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ وہ نوجوان ایک عرب کی طرح لڑتا ہے ——— عاصم تم ایک عرب ہو اور مرنا اور مارنا تمہاری سرشت میں ہے تمہاری رگوں میں وہ خون ہے جس کی گردش تلواروں کی روانی سے تیز ہوتی ہے۔ جنگ کے ہنگاموں کے بعد ایک عارضی سکون بعض سپاہیوں کو پریشان کر دیتا ہے لیکن تم بہت جلد ان باتوں کے عادی ہو جاؤ گے۔ آج تم عام لوگوں سے ممتاز رہنے کے شوق میں دشمن کے نیزوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو جاتے ہو، کل تم پرویز کے جرنیلوں پر اپنی برتری ظاہر کرنے کے لئے اِس سے زیادہ جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کرو گے۔ ہمارا لشکر یروشلم جیسے کئی اور شہروں پر اپنے جھنڈے نصب کرے گا۔ میں نے یروشلم کی فتح کے بعد پہلی مرتبہ تمہیں شراب پیتے دیکھا

اور مجھے یقین ہے کہ کسی اور شہر کی فتح کے بعد تمہارے پہلو میں کوئی حسین و جمیل لڑکی بھی دیکھ لوں گا۔"

"مجھے معلوم نہیں کہ کل میرے احساسات کیا ہوں گے لیکن آج میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ میں مدہوش ہو جاؤں اور اُس وقت تک کسی گوشے میں پڑا رہوں جب تک کوئی مجھے یہ پیغام نہ دے کہ وہ جنگ جس کی ہولناکیوں نے تمہیں شراب سے مدہوش ہونے پر مجبور کر دیا تھا، ختم ہو چکی ہے اور اب اس زمین کو بے بس انسانوں کے خون اور آنسوؤں سے سیراب کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اب طاقتوروں کے ہاتھ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر نہیں اٹھیں گے۔" عاصم یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" حابس نے سوال کیا۔

"میں کہیں شراب تلاش کرنے جا رہا ہوں۔ آپ کے مشکیزے سے چند گھونٹ پینے کے بعد میری پیاس میں اضافہ ہو گیا ہے۔" عاصم یہ کہہ کر خیمے سے باہر نکل گیا۔ کچھ دیر پڑاؤ میں گھومنے کے بعد وہ سین کے خیمے میں داخل ہوا۔ سین بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اُس نے جلدی سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے متعلق ہی سوچ رہا تھا۔ میں ابھی شہنشاہ سے مل کر آیا ہوں۔ میں نے اُن سے تمہاری کارگزاری کا ذکر کیا تھا وہ بہت خوش تھے، آج اُن کے سامنے میرے بعض دوستوں نے بھی تمہاری تعریف کی تھی۔ تم اُن خوش قسمت نوجوانوں میں سے ہو جنھیں انعام کے قابل سمجھا گیا ہے۔ اب تمہیں دو چار دن کے اندر اندر شہنشاہ کی قدم بوسی کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔"

عاصم نے کہا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو میں شراب کے چند گھونٹ پینا چاہتا ہوں۔"

سین نے متعجب ہو کر عاصم کی طرف دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے کہا۔ "وہ صراحی بھری ہوئی ہے۔ جتنی چاہو پی سکتے ہو۔ قسم توڑنے کے لئے اس سے بہتر موقع کون سا ہو سکتا ہے؟"

عاصم نے سین کے سامنے بیٹھ کر پاس ہی سونے کی صراحی سے ایک پیالہ بھرا اور اُسے ایک ہی سانس میں پی گیا۔ جب وہ دوسری بار پیالہ بھرنے لگا تو سین نے کہا۔ "عاصم! یہ شراب بہت تیز ہے اور تم مدت کے بعد پی رہے ہو۔"

"میں مدہوش ہونا چاہتا ہوں۔" عاصم نے یہ کہہ کر آن کی آن میں دوسرا پیالہ بھی خالی کر دیا ——— سین اب قدرے مضطرب ہو کر اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عاصم نے تیسری بار صراحی اٹھانے کی کوشش کی تو سین نے جلدی سے

آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "نہیں۔ نہیں۔ تم اتنی شراب برداشت نہیں کرسکو گے۔"

"بہت اچھا" عاصم نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کی حکم عدولی نہیں کروں گا۔"

سین نے کہا۔ "تمہاری ٹانگیں لڑکھڑا رہی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اس سے پہلے بھی پی چکے ہو۔"

"عابس کے مشکیزے میں صرف چند گھونٹ تھے ورنہ میں آپ کو پریشان نہ کرتا۔" عاصم یہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھا لیکن چند قدم اٹھانے کے بعد گر پڑا۔

سین نے تالی بجائی اور دو پہریدار بھاگتے ہوئے خیمے کے اندر داخل ہوئے۔ سین نے کہا۔ "اسے اُٹھا کر اس کے خیمے میں لے جاؤ۔ لیکن نہیں اسے یہیں ایک طرف لٹا دو۔" پہریداروں نے حکم کی تعمیل کی اور سین انہیں رخصت کرکے عاصم کے قریب بیٹھ گیا۔

وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں بڑبڑا رہا تھا۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میں بے ہوش نہیں ہوں، اگر یروشلم کی گلیوں کا خون شراب بن جاتا اور میں اُس کے اندر غوطے لگاتا تو بھی میں مدہوش نہ ہوتا۔"

اگلے دن عاصم گہری نیند سے بیدار ہوا تو سین وہاں نہ تھا۔ وہ اٹھ کر آنکھیں ملتا ہوا خیمے سے باہر نکلا اور پہریدار نے ادب سے اُسے سلام کرتے ہوئے کہا۔ "آپ بہت دیر سوئے ہیں۔ آقا کا حکم تھا کہ آپ کو بیدار نہ کیا جائے۔"

"وہ کہاں ہیں ؟"

"وہ علی الصباح شہر چلے گئے تھے۔ اگر حکم ہو تو آپ کے لئے کھانا منگوا لیا جائے۔"

"نہیں! اس وقت مجھے بھوک نہیں۔ میں ذرا گھومنے پھرنے جا رہا ہوں۔" عاصم یہ کہہ کر ایک طرف چل دیا۔



یروشلم میں تین دن قتل عام جاری رہا۔ اور تیسرے دن شہر میں بکھری ہوئی نوے ہزار لاشوں کے تعفن نے فاتح لشکر کو پڑاؤ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ اس عرصے میں مال غنیمت کے علاوہ ہزاروں قیدی عورتیں جنہیں غلام بنانے کے قابل سمجھا گیا تھا پڑاؤ میں منتقل کی جا چکی تھیں۔

اس کے بعد ایک ہفتہ فتح کا جشن منایا گیا، سرکردہ یہودی نذرانے پیش کرنے اور ایرانی اور عرب قبائل کے جانباز اپنی کارگزاری کے انعامات حاصل کرنے باری باری کسریٰ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ عاصم کا انعام ایک خوبصورت تلوار تھی جس کا دستہ قیمتی جواہرات سے مرصع تھا۔

جشن کے اختتام پر جنگی قیدیوں اور مال غنیمت سے لدے ہوئے اونٹوں کا ایک قافلہ مسلح دستوں کی حفاظت میں ایران کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ اور باقی لشکر نئے محاذوں کی طرف کوچ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ وہ طوفان، جس کی شدت نے عاصم کو نڈھال کر دیا تھا، گزر چکا تھا اور اُس کی طبیعت آہستہ آہستہ سنبھل رہی تھی۔ ایک رات وہ عابس کے خیمے میں چند عرب سرداروں کے درمیان بیٹھا تھا۔ یہ لوگ اپنے اپنے قبیلے کے مشہور شعرا کا کلام سنا رہے تھے۔ ایک ایرانی نوجوان خیمے میں داخل ہوا اور اُس نے عاصم کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "سین آپ کو بلاتے ہیں۔"

عاصم اٹھ کر اُس کے ساتھ چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سین کے خیمے میں داخل ہوا۔

سین نے اُسے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔ "عاصم! میں نے تمہیں ایک اہم خبر سنانے کے لئے بلایا ہے مجھے ایشیائے کوچک کے محاذ پر بھیجا جا رہا ہے۔"

"ہم کب جا رہے ہیں ؟" عاصم نے سوال کیا۔

"میں پرسوں روانہ ہو جاؤں گا لیکن تم میرے ساتھ نہیں جاؤ گے۔ اب کچھ عرصے کے لئے ہمارے راستے ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے۔" عاصم کا دل بیٹھ گیا اور کوشش کے باوجود اُس کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ سین نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "بیٹا! پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں موجودہ حالات میں تمہارے لئے مصر کی طرف پیش قدمی کرنے والے لشکر کے ساتھ رہنا زیادہ سود مند ہے۔ آج شہنشاہ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تھا کہ عرب قبائل کے رضاکار عام طور پر فوجی ضبط و نظم کی پروا نہیں کرتے۔ وہ جس قدر بہادر ہیں اُسی قدر خود سر بھی ہیں اور افریقہ میں ہمیں ایسے حالات پیش آسکتے ہیں جن میں اُن لوگوں کو قابو میں رکھنے کے لئے کسی ہوشیار اور معاملہ فہم آدمی کی ضرورت پڑے۔ مہران جسے افریقہ کی طرف پیش قدمی کرنے والی فوج کی قیادت سونپی گئی ہے۔ تمہیں اپنے ساتھ لے جانے پر مصر تھا۔ وہ یہ کہتا تھا کہ مجھے یثرب کے اس نوجوان کے سوا اور کوئی

نظر نہیں آتا جسے عرب رؤسا متفقہ طور پر اپنا سالار تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اُن کے درمیان اگر کوئی اختلافات پیدا ہوں تو تمہاری آواز فوج کے ایرانی عہدہ داروں سے زیادہ موثر ثابت ہو سکے گی۔

عاصم! مجھے یقین ہے کہ اب تمہیں اپنے جوہر دکھانے کے بہترین مواقع ملیں گے۔ اگر میں تمہیں ساتھ لے جاؤں تو ایشیائے کوچک میں تمہیں صرف ایرانی عہدہ داروں یا اُن ترک قبائل کے سرداروں سے سابقہ پڑے گا جو ہمارے حلیف ہیں لیکن یہ لوگ تمہاری سپاہیانہ صلاحیتوں کا اعتراف کرنے کی بجائے تمہارے حاسد بن جائیں گے۔ تم وہاں ایک اجنبی سمجھے جاؤ گے لیکن افریقہ کے محاذ پر لڑنے والے عربوں کے راہنما بن کر تم ایرانیوں سے بھی خراجِ تحسین حاصل کر سکو گے۔ کم از کم ہمارے جرنیلوں میں تمہیں کوئی اپنا رقیب خیال نہیں کرے گا۔

صبح مہران عرب رؤسا کو بلا کر یہ کہے گا کہ تمہیں متفق ہو کر کسی ایک کو اپنا سالارِ اعلیٰ بنا لینا چاہیئے اور مجھے یقین ہے کہ جب وہ کسی غیر جانبدار عرب کو تلاش کریں گے تو اُن کی نگاہیں لامحالہ تمہی پر مرکوز ہوں گی۔ اس کے بعد تمہیں میرے سہارے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ عزت شہرت اور کامیابی کا کوئی راستہ ایسا نہ ہو گا جسے تم اپنی تلوار کی نوک سے نہیں کھول سکو گے۔"

عاصم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "لیکن مجھے شہرت اور کامیابی کی ضرورت نہیں۔ میں صرف آپ کی وجہ سے یہاں آیا تھا۔ اور حابس کے آدمیوں کی راہنمائی بھی میں نے صرف اِس لئے قبول کی تھی کہ آپ یہ چاہتے تھے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ہمارے راستے ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے تو میں گزشتہ جنگوں میں بہادری کا مظاہرہ کرنے کی بجائے بزدل کہلانا زیادہ پسند کرتا۔"

"عاصم! ہمارے راستے ہمیشہ کے لئے جُدا نہیں ہوئے، مجھے یقین ہے کہ میں کسی دن قسطنطنیہ کے آس پاس تمہارا استقبال کروں گا۔ اور اس وقت جب تم افریقہ سے فتح کے پرچم اڑاتے، میرے پاس آؤ گے تو تمہیں یہ شکایت نہ ہو گی کہ میں نے تمہیں کوئی غلط راستہ بتایا تھا۔ میں کسی دن تمہیں کسریٰ کے دائیں ہاتھ بیٹھنے والوں کی صف میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اب تم جا کر آرام کرو۔"

عاصم کچھ کہے بغیر اُٹھا اور خیمے سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تنہا اپنے خیمے میں لیٹا ہوا تھا اور طرح طرح کے خیالات اُسے پریشان کر رہے تھے۔ "کیا یہ ہو سکتا ہے کہ سین مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہو؟

ش! میں اسے یہ سمجھا سکتا کہ مجھے کسریٰ کے دائیں ہاتھ بیٹھنے کی تمنا نہیں۔ گر تم یہاں نہ ہوتے تو مجھے روم اور ایران جنگوں سے کوئی سروکار نہ ہوتا۔ اِس ویرانے میں مجھے اپنے لئے کسی راستے یا منزل کی تلاش نہ تھی۔ مجھے صرف تمہاری رفاقت کی ضرورت تھی۔ لیکن یہ سب ایک خود فریبی تھی، میں سین کے اشارے پر جان دے سکتا ہوں، یکن اُس کا رفیق یا دوست نہیں بن سکتا۔ میں یہ سوچا کرتا تھا کہ جب جنگ ختم ہو جائے گی تو میں سین کے ساتھ دمشق جاؤں گا۔ اور فسطینہ دلفریب مسکراہٹوں کے ساتھ میرا استقبال کرے گی لیکن اب شاید میں اُسے دوبارہ دیکھ بھی نہ سکوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں افریقہ کے محاذ سے زندہ واپس نہ آؤں۔ پھر چند سال بعد شاید اُسے میرا نام بھی یاد نہ رہے۔ جب وہ بڑی ہو جائے گی تو وہ حادثات جو ہمیں ایک دوسرے کے قریب لے آئے تھے اُسے ایک خواب محسوس ہوں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں کسی دن اُس کے پاس جاؤں اور اُسے یہ کہتے ہوئے بھی ہچکچاہٹ محسوس ہو کہ میں اسے جانتی ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سین اپنی بیٹی کے مستقبل کے متعلق سوچتے ہوئے یہ ضروری سمجھتا ہو کہ ہمارے راستے آج ہی ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں —— جب وہ میرے متعلق پوچھے گی تو وہ یہ کہے گا: بیٹی! اب تمہیں اُس کے متعلق سوچنے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہم میں سے نہیں تھا —— اُس نے تمہارے ساتھ ایک نیکی کی تھی اور میں اُس کا بدلہ دے چکا ہوں اب وہ اس قابل ہے کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔" پھر وہ ایک ڈوبتے ہوئے انسان کی طرح تنکوں کا سہارا لینے کی کوشش کر رہا تھا —"کیا یہ ممکن نہیں کہ جب میں افریقہ کے محاذ پر سین کی بلند ترین توقعات پوری کرنے کے بعد واپس آؤں تو اُس کے گھر کا دروازہ میرے لئے کھلا ہو۔ اور جب میں فسطینہ سے یہ کہوں کہ میری جنگیں، میری فتوحات اور کامیابیاں سب تمہارے لئے تھیں تو وہ شرم و ندامت کا اظہار کرنے کی بجائے فخر سے سر اٹھا کر میری طرف دیکھے۔"

دیر تک کروٹیں بدلنے کے بعد عاصم کو نیند آگئی۔

تیسرے روز علی الصباح دس ہزار سوار ایشیائے کوچک کی طرف کوچ کرنے کو تیار کھڑے تھے۔ سین اپنے خیمہ سے نکلا اور اُس کے دوست، جو اُسے الوداع کہنے کے لئے باہر جمع تھے، یکے بعد دیگرے اُس سے مصافحہ کرنے لگے۔ جب عاصم کی باری آئی تو اُس نے مصافحہ کرنے کی بجائے دونوں ہاتھ اُس کے کندھوں پر رکھ دیئے اور کہا "میں دمشق میں دو دن کے لئے ٹھہروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ فسطینہ کا پہلا سوال تمہارے متعلق ہو گا، تم اُسے کوئی پیغام

دینا چاہتے ہو؟"

عاصم کے ہونٹوں پر ایک مغموم مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے جواب دیا "میں اُسے یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ میں کسریٰ کا سپاہی بن چکا ہوں اور اب مجھے کسی کی چیخیں پریشان نہیں کرتیں۔"

سین نے اچانک گفتگو کا موضوع بدلنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے کہا "اگر حالات نے اجازت دی تو ممکن ہے کہ میں کچھ عرصہ تک فسطینہ اور اُس کی والدہ کو اپنے پاس بلالوں ورنہ انہیں مدائن بھجوانے کا انتظام کرنا پڑے گا۔ مجھے یقین ہے کہ جنگ سے فارغ ہونے کے بعد تم ہمیں تلاش کر سکو گے۔ میں خود بھی تمہارے حالات سے باخبر رہنے کی کوشش کروں گا۔ یہ بھی ممکن ہے مصر کی مہم جلد ختم ہو جائے اور میں تمہیں ایشیائے کوچک کے محاذ پر بلالوں۔"

ایرج اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے سین کے قریب کھڑا تھا۔ عاصم کی نگاہیں تھوڑی دیر کے لئے اُس کے مغرور چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔

سین نے قدرے توقف کے بعد آگے بڑھ کر ایک سپاہی کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ لے لی اور اُس پر سوار ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد پڑاؤ میں نقاروں کی صدائیں بلند ہوئیں اور دس ہزار سواروں کا لشکر چار قطاروں میں کسریٰ کی قیام گاہ کے آگے سے گزرنے لگا۔ شہنشاہ ایران فوج کے سرداروں اور مذہبی پیشواؤں کے ساتھ ایک ٹیلے پر کشادہ سائبان کے نیچے کھڑا تھا۔ اُس کے دائیں ہاتھ سونے کے ایک چوڑے آتش دان میں مقدس آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ مجوسیوں کا بڑا کاہن بلند آواز میں دعا مانگ رہا تھا "اہرمزدہ خسرو پرویز کو جو شہنشاہوں کا شہنشاہ اور دیوتاؤں کا دیوتا ہے فتح دے ــــ اہرمزدہ ہمارے دشمنوں کو تباہ کر ــــ ہمارے لشکر کے لئے دمشق اور یروشلم کی طرح قسطنطنیہ کے دروازے بھی کھول دے۔"

اور خسرو پرویز کبھی سین کی قیادت میں کوچ کرنے والے سواروں اور کبھی پڑاؤ میں لشکر کے اُن خیموں کی سمت دیکھتا جو چاروں طرف حدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ اُس کا مغرور چہرہ زبانِ حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ آج زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے میرے سوا کوئی نہیں۔ آج ابنائے آدم کی تقدیر میرے

ہاتھ میں ہے۔

عاصم کسریٰ کی قیام گاہ سے کچھ فاصلے پر ایک اور ٹیلے کے دامن میں کھڑا تھا۔ جب سین کا لشکر گرد و غبار کے بادلوں میں روپوش ہو گیا اور نقاروں کی صدائیں فضا میں گم ہو کر رہ گئیں تو وہ نڈھال سا ہو کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ سین کے ساتھ رفاقت کا زمانہ اُسے ایک خواب معلوم ہوتا تھا۔ ایک ایسا خواب جس کی کوئی تعبیر نہ تھی۔ وہ دیر تک بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔

حصہ سوم

پیش گوئی

"ا-ل-م- رومی قریب تر زمین میں مغلوب ہو گئے ہیں۔ اور اپنی اس مغلوبیت کے بعد وہ چند سال کے اندر پھر غالب آجائیں گے۔ اللہ ہی کا اختیار ہے، پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور اُس دن مسلمان اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر خوشیاں منائیں گے۔ اللہ نصرت عطا فرماتا ہے، جسے چاہتا ہے۔ وہ غالب اور رحیم ہے۔ یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے اور اللہ کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔"

(الرّوم)

باب ۲۰

شام میں ایرانیوں کی فتوحات کے ساتھ آگ اور صلیب کا معرکہ ایک فیصلہ کن دور میں داخل ہو چکا تھا۔ کجکلاہ ایران اپنی تلوار کی نوک سے انسانی تاریخ کا ایک نیا ورق اُلٹ چکا تھا۔ مؤرخوں کی نگاہ میں بازنطینی سلطنت کی تباہی کے ظاہری اسباب مکمل ہو چکے تھے۔ لیکن کارکنانِ قضا و قدر کی نگاہیں روم اور ایران کی رزمگاہوں سے سینکڑوں کوس دُور اُس بے آب و گیاہ وادی کی طرف لگی ہوئی تھیں، جہاں کفر اور اسلام کی جنگ لڑی جا رہی تھی۔

مکہ میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلّم کے جاں نثار، جن کے پاس ظاہری اسباب نہ ہونے کے برابر تھے، شرک، جہالت اور گمراہی کی اندھی اور بہری قوتوں کے خلاف سینہ سپر ہو چکے تھے۔ یہ نور و ظلمت کا معرکہ تھا اور اس کے نتائج کے ساتھ اُن بے بس انسانوں کی تقدیر کا فیصلہ ہونے والا تھا جو صدیوں سے توہمات کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور جن کے نزدیک زمانے کی ہر کروٹ بے معنی تھی۔

دینِ اسلام اُس ظلمتکدے کا چراغ تھا، جہاں انسانیت کا قافلہ تاریکی میں بھٹکنے کا عادی ہو چکا تھا۔ عربوں کے نزدیک اپنے مشرکانہ توہمات اور اپنی جاہلی عصبیتوں کے گھروندوں سے باہر زندگی کی کوئی نئی صورت قابلِ قبول نہ تھی۔ اور خدا کی توحید اور انسانی مساوات کا نعرہ جو پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے بلند کیا تھا ان کے مشرکانہ عقائد اور ان کی جاہلی عصبیتوں کے خلاف اعلان جنگ تھا۔ چنانچہ مشرکین مکہ جنہوں نے آج تک کسی اجتماعی نصب العین کے لئے اتحاد کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اسلام کے خلاف پورے عرب کے اتحاد کے متمنی تھے۔ وہ حق پرست جو توحید کے چراغ کی روشنی میں آنکھیں کھولنے کے بعد انہیں نئے راستے اور نئی

منزلیں دکھا رہے تھے اُن کے نزدیک بیرونی حملہ آوروں سے زیادہ خطرناک تھے۔ مشرکین مکّہ کو اپنی پرانی روش اتنی عزیز تھی کہ توحید و رسالت پر ایمان لانے والے مٹھی بھر انسانوں کی جماعت میں ایک کمزور عورت یا ایک بے بس غلام کا اضافہ بھی انہیں ناقابلِ برداشت محسوس ہوتا تھا۔ عجم میں قیصر کے جرنیل جس قدر سلطنت روما پر ایرانیوں کی یلغار سے پریشان تھے۔ عرب کے اندر اُس سے کہیں زیادہ قبیلۂ قریش کے اکابر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے غلاموں کے عزم و استقلال سے ہراساں تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ روم پر ایران کی فتوحات کسریٰ پرویز کی عسکری قوت اور جنگی وسائل کی برتری کا نتیجہ تھیں اور قریش اپنی تعداد اور قوت کی برتری کے باوجود اپنے مستقبل کے متعلق مطمئن نہ تھے۔ اُن کا مقابلہ ایک ایسے بے سروسامان لشکر سے تھا جس کے امیر کے وجود میں وہ انسانیت کی تمام عظمتیں دیکھ چکے تھے۔ وہ اُس برگزیدہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو جھٹلانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے جس کی کوئی بات جھوٹی ثابت نہ ہوئی تھی۔ اہل مکّہ کے لئے یہ بات معمولی نہ تھی کہ اُن کی طاقت اور دبدبہ، اُن کی شر انگیزی اور ایذا رسانی کے باوجود محمد عربی کے ایک ادنےٰ غلام کا ایمان بھی متزلزل نہ ہو سکا۔

وہ اسلام کی تعلیمات کو جھٹلانے کے باوجود نبی عربیؐ کی غیر معمولی شخصیت کے معترف تھے انہیں اس بات کا ملال تھا کہ عبد المطّلب کا پوتا جس کی ہمہ گیر شخصیت قریش کی سب سے قیمتی پونجی ہو سکتی تھی اُن کے صدیوں پرانے معتقدات کے خلاف اعلان جنگ کر چکا ہے۔ مکّہ میں خدا کا پہلا گھر جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں سے تعمیر ہوا تھا، جہالت اور گمراہی کے ادوار میں ایک بتکدے کی صورت اختیار کر چکا تھا تاہم کعبۃ اللہ سے عربوں کی عقیدت کا رشتہ اب بھی قائم تھا وہ ہر سال حج کے دنوں میں مکّہ آتے، کعبے کا طواف کرتے اپنے خاندان یا قبیلے کے بتوں کے سامنے نذریں پیش کرتے انہیں پوجتے اور اُن سے اپنے دشمنوں کے خلاف اعانت کے طلبگار ہوتے۔ اگر ایک بُت اُن کی خواہشوں کو پورا کرنے سے قاصر رہتا تو وہ کسی دوسرے بُت سے عبودیت کے رشتے استوار کر لیتے تھے۔ اُن کی بے راہ روی اور بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ وہ ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنا بھی معیوب نہ سمجھتے تھے۔

قریش کعبے کے متولّی، نگراں اور محافظ تھے اور اس لحاظ سے ایران کے مجوسی کاہنوں کی طرح انہیں بھی عرب کے دوسرے قبائل پر ایک طرح کی مذہبی، سیاسی اور تہذیبی برتری حاصل تھی۔ حج اُن کے لئے آمدنی

کا ایک اہم ذریعہ تھا اور خانۂ کعبہ کے اندر جمع کئے جانے والے بتوں کے تقدس کا رعب قائم رکھنا وہ اپنا فرض خیال کرتے تھے لیکن پیغمبرِ اسلامؐ نے خدا کی توحید کا پرچم بلند کر کے قریش کو چونکا دیا تھا۔ چنانچہ بت پرستی کی حمایت اور اسلام کی مخالفت اُن کے نزدیک اپنی مذہبی رسوم کے تحفظ کے علاوہ ایک اہم اقتصادی مسئلہ بھی تھا۔ وہ اُن بتوں کے خلاف کوئی آواز سننے کو تیار نہ تھے جن کی بدولت انہیں ہر سال اپنے ہمسایہ قبائل سے ایک طرح کا خراج وصول ہوتا تھا۔ پھر مکّہ سے باہر بھی عرب قبائل کے چھوٹے اور بڑے حاجت رواؤں کے بُت اور ان کی پوجا کے آداب و رسوم سکھانے والے کاہن موجود تھے اور قریش مکّہ کی طرح ان کاہنوں کو بھی یہ گوارا نہ تھا کہ نئے دین کی روشنی مکّہ کی تاریک فضاؤں میں اجالا کرنے کے بعد اُن کی مسندوں تک پہنچ جائے۔ چنانچہ توحید کا نعرہ صرف قریش مکّہ کی بے راہ روی کے خلاف ہی نہیں بلکہ پورے عرب کی جہالت اور گمراہی کے خلاف ایک اعلان کے مترادف تھا۔ اُن کے کاہن، اُن کے سردار اور اُن کے شاعر اسلام کو ایک اجتماعی خطرہ سمجھ کر متحد اور منظم ہو رہے تھے توحید کا چراغ بجھانے کے لئے جو آندھی چند سال قبل مکّہ سے اٹھی تھی اُس کی بھیانک تاریکیاں بتدریج پورے عرب کو اپنے آغوش میں لے رہی تھیں۔



جب شام کی رزمگاہوں میں رومیوں کی سطوت کے پرچم سرنگوں ہو رہے تھے۔ اہلِ مکّہ کے نزدیک دینِ اسلام کی مخالفت، وقت کا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ اپنی مشرکانہ رسوم کے باعث وہ عیسائیوں کی بہ نسبت ایران کے مجوسیوں سے زیادہ قریب تھے۔ اس لئے روم و ایران کی جنگ میں اُن کی ساری ہمدردیاں ایرانیوں کے ساتھ تھیں۔ اس کے برعکس عیسائیوں کا مذہب اپنی حقیقی صورت میں دین اسلام سے زیادہ مشابہت رکھتا تھا، اور اس کے باوجود کہ انہوں نے خدا کی توحید کے متعلق دین مسیحؑ کے بنیادی تصور کو ایک معمّا بنا دیا تھا۔ وحی، رسالت اور آخرت کے متعلق اُن کے عقائد عرب کے مشرکوں یا ایران کے مجوسیوں کے مقابلے میں اسلام سے زیادہ قریب تھے اس لئے ایرانیوں کے ہاتھوں عیسائیوں کی تباہی و بربادی کی داستانیں سن کر مسلمانوں کا آزردہ اور پریشان ہونا ایک قدرتی بات تھی۔

جب شام سے کسریٰ کی فتوحات کی خبریں آتیں تو مشرکینِ مکّہ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے وہ مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے اِس قسم کی دھمکیاں دیا کرتے تھے کہ جس طرح مجوسیوں نے عیسائیوں پر شام کی زمین تنگ کر دی ہے اسی طرح ہم بھی تمہارے لئے عرب میں سانس لینا ناممکن بنا دیں گے۔

ایرانیوں کی فتوحات پر مشرکینِ مکّہ کے خوش ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عراقِ عرب اور یمن کے بعض قبیلے کسریٰ کے حلیف بن کر اس جنگ میں شریک ہو چکے تھے اور اُن کے وحشیانہ کارناموں کی داستانیں عربوں کے نسلی غرور اور جاہلی عصبیتوں کے لئے تسکین کا سامان مہیا کرتی تھیں۔ ان حالات میں احکم الحاکمین نے اپنے برگزیدہ رسولؐ پر قرآن کی وہ آیات نازل کیں جن میں رومیوں کی فتح کی بشارت دی گئی تھی۔

اگر یہ پیش گوئی صرف روم و ایران سے تعلق رکھتی تو شاید مشرکینِ مکّہ اِس قدر دلچسپی کا اظہار نہ کرتے لیکن اس میں مسلمانوں کو بھی فتح کا مژدہ سنایا گیا تھا اور یہ بات اُن کے لئے ناقابلِ یقین اور ناقابلِ برداشت تھی ناقابلِ یقین اس لئے کہ وہ اپنی عقل، سمجھ اور اپنے اندازوں کے مطابق دینِ اسلام کے لئے کامیابی کے تمام راستے بند کر چکے تھے۔ اور ناقابلِ برداشت اس لئے کہ مقہور و مجبور مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت اپنی مظلومیت، اپنی مجبوری اور بے سروسامانی کے باوجود اس پیش گوئی کی صداقت پر ایمان لے آئی تھی۔ اِس حقیقت کے باوجود کہ قریش کے بڑھتے ہوئے مظالم سے تنگ آکر اُن کی ایک جماعت حبشہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو چکی تھی۔

مسلمانوں کے پاس مشرکینِ مکّہ کے اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا کہ تمہارے پاس کامیابی اور فتح کے وسائل کون سے ہیں۔ تاہم اُن میں ایک بھی ایسا نہ تھا جسے اِس پیش گوئی کی صداقت پر یقین نہ ہو۔ وہ اپنے ہادئ برحق کی نگاہوں سے اپنی منزل دیکھ چکے تھے اور انہیں اِس بات کی کوئی پروا نہ تھی کہ اُن کے راستے میں آلام و مصائب کے کتنے پہاڑ کھڑے ہیں۔

مشرکینِ مکّہ اُن کی "سادگی" اور "بے خبری" کا مذاق اڑاتے تھے لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ اِن بلاکشانِ محبت کی نگاہیں ظاہری اسباب کی سرحدوں سے آگے دیکھ رہی ہیں اور جس زمین کے کانٹوں سے اُن کے پاؤں چھلنی ہوتے ہیں اُس پر رحمت کے پھولوں کی بارش ہونے والی ہے۔ آج جس دین کی فتح کا تصور ایک مذاق معلوم ہوتا ہے، کل اُسی کی حمایت میں وہ جان کی بازی لگانے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ جس چراغ کو آج وہ بجھانا چاہتے ہیں

اس کی روشنی سے عرب و عجم کے ظلمتکدے منوّر ہونے والے ہیں اور جس نازک پودے کو آج وہ جڑ سے کاٹنا چاہتے ہیں اُس کی آبیاری کے لئے اپنا خون پیش کریں گے ـــــ لیکن وہ کل ابھی دور تھی۔ اس وقت مشرکینِ مکّہ اسلام کی مخالفت سے آگے کوئی بات سوچنے کو تیار نہ تھے۔

ایک دن امیّہ بن خلف، عقبہ بن ابو معیط، عتبہ بن ربیعہ، عاص بن وائل، ابوسفیان اور مکّہ کے چند اور رؤسائے قریش کے سب سے بڑے سردار ولید بن مغیرہ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ مکّہ کے عوام کی طرح ان لوگوں کی گفتگو کا موضوع بھی پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی تعلیم تھی جو اُن کے مشرکانہ عقائد کی نفی کرتی تھی صرف اتنا فرق تھا کہ بے فکرے عوام ہادئ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلّم) اور اُن پر ایمان لانے والوں کے خلاف اپنے شاعروں اور مسخروں کے طنز و استہزا پر بے اختیار قہقہے لگایا کرتے تھے۔ اور یہ لوگ جن کے کندھوں پر قریش کی سیادت کا بوجھ تھا نسبتاً سنجیدگی کے ساتھ اپنے حال کے واقعات اور مستقبل کے مسائل پر غور کر رہے تھے۔

جاہلی غرور انہیں دینِ اسلام کے متعلق کھلے بندوں اُس خوف و اضطراب کے اظہار کی اجازت نہ دیتا تھا جو اُن کے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں تھا اور وہ اسے کھوکھلے قہقہوں اور اداس مسکراہٹوں میں چھپانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن اس ظاہری احتیاط کے باوجود کسی نہ کسی کی زبان پر کوئی ایسی بات آجاتی کہ اُن کے قہقہے حلق میں اٹک کر رہ جاتے۔

ولید بن مغیرہ کہہ رہا تھا "اگر یہ بات درست ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے چند سال کے اندر اندر رومیوں کی فتح کے متعلق پیش گوئی کی ہے تو مجھے یقین ہے کہ اُس کا جادو دیر تک نہیں چلے گا۔ اب تک ہم نے اپنے معبودوں کے خلاف عبدالمطّلب کے پوتے کی باتیں برداشت کی ہیں لیکن وہ دن دور نہیں جب اُس پر ایمان لانے والے مکّہ کے چوراہوں میں کھڑے ہو کر اُسے جھٹلائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ایرانی، اہلِ روم کو صفحۂ ہستی سے نابود کئے بغیر دم نہیں لیں گے۔ شام کے حالات سے مکّہ کا کوئی اور آدمی ابوسفیان سے زیادہ باخبر نہیں۔ تم انطاکیہ، حلب، دمشق اور یروشلم کی تباہی کا حال سن چکے ہو۔ روم کے عیسائی بھیڑوں کا ریوڑ ہیں جنہیں ایران کے شیروں نے سمندر کی طرف ہانک دیا ہے۔ اور تم عنقریب سن لوگے کہ انہوں نے شام کی طرح مصر میں بھی رومیوں کے اقتدار کا جنازہ نکال دیا ہے۔ ہمارے قریب وہ ملک جہاں رومیوں کو مغلوب ہونے کے بعد غالب

آنے کی بشارت دی گئی ہے شام کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا لیکن یہ پیش گوئی کرتے وقت محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو شاید اس حقیقت کا علم نہ تھا کہ کسریٰ کا لشکر شام پر مکمل فتح حاصل کر چکا ہے اور رومی صدیوں تک دوبارہ اِس طرف دیکھنے کی جرأت نہ کریں گے ۔۔۔ لیکن کاش! محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے یہ پیش گوئی کی ہو۔ مجھے ڈر ہے کہ جب چند سال بعد رومی مکمل طور پر تباہ ہو جائیں گے اور وہ یہ دیکھے گا کہ اب اُن کے دوبارہ اٹھنے کی کوئی اُمید باقی نہیں رہی تو وہ اس پیش گوئی سے صاف انکار کر دے گا۔"

ابوجہل نے کہا "چچا! میں بذاتِ خود اِس بات کی تصدیق کر چکا ہوں۔ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے واقعی یہ پیش گوئی کی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ مجھے کسی مسلمان کی شکل دیکھنا بھی پسند نہیں لیکن میں کم و بیش دس مسلمانوں سے اِس کی تصدیق کر چکا ہوں ۔۔۔ مجھے اِس بات پر تعجب نہیں کہ عبدالمطلب کے پوتے نے ایک ان ہونی بات کہی ہے لیکن یہ بات قابلِ غور ہے کہ مجھے ایک مسلمان بھی ایسا نہیں ملا جسے اِس پیش گوئی کی صداقت میں ذرہ بھر شبہ ہو۔ وہ سب یہی کہتے ہیں کہ اللہ نے اُن کے نبیؐ کو قرآن کی آیات میں یہ بشارت دی ہے اور قرآن کی کوئی آیت غلط نہیں ہو سکتی۔ اُبی بن خلف نے ابوبکرؓ کے سامنے اِس آیت کا مذاق اڑایا تھا اور اُسے شرط بدنے کی دعوت دی تھی چنانچہ ابوبکرؓ نے یہ شرط مان لی ہے کہ اگر تین سال کے اندر اندر یہ پیش گوئی پوری نہ ہوئی تو وہ اُسے دس اونٹ دے گا ورنہ اُبی بن خلف کو دس اونٹ دینے پڑیں گے۔"

عتبہ بن ربیعہ نے کہا "مجھے یقین ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اب ایران کی فتح کو شکست میں تبدیل نہیں کر سکتی لیکن میں حیران ہوں کہ مسلمان ایرانیوں کی شکست کی پیش گوئی سے کیوں مسرور ہیں۔ انہیں اِس سے کیا تعلق ہے کہ شام میں کون ہارتا ہے اور کون جیتتا ہے۔"

ابوجہل نے جواب دیا "اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان کئی باتیں مشترک ہیں۔ اور جب سے ہم نے انہیں یہ طعنے دینے شروع کئے ہیں کہ جس طرح شام کے عیسائی ایرانیوں کے ہاتھوں تباہی کا سامنا کر رہے ہیں اِسی طرح ہم بھی تمہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے اس وقت سے انہیں ہماری طرح ایرانیوں سے بھی دشمنی ہو گئی ہے۔ مکّہ میں جب ایرانیوں کی کسی نئی فتح کی خبر آتی تھی تو مسلمانوں کا ردعمل دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ اِسے اپنی شکست محسوس کرتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے اُن

...ٹے وسیلے قائم رکھنے کے لئے یہ پیش گوئی کی ہے ۔۔۔ لیکن آپ سب اس بات پر حیران ہوں گے کہ اس پیش گوئی کے بعد ...سلمان صرف رومیوں کے دوبارہ غالب آنے پر ہی نہیں بلکہ اپنی فتح کے متعلق بھی پُراُمید ہو گئے ہیں۔ قرآن کی جو آیات میں نے ...ئی ہیں اُن میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ رومیوں کے فتح کے دن مسلمان بھی اپنی فتح پر خوشیاں منائیں گے۔ اب آپ یہ سوچ سکتے ہیں ...(صلی اللہ علیہ وسلّم) کے پیرو جس دشمن پر فتح حاصل کرنے کے متمنی ہیں وہ کون ہے۔ ہمیں اِس سے کوئی سروکار نہیں ...روم و ایران کی جنگ کا انجام کیا ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں اپنے مستقبل کے اُن خطرات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے ...مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کے باعث پیش آ سکتے ہیں۔"

حاضرین اضطراب کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور محفل پر تھوڑی دیر کے لئے خاموشی ...ری ہو گئی۔ بالآخر ولید بن مغیرہ نے کہا "میرا دانشمند، دوراندیش اور بہادر بھتیجا مسلمانوں کے مسئلے کو ضرورت سے ...یادہ اہمیت دینے کا عادی ہو چکا ہے۔ اِس نے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی ہر بات سننا اور اُسے جھٹلانا اپنا فرض سمجھ لیا ہے۔ دوسروں کے لئے اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مسلمانوں سے دور رہیں اور ان کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی کوئی بات نہ سنیں۔ لیکن اِس کی اپنی یہ حالت ہے کہ علی الصباح بستر سے اٹھتے ہی اسے سب سے پہلے اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ آج رات اُس پر کون سی آیت نازل ہوئی ہے ۔۔۔ مجھے ہمیشہ اِس بات کا ڈر رہتا ہے کہ کہیں اس پر بھی اُس کا جادو اثر نہ کر جائے۔"

ولید بن مغیرہ ہنس رہا تھا اور حاضرین شرارت آمیز مسکراہٹوں کے ساتھ اُس کے بھتیجے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ابوجہل پاسِ ادب سے کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا لیکن جب حاضرین کی مسکراہٹیں دبے دبے قہقہوں میں تبدیل ہونے لگیں تو وہ اچانک کھڑا ہو گیا۔ عرب کا سارا غرور اِس دراز قامت انسان کی نگاہوں میں آ گیا تھا۔ اُس نے بلند آواز میں کہا "چچا! آپ میری باتیں مذاق نہ سمجھیں۔ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) اور اُس کے ماننے والوں سے خوفزدہ نہیں ہوں ۔۔۔ آپ کی طرح میری رگوں میں بھی ولید کا خون ہے۔ عبدالمطلب کے پوتے کا جادو بنو ہاشم کے کمزور افراد پر چل سکتا ہے، مجھے متاثر نہیں کر سکتا۔ اگر قریش کے تمام خاندان، بلکہ پورے عرب کے قبائل بھی مسلمان ہو جائیں تو بھی میں تنہا اُس کا مقابلہ کرنے کی جرأت رکھتا ہوں۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں اسلام دشمنی میں سب سے آگے ہوں۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) اور اُس پر ایمان لانے والوں کو سب سے

زیادہ اذیتیں میں نے پہنچائی ہیں۔ مجھے اس بات پر بھی فخر ہے کہ اس نئے دین کے باعث عرب میں قریش کے مستقبل کو جو خطرات پیش آسکتے ہیں اُن کی طرف سب سے پہلے میں نے توجہ دی ہے۔ آپ مجھے بے حمیت یا بے غیرت ہونے کا طعنہ نہیں دے سکتے۔

لیکن آج سردارانِ قریش میری بات غور سے سُن لیں۔ عرب میں ہماری اہمیت، ہمارا اقتدار اور ہماری عزت صرف اس لئے ہے کہ ہم کعبے کے متولّی ہیں۔ ہم کعبے کے اُن تین سو ساٹھ بتوں کے محافظ اور نگہبان ہیں جن کے لئے دور دراز کے قبائل نذریں اور چڑھاوے لے کر آتے ہیں۔ یہ وہ معبود ہیں جن کی بدولت اِس بے آب و گیاہ وادی کے باشندوں کو ایسی دولت اور عزت نصیب ہوئی ہے جو عرب کے کسی قبیلے کے حصّے میں نہیں آئی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) ہمارے ان معبودوں کا دشمن ہے ——— اُس نے یہ کہا ہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پوجتے ہو وہ سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ اب قریش کے کسی فرد کو اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیئے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کا بس چلا تو وہ ہمارے معبودوں پر ہاتھ ڈالنے سے دریغ کرے گا۔ اور تمہیں اس بارے میں بھی کوئی خوش فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ جب اس نئے دین کے ہاتھوں ہمارے معبود شکست کھا جائیں گے۔ جب کعبہ ہمارے بتوں سے خالی ہوجائے گا تو عرب کے اندر قریش کی کوئی اہمیت باقی رہ جائے گی۔ آج مکّہ عرب کا مذہبی، تجارتی اور سیاسی مرکز ہے لیکن جس دن محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے ارادے پورے ہوجائیں گے۔ یہ فاقہ کش چرواہوں کی ایک گمنام بستی ہوگی۔ پھر دور دراز کے لوگ یہاں حج کے لئے نہیں آیا کریں گے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کا دین ہمارے سینے پر ایک خنجر ہے اور ہمیں اُس وقت کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے کہ یہ خنجر ہمارے دل میں اتر جائے ——— اُس نے صرف ہمارے اسلاف کے مذہب کے خلاف ہی بغاوت کا جھنڈا بلند نہیں کیا بلکہ عرب کی اُن تمام روایات کے خلاف آواز بلند کی ہے جو ہمیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ اُس کے نزدیک قریش اور دوسرے عربوں کے رتبے میں کوئی فرق نہیں۔ وہ غلام اور آقا کو ایک ہی صف میں دیکھنا چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے نزدیک حبشی غلام بھی ہماری ہمسری کا دعویٰ کرسکتے ہیں۔ اُس کے نزدیک انسان کی برتری اور عظمت کا راز اُس کے حسب و نسب میں نہیں بلکہ اعمال میں ہے۔ اُس کی نگاہ میں قریش کے عالی نسب سرداروں کے مقابلے میں ہمارے وہ حقیر لونڈی، غلام افضل ہیں جو اُس کی صداقت پر ایمان لے آئے ہیں۔"

امیہ بن خلف نے ولید بن مغیرہ سے مخاطب ہو کر کہا "جناب! میں آپ کے بھتیجے کو قریش کی ننگی تلوار سمجھتا لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ مٹھی بھر مسلمانوں سے اس قدر خائف ہے۔ کیا اسے مطمئن کرنے کے لئے یہ بات نہیں کہ اُن میں سے کئی مکّہ چھوڑ کر حبشہ کی طرف بھاگ رہے ہیں؟ کیا یہ ہمیں اتنا کمزور سمجھتا ہے کہ باقی چند آدمی میں بھاگنے کی بھی سکت نہیں ہمیں نگل جائیں گے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ یہاں مسلمانوں کا کوئی جاسوس موجود نہیں ورنہ ایسی باتیں سُن کر وہ شیر ہوجاتا۔" ابوجہل نے غصّے سے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا "اُمیّہ! جب کسی میدان میں ان لوگوں کا سامنا کرنے کا وقت آئے گا تو تم مجھے بزدلی کا طعنہ نہیں دے سکو گے —— لیکن اگر دور اندیشی تمہارے نزدیک بزدلی کے مترادف ہے تو میں تمہارے منہ پر ہاتھ نہیں رکھ سکتا —— میری بات غور سے سنو! ہمارا مقابلہ صرف گوشت خون اور ہڈیوں سے بنے ہوئے انسانوں کے ساتھ نہیں اگر یہ بات ہوتی تو تمہارا غلام بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جسے دہشت زدہ کرنے کے لئے تمہاری پیشانی کی ایک ہلکی سی شکن کافی ہونی چاہیئے تھی اس جرأت کا مظاہرہ نہ کرتا۔ تم اُسے اسلام سے منحرف کرنے کے لئے سارے جتن کر چکے ہو۔ تم اُسے جلتے ہوئے پتھروں اور تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر دیکھ چکے ہو۔ تم نے کوڑے مار مار کر اُس کا چمڑا ادھیڑنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ جب تمہارے ہاتھ تھک جاتے تھے تو تم اُسے مارنے پیٹنے اور گھسیٹنے کے لئے مکّہ کے لڑکوں کے حوالے کر دیتے تھے۔ جسم کی وہ کون سی اذیت ہے جو تم نے اُسے نہیں دی۔"

اُمیّہ بن خلف نے کہا "یہ میرا فرض ہے اور جب تک وہ ہار نہیں مانتا میں اُس کے ساتھ یہ سلوک جاری رکھوں گا۔ تمہیں میرے غلام کی حمایت میں زبان کھولنے کا کوئی حق نہیں۔"

ابوجہل نے جواب دیا "تمہیں یہ کیسے خیال آیا کہ میں ایک مسلمان کی حمایت کرسکتا ہوں اور وہ بھی ایک غلام کی؟"

"تو پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

ابوجہل نے جواب دیا "میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مکّہ کے اندر کوئی ایسا انقلاب آچکا ہے جو میری اور تمہاری نہیں، بلکہ ہم سب کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اگر بنو ہاشم کا کوئی معزز آدمی اپنی خاندانی حمیت سے مجبور ہو کر عبدالمطلب کے پوتے کی حمایت پر اُتر آئے تو یہ بات میری سمجھ میں آسکتی ہے۔ لیکن اگر وہ ضعیف عورتیں

کمزور اور بے بس غلام جنہیں کبھی ہماری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا حوصلہ نہیں ہوا تھا، ہمارے سامنے تن کر کھڑے ہو جائیں تو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکتی۔ میں نے عمارؓ کی ماں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا تھا لیکن جب میری برچھی اُس کے سینے کے پار ہو گئی تھی تو بھی وہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا کلمہ پڑھ رہی تھی۔ میں اُس کی نگاہوں میں موت کا خوف دیکھنا چاہتا تھا لیکن مجھے ناکامی ہوئی۔ میں نے زنیرہؓ کو مار مار کر اندھا کر دیا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر میں اُس کی کھال ادھیڑ ڈالوں تو بھی وہ اسلام سے تائب نہیں ہوگی —— تم خباب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر دیکھ چکے ہو اور دوسرے مسلمانوں کو جسمانی اذیتیں پہنچانے میں بھی تم نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود ہم کسی انتہائی کمزور اور بے بس مسلمان کو بھی اپنے اسلاف کے دین پر واپس نہیں لا سکے۔

اہلِ عرب نے آج تک کسی ایسے بے بس آدمی کی آقائی قبول نہیں کی تھی جس کے ہاتھ فتوحات اور کامرانیوں کے ظاہری اسباب سے خالی ہوں اور ہم یہ سمجھتے تھے کہ جب عرب کی گلیوں میں محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا مذاق اڑایا جائے گا۔ جب اُس کے راستے میں کانٹے بچھائے جائیں گے اور جب اُس کے لئے کعبے کے اندر داخل ہونا ناممکن بنا دیا جائے گا تو اُس کے پیرو مایوس اور بد دل ہو کر اُس کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اور شاید اپنی بے بسی اور اپنے ساتھیوں کے آلام و مصائب کا احساس ہی اُسے اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور کر دے گا کہ مکّہ کی سنگلاخ زمین میں ایک نئے دین کا پودا برگ و بار نہیں لا سکتا۔ لیکن ہماری تمام تدبیروں کا اثر الٹا ہوا ہے ہم محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کو مرعوب نہیں کر سکے۔ ہم مسلمانوں کو یہ احساس دلانے سے قاصر رہے ہیں کہ تمہارا نبیؐ اُن وسائل سے محروم ہے جو ایک راہنما کی فتح و کامرانی کی ضمانت ہو سکتے ہیں۔

میرے دوستو اور بزرگو! ہم اپنے خاندانوں اور قبیلوں کی عزت کے لئے سینہ سپر ہوا کرتے تھے ہم اپنے گھروں، اپنے مال و دولت، اپنے چشموں اور اپنی چراگاہوں کے تحفظ کے لئے جان کی بازی لگایا کرتے تھے۔ ہم اپنے حریفوں کو مغلوب کرنے اور انہیں لوٹنے کے لئے جنگ کرتے تھے۔ ہم یہ ثابت کرنے کے لئے اپنا خون بہایا کرتے تھے کہ اس زمین پر ہم سے زیادہ کسی اور کو مغرور و متکبر ہونے کا حق نہیں —— دنیا میں کسی کو ہمارے افعال، ہماری قبائلی رسوم اور ہمارے مذہبی عقائد پر نکتہ چینی کا حق نہ تھا۔ ہم صحرا کی آندھیوں کی طرح آزاد تھے۔

عبدالمطلب کا پوتا اور عبداللہ کا بیٹا ہمیں زندگی کے نئے آداب سکھانا چاہتا ہے۔ وہ ہماری قبائلی زندگی کی تمام آزادیاں، تمام مسرتیں اور تمام راحتیں سلب کرنا چاہتا ہے۔ وہ ہمیں مساوات کا درس دیتا ہے تاکہ ہمارا خاندانی غرور خاک میں مل جائے اور ہم دوسرے قبائل پر برتری کا دعویٰ نہ کر سکیں۔ وہ ہمیں صلح اور امن کی دعوت دیتا ہے تاکہ ہماری تلوار زنگ آلود اور ہمارا خون سرد ہو جائے اور جب ہمارے حریف ہمیں مغلوب کرنا چاہیں تو ہمارے اندر مقابلے کی سکت نہ ہو۔ وہ صبر اور قناعت کی تعلیم دیتا ہے تاکہ ہم بھی اُس کی طرح تہی دست ہو جائیں۔ وہ ہمارے بتوں کو جھٹلا کر توحید کا درس دیتا ہے تاکہ ہم اُس کے ایک خدا پر ایمان لے آئیں اور اُسے اِس ایک خدا کے نبیؐ کی حیثیت سے اپنا آقا مان لیں۔ اب تک ہم نے ان باتوں کو مذاق سے زیادہ وقعت نہیں دی لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ہم پوری سنجیدگی کے ساتھ اِس صورتِ حال سے نبٹنے کی کوشش کریں۔ ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیئے کہ مسلمانوں کی حوصلہ شکنی کے لئے اب تک ہم نے جو اقدامات کئے ہیں وہ ناکافی تھے۔"

عقبہ بن ربیعہ نے کہا "تم یہ تسلیم کر چکے ہو کہ تمہاری سختیاں مسلمانوں کو مرعوب یا بد دل نہیں کر سکتیں۔ تم اُن کی کھال اتار سکتے ہو لیکن اُن کی روح کی گہرائیوں سے محمدؐ کی اطاعت اور محبت کے جذبات خارج نہیں کر سکتے۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے پاس اتنی دولت نہیں کہ وہ کسی کو لالچ دے سکے۔ اُس کے پاس کوئی ایسی طاقت بھی نہیں جس کے خوف یا احترام نے مفلوک الحال اور بے بس لوگوں کو اُس کی اطاعت پر مجبور کر دیا ہو۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) انہیں زندگی کی وہ آسائشیں عطا نہیں کر سکتا جو تمہیں کعبے کے بتوں سے، اطاعت کے بدلے حاصل ہوتی ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ محمدؐ کے پیرو اپنے دین کے معاملے میں تمہاری نسبت کہیں زیادہ مخلص ہیں۔ انہوں نے تمہاری ہیبت اور قوت کے باوجود تمہارے کئی آدمیوں کو اپنی جماعت میں شامل کر لیا ہے اور تم اُن کی کمزوری اور بے سرو سامانی کے باوجود اُن میں سے ایک کو بھی واپس نہیں لا سکے ہو۔"

عقبہ بن ابو معیط نے جواب دیا "آپ کے سوال کا جواب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ایک جادوگر ہے اور ہم اُس کے جادو کا کوئی توڑ پیش نہیں کر سکے۔"

ابوجہل نے کہا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جادو کا یہی توڑ ہے کہ ہم اُسے قتل کر دیں مجھے یقین ہے کہ اُس کی موت سے مسلمانوں کی ساری اُمیدیں ختم ہو جائیں گی اور ہمیں یہ زمانہ ایک خواب محسوس ہوگا" عتبہ بن ربیعہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اُس نے ولید بن مغیرہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ولید! مجھے معلوم نہیں کہ محمدؐ سچا نبی ہے یا جادوگر ہے لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ عبدالمطّلب کا پوتا ہے اور اُس کا باپ عبداللہ ہم سب سے زیادہ شریف النفس تھا ـــــ اُسے قتل کرنا آسان نہیں۔ اگر تمہارا بھتیجا بنو ہاشم کو بے حمیّت سمجھتا ہے تو وہ غلطی پر ہے۔ اگر تم نے مجھے مشورے کے لئے بلایا ہے تو میرا مشورہ یہ ہے کہ ہمیں یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لینے کی بجائے ابوطالب کے سامنے پیش کرنا چاہیئے، وہ محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا چچا ہے اور بنو ہاشم پر اُس کا بہت اثر ہے۔ اگر ہم نے اُسے اپنا ہم خیال بنا لیا تو محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) سے نبٹنا زیادہ مشکل نہ ہوگا۔ اگر قریش کے رؤسا ابوطالب کے پاس کوئی وفد بھیجنے پر آمادہ ہوں تو میں اُس کا ساتھ دینے کو تیار ہوں لیکن جہاں تک میرا بس چلے گا میں اپنے خاندان کے کسی فرد کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے خون سے ہاتھ رنگنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

ولید نے جواب دیا۔ "مجھے آپ کی تجویز سے پورا اتفاق ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ سردارانِ قریش کی تائید کے بغیر ہم محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے خلاف کوئی اقدام نہیں کریں گے۔"

ابی بن خلف ہانپتا ہؤا کمرے کے اندر داخل ہؤا اور اُس نے کسی تمہید کے بغیر بلند آواز میں کہا۔ "بھائیو! آپ کو مبارک ہو میں ابوبکر (رضؓ) سے دس کی بجائے سو اونٹ کی شرط بد آیا ہوں۔ ابوبکرؓ خود میرے پاس آیا تھا۔ اور میرا خیال تھا کہ وہ اپنے وعدے سے منحرف ہونے کے لئے کوئی بہانہ پیش کرے گا۔ لیکن اُس نے آتے ہی کہا کہ میں نے رسول اللہ یعنی محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) سے پوچھے بغیر تم سے شرط بدی تھی ـــــ لیکن جب میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہؤا تو آپؐ نے فرمایا کہ چند سال سے مراد دس سال کا عرصہ ہے یعنی پیش گوئی کے مطابق رومی دس سال کے اندر اندر ایرانیوں پر دوبارہ غالب آجائیں گے۔ اس لئے تم شرط کی مدت تین سے بڑھا کر دس سال اور اونٹوں کی تعداد دس کی بجائے سو کر دو ـــــ میں نے شرط میں یہ ترمیم منظور کر لی ہے۔ اب میں تین کی بجائے دس سال کے بعد ابوبکرؓ سے شرط جیتنے کی خوشی میں آپ کے لئے ایک شاندار دعوت کا انتظام کروں گا۔"

ابوجہل نے کہا۔ "ابوبکرؓ کو اس بات کا یقین ہے کہ دس سال تک عرب میں کسی مسلمان کا وجود

باقی رہے گا؟"

ابی بن خلف نے جواب دیا۔ "بھائی! ابوبکرؓ تو یہ کہتا تھا کہ اسی پیش گوئی کے مطابق جہاں دس سال کے اندر اندر رومی ایرانیوں پر فتح حاصل کریں گے وہاں مسلمانوں کو بھی ایک شاندار فتح حاصل ہوگی۔"

ولید بن مغیرہ نے پوچھا۔ "شرط بدتے وقت تم نے کسی کو گواہ بنایا تھا؟"

ابی بن خلف نے جواب دیا۔ "مجھے گواہ تلاش کرنے کی ضرورت نہ تھی، ابوبکرؓ بذاتِ خود جگہ جگہ یہ اعلان کر رہا ہے کہ میں نے یہ شرط بدی ہے۔"

ابوسفیان نے کہا۔ "میری رائے میں ہمیں زیادہ جوش و خروش سے اس خبر کی تشہیر کرنی چاہیئے تاکہ ابوبکرؓ کے لئے منحرف ہونے کا کوئی راستہ باقی نہ رہے۔"

ولید بن مغیرہ نے کہا۔ "میرے خیال میں یہ کام مشکل نہیں ہمیں صرف حج اور عکاظ کے میلے میں چند بار اعلان کرنے کی ضرورت ہے اِس کے بعد یہ خبر پورے عرب میں مشہور ہو جائے گی۔"

ابوجہل نے بگڑ کر کہا۔ "سردارانِ قریش تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کیا ہم دس سال انگاروں پر لوٹ کر روم و ایران کی جنگ کے نتائج کا انتظار کریں گے؟ اور اس عرصہ میں عبدالمطّلب کے پوتے کو ہمارے بھائیوں، دوستوں اور عزیزوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے کی اجازت ہوگی؟ کیا ہم اپنے معبودوں کی تضحیک برداشت کرتے رہیں گے کیا ہم ایک ایسے دشمن کی سرگرمیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں گے جو اپنی فتح پر یقین رکھتا ہو۔ تم دیکھ رہے ہو کہ مسلمانوں کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ اس دین کے باعث ہماری لونڈیاں اور غلام بغاوت پر آمادہ ہو گئے ہیں؟ کیا تم محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چند سال اور اِس بات کی اجازت دو گے کہ وہ اخوت و مساوات کا درس دے کر پورے عرب میں غلاموں، مفلسوں اور ناداروں کو ہمارے دوش بدوش کھڑا کر دے؟"

ایک رئیس نے کہا۔ "ہبل کی قسم! مجھے اس بات پر حیرت ہوئی ہے کہ ہم چند مسلمانوں کو اس قدر اہمیت دے رہے ہیں۔ اُن کا حبشہ کی طرف فرار ہونا ہی اِس بات کا ثبوت ہے کہ اُن کی ہمت جواب دے چکی ہے۔" میں جانتا ہوں کہ انہیں ڈرانے اور دھمکانے کے لئے اب تک ہم نے جو اقدامات کئے ہیں وہ کافی نہیں۔ لیکن ہشام کے بیٹے کو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہمارا ترکش خالی ہو چکا ہے۔ ابھی تو ہم نے ابتدا بھی نہیں کی۔ اور مجھے

یقین ہے کہ جب ہم اِس مسئلے پر سنجیدہ ہو جائیں گے تو ان لوگوں کو روم و ایران کے مسائل کے متعلق سوچنے کی فرصت نہیں ملے گی۔ لیکن میں آپ سے ایک درخواست کروں گا اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا مسئلہ صرف غلاموں اور ادنیٰ حیثیت کے لوگوں کا مسئلہ ہی نہیں۔ اب چند با اثر لوگ بھی اُن میں شامل ہو گئے ہیں جنہیں اُن کے خاندانوں میں عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، ہمیں ان کے خلاف کوئی سخت قدم اٹھانے سے پہلے انہیں سمجھا بجھا کر واپس لانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر وہ نہ مانیں تو پھر ہمیں اُن کے رشتہ داروں سے یہ اطمینان حاصل کر لینا چاہیئے کہ یا تو وہ ان کے خلاف ہمارا ساتھ دیں گے۔ ورنہ غیر جانبدار رہیں گے ——— مجھے یقین ہے کہ اپنے خاندانوں کی اعانت سے مایوس ہونے کے بعد اُن کے حوصلے زیادہ دیر قائم نہیں رہیں گے۔ پھر اگر تصادم کی صورت پیش آئی تو ہم انہیں ہر وقت کچل سکتے ہیں۔"

حاضرین مجلس نے اِس تجویز سے اتفاق کیا اور یہ مجلس برخاست ہوئی۔

باب ۲۱

یروشلم کی فتح کے چند ماہ بعد غزّہ کے سوا شام کے تمام علاقے ایرانیوں کے قبضے میں آ چکے تھے۔ رومی لشکر کے بیش تر دستے جو مختلف محاذوں سے شکست کھا کر بھاگے تھے، غزّہ کی محافظ فوج میں شامل ہو چکے تھے اور روم کا جنگی بیڑا سمندر کے راستے انہیں رسد و کمک پہنچا رہا تھا۔ قیصر کی فوج غیر متوقع عزم و استقلال کا مظاہرہ کر رہی تھی اور اس اہم قلعے پر قبضہ کرنے کے لئے ایرانیوں کی متعدد کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ لیکن جب پرویز نے اپنے لشکر کے ایک حصّے کو صحرائے سینا کے راستے وادیٔ نیل کی طرف بڑھنے کا حکم دیا تو روم کے جنگی بیڑے کو غزّہ کی بجائے اسکندریہ کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنی پڑی۔ اسکندریہ مصر کا دروازہ تھا اور اپنی فوجی، سیاسی اور مذہبی اہمیت کے لحاظ سے، انطاکیہ اور قسطنطنیہ کے سوا رومی سلطنت کا کوئی اور شہر اس کا ہم پلّہ نہ تھا۔ شام اور فلسطین سے بھاگنے والے ہزاروں متموّل اور با اثر لوگ وہاں پہنچ چکے تھے اور غزّہ کی محافظ فوج کے بڑے بڑے عہدہ داروں نے بھی اپنے بال بچوں کو وہاں بھیج دیا تھا۔ بحری بیڑے کی اعانت سے محروم ہونے کے بعد اہلِ غزّہ کے حوصلے ٹوٹ گئے اور ایرانیوں نے چند پے در پے حملوں کے بعد شام کے اس آخری حصار پر بھی قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد ایرانی فوجیں وادیٔ نیل کی اُن قدیم گزرگاہوں کو پامال کر رہی تھیں جن پر چل کر منف اور جیزہ کے اہرام میں ابدی نیند سونے والے فراعنہ کے لشکر بارہا شام و فلسطین کی بستیوں کو آگ اور خون کے جہنم زاروں میں جھونک چکے تھے۔

عاصم مقدمۃ الجیش کے عرب دستوں کے سالار کی حیثیت سے غیر معمولی شہرت حاصل کرچکا تھا۔ ان بدخصلت انسانوں سے، جو صرف لوٹ مار اور قتل و غارت کے شوق میں ایرانیوں کے ساتھ شامل ہوگئے تھے، کسی ضبط و نظم کی پابندی کروانا آسان نہ تھا۔ لیکن عاصم میں ایک فوجی راہنما کی تمام صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اپنی جرأت اور بہادری کے باعث وہ کئی میدانوں میں داد و تحسین حاصل کرچکا تھا اور عرب موت کو کھیل سمجھنے والے راہنما کا حکم ماننا جانتے تھے۔ غزہ کی فتح کے بعد عابس کے علاوہ کئی اور رؤسا اس اطمینان کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس جاچکے تھے کہ اُن کے سپاہیوں کی قیادت اور دیکھ بھال کے لئے ایک فرض شناس راہنما اور ایک قابلِ اعتماد دوست موجود ہے۔

سین سے جدا ہونے کے بعد عاصم کی تمام دلچسپیاں اپنے آپ کو ایک کامیاب سپاہی ثابت کرنے تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ اُس کے نزدیک اب صرف تلوار ہی ایک ایسی چیز تھی جس کی بدولت چاروں طرف سے دھتکارے ہوئے انسان کو کوئی عزت کی جگہ مل سکتی تھی۔ اور اب یہ سوال اُسے بہت کم پریشان کرتا تھا کہ روم و ایران کی یہ جنگ کن مقاصد کے تحت لڑی جارہی ہے۔ آگ اور صلیب کے پرستاروں میں سے کون حق پر ہے اور کون ناحق پر ـــــ ایک عرب کو زندہ رہنے کے لئے اپنے گھر اور اپنے قبیلے کی ضرورت تھی اور قدرت نے اُسے اس نعمت سے محروم کردیا تھا۔ اب اُس کا قبیلہ وہ سپاہی تھے جو اُس کی کمان میں لڑ رہے تھے اِنہی کے تعاون سے وہ کسریٰ کے جرنیلوں کے دوش بدوش کھڑا ہوسکتا تھا اور اِنہی کی کامیابیاں اُس کے لئے اِس نئے ماحول میں کوئی عزت کا مقام حاصل کرسکتی تھیں۔ چنانچہ اپنے سپاہیوں کے لئے اُس کے دل میں وہی جذبات تھے جو ایک سردار کے دل میں اپنے قبیلے کے لئے ہوسکتے ہیں۔ کبھی کبھی وحشت و بربریت کے دل خراش مناظر دیکھ کر اُس کا ضمیر چیخ اٹھتا لیکن زندگی سے وابستہ رہنے کی خواہش اُن لطیف دھڑکنوں پر غالب آجاتی جو اُس کے نزدیک کبھی دنیا کی ہر نعمت سے زیادہ اہم تھیں۔



ایک شام کسریٰ کی فوج کے ہراول دستے بابلیون کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے اور

چند دن بعد یہ قدیم شہر، جس کے ایک ایک پتھر پر مصر کی عظمت رفتہ کی داستانیں نقش تھیں، فتح ہوچکا تھا۔ اور اُس کی گلیوں اور بازاروں میں فاتح لشکر کے سپاہیوں کے نعرے اور مفتوحہ قوم کے بیٹوں اور بیٹیوں کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ بند مکانوں کے دروازے توڑے جارہے تھے۔ اور وہ لوگ جنہیں غلامی کے قابل سمجھا جاتا تھا بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر شہر سے باہر قیدیوں کے کیمپ میں جمع کئے جارہے تھے۔

ایک دن ایرانی فوج کے اعلیٰ عہدہ دار بابلیون کے شاہی محل کے ایک کشادہ کمرے میں جمع ہو کر آئندہ پیش قدمی کے متعلق سپہ سالار کے احکام کا انتظار کررہے تھے۔ سپہ سالار، جس کی بلند ٹوپی بیش قیمت جواہرات سے مزین تھی، کمرے میں داخل ہؤا اور اُس نے کسی تمہید کے بغیر کہا "شہنشاہ نے اسکندریہ کی طرف بلاتاخیر پیش قدمی کا حکم دیا ہے۔ تم کل تک یہاں آرام کرسکتے ہو۔ پرسوں علی الصباح ہم اسکندریہ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ رومی اسکندریہ کو اپنا آخری حصار سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہماری آمد سے پہلے ہی وہ بابلیون خالی کرکے وہاں پہنچ گئے ہیں۔ رومیوں کی جو فوجیں شام میں شکست کھاکر وہاں سے بھاگی تھیں وہ بھی اسکندریہ پہنچ چکی ہیں اور ہم انہیں مزید تیاریوں کا موقع دینا نہیں چاہتے۔ ویسے بھی ہمیں بابلیون میں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں ہمارا کام ختم ہوچکا ہے۔ مصریوں نے صرف چند رومیوں کو اپنے گھروں میں چھپا رکھا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہم کل تک اُن سب کو گرفتار کرلیں گے۔ اس کے بعد اہل شہر کو مغلوب رکھنے کے لئے ہمارے چند دستے کافی ہوں گے۔ آئندہ آٹھ پہر تک بابلیون تمہارے رحم و کرم پر ہے لیکن دو پہر تک قباد کے دستوں کے سوا باقی تمام فوج کو پڑاؤ میں جمع ہوجانا چاہیئے۔"

قباد ایک عمر رسیدہ جرنیل تھا اُس نے پریشان ہو کر کہا "جناب آپ کا مطلب ہے کہ میں اسکندریہ نہیں جاؤں گا؟"

"نہیں! شہنشاہ نے تمہیں بابلیون کی حکومت سنبھالنے کا حکم دیا ہے۔" یہ کہہ کر سپہ سالار ایک اور جرنیل کی طرف متوجہ ہؤا "مہران! تمہیں ایک بڑی مہم سونپی گئی ہے۔ تم یہاں سے طیبہ کی طرف پیش قدمی کروگے۔ شہنشاہ والا تبار کا حکم ہے کہ جنوب میں مصر کی آخری حدود تک ایران کے جھنڈے گاڑ دیئے جائیں۔ دریائے نیل تمہاری راہنمائی کرے گا اور مجھے یقین ہے کہ تم حبشہ کی سرحدیں عبور کئے بغیر واپس نہیں آؤ گے۔"

مہران نے کہا "جناب! مجھے فخر ہے کہ میرے آقا نے مجھے اِس خدمت کا اہل سمجھا ہے۔"

سپہ سالار نے کہا "مجھے یقین ہے کہ مصر کے لوگ راستے میں کسی جگہ مزاحمت نہیں کریں گے تاہم تمہیں ایسے سپاہیوں کی ضرورت ہے جو اِس انتہائی گرم علاقے میں ایک طویل سفر کی کلفتیں برداشت کر سکتے ہوں۔ اس لئے عرب قبائل کے رضاکار تمہارے ساتھ جائیں گے۔ چند ماہ قبل مجھے اُمید نہ تھی کہ یہ لوگ جو صرف لوٹ مار کے لئے ہمارے ساتھ آئے ہیں کسی کٹھن اور صبر آزما مہم میں بھی کام آ سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں عاصم کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ اِس نے ضبط و نظم کے معاملے میں اِن لوگوں کو ایرانی سپاہیوں کے لئے بھی ایک نمونہ بنا دیا ہے۔ اگر تم بھی سین کی طرح اِس نوجوان کی ناز برداری کر سکے تو مجھے یقین ہے کہ وہ اس مہم میں تمہارے لئے بہترین ساتھی ہوگا۔ میں عاصم کو بھی اس مہم کی اہمیت کا احساس دلانے کی کوشش کروں گا۔"

سپہ سالار نے باقی جرنیلوں کو بھی یکے بعد دیگرے ضروری ہدایات دیں اور مجلس برخاست ہو گئی۔



غروبِ آفتاب سے ایک ساعت قبل عاصم بابلیون کی ایک کشادہ گلی سے گزر رہا تھا۔ سپاہیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں باقی شہر کی طرح یہاں بھی لوٹ مار کر رہی تھیں۔ اچانک ایک عرب نے پیچھے سے آواز دی اور عاصم مُڑ کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ عرب تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اُس کے قریب پہنچا اور اُس نے کہا "میں دیر سے آپ کو تلاش کر رہا ہوں۔ پڑاؤ سے معلوم ہوا کہ آپ قیدیوں کے کیمپ دیکھنے گئے ہیں۔ وہاں سے پتا چلا آپ شہر کی طرف آ گئے ہیں۔ ہمارے چند اور آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ آپ کسی مکان کا دروازہ بند کئے سو رہے ہوں گے۔"

عاصم نے کہا "کیا بات ہے تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟"

عرب نے کہا "سپہ سالار کا آدمی یہ حکم لے کر آیا تھا کہ وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اہم مسئلہ درپیش ہے۔"

عاصم کچھ کہے بغیر اُس کے ساتھ ہو لیا۔ کچھ فاصلے پر چند آدمی ایک مکان کے بند دروازے کے

سامنے شور مچا رہے تھے۔

عرب نے کہا "جناب یہ یہودی ہیں اور خاصی دیر سے دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے، یہاں سے گزرتے ہوئے، اُن سے کہا تھا کہ تم دروازے پر زور آزمائی کرنے کی بجائے دیوار پھاند کر اندر کیوں نہیں چلے جاتے تو انہوں نے کہا کہ یہ مکان رومیوں سے بھرا ہوا ہے۔"

عاصم نے کہا "مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ دروازہ توڑنے کے بعد بھی مکان کے اندر پاؤں رکھنے سے پہلے اس بات کا اطمینان ضرور چاہیں گے کہ وہاں ہنستے مصریوں کے سوا اور کوئی نہیں۔"

اچانک ساتھ والے مکان سے ایک قوی ہیکل ایرانی کندھے پر شہتیر اٹھائے نکلا اور یہودی خوشی کے نعرے لگانے لگے۔ چند نوجوان ایرانی کے ساتھ شامل ہو گئے اور شہتیر کو سہارا دے کر، بھاگتے ہوئے، دروازے کی طرف بڑھے۔ مضبوط دروازہ شہتیر کی پہلی ہی ضرب سے ٹوٹ گیا اور یہ لوگ ایرانی کے پیچھے، خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے، اندر داخل ہوئے۔ لیکن زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ چیختے چلاتے الٹے پاؤں باہر کی طرف بھاگنے لگے سب سے آخر میں ایرانی اپنی تلوار پر ایک دراز قامت رومی نوجوان کے وار روکتا ہوا باہر نکلا۔

عاصم اور اُس کا ساتھی یہ دلچسپ تماشا دیکھنے کے لئے رک گئے۔ خوش وضع رومی نوجوان کا ایک بازو گلے سے بندھا ہوا تھا اور سر پر خون آلود پٹیاں بھی اُس کے زخمی ہونے کی گواہی دے رہی تھیں۔ تاہم اُس کے تیور یہ بتا رہے تھے کہ وہ موت سے پہلے ہار نہیں مانے گا۔

عاصم کے ساتھی نے کہا "جناب! میں نے بہت کم رومیوں کو اس طرح لڑتے دیکھا ہے۔ یہ ایرانی اُس کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ اگر اجازت ہو تو میں آگے بڑھوں؟"

عاصم نے جواب دیا "نہیں، نہیں تم یہیں کھڑے رہو۔"

قوی ہیکل ایرانی بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ چند قدم پیچھے ہٹنے کے بعد وہ چلانے لگا "بزدلو! کیا دیکھتے ہو؟ یہ اکیلا ہے۔ تم بھیڑوں کی طرح کیوں بھاگ رہے ہو؟"

چند یہودی نوجوانوں نے آگے بڑھ کر رومی کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی لیکن اُس نے اچانک دائیں طرف حملہ کر کے دو آدمیوں کو زخمی کر دیا اور پھر بائیں طرف ٹوٹ پڑا۔ اب یہودی کئی گز دور ہٹ کر چیخنے

کی بجائے صرف شور مچانے پر اکتفا کر رہے تھے ـــــ ایرانی انہیں گالیاں دیتا ہؤا دوبارہ اپنے حریف کے سامنے آگیا لیکن انتہائی جوش و خروش کی حالت میں چند وار کرنے کے بعد وہ دوبارہ پیچھے ہٹنے لگا۔

عاصم نے اپنے ساتھی سے کہا "اب یہ بیوقوف مارا جائے گا۔ اگر یہ سب یہودی قتل ہو جاتے تو میرے لئے پریشانی کی کوئی بات نہ ہوتی لیکن یہ ایرانی ہے اور میری موجودگی میں اِس کا ایک رومی کے ہاتھوں مارا جانا مناسب نہیں۔"

عاصم کے ساتھی نے کہا "جناب! مجھے اجازت دیجئے۔"

"نہیں! تم اُس کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔" عاصم نے یہ کہہ کر تلوار نکال لی۔

اتنی دیر میں رومی نے پے در پے چند وار کئے اور ایرانی اپنے بازو پر زخم کھانے کے بعد اُلٹے پاؤں بھاگتا ہؤا پیٹھ کے بل گر پڑا۔ رومی نے اُس پر فیصلہ کُن ضرب لگانے کے لئے تلوار بلند کی لیکن عاصم بجلی کی سی تیزی سے کود کر اُس کے سامنے جا کھڑا ہؤا۔ رُومی کے چہرے پر ایک مغموم مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ عاصم پر چند وار کرنے کے بعد اُس کی برتری کا اعتراف کرتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگا۔

عاصم نے کہا "تم بہادر معلوم ہوتے ہو لیکن زخمی ہو اگر ہتھیار پھینک دو تو ممکن ہے کہ میں تمہاری جان بچا سکوں۔"

رومی نے جواب دیا "میں جانتا ہوں۔ تم مجھے قتل کرنے سے پہلے خالی ہاتھ دیکھنا چاہتے ہو، لیکن تمہاری یہ خواہش پوری نہیں ہوگی۔"

"میری یہ خواہش نہ تھی کہ جنگ کے بعد کوئی میرے ہاتھوں مارا جائے لیکن تم بہت بد قسمت ہو۔"

عاصم نے یہ کہہ کر پے در پے چند وار کئے اور رومی، جس کی قوتِ مدافعت ہر لحظہ جواب دے رہی تھی، اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹتا ہؤا دروازے میں پہنچ گیا۔ اچانک اُسے دہلیز کی ٹھوکر لگی اور وہ لوٹتے ہوئے کواڑ پر گر پڑا۔

عاصم نے اُس کے سینے پر اپنی تلوار کی نوک رکھتے ہوئے کہا "تم جیسے نوجوان کو موت سے اتنی محبت نہیں ہونی چاہیئے۔"

اچانک صحن سے نسوانی چیخیں بلند ہوئیں "مجھے چھوڑ دیجئے، ابا جان! مجھے چھوڑ دیجئے۔ میں اُس کے

ساتھ مرنا چاہتی ہوں۔ ابا جان! خدا کے لئے۔"

عاصم نے نگاہ اٹھائی سامنے ایک نوجوان لڑکی ایک عمر رسیدہ شخص کی گرفت سے آزاد ہونے کی جدّوجہد کر رہی تھی۔ ایک ثانیہ کے لئے عاصم کی نگاہیں عمر رسیدہ آدمی پر مرکوز ہو کر رہ گئیں اور اسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہ ایک خواب دیکھ رہا ہے۔ یہ فرمس تھا۔ نوجوان لڑکی، جس کے ہاتھ میں چمکتا ہؤا خنجر تھا، اچانک اُس کی گرفت سے آزاد ہو کر آگے بڑھی اور اُس نے عاصم پر حملہ کر دیا۔ لیکن عاصم نے بائیں ہاتھ سے اُس کی کلائی پکڑ لی اور وہ اُس کی آہنی گرفت میں بے بس ہو کر رہ گئی۔ رومی نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن عاصم نے دوبارہ اپنی تلوار کی نوک اُس کے سینے پر رکھ دی اور فرمس کی طرف دیکھ کر چلایا "فرمس! میں عاصم ہوں، وہ غریب الوطن، جسے تم نے اپنی سرائے میں پناہ دی تھی۔ اب باتوں کا وقت نہیں، اگر تم اِس نوجوان کی جان بچانا چاہتے ہو تو اسے سمجھاؤ کہ یہ بے حس و حرکت یہیں پڑا رہے ورنہ اُن لوگوں کے اندر آجانے کے بعد میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔"

عاصم کا ساتھی بھاگتا ہؤا اندر داخل ہؤا اور اُس نے پوچھا "آپ ٹھیک ہیں نا؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ تم دروازے کے باہر کھڑے رہو اور کسی کو مکان کے قریب نہ آنے دو ـــ یہ لوگ ہماری پناہ میں ہیں۔" عاصم یہ کہہ کر باہر نکلا تو گلی میں ایک اور تماشا ہو رہا تھا ـــــ ایک عمر رسیدہ آدمی جو اپنے لباس سے یہودیوں کا مذہبی پیشوا معلوم ہوتا تھا، گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہا تھا "اندر مت جاؤ! یہ مکان رومیوں سے بھرا ہؤا ہے۔ بھاگو! فوج کو اطلاع دو! جلدی کرو، ورنہ وہ بیوقوف جو اکیلا اندر چلا گیا ہے مارا جائے گا۔ خدا کے لیئے جلدی کرو۔ تم کیا دیکھ رہے ہو۔"

قوی ہیکل ایرانی دانت پیستا ہؤا اُٹھا اور آگے بڑھ کر عمر رسیدہ یہودی کو چند تھپڑ رسید کر دیئے پھر اُس کی ڈاڑھی پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے کہا "بزدل آدمی! تم شور مچانے کی بجائے انہیں آگے بڑھنے کا مشورہ کیوں نہیں دیتے ہو؟"

عاصم نے آگے بڑھ کر کہا "یہ لوگ ایرانیوں کا خون اپنے خون سے زیادہ قیمتی نہیں سمجھتے۔ تمہیں ان پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ میں یہاں آنکلا ورنہ اُس رومی کی تلوار تمہاری شہ رگ تک پہنچ چکی تھی۔ اُس نے زبردستی ایک بے بس مصری کے گھر پر قبضہ کر رکھا تھا۔ بہر حال وہ اپنے کئے کی سزا پا

چکا ہے ۔اب ہمیں تمہارے زخم کی فکر کرنی چاہیئے ۔ عاصم نے آگے بڑھ کر ایک یہودی کی کمر سے ریشمی پٹکا کھولا اور اُسے پھاڑ کر ایرانی کے بازو پر پٹی باندھ دی۔

ایرانی نے کہا" میں آپ کا شکرگزار ہوں اور آئندہ میں کبھی یہودیوں کا اعتبار نہیں کروں گا۔ یہ لوگ صرف مُردوں کی لاشیں مسخ کر سکتے ہیں۔"

عاصم نے کہا" میں بہت تھکا ہؤا ہوں اور میرا خیال ہے کہ پڑاؤ میں جانے کی بجائے اسی مکان میں آرام کرلوں۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ آپ ان لوگوں کو کسی اور گھر کا راستہ دکھا دیں۔"

" جناب! آپ اندر جا کر اطمینان سے آرام کریں۔ میں ان سے نبٹ لوں گا۔" یہ کہہ کر ایرانی یہودیوں کی طرف متوجہ ہؤا۔" تم سب یہاں سے بھاگ جاؤ۔ ورنہ میں اپنے سپاہیوں کو بلاتا ہوں وہ تمہارے سر کاٹ کر دریائے نیل میں پھینک دیں گے۔"

یہودی ایک ایک کر کے وہاں سے کھسکنے لگے لیکن چند نوجوان تذبذب کی حالت میں ادھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔

ایرانی بلند آواز میں چلایا" اہرمزدہ کی قسم! میں تمہاری گردنیں اڑا دوں گا۔ کیا دیکھ رہے ہو؟ بھاگ جاؤ!" آن کی آن میں گلی خالی ہوگئی۔

عاصم نے کہا" اب تمہیں چاہیئے کہ سیدھے پڑاؤ میں جا کر اپنا زخم کسی طبیب کو دکھاؤ مجھے ڈر ہے کہ رومی کی تلوار زہر آلود نہ ہو۔ تمہیں دیر نہیں کرنی چاہیئے۔"

زہر کا لفظ سن کر ایرانی کسی توقف کے بغیر وہاں سے بھاگ کھڑا ہؤا۔ اور عاصم اپنے ساتھی کو دروازے پر موجود رہنے کی تاکید کر کے مکان کے اندر داخل ہؤا۔

رومی جسے فرمس نے نئی صورت حال سے باخبر کر دیا تھا ابھی تک فرش پر پڑا تھا اور نوجوان لڑکی اُس کے قریب کھڑی اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔

عاصم نے فرمس سے کہا" وہ سب جا چکے ہیں، لیکن اب آپ کے لئے کسی کمرے کے اندر چھپ کر بیٹھنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ممکن ہے سپاہیوں کی کوئی اور ٹولی یہاں پہنچ جائے۔"

رومی نے آنکھیں کھول کر ادھر اُدھر دیکھا اور اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد یہ چاروں مکان کے ایک کمرے میں کھڑے تھے۔ فرمس کی آنکھیں تشکر کے آنسوؤں سے لبریز تھیں، نوجوان لڑکی سسکیاں لے رہی تھی اور رومی پریشانی کی حالت میں عاصم کی طرف دیکھ رہا تھا۔

عاصم نے فرمس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا" شاید آپ نے ابھی تک مجھے نہیں پہچانا؟"

فرمس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے اور اُس نے جواب دیا" میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب کوئی معجزہ ہی ہمیں غلامی کی ذلت یا موت سے نہیں بچا سکتا۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ تم وہی ہو یہ کون کہہ سکتا تھا کہ ہماری آئندہ ملاقات ان حالات میں ہوگی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے ہاتھوں قتل ہونے کے وقت بھی میرے دل میں یہ خیال نہیں آسکتا تھا کہ ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ یہ میری بیٹی انطونیہ ہے اور یہ نوجوان میرا داماد ہے اس کا نام کلاڈیوس ہے۔"

" آپ کی بیوی؟" عاصم نے سوال کیا۔

" وہ مر چکی ہے۔"

" کب؟"

" چھ مہینے ہوئے۔ میں تم سے کئی سوال کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ ہم کب تک زندہ ہیں اور تم کس حد تک ہماری مدد کر سکتے ہو؟"

عاصم نے جواب دیا" سردست آپ کو کوئی خطرہ نہیں لیکن احتیاط ضروری ہے۔ میں تھوڑی دیر کے لئے سپہ سالار کے پاس جا رہا ہوں۔ میری غیر حاضری میں میرا ساتھی اس مکان پر پہرا دے گا اگر مجھے کسی وجہ سے دیر ہوگئی تو چند اور عرب سپاہی اس مکان کی حفاظت کے لئے پہنچ جائیں گے۔ اگر آپ اپنے داماد کا لباس تبدیل کرا سکیں تو بہتر ہوگا۔ اس کے علاوہ گھر کا کچھ سامان اٹھا کر صحن میں پھینک دیجئے۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ یہ مکان لُٹ چکا ہے۔"

عاصم وہاں سے چل پڑا لیکن دو تین قدم اٹھانے کے بعد کچھ سوچ کر رُکا اور انطونیہ سے مخاطب ہو کر بولا" میں تمہارے شوہر کی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

فرمس نے کہا۔"آپ جلد واپس آنے کی کوشش کریں۔ آپ کو دیکھنے کے بعد مجھے یقین ہوگیا ہے کہ قدرت کو ہماری تباہی منظور نہیں۔"

"آپ مطمئن رہیں، میں بہت جلد آجاؤں گا۔" عاصم یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ دروازے کے سامنے اُس کا ساتھی پریشانی کی حالت میں ٹہل رہا تھا۔

اُس نے کہا۔"جناب! آپ نے بہت دیر لگائی اور میں اِس بات پر حیران ہوں کہ آپ ایک رومی کو پناہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔"یہ رومی اُس شخص کا داماد ہے جس نے مجھے انتہائی بے کسی کی حالت میں سہارا دیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ شہنشاہ کے اُس جرنیل کا بھی محسن ہے جسے قسطنطنیہ پر ایران کی فتح کا پرچم گاڑنے کی مہم سونپی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم اِس گھر کی حفاظت کر کے شہنشاہ کی خوشنودی حاصل کر لیں۔ میری غیر حاضری میں تم یہاں پہرا دو گے۔ تمہیں دروازے کی بجائے صحن کے اندر کھڑے رہنا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ اوّل تو رات کے وقت مکان کا ٹوٹا ہُوا دروازہ دیکھ کر ہی کوئی لوٹ مار کی نیت سے اندر داخل ہونے کی کوشش نہیں کرے گا اور اگر ان لوگوں کو کوئی خطرہ پیش آیا بھی تو حملہ کرنے والوں کو دھمکانے کے لئے تمہارا یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ اندر تمہارے چند معزز ساتھی آرام کر رہے ہیں۔ اگر مجھے راستے میں کوئی اور قابلِ اعتماد ساتھی مل گئے تو انہیں اِس گلی میں پہرا دینے کے لئے بھیج دوں گا۔"



قریباً ایک پہر رات گزر چکی تھی۔ فرمس، انطونیہ اور کلاڈیوس مکان کے تاریک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔

کلاڈیوس نے سہمی ہوئی آواز میں سوال کیا۔"آپ کو یقین ہے وہ ہماری مدد کرے گا؟"

فرمس نے جواب دیا۔"کلاڈیوس تم اطمینان رکھو، مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر بھی ہمیں بچانے کی کوشش کرے گا۔"

"لیکن آپ کہتے ہیں کہ وہ یثرب کا باشندہ ہے اور آپ کو غریب الوطنی کی حالت میں ملا تھا پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اچانک ایرانی فوج میں اس قدر اثر و رسوخ کا مالک بن گیا ہو کہیں ہم اپنے آپ کو دھوکا تو نہیں دے رہے ہیں؟"

فرمس نے جواب دیا۔"موجودہ حالات میں خود فریبی کو بھی میں قدرت کا انعام سمجھتا ہوں۔ لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ قدرت نے اسے ہماری مدد کے لیے بھیجا ہے۔"

انطونیہ نے کہا۔"بہت دیر ہوگئی وہ ابھی تک نہیں آیا۔"

کمرے میں کچھ دیر خاموشی طاری رہی پھر اچانک صحن میں چند آدمیوں کی چاپ اور آوازیں سنائی دیں۔

کلاڈیوس نے کہا۔"معلوم ہوتا ہے قدرت ہمیں زیادہ دیر خود فریبی میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتی۔ لیکن میں آپ سے یہ وعدہ کر چکا ہوں کہ اپنی زندگی میں انطونیہ کی بے بسی کا تماشا نہیں دیکھوں گا۔"

کلاڈیوس اپنی تلوار سنبھال کر کھڑا ہوگیا۔ لیکن فرمس نے اس کا دامن پکڑتے ہوئے کہا۔"بیٹا! حوصلے سے کام لو، مجھے یقین ہے کہ اب قدرت ہمارے ساتھ مذاق نہیں کرے گی۔"

باہر سے عاصم کی آواز سنائی دی۔"میں عاصم ہوں۔ اب آپ کو کوئی خطرہ نہیں۔ دروازہ کھول دیجئے!"

فرمس نے دروازہ کھول دیا۔ عاصم کے ہاتھ میں مشعل تھی۔ ایک آدمی ٹوکرا اٹھائے اس کے ساتھ تھا۔ اور سات مسلح سپاہی چند قدم پیچھے کھڑے تھے۔ فرمس پریشانی، خوف اور اضطراب کی حالت میں باہر نکلا اور عاصم نے مشعل اسے دیتے ہوئے کہا۔"اب آپ کو تاریکی میں بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔ میرے آدمی آج رات یہیں رہیں گے، انھیں صحن میں آرام کرنے کے لیے صرف ایک کشادہ چٹائی کی ضرورت ہے۔"

فرمس نے کہا۔"میں اپنا بہترین قالین دے سکتا ہوں۔ آئیے!" وہ کمرے میں داخل ہوئے فرمس نے مشعل سے چراغ روشن کیا اور پھر دوسرے کمرے میں جا کر ایک بھاری قالین نکال لایا۔

عاصم نے اپنے ساتھی سے کہا۔"تم یہ قالین لے جاؤ اور اپنے ساتھیوں کو بیرونی دروازے کے

سامنے بٹھا دو میں ابھی آتا ہوں۔" نوکر نے ٹوکرا نیچے رکھ کر قالین اٹھا لیا اور عاصم نے فرمس کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "اس ٹوکرے میں آپ کے کھانے کا سامان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ تینوں بھوکے ہیں۔ پہلے اطمینان سے کھا لیجئے۔ اس کے بعد ہم جی بھر کر باتیں کر سکیں گے۔" لیکن یہ تینوں کھانے کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے انتہائی بے چارگی کی حالت میں عاصم کی طرف دیکھ رہے تھے۔

عاصم نے قدرے توقف کے بعد کہا: "شاید آپ کو میری بات کا یقین نہیں آیا۔ دیکھئے! ایک سپہ سالار سے وعدہ لے چکا ہوں کہ یہ گھر محفوظ رہے گا اور جس آدمی کو بابلیون کا حاکم بنایا گیا ہے اس سے بھی میں آپ کی حفاظت کا وعدہ لے آیا ہوں۔ آپ کو شاید یہ معلوم نہیں کہ آپ ایرانی فوج کے ایک جرنیل اور شہنشاہ کے بہت گہرے دوست کے محسن ہیں۔ آپ نے جس معزز خاتون کو دمشق پہنچانے کی خدمت میرے سپرد کی تھی وہ اس جرنیل کی بیوی تھی۔ وہ کسی اور محاذ پر جا چکا ہے اگر آج وہ یہاں ہوتا تو شاید ایرانی فوج کے بڑے بڑے سردار آپ کو سلام کرنے آتے۔"

فرمس کے چہرے سے اچانک مایوسی کے بادل چھٹ گئے اور وہ پُر امید ہو کر عاصم کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن چند ثانیے بعد اس کے چہرے پر دوبارہ اضطراب کے آثار ظاہر ہونے لگے — اس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا آپ کلاڈیوس کے متعلق بھی مجھے اطمینان دلا سکتے ہیں؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "کلاڈیوس ایک رومی ہے اور میرے لیے اس کے حق میں کچھ کہنا آسان بات نہ تھی — تاہم ایک شرط پر میں نے اس کی جان بخشی کا وعدہ لے لیا ہے۔"

"وہ شرط کیا ہے؟" کلاڈیوس نے چونک کر پوچھا۔

"وہ شرط یہ ہے کہ تم میرے ساتھ رہو گے۔ میں نے پہلی بار اپنی خدمات کا صلہ مانگا ہے اور وہ یہ کہ مجھے ایک قابلِ اعتماد رومی کو غلام بنانے کی اجازت دی جائے۔"

کلاڈیوس نے سراپا احتجاج بن کر کہا۔ "تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں تمہاری غلامی کو موت سے بہتر سمجھوں گا۔"

"مجھے صرف اس بات کا یقین تھا کہ تم اگر اپنے لیے نہیں تو کم از کم فرمس اور اس کی بیٹی کے لیے زندہ

رہنا پسند کرو گے۔ میرے لیے تمہاری جان بچانے کی واحد صورت یہی تھی اور میں یقین دلاتا ہوں کہ تمھیں اپنا دوست اور بھائی سمجھوں گا۔ شہنشاہ کی فوجیں پرسوں اسکندریہ کی طرف روانہ ہو جائیں گی اور مجھے اسی دن جنوب کی طرف پیش قدمی کا حکم ملا ہے۔ اگر بابلیون تمہارے لیے محفوظ ہوتا تو میں صرف یہ وعدہ لے کر تمھیں یہاں چھوڑ جاتا کہ تم میری غیر حاضری میں بھاگنے کی کوشش نہیں کرو گے۔ اب تمہاری جان بچانے کی یہی ایک صورت ہے کہ میں تمھیں اپنے ساتھ لے جاؤں اور جب تک حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تمہاری حفاظت کرتا رہوں — ممکن ہے کسی دن ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ تم اپنی بیوی کے ساتھ اپنے وطن جا سکو اور میں ایرانی فوج میں اپنی شہرت کو داغدار کیے بغیر تمہاری مدد کر سکوں۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں کسی مہم میں آپ کے ساتھ تعاون کروں گا تو آپ غلطی پر ہیں میں ایک رومی ہوں اور کسی قیمت پر اپنی قوم کے ساتھ غداری نہیں کروں گا۔"

عاصم نے جھنجلا کر کہا۔ "مجھے کسی مہم میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے تمہارے تعاون کی ضرورت نہیں۔ ایران اور روم کی جنگ اب آخری مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ مصر میں اسکندریہ کے سوا تمہاری فوجیں کسی اور مقام پر معمولی مزاحمت بھی نہیں کر سکیں گی۔ میں صرف تمہاری جان بچانا چاہتا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ تم ایران کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہو بلکہ صرف اس لیے کہ تم میرے ایک محسن کے داماد ہو اور مجھے اپنے دوست کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا پسند نہیں۔ تمھیں مجھ سے صرف یہ وعدہ کرنا ہوگا کہ تمہاری کسی حرکت سے مجھے اپنے ساتھیوں کے سامنے نادم نہیں ہونا پڑے گا۔ اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ تم سب کسی خطرے کا سامنا کیے بغیر مصر کی حدود سے نکل سکتے ہو، تو میں اسی وقت تمہارے لیے گھوڑے مہیا کر سکتا ہوں۔ مجھے اس بات کی پروا نہ ہوگی کہ بعد میں میرے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے لیکن حالت یہ ہے کہ تمہارے لیے سمندر تک پہنچنے کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ مصر میں اسکندریہ تمہارا آخری حصار ہے لیکن ہماری اطلاعات یہ ہیں کہ رومیوں نے یہ شہر بھی خالی کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان حالات میں تمھیں جوش کی بجائے صبر اور حوصلے سے کام لینے کی ضرورت ہے۔"

کلاڈیوس اب جواب دینے کی بجائے کبھی فرمس اور کبھی انطونیہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

فرمس نے کہا۔ "کلاڈیوس! خدا نے ہماری اعانت کے لیے ایک فرشتہ بھیجا ہے ہمیں یہ ثابت نہیں کرنا چاہیئے کہ ہم ناشکر گزار ہیں۔"

کلاڈیوس نے عاصم سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اگر آپ ان کی عزت بچانے کا وعدہ کرتے ہیں تو مجھے آپ کی غلامی منظور ہے۔"

عاصم نے کلاڈیوس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے اپنا دوست پاؤ گے۔ افسوس صرف اِس بات کا ہے کہ میں موجودہ حالت میں تمہاری جان بچانے کا اس سے بہتر طریقہ نہیں سوچ سکتا۔ میں اس بات کی کوشش کر چکا ہوں کہ تمہارے گلے میں آہنی طوق نہ ڈالا جائے لیکن سپہ سالار نے میری یہ درخواست قبول نہیں کی۔ تاہم میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جو بوجھ تم اپنی گردن پر محسوس کرو گے وہ مجھے اپنے دل پر محسوس ہوگا۔ تمہارے اطمینان کے لیے میں اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ فرمس کی بیٹی میری بہن ہے۔"

کلاڈیوس نے جواب دیا۔ "ایک غلام کو اپنے طوق کا بوجھ اٹھانے پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اور انطونیہ کی عزت بچانے کے لیے تو میں پہاڑ اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔"

عاصم کو اچانک ایسا محسوس ہوا کہ وہ اس خوش وضع نوجوان کو ایک مدت سے جانتا ہے۔ اس نے کہا۔ "اب تمہارے مستقبل کے متعلق سوچنا میرا کام ہے۔ تم اطمینان سے کھانا کھاؤ۔ میں ذرا اپنے ساتھیوں کو دیکھ آؤں۔"

فرمس نے کہا۔ "نہیں! ہمارے میزبان کو ہمارے ساتھ کھانا چاہیئے۔"

عاصم رک گیا اور تھوڑی دیر بعد یہ چاروں دسترخوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

باب ۲۲

کلاڈیوس اسکندریہ کے گورنر کا بھتیجا اور رومی سینیٹ کے ایک بااثر رکن کا بیٹا تھا جن ایام میں ایرانی لشکر شام کے شمالی علاقوں کو تاخت و تاراج کر رہا تھا وہ روم کی فوج کے ایک سالار کی حیثیت سے حمص میں متعین تھا۔ حمص کی لڑائی میں زخمی ہونے کے بعد اس نے اپنے چند شکست خوردہ سپاہیوں کے ساتھ قیساریہ کا رخ کیا لیکن راستے میں اس کی صحت بگڑ گئی اور قیساریہ کے حاکم نے اسے لڑائی میں حصہ لینے کے ناقابل سمجھتے ہوئے کسی زیادہ محفوظ مقام پر چلے جانے کا مشورہ دیا۔ چند دن بعد اسکندریہ سے دو جہاز رسد کا سامان لے کر قیساریہ پہنچے اور کلاڈیوس کے ساتھیوں نے اسے سخت بخار کی حالت میں ایک جہاز پر سوار کرا دیا۔ جہاز کا کپتان کلاڈیوس کو جانتا تھا اور اس نے سفر کے دوران میں اس کی تیمارداری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ راستے کی بندرگاہوں سے کئی اور لوگ جو مختلف شہروں سے جان بچا کر بھاگے تھے۔ ان جہازوں پر سوار ہوتے گئے۔ چنانچہ جب یہ جہاز غزہ پہنچے تو ان پر تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔

غزہ میں پناہ گزینوں کا ہجوم راستے کی دوسری بندرگاہوں سے کہیں زیادہ تھا اور ان میں زیادہ تعداد ان رومی عورتوں اور بچوں کی تھی جو شام اور فلسطین کے مخدوش حالات کے پیش نظر اسکندریہ یا قبرص پہنچنے کے لیے بے قرار تھے۔

غزہ کے حاکم نے تمام جہاز روک لیے اور حکم دیا کہ وہ لوگ جو خشکی کے راستے سفر کر سکتے ہیں۔ رومی عورتوں اور بچوں کے لیے جگہ خالی کر دیں۔

کلاڈیوس کا بخار اتر چکا تھا لیکن ابھی اس میں خشکی کے راستے سفر کرنے کی سکت نہ تھی۔ تاہم جب دوسرے آدمی جہاز سے اترنے لگے تو اس نے ان کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جہاز کے کپتان نے اسے روکنے کی کوشش کی تو اس نے جواب دیا۔ "عورتوں اور بچّوں کا مسئلہ مجھ سے زیادہ اہم ہے اگر میں خشکی کے راستے سفر نہ کر سکا تو یہاں ٹھہر کر کسی اور جہاز کا انتظار کروں گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میں دو چار دن آرام کرنے کے بعد جنگ میں شریک ہونے کے قابل ہو جاؤں۔"

جہاز کے کپتان نے کہا۔ "اگر آپ مصر ہیں تو میں بندرگاہ کے ناظم سے کہوں گا کہ وہ آپ کو شہر کے حاکم کے پاس پہنچا دے۔ مجھے یقین ہے کہ غزہ کا حاکم آپ کو ہر ممکن سہولت مہیا کرنے کی کوشش کرے گا۔"

بندرگاہ کا ناظم ایک سائبان کے نیچے بیٹھا مسافروں کی جانچ پڑتال کر رہا تھا۔ وہ باری باری پیش ہونے والے مسافروں سے چند سوال کرتا اور اس کے بعد جن خوش قسمت عورتوں، بچّوں یا بوڑھوں کو جہاز پر سوار ہونے کی اجازت مل جاتی وہ دوسرے امیدواروں سے الگ ہو کر ایک طرف بیٹھ جاتے۔ بعض مسافر انتہائی بے صبری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ سائبان میں گھس جاتے اور ناظم کی میز کے گرد اتنی بھیڑ ہو جاتی کہ سپاہی انھیں دھکے دے کر پیچھے ہٹانے پر مجبور ہو جاتے۔ کلاڈیوس جس کے سر پر ابھی تک پٹی بندھی تھی۔ جہاز سے اتر کر کپتان سے باتیں کرتا ہوا سائبان کے اندر داخل ہوا تو بندرگاہ کا ناظم اسے دیکھتے ہی کرسی سے اٹھا اور اس سے بغلگیر ہو کر چلّایا۔ "کلاڈیوس! تم یہاں کب آئے؟ خدا کی قسم میں آج بھی تمھارے متعلق ہی سوچ رہا تھا۔"

جہاز کے کپتان نے کہا۔ "مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ایک دوسرے کو جانتے ہیں میں آپ کو یہ بتانے آیا تھا کہ یہ زخمی ہیں اور انھیں کسی اچھے تیماردار کی ضرورت ہے۔"

ناظم نے جواب دیا۔ "مجھ سے بہتر کلاڈیوس کا تیماردار اور کون ہو سکتا ہے۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "میرا زخم قریباً مندمل ہو چکا ہے اور بخار بھی اتر گیا ہے۔ مجھے تازہ دم ہونے کے لیے صرف دو تین دن آرام کی ضرورت ہے۔"

جہاز کے کپتان نے کہا۔ "یہ میرے اصرار کے باوجود جہاز سے اتر پڑے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ ابھی

چند دن اور یہ گھوڑے پر سواری کے قابل نہیں ہوں گے۔"

ناظم نے کلاڈیوس سے پوچھا۔ "آپ قیساریہ سے آئے ہیں؟"

"ہاں! میں حمص میں زخمی ہونے کے بعد وہاں پہنچ گیا تھا اور اب سوچ رہا ہوں کہ اگر میری حالت ذرا بہتر ہو جائے تو میں اسکندریہ کا رُخ کرنے کی بجائے دمشق پہنچ جاؤں۔"

ناظم نے مغموم لہجے میں کہا۔ "آپ کو شاید معلوم نہیں کہ دمشق کا محاصرہ ہو چکا ہے اور اب ہمارا کوئی سپاہی شہر کے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔"

یہ خبر کلاڈیوس کے لیے غیر متوقع نہ تھی تاہم اس کا اثر اتنا شدید تھا کہ اس کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔

ناظم کے اشارے سے سپاہیوں نے دو کرسیاں لا کر وہاں رکھ دیں اور وہ بیٹھ گئے۔

ناظم نے کہا۔ "آپ بہت دبلے ہو گئے ہیں اور شاید اس وقت بھی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ موجودہ حالات میں آپ کا اسکندریہ پہنچنا بہتر ہوگا۔ ممکن ہے کہ کچھ عرصہ تک اسکندریہ ہمارا آخری حصار بن جائے۔ غزہ اب ان گنت پناہ گزینوں کی درمیانی منزل بن چکا ہے اور ہمارے لیے ان لوگوں کو یہاں سے نکالنا اشد ضروری ہے ورنہ فوج کے حصّے کی تمام غذائی رسد یہ کھا جائیں گے۔ ہر روز پناہ گزینوں کے نئے قافلے یہاں پہنچ رہے ہیں اگر اسکندریہ کا بحری بیڑا فوراً حرکت میں آجائے تو ہماری مشکل آسان ہو سکتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ وہاں پہنچ کر اپنے چچا کو اس طرف متوجہ کر سکیں گے۔ ہم نے قبرص کے امیر البحر سے بھی اعانت کی درخواست کی ہے لیکن موجودہ حالات میں ان کے نزدیک شاید پناہ گزینوں کا مسئلہ زیادہ اہم نہ ہو۔"

سائبان کے گرد جمع ہونے والے لوگ پھر ایک بار بے چینی کا مظاہرہ کرنے لگے۔ سپاہی انھیں ڈرا دھمکا کر دور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اچانک ایک خوبصورت لڑکی اپنا راستہ روکنے والے سپاہی سے کترا کر سائبان کے اندر داخل ہوئی اور اس نے سراپا التجا بن کر ناظم سے کہا۔ "جناب! خدا کے لیے میری والدہ پر رحم کیجیے وہ بیمار ہیں۔ ہم کئی دن سے یہاں پڑے ہیں اگر وہ یہاں پہنچ کر

کر بیمار نہ ہو جاتیں تو ہم کبھی کے بابلیون یا اسکندریہ پہنچ گئے ہوتے۔"

ناظم نے تلملا کر کہا۔ "یہ لڑکی پاگل ہے۔ میں اس سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ مجھے رومیوں کے سوا کسی کو جہاز پر جگہ دینے کی اجازت نہیں۔"

لڑکی نے کہا۔ "کیا آپ کے نزدیک رومیوں کے سوا کسی کی جان اور آبرو کی قیمت نہیں؟"

ناظم نے سپاہیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "اسے لے جاؤ۔ میں اس سے بحث نہیں کرنا چاہتا اور اب اگر یہ مجھے پریشان کرنے کی کوشش کرے تو اسے دھکے دے کر بندرگاہ کے احاطے سے باہر نکال دو۔"

ایک سپاہی آگے بڑھا لیکن کلاڈیوس نے اٹھ کر اسے روکتے ہوئے کہا۔ "ٹھہرو!" پھر وہ ناظم کی طرف متوجہ ہوا۔ "شاید تم یہ نہیں جانتے کہ ایرانی ایسی لڑکیوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔"

ناظم نے کہا۔ "میں جانتا ہوں اور یقین کیجیے کہ مجھے اس کے ساتھ ہمدردی ہے۔ یہ چوتھی بار سپاہیوں کا حلقہ توڑ کر مجھ سے تکرار کر چکی ہے لیکن میں غزہ کے حاکم کی ہدایات کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ رومیوں کے سوا کسی کو سرکاری جہازوں پر سوار ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "دیکھئے! مجھے جہاز پر سفر کرنے کا حق ہے اور میں اس مصیبت زدہ لڑکی کے لیے اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ جہاز کا کپتان میری جگہ دو عورتیں سوار کرنے پر اعتراض نہیں کرے گا۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ تمام رومی عورتیں اور بچے جو یہاں موجود ہیں دو جہازوں پر سوار نہیں ہو سکیں گے انہیں غزہ سے نکالنے کے لیے کئی جہازوں کی ضرورت ہے اور میں آپ سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے چچا کو ضرور جہاز بھیجنے پر مجبور کر سکوں گا ـــ مجھے یقین ہے کہ میرا یہ وعدہ غزہ کے حاکم کو مطمئن کرنے کے لیے کافی ہوگا۔"

ناظم نے کہا۔ "اگر آپ ہماری اتنی مدد کر سکتے ہیں تو پھر میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ بھی یہاں ٹھہرنے کی بجائے ان کے ساتھ ہی روانہ ہو جائیں۔"

کلاڈیوس نے لڑکی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "تمہاری ماں کہاں ہے؟"

"وہ باہر بخار کی حالت میں لیٹی ہوئی ہے۔"

ناظم نے کہا۔ "جاؤ اسے لے آؤ!"

یہ بڑی بڑی سیاہ اور چمکدار آنکھوں، لمبی گردن اور تیکھے نقوش والی لڑکی فرمس کی بیٹی انطونیہ تھی اور ایک ساعت بعد کلاڈیوس اس کے ساتھ جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ انطونیہ اس سے کہہ رہی تھی۔ "ہم تین ہفتے سے غزہ میں دھکے کھا رہے تھے۔ وہاں پہنچتے ہی ہمارے گھوڑے فوجی ضرورت کے لیے ضبط کر لیے گئے تھے۔ پچھلے ہفتے ہمارا نوکر ایک اونٹ خرید لایا اور ہم نے خشکی کے راستے ایک قافلے کے ساتھ چلنے کا ارادہ کیا لیکن میری والدہ اچانک بیمار ہو گئیں۔ آج ہم چاروں طرف سے مایوس ہو چکے تھے کہ قدرت نے آپ کو بھیج دیا۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ آپ کے نوکر کو جہاز میں جگہ نہ مل سکی۔ لیکن آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ اگر وہ خشکی کے راستے کسی قافلے کے ساتھ نہ جا سکا تو میں واپسی پر اسے غزہ میں تلاش کر کے آپ کے پاس پہنچا دوں گا۔"

انطونیہ نے پوچھا۔ "آپ واپس آئیں گے؟"

"ہاں! میں نے بندرگاہ کے ناظم سے وعدہ کیا ہے کہ پناہ گزینوں کو نکالنے کے لیے اسکندریہ سے مزید جہاز لانے کی کوشش کروں گا۔"

"آپ بہت رحمدل ہیں۔" لڑکی نے احسان مندانہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

انطونیہ کی ماں نے جو ان کے قریب لیٹی ہوئی تھی پانی مانگا اور کلاڈیوس بھاگ کر لکڑی کا ایک کٹورا بھر لایا۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" اس نے پانی پلانے کے بعد پوچھا۔

انطونیہ کی ماں نے جواب دیا۔ "میں ٹھیک ہوں بیٹا! خدا تمہارا بھلا کرے۔"

چند دن سفر کے دوران میں کلاڈیوس اور انطونیہ ایک دوسرے کے بہت قریب آ چکے تھے اور ایک دن جب ان کا جہاز اسکندریہ کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہو رہا تھا۔ وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ کاش! یہ سفر اتنی جلدی ختم نہ ہوتا۔ انطونیہ کی ماں کے لیے پالکی کا انتظام کرنے کے بعد کلاڈیوس ان کے ساتھ چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد یہ لوگ انطونیہ کے ماموں بطلیموس کے مکان میں داخل ہوئے۔ بطلیموس اسکندریہ کا ایک خوشحال تاجر تھا اس نے کلاڈیوس کو کھانے کے لیے روکنے کی کوشش کی لیکن اس نے جواب دیا۔ "میں کسی تاخیر کے بغیر اپنے چچا کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں ـــ اگر موقع ملا تو پھر کسی وقت حاضر

ہو جاؤں گا۔"

بطلیموس نے کہا: "تو پھر آپ شام کا کھانا میرے ساتھ ضرور کھائیں؟"

کلاڈیوس نے جواب دیا: "اگر میں یہاں ٹھہر سکا تو ضرور آؤں گا لیکن ممکن ہے کہ چچا جان غزہ سے پناہ گزینوں کو نکالنے کی مہم مجھے سونپ دیں اور میں آج ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں۔"

انطونیہ نے بطلیموس سے مخاطب ہو کر کہا: "ماموں جان! مجھے یقین ہے کہ غزہ سے دوبارہ واپس آنے تک یہ ہمارے گھر کا راستہ بھول چکے ہوں گے۔"

"نہیں انطونیہ" بطلیموس نے جواب دیا: "یہ ہمیں شکریہ کا موقع دینے میں بخل سے کام نہیں لیں گے۔"

انطونیہ، جو اپنی ماں کے بستر کے قریب بیٹھی بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی، اٹھ کر باہر نکل گئی۔ کلاڈیوس نے اٹھ کر مصافحے کے لیے بطلیموس کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن اس نے کہا: "نہیں، جناب! میں دروازے تک آپ کے ساتھ چلوں گا۔"

"نہیں، نہیں، تکلف کی ضرورت نہیں آپ مریضہ کے پاس تشریف رکھیے!" کلاڈیوس نے یہ کہہ کر بطلیموس سے مصافحہ کیا اور اسے کچھ اور کہنے کا موقع دیئے بغیر کمرے سے باہر نکل آیا۔

انطونیہ صحن میں کھڑی تھی۔ کلاڈیوس اس کے قریب پہنچ کر رکا اور ایک ثانیہ توقف کے بعد بولا۔

"انطونیہ! میں اس گھر کا راستہ نہیں بھولوں گا۔"

انطونیہ نے کہا: "میں مرتے دم تک آپ کا انتظار کروں گی۔" اور اس کے ساتھ اس کی خوبصورت آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

"خدا حافظ! انطونیہ" کلاڈیوس یہ کہہ کر آگے بڑھا، رکا اور ایک ثانیہ مڑ کر دیکھنے کے بعد لمبے لمبے قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔

گھر کی عورتیں چند قدم دور کھڑی انطونیہ کی طرف دیکھ رہی تھیں اور ان کی نگاہوں میں ان گنت سوالات تھے لیکن انطونیہ ان کی طرف توجہ دینے کی بجائے کمرے میں چلی گئی۔

بطلیموس جو مریضہ سے باتیں کر رہا تھا۔ قدرے توقف کے بعد انطونیہ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "بیٹی!

میں تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھ رہا ہوں لیکن تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ وہ رومی ہے اور اسکندریہ کے حاکم کا بھتیجا ہے۔" انطونیہ کوئی جواب دینے کی بجائے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر سسکیاں ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔



ان واقعات کے چند ہفتے بعد فرمس، بابلیون سے ہوتا ہوا اسکندریہ پہنچا تو اس کی بیوی زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہی تھی۔ نیک دل شوہر کی نگاہوں کے سامنے آٹھ پہر موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد اس نے اپنا سفرِ حیات ختم کر دیا۔ چند دن بعد، فرمس نے اپنی بیٹی کے ساتھ بابلیون جانے کا ارادہ کیا لیکن بطلیموس کے اصرار پر وہ ایک ہفتہ اور اس کے ہاں ٹھہرنے پر رضامند ہو گیا۔ اس عرصہ میں اسکندریہ کے کئی جہاز غزہ سے پناہ گزینوں کو لے کر واپس آ چکے تھے لیکن انطونیہ کو کلاڈیوس کے متعلق کوئی اطلاع نہ ملی۔ ماں کی موت کے صدمے کے باعث وہ زندگی کی بیشتر دلچسپیوں سے کنارہ کش ہو چکی تھی لیکن کلاڈیوس کو بھول جانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ اسے بطلیموس کے یہ الفاظ بار بار یاد آتے تھے کہ کلاڈیوس ایک رومی ہے اور اسکندریہ کے حاکم کا بھتیجا ہے۔ تاہم انتہائی مایوسی کی حالت میں بھی وہ اس خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتی تھی کہ کلاڈیوس کسی دن اس کی تلاش میں آئے گا۔

کوئی دروازے پر دستک دیتا تو اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتیں۔ کوئی غزہ سے آنے والے زخمیوں اور پناہ گزینوں کا ذکر چھیڑتا تو وہ اس کے منہ سے کلاڈیوس کا ذکر سننے کے لیے بیتاب ہو جاتی۔ اسکندریہ چھوڑنے سے ایک دن قبل وہ بطلیموس کی بیوی اور دو بیٹیوں کے ساتھ اپنی ماں کی قبر دیکھ کر واپس آ رہی تھی۔ ایک کشادہ بازار سے گلی میں داخل ہوتے وقت اسے بطلیموس کا حبشی غلام دکھائی دیا جو چلنے کی بجائے بھاگ رہا تھا۔

بطلیموس کی بیوی نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے پوچھا: "تم کہاں جا رہے ہو۔ اور اتنے بدحواس کیوں ہو؟"

غلام نے جواب دیا: "جناب! میں آقا کو دکان سے بلانے جا رہا ہوں، ایک رومی ان سے

ملنا چاہتا ہے۔"

انطونیہ نے بے چین ہو کر پوچھا: "وہ کہاں ہے؟"

"میں اسے اندر بٹھا آیا ہوں۔" غلام نے جواب دیا۔

"ابّا جان گھر پر ہیں؟"

"نہیں وہ ابھی باہر نکلے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھی دکان پر ہوں گے۔"

غلام یہ کہہ کر بھاگ گیا۔ اد بطلیوس کی بیوی نے کہا: "بیٹی مبارک ہو۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور آئیگا اب چلو!" انطونیہ ان کے ساتھ چل پڑی۔ مہمانوں کا کمرہ ڈیوڑھی سے ملا ہوا تھا لیکن انطونیہ کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ تذبذب کی حالت میں دوسری عورتوں کی طرف دیکھنے لگی۔ بطلیوس کی بیوی نے اپنی بیٹیوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہاں سے کھسک گئیں۔ پھر وہ انطونیہ کی طرف متوجہ ہوئی: "بیٹی! تم ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں ہو، جاؤ!"

انطونیہ چہرے پر شرم و حیا کی سرخیاں لیے ملاقات کے کمرے میں داخل ہوئی لیکن وہاں کلاڈیوس کی بجائے ایک اجنبی بیٹھا ہوا تھا وہ ان گنت نغمے جو انطونیہ کے دماغ میں گونج رہے تھے لیکایک خاموش ہو گئے۔

"آپ غزّہ سے آئے ہیں؟" اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"جی ہاں!" رومی نے اٹھ کر جواب دیا۔

"آپ کو کلاڈیوس نے بھیجا ہے؟"

"جی ہاں!"

"وہ یہاں نہیں آئیں گے؟"

"وہ ضرور آئیں گے لیکن ابھی نہیں۔ ان دنوں غزّہ میں جمع ہونے والے پناہ گزینوں اور زخمیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے اور جب تک انھیں وہاں سے نکال نہیں لیا جاتا کلاڈیوس واپس نہیں آ سکے گا اگر میں غلطی نہیں کرتا تو آپ انطونیہ ہیں۔ کلاڈیوس نے مجھے آپ کے لیے ایک ضروری پیغام دیا ہے وہ کہتے تھے کہیں آپ یہ سمجھ نہ لیں کہ میں آپ کے گھر کا راستہ بھول چکا ہوں۔ وہ یہ بھی پوچھتے تھے کہ آپ کی والدہ

کی صحت کیسی ہے؟"

انطونیہ نے پُر امید ہو کر پوچھا: "آپ واپس غزّہ جائیں گے؟"

"جی ہاں! میں آج ہی کسی جہاز پر روانہ ہو جاؤں گا۔"

آپ کلاڈیوس کے پاس میری طرف سے یہ پیغام لے جائیں کہ میری والدہ وفات پا چکی ہیں میرے والد یہاں پہنچ گئے ہیں اور میں ان کے ساتھ بابلیون جا رہی ہوں۔"

رومی نے پوچھا: "کیا میں انھیں یہ پیغام بھی دے سکتا ہوں کہ آپ اُن سے خفا نہیں ہیں؟"

"کس بات پر؟"

ان کا خیال تھا کہ شاید آپ ان کی معذرت قبول نہ کریں۔"

"آپ انھیں یہ پیغام دے سکتے ہیں کہ میں ان سے خفا نہیں ہوں۔" انطونیہ یہ کہہ کر مسکرائی اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

رومی نے کہا۔ "میں بطلیوس کی وساطت سے آپ کو اُن کا پیغام پہنچانا چاہتا تھا۔ آپ کا نوکر انھیں بلانے گیا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اب میں اپنا فرض پورا کر چکا ہوں۔ اس لیے مجھے اجازت دیجیے۔ یہاں مجھے بہت سے کام ہیں۔"

انطونیہ نے پوچھا: "آپ کھانا نہیں کھائیں گے؟"

"نہیں! میں کھانا کھا چکا ہوں۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔" رومی یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔



چند دن بعد فرمس اپنی بیٹی کے ساتھ بابلیون پہنچ گیا۔ کئی سال ایک منفعت بخش کاروبار سے اس نے جو سرمایہ جمع کیا تھا وہ عمر بھر کی ضرورت کے لیے کافی تھا۔ لیکن وہ بیکار بیٹھنے کا عادی نہ تھا — اس نے دریائے نیل کے کنارے ایک سرائے خرید لی اور اپنا پرانا دھندا شروع کر دیا۔

فلسطین کی طرح مصر میں بھی یہ عام تاثر پایا جاتا تھا کہ اگر ایرانی لشکر نے یروشلم کا رخ کیا تو اسے

عبرتناک تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن یروشلم میں شکست کھانے کے بعد اُن لوگوں کے حوصلے ٹوٹ گئے جو آخری وقت قدرت کے کسی معجزے کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے بعد جب غزہ میں بھی رومیوں کی سطوت کے پرچم سرنگوں ہوگئے تو شام اور فلسطین کی طرح وادیٔ نیل کے شہروں اور بستیوں میں بھی موت کے بھیانک سائے دکھائی دینے لگے۔

بابلیون پہنچنے کے بعد کلاڈیوس کے متعلق انطونیہ کو آخری اطلاع یہ ملی تھی کہ وہ غزہ سے اچانک یروشلم کے محاذ پر چلا گیا ہے۔ اس کے بعد کئی ماہ تک اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔

ایک اتوار کی صبح وہ اپنے باپ کے ساتھ گرجے جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ دروازے پر کسی نے دستک دی اور چند ثانیے بعد نوکر بھاگتا ہوا اندر آیا اس نے فرمس کو اطلاع دی کہ ایک رومی افسر آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ اپنا نام کلاڈیوس بتاتا ہے ـــ ایک ثانیہ کے لیے کائنات کی تمام مسرتیں سمٹ کر انطونیہ کے چہرے پر آگئیں۔ فرمس تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا باہر نکلا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کلاڈیوس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے واپس آیا اور یہ تینوں ایک کمرے میں بیٹھ گئے ـــ انطونیہ تصور میں پہروں اس سے گلے اور شکوے کیا کرتی تھی لیکن اب اس کی زبان گنگ ہو گئی تھی اور اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کے ماضی اور حال کے درمیان سارے خلاء پُر ہو چکے تھے۔

فرمس نے کہا "آپ کو میرے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینے کی ضرورت نہ تھی۔ ہم مدت سے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔

انطونیہ کے اصرار پر میں چار مرتبہ اپنا نوکر اسکندریہ بھیج چکا ہوں لیکن وہاں بھی آپ کے متعلق کسی کو معلوم نہ تھا"۔

کلاڈیوس نے کہا "مجھے غزہ سے کمک کے ساتھ یروشلم کی طرف بھیجا گیا تھا لیکن شہر سے چند کوس دور دشمن کی ایک فوج نے گھیرے میں لے لیا اور ہم شدید نقصان اٹھانے کے بعد ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے میں ان چند خوش قسمت لوگوں میں سے تھا جنھیں دشمن نے غلامی کے قابل سمجھ کر قتل کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ چند ماہ اردن کے ایک قلعے میں قید رہنے کے بعد میں جنگی قیدیوں کے ایک قافلے کے ساتھ

ایران کی طرف روانہ ہوا۔ میں دشمن کی غلامی سے بچنے کے لیے ہر خطرہ مول لینے کو تیار تھا۔ چند رومی اور شامی نوجوان میرے ساتھ مل گئے۔ کئی ہفتے سفر کرنے کے بعد ہمیں ایک رات شدید آندھی کے باعث فرار ہونے کا موقعہ مل گیا۔ میرے ساتھ بائیس آدمی تھے۔ لیکن چار، رات کی تاریکی میں، ہم سے بچھڑ گئے۔ صبح کے وقت ہمارے سامنے ایک لق و دق صحرا تھا۔ آندھی سے اڑتی ہوئی ریت میں ہمارے پاؤں کے نشان مٹتے جا رہے تھے اور ہمیں یہ اطمینان تھا کہ اگر دشمن سواروں نے ہمارا پیچھا کیا تو بھی ان کے لیے ہمارا کھوج لگانا آسان نہیں ہوگا۔ دوپہر تک ہمارے تین ساتھی مارے پیاس کے دم توڑ چکے تھے اور باقی جانکنی کے عالم میں تھے اور ہماری یہ حالت تھی کہ اگر دشمن کے سوار آجاتے تو ہم پانی کا ایک گھونٹ حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیتے۔ تیسرے پہر ہم ایک بلند ٹیلے کے سائے میں لیٹے تھے۔ آندھی تھم چکی تھی لیکن ہمیں اپنی موت سے زیادہ کسی بات کا یقین نہ تھا۔ ایک شامی نوجوان جسے ہم اپنا راہنما تسلیم کر چکے تھے۔ آہستہ آہستہ ٹیلے پر چڑھنے لگا اور میں بھی گرتا سنبھلتا اس کے پیچھے ہو لیا۔ ٹیلے کے دوسری طرف تنگ وادی میں خانہ بدوش عربوں کا ایک قافلہ دکھائی دیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم سب ایک ٹھنڈے اور میٹھے چشمے کا پانی پی رہے تھے۔ یہ خانہ بدوش عیسائی تھے اور ان کا سردار ایک رحم دل آدمی تھا۔ ہم چار دن اُس کے مہمان رہے۔ اس کے بعد ہمارا سفر انتہائی ناخوشگوار تھا۔ راستے کے آباد علاقوں کے شہروں میں ایرانیوں کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے ہم چھوٹی چھوٹی بستیوں میں قیام کرتے تھے۔ اور ان بستیوں میں داخل ہونے سے پہلے ہم اپنے شامی راہنما کو بھیج کر دشمن کی نقل و حرکت کے متعلق اطمینان کر لیتے تھے۔ غسانی قبائل کے لوگ ہمارے حال پر بہت مہربان تھے اور ان کے بعض سردار ہمارے بیمار ساتھیوں کو اگلی منزل تک پہنچانے کے لیے اونٹ اور گھوڑے بھی مہیا کر دیتے تھے۔ فلسطین کے علاقے میں داخل ہونے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ دشمن غزہ پر قابض ہو چکا ہے اس لیے میرے وہ ساتھی جو شام اور فلسطین کے باشندے تھے۔ مایوس ہو کر اپنے گھروں کو چلے گئے اور میں دو مصری اور سات رومی سپاہیوں کے ہمراہ صحرائے سینا عبور کرنے کے بعد یہاں پہنچا ہوں"۔

فرمس نے کہا "میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ انطونیہ آپ کے متعلق بہت پریشان تھی"۔

کلاڈیوس نے انطونیہ کی طرف متوجہ ہوکر کہا "مجھے آپ کی والدہ کی وفات کی اطلاع مل گئی تھی۔ مجھے اس کا بہت دکھ ہے۔"

فرمس نے پوچھا "آپ کے باقی ساتھی کہاں ہیں؟"

کلاڈیوس نے جواب دیا "میں انھیں مستقر پر چھوڑ آیا ہوں۔"

"میں انھیں یہاں بلا لیتا ہوں۔ آپ سب ہمارے مہمان ہیں۔"

کلاڈیوس نے کہا "نہیں! وہ تھکے ہوئے ہیں اور اب سو رہے ہوں گے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ جلد از جلد یہاں سے روانہ ہو جائیں۔"

انطونیہ کے چہرے پر اچانک اداسی چھا گئی اور اس نے منہ پھیر لیا۔

کلاڈیوس نے قدرے توقف کے بعد کہا "ہمیں کسی تاخیر کے بغیر اسکندریہ پہنچنا چاہیئے تھا لیکن میں اپنے ساتھیوں کو مجبور کر کے یہاں لے آیا ہوں ــــ میرے لیے یہاں پہنچنا زندگی کا اہم ترین مسئلہ تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ آپ کے والد میری باتوں سے کیا تاثر لیں گے لیکن خدا گواہ ہے کہ جب میں صحرا میں پیاس سے تڑپ رہا تھا ــ اور میری نگاہوں کے سامنے موت کے سوا کچھ نہ تھا تو اس وقت بھی میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ اگر قدرت مجھے چند گھڑیاں زندہ رہنے کی مہلت دے اور میرے پر لگ جائیں تو میں سیدھا بابلیون پہنچ کر تمھارا گھر تلاش کروں گا اور تم سے کہوں گا کہ قید کی حالت میں میرے تمام سپنے تمھارے متعلق تھے۔ میں تمھارے اباجان سے کہوں گا کہ میں ایک شکست خوردہ فوج کا سپاہی ہوں۔ ایک ایسی قوم کا فرد ہوں جس کا سارا غرور خاک میں مل چکا ہے۔ میں اپنے حال سے نادم اور مستقبل سے مایوس ہوں لیکن اگر میں عظیم ترین فتوحات حاصل کرنے کے بعد یہاں آتا تو بھی آپ کے سامنے دو زانو ہو کر یہ التجا کرتا کہ.... میں آپ کی بیٹی کے لیے دنیا کی ہر نعمت اور ہر راحت ٹھکرانے کو تیار ہوں۔"

انطونیہ آنکھوں میں مسرت کے آنسو اور چہرے پر حیا کی سرخیاں لیے وہاں سے اٹھی اور بھاگ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

کلاڈیوس، فرمس کے چہرے سے اس کے دل کی کیفیت کا اندازہ نہ کر سکا اس نے کہا "اگر میری یہ

ت آپ کے نزدیک گستاخی ہے تو آپ میرے لئے بدترین سزا تجویز کر سکتے ہیں۔ میں اپنے نام و نسب کا غرور اس گھر کی چار دیواری سے باہر چھوڑ آیا ہوں۔ امن کے زمانے میں، میں اس گفتگو کے لئے کسی مناسب وقت کا انتظار کرتا اور میری کوشش یہی ہوتی کہ آپ مجھے اچھی طرح پرکھ لیں۔ یہ بھی ممکن تھا کہ میری بجائے رے والد یا چچا کی طرف سے کوئی ایلچی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ اس طوفانی دور کی مجبوریوں کو نظر انداز نہیں کریں گے۔ میں زیادہ سے زیادہ دو دن اور یہاں ٹھہر سکوں گا۔ اگر آپ اس وقت کوئی جواب نہیں دے سکتے تو میں آج شام یا کل صبح حاضر ہو جاؤں گا۔"

فرمس کچھ دیر بے حس و حرکت بیٹھا کلاڈیوس کی طرف دیکھتا رہا پھر اُس نے مُڑ کر دوسرے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا اور کہا "انطونیہ ادھر آؤ!" انطونیہ جھجکتی شرماتی کواڑ کی اوٹ سے نمودار ہوئی اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھی۔

فرمس نے کہا "بیٹی! یہ نوجوان تم سے شادی کی درخواست لے کر آیا ہے اور میں تمہارے چہرے سے اس درخواست کا جواب پڑھ سکتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ اب تک تم دونوں کے درمیان کیا باتیں ہوئی ہیں، اور تم ایک دوسرے کو کس حد تک جانتے ہو ـــــ تاہم میں تمہیں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ کلاڈیوس سوم کی سنیٹ کے ایک معزز رکن کا بیٹا اور اسکندریہ کے گورنر کا بھتیجا ہے اور تمہارا باپ صرف بابلیون میں ایک معمولی سرائے کا مالک ہے۔"

کلاڈیوس نے احتجاج کیا "جناب! میں نے اپنے باپ یا چچا کا ذکر نہیں کیا۔ میں صرف اپنے خلوص پر بھروسا کر کے یہاں آیا ہوں۔"

فرمس نے کہا "میں تمہارے خلوص پر شبہ نہیں کرتا لیکن یہ ضروری ہے کہ تم کم از کم اپنے چچا سے اجازت حاصل کر لو۔"

کلاڈیوس نے پرامید ہو کر کہا "اگر آپ نے میری درخواست قبول کر لی ہے تو اپنے چچا سے اجازت حاصل کرنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔"

فرمس نے شفقت سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "تمہاری درخواست میری اکلوتی بیٹی

کی ان گنت دعاؤں کا جواب ہے۔ مجھے صرف یہ اندیشہ تھا کہ انطونیہ نے کہیں تمہاری شرافت اور ہمدردی سے متاثر ہو کر اپنے مستقبل کے متعلق غلط امیدیں قائم نہ کر لی ہوں ـــ لیکن تم میری توقع سے زیادہ شریف اور انطونیہ میری امیدوں سے زیادہ خوش نصیب ثابت ہوئی ہے اور میں تم دونوں کو مبارک باد دیتا ہوں میں آج شام سے پہلے پہلے انطونیہ کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دینے کو تیار ہوں لیکن تم بھی شاید یہ پسند نہ کرو گے کہ ہم پر ایک عالی نسب رومی کو بہکانے یا ورغلانے کا الزام عائد کیا جائے۔ اس لئے مناسب یہی ہے، کہ تم کم از کم اپنے چچا کو اپنا ہم خیال ضرور بنا لو۔“

کلاڈیوس نے جواب دیا ”میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔“

تیسرے دن کلاڈیوس اسکندریہ کا رُخ کر رہا تھا، انطونیہ کے ساتھ رفاقت کے تصور سے اُسے اپنے مستقبل کی تمام منزلیں دلکش دکھائی دیتی تھیں لیکن اُس کے دِل کی گہرائیوں میں ایک خلش ابھی تک موجود تھی۔ انتہائی کیف و سرور کی حالت میں اُسے کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا کہ وہ مہیب تاریکیاں جو اُس نے شام اور فلسطین میں دیکھی تھیں اُس کے ہمراہ بھاگ رہی ہیں۔ وہ اپنے دل میں کہتا ”کلاڈیوس تم جیسے ہزاروں نوجوان اور انطونیہ جیسی ہزاروں لڑکیاں جنگ کے طوفان کی نذر ہو چکی ہیں اور اب یہ طوفان وادیٔ نیل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ تم اُس سلطنت کے سپاہی ہو جس کا مستقبل ہر لحظہ تاریک تر ہوتا جا رہا ہے۔ کیا یہ بہتر نہ تھا کہ تم انطونیہ کو اپنی رفیقۂ حیات بنانے کے لئے کسی مناسب وقت کا انتظار کرتے؟“ اور پھر جب اس قسم کے خیالات اُسے ناقابلِ برداشت حد تک تکلیف دہ محسوس ہونے لگتے تو وہ اپنے دل کو تسلیاں دینے کی کوشش کرتا۔ نہیں! میں غلطی پر نہیں ہوں۔ ایک بے بس انسان اگر ان غیر یقینی حالات میں زندگی سے مسرت کے چند مہینے، چند دن یا چند لمحے چھین لے تو یہ غلطی نہیں۔ اور یہ بھی ناممکن نہیں کہ مصر کے کسی میدان میں ہم ایرانیوں کے سیلاب کا رُخ بدل دیں۔ انطونیہ کی محبت مجھے ایک سپاہی کے حصے کی ذمہ داریاں پوری کرنے سے منع نہیں کرے گی بلکہ اب مجھے اُس سلطنت کی حفاظت کے لئے جان دیتے ہوئے بھی تکلیف محسوس نہیں ہو گی جس کے ایک گوشے میں انطونیہ کا خاندان آباد ہے۔

چند دن بعد انطونیہ مکان کے صحن میں بیٹھی شام کی خوشگوار ہوا کا لطف اٹھا رہی تھی۔ فرمس ابھی تک

رنے سے واپس نہ آیا تھا۔ دروازے پر کسی نے دستک دی نوکر جو دروازے کے قریب بیٹھا تھا اُٹھ کر آگے بڑھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ انطونیہ جو دروازے کے باہر ذرا سی آہٹ پا کر بے چین ہو جایا کرتی تھی چند لمحے انتظار کرنے کے بعد اٹھی اور بھاگتی ہوئی نیم وا دروازے کے قریب جا پہنچی۔ سامنے کلاڈیوس گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا اور نوکر اس سے کہہ رہا تھا ”جناب! میں آپ کو جانتا ہوں، لیکن آقا اس وقت گھر پر نہیں اس لئے آپ تھوڑی دیر بعد تشریف لائیں۔“

کلاڈیوس انطونیہ کو دیکھ چکا تھا اُس نے مسکراتے ہوئے کہا ”بہت اچھا تم میرا گھوڑا اندر لے جاؤ میں یہیں دہلیز پر بیٹھ کر تمہارے آقا کا انتظار کرتا ہوں۔“

انطونیہ نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا ”یہ بہت بیوقوف ہے۔“

نوکر نے پریشان ہو کر انطونیہ کی طرف دیکھا اور پھر کلاڈیوس کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ لے لی۔

کلاڈیوس اندر داخل ہوا اور تھوڑی دیر بعد وہ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے بے تکلفی سے باتیں کر رہے تھے۔

کلاڈیوس نے کہا ”انطونیہ میں اپنی زندگی کی اہم ترین مہم میں کامیاب ہو کر واپس آیا ہوں۔ میرے چچا نے صرف شادی کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ میرے والدین کو مطمئن کرنے کے لئے ایک لمبا چوڑا خط بھی لکھ دیا ہے۔“

انطونیہ جو مسرت کے سمندر میں غوطے کھا رہی تھی کچھ دیر خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتی رہی، بالآخر اُس نے کہا ”آپ نے اپنے چچا کو یہ تو نہیں بتایا ہو گا کہ وہ غریب لڑکی جسے آپ نے اپنی خدمت کے قابل سمجھا ہے، ایک سرائے کے مالک کی بیٹی ہے۔“

کلاڈیوس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ”نہیں! میں نے اپنے چچا سے یہ کہا تھا کہ فرمس کی حسین بیٹی کی آنکھیں آسمان کے ستاروں سے زیادہ روشن ہیں اور وہ چیتھڑوں میں ملبوس ہو کر بھی قسطنطنیہ کی شہزادیوں کے دوش بدوش کھڑی ہو سکتی ہے۔ میری چچی نے تمہارے خدوخال، قدوقامت اور صحت کے متعلق ان گنت سوال کئے تھے، اور میرا پہلا اور آخری جواب یہ تھا کہ انطونیہ وہ سب کچھ ہے جس کی میں تمنا کر سکتا تھا۔ میں نے اپنے چچا سے تمہارے رشتہ داروں کا ذکر کیا تھا اور انہوں نے بطلیموس کو بال بچوں سمیت ایک رات کھانے پر بلایا تھا! اس دعوت میں اسکندریہ کے چند مقامی معززین بھی شریک تھے اور چچا جان نے اُن کے سامنے ہمارے رشتے

کا اعلان کیا تھا۔

انطونیہ کی آنکھیں تشکر کے آنسوؤں سے لبریز ہو رہی تھیں، اُس نے کہا "کلاڈیوس مجھے خوف محسوس ہوتا ہے"

"مجھ سے؟" اُس نے سوال کیا

"نہیں! آپ سے نہیں۔ میں اپنی خوش نصیبی سے ڈرتی ہوں۔ سچ سچ بتائیے، آپ کسی دن مجھ سے خفا تو نہیں ہو جائیں گے۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کسی دن یہ تو نہیں سوچنے لگیں گے کہ آپ کا فیصلہ غلط تھا"

"تمہیں مجھ پر یقین نہیں آتا؟"

وہ بولی "جب آپ میرے سامنے ہوتے ہیں تو میرے لئے توہمات بھی حقیقت بن جاتے ہیں۔ لیکن جب آپ میری نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں تو مجھے انتہائی قابل یقین باتیں بھی خواب و خیال محسوس ہونے لگتی ہیں۔ کاش! آپ ہمیشہ میری آنکھوں کے سامنے رہ سکتے۔ میں ابھی آپ کی آمد سے پہلے یہ سوچ رہی تھی کہ شاید آپ کسی اور محاذ پر جا چکے ہیں"

کلاڈیوس تھوڑی دیر کے لئے سوچ میں پڑ گیا، پھر اُس نے کہا "اگر میرے اختیار میں ہو تو میں ایک لمحہ کے لئے بھی تم سے دور رہنا پسند نہ کروں، کاش! ہم کسی ایسے دور افتادہ جزیرے میں پیدا ہوتے جو ایران و روم کی جنگ کے اثرات سے محفوظ ہوتا لیکن ہم وقت کے طوفانوں کے سامنے بے بس ہیں۔ موجودہ حالات میں ہم زیادہ سے زیادہ یہ تمنا کر سکتے ہیں کہ یہ جنگ کسی دن ختم ہو جائے گی اور پھر زمانے کی ہر کروٹ ہماری خواہشوں کے مطابق ہوگی"

انطونیہ نے کہا "مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکیں گے"

کلاڈیوس نے مغموم لہجے میں کہا "تمہارا خیال درست ہے، انطونیہ میں ایک ہفتہ کے اندر اندر یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ دشمن وادئ نیل کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ شمال مشرقی سرحد کے سپہ سالار نے دشمن سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لئے تمام شہروں سے کمک مانگی ہے۔ مجھے اسکندریہ پہنچتے ہی وہاں سے روانہ ہونے والے چند دستوں کی کمان سونپی گئی تھی۔ اور میں یہ وعدہ کر کے دو دن پہلے وہاں سے روانہ ہوا تھا کہ بابلیون سے ہو کر محاذ پر پہنچ جاؤں گا۔ اگر خدا نے ہمیں فتح دی تو میں باقی زندگی ایک لمحہ کے لئے بھی تم سے جدا ہونا پسند نہیں کروں گا"

انطونیہ نے کہا "تو میں نے غلط نہیں کہا تھا کہ میں اپنی خوش نصیبی سے ڈرتی ہوں"

"تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے انطونیہ میں محاذِ جنگ سے فارغ ہوتے ہی یہاں پہنچوں گا اور پھر شادی کے معاملہ میں ایک دن کی تاخیر بھی میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوگی"

انطونیہ نے کہا "اب آپ ایک ہفتہ یہاں ٹھہریں گے؟"

"ہاں اگر تمہارے والد نے کوئی اعتراض نہ کیا تو ایک ہفتہ کے لئے میں اِس گھر کی چار دیواری سے باہر جھانکنا بھی پسند نہ کروں گا"

انطونیہ کچھ دیر سر جھکائے سوچتی رہی، پھر اُس نے کلاڈیوس کی طرف دیکھا اور کہا "اگر کل بابلیون کے باشندے ہمیں شوہر اور بیوی کی حیثیت میں دیکھیں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔؟"

کلاڈیوس نے اپنے دل میں خوشگوار دھڑکنیں محسوس کرتے ہوئے جواب دیا "نہیں بلکہ یہ میرے اُن ناقابلِ یقین سپنوں کی تعبیر ہوگی جو میں نے اپنے سفر کے دوران میں دیکھے ہیں لیکن میں تمہارے والد سے ایسی درخواست کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا"

"آپ کو درخواست کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں انہیں سمجھا سکوں گی کہ میرے لئے ایک بیوی کی حیثیت سے اپنے شوہر کا انتظار کرنا زیادہ آسان ہوگا"

"لیکن میں جنگ میں حصہ لینے کے لئے جا رہا ہوں اور ممکن ہے کہ میں زندہ واپس نہ آسکوں یا مجھے قیدی بنا لیا جائے۔ اور تمہیں تمام عمر یہ پتا نہ چلے کہ میں کہاں ہوں اور کس حال میں ہوں"

انطونیہ نے جواب دیا "ان حالات میں میرے لئے یہ مسئلہ اور زیادہ اہم ہو جاتا ہے۔ میں وقت کے بے رحم ہاتھوں سے مسرت کی چند گھڑیاں چھیننا چاہتی ہوں۔ اگر مستقبل مجھے کچھ اور نہ دے سکا تو بھی ان سات دنوں کی یاد میرے لئے ایک بہت بڑا سہارا ہوگی، کم از کم میں اپنے دِل کو یہ تسلی دے سکوں گی کہ ان ایام میں آپ صرف میرے لئے تھے۔ لیکن میں ایسی باتیں کیوں سوچوں کیا قدرت نے آپ کو ایرانیوں کی قید سے نکال کر یہاں نہیں بھیجا تھا اور یہ ایک معجزہ نہیں تھا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آئندہ بھی آپ کی سلامتی کے لئے میری دعائیں رائگاں نہیں جائیں گی۔ میں اپنے دل میں یہ خیال تک نہیں آنے دوں گی کہ آپ

جنگ سے واپس نہ آئیں گے۔ اور ہمیں خوشی کی چند گھڑیاں عطا کرنے کے بعد خدا کی رحمت کے خزانے خالی ہو جائیں گے۔"

انطونیہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور وہ کلاڈیوس کو سمجھانے سے زیادہ اپنے آپ کو تسلی دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

فرمس مکان میں داخل ہوا۔ اور وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ کلاڈیوس سے مصافحہ کرتے ہوئے اُس نے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور کہا۔ "انطونیہ کے آنسو گواہی دے رہے ہیں کہ آپ اپنے چچا سے مایوس ہو کر آئے ہیں۔"

کلاڈیوس نے جواب دیا۔ "نہیں! میں مایوس ہو کر نہیں آیا، انطونیہ صرف اِس بات سے پریشان ہے کہ میں ایک ہفتہ یہاں ٹھہر کر محاذِ جنگ پر چلا جاؤں گا۔"

فرمس نے مغموم لہجے میں کہا۔ "میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ تم یہاں آنے کی بجائے اسکندریہ سے سیدھے محاذ پر چلے جاؤ گے۔"

"میں اپنے چچا کی اجازت سے یہاں آیا ہوں۔"

انطونیہ نے کہا۔ "ابا جان! ان کی خواہش ہے کہ کل ہماری شادی ہو جائے۔ اور آپ کی بیٹی کے پاس تشکر کے آنسوؤں کے سوا کوئی جواب نہیں۔ نہیں! نہیں! میں جھوٹ نہیں بولوں گی یہ میری اپنی خواہش ہے۔ یہ مجھے سمجھا رہے تھے کہ ایک سپاہی کا جنگ سے زندہ واپس آنا یقینی نہیں ہوتا۔"

فرمس نے کہا۔ "عورتیں رونے یا ہنسنے کے لئے ہمیشہ ناموزوں وقت منتخب کرتی ہیں، اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ تم ایک دوسرے کے لئے ہو اور اگر کلاڈیوس کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میرے لئے یہ مسئلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ تمہاری شادی کس وقت اور کن حالات میں ہوتی ہے۔ اگر یہ ایک ہفتہ کے بعد محاذِ جنگ پر جا رہا ہے تو میں ایک لمحہ ضائع کرنا بھی پسند نہ کروں گا۔"

اگلے روز بابلیون کے ایک کشادہ گرجے کے اندر، چند مقامی معززین اور رومی افسروں کی موجودگی میں کلاڈیوس اور انطونیہ کی شادی کی رسوم ادا کی گئیں۔ اور چھٹے روز کلاڈیوس نے اپنی بیوی کو الوداع کہہ کر میدانِ جنگ کا رُخ کیا۔ پھر چند دن بعد محاذِ جنگ سے رومی سپاہ کی شکست اور پسپائی کی خبر آئی۔ اور اس کے بعد بابلیون

کے پریشان حال باشندے سے قریباً ہر روز اس قسم کی اطلاعات سننے لگے کہ آج ایرانیوں نے مصر کے فلاں قلعے یا فلاں شہر پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور آج رومیوں نے فلاں مقام سے پسپا ہو کر فلاں مقام پر ڈیرے ڈال دیئے ہیں۔

ایک شام فرمس انتہائی پریشانی کی حالت میں گھر پہنچا اور اُس نے اپنی بیٹی سے کہا۔ "آج خبر آئی ہے کہ ایرانی بلبیس کے قریب پہنچ چکے ہیں اور ہمارے سپہ سالار نے بابلیون میں بچے کھچے رومی سپاہیوں کے علاوہ چند مقامی دستوں کو بھی وہاں بلالیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر رومیوں نے دوسرے شہروں کی طرح بلبیس کو بھی لڑنے بغیر خالی کر دیا تو بابلیون تک دشمن کا راستہ صاف ہو جائے گا۔ رومیوں نے ابھی سے اپنے بچوں کو اسکندریہ بھیجنا شروع کر دیا ہے اور اس مقصد کے لئے دریا کی تمام کشتیاں ضبط کر لی گئی ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رومی بابلیون کے مستقبل کی طرف سے مایوس ہو گئے ہیں اگر خدانخواستہ بلبیس میں شکست ہوئی تو وہ بابلیون کی طرف پسپا ہونے کی بجائے اسکندریہ کا رُخ کریں گے ——— ان حالات میں، میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ تمہیں اسکندریہ پہنچا دیا جائے۔ میں ابھی ایک رومن افسر سے مل کر آیا ہوں اور اُس نے مجھے ایک کشتی میں جگہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اس لئے اب تمہیں سفر کی تیاری کرنی چاہیئے۔"

انطونیہ نے سراپا التجا بن کر کہا۔ "نہیں! ابا جان، یہ کبھی نہیں ہو سکتا ——— کلاڈیوس ضرور یہاں آئے گا اُس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ ابا جان! میں اسکندریہ نہیں جاؤں گی۔ ممکن ہے کہ وہ زخمی حالت میں یہاں پہنچے اور اُسے میری ضرورت ہو۔ وہ بابلیون کے حالات سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اگر اُس نے اِس جگہ ہمارے لئے کوئی خطرہ محسوس کیا تو وہ یقیناً ہمیں یہ پیغام بھیجے گا کہ ہم اسکندریہ چلے جائیں۔ لیکن جب تک اُس کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آتی میں اسکندریہ نہیں جاؤں گی۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ یہاں آئے گا۔ وہ ضرور آئے گا۔"

فرمس کو انطونیہ کے الفاظ سے زیادہ اُس کے آنسو متأثر کر رہے تھے۔ اُس نے کہا۔ "بیٹی! میں نے صرف ایک مشورہ دیا تھا۔ تمہیں مجبور کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ میرے توہمات غلط ثابت ہوں۔"

چند دن بعد بابلیون میں کہرام مچا ہوا تھا کہ رومی لشکر بلبیس میں بھی شکست کھا چکا ہے اور فرمس قلعے

تلخ لہجے میں اپنی بیٹی سے کہہ رہا تھا۔"تم نے اُس دن میرا کہنا نہ مانا۔ کاش! میں تمہارے آنسوؤں سے متاثر نہ ہوتا اور تمہارے ہاتھ پاؤں باندھ کر کشتی میں ڈال دیتا۔ اب تمام کشتیاں جا چکی ہیں اور ہمارے لئے اسکندریہ پہنچنے کی صرف یہ صورت باقی رہ گئی ہے کہ ہم خشکی کے راستے گھوڑوں پر سفر کریں۔ انطونیہ اب سوچنے کا وقت نہیں رومی اب بابلیون نہیں آئیں گے۔ وہ شکست کھانے کے بعد اسکندریہ کا رُخ کر رہے ہیں۔ بابلیون کا حاکم بھی فرار ہو چکا ہے۔ اور مقامی فوج ایرانیوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ اب ہمارے لئے آخری موقع ہے ممکن ہے کل تک ہمارے لئے خشکی کے راستے بھی بند ہو جائیں۔"

انطونیہ نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔"ابا جان! آپ جائیں لیکن میں نہیں جاؤں گی۔ میں کلاڈیوس کا انتظار کروں گی۔"

فرمس نے جھنجلا کر کہا۔"بیوقوف لڑکی! معلوم ہے کہ دشمن تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ کیا تمہارے شوہر نے تمہیں شام اور فلسطین کے مفتوحہ شہروں کی داستانیں نہیں سنائیں؟ تمہارے آنسو صرف تمہارے باپ کو بیوقوف بنا سکتے ہیں، دشمن کی سرشت نہیں بدل سکتے۔ اگر تمہیں اب بھی یہ خیال ہے کہ کلاڈیوس یہاں آئے گا تو اُسے اطلاع دینے کے لئے میں اپنا نوکر یہاں چھوڑ جاؤں گا۔"

"ابا جان! میں صرف آج کا دن اُس کا انتظار کرنا چاہتی ہوں اگر وہ نہ آیا تو ہم کل یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ لیکن......"

"لیکن کیا؟" فرمس نے تلخ ہو کر پوچھا۔

"وہ ضرور آئے گا، ابا جان!"

اچانک صحن میں آہٹ سنائی دی، انطونیہ جلدی سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی، سامنے کلاڈیوس گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا اور اُس کا لباس خون میں تر بتر تھا۔

انطونیہ چند ثانیے سکتے کی حالت میں اُس کی طرف دیکھتی رہی، اور پھر چیخیں مارتی ہوئی آگے بڑھی۔ کلاڈیوس نے گھوڑے کی باگ چھوڑ کر لڑکھڑاتے ہوئے چند قدم اٹھائے لیکن اچانک منہ کے بل گر پڑا۔

کچھ دیر بعد کلاڈیوس نے آنکھیں کھولیں تو وہ کمرے کے اندر بستر پر لیٹا ہوا تھا اور انطونیہ، فرمس

بابلیون کا ایک طبیب اُس کے گرد کھڑے تھے۔

کلاڈیوس کے بائیں بازو کا زخم خاصا گہرا تھا۔ طبیب نے اُسے کسی تاخیر کے بغیر گرم لوہے سے داغنے کا مشورہ دیا۔

تین دن بعد جب کلاڈیوس شدید بخار کی حالت میں کراہ رہا تھا خسرو پرویز کے لشکر کے ہراول دستے بابلیون کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ اور فرمس انتہائی بے بسی کی حالت میں اپنی بیٹی سے کہہ رہا تھا۔"انطونیہ! قدرت نے تمہارے شوہر کو بھیج دیا ہے لیکن اب ہم اسکندریہ نہیں جا سکیں گے۔ کاش! وہ سواری کے قابل ہوتا۔"

دس دن بعد کلاڈیوس ابھی اچھی طرح چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوا تھا کہ کسریٰ کے سپاہی شہر پر فیصلہ کن حملہ کر چکے تھے۔

انطونیہ کے باپ اور شوہر کے سامنے مستقبل کی جو تصویر تھی وہ موت سے زیادہ بھیانک تھی لیکن انطونیہ اب بھی کسی معجزے پر یقین رکھتی تھی ـــــ اور قدرت کا اس سے بڑا معجزہ کیا ہو سکتا تھا کہ عین اُس وقت جب کہ موت اپنی انتہائی بھیانک صورت میں ان کے دروازے پر دستک دے رہی تھی، ایرانی لشکر کا ایک سالار جسے عام حالات میں اُن کا قاتل ہونا چاہیئے تھا ان کا دوست اور محافظ ثابت ہوا۔ عاصم، فرمس کے نزدیک ایک بہادر اور احسان شناس عرب تھا، کلاڈیوس کے لئے ایک معمّا تھا۔ لیکن انطونیہ کی نگاہوں میں وہ آسمان کے اُن ان گنت فرشتوں میں سے ایک تھا جنہیں قدرت بے بس انسانوں کی دستگیری کے لئے بھیجتی ہے۔

باب ۲۳

بابلیون کی طرح اسکندریہ میں بھی رومیوں کے جھنڈے سرنگوں ہو چکے تھے۔ اور خسرو پرویز کا دوسرا لشکر جسے ایشیائے کوچک کی تسخیر کی مہم سونپی گئی تھی، راستے کی بستیوں اور شہروں کو تباہ و ویران کرنے کے بعد انگورہ اور خلقدون تک پہنچ چکا تھا۔ مجوسیت کے علمبرداروں کے لئے ہر دن فتح کا دن تھا اور رومی ہر لحظہ نئے آلام و مصائب کا سامنا کر رہے تھے۔ پے در پے شکستوں کے بعد جہاں رومی سپاہیوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے وہاں اُن مقدس راہبوں کی زبانیں بھی گنگ ہو چکی تھیں جو ہر شکست کے بعد کلیسا کے جاں نثاروں کو ایک عظیم فتح کی بشارت دیا کرتے تھے۔

اناطولیہ کے وسیع میدان کو روندنے کے بعد ایک دن خسرو پرویز آبنائے باسفورس کے کنارے اپنے عالیشان خیمے سے باہر سین اور دوسرے جرنیلوں کے درمیان کھڑا تھا۔ اُس کے دائیں بائیں اور پیچھے حدِ نگاہ تک ایرانی لشکر کے خیمے نصب تھے۔ اور سامنے دوسرے کنارے پر قسطنطنیہ کا عظیم شہر دکھائی دیتا تھا۔ کجکلاہ ایران کی مغرور اور بے رحم نگاہیں قیصر کے آخری حصار کی طرف مرکوز تھیں اور اُس کی خود اعتمادی کا یہ عالم تھا کہ اگر وہ تنہا باسفورس کے پانی کی سطح پر دوڑتا ہوا قسطنطنیہ کے قلعے پر حملہ کر دیتا تو بھی اُس کے ساتھیوں کو تعجب نہ ہوتا۔ مسلسل کامیابیوں کے باعث ابنائے آدم کے حصے کا سارا غرور اُس کے وجود میں جمع ہو چکا تھا۔ اچانک اُس نے مُڑ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اگر گہرے پانی کی یہ کھائی ہمارے راستے میں حائل نہ ہوتی تو آج ہم قیصر کے محل میں آرام کرتے۔ اب ہم واپس جا کر قسطنطنیہ کی فتح کا انتظار کریں گے۔ اور یہ بات یاد رکھو کہ ہمیں

عرصہ انتظار کرنے کی عادت نہیں۔ جہاں درخت موجود ہوں وہاں کشتیاں تیار کرنے میں دیر نہیں ہونی چاہئے۔ دشمن کو سنبھلنے کا موقع دینا نہیں چاہتے۔ سین! تم قسطنطنیہ دیکھ چکے ہو اور ہم قیصر کے محل کی طرف بھیجے جانے لشکر کی راہنمائی تمہارے سپرد کرتے ہیں۔ ہم تمہاری طرف سے اِس کے سوا کوئی اور خبر سننا پسند نہیں گے کہ قسطنطنیہ فتح ہو چکا ہے اور تم ہرقل کو پابہ زنجیر لا رہے ہو۔"

سین نے کہا "عالیجاہ! آپ کے اِس ناچیز غلام سے کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔ لیکن ......"

"لیکن کیا؟" پرویز نے برہم ہو کر پوچھا۔

"عالیجاہ! میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ قسطنطنیہ کا محلِ وقوع اور اِس کے دفاعی استحکامات اُن تمام شہروں سے مختلف ہیں جنہیں ہم اِس سے قبل فتح کر چکے ہیں۔ ہمیں اِس شہر پر حملہ کرنے کے لئے ایک نہایت مضبوط بیڑے کی ضرورت ہے۔"

شہنشاہ کو غضب ناک دیکھ کر دوسرے جرنیل نے کہا "عالیجاہ! ہماری طرف سے کوتاہی نہیں ہوگی۔ اگر ضرورت پڑی تو ہم اِس کھائی کو اپنی لاشوں سے پاٹ دیں گے۔"

سین نے کہا "عالیجاہ! یہ ممکن ہے کہ آبنائے باسفورس کو لاشوں سے پاٹا جا سکے لیکن قسطنطنیہ فتح کرنے کے لئے ہمیں زندہ آدمیوں کی ضرورت ہے۔ میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ ہمارے لئے مکمل تیاری کے بغیر قسطنطنیہ پر حملہ کرنا ٹھیک نہ ہوگا۔"

دوسرے جرنیل دم بخود ہو کر کبھی سین اور کبھی خسرو کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اگر کوئی دوسرا اس قسم کی جرأت کا مظاہرہ کرتا تو پرویز اُس کی زبان کھنچوا دینے کے لئے تیار ہو جاتا۔ لیکن سین کی جرأت، ہمت اور وفاداری شک و شبہ سے بالاتر تھی۔ ایران کا مغرور حکمران جس قدر اُس کی بیباکی پر برہم تھا اُسی قدر اُس کے تدبر اور دُور اندیشی کا معترف تھا۔ چنانچہ اُس نے بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی فتوحات کے باوجود تمہارے دل سے رومیوں کی ہیبت دُور نہیں کر سکے۔"

سین نے ملتجیانہ لہجے میں کہا "میرے آقا! اگر صرف میری جرأت اور وفاداری کا امتحان لینا مقصود ہو تو میں تنہا باسفورس عبور کر کے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن اگر آپ نے مجھے قسطنطنیہ فتح کرنے کے لئے

منتخب کیا ہے تو میری فرض شناسی کا اولین تقاضا یہ ہے کہ میں بلا ضرورت آپ کے ایک سپاہی کی جان بھی ضائع نہ ہونے دوں۔ میری احتیاط کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے قسطنطنیہ کے دفاعی استحکامات دیکھے ہیں۔ ایک کامیاب حملے کے لئے ہمیں ایک مضبوط جنگی بیڑے کی ضرورت ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ کمی پوری کرنے میں ہم کو زیادہ عرصہ نہیں لگے گا۔"

پرویز نے قدرے نرم ہو کر کہا۔" اب بیڑے کے متعلق سوچنا تمہارا کام ہے۔ ہم واپس جا رہے ہیں اور تم سب کو یہ بات کان کھول کر سن لینی چاہیئے کہ ما بدولت قسطنطنیہ کی فتح کے سوا کوئی اور خبر سننا پسند نہیں کریں گے۔ ہم تمہاری طرف سے صرف اُس ایلچی کو دیکھنا پسند کریں گے جو ہرقل کو پابہ زنجیر اپنے ساتھ لائے گا۔"

سین نے کہا۔" عالیجاہ! آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔"

خسرو کچھ اور کہے بغیر اپنے خیمے کی طرف چل پڑا۔

تھوڑی دیر بعد جب سین اپنے خیمے کا رُخ کر رہا تھا۔ فوج کے ایک عمر رسیدہ سالار نے اُسے پیچھے سے آواز دے کر روکا اور قریب آکر کہا۔" آج آپ میری توقع سے زیادہ خوش قسمت ثابت ہوئے ہیں۔ لیکن آپ کو بار بار شیر کے منہ میں ہاتھ دینے کی غلطی نہیں کرنی چاہیئے۔ اب آپ شہنشاہ کی مصیبت کے ساتھی نہیں ہیں، بلکہ ایک عظیم فاتح کے سپاہی ہیں۔ اب انہیں صحیح رائے دینے والوں کی بجائے اُن کے غلط احکام کی تعمیل کرنے والے زیادہ محفوظ ہیں۔"

سین نے کہا۔" میں آپ کا شکر گزار ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ میں نے آج صرف ایک وفادار سپاہی کا فرض ادا کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ قسطنطنیہ پر فوری حملہ ہمارے لئے خودکشی کے مترادف ہوگا۔"

" یہ ہم سب جانتے تھے۔ اور مجھے یقین ہے کہ شہنشاہ کو بھی یہ معلوم ہے۔ لیکن میں آپ کو یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ دوسروں کی موجودگی میں شہنشاہ کے ساتھ بات کرتے ہوئے آپ کو بہت محتاط رہنا چاہیئے۔"

سین نے جواب دیا۔" مجھے یقین نہیں آتا کہ شہنشاہ کو میرے متعلق کوئی غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ بہر حال میں آپ کا شکر گزار ہوں اور آئندہ محتاط رہنے کا وعدہ کرتا ہوں۔"



قسطنطنیہ پر درفش کاویانی لہرانے کے لئے ایرانی لشکر کی متعدد کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ بازنطینی حکومت جس کی تعمیر میں گزشتہ چار صدی سے ایک عظیم سلطنت کے لامحدود وسائل صرف کئے گئے تھے جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے بھی روئے زمین کا انتہائی ناقابل تسخیر قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کا مشرق ئے باسفورس، شمال ایک خلیج اور جنوب بحیرۂ مارمورا کے باعث محفوظ تھا۔ تین اطراف سے پانی میں گھرے ے اس شہر کو ایک مضبوط فصیل کے علاوہ رومیوں کی بحری قوت نے اور زیادہ ناقابل تسخیر بنا دیا تھا۔ ایشیا میں نی وسیع سلطنت سے محروم ہونے کے بعد مغرب کے اس دروازے کی حفاظت رومیوں کے لئے موت و یات کا مسئلہ بن چکا تھا۔ چنانچہ اُن کا تمام جنگی بیڑا یہاں جمع ہو گیا تھا۔

مغربی سمت دوہری فصیل اور قریباً سو فٹ گہری خندق کی بدولت باقی تین اطراف کی نسبت کم محفوظ ی تھی۔ تاہم فصیلوں کے اوپر جگہ جگہ بھاری منجنیق نصب تھے، جن کی گولہ باری کے سامنے پانی یا خشکی کی طرف سے سی بڑے سے بڑے لشکر کا شہر پر یلغار کرنا ناممکن تھا۔ ایران کی گزشتہ فتوحات کا راز اُس کی بری افواج کی برتری ں تھا لیکن اس محاذ پر دشمن کو مغلوب کرنے کے لئے پیادہ اور سوار دستوں سے زیادہ جہازوں اور کشتیوں کی ررت تھی۔ سین جسے خسرو نے قسطنطنیہ فتح کرنے اور ہرقل کو پابہ زنجیر پیش کرنے کی مہم سونپی تھی اس شہر کے فاعی استحکامات سے ناواقف نہ تھا۔ اُس نے دشمن کی بحری قوت کا مقابلہ کرنے کے لئے مفتوحہ علاقوں کے اروں کاریگر جہاز بنانے پر لگا دیئے تھے اور اُسے یقین تھا کہ مکمل تیاریوں کے بعد جب وہ بحیرۂ مارمورا، آبنائے سفورس اور بحیرۂ اسود میں دشمن کے جنگی بیڑوں کو شکست دینے کے قابل ہو جائے گا تو قسطنطنیہ اُس کے م و کرم پر ہوگا۔ سمندر کے راستے رسد و کمک سے محروم ہونے کے بعد رومی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ین خسرو کے لئے معمولی تاخیر بھی ناقابل برداشت تھی۔ اُسے مطمئن کرنے کے لئے سین نے اپنی خواہش کے ف چند حملے کئے لیکن ایرانی لشکر کو ہر بار شدید نقصانات اٹھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔

سین کی بیوی اور بیٹی لشکر کے پڑاؤ سے کوئی آٹھ میل مشرق کی طرف ایک چھوٹے سے شہر کے باہر ایک

قلعہ نما مکان میں مقیم تھیں اور سین فرصت کے دن اُن کے ساتھ گزارا کرتا تھا۔

موسم بہار کی ایک صبح فسطینہ اور اُس کی ماں ایک کشادہ کمرے کے دریچے کے سامنے بیٹھی تھیں باہر ایک ٹیلے کے دامن میں سیب اور ناشپاتی کے درخت پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔ فسطینہ کے حسن میں شباب کی رعنائیوں کا اضافہ ہو چکا تھا۔ اور اُس کی نگاہوں میں شوخی کی بجائے متانت آگئی تھی۔

یوسیبیا نے کہا۔"بیٹی تمہارے ابا جان نے پیغام بھیجا تھا کہ میں تین چار دن بہت مصروف ہوں، لیکن اب پورا ہفتہ گزر چکا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ آج ضرور آئیں گے۔"

فسطینہ نے کوئی جواب نہ دیا وہ بظاہر دریچے سے باہر سیب کے درختوں کی طرف دیکھ رہی تھی لیکن اُس کے چہرے کی اداسی سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی حدِ نگاہ سے کہیں آگے کسی کھوئی ہوئی چیز کو تلاش کر رہی ہے۔

یوسیبیا نے کہا۔"فسطینہ بیٹی، کیا سوچ رہی ہو؟"

وہ چونک کر ماں کی طرف متوجہ ہوئی۔"آپ نے کیا کہا تھا؟ امی جان!"

"میں کہہ رہی تھی کہ تمہارے ابا جان کیوں نہیں آئے؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ آج ضرور آئیں گے۔"

یوسیبیا نے کہا۔"بیٹی سچ بتاؤ ایرج کو اُس دن تم نے کیا کہا تھا اُس نے ایک مہینے سے ہمیں صورت نہیں دکھائی۔"

فسطینہ نے قدرے آزردہ ہو کر کہا۔"امی جان! آپ اُس کے متعلق کیوں پریشان ہیں۔ اُسے جس وقت موقع ملے گا وہ سیدھا اِس طرف بھاگا ہوا آئے گا، آخر ہمارا گھر قسطنطنیہ کا قلعہ تو نہیں جس کے دروازے اُس کے لئے بند ہیں۔"

ماں نے کہا۔"کاش! میں تمہاری نفرت کی وجہ سمجھ سکتی۔"

"مجھے اُس سے نفرت نہیں، امی! لیکن اگر وہ ہمارے کسی محسن کا نام سُن کر چڑ جائے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔"

یوسیبیا مسکرائی۔"پگلی کہیں کی، تمہیں اُس کے سامنے عاصم کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"امی! میں نے اُس سے صرف یہ پوچھا تھا کہ مصر میں پیش قدمی کرنے والی فوجوں کے متعلق کوئی اطلاع آئی لیکن وہ آپے سے باہر ہو گیا۔"

"تمہیں اُس سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی، کیا تمہارے ابا جان نے یہ بات معلوم کرنے کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ ہم اُس کا احسان نہیں بھول سکتے بیٹی! لیکن تمہیں کسی وقت بھی یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ تم سین کی بیٹی ہو، اور عاصم........"

فسطینہ نے بات کاٹ کر کہا۔"اور عاصم ایک مصیبت زدہ عرب ہے۔ یہی کہنا چاہتی تھیں نا آپ؟"

ماں نے کہا۔"بیٹی! اگر وہ پورے عرب کا بادشاہ ہوتا تو بھی میں یہی کہتی کہ تمہیں اُس کے متعلق اِس سے زیادہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ اُس نے مصیبت کے وقت ہماری مدد کی تھی۔ اور ہمارا یہ فرض ہے کہ ساری عمر اُس کے اِس احسان کا بدلہ دیتے رہیں۔ تمہیں یہ شکایت نہیں ہو سکتی کہ تمہارے باپ نے اُس کے احسان کا بدلہ دینے میں بخل سے کام لیا ہے۔ ایک گمنام اور بے وطن عرب کو مایوسی اور بد دلی کی دلدل سے نکال کر ایرانی لشکر کے بڑے بڑے سرداروں کے دوش بدوش کھڑا کر دینا معمولی بات نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اب اُسے ہمارا خیال بھی نہیں آتا ہو گا۔ ایرج کا مسئلہ بالکل مختلف ہے۔ وہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ ایران کے بہت کم لوگ اُس کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اُس کا باپ تمہارے ابا جان کا دوست ہے اور اُس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ تمہارا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ اگر میرے بس کی بات ہوتی تو میں تمہارے لئے اپنے کسی ہم مذہب رومی یا یونانی کو منتخب کرتی لیکن میں تمہارے باپ کی خاطر اپنی عزیز ترین خواہشوں کی قربانی دینا سیکھ چکی ہوں ــــــ زمانے کے انقلاب نے اُسے میری قوم اور میرے مذہب کا دشمن بنا دیا ہے وہ ظالم نہیں تھا لیکن شہنشاہ کے دربار میں اپنی حیثیت برقرار رکھنے کے لئے وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ ایرج ان گنت خوبیوں کا مالک ہے۔ لیکن اگر اُس میں کوئی خوبی نہ ہوتی۔ اگر وہ بدصورت ہوتا تو بھی شاہی خاندان سے ناتا جوڑنے کے لئے تمہارا باپ تمہاری قربانی دینے کے لئے تیار ہو جاتا۔"

"نہیں، نہیں، امی جان!" فسطینہ نے آبدیدہ ہو کر کہا۔"میرے ابا جان ایران کا تخت حاصل کرنے

کے لئے بھی میری آنکھوں میں آنسو دیکھنا گوارا نہیں کریں گے۔"

"بیٹی تمہارے ابا جان کو اس بات کا یقین ہے کہ ایرج کی بیوی بن کر تم اپنی قسمت پر ناز کرو گی اور اُن کے اس یقین میں ذرہ بھر تبدیلی نہیں آسکتی۔"

فسطینہ نے کرب انگیز لہجے میں کہا "امّی جان! آپ کو میرے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے میں اپنے باپ کی عزت کے لئے اپنی جان پر کھیل جاؤں گی۔ میں جانتی ہوں کہ میرا راستہ عاصم کے راستے سے مختلف ہے لیکن اپنی ماں کے سامنے مجھے یہ کہتے ہوئے شرم محسوس نہیں ہوتی کہ اُسے بھول جانا میرے بس کی بات نہیں کم ازکم میں اُس کے متعلق اتنا ضرور سننا چاہتی ہوں کہ وہ زندہ ہے اور خوش ہے۔ کاش! میں صرف ایک بار اُسے دیکھ لوں۔"

فسطینہ کی آواز سسکیوں میں دب کر رہ گئی۔ یوسیبیا نے اُسے کھینچ کر اپنے سینے سے چمٹا لیا اور اُس کے سنہرے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "میری بیٹی! میری ننھی بیٹی! عاصم سے ہماری ملاقات ایک اتفاقی حادثہ تھا اور تمہیں اس حادثے کو اس قدر اہمیت نہیں دینی چاہیئے۔ تمہارے ابا جان کہتے تھے کہ وہ اپنے قبیلے سے کٹ چکا تھا لیکن اب کئی قبیلوں کے رضا کاروں کا سالار بننے کے بعد اُسے زندہ رہنے کے لئے کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں رہی۔ اب شہرت اور ناموری کے سوا اُسے کوئی خواہش پریشان نہیں کرے گی بیٹی! مجھے یقین ہے کہ اب اُس کے دل میں تمہارا خیال بھی نہیں آتا ہوگا۔"

فسطینہ نے اپنی سسکیاں ضبط کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "امّی! اگر آپ اور ابا جان یہ سمجھتے ہیں کہ وہ شہرت اور ناموری کے لئے ایران کی فوج میں شامل ہوا تھا تو آپ غلطی پر ہیں، آپ کو یقین نہیں آئے گا، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ میری باتوں سے متاثر ہو کر ایران کی فوج میں شامل ہوا تھا دمشق سے روانہ ہوتے وقت اُس کے دل میں اِس کے سوا کوئی اور خواہش نہ تھی کہ میں اُسے ایک بہادر سپاہی کی حیثیت میں دیکھ کر اُس کی فتوحات اور کامرانیوں پر فخر کر سکوں۔ اب اگر وہ کسی لڑائی میں ہلاک ہو چکا ہے تو اس کا خون میری گردن پر ہے۔ اگر وہ زخمی ہو گیا ہے یا کہیں بیمار پڑا ہے تو مجھے یقین ہے کہ اُسے کبھی نہ کبھی میری یاد ضرور آتی ہوگی۔ امی! اگر میں اُس کی غیرت کو نہ اکساتی تو وہ کسی کی بھیڑیں چرا کر بھی خوش رہ سکتا تھا۔ لیکن اُس وقت میں انجان تھی مجھے اس بات کا خوف تھا کہ میں شہنشاہ کے دوست کی بیٹی ہوں۔ میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ جسے میں اپنے دل میں جگہ

دے چکی ہوں، ساری دنیا کی آنکھوں کا تارا بن جائے۔ وہ بہادر اور نیک انسان جس نے مصیبت کے وقت ساتھ دیا تھا گمنامی سے نکل کر شہرت و ناموری کی اُن بلندیوں پر پہنچ جائے کہ ایران کے مغرور امراء، یہاں تک میرے ابا جان بھی اُس سے ہاتھ ملانے پر فخر محسوس کریں۔ لیکن اب مجھے جنگ کے تصور سے دحشت محسوس ہوتی ہے۔ میں شہرت و ناموری کے الفاظ سے چڑتی ہوں۔ میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ وہ عظیم ترین فتوحات حاصل کرنے اور ہزاروں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد بھی شہرت و ناموری کے میدان میں ابا جان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکے گا۔ اور ابا جان کی یہ حالت ہے کہ جب سے انہیں ایرانی فوج میں سب سے بڑا عہدہ ملا ہے، میں نے اُن کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں دیکھی۔ وہ صرف قسطنطینیہ کی فوج ہی سے نہیں بلکہ اپنے ضمیر سے بھی لڑ رہے ہیں۔ پھر جب میں آپ کی طرف دیکھتی ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قدرت ہم سے مذاق کر رہی ہے۔ امّی جان! سچ کہیئے، اگر ابا جان ایک عام آدمی کی طرح آزادی، بے فکری، امن اور سکون کی زندگی بسر کر سکتے تو آپ اِس قلعے کی بجائے ایک جھونپڑے میں رہ کر زیادہ خوشی محسوس نہ کرتیں؟"

یوسیبیا نے جواب دیا "میں یقیناً زیادہ خوشی محسوس کرتی۔ کم از کم میرے دل پر یہ بوجھ نہ ہوتا کہ میرا شوہر میری قوم اور میرے ہم مذہبوں کے قاتلوں کا سردار ہے۔ لیکن بیٹی! ہم اپنی تقدیر سے کیسے بھاگ سکتے ہیں؟ تم عاصم کے متعلق یہ کہہ سکتی ہو کہ وہ بھیڑیں چرا کر خوش رہ سکتا تھا لیکن سین کی بیٹی اور اُس کے درمیان جو سمندر حائل ہیں انہیں کون پاٹ سکتا ہے؟ فسطینہ اگر میرے اختیار میں ہو تو میں دنیا کی تمام مسرتیں تم پر نچھاور کر دوں لیکن میں بے بس ہوں، ہم سب بے بس ہیں۔ تمہیں یہ بھول جانا چاہیئے کہ وہ کبھی تم سے ملا تھا۔ سنو! باہر گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دے رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے تمہارے ابا جان آگئے ہیں۔"

فسطینہ اپنے آنسو پونچھنے کے بعد سنبھل کر بیٹھ گئی صحن میں آدمیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد سین کمرے میں داخل ہوا، اور نڈھال ہو کر اپنی بیوی کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گیا "آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" یوسیبیا نے پوچھا۔

اُس نے جواب دیا "میں بہت تھک گیا ہوں۔ دشمن نے اچانک حملہ کر کے بحیرۂ مارمورا میں ہمارے کئی جہاز تباہ کر دیئے ہیں، اور ہمیں یہ نقصان پورا کرنے میں چند مہینے اور لگ جائیں گے لیکن پرسوں شہنشاہ کا ایلچی

یہ حکم دے کر آیا تھا کہ ہم قسطنطنیہ فتح کرنے میں مزید تاخیر برداشت نہیں کریں گے۔ میں نے اپنی مشکلات بتانے کے لئے بذاتِ خود شہنشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی تھی لیکن میری درخواست یہ کہہ کر ٹھکرا دی گئی ہے کہ اگر تم ہمارے پاس آنا چاہتے ہو تو ہرقل کو پابہ زنجیر ساتھ لے کر آؤ۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ شہنشاہ کے دربار میں میرے مخالفین کا پلہ پھر بھاری ہو رہا ہے۔"

یوسیبیا نے کہا۔ "آپ ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ ایرانی لشکر کے لئے آبنائے باسفورس سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا خودکشی کے مترادف ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود جب آپ کو قسطنطنیہ فتح کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی تو آپ بہت خوش ہوئے تھے۔"

سین نے کہا۔ "اس وقت مجھے یہ امید تھی کہ ایک طویل عرصہ کے لئے قسطنطنیہ کے سامنے ہماری افواج کا اجتماع بالآخر رومیوں کو ہتھیار ڈالنے یا ہماری شرائط پر صلح کرنے کے لئے مجبور کر دے گا۔ اور چند ناکامیوں کے بعد شاید خسرو بھی جنگ کو طول دینا سودمند خیال نہ کرے۔ لیکن شہنشاہ کے اصرار پر ہم نے مکمل تیاریوں کے بغیر گزشتہ چند حملوں میں جو نقصانات اٹھائے ہیں اُن کی وجہ سے رومیوں کے حوصلے بلند ہو گئے ہیں اور اب مجھے یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ وہ ہماری شرائط پر صلح کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ ادھر ہمارے شہنشاہ کی یہ حالت ہے کہ وہ میری طرف سے قسطنطنیہ کی فتح کی اطلاع کے سوا، کوئی اور بات سننے کے لئے تیار نہیں کبھی کبھی میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ شہنشاہ کے عتاب سے بے پروا ہو کر اُن کے پاس پہنچ جاؤں اور صاف صاف کہہ دوں کہ میرے اندازے غلط تھے میں اس ذمہ داری کا اہل نہ تھا لیکن پھر یہ سوچتا ہوں کہ وہاں مجھ پر درپردہ عیسائیوں کا طرف دار ہونے کا الزام عائد کیا جائے گا۔"

یوسیبیا نے مغموم لہجے میں کہا۔ "میں جانتی ہوں یہ الزام آپ پر اس لئے عائد کیا جائے گا کہ آپ کی بیوی اور بیٹی عیسائی ہیں۔ میں اس مسئلے پر ایک مدت سے سوچ رہی ہوں کہ آپ نے صرف ہمیں مجوسی کاہنوں کے عتاب سے بچانے کے لئے اپنے ضمیر کے خلاف وہ کام کئے ہیں جن کی آپ سے توقع نہ تھی۔ اگر آپ کے سامنے ہمارے تحفظ کا مسئلہ نہ ہوتا تو آپ شاید اس جنگ میں شرکت کرنا بھی پسند نہ کرتے، کم از کم آپ کو اتنی آزادی ضرور ہوتی کہ آپ شہنشاہ کے سامنے صاف گوئی سے کام لے سکتے، اور اُسے اپنا نفع یا نقصان سمجھاتے وقت آپ

دل میں یہ خدشہ نہ ہوتا کہ آپ کو عیسائیوں سے ہمدردی رکھنے کا طعنہ دیا جائے گا ــــــ میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ ہم آپ کے پاؤں کی زنجیر بن گئے ہیں، اب وقت آگیا ہے کہ آپ حقیقت پسندی سے کام لیں۔"

سین نے مضطرب ہو کر کہا۔ "میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"میرا مطلب یہ ہے کہ میں آپ کے پاؤں کی زنجیر بننا نہیں چاہتی۔ آپ کی بہتری اِسی میں ہے کہ میں آپ کہیں روپوش ہو جاؤں اور آپ اپنے حریفوں کو مطمئن کرنے کے لئے یہ کہہ سکیں کہ آپ نے ایک عیسائی عورت کو اپنے گھر سے نکال دیا ہے۔ پھر آپ پر کوئی یہ اعتراض نہ کرے گا کہ آپ نے عیسائیوں کے ہمدرد ہونے کی وجہ سے قسطنطنیہ فتح نہیں کیا۔ فسطینہ کی رگوں میں آپ کا خون ہے اور اِسے مجوسی مذہب اختیار کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

سین کی حالت اُس شخص کی سی تھی جس پر بجلی گر پڑی ہو وہ چند ثانیے سکتے کے عالم میں اپنی بیوی کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر مضطرب ہو کر اچانک اٹھا اور کچھ دیر کمرے میں ٹہلنے کے بعد یوسیبیا کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"یوسیبیا! میری طرف دیکھو" اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ یوسیبیا نے آہستہ سے گردن اٹھائی اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ سین کچھ دیر خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتا رہا، بالآخر اُس نے کہا۔ "یوسیبیا! تمہارے دل میں یہ خیال کیسے آیا کہ دنیا کی کوئی خواہش یا کوئی خوف مجھے تمہارا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ کر سکتا ہے۔ اگر تم حکم دو تو میں اِسی وقت شہنشاہ کو استعفاء بھیجنے کے لئے تیار ہوں۔ میں نتائج سے بے پروا ہو کر اس بات کا اعتراف کرنے کے لئے تیار ہوں کہ میں اس ذمہ داری کا اہل نہ تھا۔"

خسرو کے اولوالعزم سالار کے لہجے میں ایک شکست خوردہ انسان کی بے بسی یوسیبیا کو متاثر کرنے کے لئے کافی تھی۔ اُس نے کہا۔ "آپ جانتے ہیں کہ میری زندگی اور موت آپ کے ساتھ ہے۔ میں ایک لمحہ کے لئے بھی آپ سے جدا نہیں رہ سکتی۔"

سین نے قدرے مطمئن ہو کر دوبارہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "یوسیبیا! تمہیں معلوم ہے کہ میں نے ایران کے امراء اور مذہبی پیشواؤں کی مخالفت کے باوجود قسطنطنیہ جانے کا خطرہ مول لیا تھا۔ اور قید کے بعد وہاں سے واپس آتے وقت مجھے یقین تھا کہ شہنشاہ ایران، ہرقل کی طرف سے صلح کی درخواست سنتے ہی خوشی سے اچھل

پڑسے گا۔ لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ ابتدائی فتوحات نے پرویز کی ذہنیت تبدیل کر دی ہے۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ پرویز کے طرزِ عمل سے مایوس ہونے کے بعد اُس کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کرنا میرے بس کی بات نہ تھی۔ میں جانتا تھا کہ جو شخص روم کی عظیم سلطنت کو تباہ کرنے کا عزم لے کر گھر سے نکلا ہے، اُس کے لئے اپنے ایک ساتھی کو موت کے گھاٹ اتارنا مشکل نہیں۔ خسرو اور اُس کے مصاحبوں کے تیور دیکھنے کے بعد میرے سامنے اولین مسئلہ یہ تھا کہ میں ایرانی فوج میں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر لوں۔ مجھے اُمید تھی کہ چند سال یا چند مہینے کے بعد جنگ کے نقصانات شہنشاہ کو امن اور صلح کی باتیں سننے پر مجبور کر دیں گے۔ اس لئے ایسے لوگوں کو اُس کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہیئے جو وقت آنے پر اُسے خون آلود تلواروں کو نیام میں کرنے کا مشورہ دے سکتے ہوں۔ اگر مجھے یہ اُمید نہ ہوتی کہ میں شہنشاہ کا اعتماد حاصل کر کے کسی نہ کسی دن اُس سے اپنی بات منوا سکوں گا تو بھی میری بیوی اور بیٹی کی حفاظت کا مسئلہ ایسا نہ تھا کہ میں اُسے نظر انداز کر سکتا۔ میں جانتا تھا کہ اگر میری ہوا اکھڑ گئی تو تمہیں ذلت و رسوائی کے بھیانک گڑھے میں دھکیلنے کے لئے کسی مجوسی کاہن کا یہ کہہ دینا کافی ہو گا کہ تم عیسائی ہو —— تمہاری طرح شہنشاہ کی محبوب ترین ملکہ بھی عیسائی ہے لیکن کوئی اُس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ میری بھی یہ خواہش تھی کہ اگر کوئی متعصب مجوسی میری بیوی کی طرف انگلی اٹھانا چاہے تو اُس کے دل پر یہ خوف سوار ہو کہ اُس کا ہاتھ بازو سے الگ کر دیا جائے گا۔ کمزوری اور بے بسی کے احساس کے تحت زندہ رہنا میرے نزدیک موت سے بدتر ہے —— انسان کی ساری خواہشیں پوری نہیں ہوتیں۔ مجھے اِس بات کا اعتراف ہے کہ میری بیشتر اُمیدیں خاک میں مل چکی ہیں۔ خسرو پرویز جسے کبھی میں اپنا بہترین دوست سمجھتا تھا وہ اب مجھ سے بہت دور جا چکا ہے۔ میرا خلوص، میری وفاداری اور میری عظیم ترین خدمات اُس کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ قدرت نے اُسے انسانوں سے نکال کر اُن بے رحم دیوتاؤں کی صف میں کھڑا کر دیا ہے جو صرف حکم دینا جانتے ہیں۔ مجھے اگر کوئی اطمینان ہے تو یہ ہے کہ میں نے حتی المقدور آگ اور خون کے اِس سیلِ رواں کی شدت کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے مفتوحہ علاقوں کے ان گنت عیسائیوں کو بلاوجہ قتل ہونے سے بچایا ہے۔ اگر اس محاذ پر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو ایشیائے کوچک کے ہر شہر اور ہر بستی کی حالت انطاکیہ اور دمشق سے بھی زیادہ عبرتناک ہوتی۔ یوسیبیا! میں اِس کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا کہ یہ جنگ جلد ختم ہو جائے۔ اور جنگ ختم کرنے کی آسان ترین صورت یہی ہے کہ یا تو ہم قسطنطنیہ

فتح کرنے کے قابل ہو جائیں اور یا خسرو یہ محسوس کرے کہ یہ شہر ناقابلِ تسخیر ہے اور اُس کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اپنی سابقہ فتوحات پر مطمئن ہو کر بیٹھ جائے۔ موجودہ حالات میں مجھے یہ توقع نہیں کہ ہم آئندہ دو چار برس تک بھی قسطنطنیہ فتح کر سکیں گے۔ لیکن میں اِس اُمید پر خسرو کے احکام کی تعمیل کرتا رہوں گا کہ کسی نہ کسی دن انسانی خون کے لئے اُس کی پیاس بجھ جائے گی۔ اور مجھے توقع ہے کہ جب تک ایسا وقت نہیں آتا میری شریکِ حیات ہمت اور حوصلے سے کام لے گی۔“

یوسیبیا نے کہا۔ ”مجھے آپ کی پریشانیوں کا احساس ہے اور میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ اس مسئلے پر آپ سے بحث نہیں کروں گی۔“

”نہیں، یوسیبیا! یوں نہ کہو۔ آخر تمہارے سوا کون ہے جس سے باتیں کر کے میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر سکوں۔ میری یہ حالت ہے کہ میں اپنی فوج کو باسفورس میں کودنے کا حکم دے سکتا ہوں لیکن انہیں یہ بتانے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ میرے حکم ماننے سے تم ڈوب جاؤ گے۔ کاش! میرے افسروں میں چند آدمی ایسے ہوتے جن سے میں کھل کر باتیں کر سکتا۔ ان دنوں میں بڑی شدت سے یہ محسوس کر رہا ہوں کہ عاصم کو میرے پاس ہونا چاہیئے تھا۔“

یوسیبیا نے کہا۔ ”آپ اُسے بلا کیوں نہیں لیتے؟“

سین نے جواب دیا۔ ”کل مجھے اطلاع ملی تھی کہ مصر سے ہماری فوج کے چند دستے عنقریب یہاں پہنچنے والے ہیں۔ اگر وہ اُن کے ساتھ نہ آیا تو میں مصر کے سپہ سالار کے پاس ایلچی بھیج دوں گا۔“

عاصم کا ذکر سن کر فسطینہ کے دل میں خوشگوار دھڑکنیں بیدار ہونے لگیں۔

یوسیبیا نے پوچھا۔ ”ایرج کا کیا حال ہے؟“

سین نے جواب دیا۔ ”ایرج سے میں بہت زیادہ خوش نہیں ہوں۔ اپنے خاندانی اثر و رسوخ کے طفیل قبل از وقت ترقی کر کے وہ حد درجہ مغرور ہو گیا ہے۔ فوج کا کوئی افسر اُس سے خوش نہیں۔ چند دن ہوئے اُس نے ایک عمر رسیدہ افسر کے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا تھا۔ میں نے اُسے باز پرس کے لئے بلایا تو وہ شراب کے نشے میں چور تھا۔ اگر اُس کے باپ کا لحاظ نہ ہوتا تو میں اُسے بدترین سزا دیتا۔ اب میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اُسے کچھ عرصہ کے لئے رخصت پر بھیج دیا جائے۔ پچھلے دنوں اُس کے باپ نے بھی یہ پیغام بھیجا تھا کہ میں اپنے بیٹے کے لئے کوئی

صوبے کی گورنری حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

یوسیبیا نے کہا "لیکن اس عمر میں اُسے اتنی بڑی ذمہ داری کیسے دی جا سکتی ہے؟"

"وہ ایک ایسے خوش نصیب خاندان سے تعلق رکھتا ہے جس کے افراد کو کوئی عہدہ دیتے وقت یہ نہیں پوچھا جاتا کہ تمہاری عمر کیا ہے۔ اور اب وہ چھوٹا بھی نہیں۔ اُس کی عمر چوبیس سال سے زیادہ ہو چکی ہے۔ اُس کے باپ نے ایک بار پھر اُس کی شادی کے متعلق لکھا ہے اور اب میں اُسے ٹالنے کے لئے یہ بہانہ نہیں کر سکتا کہ فسطینہ کی عمر ابھی چھوٹی ہے۔"

فسطینہ پہلی مرتبہ اپنے باپ کے مُنہ سے اپنی شادی کے متعلق سُن رہی تھی اُس نے اضطراب اور بے بسی کی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھا اور فوراً اُٹھ کر چلی گئی۔

یوسیبیا نے پوچھا "آپ نے اُسے کیا جواب دیا ہے؟"

"کوئی جواب دینے سے پہلے میں تم سے مشورہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن فسطینہ چلی کیوں گئی۔ کیا وہ ایرج کو پسند نہیں کرتی؟"

یوسیبیا نے جواب دیا "میں ابھی آپ کے آنے سے پہلے اُسے یہ سمجھا رہی تھی کہ ایرج سے شادی کے مسئلے میں تمہارے والد تمہاری پسند یا ناپسند کو کوئی اہمیت نہ دیں گے۔"

سین کچھ دیر پریشانی کی حالت میں یوسیبیا کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا "تمہیں میری بیٹی سے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ میں بذاتِ خود ایرج سے مطمئن نہیں ہوں، میں کئی سال سے اُس کا مطالعہ کر رہا ہوں اور مجھے اُس کی سب سے بڑی خوبی یہی نظر آئی ہے کہ وہ ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتا ہے جس سے ناتا جوڑنے پر ہر ایرانی فخر کر سکتا ہے۔ شکل و صورت کے اعتبار سے وہ ایران کے چند خوش وضع نوجوانوں میں سے ایک ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جب فسطینہ سنجیدگی سے اپنے مستقبل کے متعلق سوچنا شروع کرے گی تو ایرج میں اُسے کئی خوبیاں نظر آئیں گی۔"

"مجھے یقین ہے کہ فسطینہ کوئی ایسی خواہش نہیں کرے گی جس کی تکمیل سے اُس کے باپ کے دوستوں کی تعداد میں کمی یا دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے۔ لیکن میں یہ درخواست کروں گی کہ آپ اس معاملے میں جلد بازی

سے کام نہ لیں اور مجھے اِس بات کا موقع دیں کہ میں اُسے نفع اور نقصان سمجھا سکوں۔"

سین نے کہا "فسطینہ کی شادی کے مسئلے میں جلد بازی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن اب وہ اٹھارہ سال کی ہو چکی ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ ایرج کو پسند کرتی ہے۔ اور اگر اُس نے ابھی تک اپنی شادی کے متعلق سنجیدگی سے سوچنا شروع نہیں کیا تو تم اُسے بہ آسانی یہ سمجھا سکتی ہو کہ ایرج کے خاندان سے ناتا جوڑنے میں ہم سب کی بھلائی ہے موجودہ حالات میں ایرج کے سوا ایران کا کوئی اور نوجوان ایک عیسائی ماں کی بیٹی سے شادی کرنے کی جسارت نہیں کرے گا۔ اور اگر کوئی یہ جسارت کرے بھی تو ہمیں یہ اطمینان نہیں ہوگا کہ وہ ایرج سے زیادہ اُس کے تحفظ کی ضمانت دے سکتا ہے۔ اُس سے شادی کرنے کے بعد اگر وہ اپنے گلے میں صلیب ڈال کر مدائن کے بازاروں میں گھومنا چاہے یا اپنے گھر میں ایک چھوٹا سا گرجا تعمیر کرلے تو بھی ہمارا سب سے بڑا کاہن اُس پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔"

یوسیبیا نے کہا "مجھے معلوم ہے لیکن میں آپ سے یہ وعدہ لینا چاہتی ہوں کہ آپ میری بیٹی کو سوچنے کا موقع دیں گے۔"

سین نے برہم ہو کر کہا "میں نے یہ کب کہا ہے کہ آج ہی اُس کی شادی کا فیصلہ کر چکا ہوں۔" پھر وہ بلند آواز میں چلایا "فسطینہ! فسطینہ! اِدھر آؤ۔"

اور فسطینہ جو پردے کے پیچھے کھڑی اُن کی باتیں سن رہی تھی۔ کمرے کے اندر آ گئی۔

"بیٹھ جاؤ، بیٹی! میں کل علی الصباح یہاں سے چلا جاؤں گا اور مجھے یہ بات قطعاً پسند نہیں کہ تم ایک لمحہ کے لئے بھی میری آنکھوں سے اوجھل رہو۔ تم میرے لئے دعا کرتی رہتی ہونا؟"

فسطینہ نے جواب دینے کی بجائے آگے جھک کر اپنا سر سین کے کشادہ سینے پر رکھ دیا۔

باب ۲۴

وادیٔ نیل کے جنوب کی طرف پیش قدمی کرنے والے ایرانی دستے کسی قابلِ ذکر مزاحمت کا سامنا کئے بغیر طیبہ کے قدیم شہر میں داخل ہو چکے تھے۔ لیکن اس سے آگے صحرائے نوبہ اُن سیاہ فام جنگجو قبائل کا مسکن تھا جو زمانۂ قدیم میں فراعنہ کی افواج کا بہترین حصّہ ہوتے تھے۔ چنانچہ ایران کا لشکر بابلیون سے پیش قدمی کرنے کے بعد پہلی بار غیر متوقع مشکلات کا سامنا کر رہا تھا۔

اہل نوبہ کی جنگ باقاعدہ افواج کی جنگ سے مختلف تھی۔ یہ لوگ کسی میدان میں جمع ہو کر ہار اور جیت کا فیصلہ کرنے کی بجائے اکّا دُکا حملوں پر اکتفا کرتے تھے۔ فاتح لشکر آگے بڑھتا تو یہ لوگ راستے کی بستیاں خالی کر کے بھاگ جاتے۔ دن کے وقت آفتاب کی تمازت سے یہ خطّہ ایک جہنم زار بن جاتا تھا۔ سواروں کے گھوڑے گر گر کر دم توڑ دیتے اور پیادہ سپاہی چلتے چلتے نیل کے پانی میں کود پڑتے۔ غروبِ آفتاب کے بعد اِس تھکی ہاری فوج کو آرام کے لئے چند گھنٹے ملتے لیکن رات کے سنّاٹے میں اچانک کہیں دور سے نقّارے کی صدا بلند ہوتی اور پھر آن کی آن میں ایسا محسوس ہونے لگتا کہ ساحلِ دریا کے آس پاس تمام جھاڑیاں اور تمام چٹانیں حرکت میں آگئی ہیں۔ ہزاروں نقارے ایک ساتھ بجنے لگتے۔ پھر بھیانک تاریکی کے سینے سے ایک دل ہلا دینے والی چیخ بلند ہوتی اور چاروں طرف سے اُس کا جواب آنے لگتا۔ اس کے بعد نقّاروں کی صدائیں اور انسانوں کی چیخیں اچانک خاموش ہو جاتیں۔ گہری نیند سے بیدار ہونے والے سپاہی خوف و اضطراب کے عالم میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے اور انہیں نیل کے کنارے مینڈکوں اور جھینگروں کی نہ ختم ہونے والی راگنیوں

یا اپنے دل کی دھڑکنوں کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دیتی بلکہ ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی اَن دیکھی اور ان جانی مخلوق صحرا کی خاموش دنیا میں ایک ہنگامہ بپا کرنے کے بعد اچانک گہری نیند سو گئی ہے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد یہ طلسم ٹوٹ جاتا اور خاموش دنیا پھر ایک بار نقاروں کی صداؤں اور انسانوں کی چیخوں سے لبریز ہو جاتی۔ فوج کے افسر اور سپاہی جو دن کی جھلس دینے والی دھوپ میں رات کا انتظار کرتے تھے، رات کی بھیانک اور پراسرار تاریکی میں طلوعِ سحر کا انتظار کرتے تھے۔

پھر کئی دن کے بعد ایک رات ایسی آتی تھی جب انہیں صحرا میں مکمل سکوت ان ہنگاموں سے زیادہ خوفناک لگتا تھا۔ سپاہی اور اُن کے پہریدار ایسا محسوس کرتے تھے کہ پڑاؤ کے آس پاس ہر جھاڑی اور ہر چٹان کی اوٹ میں اُن کے لاتعداد دشمن کھڑے ہیں۔ لمحات، ساعتیں اور پہر گزر جاتے، یہاں تک کہ اُن پر نیند کا غلبہ ہونے لگتا۔ اچانک تاریکی میں دکھائی نہ دینے والے انسانوں کا کوئی گروہ جھاڑیوں یا چٹانوں کی آڑ سے نمودار ہوتا اور پڑاؤ کے کسی حصے میں تباہی مچانے کے بعد دریا کے آس پاس گھنی جھاڑیوں اور سرکنڈوں سے پٹی ہوئی ان وسیع دلدلوں میں روپوش ہو جاتا جہاں ناواقف سپاہیوں کے لئے اُن کا پیچھا کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

اب دنوں کا سفر ہفتوں میں طے ہو رہا تھا اور جوں جوں وہ آگے بڑھ رہے تھے اُن کی مشکلات میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ایران کے بہترین سپاہی سرد علاقوں سے آئے تھے اور اُن پر گرمی اور مسلسل بے آرامی کے اثرات ظاہر ہو رہے تھے۔ فتوحات کا ولولہ بتدریج سرد ہو رہا تھا۔ عرب قبائل کے رضاکار اُن کے مقابلے میں گرمی برداشت کرنے کے زیادہ عادی تھے لیکن وہ کسریٰ کی فتوحات سے زیادہ لوٹ مار کے شوق میں اپنے گھروں سے نکلے تھے اور اب اُن کے مُنہ سے اس قسم کی شکایات سنی جا رہی تھیں۔ ”ہم نے مصر فتح کرنے کے لئے ایرانیوں کا ساتھ دینا قبول کیا تھا لیکن اب ہم مصر کی حدود سے بہت دور نکل آئے ہیں۔ کسریٰ اگر یہ تمام برِّاعظم فتح کر لے تو بھی اِس پر تسلط قائم رکھنا ممکن نہیں۔ ہمیں واپس جانا چاہیئے اور اُس دن کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے جب یہ ویرانے ہمارے قبرستان بن جائیں گے۔ اگر کسریٰ کو ہماری خدمات کی ضرورت ہے تو ہم اُس کے لئے مغرب کے زرخیز علاقے اور پُر رونق شہر فتح کر سکتے ہیں۔“

فوج کا سپہ سالار ان حالات سے بے خبر نہ تھا لیکن خسرو پرویز کے احکام کے بغیر اُسے رُکنے یا واپس ہونے کی اجازت نہ تھی۔

عاصم نے قبائلیوں کے طریقِ جنگ سے واقف ہوتے ہی سپہ سالار کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ پہلے ہمیں غیر محفوظ راستوں پر پیش قدمی جاری رکھنے کی بجائے کسی محفوظ مقام پر پڑاؤ ڈال کر ان لوگوں کے خلاف مؤثر کاروائی کرنا زیادہ ضروری ہے۔ لیکن سپہ سالار کی منزلِ مقصود حبشہ کا دارالحکومت تھا اور وہ کسی تاخیر کے بغیر وہاں اپنے شہنشاہ کی فتح کا پرچم نصب کرنا چاہتا تھا، چنانچہ اُس نے عاصم کی تجویز یہ کہہ کر رد کر دی کہ جب ہم حبشہ کی فتح کے بعد پلٹیں گے تو ان لوگوں کو سزا دینے کے لئے ہمارے پاس کافی وقت ہوگا ــــ لیکن کچھ عرصہ شدید نقصانات اٹھانے کے بعد فوج کے کئی اور افسر عاصم کے ہم خیال بنتے جا رہے تھے۔ سپہ سالار نے مجبوراً فوج کو دریا کے کنارے سے کچھ دور ہٹ کر پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ اور دشمن کے خلاف جوابی کاروائی شروع کر دی۔ رات کے وقت دشمن کو دور رکھنے کے لئے تیر انداز پڑاؤ کے گرد مورچوں میں بیٹھ جاتے اور صبح ہوتے ہی سواروں کے دستے دشمن کی کمین گاہوں کی تلاش میں مختلف سمتوں کی طرف روانہ ہو جاتے۔ پہلے دن اس کاروائی کے نتائج زیادہ حوصلہ افزا نہ تھے۔ ایرانی سوار دریا کے کنارے جھاڑیوں اور سرکنڈوں سے ڈھکی ہوئی دلدل میں گھسنے یا دریا سے دور اُن سنگلاخ چٹانوں کا رُخ کرنے سے گھبراتے تھے جو دشمن کے قدرتی قلعوں کا کام دیتی تھیں۔ اُن کی کارگزاری چند اجڑی ہوئی بستیوں کو آگ لگانے اور پندرہ بیس عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو گرفتار کرنے تک محدود تھی۔ ایک ٹولی کا یہ دعویٰ تھا کہ اس نے نیل کے کنارے جنگل میں چھپے ہوئے دشمن کے ایک گروہ پر حملہ کر کے کئی آدمی تہ تیغ کر دیئے ہیں۔

دوپہر سے قبل اُن عرب سواروں کے سوا، جو عاصم کی قیادت میں روانہ ہوئے تھے، باقی تمام دستے واپس آچکے تھے اور فوج پریشانی اور اضطراب کی حالت میں اُن کا انتظار کر رہی تھی۔ شام کے قریب سپہ سالار خیمے کے باہر اپنے افسروں کے درمیان کھڑا تھا۔ اور جوں جوں سائے لمبے ہوتے جا رہے تھے اُس کا اضطراب بڑھ رہا تھا۔ اُس نے چاروں طرف نگاہ دوڑانے کے بعد ایک عرب رئیس سے مخاطب ہو کر کہا "میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ یہ ممکن نہیں کہ اُن میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا ہو۔ اگر وہ کہیں گھر گئے ہیں تو بھی عاصم اتنا نادان نہیں

کہ اُس نے ہمیں اطلاع دینے کی ضرورت محسوس نہ کی ہو۔"

عرب نے کہا "جناب! عاصم کا مقصد اس علاقے میں دشمن کی صحیح قوت کا اندازہ لگانا تھا، اب اگر اُس کا ایک ساتھی بھی واپس نہ آیا تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ ہمارے لئے آگے بڑھنا کتنا خطرناک ہے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس برِاعظم کے تمام باشندے ہمارا راستہ روکنے کے لئے جمع ہو گئے ہیں۔"

دوسرے عرب نے کہا "جناب! میں عاصم کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ بہت دور اندیش ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کی جانیں خطرے میں نہیں ڈالے گا۔ ممکن ہے وہ زیادہ دور نکل گیا ہو۔ ہمارے ساتھیوں کو بیکار بیٹھ کر اُس کا انتظار کرنا تکلیف دہ محسوس ہوتا ہے، اس لئے اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم ان قیدیوں سے نپٹ لیں۔"

سپہ سالار نے کہا "نہیں! قیدیوں کے متعلق ہم نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔"

عرب نے حیران ہو کر پوچھا "آپ انہیں زندہ رکھنا چاہتے ہیں؟"

سپہ سالار نے جواب دیا "میں نے عاصم سے وعدہ کیا تھا کہ قیدیوں کے ساتھ ہمارا سلوک اُس کے مشورے کے مطابق ہوگا۔"

عرب نے کہا "جناب! قیدیوں کے متعلق عاصم کا رویہ بہت نرم ہوتا ہے لیکن یہ لوگ اُس کے نزدیک بھی کسی رحم کے مستحق نہیں ہوں گے۔"

"بہرحال ہم اُس سے مشورہ کئے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔ کاش! ہمیں معلوم ہوتا کہ وہ لوگ اس وقت کیا کر رہے ہیں۔ عاصم کا رومی غلام کہاں ہے؟"

ایک افسر نے جواب دیا "وہ یہیں ہے جناب! میں نے ابھی اُسے پڑاؤ میں دیکھا تھا۔"

سپہ سالار نے مُڑ کر اپنے ایک محافظ کی طرف دیکھا اور کہا "اُسے بلا لاؤ۔"

سپاہی بھاگتا ہوا عاصم کے خیمے کی طرف بڑھا اور تھوڑی دیر بعد کلاڈیوس کو اپنے ساتھ لے آیا۔ یہ دراز قامت نوجوان اپنے گلے میں غلامی کا آہنی طوق پہننے کے باوجود مردانہ حسن و وقار کا ایک پیکرِ مجسم دکھائی دیتا تھا۔

سپہ سالار نے اُسے دیکھتے ہی پوچھا "تم عاصم کے ساتھ کیوں نہیں گئے؟"

کلاڈیوس نے جواب دیا "جناب! انہوں نے مجھے ساتھ لے جانا پسند نہیں کیا"۔

"تمہیں معلوم ہے کہ اُس کے اب تک واپس نہ آنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟"

کلاڈیوس نے بے اعتنائی سے جواب دیا "جناب! ایک غلام اپنے آقا کی مصلحتیں کیسے جان سکتا ہے"۔

سپہ سالار نے کہا "ہم جانتے ہیں کہ اُس نے کبھی تمہارے ساتھ غلاموں کا سا سلوک نہیں کیا اور خطرے کے وقت اُسے اپنی جان سے زیادہ تمہاری فکر ہوتی ہے"۔

"جناب! میرے آقا بہت رحم دل ہیں اور میں اُن کا شکر گزار ہوں۔ علی الصباح یہاں سے روانہ ہوتے وقت اُن کی باتوں سے میرے دل میں یہ خیال ضرور پیدا ہوا تھا کہ وہ کسی خطرناک مہم پر جا رہے ہیں۔ لیکن مجھے یہ توقع نہ تھی کہ وہ شام تک واپس نہیں آئیں گے"۔

"اچھا بتاؤ، انہوں نے کیا کہا تھا؟"

"جناب! وہ یہ کہتے تھے کہ آج میری کامیابی پر اس ساری مہم کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر مجھے دیر لگ جائے تو تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ میرا خیال ہے کہ وہ بہت دُور نکل گئے ہیں"۔

ایک عرب نے کہا "جناب! طیبہ کے قیدیوں میں جو آدمی اس علاقے کے باشندوں کی زبان جانتے تھے اُن میں سے ایک کو عاصم اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اُس نے عاصم کو دھوکا دے کر کسی غلط راستے پر نہ ڈال دیا ہو"۔

سپہ سالار نے جھنجلا کر کہا "میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ اگر اُس بے وقوف نے کسی لمبے سفر پر جانے کا ارادہ کیا تھا تو اُسے مجھ سے مشورہ کرنا چاہیئے تھا"۔

ایک ایرانی افسر نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "جناب اُس طرف دیکھئے شاید وہ آرہے ہیں"۔

سپہ سالار اور اُس کے ساتھی جنوب مغرب کی سمت ایک ٹیلے کی اوٹ سے نمودار ہونے والے سواروں کی طرف دیکھنے لگے اور آن کی آن میں پڑاؤ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

تھوڑی دیر بعد جب سورج مغربی افق کو چھو رہا تھا، عرب سوار اپنے نیزوں سے سیاہ فام قیدیوں کو ہانکتے ہوئے پڑاؤ کے قریب ایک اور ٹیلا عبور کر رہے تھے۔

"سین کا انتخاب غلط نہ تھا۔ عاصم ہماری توقع سے زیادہ کامیاب دکھائی دیتا ہے۔ جاؤ! اُسے سیدھا ہمارے پاس لے آؤ" سپہ سالار یہ کہہ کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ اور اُس کے ساتھی بھاگتے ہوئے عاصم کے استقبال کے لئے بڑھے۔ کلاڈیوس چند قدم چلنے کے بعد رک گیا اور ٹکٹکی باندھ کر سواروں کی طرف دیکھنے لگا۔ آنے والے قافلے کی رفتار سپہ سالار کی توقع کے خلاف بہت سست تھی۔ چنانچہ وہ بھی چند ثانیے انتظار کرنے کے بعد اُٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پیچھے ہولیا۔ کلاڈیوس کے قریب پہنچ کر اُس نے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے آقا کے استقبال کے لئے آگے بڑھنا کسرِ شان سمجھتے ہو"۔

"نہیں جناب"۔ کلاڈیوس نے گھٹی ہوئی آواز میں جواب دیا "میرے آقا کو سب سے آگے ہونا چاہیئے تھا، لیکن مجھے ان کا گھوڑا دکھائی نہیں دے رہا"۔

سپہ سالار نے مضطرب ہو کر کہا "تمہارا مطلب ہے کہ عاصم ......"

کلاڈیوس نے جواب دینے کی بجائے سپہ سالار کی طرف دیکھا اور اُس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

سپہ سالار چلایا "نہیں، نہیں یہ نہیں ہو سکتا"۔

کلاڈیوس اپنے آنسو پونچھنے کے بعد دوبارہ آنے والے قافلے کی طرف دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اچانک بلند آواز میں چلایا "جناب وہ آرہے ہیں۔ وہ زندہ ہیں۔ وہ دوسرے گھوڑے پر سوار ہیں، لیکن شاید وہ زخمی ہیں"۔

سپہ سالار آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سواروں کی طرف دیکھنے لگا اور کلاڈیوس اپنی پوری قوت سے اُن کی طرف بھاگنے لگا۔ سواروں کے قریب پہنچ کر اُس کی ہمت جواب دیتی محسوس ہوئی۔ عاصم گھوڑے کی زین پر جھکا ہوا تھا اُس کا زرد چہرہ اور سینے پر بندھی ہوئی خون آلود پٹی اُس کے زخمی ہونے کی گواہی دے رہی تھی۔ کلاڈیوس کو دیکھ کر عاصم کے خشک ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اُس نے ذرا سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا "کلاڈیوس! میں زندہ ہوں، لیکن میرا عزیز ترین دوست اس لڑائی میں کام آگیا"۔

"آپ کا گھوڑا؟" کلاڈیوس نے کہا۔

"ہاں! وہ میرا آخری دوست تھا۔ اُس نے زخمی ہو کر گرتے ہی دم دے دیا تھا۔ اب اپنے وطن کی کوئی نشانی میرے پاس نہیں رہی" عاصم نے یہ کہہ کر آنکھیں بند کر لیں اور کلاڈیوس گھوڑے کی باگ پکڑ کر اُس کے

ساتھ ساتھ ہو لیا۔

تھوڑی دیر بعد سینکڑوں سپاہی اُن کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ سپہ سالار ہانپتا ہوا آگے بڑھا۔ عاصم اُسے دیکھتے ہی گھوڑے سے اتر پڑا اور ادب سے سلام کرتے ہوئے بولا "جناب اگر آپ کو میری وجہ سے کوئی پریشانی ہوئی ہے تو میں معافی کا خواستگار ہوں۔"

سپہ سالار نے کہا "میں یقیناً بہت پریشان تھا۔ لیکن اس وقت سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ تم زخمی ہو کر آئے ہو اور تمہیں طبیب کی ضرورت ہے۔"

عاصم نے کہا "جناب میرا زخم بہت معمولی ہے۔"

سپہ سالار نے کہا "مجھے یقین تھا کہ تم کوئی اہم خبر لے کر واپس آؤ گے۔"

عاصم بولا "جناب! اس مہم میں ہمارے سات آدمی کام آئے ہیں اور دس زخمی ہوئے ہیں۔ دشمن کے نقصانات ہم سے بہت زیادہ تھے۔"

سپہ سالار نے پوچھا "قیدیوں کی تعداد کتنی ہے؟"

عاصم نے جواب دیا "ہم نے پچپن آدمی گرفتار کئے تھے لیکن راستے میں تین قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔"

سپہ سالار نے کہا "ہمارے پاس چند قیدی اور بھی ہیں اور ہمیں سونے سے پہلے ان کے متعلق کوئی فیصلہ کرنا پڑے گا۔"

عاصم نے کہا "اگر میں ان کے متعلق کچھ کہنے کا حق رکھتا ہوں تو میری یہ درخواست ہے کہ ان کا فیصلہ کل پر چھوڑ دیا جائے اور آج رات انہیں کوئی تکلیف نہ دی جائے۔"

سپہ سالار نے کہا "میں جانتا ہوں کہ تم قیدیوں کے معاملے میں بہت رحم دل ہو لیکن یہ لوگ کسی اچھے سلوک کے مستحق نہیں۔"

ایک عرب نے کہا "ہمیں ان لوگوں کو پڑاؤ میں لے جانے کی بجائے یہیں قتل کر دینا چاہیئے۔"

عاصم نے کہا "اگر انہیں قتل کر کے ہمیں کوئی فائدہ پہنچ سکتا تو میں آپ کو منع نہ کرتا لیکن ہمارا فائدہ اسی میں ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔ میں نے جن تین قیدیوں کو رہا کیا ہے وہ اپنے سرداروں کے پاس

یہ پیغام لے گئے ہیں کہ اگر وہ کل تک یہاں آ کر اس بات کی ضمانت دیں کہ اس کے بعد راستے میں ہم پر کوئی حملہ نہیں ہو گا تو تمام قیدیوں کو رہا کر دیا جائے گا۔"

"اور تمہیں یقین ہے کہ ان کے سردار تمہارا پیغام سُن کر ہمارے پاس آجائیں گے؟"

عاصم نے جواب دیا "ان لوگوں کا ایک بااثر سردار ہماری قید میں ہے اور میں نے اُسی سے گفتگو کرنے کے بعد باقی سرداروں کو پیغام بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہم اس علاقے پر قبضہ کرنے کی نیت سے آئے ہیں۔ لیکن جب انہیں یہ معلوم ہو گا کہ ہماری منزل مقصود حبشہ ہے تو یہ راستے میں ہم سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔"

سپہ سالار نے کہا "مجھے یقین نہیں آتا کہ ہماری نرمی ان وحشیوں پر کوئی اچھا اثر ڈال سکتی ہے، بہر حال میں تمہاری رائے سے اختلاف نہیں کرتا۔ لیکن اب ہمیں تمہارے علاج کی فکر کرنی چاہیئے۔ تمہارے زخم سے ابھی تک خون رس رہا ہے۔ بہتر ہو گا کہ تم گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔"

"نہیں جناب! اب میرے لئے چند قدم پیدل چلنا زیادہ آسان ہو گا۔" عاصم یہ کہہ کر آگے بڑھا لیکن چند قدم اُٹھانے کے بعد اُس کی ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں۔ کلاڈیوس نے آگے بڑھ کر اُسے سہارا دینے کی کوشش کی۔ لیکن عاصم نے اُسے ایک طرف ہٹا دیا۔

تھوڑی دیر بعد طبیب عاصم کے زخم پر نئی پٹی باندھ رہا تھا اور چند افسر اُس کے گرد کھڑے تھے۔ سپہ سالار خیمے میں داخل ہوا اور اس نے طبیب سے مخاطب ہو کر پوچھا "اسے کوئی خطرہ تو نہیں؟"

"نہیں، جناب! یہ بہت خوش نصیب ہیں۔ اگر دشمن کا نیزہ پسلیوں کے اوپر سے پھسلنے کی بجائے سیدھا لگتا تو ان کے بچنے کی کوئی اُمید نہ تھی۔"

سپہ سالار نے عاصم سے کہا "تمہارے ساتھی قیدیوں کو زندہ رکھنے کے سخت مخالف ہیں۔ ہم نے بڑی مشکل سے اُن کا جوش و خروش ٹھنڈا کیا ہے۔"

"جناب! انہیں یہ معلوم نہیں کہ قیدیوں کو کل تک زندہ رکھنا ہمارے لئے کتنا ضروری ہے۔ آپ فوج کو حکم دے دیں کہ انہیں ہر ممکن آرام پہنچانے کی کوشش کی جائے۔"

"تم فکر نہ کرو میں اُن کے لئے بہترین کھانا مہیا کرنے کا حکم دے چکا ہوں، لیکن اگر کل تک ان لوگوں کے سردار یہاں نہ پہنچے تو ہمارے لئے قیدیوں کو ٹھکانے لگانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔"

سپہ سالار یہ کہہ کر خیمے کے دروازے کی طرف بڑھا لیکن اچانک کچھ سوچ کر رک گیا اور عاصم کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "مجھے تمہارے گھوڑے کا سُن کر بہت افسوس ہوا ہے اور میں تمہیں اس کے بدلے اپنا بہترین گھوڑا پیش کروں گا۔"

سپہ سالار خیمے سے باہر نکل گیا۔ طبیب نے عاصم کی مرہم پٹی سے فارغ ہو کر اُس کے تیمارداروں کی طرف دیکھا اور کہا۔ "میرے خیال میں اب انہیں آرام کی ضرورت ہے۔" وہ یکے بعد دیگرے باہر نکل گئے۔ تھوڑی دیر بعد کلاڈیوس نے کھانا لا کر عاصم کے سامنے رکھ دیا۔ عاصم نے چند نوالے کھائے، پانی پیا اور بستر پر لیٹ گیا۔

"کلاڈیوس!" اُس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "مجھے زخمی ہونے کے بعد سب سے پہلے تمہارا خیال آیا تھا، اور راستے میں بھی یہ سوچ رہا تھا کہ اگر میں ہلاک ہو جاتا تو تم پر کیا گزرتی۔ اگر مجھے یہ اطمینان ہوتا کہ راستے میں تمہیں کوئی خطرہ پیش نہ آئے گا تو میں اسی وقت تمہیں آزاد کر دیتا اور مجھے اِس بات کی پروا نہ ہوتی کہ سپہ سالار میرے متعلق کیا خیال کرے گا۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "میں راستے میں کسی ایرانی کے ہاتھوں ہلاک ہونے کی بجائے آپ کے غلام کی حیثیت سے زندہ رہنا بہتر سمجھتا ہوں۔"

"تم میرے غلام نہیں ہو، کلاڈیوس!"

کلاڈیوس نے احسانمندی سے عاصم کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اگر میں اپنے دل کی بات کہوں تو آپ بُرا تو نہیں مانیں گے۔"

"ہرگز نہیں۔"

کلاڈیوس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "اگر میں نے آپ کو سمجھنے میں غلطی نہیں کی تو آپ اُن لوگوں سے مختلف ہیں، جنہیں صرف انسانی خون کی پیاس تلوار اٹھانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ آپ جس قدر بہادر

ہیں اُسی قدر رحم دل ہیں۔ آج قیدیوں کے ساتھ آپ کا سلوک میرے لئے غیر متوقع نہ تھا۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکی کہ اس جنگ سے آپ کی دلچسپی کی وجوہ کیا ہیں۔ آپ یہ خیال نہ کریں کہ یہ بات پوچھنے کے لئے میں آپ کے زخمی ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ آج جب میں سواروں کو آتے دیکھ رہا تھا تو آپ کا گھوڑا غائب تھا اور میرے دل میں یہ خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ شاید آپ واپس نہیں آئے۔ اور پھر جب طبیب آپ کے زخم کا معائنہ کر رہا تھا تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ انسان ہمیشہ کسی مقصد کے لئے جان دینا پسند کرتا ہے ایرانیوں کا مقصد دنیا میں اپنے شہنشاہ کی فتوحات کے پرچم لہرانا ہے۔ رومیوں کا مقصد دنیا میں اپنے اقتدار کی حفاظت ہے۔ یہودی یہ سمجھ کر ایرانیوں کا ساتھ دے رہے ہیں کہ شاید رومی سلطنت کے کسی کھنڈر پر انہیں اپنے لئے کوئی عمارت کھڑی کرنے کا موقع مل جائے۔ عرب سے جو رضاکار ایرانیوں کے حلیف بن کر آئے ہیں وہ کشت و خون اور لوٹ مار سے آگے نہیں سوچتے۔ لیکن آپ کے متعلق مجھے اس بات کا یقین ہے کہ آپ ظالم کے دوست اور مظلوم کے دشمن نہیں ہو سکتے۔ آپ کو لوٹ مار سے کوئی دلچسپی نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ایرانی فوج جب کسی خطرے کا سامنا کرتی ہے تو آپ سب سے آگے ہوتے ہیں؟"

عاصم نے اضطراب کی حالت میں آنکھیں بند کر لیں اور دیر تک خاموش پڑا رہا۔ بالآخر اُس نے کلاڈیوس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "کلاڈیوس! میری زندگی دوستی اور دشمنی کے جذبات سے خالی ہے۔ چند سال پہلے میری تمام خواہشیں اپنے قبیلے کی عزت کے لئے لڑنے یا اپنے عزیزوں اور دوستوں کے قتل کا انتقام لینے تک محدود تھیں۔ پھر چند ایسے واقعات پیش آئے کہ میری دنیا یکسر بدل گئی۔ مجھے اپنے اسلاف کی روایات سے بغاوت کے جرم میں اپنا گھر بار چھوڑنا پڑا۔ تم میری تمام سرگزشت سُن چکے ہو۔ سین سے ملاقات کے بعد میری زندگی کا نیا دور شروع ہوا، اور میں نے ایک سپاہی کی حیثیت سے اپنے محسن کی بلند ترین توقعات پورا کرنا اپنا مقصدِ حیات بنا لیا۔ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ میں نے اپنے لئے جو نیا راستہ منتخب کیا ہے وہ غلط ہے لیکن میرے لئے اور کوئی راستہ نہیں۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "فرض کیجئے! اگر سین ایک ایرانی کی بجائے ایک شامی یا رومی ہوتا تو کیا یہ ممکن نہ تھا کہ اس وقت آپ ایرانیوں کی بجائے رومیوں کے ساتھی ہوتے؟"

عاصم نے برہم ہوکر کہا "کلاڈیوس! مجھے پریشان نہ کرو، جاؤ سو جاؤ۔"

"میں معافی چاہتا ہوں"۔ کلاڈیوس نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ مجھے اپنے دل کی بات کہنے کی اجازت نہ دیتے تو مجھ سے یہ گستاخی نہ ہوتی۔"

عاصم نے قدرے نرم ہوکر کہا "نہیں، نہیں کلاڈیوس بیٹھ جاؤ۔ میں تم سے خفا نہیں ہوں۔ لیکن تم جانتے ہو کہ اب اپنا راستہ تبدیل کرنا میرے بس کی بات نہیں۔"

کلاڈیوس بیٹھ گیا اور چند ثانیے خاموشی سے عاصم کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا "میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ آپ اُن لوگوں سے مختلف ہیں جو ساری عمر آنکھیں بند کئے کسی غلط راستے پر چل سکتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ اپنی قبائلی روایات سے بغاوت نہ کرتے۔ میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کسی دن آپ کو یہ جنگ، عرب کی قبائلی جنگوں سے زیادہ بے مقصد محسوس ہوگی۔"

عاصم نے کہا "میں ایرانی فوج کے ساتھ وفاداری کا عہد کر چکا ہوں اور تم مجھے غدّار بننے کا مشورہ نہیں دے سکتے۔"

"کیا آپ نے اپنے قبیلے کے ساتھ وفاداری کا عہد نہیں کیا؟"

"کلاڈیوس تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایرانی فوج کے کارناموں سے آپ جیسے انسان کا ضمیر مطمئن نہیں ہو سکتا۔ کبھی نہ کبھی ایسا وقت ضرور آئے گا جب آپ کی بے چین روح آپ کو کوئی نیا راستہ تلاش کرنے پر مجبور کر دے گی۔ میں اکثر یہ سوچا کرتا ہوں کہ جو شخص کسی مقصد کے بغیر اِس قدر بہادری سے لڑ سکتا ہے وہ کسی مقصد سے آشنا ہونے کے بعد کیا نہیں کر سکتا۔ آپ کو فتوحات کا شوق یہاں تک لے آیا ہے لیکن اگر انسان کا ضمیر مطمئن نہ ہو تو اُس کی فتوحات بے معنی ہیں۔ سین اِس بات پر مطمئن ہو سکتا ہے کہ اُس نے بے یار و مددگار انسان کو شہرت و ناموری کے راستے پر ڈال کر اُس کے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے اور اُس کی بیٹی بھی اس بات پر خوش ہو سکتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب آپ شاندار فتوحات حاصل کرنے کے بعد واپس جائیں۔ سین آپ کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری کرنے پر آمادہ ہو جائے لیکن مجھے اس بات کا اندیشہ ہے

سب باتوں کے باوجود آپ کا ضمیر مطمئن نہیں ہوگا۔"

عاصم نے کہا۔ "تمہارے خیال میں میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟"

کلاڈیوس نے جواب دیا۔ "آپ کی سرگزشت سننے کے بعد میرے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ وہ کمسن لڑکی جسے آپ نے دمشق کے راستے میں دیکھا تھا آپ کی امیدوں کا مرکز بن چکی ہے اور میرے لئے یہ سمجھنا بھی مشکل نہیں کہ آپ کے دل میں شہرت و ناموری کی تمنا سین سے کہیں زیادہ اُس کی بیٹی نے پیدا کی ہے۔"

عاصم نے کہا "کلاڈیوس! میں تمہاری بات سے انکار نہیں کرتا۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ جب میں اپنے حال اور مستقبل سے مایوس تھا تو فسطینہ نے میرے دل میں زندگی کی دھڑکنیں بیدار کی تھیں۔ اُس نے مجھے احساس دلایا تھا کہ میں عام انسانوں سے مختلف ہوں۔ اور میں یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ میں اُس کی بلند ترین توقعات پوری کر سکتا ہوں، لیکن اگر میں یہ سمجھوں کہ عظیم ترین فتوحات حاصل کرنے کے بعد بھی میں سین کی بیٹی کے لئے ہاتھ پھیلا سکتا ہوں تو مجھ سے بڑا احمق کوئی نہیں ہو سکتا۔ رات کا مسافر چاند کی روشنی میں اپنا راستہ دیکھ سکتا ہے لیکن اُسے نوچنے کی کوشش حماقت کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ جب میں پہلی مرتبہ سین کے ہمراہ محاذِ جنگ کی طرف روانہ ہوا تھا تو میرے خیالات یہی تھے کہ جب میں فتوحات کے پرچم لہراتا ہوا واپس آؤں گا، تو فسطینہ میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ لیکن یہ ایک دیوانے کے خواب تھے۔ اب مجھے ان خیالات پر ہنسی آتی ہے۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ سین نے مجھے اپنے گھر کی چار دیواری سے دور رکھنے کے لئے مصر کی طرف پیش قدمی کرنے والی فوج کے ساتھ روانہ کر دیا تھا۔ کلاڈیوس! جب میں گھر سے نکلا تھا تو میری تمام خواہشیں صرف زندہ رہنے تک محدود تھیں، اُس وقت میں کسی کی بھیڑیں چرا کر بھی مطمئن رہ سکتا تھا لیکن فسطینہ کی دُنیا میں چند سانس لینے کے بعد میرے لئے گمنامی اور بے چارگی کی زندگی پر قناعت کرنا ممکن نہ تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں نے جو راستہ اختیار کیا ہے اُس کی آخری منزل کیا ہوگی، لیکن اب میں اتنی دُور آ چکا ہوں کہ میرے لئے یہ راستہ بدلنا تو درکنار مڑ کر پیچھے دیکھنا بھی ممکن نہیں۔"

کلاڈیوس نے کہا "آپ چند حادثات کے نتیجہ میں یہاں تک پہنچے ہیں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک اور حادثہ آپ کی زندگی کا دھارا بدل دے۔ اس فوج کے حالات مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ آپ کے سپاہیوں کو گرمیوں

کی شدت اور طرح طرح کی بیماریوں نے نڈھال کر دیا ہے۔ ایک عام سپاہی سے لے کر سپہ سالار تک ہر آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ اس مہم کا نتیجہ تباہی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ رسد کی کمی آپ کے لئے ایک تشویش ناک مسئلہ بن چکی ہے اور اب آپ کے راستے میں وہ شہر نہیں ہوں گے جہاں لوٹ مار کر کے یہ لوگ اپنا پیٹ بھر سکیں۔

مجھے اندیشہ ہے کہ جب یہ بددل اور مایوس لشکر حبشہ کی حدود میں داخل ہو گا تو اس کا مقابلہ ان غیر منظم قبائل کی بجائے اُس منظم فوج سے ہو گا جس کا ہر سپاہی اپنے وطن کی آزادی کے لئے موت و حیات سے بے پروا ہو کر لڑے گا۔ پھر آپ کو اگر کسی میدان سے پسپا ہونا پڑا تو حبشہ کے سپاہی طیبہ تک آپ کا پیچھا کریں گے۔ کسریٰ کو اس بات کی پروا نہ ہوگی کہ اس لشکر کے بیشتر سپاہی اُس کی ہوس ملک گیری کی نذر ہو چکے ہیں۔ اور اُن کی لاشیں دریائے نیل کے کنارے بکھری ہوئی ہیں۔ بلکہ اُس کے سامنے صرف یہ مسئلہ ہو گا کہ جو لوگ زندہ واپس آ گئے ہیں اُن کے لئے بدترین سزا کیا ہو سکتی ہے؟"

عاصم کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی وہ اچانک اُٹھ کر بیٹھ گیا، اور بولا۔ "کلاڈیوس! تم اپنی حد سے تجاوز کر رہے ہو۔ اگر تمہارا خیال ہے کہ میں تمہاری باتوں سے مرعوب ہو جاؤں گا تو کان کھول کر سُن لو کہ حبشہ کا تخت و تاج عنقریب ہمارے قدموں میں ہو گا۔ ہم شکست کھا کر بھاگنے کی نیت سے اتنی دور نہیں آئے۔"

کلاڈیوس نے اطمینان سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ کو شکست یا پسپائی کا لفظ اس قدر بُرا محسوس ہوتا ہے تو میں معافی کا خواستگار ہوں۔ لیکن فرض کیجئے آپ حبشہ فتح کر لیتے ہیں اور صرف حبشہ ہی نہیں بلکہ سارے براعظم میں بسنے والے انسانوں کو باندھ کر کسریٰ کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں تو بھی آپ کو اس سے کیا حاصل ہو گا؟ کیا وہ مجوسی حکمران جو ساری دنیا پر تسلط جمانے کے خواب دیکھ رہا ہے، آپ سے مزید فتوحات کا مطالبہ نہیں کرے گا؟ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کسریٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے آپ کب تک انسانوں کی لاشیں روندتے رہیں گے؟ آپ کو مفتوحہ ممالک میں ایرانیوں کے مظالم کا اعتراف ہے اور آپ یقیناً اس خود فریبی میں مبتلا نہیں ہو سکتے کہ جب ساری دنیا کسریٰ کی غلام بن جائے گی تو ظالم اور مظلوم کی یہ داستان ختم ہو جائے گی۔ آپ دو قبیلوں کی نہ ختم ہونے والی جنگ کی ہولناکیوں سے دل برداشتہ ہو کر وطن سے نکلے تھے۔ کیا ایران اور روم کی یہ جنگ اُس سے کہیں زیادہ ہولناک نہیں۔ میں یہ کیسے یقین کر سکتا ہوں کہ وہ نوجوان جس نے ایک زخمی

دشمن کی فریاد سے متاثر ہو کر اپنے قبیلے کی تمام روایات کو ٹھکرا دیا تھا۔ کروڑوں انسانوں کو ایران کے آہنی استبداد کی چکی میں پستا دیکھ کر مطمئن رہ سکے گا۔ جس دن آپ نے میری جان بچائی تھی آپ میرے لئے معمّا تھے۔ یہ بات میری سمجھ سے بالاتر تھی کہ کسریٰ کی فوج کے ایک سپاہی کے دل میں رحم اور مروت کے جذبات بھی ہو سکتے ہیں لیکن اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ایک نیک دل انسان اپنا راستہ بھول کر بھیڑیوں کے گروہ میں شامل ہو گیا ہے اگر میں نے آپ کو سمجھنے میں غلطی نہیں کی تو وہ وقت دُور نہیں جب آپ اپنا راستہ تبدیل کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

عاصم نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ "مجھے پریشان نہ کرو۔ بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ آپ کا سپہ سالار کسی بڑی کمک کے بغیر اس مہم کی کامیابی پر یقین نہیں رکھتا۔ اُسے ابھی تک یہ اُمید ہے کہ شاید کسریٰ مزید پیش قدمی کے متعلق اپنا سابقہ حکم منسوخ کر دے اور وہ ایک شکست خوردہ جرنیل کے انجام سے بچ جائے —— اُس کے افسر اور سپاہی اُس سے کہیں زیادہ پریشان ہیں۔ آپ کی بدولت عرب رضاکاروں کے حوصلے قائم ہیں لیکن حبشہ کے حالات سے اپنی ذاتی واقفیت کی بنا پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اُن کے حوصلے زیادہ عرصہ قائم نہیں رہیں گے —— ممکن ہے وہ آپ سے بغاوت نہ کریں لیکن ایسا وقت آ سکتا ہے کہ آپ کا آخری ساتھی دم توڑتے وقت آپ سے یہ پوچھے کہ ہماری جنگ کس مقصد کے لئے تھی۔ اور آج یہ سوچنا آپ کا کام ہے کہ آپ اُسے کیا جواب دے سکیں گے۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔"

کلاڈیوس یہ کہہ کر اٹھا اور خیمے کے دروازے کے سامنے لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا، لیکن عاصم کی آنکھوں میں نیند نہ تھی اُس کے کانوں میں کلاڈیوس کے الفاظ گونج رہے تھے اور وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس پراسرار نوجوان سے پہلی بار متعارف ہوا ہے۔ وہ دیر تک بے حس و حرکت پڑا رہا۔ پھر اُسے سردی محسوس ہونے لگی اور ایک ساعت بعد وہ ایک اونی چادر اوڑھ لینے کے باوجود بُری طرح کانپ رہا تھا۔ اُس نے کلاڈیوس کو آوازیں دے کر جگایا اور پانی لانے کے لئے کہا۔ کلاڈیوس نے حکم کی تعمیل کی۔ عاصم نے پانی پینے کے بعد کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہاری نیند خراب کی ہے۔"

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟" اُس نے پوچھا۔

عاصم نے بستر پر لیٹتے ہوئے جواب دیا "مجھے سردی محسوس ہو رہی ہے۔"

کلاڈیوس نے اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کو بخار ہے۔"

"میرا سر بھاری ہو رہا ہے اور میں اپنے تمام پٹھوں میں درد محسوس کر رہا ہوں۔"

کلاڈیوس کے لئے یہ علامتیں نئی نہ تھیں اُس نے مضطرب ہو کر کہا۔ "میں طبیب کو بلاتا ہوں۔"

"نہیں اس وقت طبیب کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔ میں نے اِس بخار میں مبتلا ہونے والے کسی سپاہی کو اُس کی دوا سے شفایاب ہوتے نہیں دیکھا۔ تم پانی کا مشکیزہ میرے قریب رکھ دو اور آرام سے سو جاؤ۔"

کلاڈیوس نے اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ میری فکر نہ کریں، میں دن میں کافی سو چکا ہوں۔"

باب ۲۵

کلاڈیوس باقی رات عاصم کے قریب بیٹھا رہا۔ علی الصباح ایک عرب بھاگتا ہوا خیمے میں داخل ہوا اور اُس نے کہا۔ "عاصم آپ کا خیال درست نکلا۔ اس علاقے کے آٹھ سردار آ گئے ہیں۔" عاصم کا چہرہ بخار سے تمتما رہا تھا، تاہم اُس نے جلدی سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔ "کہاں ہیں وہ؟"

"پہریدار انہیں سپہ سالار کے خیمے کی طرف لے گئے ہیں۔"

عاصم نے مشکیزہ اٹھا کر پانی کے چند گھونٹ پیئے اور پھر جوتا پہن کر کھڑا ہو گیا۔

کلاڈیوس نے کہا۔ "اِس حالت میں آپ کو باہر نہیں جانا چاہیئے۔ اگر آپ اُن لوگوں سے بات کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو انہیں یہاں بلایا جا سکتا ہے۔"

"نہیں! اِس ملاقات کے لئے سپہ سالار کا خیمہ زیادہ موزوں ہے۔" عاصم یہ کہہ کر خیمے سے باہر نکل آیا اور عرب اور کلاڈیوس اُس کے ساتھ ہو لئے۔ بخار کی شدت سے عاصم کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ کلاڈیوس نے آگے بڑھ کر اُسے سہارا دینے کی کوشش کی لیکن عاصم نے اُسے ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔ "نہیں، کلاڈیوس ابھی مجھے تمہارے سہارے کی ضرورت نہیں۔"

تھوڑی دیر بعد عاصم سپہ سالار کے خیمے کے قریب پہنچا تو باہر سپاہیوں کا ہجوم کھڑا تھا۔ ایک ایرانی افسر نے کہا۔ "سپہ سالار کا خیال تھا کہ آپ کو تکلیف نہ دی جائے۔ لیکن یہ اچھا ہوا کہ آپ آ گئے۔"

"آپ تمام قیدیوں کو یہاں لے آئیں اور انہیں خیمے کے باہر بٹھا دیں۔" عاصم یہ کہہ کر کشادہ خیمے میں داخل

ہوا۔ قبائلی سردار سپہ سالار کے سامنے ایک خوبصورت قالین پر بیٹھے تھے۔ اور وہ طیبہ کے ایک قیدی کی وساطت سے اُن کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ عاصم کو دیکھتے ہی سپہ سالار نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ آگے بڑھ کر اُس کے قریب بیٹھ گیا۔

سپہ سالار نے کہا۔ "عاصم! میرا خیال تھا کہ تمہیں تکلیف نہ دی جائے لیکن اب تم آ ہی گئے ہو تو میں تمہیں ان لوگوں سے گفتگو کرنے کا اختیار دیتا ہوں"۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں ان لوگوں سے طویل گفتگو کی ضرورت پیش نہیں آئے گی"۔ یہ کہہ کر عاصم مترجم کی طرف متوجہ ہوا۔ "تم ان لوگوں سے کہو کہ ہماری جنگ صرف حبشہ کے ساتھ ہے، اگر تم پرامن رہنے کا وعدہ کرو تو ہمارا لشکر راستے میں تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرے گا اور ہم کسی چھیڑ چھاڑ کے بغیر یہاں سے گزر جائیں گے۔ لیکن اگر تم نے ہمارے ساتھ الجھنے کی کوشش کی تو تمہاری تمام بستیاں تباہ کر دی جائیں گی۔ تمہیں ہماری قوت کا اندازہ نہیں، ایران کا شہنشاہ کئی ملک فتح کر چکا ہے۔ رومی سلطنت تباہ ہو چکی ہے اور اُن کے دارالحکومت پر ہمارا قبضہ ہونے والا ہے۔ ہم نے حبشہ پر اِس لئے چڑھائی کی ہے کہ وہاں کا حکمران رومیوں کا حلیف ہے تم سے ہماری کوئی دشمنی نہیں"۔

مترجم کچھ دیر قبائلی سرداروں سے بحث کرتا رہا۔ بالآخر اُس نے عاصم سے کہا۔ "جناب! یہ کہتے ہیں کہ ہمارے جو آدمی قیدی بنا کر یہاں لائے گئے ہیں۔ اُن کے ساتھ آپ نے کیا سلوک کیا ہے؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "اگر ہمیں یہ اطمینان ہو جائے کہ یہ لوگ ہمیں دوبارہ پریشان نہیں کریں گے تو قیدیوں کو رہا کر دیا جائے گا۔ اور ہمیں اطمینان دلانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ یہ اپنے چند قابل اعتماد آدمی ہمارے ساتھ روانہ کر دیں"۔

طیبہ کے قیدی نے عاصم کی ترجمانی کر دی اور اس کے بعد قبائلی سردار دیر تک ایک دوسرے سے بحث کرتے رہے۔ سپہ سالار اُن کا جوش و خروش دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔ بالآخر ایک بوڑھے سردار نے مترجم کی وساطت سے کہا۔ "ہمیں آپ کی شرط منظور ہے لیکن ہم صرف اپنے قبائل کو پُرامن رکھنے کا ذمہ لے سکتے ہیں۔ اپنے علاقے سے آگے ہمارا کوئی آدمی آپ کا ساتھ دینے کو تیار نہ ہو گا۔ ہماری ایک شرط یہ بھی ہے

کہ ہمارے علاقے سے گزرتے ہوئے آپ کسی جگہ ایک دن سے زیادہ قیام نہیں کریں گے۔

سپہ سالار نے جواب دیا۔ "ہماری خود اپنی یہ خواہش ہے کہ ہم کسی تاخیر کے بغیر یہاں سے گزر جائیں"۔

اِس کے بعد فریقین کا لب و لہجہ انتہائی دوستانہ تھا، اور گفتگو کے اختتام پر سپہ سالار ان سرداروں میں ریشم کے کپڑوں، تلواروں اور چاندی کے ظروف کے تحائف تقسیم کر رہا تھا۔

جب یہ لوگ خیمے سے باہر نکلے تو قیدی اپنے سرداروں کی طرف دیکھ کر شور مچانے لگے۔ ایک دراز قامت نوجوان قیدیوں کی صف سے نکل کر بھاگتا ہوا آگے بڑھا اور بے اختیار ایک سردار سے لپٹ گیا پھر اُس نے ہاتھ سے عاصم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ کہا اور بوڑھے سردار نے احسانمندی سے عاصم کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "تم نے میرے بیٹے کی جان بچائی ہے اور آج سے میرا سارا قبیلہ تمہارا دوست ہے"۔

عاصم نے سپہ سالار سے مخاطب ہو کر کہا۔ "مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ نوجوان ایک سردار کا بیٹا ہے۔ اس نے میرا گھوڑا ہلاک کیا تھا اور میں اسے بدترین سزا کا مستحق سمجھتا تھا لیکن جب یہ گرفتار ہوا تو اپنی مہم سے بہترین نتائج پیدا کرنے کی خواہش میرے تمام ارادوں پر غالب آگئی"۔

سپہ سالار نے کہا۔ "تم نے بہت اچھا کیا اور میں تمہارا شکر گزار ہوں۔

"لیکن اب تم اپنے خیمے میں جا کر آرام کرو۔ تمہارا چہرہ تمہاری تکلیف کا پتا دے رہا ہے"۔

عاصم وہاں سے چل دیا۔ طبیب اور کلاڈیوس جو تماشائیوں کے ہجوم سے ایک طرف ہٹ کر باتیں کر رہے تھے، جلدی سے آگے بڑھ کر اُس کے ساتھ ہو لئے۔ عاصم طبیب کی طرف متوجہ ہوا تو اُس نے شکایت کے لہجے میں کہا۔ "آپ کا غلام کہتا ہے کہ آپ نے رات سخت تکلیف میں گزاری ہے، آپ نے مجھے بلا لیا ہوتا"۔

"آدھی رات کے وقت آپ کو تکلیف دینا مناسب نہ تھا۔ پھر مجھے یہ بھی خیال تھا کہ چند زخمیوں کی حالت مجھ سے زیادہ خراب ہے اور وہ آپ کی توجہ کے زیادہ مستحق ہیں۔ مجھے اپنے زخم سے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ صرف بخار سے نڈھال ہو گیا ہوں"۔

طبیب نے عاصم کا ہاتھ پکڑ کر اُس کی نبض دیکھی اور کہا۔ "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کا بخار اتنا شدید ہے تو میں آپ کو بستر سے اٹھنے کی اجازت نہ دیتا، میں ابھی دوا لے کر آتا ہوں"۔

طبیب یہ کہہ کر ایک طرف چلا گیا۔ عاصم نے اپنے خیمے کی طرف چند قدم اٹھائے لیکن اُس کی ہمت جواب دے رہی تھی اور جب کلاڈیوس نے آگے بڑھ کر اُسے سہارا دینے کی کوشش کی تو اُس نے احتجاج نہ کیا۔ اپنے خیمے کے اندر داخل ہوتے ہی وہ بستر پر لیٹ گیا۔

طبیب کو عاصم کی اہمیت کا احساس تھا اور وہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اُس کی خبرگیری کے لئے آتا رہا۔ لیکن اُس کی ساری کوششوں کے باوجود عاصم کے بخار میں کوئی افاقہ نہ ہُوا۔ عاصم کے دوست بھی باری باری اُس کی تیمارداری کے لئے آتے رہے۔ سہ پہر کے وقت طبیب نے عاصم کو دوا پلانے کے بعد کہا "سپہ سالار نے تین مرتبہ مجھے بلا کر آپ کے متعلق پوچھا ہے اور اب وہ بذاتِ خود یہاں آ رہے ہیں۔"

عاصم نے کہا "انہیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہ تھی۔"

"وہ کل صبح یہاں سے کوچ کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور جب سے میں نے انہیں یہ بتایا ہے کہ کل آپ سفر کرنے کے قابل نہیں ہوں گے اس وقت سے وہ بہت پریشان ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی حالت دیکھنے کے بعد وہ اپنا ارادہ ملتوی کر دیں گے۔"

"نہیں میری خاطر انہیں اپنا ارادہ ملتوی نہیں کرنا چاہیئے۔ فوج کو جلد از جلد کسی ایسے مقام پر پہنچنے کی ضرورت ہے۔ جہاں سپاہیوں کے لئے رسد اور گھوڑوں کے لئے چارے کا انتظام ہو سکے۔"

طبیب نے کہا "سپہ سالار کے ساتھ وہ بوڑھا سردار بھی آپ کی تیمارداری کے لئے آ رہا ہے جس کے بیٹے نے آپ کا قیمتی گھوڑا ہلاک کیا تھا۔"

"وہ لوگ ابھی تک گئے نہیں ؟"

"دوسرے سردار قیدیوں کے ساتھ چلے گئے ہیں لیکن یہ باپ اور بیٹا چند منزل فوج کا ساتھ دیں گے۔ انہوں نے ایک دن کے لئے سپہ سالار کو اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دی ہے۔ اور سپہ سالار نے اس شرط پہ یہ دعوت قبول کر لی ہے کہ وہ ہمیں اِس خطرناک علاقے سے گزرنے میں مدد دیں گے۔ ان جنگجو لوگوں کے طرزِ عمل میں تبدیلی کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ نے ایک با اثر سردار کے بیٹے کے ساتھ نیک سلوک کیا ہے۔"

سپہ سالار، حبشی سردار اور اُس کے بیٹے اور طبیب کے اُس قیدی کے ساتھ جس نے صبح کی ملاقات میں

مترجم کا فرض ادا کیا تھا، خیمے کے اندر داخل ہُوا اور عاصم اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تم لیٹے رہو عاصم" اُس نے کہا "اب تمہارا کیا حال ہے ؟"

"میں ٹھیک ہوں" عاصم نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہُوئے جواب دیا۔

"تم ٹھیک نہیں ہو اور میں تمہارے متعلق بہت فکرمند ہوں۔ ہمیں کل یہاں سے کوچ کرنا ہے۔ لیکن تم شاید چند دن اور سواری نہ کر سکو۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ تمہارے لئے کشتی کا انتظام کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے ایک کشتی اور چند تجربہ کار ملاح فراہم کرنے کا انتظام کیا ہے۔"

عاصم نے جواب دیا "پانی کے بہاؤ کے خلاف کشتی کی رفتار بہت سست ہو گی اور میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ کو میری وجہ سے بار بار راستے میں رکنا پڑے پھر میری حالت ابھی ایسی نہیں کہ میں گھوڑے پر سواری نہ کر سکوں۔ اگر میں نے راستے میں زیادہ تکلیف محسوس کی تو میں ایک بیکار آدمی کی حیثیت سے آپ کا ساتھ دینے کی بجائے چند دن کے لئے کسی جگہ رک جاؤں گا۔ موجودہ حالات آپ کو مزید وقت ضائع کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اگر چند دن تک سیلاب کا موسم شروع ہو گیا تو یہ سارا علاقہ دلدل بن جائے گا۔ اور آپ کے لئے رسد کا مسئلہ اور زیادہ نازک صورت اختیار کر لے گا۔"

سپہ سالار نے عمر رسیدہ سردار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ اِس علاقے کا سب سے زیادہ با اثر سردار ہے۔ اور تمہاری تیمارداری کے لئے آیا ہے۔"

عاصم نے سردار کی طرف دیکھا اور کہا "میں تمہارا شکر گزار ہوں"۔ مترجم نے عاصم کے الفاظ کا مطلب بیان کیا تو اُس نے اپنے گلے سے مختلف رنگوں کے چمکدار پتھروں کا ہار اتارا اور آگے بڑھ کر عاصم کے گلے میں ڈال دیا۔

عاصم نے مترجم کی طرف دیکھا تو اُس نے کہا "یہ لوگ کسی کو اس سے بڑا انعام نہیں دے سکتے۔ آپ کو ہار پہنانے کا مطلب یہ ہے کہ اِس سردار نے آپ کو اپنے اقتدار میں حصہ دار بنا لیا ہے۔ آج سے آپ کے دوست اِس کے قبیلے کے دوست اور آپ کے دشمن اس کے دشمن ہوں گے اور صرف یہی نہیں بلکہ جو قبائل ان کے حلیف ہیں وہ بھی یہ نشانی دیکھنے کے بعد آپ کو اپنا دوست سمجھیں گے۔"

تھوڑی دیر بعد سپہ سالار اور اُس کے ساتھی چلے گئے اور عاصم لیٹ گیا۔ سارے دن اُسے تیز بخار رہا!

رہا لیکن شام کے وقت طبیب اُس کو دیکھنے آیا تو وہ پسینے میں شرابُور تھا۔ طبیب نے اُس کی نبض دیکھنے کے بعد کہا۔ "عاصم! تمہارا بخار اُتر گیا ہے لیکن اگر تم سفر کرنے سے پہلے دو تین دن آرام کر لیتے تو بہتر ہوتا۔"

جواب دیا۔ "نہیں اب مجھے آرام کی ضرورت نہیں۔"

○

اگلی دوپہر دریائے نیل کے کنارے ایک بستی کے باہر گردونواح کے ہزاروں سیاہ فام باشندے اپنے سردار اور اس کے مہمانوں کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ عاصم جو تھکاوٹ سے نڈھال ہو چکا تھا گھوڑے سے اترتے ہی ایک درخت کے سائے میں لیٹ گیا۔

چند گھنٹے گہری نیند سونے کے بعد وہ بیدار ہوا تو رات ہو چکی تھی۔ اُس نے اٹھ کر کلاڈیوس کے اصرار پر چند نوالے منہ میں ڈالے، پانی پیا اور پھر لیٹ گیا۔

کلاڈیوس نے کہا۔ "اس بستی کا سردار اور اُس کا بیٹا آپ کو اپنے جھونپڑے میں ٹھہرانے پر مصر تھے لیکن آپ سو رہے تھے اور میں نے انہیں جگانے سے منع کر دیا تھا۔ میں نے آپ کا خیمہ نصب کرا دیا ہے اور اب آپ وہاں آرام کریں تو بہتر ہو گا۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "نہیں تم میرے لئے صرف چٹائی لا کر یہاں بچھا دو، میں کھلی ہوا میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

کلاڈیوس اٹھا اور اُس نے پاس ہی ایک خیمے سے چٹائی لا کر بچھا دی۔ عاصم چٹائی پر لیٹ گیا اور تھوڑی دیر کلاڈیوس سے باتیں کرنے کے بعد دوبارہ گہری نیند سو گیا۔

علی الصباح فوج اگلی منزل کا رُخ کر رہی تھی اور عاصم جس نے گھوڑے پر سوار ہوتے وقت اپنے جسم کے سارے پٹھوں میں کھچاؤ اور درد محسوس کیا تھا، دوبارہ سردی سے کانپ رہا تھا۔ دو تین میل چلنے کے بعد جب اُس کے دانت بجنے لگے تو کلاڈیوس نے، جو پیدل اُس کے ساتھ آ رہا تھا، کہا۔ "آپ کی طبیعت ٹھیک معلوم نہیں ہوتی۔ آپ کانپ رہے ہیں۔"

"مجھے پھر بخار ہو رہا ہے۔" عاصم نے جواب دیا۔

"میں طبیب کو اطلاع دیتا ہوں۔"

"نہیں ابھی نہیں۔ اگلی منزل پر دیکھا جائے گا۔"

"منزل ابھی دور ہے اور مجھے ڈر ہے کہ ......"

عاصم نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تم خاموش رہو۔"

عاصم کے تیور دیکھ کر کلاڈیوس کو دوبارہ کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ لیکن ایک ساعت اور چلنے کے بعد جب وڑے کی زین پر سیدھا بیٹھنے کی بجائے کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف جھکا جا رہا تھا، کلاڈیوس نے س کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور ہاتھ کے اشارے سے پیچھے آنے والے سواروں کو روک لیا۔

کلاڈیوس نے عاصم کو سہارا دے کر گھوڑے سے اتارا اور ایک جھاڑی کے سائے میں لٹا دیا۔ تھوڑی دیر ں عاصم کے کئی دوست اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ سپہ سالار گھوڑا بھگاتا ہوا وہاں پہنچا اور اُس نے پوچھا۔ "کیا بات ہے تم رُک کیوں گئے؟"

ایک عرب نے عاصم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اِن کی حالت ٹھیک نہیں۔"

سپہ سالار گھوڑے سے کود کر عاصم کے قریب پہنچا اور اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "کیا بات ہے؟ عاصم! تمہیں پھر بخار ہو گیا۔"

عاصم نے سپہ سالار کی طرف دیکھا اور جواب دینے کی بجائے آنکھیں بند کر لیں۔ سپہ سالار نے ارد گرد جمع ہونے والے سواروں کی طرف دیکھا اور کہا۔ "طبیب کو بلاؤ اور پیچھے آنے والے دستوں کو اطلاع دو کہ ہم کچھ دیر یہیں قیام کریں گے۔"

عاصم نے آنکھیں کھولیں اور نحیف آواز میں کہا۔ "نہیں! آپ کو دوپہر تک سفر جاری رکھنا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ شام تک میرا بخار اتر جائے گا اور پھر میں آپ سے آملوں گا۔"

تھوڑی دیر بعد طبیب عاصم کا معائنہ کر رہا تھا اور حبشی سردار، اس کا بیٹا اور وہ قیدی جسے مترجم کا فریضہ سونپا جا چکا تھا، ایک طرف کھڑے اُس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

سپہ سالار نے عمر رسیدہ سردار سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اب آپ کو اس کے لئے ایک کشتی کا بندوبست

کرنا پڑے گا"۔

سردار نے جواب دیا "یہاں سے تھوڑی دور دریا کے کنارے ایک بستی ہے اور وہاں سے ایک کشتی مل سکتی ہے لیکن اس نوجوان کو ایسی حالت میں آگے لے جانا ٹھیک نہیں۔ اگر آپ مجھ پر اعتماد کریں تو میں اسے اپنی بستی میں پہنچا دیتا ہوں۔ ہم اس موسمی بخار کا علاج جانتے ہیں۔ بخار اترنے کے بعد جب یہ سواری کے قابل ہو جائے گا تو میرے آدمی اسے آپ کے پاس پہنچا دیں گے"۔

طبیب نے کہا "یہ درست کہتا ہے۔ عاصم سفر کے قابل نہیں اسے چند دن آرام کی سخت ضرورت ہے"۔

سپہ سالار نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "عاصم! تم ان لوگوں کے ساتھ رہ سکو گے؟"

عاصم نے شکست خوردہ لہجے میں جواب دیا۔ "آپ فکر نہ کریں مجھے ان پر پورا اعتماد ہے"۔

سپہ سالار ایک عرب رئیس کی طرف متوجہ ہوا۔ "تم جانتے ہو کہ اس مہم میں میرے لئے عاصم کو اپنے ساتھ رکھنا کتنا ضروری ہے لیکن اب یہ زخمی بھی ہے اور بیمار بھی اور میں ایسے بہادر آدمی کی زندگی خطرے میں ڈالنا مناسب خیال نہیں کرتا۔ موجودہ حالت میں ہمارے لئے اسے اپنے ساتھ لے جانے کی واحد صورت یہ ہے کہ اس کے لئے کشتی کا انتظام کیا جائے لیکن دریا کے بہاؤ کے خلاف کشتی کی رفتار اس قدر سست ہوگی کہ ہمیں بار بار رک کر اس کا انتظار کرنا پڑے گا۔ آگے چل کر جب پہاڑیوں میں دریا کا پاٹ تنگ اور پانی کا بہاؤ تیز ہو جائے گا، تو ہمارے لئے یہ مسئلہ زیادہ پریشان کن بن جائے گا۔ اس لئے اگر تم عاصم کی عدم موجودگی میں اپنے آدمیوں کی قیادت کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھا سکو اور تمہارے آدمی مجھے یہ اطمینان دلا سکیں کہ وہ عاصم کی غیر حاضری میں ہمت نہیں ہار بیں گے تو میں اسے پیچھے چھوڑنے کے لئے تیار ہوں"۔

عرب رئیس نے کہا۔ "عاصم کو ہمارے سرداروں نے اپنا راہنما تسلیم کیا تھا۔ اور ہمارا کوئی ساتھی ایسا نہیں جسے اس کی جان اپنی جان سے زیادہ عزیز نہ ہو۔ اگر آپ کو کوئی بے اطمینانی ہے تو آپ بذاتِ خود ان سے اطمینان کر لیں"۔

"اگر تم مطمئن ہو تو مجھے اطمینان کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں عاصم کے فرائض تمہیں سونپتا ہوں"۔ سپہ سالار یہ کہہ کر بوڑھے سردار کی طرف متوجہ ہوا۔ "عاصم تندرست ہونے تک آپ کا مہمان ہوگا۔ آپ فوراً کشتی کا انتظام کریں

اس کا یہ مطلب نہیں ہونا چاہیئے کہ آپ بھی ہمارا ساتھ چھوڑ کر واپس چلے جائیں۔ آپ کو چند منزلوں تک کی راہنمائی کا وعدہ بہر حال پورا کرنا پڑے گا۔

"آپ مطمئن رہیں۔ میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ ان کی تیمارداری میرے بیٹے کے ذمے ہوگی۔ اسے بات کا افسوس تھا کہ یہ اپنے محسن کے لئے کچھ نہیں کر سکا۔ میں ابھی کشتی کا انتظام کرتا ہوں"۔ بوڑھا سردار یہ کہہ کر اپنے بیٹے اور قبیلے کے چند آدمیوں کے ساتھ وہاں سے چل دیا۔

سپہ سالار نے عاصم سے کہا۔ "تم اپنے آدمیوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہو؟"

"نہیں، میری تیمارداری کے لئے کلاڈیوس کافی ہوگا"۔

"اگر تم کلاڈیوس کی وفاداری پر اعتماد کر سکتے ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں"۔

عاصم نے جواب دیا۔ "مجھے کلاڈیوس کی انسانیت پر پورا اعتماد ہے۔ لیکن ہم دونوں ان لوگوں کی زبان نہیں جانتے، اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ طیبہ کے قیدیوں میں سے ان لوگوں کی زبان جاننے والے ایک آدمی کو میرے پاس چھوڑ جائیں"۔

سپہ سالار نے مترجم کی طرف دیکھ کر کہا۔ "مجھے یہ آدمی قابلِ اعتماد معلوم ہوتا ہے۔ تم اسے لے جاؤ"۔

کچھ دیر بعد عاصم نیم بے ہوشی کی حالت میں ایک کشتی میں لیٹا ہوا تھا اور کلاڈیوس کے علاوہ سردار کا بیٹا میمون اور طیبہ کا قیدی ارکوس اس کے ساتھ بیٹھے تھے۔ سردار کے قبیلے کا ایک اور نوجوان عاصم کے گھوڑے کی باگ پکڑے دریا کے کنارے کنارے چل رہا تھا۔



عاصم نے ہوش میں آ کر آنکھیں کھولیں تو آسمان پر دن کے سورج کی بجائے رات کے ستارے جگمگا رہے تھے۔ اس کا جسم پسینے میں شرابور تھا۔ اور حلق پیاس سے چٹخ رہا تھا، وہ کچھ دیر بے حس و حرکت پڑا رہا، پھر اچانک مضطرب سا ہو کر اٹھا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اسے یہ معلوم کرنے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ وہ ابھی تک کشتی پر سوار ہے۔ دو ملاح لمبے بانسوں سے کشتی کھینے میں مصروف تھے۔ چند آدمی گہری نیند سو رہے تھے۔ یہ کشتی اس کشتی

یہ بڑی معلوم ہوتی تھی۔ جس پر وہ دن کے وقت سوار ہوا تھا۔ میں کہاں ہوں۔ سردار کی بستی زیادہ دُور نہیں تھی اور ہمیں غروب آفتاب سے پہلے وہاں پہنچ جانا چاہیئے تھا۔ کچھ دیر اِس قسم کے خیالات اُسے پریشان کرتے رہے پھر وہ کلاڈیوس کو آوازیں دینے لگا۔

کلاڈیوس جو اُس کے قریب پڑا ہوا تھا، چونک کر اٹھا۔

عاصم نے کہا۔ "کلاڈیوس ابھی تک ہم اُس بستی میں نہیں پہنچے اب تو رات ہوگئی ہے۔"

کلاڈیوس نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا۔ "نہیں! اب تو صبح ہونے والی ہے اور ہم اُس بستی سے کئی میل آگے آ چکے ہیں۔"

عاصم پر تھوڑی دیر کے لئے سکتہ طاری ہوگیا۔ بالآخر اُس نے کہا۔ "کلاڈیوس! تم مجھے کہاں لئے جا رہے ہو؟"

کلاڈیوس نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ پریشان نہ ہوں، میں صرف ایک دوست کا فرض ادا کر رہا ہوں۔ جب ہم بستی کے قریب پہنچے تھے تو آپ بخار سے بے ہوش تھے۔ اور ارکوس سارے راستے مجھ سے یہ کہتا آیا تھا کہ آپ کے علاج کے لئے ہمیں طیبہ کے سوا کسی اور جگہ اچھا طبیب نہیں مل سکتا۔ خوش قسمتی سے وہاں ایک کشادہ کشتی موجود تھی اور سردار کا بیٹا میرے اصرار پر آپ کو طیبہ پہنچانے پر رضامند ہوگیا۔"

عاصم نے کہا۔ "تم سردار کے بیٹے کو جگاؤ میں واپس جانا چاہتا ہوں۔"

"سردار کا بیٹا یہاں نہیں ہے۔"

"مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ مجھ سے نجات حاصل کرنا چاہتا تھا۔"

"جناب وہ آپ کو اپنے پاس ٹھہرانے پر مصر تھا اور مجھے خاصی دیر اُس سے جھگڑنا پڑا تھا۔ یہ کشتی اور ملاح حاصل کرنے کے لئے میں نے اُسے آپ کا گھوڑا پیش کیا تھا۔"

"کلاڈیوس! تم نے اچھا نہیں کیا۔ ملاحوں سے کہو کہ وہ کشتی واپس لے چلیں۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔"

عاصم کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا وہ دیر تک تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کلاڈیوس کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا۔ "مجھے پانی دو۔"

کلاڈیوس نے کشتی سے لکڑی کا پیالہ اٹھایا اور دریا کے پانی سے بھر کر عاصم کو پیش کر دیا۔ عاصم نے پانی پینے کے بعد اُسے پیالہ واپس دیتے ہوئے کہا۔ "کلاڈیوس تم نے شاید میری تلوار بھی کہیں غائب کر دی ہے۔"

"نہیں! آپ کی تلوار یہیں ہے۔ میں نے صرف آپ کی تکلیف کے احساس سے اتار دی تھی۔ لیجئے!"

کلاڈیوس نے یہ کہہ کر نیام سمیت تلوار اٹھائی اور اُسے پیش کر دی۔ لیکن عاصم نے نیام کی بجائے اچانک تلوار کا دستہ پکڑ کر تلوار کھینچ لی اور پیشتر اِس کے کہ کلاڈیوس کوئی مزاحمت کر سکتا، تلوار کی نوک اُس کے سینے سے چھو رہی تھی۔

عاصم نے کہا۔ "کلاڈیوس! میں بیمار ہوں، لیکن اتنا بے بس نہیں ہوں کہ تم میرے گلے میں رسی ڈال کر جہاں چاہو، لے جاؤ۔"

کلاڈیوس نے اطمینان سے جواب دیا۔ "اگر ایک بہادر آدمی کی جان بچانا جرم ہے تو تم مجھے قتل کر سکتے ہو۔"

"ملاحوں سے کہو کہ وہ یا تو کشتی واپس لے چلیں ورنہ کنارے پر لگا دیں۔"

"یہ ملاح میری زبان نہیں سمجھتے۔"

"تو پھر ارکوس کو جگاؤ۔"

"میں جاگ رہا ہوں" ارکوس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اور اگر آپ اُس بستی میں دفن ہونے کا فیصلہ کر چکے ہیں تو میں کلاڈیوس کو یہ مشورہ دوں گا کہ اُسے آپ کا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔"

"آخر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" عاصم نے مذبذب ہو کر پوچھا۔

ارکوس نے کہا۔ "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اپنے گھر پہنچ جاؤں اور مرنے سے پہلے اُس شہر کی ایک جھلک دیکھ لوں جہاں میری بیوی اور بچے میرا انتظار کر رہے ہیں اور آپ میرا راستہ نہیں روک سکتے۔ اپنی زندگی کی اِس آخری خواہش کی تکمیل کے لئے میں دریا میں کودنے کے لئے بھی تیار ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ مجھے مگرمچھ نگل جائے لیکن آپ کا ہاتھ مجھ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ کلاڈیوس کی خواہش مجھ سے مختلف نہیں ہو سکتی، لیکن یہ آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر بھاگنے کا حوصلہ نہیں کر سکتا۔ ورنہ سردار کے بیٹے نے ہم سے یہ بھی

کہا تھا کہ تم طیبہ جا کر کسی اچھے طبیب کو لے آؤ۔ آپ کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ جب آپ بے ہوش تھے تو آپ کی تلوار کلاڈیوس کے ہاتھ میں تھی۔"

عاصم نے تلوار ایک طرف پھینک دی اور کرب انگیز لہجے میں کہا۔ "کلاڈیوس! تم جانتے ہو کہ میں تمہیں قتل نہیں کر سکتا۔"

اُس نے جواب دیا۔ "میں جانتا ہوں اور اگر مجھے یہ اطمینان نہ ہوتا تو میں یہ تلوار آپ کے حوالے نہ کرتا۔ ابھی میں آپ کی طرح زندگی سے مایوس نہیں ہوا۔"

"تم مجھے طیبہ لے جانا چاہتے ہو؟"

"نہیں میں آپ کو بہت دُور لے جانا چاہتا ہوں۔ کسی ایسی جگہ جہاں آپ اپنا کھویا ہوا سکون تلاش کر سکیں۔ لیکن میرے سامنے پہلا مسئلہ آپ کو اس بیماری سے نجات دلانا ہے۔ اگر طیبہ میں آپ کی صحت ٹھیک نہ ہوئی تو ہم آپ کو بابلیون لے جائیں گے۔ جب آپ تندرست ہو جائیں گے تو اِس بات کا فیصلہ کرنا آپ کے اختیار میں ہو گا کہ آپ جس چیز کی تلاش میں گھر سے نکلے تھے وہ آپ کو کہاں مل سکتی ہے۔ ممکن ہے کسی منزل پر ہمارے راستے ایک دوسرے سے جُدا ہو جائیں لیکن مجھے اتنا اطمینان ضرور ہو گا کہ میں اپنی ہمت کے مطابق اُس شریف دشمن کے احسان کا بدلہ دے چکا ہوں، جس نے مجھے موت کے منہ سے نکالا تھا۔"

عاصم نے کہا۔ "لیکن میرے ساتھی کیا کہیں گے؟ سپہ سالار میرے متعلق کیا خیال کرے گا۔ اور میں اپنی زندگی کی رہی سہی دلچسپیوں سے کنارہ کش ہو کر کیا کروں گا۔ کلاڈیوس! مجھے کنارے پر اتار دو۔ اس کے بعد تم آزاد ہو گے۔"

کلاڈیوس نے ایک فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔ "اس وقت مجھے اپنی آزادی سے زیادہ تمہاری زندگی عزیز ہے۔ اور میں تمہاری یہ غلط فہمی دور کر دینا چاہتا ہوں کہ سپہ سالار تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ اُسے صرف یہ خدشہ تھا کہ اگر تم راستے میں چل بسے تو عرب رضاکاروں میں بددلی پھیل جائے گی لیکن اُس کا یہ خدشہ دُور ہو چکا ہے۔ اور چند منزلیں اور طے کرنے کے بعد تمہارے ساتھی اگر ایرانیوں کی فتوحات کے لئے نہیں تو کم از کم اپنی بقا کے لئے ہی اُس کا حکم ماننے پر مجبور ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر سردار کی بستی کا کوئی آدمی

کے پاس تمہاری موت یا تمہارے روپوش ہو جانے کی خبر لے جائے تو اُس کی انتہائی کوشش یہ ہو گی کہ یہ عرب رضاکاروں پر ظاہر نہ ہو ــــــ پھر اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ فوج کا ساتھ چھوڑنے کے بعد تمہاری زندگی میں بہت بڑا خلا پیدا ہو جائے گا تو یہ ایک غلط فہمی ہے۔ آج میں تمہاری یہ خود فریبی دُور کر دینا چاہتا ہوں کہ مہم کا کوئی مقصد تھا۔ تمہارا سپہ سالار یہ جانتا ہے کہ اس فوج کے ساتھ اُس کے لئے حبشہ فتح کرنا ناممکن ہے صرف اِس لئے پیش قدمی کر رہا ہے کہ اپنے حکمران کے سامنے اپنی کمزوری کا اعتراف کرنے کی جرأت نہیں رکھتا۔ جس سپہ سالار کی آخری اُمید یہ ہو کہ کسی نہ کسی دن اُسے واپسی کے لئے بلاوا آ جائے گا اور وہ شکست یا پسپائی کی ذلت سے بچ جائے گا۔ میں اُس کے جھنڈے تلے کسی عظیم مقصد کے حصول کے لئے جان دینا بھی حماقت خیال کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ کسریٰ اب اپنی ساری قوت قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لئے جمع کر رہا ہو گا اور اس مہم کی کامیابی یا ناکامی اُس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی ــــــ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ کمک بھیجنے میں اس قدر تساہل سے کام نہ لیتا۔ عاصم! تم اب آرام سے لیٹ جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ جب زمانے کے حالات بدلیں گے تو تم مجھے اپنا دشمن نہیں سمجھو گے۔"

عاصم نے لیٹتے ہوئے کہا۔ "کلاڈیوس! تم مجھے پھر اُس ویرانے کی طرف دھکیل رہے ہو، جہاں میرے لئے بے نشان راستے کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔"

باب ۲۶

طلوعِ سحر کے وقت، رات بھر کشتی کھینے والے ملاحوں نے اپنے ساتھیوں کو جگایا اور کشتی اُن کے سپرد کرکے سو گئے۔ صبح کی تازہ ہوا میں عاصم کا بخار ہلکا ہو چکا تھا اور وہ فضا میں اڑنے والے اور دریا کے کناروں پر اِدھر اُدھر بھاگنے والے عجیب و غریب جانوروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دریا کے ایک موڑ کے قریب پہنچتے ہی اُسے اچانک نقاروں کی صدائیں سنائی دینے لگیں، عاصم اور اُس کے ساتھی اضطراب کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ارکموس نے ملاحوں سے چند باتیں کرنے کے بعد عاصم کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ ”آپ پریشان نہ ہوں، یہ نقارے آپ کو دوستی کا پیغام دے رہے ہیں۔ کل ہماری روانگی سے قبل سردار کے بیٹے نے راستے کی بستیوں کو خبردار کرنے کے لئے اپنے ایلچی روانہ کر دیئے تھے۔“

دریا کے موڑ سے آگے کنارے کے ایک ٹیلے پر انہیں سیاہ فام انسانوں کا ہجوم دکھائی دیا۔ ایک آدمی گھوڑے کی باگ تھامے اُن کے درمیان کھڑا ہاتھ سے اشارے کر رہا تھا۔

کلاڈیوس نے کہا۔ ”وہ سردار کا بیٹا ہے۔ لیکن وہ یہاں کیا کر رہا ہے؟“

عاصم بولا۔ ”ممکن ہے وہ مجھے واپس لے جانا چاہتا ہو۔“

کلاڈیوس نے اطمینان سے جواب دیا۔ ”مجھے یقین نہیں کہ وہ آپ کے ساتھ اس قدر دشمنی کرے گا۔“

عاصم نے کہا۔ ”کلاڈیوس! اگر میں اُس کے ساتھ جانا چاہوں تو مجھے روکنے کی کوشش کرو گے؟“

”نہیں! اب میں آپ کو روکنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ بلکہ خود بھی آپ کے ساتھ واپس چلا جاؤں گا۔“

کلاڈیوس کے طرزِ عمل میں یہ تبدیلی عاصم کے لئے ناقابلِ فہم تھی، اُس نے پوچھا۔ ”کیا تم اُس منزل سے مُنہ پھیر لو گے، جہاں زندگی کی تمام راحتیں تمہارا انتظار کر رہی ہیں؟“

کلاڈیوس نے جواب دیا۔ ”میرے لئے یہ ایک مجبوری ہو گی۔ میں یہ جانتا ہوں کہ آپ کا ساتھ چھوڑ کر میرے لئے بابلیون پہنچنا ناممکن ہے۔ ایرانی مجھے طیبہ سے آگے نہیں جانے دیں گے۔ لیکن مجھے اس بات کا افسوس ہو گا کہ آپ کسی مجبوری کے بغیر زندگی سے اپنا رشتہ توڑ رہے ہیں۔“

عاصم نے کہا۔ ”کلاڈیوس! زندگی سے میرے سارے رشتے اُس دن ٹوٹ گئے تھے جب میں اپنے وطن سے نکلا تھا۔ اِس کے بعد مجھے اپنی تمام خواہشیں اور دلچسپیاں ایک مذاق معلوم ہوتی ہیں۔ بلکہ بعض اوقات مجھے یہ شبہ ہونے لگتا ہے کہ میں کبھی زندہ تھا۔ میرا ماضی ایک خواب ہے جس کی کوئی تعبیر نہیں۔ میں نے چاروں طرف سے مایوس ہو کر جنگ کے ہنگاموں میں پناہ لینے کی کوشش کی تھی لیکن اب مجھے اپنے عظیم ترین کارنامے بھی ایک مذاق معلوم ہوتے ہیں۔ میرے دوست! تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے —— میں اب واپس نہیں جاؤں گا۔ اور شاید طیبہ میں قیام کرنا بھی پسند نہیں کروں گا۔ رات تم سے باتیں کرنے کے بعد میں زندگی کی بجائے موت کے متعلق سوچ رہا تھا اور میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ اب اگر میں ایک ایسے انسان کے کام آسکوں جس کے مستقبل کا راستہ سدا بہار نخلستانوں کی طرف جاتا ہے۔ تو اِس کے بعد میرے لئے موت کا چہرہ شاید اس قدر بھیانک نہ ہو گا۔ میں تمہارے ساتھ جاؤں گا کلاڈیوس! اور اگر بابلیون پہنچ کر میری کوئی تدبیر کارگر ہو سکی تو تم بہت جلد اپنے وطن کی ہوا میں سانس لے سکو گے۔ لیکن میں تم سے ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں۔“

”کہیئے!“ کلاڈیوس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”کیا مجھے تمہارے وطن میں اپنی بیکاری کے لمحات کاٹنے کے لئے ایک چھوٹی سی چراگاہ اور چند بھیڑیں مل جائیں گی؟“

”ہاں“ کلاڈیوس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ ”لیکن مجھے ڈر ہے کہ اگر ایرانی وہاں پہنچ گئے تو آپ کو وہاں بھی اپنی چھوٹی سی چراگاہ اور چند بھیڑوں کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھانی پڑے گی۔“

عاصم گہری سوچ میں پڑ گیا۔ کشتی کنارے پر لگی تو سردار کا بیٹا گھوڑے سے اتر کر بھاگتا ہوا آگے بڑھا

اور اُس نے عاصم سے مخاطب ہو کر کہا:" آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ مجھے ساری رات یہ خیال پریشان کرتا رہا کہ دن کی تیز دھوپ میں کسی چھپر کے بغیر کشتی پر سفر کرتے ہوئے آپ کو بہت تکلیف ہوگی۔ یہ لوگ ہمارے دوست ہیں اور میرا پیغام سُن کر آپ کو الوداع کہنے آئے ہیں۔ یہ آپ کے لئے ہرن، پرندوں اور مچھلیوں کا تازہ شکار بھی لائے ہیں۔ آپ کشتی سے اُتر کر تھوڑی دیر آرام کرلیں، میں کشتی پر چھپر ڈلوا دیتا ہوں۔"

مترجم نے سردار کے بیٹے کا مفہوم بیان کیا اور عاصم اُس کا شکریہ ادا کرنے کے بعد کشتی سے اُتر کر دریا کے کنارے ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

سردار کا بیٹا اور مقامی معززین اُس کے گرد بیٹھ گئے اور چند آدمی کشتی پر گھاس پھونس کا چھپر ڈالنے میں مصروف ہوگئے۔

ایک ساعت بعد یہ کام ختم ہو چکا تھا اور کشتی پر شکار لادا جا رہا تھا۔ عاصم نے اٹھ کر سردار کے بیٹے سے مصافحہ کرتے ہوئے دوبارہ اُس کا شکریہ ادا کیا اور کشتی پر سوار ہوگیا۔ جب کشتی روانہ ہونے لگی تو سردار کے بیٹے نے کنارے سے بلند آواز میں کہا "میں اب واپس جا رہا ہوں۔ آپ کو اگلی منزلوں پر میری ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہم نے راستے کے دوسرے قبائل کو خبردار کرنے کے لئے ایلچی بھیج دیئے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کی ہر ممکن اعانت کریں گے۔ اس گھوڑے کے لئے میں آپ کا شکرگزار ہوں۔ مجھے اس جانور پر سواری کرنے کا بہت شوق تھا۔"

عاصم نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے سلام کیا اور کشتی وہاں سے چل پڑی۔

○

ایک دن طیبہ کا ایرانی حاکم انتہائی پریشانی کی حالت میں قدیم شاہی محل کے ایک کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ ایک سپاہی کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے جھک کر سلام کرتے ہوئے کہا "حضور! اسکندریہ کا ایلچی حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔"

طیبہ کے حاکم نے غصے کی حالت میں سپاہی کی طرف دیکھا اور کہا "اُسے لے آؤ۔"

سپاہی سلام کر کے واپس چلا گیا اور وہ نڈھال سا ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک نوجوان جو اپنے لباس سے، ایک معزز ایرانی معلوم ہوتا تھا، کمرے میں داخل ہوا، اور انتہائی بے تکلفی کے ساتھ طیبہ کے حاکم کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا "میں صبح سے آپ کے حکم کا انتظار کر رہا ہوں، آپ نے کیا انتظام کیا ہے؟"

طیبہ کے حاکم نے جواب دیا "میں کل علی الصباح آپ کے ساتھ سواروں کا ایک دستہ روانہ کر سکتا ہوں لیکن اس بات کا ذمہ نہیں لے سکتا کہ آپ بخیریت وہاں پہنچ جائیں گے۔"

ایلچی نے کہا "اسکندریہ کے گورنر کے نام شہنشاہ کا فرمان یہ تھا کہ حبشہ کی طرف پیش قدمی کرنے والے لشکر کو کسی تاخیر کے بغیر آگے بڑھنے سے روک دیا جائے۔ اور نصف فوج ایشیائے کوچک کے محاذ کی طرف روانہ کر دی جائے۔ آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس حکم کی تعمیل میں ذرا سی کوتاہی کے نتائج ہمارے لئے کتنے خطرناک ہو سکتے ہیں۔"

"میرے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں لیکن ہمارے گورنر نے یہ کیسے فرض کر لیا ہے کہ آپ کسی روک ٹوک کے بغیر وہاں پہنچ جائیں گے۔ اب ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ فوج کتنی دور جا چکی ہے۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ نوبہ میں ہمارے سینکڑوں آدمی ہلاک ہو چکے ہیں اور جب سپہ سالار نے یہ پیغام بھیجا تھا کہ ایک زبردست کمک کے بغیر اس مہم کی کامیابی کی کوئی امید نہیں تو اُن کے ایلچی کو بابلیون سے یہ کہہ کر واپس بھیج دیا گیا تھا کہ شہنشاہ تمہاری طرف سے حبشہ کی فتح کے سوا کوئی اور خبر سننا پسند نہیں کریں گے۔"

ایلچی نے جواب دیا "شہنشاہ نے حبشہ فتح کرنے کا ارادہ ترک نہیں کیا۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ کسی اور محاذ پر توجہ دینے سے پہلے قسطنطنیہ فتح کر لیا جائے۔ آپ اگر مجھے کل ہی یہاں سے روانہ کر دیتے تو بہتر ہوتا۔"

"ایک دن میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں سپاہیوں کو تیار رہنے کا حکم دے چکا ہوں، آپ رات کے پچھلے پہر یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

ایک ایرانی افسر ہانپتا ہوا کمرے میں داخل ہوا "جناب! پہریداروں نے ایک رومی کو گرفتار کیا ہے

لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ میں حبشہ کی طرف پیش قدمی کرنے والی فوج کے عرب دستوں کے سالار کا غلام ہوں اور دریا سے کشتی پر سوار ہو کر یہاں پہنچا ہوں۔ میں نے سپاہیوں کو کشتی کی تلاشی لینے کے لئے بھیج دیا ہے۔"

طلیبہ کے حاکم نے پوچھا۔"وہ غلام کہاں ہے؟"

"جناب! ہم نے اُسے قید خانے میں بند کر دیا ہے۔ لیکن وہ آپ سے ملنے پر مصر ہے۔"

"اُسے یہاں لے آؤ۔ نہیں! میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" طلیبہ کا حاکم یہ کہہ کر افسر کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا، اسکندریہ کا ایلچی چند ثانیے تذبذب کی حالت میں بیٹھا رہا پھر وہ اچانک اٹھا اور بھاگتا ہوا اُن کے پیچھے ہو لیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ قید خانے کی ایک کوٹھڑی کے دروازے کے باہر کھڑے تھے۔ افسر کا اشارہ پا کر پہرے داروں نے کوٹھڑی کا دروازہ کھول دیا۔ کلاڈیوس لپک کر باہر نکلا اور اُس نے طلیبہ کے حاکم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"آپ عاصم کو جانتے ہیں۔ وہ حبشہ کی مہم پر جانے والی فوج میں عرب رضا کاروں کا سالار تھا۔"

"میں اُسے جانتا ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ اُس کے ساتھ میں تمہیں بھی دیکھ چکا ہوں۔"

کلاڈیوس نے کہا۔"عاصم دریا کے کنارے کشتی میں پڑا ہوا ہے، وہ بیمار ہے اور سپہ سالار کا یہ حکم ہے کہ اُسے بابلیون یا اسکندریہ پہنچا دیا جائے ——— اگر یہاں کوئی اچھا طبیب ہے تو آپ اُسے ہمارے ساتھ روانہ کر دیں۔"

طلیبہ کے حاکم نے سوال کیا۔"پہلے یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟"

"ہم کشتی پر آئے ہیں، اُن کے لئے گھوڑے پر سوار ہونا ممکن نہ تھا۔"

"تمہیں راستے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی؟"

"نہیں بلکہ راستے کے تمام قبائل نے ہمیں ہر ممکن مدد دی ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہمیں تو یہ اطلاع ملی تھی کہ وہ قدم قدم پر مزاحمت کر رہے ہیں۔"

"یہ اطلاع درست تھی لیکن اب ایک لڑائی میں نقصان اٹھانے کے بعد وہ آپ کی فوج کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ اگر اُن کے ایک بااثر قبیلے کا سردار ہمارے حال پر مہربان ہو کر ہمیں کشتی اور ملاح مہیا نہ کرتا

تو ہمارے لئے یہاں تک پہنچنا ناممکن تھا۔

طلیبہ کے حاکم نے کہا۔"چلو ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد طلیبہ کا حاکم، شہر کا ایک مشہور طبیب اور اسکندریہ کا ایلچی پہنچ چکے تھے۔ عاصم انہیں دیکھتے ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ لیکن طبیب نے جلدی سے آگے بڑھ کر اُس کی نبض دیکھی۔ اُسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر لٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔"تم آرام سے لیٹے رہو ہم تمہارے لئے ڈولی منگوا رہے ہیں۔"

عاصم نے طلیبہ کے حاکم سے مخاطب ہو کر کہا۔"اگر آپ مجھے کشتی سے اتارنے کی بجائے ہمیں کھانے پینے کا سامان مہیا کر دیں تو میں آپ کا شکر گزار رہوں گا۔ مجھے اس حالت میں کشتی سے اترنا پسند نہیں۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرے لئے بابلیون یا اُس سے آگے سمندر کے کنارے کسی شہر کی آب و ہوا بہتر ہوگی۔"

طبیب نے کہا۔"لیکن تمہیں سخت بخار ہے اور میں اس حالت میں سفر جاری رکھنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ تمہارے لئے چند دن یہاں ٹھہرنا بہتر ہو گا۔"

"نہیں! اس علاقے کی گرمی کی شدت مجھے تندرست نہ ہونے دے گی۔"

طلیبہ کے حاکم نے کہا۔"ہم تمہاری مرضی کے خلاف تمہیں یہاں روکنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ لیکن پہلے تم ہمیں یہ بتاؤ کہ ہمارے لئے سپہ سالار تک کوئی پیغام پہنچانے کی آسان ترین صورت کیا ہے؟ یہ ایلچی شہنشاہ کی طرف سے فرمان لے کر آیا ہے کہ فوج کو آگے بڑھنے سے روک دیا جائے اور سواروں کے دستے قسطنطنیہ کے محاذ پر بھیج دیئے جائیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔"اگر آپ میرے لئے نئے آدمیوں کا انتظام کر سکیں تو یہ ملاح کسی دقت کا سامنا کئے بغیر آپ کے ایلچی کو سپہ سالار کے پاس پہنچا سکتے ہیں۔"

"ہم تمہیں اِس سے زیادہ کشادہ اور آرام دہ کشتی اور انتہائی قابلِ اعتماد ملاح دے سکیں گے لیکن تم کو اس بات کی ذمہ داری لینی پڑے گی کہ یہ لوگ راستے میں ہمارے آدمیوں کو دھوکا نہیں دیں گے۔"

عاصم نے جواب دیا۔"ان کا سردار ہمارا دوست بن چکا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اُن کی رفاقت کی بنا پر راستے کا کوئی قبیلہ آپ کو پریشان نہیں کرے گا۔ میرے ساتھ راستے کے تمام قبائل کا سلوک انتہائی

وہ مستانہ تھا۔"

طیبہ کے حاکم نے کہا۔" نوبہ میں فوج کی مشکلات کی اطلاعات سننے کے بعد میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ سپہ سالار کے ساتھ رابطہ پیدا کرنے کے لئے بھی ہمیں ایک اچھی خاصی فوج روانہ کرنا پڑے گی۔ لیکن اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ قدرت نے تمہیں ہماری اعانت کے لئے یہاں بھیجا ہے۔"

ایلچی نے کہا۔" میں جلد از جلد سپہ سالار کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں اور آپ ان لوگوں کو یہ سمجھائیں کہ ان کی خدمات فراموش نہیں کی جائیں گی۔ اور سپہ سالار انہیں بڑے سے بڑے انعام کا حق دار سمجھے گا۔"

عاصم نے جواب دیا۔" یہ لوگ آپ سے کوئی معاوضہ نہیں چاہیں گے لیکن اگر آپ ان کو خوش کرنا چاہتے ہیں تو انہیں ایک ایک گھوڑا عنایت کر دیجئے۔ اس کے بعد یہ آپ پر اپنی جانیں نچھاور کرنے پر تیار ہو جائیں گے۔ گھوڑا ان کے لئے نایاب چیز ہے۔"

ایلچی نے طیبہ کے حاکم کی طرف دیکھا اور اُس نے کہا۔" میں انہیں اپنے اصطبل کے بہترین گھوڑے دینے کے لئے تیار ہوں۔"

عاصم کچھ دیر ارکوس کے ذریعے ملاحوں سے باتیں کرتا رہا اور پھر طیبہ کے حاکم کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔" یہ آپ کے ایلچی کو سپہ سالار کے پاس پہنچانے کا ذمہ لینے کو تیار ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ کسی ایسے آدمی کو بھیجنا ضروری ہے جو ان لوگوں کی زبان جانتا ہو۔"

طیبہ کے حاکم نے ارکوس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔" یہ کون ہے؟"

عاصم نے جواب دیا۔" یہ ایک قیدی ہے اور میں اسے بابلیون پہنچتے ہی آزاد کرنے کا وعدہ کر چکا ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ کو طیبہ میں ایسے لوگ مل جائیں گے جو ان لوگوں کی زبان جانتے ہوں۔"

ارکوس نے کہا۔" نوبہ کے سینکڑوں باشندے مقامی لوگوں کے ہاں ملازمت کرتے ہیں۔ آپ اُن میں سے کسی کو ان کے ساتھ بھیج سکتے ہیں۔"

طیبہ کا حاکم ارکوس کو مضطرب دیکھ کر مسکرایا۔" تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر عاصم تمہیں آزاد کرنے کا وعدہ کر چکا ہے تو ہم تمہیں واپس نہیں بھیجیں گے۔" پھر وہ عاصم سے مخاطب ہوا۔" تم مجھے سفر کے قابل نظر نہیں

آتے۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ چند دن یہاں قیام کرو؟"

" نہیں! آپ مجھے جانے دیں۔ میں اس علاقے کی گرمی میں صحت یاب ہو سکوں گا۔"

طیبہ کے حاکم نے طبیب سے پوچھا۔" تمہارا کیا خیال ہے؟"

" میرا تو یہی مشورہ ہے کہ انہیں آرام کرنا چاہیئے لیکن اگر یہ جانے پر بضد ہیں تو میں انہیں چند دن کے لئے دوائی دے سکتا ہوں۔"

طیبہ کے حاکم نے عاصم سے مخاطب ہو کر کہا۔" بہت اچھا! اگر تمہارا یہی ارادہ ہے تو ہم ابھی تمہارے سفر کا بندوبست کئے دیتے ہیں۔"

ایک ساعت بعد عاصم، کلاڈیوس اور ارکوس ایک خوبصورت بادبانی کشتی میں بابلیون کا رُخ کر رہے تھے۔



ایک روز آدھی رات کے قریب انطونیہ اور فرمس اپنے مکان کے صحن میں سو رہے تھے۔ اچانک انطونیہ کو ایسا محسوس ہوا کہ باہر سے کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور پریشان ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ جب رات کے سناٹے میں اُسے فرمس کے خراٹوں کے سوا کوئی اور آواز نہ سنائی دی تو وہ دوبارہ لیٹ گئی لیکن چند ثانیے کے بعد کسی نے پھر دستک دی اور اُس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ فرمس کو جگانے کی نیت سے اٹھی لیکن اچانک کچھ سوچ کر رک گئی اور پھر دبے پاؤں دروازے کی طرف چل پڑی۔ ایک نوکر دروازے کے قریب سو رہا تھا۔ انطونیہ دروازے سے دو قدم کے فاصلے پر، چند ثانیے تذبذب کی حالت میں کھڑی رہی اور پھر اچانک آگے بڑھ کر نحیف آواز میں بولی۔" کون ہے؟"

" میں کلاڈیوس ہوں۔ انطونیہ دروازہ کھولو۔" اور انطونیہ کو ایسا محسوس ہوا کہ آسمان کے تمام ستارے اچانک اُس کے قدموں میں آگرے ہیں۔ ایک ثانیے کے لئے وہ مسرت کے بے پایاں سمندر میں غوطے کھا رہی تھی۔ باہر سے پھر آواز آئی۔" انطونیہ! دروازہ کھولو! جلدی کرو!" اُس کے لرزتے ہوئے ہاتھ دروازے کی کنڈی کی طرف بڑھے اور ایک ثانیے بعد کلاڈیوس اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اُس کی قوتِ گویائی

سلب ہوچکی تھی۔

"یہ خواب نہیں، انطونیہ! میں سچ مچ آگیا ہوں"۔ کلاڈیوس نے یہ کہہ کر اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور وہ اُس سے لپٹ گئی۔ "کلاڈیوس! کلاڈیوس!" اُس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ میں نے کتنی بار یہ خواب دیکھا ہے کہ تم دروازہ کھٹکھٹا رہے ہو اور میں یہ سمجھ رہی ہوں کہ میرے کان پھر ایک بار مجھے دھوکا دے رہے ہیں۔ میں اس گلی میں ہر آہٹ کو تمہارے قدموں کی آہٹ سمجھا کرتی تھی۔ لیکن تم آدھی رات کے وقت یہاں آئے ہو، سچ کہو تمہیں کوئی خطرہ تو نہیں ہے؟"

"نہیں مجھے کوئی خطرہ نہیں انطونیہ! تمہارے اباجان کہاں ہیں؟"

"وہ سو رہے ہیں، میں انہیں جگاتی ہوں"۔ انطونیہ کلاڈیوس کی گرفت سے آزاد ہو کر بھاگتی ہوئی فرمس کے بستر کے قریب پہنچی اور اُس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔ "اباجان! اباجان! وہ آگئے ہیں"۔ فرمس نے ہڑبڑا کر اٹھتے ہوئے سوال کیا۔ "کیا ہوا؟ کون آگیا؟"

"کلاڈیوس آگیا ہے اباجان"۔ اُس نے بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے جواب دیا۔

فرمس اٹھا۔ کلاڈیوس آگے بڑھا اور وہ ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

"بیٹا! تم یہاں کیسے پہنچے؟ تم فوج سے بھاگ کر تو نہیں آئے؟ سچ کہو، تمہیں کوئی خطرہ تو نہیں؟" فرمس نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

اُس نے اطمینان سے جواب دیا۔ "آپ پریشان نہ ہوں، جب تک عاصم میرے ساتھ ہے۔ مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ اُس کا نام لے کر میں بابلیون کے حاکم کے محل میں بھی داخل ہو سکتا ہوں"۔

"عاصم کہاں ہے؟"

"عاصم کشتی میں پڑا ہوا ہے۔ وہ بیمار ہے۔ لیکن اب باتوں کا وقت نہیں۔ آپ فوراً سفر کے لئے تیار ہو جائیں۔ ہم قسطنطنیہ جا رہے ہیں"۔

"قسطنطنیہ؟" فرمس اور اُس کی بیٹی نے یک زبان ہو کر پوچھا۔

"ہاں! ہمارے لئے صرف نیل کے دہانے تک پہنچنا قدرے مشکل ہے۔ بحیرۂ روم میں داخل ہونے

ے بعد ہمیں کوئی خطرہ نہ ہوگا۔ ہم ایک ایسی کشتی پر سفر کر رہے ہیں، جس پر ایرانی جھنڈا لگا ہوا ہے۔ طیبہ ے حاکم کا تعارفی خط میرے پاس ہے لیکن ان سب باتوں کے باوجود اگر راستے میں کوئی مشکل پیش آئی تو ہم یہ ہہ سکیں گے کہ ہم عاصم کو شام کے ساحل کے کسی صحت افزا مقام پر پہنچانا چاہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ بحیرۂ روم یں داخل ہونے کے بعد ہمیں کوئی رومی جہاز مل جائے گا۔ ہماری کشتی شہر سے آگے کچھ فاصلے پر کھڑی ہے۔ مجھے صرف س بات کا اندیشہ تھا کہ رات کے وقت شاید میں آپ کے گھر تک نہ پہنچ سکوں"۔

فرمس نے کہا۔ "اب رات کے وقت ایرانی سپاہیوں کی ٹولیاں بابیون کی گلیوں میں گشت نہیں کرتیں اُن کی بیشتر فوج قسطنطنیہ کے محاذ کی طرف روانہ ہو چکی ہے۔ اب وہ صرف ایرانی حاکم کے محل یا فوجی مستقر پر پہرہ دیتے ہیں۔ شہر کا نظم و نسق اب مقامی لوگوں کے سپرد کر دیا گیا ہے"۔

کلاڈیوس نے قدرے تامل کے بعد کہا۔ "اگر آپ یہاں رہنے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتے تو میں آپ کو اپنے ساتھ جانے پر مجبور نہیں کروں گا"۔

فرمس نے کہا۔ "نہیں، بیٹا! ہم تمہارے ساتھ جائیں گے۔ اگر ہمیں تمہارا انتظار نہ ہوتا تو اب تک ہم یہاں نہ رہتے۔ بابلیون کے سینکڑوں آدمی فرار ہو چکے ہیں۔ اور سمندر میں رومی جہاز اُن کی مدد کر رہے ہیں۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ عاصم نے تمہارے ساتھ فرار ہونے کا فیصلہ کیسے کر لیا؟"

"عاصم کی یہ حالت ہے کہ اب وہ اپنے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن آپ جلدی کریں۔ مزید باتوں کے لئے ہمیں کشتی پر کافی وقت مل جائے گا۔ صرف ضروری سامان اور کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے لیجئے"۔

فرمس نے انطونیہ سے کہا۔ "بیٹی! تم جلدی سے نوکر کو جگا دو"۔

انطونیہ نے باپ کے حکم کی تعمیل کی اور وہ سفر کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد کلاڈیوس، فرمس، انطونیہ اور اُن کا نوکر سامان کی گٹھڑیاں اٹھائے، ایک سنسان گلی عبور کرنے کے بعد، دریا کے کنارے گھنے درختوں میں سے گزر رہے تھے۔

فرمس نے کہا۔ "اب ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ ذرا ٹھہر جاؤ! میں بہت تھک گیا ہوں۔ تمہاری کشتی کتنی دور ہے"

کلاڈیوس نے رک کر جواب دیا۔ "آپ کو تھوڑی دور اور چلنا پڑے گا۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر ہم نے کشتی

شہر کے قریب کھڑی کی تو وہاں کئی آدمی جمع ہو جائیں گے اور اگر کسی ایرانی پہریدار نے دیکھ لیا تو ہم سے طرح طرح کے سوالات کئے جائیں گے، اس لئے میں کشتی کو شہر سے آگے لے گیا تھا۔"

فرمس نے پوچھا "تم کشتی کے ملاحوں پر اعتماد کر سکتے ہو؟"

"ہاں وہ سب قبطی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ دریائے نیل کے دہانے تک وہ کسی پس و پیش کے بغیر ہمارے حکم کی تعمیل کریں گے اور اس کے بعد انہیں یہ بتا دینے میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا کہ ہم شام کے ساحل تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ سمندر میں داخل ہونے کے بعد ہمارے لئے کشتی کا رخ بدلنا مشکل نہ ہوگا۔"



کلاڈیوس اور اُس کے ساتھی کشتی کے قریب پہنچے تو ارکوس جلدی سے نیچے اتر کر آگے بڑھا اور بولا:

"آپ نے بہت دیر لگائی، اب جلدی کریں، صبح ہونے والی ہے۔"

کلاڈیوس نے پوچھا "عاصم کا کیا حال ہے؟"

ارکوس نے جواب دیا "اُن کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ تھوڑی دیر ہوئی انہوں نے پانی مانگا تھا اور مجھ سے کچھ دیر باتیں بھی کی تھیں لیکن ابھی تک انہیں پوری طرح ہوش نہیں آیا۔"

کلاڈیوس نے کہا "اب تم آزاد ہو۔ اور اگر تم سے کوئی ہمارے متعلق پوچھے تو تمہیں اس سے زیادہ نہیں بتانا چاہیئے کہ ہم نے تمہیں رات کے وقت بابلیون کے قریب اتار دیا تھا۔"

"آپ فکر نہ کریں، میرا گھر بابلیون سے چند میل دور ہے اور وہاں پہنچ کر میں ایرانیوں کی نگاہوں سے محفوظ رہ سکوں گا۔"

فرمس کا نوکر سامان کی گٹھڑیاں لادنے کے بعد فارغ ہوا تو کلاڈیوس نے اُس کی طرف متوجہ ہو کر کہا "اگر بابلیون میں میری تلاش شروع ہوئی تو ممکن ہے کہ سب سے پہلے تمہارے آقا کے گھر کی تلاشی لی جائے۔ اس صورت میں انطونیہ اور ان کے والد کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا اور تمہارا یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ وہ اسکندریہ جا چکے ہیں۔"

فرمس نے کہا "اگر مصر کے حالات بدل گئے تو میں عنقریب واپس آنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن اگر میں

نہ آیا تو بابلیون میں میرا گھر اور سرائے تمہاری خدمات کا صلہ ہوگا۔"

"کاش! آپ مجھے اپنے ساتھ لے جاتے۔"

فرمس نے پیار سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "مجھے یقین ہے کہ ہم دوبارہ ملیں گے۔"

ارکوس نے قدرے بے چین ہو کر کہا "جناب! آپ کو دیر ہو رہی ہے۔ جلدی کیجئے!"

کلاڈیوس، انطونیہ اور فرمس کسی توقف کے بغیر کشتی میں سوار ہو گئے۔



طلوعِ سحر کے وقت کشتی بابلیون سے چند میل دور آ چکی تھی، کلاڈیوس اور انطونیہ گہری نیند سو رہے تھے۔ فرمس عاصم کے قریب بیٹھا تھا، اُس کی نگاہیں عاصم کے نحیف و لاغر چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہ بار بار عاصم کی نبض پر ہاتھ رکھتا اور اُس کے چہرے پر اضطراب کے آثار ظاہر ہونے لگتے۔

طلوعِ آفتاب کے تھوڑی دیر بعد عاصم نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھولیں اور فرمس نے اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "اب آپ کا بخار کم ہو رہا ہے۔"

"آپ کب آئے؟ میں کہاں ہوں؟" عاصم نے نحیف آواز میں پوچھا۔

"ہم پچھلے پہر کشتی میں سوار ہوئے تھے۔ اُس وقت آپ کا بخار بہت تیز تھا۔ ہم بابلیون سے چند میل دور آ چکے ہیں۔"

"کلاڈیوس کہاں ہے؟"

"وہ سو رہا ہے۔"

عاصم نے کہا "میں اس حال میں زیادہ دور آپ کا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ اگر کلاڈیوس مجھے بابلیون میں چھوڑ دیتا تو اچھا ہوتا۔"

فرمس نے کہا "آپ جانتے ہیں کہ کلاڈیوس آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ اور میں بھی آپ کو اس حالت میں چھوڑنا گوارا نہ کرتا۔ آپ کو فکرمند نہیں ہونا چاہیئے۔ شام کے ساحل کی خوشگوار ہوا آپ کو صحت مند کر دے گی۔"

عاصم کے چہرے پر ایک مغموم مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اُس نے کہا "کلاڈیوس کے عزائم مجھ سے پوشیدہ نہیں

ـــــــ میں جانتا ہوں کہ وہ مجھے اپنے وطن لے جا رہا ہے اور آپ کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ میں اب صرف مجبوری اور بے بسی کی حالت میں اُس کا ساتھ دے رہا ہوں۔ میرا شروع سے یہ ارادہ تھا کہ کلاڈیوس کسی دن اپنے گھر پہنچ جائے "۔

"مجھے اس بخار کا خاصا تجربہ ہے۔ کلاڈیوس سے آپ کی کیفیت معلوم کرنے کے بعد میں اپنے گھر سے آپ کے لئے ایک دوا لے آیا ہوں۔ آپ اسے آزما کر دیکھیئے!" فرمس نے چمڑے کے تھیلے سے چاندی کی ایک ڈبیا نکال کر کھولی اور اُس میں سے تھوڑا سا سفوف نکال کر عاصم کی ہتھیلی پر رکھ دیا، پھر جلدی سے اٹھ کر پیالہ پانی سے بھرا اور عاصم کو پیش کرتے ہوئے کہا "آپ یہ دوا کھا کر پانی پی لیں "۔

عاصم نے اٹھ کر دوا منہ میں ڈال لی اور پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد دوبارہ لیٹ گیا۔

کچھ دیر دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر فرمس نے کہا "اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کا زخم دیکھنا چاہتا ہوں "۔

"مجھے زخم سے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی وہ قریباً مندمل ہو چکا ہے لیکن اس بخار نے مجھے زندگی سے مایوس کر دیا ہے۔ شاید قدرت کو یہی منظور تھا کہ میں مرنے سے پہلے زندگی کی تمام خواہشوں سے کنارہ کش ہو جاؤں"۔

"نہیں، نہیں، آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ قدرت آپ سے کوئی بڑا کام لینا چاہتی ہے آب و ہوا کی تبدیلی سے آپ کی صحت ٹھیک ہو جائے گی "۔

عاصم نے کہا "جب میں اپنے ماضی کے متعلق سوچتا ہوں تو مجھے اپنے عزائم اور اپنی خواہشوں پر ہنسی آتی ہے۔ میں نے ہر موڑ پر اپنے لئے وہ راستہ اختیار کیا تھا جو پہلے راستے سے زیادہ غلط تھا "۔

فرمس نے کہا "اگر ہر انسان صرف اپنی آنکھوں سے صحیح راستہ دیکھ سکتا تو آج دنیا کی یہ حالت نہ ہوتی ظلم و وحشت اور بربریت کے اس دور میں ہمیں کسی ایسے راہنما کی ضرورت ہے جس کی نگاہیں ہمارے فہم و ادراک کی حدود سے آگے دیکھ سکتی ہوں۔ اس ظلمتکدے کے مسافر سلامتی کا راستہ دیکھنے کے لئے ایک نئے آفتاب کے منتظر ہیں۔ اور جب وہ آفتاب نمودار ہوگا تو آپ جیسے لوگ جن کے سینوں میں کسی بُرائی سے اجتناب کرنے کی جرأت اور کسی اچھائی کو قبول کرنے کی خواہش موجود ہے، ایک نئے دور کے مشعل بردار بن جائیں گے۔

عاصم نے اپنے خشک ہونٹوں پر ایک مغموم مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا "آپ کو یہ خیال کیسے آیا کہ میرے دل میں کسی اچھائی کو قبول کرنے کی خواہش موجود ہے۔ آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ میں حوادث کے طوفان میں ایک تنکے کی طرح بہا جا رہا ہوں، یا ایک پیاسے آدمی کی طرح سراب کے پیچھے دوڑ رہا ہوں "۔

فرمس نے جواب دیا "آپ میرے لئے اجنبی نہیں ہیں۔ اور ایک ایسے آدمی کو آپ کے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں ہو سکتی جس کی گردن آپ کے احسانات کے بوجھ سے جھکی ہوئی ہے۔ آپ نے دو مرتبہ میری جان اور عزت بچائی ہے اور تیسری مرتبہ آپ نے ہمیں اُس جہنم سے باہر نکالا ہے، جہاں ہم زندگی کی بجائے موت سے زیادہ قریب تھے۔ آج اگر آپ انطونیہ اور اُس کے شوہر کے دل کا حال جان سکیں تو آپ کو اپنا یہ کارنامہ کسریٰ کی ساری فتوحات سے زیادہ شاندار معلوم ہوگا۔"

عاصم نے کہا "مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ کلاڈیوس اپنے وطن جا رہا ہے۔ لیکن میرا یہ کارنامہ نہیں۔ بلکہ میں کلاڈیوس کا احسان مند ہوں کہ وہ ایک بیمار اور بے بس آدمی کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو مجھے کشتی سے اٹھا کر دریا میں پھینک سکتا تھا "۔

"عاصم! آپ کیا کہہ رہے ہیں، اگر میں ایک درندہ ہوتا تو بھی آپ کی رفاقت مجھے انسان بنانے کے لئے کافی تھی "۔

عاصم نے چونک کر دوسری طرف دیکھا۔ کلاڈیوس اور انطونیہ اس کے قریب کھڑے تھے۔ وہ بیٹھ گئے اور انطونیہ نے کہا "ابا جان! آپ آرام کریں اب میں ان کا خیال رکھوں گی "۔ پھر وہ عاصم کی طرف متوجہ ہوئی "آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ رات کے وقت آپ کو سخت بخار تھا "۔

عاصم نے جواب دیا "اب میں کچھ ٹھیک ہوں "۔

انطونیہ کچھ دیر خاموشی سے عاصم کی طرف دیکھتی رہی اور پھر جب اُس کی خوبصورت آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے تو اُس نے کہا "میں آپ کی شکر گزار ہوں۔ ہم سب آپ کے شکر گزار ہیں "۔

کنارے کے گھنے درختوں کے پیچھے ایک بستی دکھائی دے رہی تھی، فرمس نے کلاڈیوس سے مخاطب ہو کر کہا "اگر آپ کشتی کو تھوڑی دیر کے لئے کنارے پر لگا سکیں تو میں عاصم کے لئے تازہ دودھ لے آؤں "۔

عاصم نے کہا "نہیں، نہیں، آپ کو میری خاطر بستی میں جانے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیئے "۔

فرمس نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔" مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ ایران کے سپاہی اب ان بستیوں کا رُخ نہیں کرتے۔ اب وہ لگان کی وصولی کا کام بھی مقامی کارندوں کے سپرد کر چکے ہیں۔"

کلاڈیوس نے جو راستے میں قبطی ملاحوں کی زبان کے چند جملے سیکھ چکا تھا، ملاحوں کو کشتی کنارے لگانے کا حکم دیا اور تھوڑی دیر بعد فرمس لکڑی کا ایک ڈول ہاتھ میں لئے کشتی سے اترا اور بستی کی طرف چل دیا۔ ایک ساعت بعد وہ واپس آیا تو اُس کے ساتھ بستی کا ایک نوجوان دودھ سے بھرا ہوا ڈول اٹھائے ہوئے تھا۔

شام کے وقت عاصم کا چہرہ قدرے بشاش نظر آتا تھا۔ انطونیہ جس نے سارے دن اُس کی تیمارداری کی تھی، اب کشتی کے ایک کونے میں گہری نیند سو رہی تھی اور کلاڈیوس اور فرمس اُس کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔

عاصم نے کہا۔" مجھے معلوم نہیں کہ آپ کی دوائی کا کمال ہے یا تازہ دودھ کا اثر بہرحال میں ایک مدت کے بعد کچھ تازگی محسوس کر رہا ہوں۔"

فرمس نے جواب دیا۔" آپ کو دونوں چیزوں سے فائدہ ہوا ہے۔"



ایک دن عاصم کی کشتی اسکندریہ سے پچاس میل مشرق کی طرف دریا کی ایک شاخ سے نکل کر سمندر میں داخل ہو چکی تھی۔ طیبہ کے پانچ ملاحوں میں سے چار ایسے تھے جنہوں نے ابھی تک بابلیون سے آگے سفر نہیں کیا تھا، اور وہ آگے بڑھنے میں پس و پیش کر رہے تھے۔ پانچواں ملاح چند مرتبہ اسکندریہ تک سفر کر چکا تھا، لیکن کشتی کو ساحل سے دُور لے جانے کے لئے وہ بھی تیار نہ تھا۔ قبطی زبان کے جو چند الفاظ کلاڈیوس نے سیکھے تھے وہ ان پر بے اثر ثابت ہو رہے تھے، فرمس نے انہیں بغاوت پر آمادہ دیکھ کر انتہائی ملائمت سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب اُسے بھی مایوسی ہونے لگی تو کلاڈیوس نے اچانک عاصم کی تلوار اٹھالی اور گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔" اگر تم صرف حکم ماننے کے عادی ہو تو کان کھول کر سُن لو کہ میرے لئے تمہیں تلوار سے ہانکنا مشکل نہیں۔"

کلاڈیوس کے طرزِ عمل میں اچانک یہ تبدیلی اُن کے لئے غیر متوقع تھی، اور وہ کچھ دیر پریشانی و اضطراب کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے، بالآخر اُن میں سے ایک معمر آدمی نے قدرے جرأت سے

لیتے ہوئے کہا۔" ہم نے آپ کو ساحل تک پہنچانے کا ذمہ لیا تھا۔ اگر آپ سمندر عبور کرنا چاہتے ہیں تو اس کی ممکن صورت یہ ہے کہ ہم آپ کو اسکندریہ پہنچا دیں، وہاں سے آپ کو شام کی بندرگاہوں کے جہاز مل جائیں گے۔"

کلاڈیوس نے جواب دیا۔" ہم شام کی بجائے قبرص یا یونان کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ اور آجکل اسکندریہ کے جہاز اُس طرف کا رُخ نہیں کرتے۔"

ملاح نے اور زیادہ پریشان ہو کر کہا۔" یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ قبرص یا یونان کے راستے میں آپ کو قدم قدم پر روم کے جنگی جہازوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

کلاڈیوس نے کہا۔" ہمارا مقصد ہی کسی رومی جہاز کو تلاش کرنا ہے۔ اور جب ہماری یہ خواہش پوری ہو جائے گی تو تمہیں اس کشتی سمیت واپس بھیج دیا جائے گا۔" اب میرا وقت ضائع مت کرو۔ اگر یہاں ہمیں کوئی خطرہ پیش آیا تو میں اُس کا مقابلہ کرنے سے پہلے تمہارے ساتھ نپٹنے کی کوشش کروں گا۔"

" جناب جب تک اِس کشتی پر ایرانی جھنڈا نصب ہے آپ کو مصر کے ساحل کے آس پاس کوئی خطرہ پیش نہیں آسکتا۔"

کلاڈیوس نے کہا۔" تم میرے رُومی ہونے پر شک کرتے ہو؟"

" نہیں، جناب! ہم آپ کے رومی ہونے پر شک نہیں کرتے لیکن آپ کے آقا رُومی نہیں ہیں اور ہمیں طیبہ کے حاکم نے صرف ان کا کہنا ماننے کا حکم دیا تھا۔"

" تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں اپنے آقا کی خواہش کے خلاف تمہیں اپنا ساتھ دینے پر مجبور کر رہا ہوں ــــ تم ان سے پوچھ سکتے ہو کہ یہ کہاں جانا چاہتے ہیں۔"

ملاح پریشان ہو کر عاصم کی طرف دیکھنے لگے۔ اُس کی حالت پہلے سے کہیں بہتر معلوم ہوتی تھی، اور فرمس اُسے اِس گفتگو کا مطلب سمجھا رہا تھا۔

کلاڈیوس نے کہا۔" عاصم! انہیں تسلی دیجئے، ان کا خیال ہے کہ میں آپ کو زبردستی اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔"

عاصم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔" انہیں تسلی دینے کی ضرورت نہیں۔ یہ ایک رُومی کے ہاتھ

میں تلوار دیکھ چکے ہیں۔" پھر اُس نے ملاحوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میں ان کے ساتھ اپنی خوشی سے جا رہا ہوں اور تمہیں اگر اپنی مرضی سے نہیں تو بحالت مجبوری ہمارا ساتھ دینا پڑے گا۔ تمہیں اس بات کا ڈر ہو سکتا ہے کہ جب تم واپس جاؤ گے تو طیبہ میں تم سے باز پُرس کی جائے گی، لیکن تم وہاں کے حاکم کو مطلع کرنے کے لئے یہ کہہ سکتے ہو کہ ایک بیمار آدمی نے راستے میں اپنا سفر ختم کر دیا تھا۔ اور اُس کا ساتھی، بزورِ شمشیر تمہیں نیل کے دہانے تک لے گیا تھا۔ اِس کے بعد وہ کشتی سے اُتر کر کہیں روپوش ہو گیا تھا۔ میں تم سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر راستے میں ہمیں کوئی رُوم کا جہاز مل گیا تو تمہیں واپس بھیج دیا جائے گا۔ اور میری یہ کوشش بھی ہوگی کہ تمہیں اِس خدمت کا اتنا معاوضہ مل جائے کہ تم اپنی باقی زندگی آرام سے گزار سکو۔ ممکن ہے کہ ایک معقول انعام حاصل کرنے کے بعد تمہیں طیبہ واپس جانے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔"

فرمس نے ملاحوں سے عاصم کا مفہوم بیان کرنے کے بعد اپنی جیب سے سونے کے چند سکے نکال کر ایک ملاح کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہارا انعام ہے۔ کاش! میں تمہیں اس سے زیادہ دے سکتا۔"

ملاح نے یہ سکے اپنے ساتھیوں کو دکھا دیئے اور انہوں نے اِس مسئلے پر مزید گفتگو کی ضرورت محسوس نہ کی۔

چند گھنٹے بعد عاصم مصر کے ساحل کی آخری جھلک دیکھ رہا تھا۔ ہوا موافق تھی اور کشتی سمندر کی لہروں کے تھپیڑے کھاتی ہوئی کسی دُور افتادہ ساحل کا رُخ کر رہی تھی۔ غروب آفتاب کے قریب جنوبی افق پر ایک سرمئی لکیر اُس کی نگاہوں سے روپوش ہو چکی تھی اور آسمان کی چھت کے جھکے ہوئے کنارے چاروں طرف نیلگوں سمندر کی سطح سے مل چکے تھے۔ آفتاب مغرب کی سمت بادل کے چند ٹکڑوں پر سُرخ اور سنہری رنگوں کے خزانے لُٹانے کے بعد روپوش ہو گیا اور کائنات کے سیاہ آنچل پر ستاروں کے موتی جھلملانے لگے۔ یہ ستارے وہی تھے جو اُس نے عرب اور شام کے آسمان پر دیکھے تھے اور جن کے ساتھ اُس کے ماضی کی ناقابلِ فراموش داستانیں وابستہ تھیں۔ ان حوصلوں اور ولولوں کی داستانیں جو اُس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے اور اُن مسکراہٹوں اور آنسوؤں کی داستانیں، جن کے خزانے ایک اندوہناک ماضی کی آغوش میں دفن ہو چکے تھے ــــ عاصم اپنی کتاب زندگی کا ایک اور ورق اُلٹ چکا تھا۔ لیکن اب

دامن اُن موہوم اُمیدوں سے بھی خالی تھا جو ایک لُٹے ہوئے مسافر کے لئے آخری سہارے کا کام دیتی ہیں۔ اُسے منزل اور راستے کے الفاظ بے معنی معلوم ہوتے تھے۔ اُسے صرف اِس بات کا احساس تھا کہ وہ زندہ ہے اور زندہ رہنا چاہتا ہے۔ ایک مدت کے بعد یہ پہلی شام تھی جب وہ بخار سے نڈھال ہو کر لیٹنے کے بجائے بیٹھا ہوا تھا۔ سمندر کی خوشگوار ہوا کے جھونکوں سے اُسے تازگی محسوس ہو رہی تھی۔

کلاڈیوس نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں اب تمہیں لیٹ جانا چاہیئے۔"

عاصم نے کہا۔ "میں اپنے ساتھی کا انتظار کر رہا ہوں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اب اُس نے مستقل طور پر میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔"

انطونیہ نے چونک کر پوچھا۔ "کون سا ساتھی؟"

"بخار۔" عاصم نے جواب دیا۔

انطونیہ ہنس پڑی۔

عاصم نے قدرے توقف کے بعد کلاڈیوس سے سوال کیا۔ "آپ کو یقین ہے کہ ہمیں راستے میں کوئی جہاز مل جائے گا؟"

"مجھے یقین ہے، لیکن اگر قدرت نے ہماری مدد نہ کی تو بھی ہمارے پاس کھانے پینے کا اتنا سامان ہے کہ ہم بآسانی قبرص تک پہنچ سکیں۔ وہاں ہمیں کئی جہاز مل جائیں گے۔ مجھے صرف اِس بات کا اندیشہ ہے کہ یہ کشتی کسی طوفان کا مقابلہ نہیں کر سکے گی ــــ؟"

آٹھ دن بعد طلوعِ سحر کے ساتھ عاصم اور اُس کے ساتھی شمال مشرق کی طرف تین جہاز دیکھ رہے تھے۔ سمندر کی ہوا جس نے سات دن اُن کا ساتھ دیا تھا اچانک تھم چکی تھی اور کشتی کی رفتار بہت سُست ہو چکی تھی۔ کلاڈیوس جہازوں کا رُخ پہچانتے ہی ملاحوں کی طرف متوجہ ہو کر چلایا۔ "اب تم لوگ فوراً کشتی کے چپو سنبھال لو۔ اگر ہم ان جہازوں کے راستے سے دُور رہے تو اُن کے ملاح ہماری طرف توجہ دیئے بغیر آگے نکل جائیں گے۔"

ملاحوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی، لیکن جب کشتی کی رفتار ذرا تیز ہونے لگی تو فرمس نے کہا۔ "مجھے ڈر

ہے کہ کہیں یہ جہاز ایرانی نہ ہُوں، اِس لئے تمہیں آگے بڑھنے سے پہلے اچھی طرح اطمینان کر لینا چاہئے۔"

کلاڈیوس نے جلدی سے ایرانی پرچم اتارتے ہوئے کہا "مجھے یقین ہے کہ وہ جہاز رُومی ہیں، ایرانی جہاز ساحل سے اتنی دُور نہیں آتے۔" کچھ دیر بعد اُسے جہازوں پر رُومی پرچم دکھائی دینے لگے اور اُس نے خوشی سے اُچھلتے ہوئے کہا "میرا خیال درست نکلا، وہ رُومی ہیں، وہ رومی ہیں۔ انہوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔ دیکھئے اُن کا رُخ ہماری طرف تبدیل ہو رہا ہے۔"

ایک ساعت بعد تینوں جہاز لنگر انداز ہو چکے تھے، اور اُن کے ملاح کلاڈیوس کے اشاروں کا جواب دے رہے تھے۔ کشتی سب سے اگلے جہاز کے ساتھ لگی۔ اور اُس کے کپتان نے اُوپر سے جُھک کر کلاڈیوس کی طرف دیکھا اور بلند آواز میں پُوچھا "تم کون ہو؟" کلاڈیوس نے صرف اپنا نام بتا دینا ناکافی سمجھتے ہُوئے مختصراً اپنے باپ اور چچا کا ذکر کر دیا۔ کپتان کلاڈیوس سے ناواقف تھا، لیکن اُس کے لئے رُوم کی سینیٹ کے ایک معزز رُکن اور اسکندریہ کے سابق گورنر کی شخصیتیں اجنبی نہ تھیں۔ چنانچہ اُس نے کسی توقف کے بغیر ملاحوں کو رسیوں کی سیڑھی پھینکنے کا حکم دیا۔ کلاڈیوس اور اُس کے ساتھی یکے بعد دیگرے سیڑھی کی مدد سے جہاز پر پہنچے اور ملاح اُن کے گرد جمع ہو گئے۔ کپتان کے سوالات کے جواب میں کلاڈیوس اپنی سرگزشت سنا رہا تھا کہ باقی دو جہازوں کے کپتان بھی وہاں پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک ویلیریس تھا۔ وہ کلاڈیوس کو دیکھتے ہی بھاگتا ہُوا آگے بڑھا اور اُس سے لپٹ گیا۔

"ہم تمہارے متعلق مایوس ہو چکے تھے کلاڈیوس، تم اتنی مدت کہاں رہے ہو؟"

"میں ایرانیوں کی قید میں تھا۔" کلاڈیوس نے جواب دیا

"اور یہ کون ہیں؟"

یہ میری بیوی ہے، یہ ان کے والد ہیں اور یہ وہ دوست ہے جس کی بدولت میں آج تمہارے سامنے زندہ کھڑا ہُوں۔ خُدا کا شکر ہے کہ آج تم مل گئے ورنہ تمہارے ساتھی مجھے شاید دشمن کا جاسوس سمجھ رہے تھے۔ عاصم! یہ میرا بچپن کا دوست ہے۔" ویلیریس نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ عاصم سے مصافحہ کیا اور کہا "اگر آپ نے کلاڈیوس کی مدد کی ہے تو ہم سب آپ کے شکر گزار ہیں۔" پھر وہ،

ڈیوس سے مخاطب ہو کر بولا "آپ کی سرگزشت سننے سے پہلے میں آپ کے گلے سے یہ طوق اُتروانا چاہتا ہُوں۔"

کلاڈیوس مسکرایا "نہیں اب یہ مجھے تکلیف نہیں دیتا، میں اس کا عادی ہو چکا ہُوں، پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تم کہاں سے آئے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟"

"ہم قبرص سے آئے ہیں اور قرطاجنہ جا رہے ہیں۔"

"میں یہ جاننا چاہتا ہُوں کہ ہمارے لئے تمہاری مدد سے قسطنطنیہ پہنچنے کے امکانات کیا ہیں؟"

"ہمیں قبرص کے لئے قرطاجنہ سے اناج مہیا کرنے کی خدمت سونپی گئی ہے۔"

"تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ اب مجھے آپ کے ساتھ قرطاجنہ جانا پڑے گا۔ میرا خیال تھا کہ اگر قبرص کے راستے میں کوئی جہاز مل گیا تو میں کسی تاخیر کے بغیر قسطنطنیہ پہنچ سکوں گا۔"

ویلیریس نے کہا "ہمارے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ آپ کا قسطنطنیہ پہنچنا کتنا ضروری ہے۔ وہاں آپ کا پتا دینے والے کے لئے بھاری انعام کا اعلان کیا جا چکا ہے۔ اگر آپ مجھے حکم دیں تو میں یہ خدمت اپنے ذمے لینے کو تیار ہُوں۔ مجھے یقین ہے کہ واپسی پر میں یونان کی کسی بندرگاہ سے غلّہ حاصل کر سکوں گا۔ موجودہ حالات میں قسطنطنیہ کو آپ کی سخت ضرورت ہے۔"

کلاڈیوس نے جھجکتے ہُوئے سوال کیا "جنگ کی کیا حالت ہے؟"

تینوں کپتان پریشانی کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، اُن کی مغموم نگاہوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کلاڈیوس نے کوئی ناخوشگوار موضوع چھیڑ دیا ہے۔ بالآخر ویلیریس نے کہا "جنگ کے متعلق شاید ہم آپ کو کوئی اچھی خبر نہ سنا سکیں۔ جب آپ قسطنطنیہ کے قریب پہنچیں گے تو آپ کو آبنائے باسفورس کے مشرقی کنارے پر حدِ نگاہ تک ایرانی لشکر کے خیمے دکھائی دیں گے۔"

کلاڈیوس نے کہا "یہ خبر میرے لئے غیر متوقع نہیں، لیکن مجھے یقین ہے کہ رُوم کے جنگی جہاز برسوں تک دشمن کو قسطنطنیہ کے قریب پھٹکنے نہیں دیں گے۔"

ویلیریس نے کہا "ان دنوں قسطنطنیہ پر ایرانیوں کے حملوں کی بہ نسبت ہمارے لئے اپنے مغربی

علاقوں پر سیفین قبائل کی پے در پے یلغار زیادہ تشویشناک بن چکی ہے۔ ہم چکّی کے دو پاٹوں کے درمیان پس رہے ہیں۔ لیکن یہ وقت جنگ کی تفصیلات پر بحث کرنے کے لئے موزوں نہیں۔ اس وقت آپ اور آپ کے ساتھیوں کو آرام کی ضرورت ہے۔"

عاصم جو نقاہت کے باعث انتہائی تکلیف کی حالت میں کھڑا تھا، ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گیا۔
انطونیہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر پوچھا" آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟"

"مجھے ذرا چکر آگیا تھا" اُس نے جواب دیا۔

ولیریس نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا" مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکوں گا، لیکن کلاڈیوس کو قسطنطنیہ پہنچانا ضروری ہے۔"

ایک جہاز کے کپتان نے کہا" ہمیں صرف اِس بات کا افسوس ہے کہ انہیں صرف ایک جہاز کی ضرورت ہے اور ہم سب ان کے ساتھ نہیں جا سکتے۔ بہر حال اب ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔"

کلاڈیوس نے کہا" میں جانے سے پہلے آپ کو بھی ایک خدمت سونپنا چاہتا ہوں میں نے کشتی کے ملاحوں سے وعدہ کیا تھا کہ انہیں بحفاظت واپس پہنچا دیا جائے گا۔ آپ انہیں ساتھ لے جائیں اور مصر کے ساحل کے آس پاس کسی محفوظ مقام پر اتار دیں۔ ان لوگوں کو بحری سفر کا کوئی تجربہ نہیں اور یُوں بھی اِس کشتی کو واپس لے جانا ان کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

ایک کپتان نے کہا ـــ" وہ کشتی بہت خوبصورت ہے، اور میں اُسے ضائع کرنا پسند نہیں کروں گا ـــ ہمیں قرطاجنہ میں اس کی معقول قیمت مل سکے گی۔"

"بہت اچھا، تم کشتی اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ ان ملاحوں کے ساتھ ہیں تم سے انتہائی فیاضانہ سلوک کی توقع رکھتا ہوں۔"

"آپ ان کی فکر نہ کریں۔"

تھوڑی دیر بعد کلاڈیوس، اُس کی بیوی، فرمس اور عاصم اِس جہاز سے اُتر کر، ولیریس کے جہاز میں سوار ہو چکے تھے۔
اور ایک لوہار کلاڈیوس کے گلے کا آہنی طوق اتار رہا تھا۔

باب ۲۷

عاصم کے لئے جہاز کا سفر کشتی کی نسبت زیادہ آرام دہ تھا۔ اُس کی صحت بتدریج بہتر ہو رہی تھی ایک شام فرمس، انطونیہ اور کلاڈیوس سمندر کی خوشگوار ہوا کا لطف اٹھا رہے تھے۔ عاصم اور ولیریس جہاز کے نچلے حصّے سے نمودار ہوئے اور آگے بڑھ کر اُن کے قریب کھڑے ہو گئے۔

فرمس نے عاصم کو دیکھتے ہی سوال کیا۔"آپ کہاں تھے؟"

عاصم نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔"میں ولیریس کے ساتھ جہاز کے نچلے حصّے کی سیر کر رہا تھا۔"

ولیریس نے معذرت طلب نگاہوں سے فرمس، کلاڈیوس اور انطونیہ کی طرف دیکھا اور پھر عاصم سے مخاطب ہو کر کہا۔"مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ چپو چلانے والے غلاموں کو دیکھ کر اس قدر مضطرب ہو جائیں گے۔"

عاصم نے جواب دیا۔"میں ایران کے جنگی قیدیوں اور غلاموں کو اس سے بھی زیادہ بُری حالت میں دیکھ چکا ہوں، لیکن میرا خیال تھا کہ ——"

"آپ کا کیا خیال تھا؟" ولیریس نے سوال کیا۔

"میرا خیال تھا کہ آپ اپنے دشمنوں کے ساتھ بہتر سلوک کرتے ہوں گے۔"

ولیریس نے کہا۔"وہ ہمارے غلام ہیں اور ہم اپنے غلاموں کو دوستوں یا دشمنوں کی حیثیت سے نہیں دیکھتے۔ اور اُن سے کام لینے کا بہترین طریقہ وہی ہے جو آپ دیکھ چکے ہیں۔"

"میں نے صرف یہ دیکھا ہے کہ وہ بھوکے اور پیاسے تھے اور اُن پر کوڑے برسائے جا رہے تھے۔"

ولیریس بولا۔"آپ کو یہ پسند نہیں کہ ہوا تھم جائے تو بھی ہمارے سفینے دوڑتے رہیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔"میری پسند یا ناپسند سے کیا ہوتا ہے؟"

فرمس نے کہا۔"ولیریس یہ صحرا کے باشندے ہیں اور صرف اونٹوں یا گھوڑوں سے کام لینا جانتے ہیں۔"

عاصم بولا۔"لیکن ہم اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کو بھوکا اور پیاسا نہیں رکھتے۔ میں نے آج ایک خوبصورت نوجوان کو دیکھا۔ وہ بھوک، پیاس اور تھکاوٹ سے نڈھال تھا اور اُس پر بے تحاشا کوڑے برسائے جا رہے تھے۔ اگر یہ آپ کے قانون کی خلاف ورزی نہ ہو تو میں چاہتا ہوں کہ آج سے میرے حصّے کا کھانا اور پانی اُسے پہنچا دیا جائے۔"

کلاڈیوس نے کہا۔"نہیں، نہیں اگر آپ اِس بات سے خوش ہو سکتے ہیں تو میں بذاتِ خود اُس کا خیال رکھوں گا۔ آپ کو اُس کے لئے قربانی دینے کی ضرورت نہیں۔ ولیریس تم میرے ساتھ آؤ، میں اُس نوجوان کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ چلے گئے۔ فرمس کچھ دیر خاموشی سے عاصم کی طرف دیکھتا رہا، بالآخر اُس نے کہا۔"عاصم ہم دُنیا کے ساتھ چلنے سے انکار کر سکتے ہیں لیکن اسے بدل دینا ہمارے اختیار میں نہیں۔ اگر تم یہ امید لے کر جا رہے ہو کہ رُوم کے عیسائی ایران کے مجوسیوں سے بہت زیادہ رحم دل ثابت ہوں گے تو تمہیں مایوسی ہو گی۔ یہ دنیا فرمانرواؤں اور محکوموں کی دنیا ہے۔ اور تمہیں ہر جگہ ظالم اور مظلوم کے رشتے میں یکسانیت نظر آئے گی ——"

"لیکن آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ عیسائیت اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی رحم اور محبت کی تعلیم دیتی ہے۔"

"میرا یہ دعویٰ غلط نہیں۔ لیکن میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ اِس مذہب نے شہنشاہیت کا مزاج بدل دیا ہے۔ آج عیسائیت کے علم بردار مظلوموں اور بے بسوں کے لئے ڈھال کا کام نہیں دیتے بلکہ انہیں اپنی مظلومیت پر قانع رہنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور موجودہ دور کے حکمران انہیں اپنے دشمن نہیں بلکہ حلیف سمجھتے ہیں۔ آج اِس جہاز پر تم نے ہمارے شہنشاہ کے غلاموں کی بے بسی کا مشاہدہ کیا

ہے۔ لیکن تم یہ نہیں جانتے کہ جب اقتدار کی خواہش رہبانیت کے چولوں میں نمودار ہوتی ہے تو وہ انسانیت کی تذلیل کے کتنے اسباب پیدا کر لیتی ہے۔ ہماری بیشتر خانقاہیں اُن راہبوں کی سلطنتیں ہیں جن کی ہوسِ اقتدار قیصر سے کم نہیں۔ آج مجھے کلیسا کی عظیم الشان عمارتوں میں وہ چراغ نظر نہیں آتے جن سے کبھی غریبوں کے جھونپڑے روشن ہوئے تھے۔ آج فرزندانِ آدم کو ایسے دین کی ضرورت ہے جو اُن کے سینوں میں ظلم اور وحشت کی طغیانیوں کے خلاف سینہ سپر ہونے کی جرأت پیدا کر سکے۔ جو طاقتوروں کے ہاتھ سے ظلم کی تلوار چھین لے، جو نسلوں اور قبیلوں اور قوموں کے درمیان منافرت کی دیواریں توڑ ڈالے اور کالے اور گورے ادنیٰ اور اعلیٰ، امیر اور غریب کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دے۔ میں جنگ سے نفرت کرتا ہوں، لیکن اگر کوئی ایسا دین ہوتا جو اِس دنیا کو عدل و مساوات کی تعلیم دے سکتا تو میں اُس کی فتح کے لئے تلوار اٹھانے سے دریغ نہ کرتا۔ سچ کہو عاصم! اگر اس دنیا میں کوئی ایسا حکمران آ جائے جس کا دل انسانیت کے درد سے لبریز ہو۔ جس کا مقصد اس دنیا کو عدل و انصاف کی نعمتوں سے مالا مال کرنا ہو۔ جس کے دشمن بھی اُس کی نیکی اور شرافت کی گواہی دیں، جس میں اُن جابر اور مغرور شہنشاہوں کے تاج نوچنے کی ہمت ہو جو اپنی قہرمانی قوتوں کے بل بوتے پر اس دنیا میں خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں تو کیا تم اس کے اشاروں پر جان دینے میں ایک لذت محسوس نہیں کرو گے؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "اگر کوئی ایسا انسان ہوتا تو اُس کی حفاظت میں صرف ایک بار جان دینے سے میری تسلی نہ ہوتی، لیکن یہ ایک خواب ہے۔"

فرمس نے کہا۔ "نہیں یہ ایک خواب نہیں، رات جتنی تاریک ہو اُسی قدر روشنی کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم جس رات کے مسافر ہیں اُس کی بھیانک تاریکیاں ہمیں ایک نئے آفتاب کی آمد کی بشارت دے رہی ہیں۔ وہ آئے گا اور زمانے کے ٹھکرائے ہوئے انسان اُس کے راستے میں آنکھیں بچھائیں گے۔ اُس کا دین دنیا کی ہر گمراہی کے خلاف اعلانِ جنگ ہوگا۔ اُس کے غلام قیصر اور کسریٰ کے اقتدار کی مسندیں اُلٹ دیں گے۔ اور اُس کی فتح انسانیت کی فتح ہوگی۔ میں کئی ایسے خدا رسیدہ بزرگوں سے مل چکا ہوں جو زمانے کی نگاہوں سے چھپ کر اُس کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ تم شاید اسے ایک خود فریبی سمجھو لیکن میں یہ ماننے

لئے تیار نہیں کہ وہ پروردگار جس نے زمین اور آسمان بنائے ہیں۔ جس کے حکم سے جھلستے ہوئے صحراؤں کی پیاس بجھانے کے لئے بادل حرکت میں آتے ہیں۔ جس نے ایک ادنیٰ جاندار کو بھی رحمت اور تکلیف کا ور عطا کیا ہے۔ اپنے بندوں کے حال سے غافل ہو سکتا ہے۔ عاصم مجھے یقین ہے کہ اُس کی بارگاہ سے ستم رسیدہ انسانیت کی چیخوں کا جواب آنے والا ہے۔"

عاصم کے پاس فرمس کی باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ اُس نے کہا۔ "اگر آپ ان حالات میں بھی انسانیت کے مستقبل کے متعلق پُر امید ہیں تو آپ مجھ سے زیادہ خوش قسمت ہیں۔ لیکن مجھے اپنے متعلق صرف یہ احساس ہے کہ میں زندگی کی تمام اُمیدوں سے کنارہ کش ہونے کے باوجود زندہ ہوں۔ میری نگاہوں سے ماضی کے سراب رُوپوش ہو چکے ہیں اور اب مجھ میں کسی نئے سراب کے پیچھے بھاگنے کی ہمت نہیں۔ اس وقت مجھے یہ صرف احساس ہے کہ میں قسطنطنیہ جا رہا ہوں اور مجھے یہ خیال پریشان نہیں کرتا کہ وہاں میرے لئے کیا ہوگا۔ شاید میری نجات اِسی میں ہو کہ میں زندگی کی ہر خواہش سے بے نیاز ہو جاؤں۔"

فرمس نے کہا۔ "میں کلاڈیوس سے تمہاری سرگزشت سُن چکا ہوں اور میرے لئے تمہاری مایوسی اور بددلی کی وجہ سمجھنا مشکل نہیں۔ لیکن تمہیں یاد ہے، جب تم اپنا وطن چھوڑنے کے بعد رات کے وقت ہمارے پاس پہنچے تھے تو تمہاری مایوسی کا کیا عالم تھا؟ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ جس طرح اُس رات سین کی بیوی اور بیٹی کی مصیبت نے تمہیں ایک نئے راستے پر ڈال دیا تھا، اسی طرح قسطنطنیہ میں کوئی خوشگوار حادثہ تمہاری زندگی کا رُخ بدل دے؟"

عاصم نے سراپا احتجاج بن کر کہا۔ "آپ کا یہ مطلب ہے کہ میں اب ایران کی بجائے روم کی فوج میں شامل ہو جاؤں گا؟"

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں۔ وہاں آپ کے لئے زندگی کی اور دلچسپیاں بھی ہو سکتی ہیں۔"

عاصم کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن کلاڈیوس اور ولیریس کو واپس آتے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

جہاز درہ دانیال کے پُرسکون پانی سے گزرنے کے بعد بحیرۂ مارمورا میں داخل ہُوا اور پھر ایک دن عاصم اور اُس کے ساتھی آبنائے باسفورس کے مغربی کنارے قسطنطنیہ کا دلفریب منظر دیکھ رہے تھے۔ بازنطینی دارالحکومت کے قریب مارمورا اور باسفورس میں رومیوں کے جہاز اِس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ سمندر میں ابھی تک اُن کا پلّہ بھاری ہے۔ لیکن مشرقی کنارے پر حدِ نگاہ تک ٹیلوں اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے دامن ایرانی لشکر کے خیموں سے اٹے ہُوئے تھے۔

ولیریس نے کلاڈیوس سے مخاطب ہوکر کہا۔ "اب ایرانیوں کا کوئی جہاز باسفورس میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کرتا۔ ہم سمندر میں اُن سے اپنی برتری کا لوہا منوا چکے ہیں۔ لیکن ہم پر ایک وقت ایسا بھی آیا تھا، جب دشمن کے جہاز شہر کی مشرقی فصیل تک جا پہنچتے تھے۔ ایرانیوں نے پے در پے ناکامیوں کے بعد اپنا جنگی بیڑا یہاں سے ہٹا لیا ہے، لیکن میں نے سنا ہے کہ وہ ایک طرف بحیرۂ اسود اور دوسری طرف بحیرۂ مارمورا کی بعض مشرقی بندرگاہوں میں نئے جنگی جہاز تیار کر رہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اُن کا نیا حملہ پچھلے حملوں سے زیادہ شدید ہوگا۔ ادھر دیکھئے اُس ٹیلے سے آگے ایک پہاڑی پر ایرانیوں کے سپہ سالار کا سُرخ خیمہ نصب ہے۔ پہلے اُس کا خیمہ باسفورس کے کنارے سے اتنا قریب تھا کہ ہم قسطنطنیہ کی فصیل پر کھڑے ہوکر اُسے دیکھ سکتے تھے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اُس کی بیوی عیسائی ہے اور ایک معزز رومی افسر کی بیٹی ہے۔ اناطولیہ سے جو پناہ گزین فرار ہوکر قسطنطنیہ پہنچے ہیں، اُن کا خیال ہے کہ اگر سپہ سالار اپنی عیسائی بیوی کے زیرِ اثر نہ ہوتا تو اناطولیہ کے مفتوحہ شہروں میں ایک عیسائی بھی زندہ نہ بچتا لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ کسریٰ ایک عیسائی خاتون کے شوہر کو قسطنطنیہ فتح کرنے کی مہم کیسے سونپ سکتا ہے۔"

عاصم نے مضطرب سا ہوکر ولیریس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اگر ایرانی سپہ سالار کا نام سین ہے تو آپ کو تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔ میں اُس کی بیوی کو جانتا ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اُس کا باپ ایک رومی افسر تھا۔ جسے دمشق کے عیسائیوں نے دشمن کا جاسوس سمجھ کر زندہ جلادیا تھا۔"

"ہاں، ہاں۔ اُس کا نام یہی ہے۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "ولیریس اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ یہ ایرانی سپہ سالار عاصم کو اپنا بیٹا سمجھتا تھا تو یقین کرلوگے؟"

ولیریس نے عاصم کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں، اور قدرے توقف کے بعد کہا۔ "اگر یہ ایرانی سپہ سالار سے اس قدر قریب تھے تو آپ کے ساتھ ان کی دوستی میری سمجھ میں نہیں آسکتی اور مجھے ڈر ہے کہ قسطنطنیہ کا کوئی باشعور آدمی یہ یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا کہ یہ صرف آپ کی خاطر ایرانیوں سے کنارہ کش ہو چکے ہیں۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "تم درست کہتے ہو قسطنطنیہ میں کسی کو اِس بات پر یقین نہیں آئے گا کہ ایرانی فوج کے ایک نامور سالار نے صرف ایک رومی کی جان بچانے کے لئے اپنے ماضی کے ساتھ سارے رشتے منقطع کرلئے ہیں۔ قسطنطنیہ کے لوگوں نے ایرانیوں کو ہمیشہ بے رحم دشمنوں کی حیثیت سے دیکھا ہے، اور مجھے ڈر ہے کہ میری گواہی کے باوجود وہ انہیں اپنا دوست سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ اس لئے قسطنطنیہ پہنچ کر عام لوگوں کے سامنے ایرانیوں کے ساتھ ان کا تعلق ثابت کرنا مناسب نہیں ہوگا۔"

ولیریس نے کہا۔ "میرے دوست ایرانیوں کے خلاف ہمارے خواص اور عوام کے جذبات بہت نازک ہیں۔ اور مجھے ڈر ہے کہ آپ کے والد بھی یہ پسند نہیں کریں گے کہ آپ ایرانی فوج کے کسی عہدہ دار کو دوست بنا کر اپنے ساتھ لے آئے ہیں۔"

"نہیں ولیریس اپنے والد کو ان کے متعلق مطمئن کرنا میرے لئے مشکل نہیں ہوگا۔ لیکن موجودہ حالات میں عام لوگوں پر ان کا ماضی ظاہر نہیں ہونا چاہیئے۔" یہ کہہ کر کلاڈیوس عاصم کی طرف متوجہ ہُوا۔ "میرے دوست تمہیں ہماری باتوں سے پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ میں نے پہلے اِس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا تھا۔ لیکن اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اگر ہم نے احتیاط نہ کی تو ہوسکتا ہے کہ قسطنطنیہ کے لوگ میری وفاداری پر بھی شک کرنے لگ جائیں۔"

عاصم نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کے خاموش چہرے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کلاڈیوس اور ولیریس

کی باتوں نے اُس پر کوئی اثر نہیں کیا۔ وہ بے خیالی کے عالم میں باسفورس کے مشرقی کنارے کی طرف دیکھ رہا تھا اور اُس کی نگاہوں کے سامنے ایک ایسا افق تھا جہاں ماضی اور حال کی سرحدیں ایک ہو جاتی ہیں۔ وقت کی گزرگاہوں پر چند مٹے ہوئے نقوش ابھر اجاگر ہو رہے تھے۔ ماضی کی گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی صدائیں پھر اُن کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ اُس کی لٹی ہوئی دنیا فسطینہ کی مسکراہٹوں سے آباد ہو رہی تھیں۔

وہ دیر تک بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ پھر کلاڈیوس نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "عاصم! تم کیا سوچ رہے ہو، ادھر دیکھو، ہم بندرگاہ پر پہنچ چکے ہیں۔"

عاصم نے مڑ کر دیکھا، اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔



سہ پہر کے وقت مرقس اپنے عالیشان محل کے سامنے ایک خوبصورت باغ میں بیٹھا ہوا تھا۔ مرقس کے سر کے سارے بال سفید ہو چکے تھے، تاہم اپنے سرخ و سپید چہرے سے وہ ایک تندرست اور توانا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ ایک قد آور کُتا اُس کے قدموں میں بیٹھا ہوا تھا۔

مرقس کی نوجوان بیٹی جولیا محل سے نکل کر باغ میں داخل ہوئی اور اُس کے قریب آکر بولی "اباجان! آپ نے ابھی تک چچا جان کے خط کا جواب نہیں دیا۔"

وہ بولا "بیٹی میں نے ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کیا کہ مجھے کیا جواب دینا چاہیئے۔"

جولیا اُس کے قریب دوسری کرسی پر بیٹھ گئی اور کچھ دیر باپ اور بیٹی خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے، بالآخر مرقس نے کہا "بیٹی کل میں تمہارے چچا کو یہ لکھنا چاہتا تھا کہ تم ایک بزدل آدمی ہو۔ اگر قیصر تمہیں قرطاجنہ کا حاکم بنا کر روانہ کرنے سے قبل میرا مشورہ لیتا تو میں بھرے دربار میں اِس غلط انتخاب کی مخالفت کرتا۔ اب تمہیں واپس بلانا میرے اختیار میں نہیں مجھے صرف اِس بات کا افسوس ہے کہ تمہاری بزدلی کی داستانیں ایک ایسے خاندان کی تاریخ کا حصّہ بن جائیں گی، جس کی جرأت اور بہادری پر ہر رومی فخر کرتا ہے۔"

جولیا نے کہا "اباجان! میں اپنے چچا کی حمایت نہیں کروں گی، مجھے اِس بات کا افسوس ہے کہ انہوں نے آپ کو قسطنطنیہ چھوڑ کر قرطاجنہ پناہ لینے کا مشورہ دیا ہے، لیکن آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے اپنا نیا عہدہ خوشی سے قبول نہیں کیا۔ بلکہ آپ کے کئی دوستوں نے انہیں مجبور کیا تھا کہ وہ قیصر کے حکم کی تعمیل کریں۔ آپ کو یاد ہے کہ جب وہ اسکندریہ سے واپس آئے تھے اور آپ نے سنیٹ میں ان کے خلاف تقریر کی تھی تو وہ رہبانیت اختیار کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔"

مرقس نے جواب دیا "اگر ایسے تمام لوگ راہب بن جاتے اور سلطنت کا کاروبار چند جرأت مند آدمیوں کے ہاتھ میں سونپ دیتے تو شاید آج ہم یہ دن نہ دیکھتے۔ میرے جن دوستوں نے تمہارے چچا کو قرطاجنہ کی گورنری کا عہدہ قبول کرنے پر آمادہ کیا تھا میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ بزدل قرطاجنہ کو قسطنطنیہ سے زیادہ محفوظ سمجھتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ اگر میرا بھائی قیصر کو دارالحکومت کی تبدیلی پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تو ان کے لئے بھی قرطاجنہ کا راستہ کھل جائے گا۔"

جولیا نے کہا "اباجان! یہ افواہ میں کئی دنوں سے سن رہی ہوں کہ اگر حالات زیادہ نازک ہو گئے تو شاید قیصر کو قسطنطنیہ چھوڑ کر قرطاجنہ کو اپنا دارالسلطنت بنانا پڑے لیکن مجھے یہ بات ناقابل یقین معلوم ہوتی ہے۔ ہرقل جس نے ہمیں فوکاس کے مظالم سے نجات دلائی تھی، بدترین حالات میں بھی قسطنطنیہ سے بھاگنا پسند نہیں کرے گا۔"

مرقس نے قدرے جوش میں آکر کہا۔ وہ ہرقل جس نے ہمیں فوکاس سے نجات دلائی تھی، مر چکا ہے وہ اُس دن مر گیا تھا جب اُس نے سنیٹ اور کلیسا کے احتجاج کے باوجود اپنی بھتیجی سے شادی کر لی تھی اب ہماری سلطنت کی تقدیر ایک عیاش، کاہل اور بزدل حکمران کے ہاتھ میں ہے۔ آج ہم اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہے ہیں۔ آبنائے باسفورس کے پار ایرانی کئی مہینوں سے فیصلہ کن حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں اور ہمارے شمال مغربی علاقے اُن وحشی قبائل کی شکارگاہ بنے ہوئے ہیں جو ایرانیوں سے زیادہ خونخوار ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ ہم کسی دن نیند سے بیدار ہوں گے تو ہمیں یہ خبر سنائی جائے گی کہ قیصر اپنی نئی ملکہ کے ساتھ رات کے وقت قرطاجنہ کی طرف فرار ہو چکا ہے اور دشمن کی افواج قسطنطنیہ کے دروازوں پر دستک دے رہی ہیں بیٹی! اگر

میرے سامنے تمہارا مسئلہ نہ ہوتا تو میں تمہارے چچا کے خط کا ایسا جواب لکھتا کہ اُس کے ہوش ٹھکانے آجاتے لیکن موجودہ حالات میں، میں تمہارے مستقبل سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم قرطاجنہ چلی جاؤ۔"

"اور آپ؟" جولیا نے سوال کیا

"تمہیں معلوم ہے کہ میرے لئے قسطنطنیہ چھوڑنا ممکن نہیں۔ میں سنیٹ کا رکن ہوں۔ میرے خاندان کے کئی افراد رومی سلطنت کی حفاظت کے لئے جان دے چکے ہیں۔ میں قسطنطنیہ کے عوام کے سامنے ایک بُری مثال پیش نہیں کر سکتا۔"

جولیا نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔ "اور میں آپ کی بیٹی ہوں۔ اگر قسطنطنیہ پر کوئی نازک وقت آیا تو میں قرطاجنہ کی طرف بھاگنے کی بجائے آپ کے ساتھ اس شہر کی خاک میں دفن ہونا زیادہ پسند کروں گی۔"

"بیٹی ایک لڑکی کے لئے جنگ کے آلام و مصائب موت سے زیادہ بھیانک ہو سکتے ہیں۔"

"اباجان! میں مصائب کے طوفانوں کے سامنے تنہا نہیں ہوں گی، بلکہ روم کی لاکھوں بیٹیاں میرے ساتھ ہوں گی۔"

کچھ دیر، باپ اور بیٹی خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ اچانک جولیا کو کسی کے پاؤں کی آہٹ محسوس ہوئی، اس نے دائیں طرف دیکھا چند قدم کے فاصلے پر کلاڈیوس کھڑا تھا جولیا چند ثانیے سکتے کے عالم میں اُس کی طرف دیکھتی رہی اور پھر اچانک اُٹھ کر "کلاڈیوس، کلاڈیوس" کہتی ہوئی آگے بڑھی اور بے اختیار اپنے بھائی کے ساتھ لپٹ گئی۔

مرقس کی ساری حسیات سمٹ کر آنکھوں میں آچکی تھیں۔ جولیا، کلاڈیوس کو اپنی گرفت سے آزاد کرنے کے بعد اپنے باپ کی طرف متوجہ ہوئی۔ "اباجان! بھائی جان آگئے ہیں۔ آپ نے انہیں نہیں پہچانا، اباجان یہ کلاڈیوس ہیں۔" بوڑھا باپ لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور کلاڈیوس بھاگ کر اُس کے ساتھ لپٹ گیا۔

جولیا کو بیرونی دروازے کی طرف چند اجنبی صورتیں دکھائی دیں اور اس نے کلاڈیوس کو بازو سے

طرف متوجہ کرتے ہوئے پوچھا "وہ کون ہیں؟"

"وہ ہمارے مہمان ہیں جولیا" کلاڈیوس نے جواب دیا۔

مرقس جس کی زبان تھوڑی دیر کے لئے گنگ ہو چکی تھی، اب اپنے بیٹے پر سوالات کی بوچھاڑ کر ـ "تم کہاں تھے؟ تم نے اپنے متعلق کوئی اطلاع کیوں نہ دی؟ یہاں کیسے پہنچے؟ اور تمہارے ـون ہیں؟ تم انہیں دروازے پر کیوں چھوڑ آئے ہو؟"

جولیا بولی۔ "وہ لڑکی کون ہے بھائی جان؟"

"اباجان!" کلاڈیوس نے اپنے باپ سے مخاطب ہو کر کہا "میری شادی ہو چکی ہے۔ اور آپ ـ اس مکان میں داخل ہونے کے لئے اجازت کی طلبگار ہے۔"

جولیا دروازے کی طرف بڑھی اور چند قدم چلنے کے بعد بھاگنے لگی، اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں ـوں میں آنسو تھے۔ انطونیہ کے قریب پہنچ کر وہ رُکی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی "میں کلاڈیوس ـہا ہوں، آپ یہاں رُک کیوں گئیں، آئیے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ سب مکان کے ایک کشادہ کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے اور کلاڈیوس اپنے باپ ـی بہن کے ساتھ اپنے ساتھیوں کا تعارف کروا رہا تھا ــــ جب عاصم کی باری آئی تو اس نے کہا ـجان، یہ میرے محسن ہیں، ان کی بدولت مجھے ایک بار نئی زندگی عطا ہوئی ہے اور دوسری بار اپنی ـئی ہوئی آزادی واپس ملی ہے۔"

اگلی رات مرقس کے گھر میں شہر کے معززین، حکومت کے عمال اور کلیسا کے اکابر کی ایک انتہائی ـمنت دعوت کا اہتمام ہو رہا تھا۔

باب ۲۸

ایک شام فسطینہ اور اُس کی ماں غلفدرون کے قلعے کی فصیل پر کھڑی خوشگوار ہوا کا لُطف اٹھا رہی تھیں اچانک مغرب کی سمت سے سواروں کا ایک دستہ قلعے کا رُخ کرتا ہؤا دکھائی دیا اور یوسیبیا نے کہا "بیٹی شاید تمہارے ابا جان آگئے ہیں"۔

فسطینہ کچھ دیر ٹکٹکی باندھ کر مغرب کی طرف دیکھتی رہی، بالآخر اُس نے کہا "نہیں امی جان اِدہ ایرج ہے اور ابا جان اُس کے ساتھ نہیں ہیں"۔

یوسیبیا نے کہا "تمہارے ابا جان کہتے تھے کہ ایرج رخصت پر گھر جا رہا ہے۔ ممکن ہے کہ اُسے کسی صوبے کی گورنری یا کوئی اور بڑا عہدہ مل جائے اور وہ اِس محاذ پر واپس نہ آئے۔ اس لئے تمہیں اُس کے ساتھ تلخی یا بے رُخی سے پیش نہیں آنا چاہیئے۔ اُسے بلاوجہ چڑانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ کسی دن تم اُس کی ضرورت محسوس کرو گی۔ اب نیچے چلو، میں اُس کے سامنے تمہارے چہرے پر مسکراہٹ دیکھنا چاہتی ہوں"۔

فسطینہ نے کہا "امی جان، میں ایسا طرزِ عمل اختیار نہیں کرنا چاہتی، جس سے وہ میرے ساتھ غلط اُمیدیں قائم کرلے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ میں اُس کے سامنے صاف گوئی سے کام لوں۔ اور اگر اُس کے دل میں کوئی غلط فہمی ہے تو وہ ابھی سے دُور کر دی جائے"۔

"نہیں بیٹی، تمہیں یہ مسئلہ اپنے باپ پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ وقت آنے پر وہ ایرج اور اُس کے باپ کو مناسب جواب دے سکیں گے۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ تمہاری شادی کا مسئلہ تمہاری رضامندی

...یا جائے گا۔ عمر کے ساتھ انسان کے خیالات بدلتے رہتے ہیں، ممکن ہے کہ کل ایرج کے متعلق تمہاری ...ہ جائے۔ اب چلو جلدی کرو"۔

فسطینہ اپنی ماں کے ساتھ سیڑھیوں سے نیچے اتری۔ تھوڑی دیر بعد یہ دونوں اپنے رہائشی مکان ...کمرے میں ایرج کا انتظار کر رہی تھیں۔ ایک نوکر بھاگتا ہؤا آیا اور اس نے کہا "جناب ایرج آگیا ہے ...ہی وقت آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ آقا اُس کے ساتھ تشریف نہیں لائے اِس لئے میں پوچھنا چاہتا ...آپ کا کیا حکم ہے؟

یوسیبیا نے جواب دیا "ایرج ہمارے لئے اجنبی نہیں اُسے لے آؤ، لیکن پہلے یہاں مشعل لے آؤ"۔

نوکر اس حکم کی تعمیل کے بعد واپس چلا گیا اور کچھ دیر بعد ایرج کمرے میں داخل ہؤا۔ وہ بیش قیمت لباس ...ہوئے تھا اور اُس کے موٹاپے سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ محاذِ جنگ پر بھی اُس کا وقت انتہائی عیش و آرام میں ...ہے۔ فسطینہ کے قریب ایک کرسی پر بیٹھنے کے بعد اُس نے یوسیبیا سے مخاطب ہو کر کہا "میں رخصت پر ...رہا ہوں اور اگر فسطینہ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو آج رات میں آپ کا مہمان ہوں"۔

"فسطینہ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے تم جتنے دن چاہو، یہاں ٹھہر سکتے ہو"۔

"شکریہ لیکن فسطینہ کی صورت بتا رہی ہے کہ یہ مجھے دیکھ کر خوش نہیں ہوئی۔ کیوں فسطینہ میں یہاں ...ٹھہر سکتا ہوں؟"۔

فسطینہ نے جواب دیا "میرے خیال میں یہ قلعہ کافی کشادہ ہے اور اگر میں چاہوں تو بھی آپ کو یہاں ٹھہرنے سے منع نہیں کر سکتی"۔

ایرج نے کہا "دیکھا چچی جان فسطینہ ابھی تک مجھ سے ناراض ہے؟"۔

یوسیبیا نے جواب دیا "فسطینہ تم سے ناراض نہیں۔ اور اگر تم بچوں کی طرح لڑنے نہ لگ جاؤ تو میں ...ہمارے کھانے کا انتظام کرنا چاہتی ہوں"۔

"میں نے اپنے ساتھیوں کے کھانے کا انتظام کرنے کے لئے قلعے کے محافظ سے کہہ دیا ہے۔ اور ...ے لئے اِس وقت کسی خاص تکلف کی ضرورت نہیں"۔

فسطینہ نے کہا۔"امی آپ بیٹھیں کھانے کا انتظام میں کرتی ہوں۔"

"نہیں فسطینہ میں تمہارے ساتھ چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" ایرج نے یہ کہتے ہوئے فسطینہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ بے بس سی ہو کر دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

یوسیبیا کمرے سے نکل گئی تو ایرج نے قدرے توقف کے بعد کہا۔"فسطینہ میں رخصت پر جا رہا ہوں بلکہ ہے کہ وہاں مجھے کوئی نیا عہدہ پیش کر دیا جائے اور میں واپس نہ آسکوں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔ میرے والد نے تمہارے ابا جان کو ایک پیغام بھیجا تھا، لیکن ابھی تک وہ تسلی بخش جواب نہیں دے سکے۔ محاذِ جنگ سے رخصت ہوتے وقت میں نے پہلی مرتبہ اُن سے کھل کر بات کرنے کی جرأت کی تھی، لیکن انہوں نے مجھے یہ کہہ کر ٹالنے کی کوشش کی تھی کہ ابھی میری بیٹی اپنے مستقبل کے متعلق سوچنے کے قابل نہیں ہوئی ۔ اب میں اُن سے تمہارے ساتھ براہ راست گفتگو کرنے کی اجازت لے کر آیا ہوں۔ اور تمہیں صبح سے پہلے مجھے کوئی تسلی بخش جواب دینا پڑے گا۔"

فسطینہ نے کہا۔"میں تمہاری شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے ایک رات سوچنے کے لئے دی ہے، ورنہ تم یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ میرا وقت بہت قیمتی ہے، اس لئے میں شادی کی رسومات ادا کرنے والے کاہن کو اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔"

ایرج نے تلخ ہو کر کہا۔"مجھے یقین ہے کہ جب میں دوبارہ تمہارے پاس آؤں گا تو کاہن میرے ساتھ ہو گا۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ میں اتنا طویل سفر کرنا پسند نہ کروں اور تم خود میرے پاس آنے پر مجبور ہو جاؤ۔ تمہیں یہ بات ہر وقت ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ تمہاری ماں عیسائی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔"

فسطینہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ لیکن ایرج نے جلدی سے اُس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔"ہماری گفتگو ابھی ختم نہیں ہوئی، آج میں تمہاری زندگی کی سب سے بڑی الجھن دُور کر دینا چاہتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے تذبذب کی وجہ وہ مفلس عرب تھا۔ لیکن اب وہ تمہیں پریشان نہیں کرے گا۔"

فسطینہ کے چہرے پر اچانک زردی چھا گئی۔ اور ایرج اُس سانپ کی طرح اُس کی طرف دیکھ رہا تھا جو اپنے شکار کو ڈسنے کے بعد اُس کے گرنے کا انتظار کر رہا ہو۔

اُس نے کہا۔"تمہارا عاصم اب تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ مصر سے اطلاع آئی ہے کہ اُسے سخت بخار حالت میں علاج کے لئے بابلیون بھیجا گیا تھا۔ لیکن اس کے بعد وہ کہیں روپوش ہو چکا ہے۔ ایک رومی م طبیبہ سے اُس کے ساتھ کشتی پر سوار ہوا تھا۔ اور وہ بھی لاپتہ ہے۔ اس غلام کی مصری بیوی اور اُس کا باپ بیون میں رہتے تھے۔ اور وہ بھی کہیں روپوش ہو چکے ہیں۔ بابلیون کے حاکم کا خیال ہے کہ ان لوگوں نے عاصم تل کر کے دریائے نیل میں پھینک دیا ہو گا۔ ورنہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ جنگ کی کلفتوں سے تنگ آگیا ہو اور حت یاب ہونے کے بعد چھپتا چھپاتا اپنے وطن پہنچ گیا ہو۔ اگر تمہیں مجھ پر یقین نہیں آتا تو اپنے ابا جان سے مدیق کر لینا وہ دو چار دن تک یہاں آجائیں گے۔"

فسطینہ کچھ دیر سکتے کے عالم میں کھڑی رہی۔ پھر اُس کے بھنچے ہوئے ہونٹ لرزنے لگے اور پتھرائی ہوئی نکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ پڑا۔ ایرج نے اُس کا ہاتھ کھینچ کر اپنے قریب بٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ ایک جھٹکے کے ساتھ ہاتھ چھڑا کر چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔

ایرج نے کہا۔"فسطینہ تمہارے آنسو اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ میرے شبہات غلط نہ تھے۔ لیکن اب بھی اگر تم اپنے دل سے اُس کا خیال نکال دو تو میں تمہارے ماضی کی ہر لغزش فراموش کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

فسطینہ کی رگوں کا سارا خون سمٹ کر اُس کے چہرے میں آگیا اور اُس نے کہا۔"مجھ سے کوئی لغزش نہیں ہوئی اور مجھے تمہارے رحم کی ضرورت نہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ تم ایک شریف اور بہادر آدمی کے ساتھ اس قدر نفرت کر سکتے ہو۔ تم شاید اپنے دل میں یہ خیال لے کر آئے تھے کہ عاصم کے روپوش ہونے کی اطلاع سُن کر میں تم سے یہ کہوں گی کہ اب میرے دل میں تمہارے لئے جگہ خالی ہو چکی ہے۔ لیکن تمہاری یہ خوشی بے معنی ہے۔ اگر وہ زندہ ہے تو تم مجھے اس کا انتظار کرنے سے نہیں روک سکتے۔ اور اگر وہ مر چکا ہے تو تم میرے دل سے اُس کی یاد نہیں بھلا سکتے۔ ایرج اگر تمہیں اپنی برتری کا غرور ہے تو سنو، اگر آسمان کے ستارے تمہارے پاؤں چھونے کے لئے زمین پر اتر آئیں، تو بھی میری نگاہوں میں تم عاصم نہیں بن سکتے۔"

ایرج نے کہا۔"مجھے معلوم نہ تھا کہ ایک وحشی عرب کی موت کی خبر سن کر تم اپنے ہوش و حواس

کھو بیٹھو گی۔"

اُس نے جواب دیا "میں جن لوگوں کو جانتی ہوں، وہ اُن سب سے زیادہ بہادر نیک اور رحمدل تھا اور اگر اُسے دیکھنا، جاننا اور پرستش کے قابل سمجھنا ایک لغزش تھی تو میں مرتے دم تک اپنی اس لغزش پر فخر کروں گی۔"

ایرج نے زخم خوردہ ہو کر کہا۔ "فسطینہ میں تمہیں چڑانے کے لئے نہیں آیا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ تم ایک احسان شناس لڑکی ہو، اور تمہارے دل میں ایک ایسے شخص کے لئے احسانمندی کے جذبات کا بیدار ہونا ایک قدرتی بات ہے جس نے مصیبت کے وقت تمہاری اعانت کی تھی۔ تمہاری وجہ سے اُسے میں بھی اپنا محسن سمجھتا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک عرب ہمارے درمیان کھڑا ہو جائے۔ میں نے اگر تمہاری دل آزاری کی ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم بارہا اُس کا نام لے کر مجھے چڑانے کی کوشش کر چکی ہو لیکن ان سب باتوں کے باوجود اگر میرے منہ سے کوئی ایسی بات نکل گئی ہے جس سے تمہاری غیرت کو ٹھیس پہنچی ہو تو میں صدقِ دل سے معافی کا طلبگار ہوں۔ فسطینہ آؤ، میرے پاس بیٹھ جاؤ، میں آیندہ کبھی تم سے یہ نہیں کہوں گا کہ تمہیں عاصم کو بھول جانا چاہیئے۔"

ایرج اٹھ کر آگے بڑھا لیکن فسطینہ بھاگ کر برابر کے کمرے میں چلی گئی۔ اور جلدی سے دروازہ بند کر کے بستر پر منہ کے بل گر پڑی۔

ایرج نے دروازے کو دھکے دینے کے بعد کہا "فسطینہ دروازہ کھولو، فسطینہ پاگل نہ بنو۔"

یوسیبیا کمرے میں داخل ہوئی، اور ایرج پریشان ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ یوسیبیا نے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری لڑائی شروع ہو چکی ہے۔"

ایرج نے جواب دیا "میں اسے ایک بُری خبر سنانے کی غلطی کر چکا ہُوں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ مجھ اس قدر خفا ہو جائے گی۔"

"کیسی خبر؟" یوسیبیا نے بدحواس ہو کر سوال کیا۔

ایرج نے جواب دیا "مصر سے اطلاع آئی ہے کہ عاصم لاپتا ہو چکا ہے۔"

یوسیبیا کے استفسار پر ایرج نے اِس اطلاع کی تفصیلات بیان کر دیں اور وہ نڈھال سی ہو کر کرسی

پر بیٹھ گئی۔

ایرج نے کہا "میں اپنے ساتھیوں کے پاس جا رہا ہوں، اگر مجھے وہاں دیر لگ جائے تو آپ کھانے کے لئے میرا انتظار نہ کریں۔"

یوسیبیا نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا، لیکن وہ اُسے کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر جلدی سے باہر نکل گیا۔ یوسیبیا کچھ دیر بے حس و حرکت بیٹھی رہی، پھر وہ اٹھ کر آگے بڑھی اور برابر کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد فسطینہ کو آوازیں دینے لگی "فسطینہ دروازہ کھولو۔ فسطینہ! فسطینہ!"

کچھ دیر اُسے اندر سے کسی جواب کے بجائے دبی دبی سسکیاں سنائی دیتی رہیں، پھر فسطینہ نے دروازہ کھول دیا اور روتی ہوئی اپنی ماں کے ساتھ لپٹ گئی۔

ماں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "بیٹی میں کئی دن سے یہ محسوس کر رہی تھی کہ مصر سے کوئی بُری خبر آنے والی ہے۔ اب تمہیں ہمت سے کام لینا چاہیئے۔"

وہ بولی "امی جان! عاصم کا خون میری گردن پر ہے" "میں نے ہی اُسے میدانِ جنگ کا راستہ دکھایا تھا——"

"اب صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں بیٹی۔ کم از کم ایرج کے سامنے تمہیں حوصلے سے کام لینا چاہیئے۔"

فسطینہ نے جواب دیا "آج ایرج کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مسکرانا میرے بس کی بات نہیں۔ اِس دنیا میں میرے سوا عاصم کے لئے آنسو بہانے والا کون ہے؟"

یوسیبیا نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا "بیٹی! اگر وہ مر چکا ہے تو تمہارے آنسو اُسے واپس نہیں لا سکتے——"

"امی جان! میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ زندہ ہے۔ اُسے زندہ رہنا چاہیئے۔"

"بیٹی خدا کرے اُس کی موت کی خبر غلط ہو۔"

"امی جان! سچ کہیئے، اگر وہ زندہ ہو اور یہاں پہنچ جائے تو آپ اپنے [illegible] پر ایک بوجھ محسوس نہیں کریں گی؟"

"میں یہ محسوس کروں گی کہ قدرت نے اُسے میری بیٹی کے آنسو پونچھنے کے لئے بھیجا ہے۔ میں تمہاری ماں ہوں فسطینہ۔ اور ایک ماں کی اس سے بڑی خواہش اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی تمام نعمتیں اور زندگی کی ساری خوشیاں اُس کی بیٹی کے قدموں میں ڈھیر کر دی جائیں۔"

"امی! ایرج، یہ محسوس کرتا ہے کہ اُس کے راستے سے پہاڑ ہٹ گیا ہے۔ وہ آج بہت خوش تھا۔ لیکن آپ میرے ساتھ وعدہ کریں کہ آپ اُس کی حوصلہ افزائی نہیں کریں گی۔ ایسے سنگدل انسان کے ساتھ زندگی گزارنے کی بجائے میرے لئے ایک راہبہ بن جانا زیادہ آسان ہوگا۔ وہ آپ کا مہمان ہے، لیکن میرے پاس اُس کی ضیافت کے لئے آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اُس نے کئی بار مجھ کو یہ احساس دلانے کی کوشش کی ہے کہ ایران کا کوئی خاندان اُسے ناراض کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا اور اُس کے نزدیک میری یا میرے والدین کی پسند یا ناپسند بے معنی ہے۔ اگر میرے ابا جان اُس کے سامنے اس قدر بے بس ہیں تو میرا مر جانا بہتر ہے۔"

"تمہارے ابا جان، ایرج کے خاندان سے بگاڑنا پسند نہیں کریں گے لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں کوئی مرعوب کر سکتا ہے۔ اگر ایرج تمہیں ناپسند ہے تو دنیا کی کوئی طاقت تمہیں اُس کے ساتھ شادی کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔"

"آپ کو معلوم ہے کہ مجھے مرعوب کرنے کے لئے اُس کا آخری حربہ کیا تھا؟ وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ تم ایک عیسائی ماں کی بیٹی ہو۔ اِس لئے میں جب چاہوں اپنی لونڈی بنا سکتا ہوں۔"

یوسیبیا نے کہا۔ مجھے یہ اُمید نہ تھی کہ وہ اِس حد تک کمینگی پر اتر آئے گا، لیکن تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر عیسائیت کے ساتھ ہمارا رشتہ تمہارے ابّا جان کو کوئی نقصان پہنچا سکتا تو شہنشاہ ایران کے تمام سرداروں کو نظر انداز کر کے قسطنطنیہ فتح کرنے کی مہم اُن کے سپرد نہ کرتا۔ شہنشاہ کے دربار میں تمہارے ابّا جان کے حاسدوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ میں تھیوڈوسیس کی بیٹی ہوں، لیکن جب تک شہنشاہ کو ہماری خدمات کی ضرورت ہے کوئی ہمارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ ایرج ہماری برائی سوچ سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ اُس نے کسی بات سے چڑ کر تمہیں پریشان کرنے کی کوشش کی ہو۔ بہر حال اب وہ رخصت پر جا رہا ہے، شاید وہاں اسے کوئی عہدہ مل جائے، اس لئے تمہیں غصّے یا نفرت کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ گھر جا کر

تمہارا خیال ہی چھوڑ دے اور ہمیں اُس کے خاندان کے ساتھ بگاڑنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔"

ماں اور بیٹی دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ نوکر کھانا تیار کر چکے تھے۔ لیکن ایرج ابھی تک غیر حاضر تھا۔

یوسیبیا نے کہا۔ "اب بہت دیر ہو گئی ہے، میں نوکر کو بھیج کر اُسے بلاتی ہوں۔"

فسطینہ نے اُٹھ کر کہا۔ "امّی مجھے بھوک نہیں، میں اپنے کمرے میں جاتی ہوں۔"

"بیٹی بھوک تو مجھے بھی نہیں، لیکن وہ بُرا مانے گا۔"

"امی، اگر آپ کو اُس کی ناراضگی کا اس قدر خوف ہے تو آپ اُسے کہہ دیں کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔" فسطینہ یہ کہہ کر برابر کے کمرے میں چلی گئی۔ یوسیبیا چند ثانیے پریشانی کی حالت میں کھڑی رہی، پھر اُس نے ایک نوکر کو آواز دے کر بلایا اور کہا۔ "تم ایرج کو بلا لاؤ۔"

نوکر باہر چلا گیا اور یوسیبیا دروازے میں کھڑی ہو کر صحن کی طرف جھانکنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد نوکر واپس آیا تو اُس کے ساتھ ایرج کی بجائے قلعے کا محافظ تھا۔ اُس نے جُھک کر یوسیبیا کو سلام کیا اور کہا۔ "جناب وہ شہر کی طرف نکل گیا ہے۔ اُس کی حالت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔" یوسیبیا نے پریشان ہو کر کہا۔

"جناب وہ بہت زیادہ شراب پی چکا تھا اور میں نے اُسے آپ کے پاس بھیجنا نامناسب سمجھ کر وہیں اُس کے کھانے کا انتظام کر دیا تھا"

یوسیبیا نے کہا۔ "اور اب وہ شہر میں کسی مکان کا دروازہ توڑ رہا ہوگا۔"

قلعے کے محافظ نے کہا۔ "اُسے روکنا میرے بس کی بات نہ تھی۔ اُس کے ساتھی بھی میری بات سننے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس لئے میری آخری کوشش یہی تھی کہ وہ قلعے کے اندر کوئی بدمزگی پیدا نہ کریں۔"

فسطینہ کمرے سے باہر نکلی اور اُس نے کہا۔ "کیا ہوا امّی جان؟"

"کچھ نہیں بیٹی، ایرج شراب پی کر شہر کی طرف نکل گیا ہے۔"

فسطینہ نے قلعے کے محافظ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ تم اِس شہر کے حاکم ہو؟"

"مجھے معلوم ہے لیکن ایرج جیسے لوگوں پر میرا حکم نہیں چلتا۔ اُس کے ساتھ گیارہ مسلح آدمی

"اور تم نے اِس شہر کے بے بس انسانوں کو ان گیارہ بھیڑیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔ تمہارے پاس کتنے آدمی ہیں؟"

"جناب میرے پاس ڈیڑھ سو آدمی ہیں، لیکن میں ایرج کے خلاف کسی کاروائی کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

فسطینہ نے چلّا کر کہا "میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ تم اپنے سپاہی لے کر اُن کا پیچھا کرو۔ اگر صبح مجھے یہ معلوم ہوا کہ رات کے وقت اِس شہر کی کسی بے بس لڑکی کی چیخیں سنی گئی ہیں تو تم اِس قلعے کے محافظ نہیں رہو گے"

"جناب! اگر وہ مزاحمت کریں تو؟"

"اگر وہ مزاحمت کریں تو انہیں باندھ کر یہاں لے آؤ۔"

"مجھے آپ کے حکم کی تعمیل سے انکار نہیں، لیکن آپ کو نتائج کی ذمہ داری لینی پڑے گی۔"

فسطینہ نے چلّا کر کہا "تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ جاؤ!"

قلعے کا محافظ یوسیبیا کی طرف متوجہ ہوا "جناب آپ کا بھی یہی حکم ہے؟"

یوسیبیا نے جواب دیا "سین کی بیٹی کا حکم سننے کے بعد تمہیں مجھ سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور میں یہ نہیں سمجھتی کہ چند شراب سے بدمست آدمیوں کو قابو میں رکھنے کے لئے تمہیں کسی لشکر کی ضرورت ہے"

قلعے کا محافظ کچھ اور کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا اور یوسیبیا نے نڈھال سی ہو کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "فسطینہ یہ معاملہ بہت خطرناک ہے، مجھے [illegible]ت ک[illegible] ایرج گھ[illegible] جاکر ہما[illegible]ے خلاف طوفان کھڑا کر دے گا۔ کاش! تمہارے ابا جان آج یہاں ہوتے۔"

"امی، اگر ابا جان یہاں ہوتے تو ایرج شراب سے مدہوش ہو کر شہر کا رُخ کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ قلعے کے محافظ پر یہ اعتراض نہیں کریں گے کہ تم نے ایرج اور اُس کے ساتھیوں کو رات کے وقت لوگوں کے گھروں میں گھسنے سے کیوں روکا تھا۔ فرض کیجئے اگر شہر میں کوئی سرپھرا ایرج کو قتل کر دے تو قلعے کے محافظ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے ایک بیوقوف انسانوں کو خطرے سے بچانے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ کیا اِس سے قبل کئی بستیوں میں اِس قسم کے واقعات پیش نہیں آئے؟"

فسطینہ کا جوش بہت حد تک کم ہو چکا تھا اور وہ اپنی ماں سے زیادہ اپنے آپ کو تسلی دینے کی

کوشش کر رہی تھی۔

ایک ساعت پریشانی اور اضطراب کی حالت میں انتظار کرنے کے بعد انہیں قلعے کے دروازے کی طرف آدمیوں کا شور سنائی دیا۔ اور وہ اٹھ کر اپنے کمرے سے باہر جھانکنے لگیں۔ ایک نوکر بھاگتا ہوا آیا اور اس نے کہا "قلعے کے سپاہی ایرج اور اُس کے ساتھیوں کو پکڑ کر لے آئے ہیں۔"

یوسیبیا نے پوچھا "شہر میں کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا؟"

"نہیں سپاہی کہتے ہیں کہ جب ہم شہر میں داخل ہوئے تھے، تو یہ لوگ ایک گلی سے چند پتھر کھانے کے بعد چیختے چلاتے واپس آ رہے تھے۔ ایرج کے ایک ساتھی کا سر پھٹا ہوا ہے اور میرے خیال میں وہ چند دن سفر کے قابل نہیں ہو گا۔"

صحن میں کسی کے بھاری قدموں کی آہٹ سنائی دی اور نوکر نے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا "شاید قلعے کے محافظ آ رہے ہیں۔"

یوسیبیا نے کہا "اچھا تم جاؤ۔"

نوکر چلا گیا اور قلعے کے محافظ نے دروازے کے قریب پہنچ کر کسی تمہید کے بغیر کہا "جناب میں انہیں لے آیا ہوں اور مجھے خوش قسمتی سے اُن کے ساتھ جھگڑا کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔"

یوسیبیا نے کہا "ہمارا نوکر کہتا ہے کہ شہر کے لوگوں نے اُن پر پتھر برسائے تھے؟"

جی ہاں، اور یہ الٹے پاؤں واپس آ رہے تھے۔ ایرج نے ہمیں دیکھا تو اُسے یہ غلط فہمی ہوئی کہ ہم اُس کی مدد کے لئے آئے ہیں۔ اُس نے مجھے کسی تاخیر کے بغیر حملہ کرنے کا حکم دیا، لیکن میں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں سپہ سالار کے حکم کے بغیر اِس شہر کے باشندوں کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کر سکتا۔ سچ پوچھئے تو مجھے شہر کے باشندوں سے قطعاً یہ توقع نہ تھی کہ وہ کسی ایرانی پر پتھر برسانے کی جرأت کریں گے، لیکن قدرت کو شاید میری عزت رکھنا منظور تھی۔ میرے خیال میں انہوں نے یہی سمجھا ہو گا کہ ڈاکوؤں کی کوئی ٹولی آ گئی ہے۔ ایرج مجھ سے سخت خفا ہے۔ [illegible]ر اُس نے مجھے بہت دھمکیاں دی ہیں۔ لیکن میں اُسے سمجھا بجھا کر واپس لے آیا ہوں۔ اب وہ میری شکایت لے کر آپ کے پاس آنا چاہتا تھا، لیکن میں نے اُسے یہ کہہ کر روک دیا ہے کہ آپ آرام

کر رہی ہیں۔ اُس کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علی الصباح یہاں سے روانہ ہو جائے گا۔"

فسطینہ نے کہا۔" امی جان، اُس کے ساتھ بات کرنا پسند نہیں کریں گی۔ اور مجھے یہ بھی امید نہیں کہ شراب کا نشہ اترنے کے بعد وہ ہمارے سامنے آنے کی جرأت کرے گا۔"

قلعے کا محافظ ادب سے سر جھکا کر واپس چلا گیا۔ اور یوسیبیا نے دروازہ بند کرنے کے بعد فسطینہ کا بازو پکڑ کر کہا۔" چلو، بیٹی اب آرام کرو۔"

فسطینہ کچھ کہے بغیر اُس کے ساتھ دوسرے کمرے میں داخل ہوئی اور وہ دونوں اپنے بستر پر لیٹ گئیں۔ یوسیبیا کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد سو گئی، لیکن فسطینہ پچھلے پہر تک کروٹیں بدلتی رہی۔ بالآخر اُسے نیند آگئی۔ اگلے دن وہ بیدار ہوئی تو کمرے کے روزن سے سورج کی شعائیں آرہی تھیں، اور یوسیبیا اُس کے بستر کے قریب کھڑی تھی۔ یوسیبیا نے کہا۔" اٹھو، بیٹی اب دوپہر ہونے والی ہے۔"

فسطینہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور کچھ دیر خاموشی سے اپنی ماں کی طرف دیکھتی رہی، بالآخر اُس نے پوچھا۔

"وہ چلا گیا ہے؟"

"وہ صبح ہوتے ہی چلا گیا تھا۔ اور تمہارا خیال درست تھا، اس نے میرے پاس آنے کی جرأت نہیں کی۔"

فسطینہ نے کہا۔" امی عاصم زندہ ہے، میں نے اُسے خواب میں دیکھا ہے۔"

یوسیبیا نے قریب بیٹھ کر فسطینہ کا سر اپنی گود میں رکھتے ہوئے کہا۔" بیٹی خدا کرے وہ زندہ ہو۔"

باب ۲۹

بازنطینی سلطنت ایشیا اور افریقہ کے محاذوں پر ایرانیوں کے ہاتھوں پے در پے شکستیں کھانے کے بعد یورپ میں بھی ایک انتہائی تشویش ناک صورت حال کا سامنا کر رہی تھی۔ یہاں قسطنطین اعظم کے جانشین کسی منظم سلطنت یا لشکر کی بجائے اُن خانہ بدوش وحشیوں کے ایک نئے طوفان کا سامنا کر رہے تھے، جو گزشتہ صدیوں میں بارہا وسط ایشیا سے نکل کر کبھی بحیرۂ خزر اور بحیرۂ اسود کے جنوبی اور کبھی شمالی علاقوں کو روندتے ہوئے یورپ کو تباہی اور بربادی کا پیغام دیا کرتے تھے۔ شکاریوں اور چرواہوں کی اس قوم کو جب اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے وسائل حیات کی کمی محسوس ہونے لگتی تو وہ نئی زمینوں کی تلاش میں نکل پڑتے اور پھر جو مہذب اور ترقی یافتہ ملک اُن کے راستے میں آتے، وہاں تہذیب و تمدن کے سارے چراغ بجھا دیئے جاتے۔ لہلہاتے کھیت سرسبز باغات ویران ہو جاتے اور خوشحال بستیوں اور پر رونق شہروں کی جگہ راکھ کے ڈھیر اور لاشوں کے انبار دکھائی دیتے۔ پھر یہی خانہ بدوش کچھ مدت لوٹ مار پر گزارا کرنے کے بعد آہستہ آہستہ آرام اور فراغت کی زندگی کے عادی ہو جاتے۔ اپنے آبائی وطن کی برفانی ہواؤں اور بنجر زمینوں کی بجائے مفتوحہ علاقوں کی زرخیزی موسموں کا اعتدال اور وسائل حیات کی فراوانی کے باعث اُن کی سخت کوشی اور جفاکشی، تن آسانی اور عافیت پسندی میں تبدیل ہونے لگتی، بوسیدہ کھالوں کے جھونپڑے کشادہ مکانوں سے بدل دیئے جاتے۔ خانہ بدوشی کی جگہ مدنیت کا شعور ابھرنے لگتا۔ مکان بستیوں، اور بستیاں، شہروں میں تبدیل ہو جاتیں۔ شکاری اور چرواہے کسان بن جاتے اور چراگاہوں اور ویرانوں کی جگہ کھیت اور باغات دکھائی دینے لگتے۔ لیکن پھر صحرائے گوبی اور منگولیا کی وسعتوں سے ننگے اور بھوکے انسانوں کا کوئی اور قافلہ اٹھتا اور یہ مہذب اور تن آسان اور عافیت پسند

لوگ وحشت اور بربریت کے ایک نئے سیلاب کے سامنے تنکوں کے انبار ثابت ہوتے۔

روم اور ایران کی جنگوں کے اس دور میں خانہ بدوشوں کے جو قبائل شمال مشرقی یورپ کو ہڑپ کرنے اور اطالیہ کو آگ و خون کا پیغام دینے کے بعد تھریس کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔ شاید اُن تمام قبائل سے زیادہ خونخوار تھے، جنہوں نے گزشتہ ادوار میں مغرب پر یلغار کی تھی۔ اور بازنطینی سلطنت پر ایک کاری ضرب لگانے کے لئے جو سازگار حالات ان لوگوں نے دیکھے تھے۔ وہ شاید کسی اَور نے نہیں دیکھے۔ رومی عقاب زخمی ہو چکا تھا۔ ایرانیوں نے اُس کے پر نوچ لئے تھے۔ اب اُسے ہلاک کرنے کے لئے کسی جرأت یا ہمت کی ضرورت نہ تھی۔ آوار[1] قبائل کا خاقان دریائے ڈینیوب سے لے کر اطالیہ تک ہزاروں بستیاں تباہ کرنے اور لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد ہرقلیہ کے قریب ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ مشرقی یورپ سے تباہ حال لوگوں کے قافلے قسطنطنیہ اور اُس کے مضافات میں پناہ لے رہے تھے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ تاتاریوں کی درندگی اور سفاکی کی جو داستانیں لائے تھے، اُن کے باعث شہر میں سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی اور ہر آن یہ خطرہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ اچانک کسی وقت گرد و غبار کے بادلوں سے وحشیوں کا لشکر نمودار ہوگا اور مضافات کی بستیوں سے لے کر قیصر کے محل تک لاشوں کے ڈھیر لگ جائیں گے۔

افریقہ اور ایشیا میں اپنے زرخیز علاقوں سے محروم ہونے کے باعث قسطنطنیہ کے عوام پہلے ہی قحط کا سامنا کر رہے تھے، اب پناہ گزینوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے بھوک اور افلاس کا مسئلہ زیادہ تشویشناک صورت اختیار کر چکا تھا۔ قیصر کی مایوسی اور بددلی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ ایک دن جب قسطنطنیہ کا اسقفِ اعظم سرجیس سینٹ صوفیہ کے عظیم الشان گرجے میں گریہ و زاری کر رہا تھا، اُسے یہ اطلاع ملی کہ ہرقل قرطاجنہ کی طرف فرار ہونے کا فیصلہ کر چکا ہے اور اُس کا ساز و سامان جہازوں پر لادا جا رہا ہے۔ سرجیس کرب و اضطراب کے عالم میں گرجے سے نکلا اور ہانپتا کانپتا قیصر کے محل میں داخل ہوا۔ شہنشاہ اور ملکہ سفر کی تیاریوں میں مصروف

[1] آوار۔ سیتھین قوم سے تعلق رکھتے تھے اور عام طور پر انہیں بھی وسط ایشیا کے دوسرے قبائل کی طرح تاتاریوں کے نام سے ہی یاد کیا جاتا ہے۔

اور کسی کو ملاقات کی اجازت نہ تھی، لیکن پہریداروں کو قسطنطنیہ کے اسقفِ اعظم کا راستہ روکنے کی جرأت نہ ہوئی۔

ہرقل اپنا غم غلط کرنے کے لئے شراب پی رہا تھا۔ سرجیس کو دیکھ کر اُس کے ہاتھ سے سونے کا پیالہ گر پڑا اور اُس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا "مقدس باپ مجھے معلوم ہے، آپ کس لئے آئے ہیں لیکن اب بحث سے کوئی فائدہ نہیں، میں دار الحکومت تبدیل کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں"۔

سرجیس اطمینان سے ہرقل کے سامنے بیٹھ گیا اور پھر قدرے توقف کے بعد بولا "آپ اس لئے جا رہے ہیں کہ قسطنطنیہ کے حالات مخدوش ہو چکے ہیں، لیکن میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر قرطاجنہ کو کوئی خطرہ پیش آیا، اگر ایرانی یا آوار وہاں پہنچ گئے تو آپ کہاں جائیں گے؟"

ہرقل نے عاجز ہو کر جواب دیا "مقدس باپ آپ مجھے بزدلی کا طعنہ نہیں دے سکتے۔ میں کئی برس ایرانیوں کے ساتھ لڑ چکا ہوں، اگر صرف کسریٰ کے لشکر کے ساتھ مقابلہ ہوتا تو شاید ہم چند برس اور انہیں آبنائے باسفورس کے پار روک سکتے تھے۔ لیکن ان نئے درندوں کو روکنا میرے بس کی بات نہیں۔ میرے سپاہی اُن کے نام سے لرزتے ہیں۔ میرے سالار مایوس اور بددل ہو چکے ہیں۔ میرا خزانہ خالی ہے میں اپنے امراء اور اپنے عوام سے مزید قربانیوں کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ قرطاجنہ پہنچ کر مجھے تیاری کے لئے موقع مل سکتا ہے۔ ایرانی بحری قوت کے بغیر وہاں نہیں پہنچ سکتے، اگر ایرانیوں نے وہاں تک ہمارا پیچھا کیا تو بھی ہمیں تیاری کے لئے مہلت ضرور مل جائے گی"۔

سرجیس نے جواب دیا۔ "نہیں، نہیں آپ اپنے آپ کو فریب دینے کی کوشش نہ کریں، آپ بازنطینی سلطنت کے حکمران ہیں اور قسطنطنیہ کے بغیر اس سلطنت کا کوئی وجود نہیں ہوگا۔ آپ سر کٹوانے کے بعد بازو کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ آپ اُن لوگوں کو دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ کر نہیں جا سکتے، جن کے بیٹوں اور بھائیوں نے آرمینیا، شام اور مصر کے میدانوں میں آپ کے جھنڈے تلے جانیں دی ہیں، اگر آپ نے غلطی کی تو قرطاجنہ کے لوگ آپ کے لئے اپنے خون کا ایک قطرہ بہانے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ انطاکیہ، دمشق، یروشلم اور اسکندریہ چھن جانے کے بعد قسطنطنیہ اس دنیا میں عیسائیت کا آخری حصار ہے۔ اور اگر یہ حصار منہدم

ہوگیا تو اِس دنیا سے عیسائیت کے سارے چراغ بجھ جائیں گے۔ پھر ممکن ہے کہ آپ اِس ظلمتکدے کے کسی نامعلوم گوشے میں چند سال اور سسکتے رہیں، لیکن جو لوگ آزادی اور عزت کی نعمتوں سے آشنا ہیں، اُن کے لئے ایسی زندگی کا ہر لمحہ موت سے زیادہ بھیانک ہوگا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ ہرقل جسے میں جانتا ہوں، جس کی فتح اور نصرت کے لئے آج ہر خانقاہ اور ہر گرجے میں دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ جسے قدرت نے بدترین حالت میں ہمارا محافظ بنا کر بھیجا تھا۔ اور جس کے سر پر میں نے اپنے ہاتھوں سے تاج رکھا تھا، مجھے خدا اور اُس کے بندوں کے سامنے شرمسار نہیں کرے گا۔"

ہرقل نے نڈھال سا ہو کر سرجیس کی طرف دیکھا اور کہا "مقدس باپ، آپ کیا چاہتے ہیں؟۔ میں کیا کر سکتا ہوں؟۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ سنیٹ کے ارکان کی اکثریت میرے فیصلے کی تائید کر چکی ہے۔"

سرجیس نے جواب دیا "سنیٹ کے ارکان کی اکثریت کی تائید سے ایک غلط فیصلہ صحیح نہیں ہو سکتا لیکن میں یہاں اِس مسئلے پر بحث نہیں کروں گا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں، آپ میرے ساتھ سینٹ صوفیہ کے مقدس گرجے میں تشریف لے چلیں، مجھے یقین ہے کہ وہاں بزرگانِ دین کی روحیں ہماری راہنمائی کریں گی ——"

ہرقل تذبذب کی حالت میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ سرجیس اٹھا اور آگے بڑھ کر ادب کے ساتھ اُس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔ "آئیے!"

ہرقل اپنی بھاری قبا سنبھالتا ہؤا، اُس کے ساتھ چل دیا۔ شہر کے عوام جو ہرقل کے ارادے سے باخبر ہو چکے تھے، محل کے دروازے کے سامنے جمع ہو رہے تھے۔ اور بعض دل جلے پرجوش نعروں سے اپنے غم و غصہ کا اظہار کر رہے تھے۔ پہریدار اُنہیں اپنے نیزوں کی مدد سے پیچھے ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔ شرم، ندامت اور خوف کے احساس سے ہرقل کو دروازے سے باہر پاؤں رکھنے کا حوصلہ نہ ہؤا۔ سرجیس ہجوم کا جوش و خروش دیکھ کر چند قدم آگے بڑھا اور بلند آواز میں چلایا "بھائیو! راستہ چھوڑ دو، تمہارے شہنشاہ، تمہاری سلامتی کی دعا مانگنے کے لئے سینٹ صوفیہ کے مقدس گرجے میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔" ان الفاظ نے ہجوم پر جادو کا سا اثر کیا اور وہ راستہ چھوڑ کر اِدھر اُدھر سمٹنے لگے۔

ہرقل مسلح پہریداروں کی حفاظت میں گرجے میں داخل ہؤا اور آن کی آن میں وہاں تل دھرنے کی جگہ نہ [رہی]۔ سرجیس نے ایک ولولہ انگیز تقریر کے بعد کلیسا اور سلطنت کے لئے فتح و نصرت کی دعائیں مانگیں اور پھر [لو]گ طلب نگاہوں سے ہرقل کی طرف دیکھنے لگا۔ ہرقل کے چہرے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُس کی [غیر]ت فیصلہ جواب دے چکی ہے۔ اُس نے مغموم اور افسردہ نگاہوں سے لوگوں کی طرف دیکھا اور گردن جھکا لی۔ [لو]گ جو سکتے کے عالم میں اُس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آہستہ آہستہ سرگوشیاں کرنے لگے۔ سرجیس نے کہا "عالیجاہ [آ]پ کی رعایا اپنی قسمت کا فیصلہ سُننا چاہتی ہے۔"

ہرقل نے دوبارہ گردن اٹھائی، تو اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ چند ثانیے وہ حاضرین کی [ط]رف دیکھتا رہا، اور پھر اچانک اسقفِ اعظم کے سامنے دو زانو ہو کر بولا "مقدس باپ! میں کلیسا اور اپنی رعایا [ک]ے سامنے شرمسار ہوں۔ میں یہ عہد کرتا ہوں کہ میں قسطنطنیہ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ میری زندگی اور موت ان [لو]گوں کے ساتھ ہے۔ آپ دُعا کریں کہ خدا مجھے ایک حکمران کی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کی ہمت دے۔"

تھوڑی دیر بعد جب ہرقل گرجے سے نکل کر اپنے محل کا رُخ کر رہا تھا تو عوام مسلح پہریداروں کو ادھر اُدھر دھکیل کر اُسے اپنی حفاظت میں لے چکے تھے۔ اور وہ جو تھوڑی دیر قبل اُسے ملامت کر رہے تھے، اب انتہائی [ج]وش و خروش کے ساتھ اُس کی سلامتی اور فتح کے لئے دعائیں مانگ رہے تھے۔



قسطنطنیہ کی خوشگوار آب و ہوا میں عاصم کی صحت آہستہ آہستہ ٹھیک ہو رہی تھی۔ کلاڈیوس کے گھر میں اُسے زندگی کا ہر آرام میسر تھا۔ مرقس جو شاید عام حالات میں ایک عرب کے ساتھ بات تک کرنا پسند نہ کرتا اُسے اپنے بیٹے کا محسن سمجھ کر ہر ممکن طریقے سے اُس کی دلجوئی کیا کرتا تھا۔ انطونیا کی طرح جولیا بھی اُس کا بہت خیال رکھتی تھی۔ ویریس جس کا جہاز باسفورس کے جنگی بیڑے کے ساتھ شامل کر دیا گیا تھا، کلاڈیوس کی طرح اُس کا گرویدہ بن چکا تھا اور قریباً ہر شام اُس کے پاس آیا کرتا تھا۔ لیکن عاصم کو ایک مستقل مہمان کی حیثیت سے وہاں ٹھہرنا پسند نہ تھا۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں قریباً ایک ماہ آرام کرنے کے بعد اُس نے مستقبل کے متعلق سوچنا شروع کر

دیا۔ چند بار اُس نے کلاڈیوس کے ساتھ اِس موضوع پر گفتگو کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ ہر بار یہ کہہ کر ٹال دیتا کہ ابھی تمہاری صحت ٹھیک نہیں ہوئی۔ تمہیں کچھ عرصہ اور آرام کی ضرورت ہے۔ جب تم تندرست ہو جاؤ گے تو تمہارے لئے کوئی موزوں کام تلاش کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ سردست تمہیں میرے گھر کو اپنا گھر سمجھنا چاہئیے۔ عاصم کی طرح فرمس کو بھی اپنے داماد کے گھر میں ایک مستقل مہمان کی حیثیت پسند نہ تھی۔ معمولی کاروبار شروع کرنے کے لئے اُس کے پاس کچھ سرمایہ موجود تھا اور اُس نے قسطنطنیہ میں اطمینان کا سانس لیتے ہی گلیوں اور بازاروں کے چکر لگانے شروع کر دیئے تھے۔ عاصم کو اُس کے ارادے کا پتا چلا تو اُس نے اپنی ساری پونجی اُس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا "آپ مجھے اپنا شریک سمجھیں اور بلا توقف کوئی کام شروع کر دیں۔"

ایک شام فرمس نے اُس سے کہا "بیٹا میں نے ساری زندگی سرائے کا کاروبار کیا ہے اور قسطنطنیہ میں مجھے اپنے لئے اس سے زیادہ اور کوئی موزوں مشغلہ نظر نہیں آتا۔ آج میں نے شہر سے باہر ایک کشادہ مکان دیکھا ہے، جسے معمولی ردوبدل کے بعد ایک اچھی خاصی سرائے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اِس مکان کا مالک قسطنطنیہ کے حالات سے مایوس ہو کر اپنے بال بچے قرطاجنہ بھیج چکا ہے اور اب اپنی جائداد ٹھکانے لگانے کی فکر میں ہے۔ میں اُس کے ساتھ قیمت کے متعلق بات چیت شروع کر چکا ہوں۔ اور مجھے اُمید ہے کہ یہ مکان ہمیں بہت سستے داموں مل جائے گا ـــــ لیکن مجھے یہ الجھن ہے کہ رُومی امراء اس قسم کے کاروبار کو پسند نہیں کرتے۔ کلاڈیوس، شاید میری مخالفت نہ کرے، لیکن اُس کا باپ یقیناً یہ پسند نہیں کرے گا۔"

عاصم نے کہا "قسطنطنیہ میں یہ کام یقیناً آپ کے شایانِ شان نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کلاڈیوس آپ کے احترام کی وجہ سے خاموش رہے، لیکن اُس کے لئے اپنے احباب کا یہ طعنہ یقیناً ناقابل برداشت ہوگا، کہ اُس کا خسر ایک معمولی سرائے چلا رہا ہے۔ اگر آپ مجھ پر اعتماد کر سکیں تو آپ کی طرف سے یہ کام میں اپنے ذمہ لینے کے لئے تیار ہوں۔ یہاں میری حیثیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ میں اگر جنگل سے لکڑیاں لا کر فروخت کروں تو بھی مجھے کوئی ملامت نہیں کرے گا۔ اگر آپ پسند کریں تو میں بھی اپنی تھوڑی سی پونجی اس کاروبار میں لگانے کے لئے تیار ہوں۔"

فرمس نے جواب دیا "بیٹا میں اپنی ذات سے زیادہ تمہارے مستقبل کے متعلق سوچتا ہوں، اِس عمر

میں اگر میں کوئی کام شروع کرنا چاہتا ہوں تو اِس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ میں تمہیں اپنا شریک کار بنانا چاہتا ہوں۔ ایک بوڑھے آدمی کو دو وقت کی روٹی کے لئے کسی بھاگ دوڑ کی ضرورت نہیں، لیکن تم ابھی جوان ہو اور تمہیں یہاں اپنی زندگی کے باقی دن گزارنے کے لئے کسی شغل کی ضرورت ہے۔ اگر تمہارے پاس ایک کوڑی بھی نہ ہوتی تو بھی میں تمہیں اپنے ساتھ برابر کا حصہ دار بنانے پر اصرار کرتا۔ جب تم اچھی طرح تندرست ہو جاؤ گے تو ہم کسی تاخیر کے بغیر یہ کام شروع کر دیں گے۔ ابتدا میں تمہیں سارا کام سنبھالنا پڑے گا اور میں بظاہر ایک دوست اور مددگار کی حیثیت میں تمہارے پاس آیا کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ کچھ عرصہ بعد کلاڈیوس اور اُس کا باپ ہمیں دو ساتھیوں کی حیثیت سے دیکھنے کے عادی ہو جائیں گے اور میں کھُلے بندوں تمہارا شریک کار بن جاؤں گا۔ لیکن پہلے میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم سچ مچ ہمیشہ کے لئے قسطنطنیہ کے ساتھ اپنا مستقبل وابستہ کر چکے ہو؟"

عاصم نے کچھ دیر سر جھکا کر سوچنے کے بعد جواب دیا "آپ کو ابھی تک اس بات کا یقین نہیں آیا کہ ماضی کے ساتھ میرے تمام رشتے ٹوٹ چکے ہیں؟"

فرمس نے جواب دیا "میں اکثر یہ سوچتا ہوں، تم قسطنطنیہ میں زیادہ عرصہ خوش نہیں رہ سکو گے اور کسی نہ کسی دن ماضی کی بعض حسین یادیں تمہیں آبنائے باسفورس کے پار لے جائیں گی۔"

عاصم پھر تھوڑی دیر کے لئے سوچ میں پڑ گیا، بالآخر اُس نے گردن اُٹھا کر فرمس کی طرف دیکھا اور کہا "ماضی کے دامن میں میرے لئے اب سپنوں اور یادوں کے سوا کچھ نہیں۔ میں ایک درخت کی ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح ہوں، جسے دریا کی طغیانیاں کوسوں دُور کسی ٹاپو کے کنارے پہنچا دیتی ہیں۔ اب مجھے واپس جانے کے لئے حوادث کے اُس سیلاب کا رُخ بدلنا پڑے گا جو مجھے شام اور مصر کے راستے یہاں لے آیا ہے اور یہ میرے بس کی بات نہیں۔ اپنے ماضی کی گزرگاہ پر اگر میں نے کوئی نخلستان دیکھا تھا تو یہ میری نگاہوں کا فریب تھا۔ اگر میں نے کسی درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھنے کی تمنا کی تھی تو یہ میری نادانی تھی۔ میں نے مایوسی کی تاریک آندھیوں میں جو چراغ جلائے تھے وہ بجھ چکے ہیں۔ اب میں اپنے آپ کو یہ فریب دینے کی کوشش نہیں کروں گا کہ آبنائے باسفورس کے پار کوئی میرا انتظار کر رہا ہے۔"

فرمس نے سوال کیا "کیا یہ ممکن ہے کہ تم اُس ایرانی لڑکی کو بھول جاؤ، جس کی ایک مسکراہٹ تمہیں اپنی جان پر کھیلنے پر آمادہ کر سکتی تھی ۔"

عاصم نے جواب دیا "بعض سراب اتنے نظر فریب ہوتے ہیں کہ انسان اُن کے پیچھے دم توڑ دیتا ہے میں نے بھی ایک سراب دیکھا تھا، لیکن اب وہ میری نگاہوں سے اُوجھل ہو چکا ہے ۔ اب مجھے سین کی دوستی اور ایرانی فوج کے ساتھ اپنے کارنامے مذاق معلوم ہوتے ہیں ۔ زمانے کے حوادث نے مجھے اُس خود اعتمادی سے محروم کر دیا ہے جو ایک انسان کو سراب کے پیچھے بھاگنے پر آمادہ کر سکتی ہے ۔ اب اگر کوئی سراب ایک حقیقت بن کر میرے سامنے آجائے تو بھی مجھے اُس کی طرف قدم اٹھانے کا حوصلہ نہیں ہوگا ۔ اب میری تمام دلچسپیاں صرف زندہ رہنے تک محدود ہیں ۔ مجھے یقین ہے کہ اب میں تلوار نہیں اُٹھاؤں گا ۔ قسطنطنیہ میں اگر میرے لئے کوئی بات تکلیف کا باعث ہے تو وہ یہ کہ میں یہاں بیکار ہوں ۔ اگر میں اپنے آپ کو مصروف رکھنے کے لئے کوئی کام تلاش نہ کر سکا تو مجھے اندیشہ ہے کہ سین کی طرح کلاڈیوس کی دوستی بھی مجھے ایک بار پھر ایک ایسے سپاہی کی زندگی اختیار کرنے پر مجبور نہ کر دے جو کسی مقصد یا اصول کی خاطر سینہ سپر ہونے کی بجائے اپنی بے مقصد اور بے کیف زندگی کا جواز ثابت کرنے کے لئے تلوار اٹھا لیتا ہے ـــــ اب مجھے ایران کی فتوحات اور روم کے مستقبل سے کوئی دلچسپی نہیں، میں اپنی کتابِ حیات کا نیا ورق اُلٹ چکا ہوں ۔ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ مجھے اپنی زندگی کے باقی دن قسطنطنیہ میں گزارنے پڑیں گے ـــــ میں شمال یا مغرب میں وحشی قبائل کے حملوں کے واقعات سنتا ہوں تو کبھی کبھی میرے دل میں پھر ایک بار تلوار اٹھانے کا شوق کروٹیں لینے لگتا ہے، لیکن پھر میرے سامنے جب یہ سوال آتا ہے کہ کیا میرے خون کے چند قطروں سے ظلم اور وحشت کی وہ آگ بجھ جائے گی جو کبھی قیصر اور کسریٰ کے ایوانوں اور کبھی خانہ بدوشوں کے خیموں سے نمودار ہوتی ہے تو میرے حوصلے سرد ہو جاتے ہیں ۔ مجھے اِس تلخ حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں ایک معمولی انسان ہوں اور اپنی حدود سے باہر نکلنے کے بعد میں نے ہمیشہ ٹھوکریں کھائی ہیں ۔ اگر میرے جیسے معمولی انسان قیصر اور کسریٰ کے جھنڈے اٹھانے کی بجائے اپنے حال پر قانع رہ سکتے تو شاید اِس دنیا کی حالت بہتر ہوتی ۔"

فرمس نے کہا ۔ عاصم تم ایک معمولی آدمی نہیں ہو ۔ بعض حالات میں تلوار نکالنے کی بجائے تلوار نیام ڈالنے کے لئے زیادہ حوصلے اور جرأت کی ضرورت ہوتی ہے ۔ مجھے معلوم نہیں کہ کل تمہارا فیصلہ کیا ہوگا اگر میں نے تمہیں سمجھنے میں غلطی نہیں کی تو تم ان لوگوں سے مختلف ہو جو گمنامی اور بے چارگی کی زندگی پر رہ سکتے ہیں ۔ قدرت نے تمہیں پامال راہوں پر چلنے کے لئے پیدا نہیں کیا ۔ اگر یہ بات ہوتی تو تم رب سے نکل کر یہاں تک نہ پہنچتے اور آج تمہاری دلچسپیاں صرف اپنے دشمنوں سے انتقام لینے یا اپنے دان یا اپنے قبیلے کا بول بالا کرنے تک محدود ہوتیں ۔ لیکن قدرت نے تمہیں اپنے لئے نئے راستے تلاش رنے کی ہمت دی تھی، اور آج بھی میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ زمانے کا کوئی انقلاب تمہاری اس ہمت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا ـــــ صحت کی خرابی کے باعث ، تمہارے خیالات میں جو تبدیلی آئی ہے وہ میرے نزدیک رضی ہے ۔ جب تمہاری کھوئی ہوئی توانائی واپس آجائے گی تو تمہارا سوچنے کا انداز مختلف ہوگا ـــــ بہرحال تمہیں مایوس نہیں کروں گا ۔ اگر تم ایک سرائے میں کام کر کے مطمئن رہ سکتے ہو تو میں ایک ہفتہ کے اندر ندر سارا انتظام کر لوں گا ـــــ اگر ایرانی فوج کا ایک نامور سالار اس کام میں کوئی سبکی محسوس نہیں کرتا تو میں ی جس نے ساری عمر یہ کام کیا ہے، کسی کی ناراضگی یا خفگی کی پروا نہیں کروں گا ـــــ عاصم ! میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری رفاقت کو میں قدرت کا انعام سمجھوں گا ۔"

عاصم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "ایک ہفتہ بعد آپ کو یہ شکایت نہیں رہے گی کہ میری صحت خراب ہے ۔"



اگلے روز سہ پہر کے قریب فرمس مکان کا سودا چکانے کے بعد واپس آیا تو کلاڈیوس مہمان خانے کے ایک کمرے میں عاصم کے پاس بیٹھا ہوا تھا ـــــ اُس نے فرمس کو دیکھتے ہی سوال کیا ۔ "کہیئے، کوئی کامیابی ہوئی ہے ۔"

فرمس جواب دینے کی بجائے پریشان سا ہو کر، عاصم کی طرف دیکھنے لگا اور وہ بولا ۔ "آپ کو پریشان

ہونے کی ضرورت نہیں، میں انہیں بتا چکا ہوں کہ آپ میرے لئے ایک سرائے خرید رہے ہیں۔ کلاڈیوس کو قیصر کی طرف سے ایک اہم ذمہ داری سونپی گئی ہے اور یہ کل صبح یہاں سے روانہ ہو جائیں گے —— اس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ ان سے اجازت حاصل کر لی جائے۔"

فرمس کلاڈیوس کی طرف متوجہ ہوا "آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

اُس نے جواب دیا "مجھے ہرقلیہ کے قریب ایک اہم چوکی کی حفاظت پر متعین کیا گیا ہے۔ میں ابھی قیصر اور سپہ سالار سے مل کر آیا ہوں —— انہوں نے مجھے صبح ہوتے ہی کمک کے دستوں کے ساتھ کوچ کا حکم دیا ہے۔"

فرمس کچھ کہے بغیر اُن کے قریب ایک کُرسی پر بیٹھ گیا۔ کلاڈیوس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "دیکھئے عاصم کے متعلق میرے جذبات آپ سے مختلف نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ انہیں ایک دن کے لئے بھی بیکار بیٹھنا پسند نہیں اور میری یہ خواہش تھی کہ جب یہ اچھی طرح تندرست ہو جائیں تو انہیں کسی موزوں کام پر لگا دیا جائے —— موجودہ حالات میں قسطنطنیہ کو سب سے زیادہ سپاہیوں کی ضرورت ہے اور میں کسریٰ کی فوج کے ایک تجربہ کار سالار کے لئے یہاں بھی کوئی عزت کا مقام حاصل کر سکتا ہوں، لیکن میں ایک ایسے دوست کو اپنے ساتھ گھسیٹنا پسند نہیں کروں گا۔ جو اپنی تلوار نیام میں ڈال چکا ہے۔ اب اگر یہ سرائے کے کاروبار میں خوش رہ سکتے ہیں، تو مجھے بھی خوش ہونا چاہیئے۔ بلکہ میں یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہوں کہ اگر یہ اپنی خوشی سے ایک ادنیٰ مزدور کا پیشہ اختیار کر لیں تو بھی میں ان کا دوست کہلانے میں فخر محسوس کروں گا۔ عاصم نے مجھے یہ نہیں بتایا، لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اس کی طرح آپ بھی مجھے اپنی خدمت کا مزید موقع دینا پسند نہیں کرتے۔ اگر آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ میں قسطنطنیہ میں آپ کی آزادی پر کوئی پابندیاں عائد کرنا چاہتا ہوں، یا ایسے کاروبار سے میری تضحیک ہوگی تو آپ غلطی پر ہیں۔ اگر بابلیون میں ایک معمولی سرائے کا مالک میرے نزدیک دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ قابلِ احترام ہو سکتا تھا تو یہاں بھی عقیدت اور احترام کا وہ رشتہ قائم رہ سکتا ہے۔ انطونیہ نے یہاں پہنچتے ہی مجھ سے کہہ دیا تھا کہ آپ کام کے بغیر خوش نہیں رہ سکتے لیکن آپ کو یہ پریشانی ہے کہ جو کام آپ جانتے ہیں وہ ہمیں پسند نہیں آئے گا۔ آج جب عاصم نے مجھے یہ بتایا کہ آپ اُس کے لئے سرائے کا سودا کر رہے ہیں تو میرے لئے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ اِس کاروبار میں

پ بھی اُس کے ساتھ شریک ہیں۔ اب آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، میں اپنے باپ کے ساتھ بات کر چکا ہوں۔ انہیں کوئی اعتراض نہیں، وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی سرائے اتنی شاندار ہو کہ اونچے طبقہ کے لوگ وہاں ٹھہرنے میں عزت محسوس کریں اور اس مقصد کے لئے وہ آپ کو ایک معقول رقم قرض دینے کے لئے تیار ہیں۔"

فرمس نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے اپنے داماد کی طرف دیکھا اور کہا۔ "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کے والد اس قدر وسیع النظر ہیں تو مجھے اس قدر پریشانی نہ ہوتی۔ لیکن میں موجودہ غیر یقینی حالات میں کسی وسیع پیمانے پر کوئی کاروبار شروع کرنا مناسب خیال نہیں کرتا۔ اب میں مکان خرید چکا ہوں اور جو تھوڑی سی پونجی ہمارے پاس بچ گئی ہے وہ کام شروع کرنے کے لئے کافی ہے۔ جب حالات بہتر ہو جائیں گے، مجھے آپ کے والد سے مدد لینے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

ایک نوکر نے دروازے سے اندر جھانکتے ہوئے کہا۔ "ولیریس تشریف لائے ہیں۔"

"انہیں یہاں لے آؤ"، کلاڈیوس نے جواب دیا۔ نوکر واپس چلا گیا اور چند ثانیے بعد ولیریس کمرے میں داخل ہوا —— عاصم، فرمس اور کلاڈیوس اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور وہ اُن کے ساتھ باری باری مصافحہ کرنے کے بعد ایک کُرسی پر بیٹھ کر کلاڈیوس سے مخاطب ہوا۔ "میں صرف آپ کو الوداع کہنے کے لئے آیا ہوں۔ صبح تک قرطاجنہ سے رسد لانے والے جہاز بحیرۂ مارمورا میں داخل ہو جائیں گے۔ اور میں آج رات اُس کی حفاظت کے لئے جنگی جہازوں کا ایک بیڑہ لے کر روانہ ہو جاؤں گا۔"

کلاڈیوس نے کہا "یہ عجیب بات ہے کہ میں بھی علی الصباح قسطنطنیہ سے کوچ کر رہا ہوں، اور ابھی تمہاری تلاش میں نکلنے کا ارادہ کر رہا تھا۔"

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"مجھے ہرقلیہ کے محاذ کی کمان سونپی گئی ہے۔"

وہ کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے۔ بالآخر ولیریس نے کہا۔ "آپ وہاں تنہا جا رہے ہیں؟"

"نہیں میں یہاں سے ایک کمک کے ساتھ جا رہا ہوں۔"

"نہیں، نہیں میرا مطلب ہے کہ آپ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر تو نہیں جا رہے ؟"

"نہیں، میں اتنا بیوقوف نہیں ہوں، مجھے وہاں کے حالات معلوم ہیں۔ ویلریس، میں تمہیں ایک اہم ذمہ داری سونپنا چاہتا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ عاصم میری غیر حاضری میں ایک دوست کی کمی محسوس نہ کرے"

اُس نے جواب دیا "میں آپ کے ساتھ یہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ اِس مہم سے فارغ ہونے کے بعد میں دن میں کم از کم ایک بار ضرور اس کے پاس آیا کروں گا"

"عاصم یہاں سرائے کا کاروبار شروع کرنا چاہتا ہے، اور مجھے امید ہے کہ تمہاری موجودگی میں اسے کوئی پریشانی نہیں ہوگی"

"سرائے کا کاروبار؟" ویلریس نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

"ہاں! اور انطونیہ کے والد اس کے ساتھ شریک ہوں گے"

ویلریس نے کہا "یہ بات تو میری سمجھ میں آسکتی ہے کہ جو شخص ایرانی فوج میں شہرت اور کامیابی کی منازل طے کر چکا ہے، وہ اپنی زندگی کا راستہ تبدیل کر لینے کے بعد بھی ہماری فوج کے ساتھ کھڑا ہونا پسند نہیں کرے گا۔ لیکن ایک سپاہی کے متعلق یہ سوچنا کہ وہ سرائے بھی چلا سکتا ہے۔ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ اگر عاصم آپ کی مہمان نوازی سے اکتا گیا ہے تو میں اِس کے لئے فوج سے باہر بھی کوئی موزوں ملازمت تلاش کر سکتا ہوں"

کلاڈیوس نے کہا "ویلریس اب اس موضوع پر بحث کی ضرورت نہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ کل عاصم کے خیالات کیا ہوں گے، لیکن اِس وقت اُس کا یہی فیصلہ ہے۔ مجھے صرف یہی ثابت کرنا ہے کہ میں اپنے محسن کی ہر خواہش کا احترام کر سکتا ہوں"

ویلریس نے جواب دیا "بہت اچھا میں بحث نہیں کرتا۔ اور میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ فرصت کے لمحات میں ان کی سرائے میری اور میرے تمام دوستوں کی توجہ کا مرکز بنی رہے گی۔ اگر مجھے کوئی غیر متوقع حادثہ پیش نہ آگیا تو میں چار یا پانچ دن تک واپس آجاؤں گا، اب مجھے اجازت دیجئے"

ویلریس نے کرسی سے اٹھ کر کلاڈیوس کی طرف ہاتھ بڑھایا، لیکن اُس نے کہا "تم ہمارے ساتھ

نہیں کھاؤ گے ؟"

"نہیں، میں بہت مصروف ہوں"

"اچھا، تو میں دروازے تک تمہارے ساتھ چلتا ہوں"

کلاڈیوس کی دیکھا دیکھی فرمس اور عاصم بھی اُٹھ کر ویلریس کے ساتھ چل دیئے۔ دروازے سے باہر نکل س نے یکے بعد دیگرے اُن کے ساتھ مصافحہ کیا۔ جب عاصم کی باری آئی تو اُس نے جھجکتے ہوئے سوال "اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کی یہ مہم زیادہ خطرناک تو نہیں ؟"

"نہیں" ویلریس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا "مجھے یقین ہے کہ میں اس مہم سے سلامت واپس آؤں گا۔ ایرانی بیڑے کے متعلق جو اطلاعات ملی ہیں، اُن کے پیشِ نظر ہمیں کسی مزاحمت رتع نہیں۔ ان دنوں دشمن کا کوئی جہاز مشرقی ساحل کے اڈوں سے زیادہ دُور نہیں آتا۔ لیکن وہ اپنی بحری رت میں بتدریج اضافہ کر رہے ہیں اور اُن کا یہ عارضی سکون کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہو سکتا ہے۔ میں جب نطنطنیہ سے دُور ہوتا ہوں تو مجھے ہر آن یہ خدشہ محسوس ہوتا ہے کہ میری واپسی تک اس شہر کے باشندے س حال میں ہوں گے۔ میں ایرانیوں سے زیادہ اُن وحشیوں کے متعلق پریشان ہوتا ہوں، جو کسی وقت بھی ڈی اور طوفان بن کر یہاں نازل ہو سکتے ہیں۔ اس وقت میری سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ جب میں پس آؤں تو مجھے قسطنطنیہ کی خاموش دیواروں سے یہ سوال پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آئے کہ بازنطینی سلطنت کے آخری محافظ کہاں ہیں ؟"

کلاڈیوس نے مضطرب ہو کر "ویلریس مجھے یہ توقع نہ تھی کہ تم اس قدر مایوس ہو جاؤ گے"

اُس نے جواب دیا "مجھے افسوس ہے کہ مجھے مستقبل کی تاریک گزرگاہوں پر اُمید کا کوئی چراغ ھائی نہیں دیتا۔ لیکن یہ وقت اِس موضوع پر بحث کرنے کے لئے موزوں نہیں۔ اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ عاصم ایک حقیقت پسند انسان ہے تو میں اسے پریشان کرنے کی کوشش نہ کرتا۔ میرے خیال میں ایک ایسے دمی کو مستقبل کے خدشات سے آگاہ کرنا ضروری تھا جو قسطنطنیہ کو عافیت کا گھر سمجھ کر آپ کے ساتھ آیا ہے۔ اب مجھے اجازت دیجئے، خدا حافظ!"

کلاڈیوس کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن ویلریس اُسے موقع دیئے بغیر وہاں سے چل دیا۔

اگلی صبح کلاڈیوس بھی قسطنطنیہ سے روانہ ہو چکا تھا۔ اور چند دن بعد عاصم اور فرمس شہر سے باہر اپنی چھوٹی سی سرائے کا کام سنبھال چکے تھے۔



سرائے کا کاروبار، عاصم اور فرمس کی توقع سے زیادہ منفعت بخش ثابت ہو رہا تھا۔ قسطنطنیہ میں پناہ گزینوں کے سیلاب کے باعث رہائش کا مسئلہ ایک نازک صورت اختیار کر چکا تھا اور جن لوگوں کو شہر میں جگہ نہیں ملتی تھی وہ مضافات میں سر چھپانے کے لئے جگہ تلاش کر لینا بھی غنیمت خیال کرتے تھے۔ فرمس نے مسافروں کی بڑھتی ہوئی تعداد کا مسئلہ حل کرنے کے لئے، دوسرے مہینے ایک خیمہ خریدا اور اُسے سرائے کے پاس نصب کر دیا۔ تیسرے مہینے اُس نے ایک اور خیمہ خرید لیا اور اِس کے ساتھ ہی ایک کشادہ عمارت کی تعمیر شروع کر دی۔ قسطنطنیہ کی بیشتر سرائیں آرمینی تاجروں کی ملکیت تھیں۔ اور وہ باہر سے آنے والے مسافروں کو دونوں ہاتھوں لوٹتے تھے، لیکن فرمس زیادہ نفع کمانے کی بجائے زیادہ گاہک پیدا کرنے کے مسلک پر کاربند تھا اور یہی وجہ تھی کہ جو مسافر ایک دن اُس کی سرائے میں ٹھہرتا تھا وہ دوسرے دن دو چار اور مسافر وہاں لے آتا تھا۔

ویلریس فرصت کے اوقات میں اکثر اُن کے پاس آیا کرتا تھا، فرمس اور عاصم کے کاروبار سے اُس کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ وہ شہر میں ہر اجنبی کو اُن کی سرائے کا راستہ دکھانا اپنا فرض خیال کرتا تھا۔ فرمس جب اپنی بیٹی کو دیکھنے کے لئے جاتا تو عاصم کو بھی اپنے ساتھ لے جاتا۔

اپنی غیر حاضری کے پہلے مہینے کلاڈیوس نے انہیں جو خطوط بھیجے تھے، اُن میں یہ بات خاص طور پر دہرائی گئی تھی کہ مجھے عنقریب گھر آنے کے لئے چند دن کی چھٹی مل جائے گی، لیکن اِس کے بعد اُس کے تمام خطوط میں اِس قسم کی شکایات ہوتی تھیں کہ میں بے حد مصروف ہوں۔ دشمن نے فلاں علاقے میں مار دھاڑ شروع کر دی، ہماری افواج فلاں قلعے پر دوبارہ قابض ہو گئی ہیں۔ آج دشمن کے لشکر نے اچانک

ی فلاں چوکی پر قبضہ کر لیا۔ اب میں چند ہفتے گھر نہیں آسکوں گا۔ اس طرح چار مہینے گزر گئے۔

قسطنطنیہ پہنچنے کے بعد عاصم نے اپنی زندگی میں جو خلا محسوس کیا تھا، اسے سرائے کے ایک ود سے ماحول کی دلچسپیاں زیادہ عرصہ تک پُر نہ رکھ سکیں۔ اپنی کھوئی ہوئی توانائی دوبارہ حاصل کرنے کے بعد اُس کی حالت اُس مسافر کی سی تھی جو ایک لق و دق صحرا میں تھکاوٹ اور پیاس سے نڈھال ہونے کے بعد کسی نخلستان میں پہنچ جائے اور وہاں کسی چشمے کے ٹھنڈے پانی سے پیاس بجھانے اور کسی درخت کی گھنی چھاؤں میں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اپنے دل میں ایک نیا اضطراب محسوس کرنے لگے۔ ایک موش اور پُرسکون زندگی پر قانع ہو جانا اُس آدمی کے بس کی بات نہ تھی، جس نے اپنی زندگی کی بیشتر منازل، ناہموار اور پُرخطر راستوں پر طے کی تھیں۔ ماضی کی تمام دلچسپیوں سے کنارہ کش ہونے اور مستقبل کے متعلق تمام اُمیدوں سے محروم ہو جانے کے بعد یہ سرائے جسے ابتدا میں اُس نے ایک گوشۂ عافیت سمجھا تھا، اب اُسے ایک ایسا قید خانہ معلوم ہوتی تھی۔ جس کے باہر مشرق و مغرب کے تمام راستے افق کی تاریکیوں میں گم ہو کر رہ جاتے تھے۔ صبح و شام کی مصروفیت اُس کے لئے زندگی کی ایک ضرورت بن گئی تھی۔ وہ سرائے کے ملازموں کی طرح جن کی تعداد اب پانچ ہو چکی تھی، نہایت ادنیٰ کاموں میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتا تھا، لیکن اس کے باوجود کبھی کبھی اُس کے دل کی گہرائیوں میں کوئی خیال اٹھتا اور اُس کے ذہنی اور جسمانی قویٰ شل ہو کر رہ جاتے، وہ کوئی کام کر رہا ہوتا اور اُس کے ہاتھ پاؤں اچانک رُک جاتے۔ وہ کسی کی طرف دیکھتا اور اُس کی نگاہیں کسی موہوم افق کے دھندلکوں میں گم ہو کر رہ جاتیں۔ وہ کسی کے ساتھ باتیں کرتا اور اچانک اُس کی قوتِ گویائی سلب ہو جاتی۔ پھر سرائے کے کسی گوشے سے ایک جانی پہچانی آواز سنائی دیتی، "عاصم بیٹا، تم کیا سوچ رہے ہو۔ تم تھک گئے ہو۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ آؤ میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ دیکھو تمہیں ایندھن کے لئے لکڑیاں پھاڑنے، اور گھوڑوں کے آگے چارہ ڈالنے کی ضرورت نہیں ان کاموں کے لئے ہمارے پاس نوکر موجود ہیں۔ اور عاصم ایسا محسوس کرتا کہ وہ کسی گہرے سمندر میں غوطے کھانے کے بعد اچانک ساحل پر پہنچ گیا ہے۔"

فرمس ہر تیسرے یا چوتھے روز اپنی بیٹی کو دیکھنے کے لئے اُس کے گھر جایا کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ عاصم کو

اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کرتا، لیکن عاصم کے طرزِ عمل سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اُسے کلاڈیوس کے گھر پاؤں رکھتے ہوئے کوئی الجھن محسوس ہوتی ہے، اور وہ عام طور پر کسی نہ کسی بہانے وہاں جانے سے انکار کر دیتا۔

ایک دن فرمس نے اُسے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی تو عاصم نے جواب دیا۔"آج میں باسفورس کے کنارے گھومنا چاہتا ہوں۔"

فرمس نے کہا۔"بیٹا یہ میرے ساتھ نہ جانے کے لئے کوئی معقول بہانہ نہیں۔ دیکھو، انطونیہ تم سے بہت خفا ہے۔ اور جولیا پچھلی مرتبہ بار بار تمہارے نہ آنے کی وجہ پوچھتی تھی۔ کلاڈیوس کے باپ نے بھی تمہارے متعلق پوچھا تھا۔"

عاصم نے کہا۔"آپ جانتے ہیں کہ انطونیہ مجھے ایک بہن کی طرح عزیز ہے، اور اُسے دیکھ کر مجھے ایک راحت سی محسوس ہوتی ہے لیکن جولیا کے سامنے جاتے ہوئے مجھے اپنی بے بسی کا احساس ہوتا ہے۔ جب میں وہاں تھا تو مجھے ہمیشہ یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ مجھے قابلِ رحم سمجھتی ہے۔ اور اپنی غریب الوطنی، اور بے بسی کے باوجود میرے لئے یہ ناقابلِ برداشت ہے کہ میں قابلِ رحم سمجھا جاؤں۔"

فرمس نے کہا۔"عاصم فرض کرو کہ وہ نیلی آنکھوں والی مغرور لڑکی صبح، شام انطونیہ سے تمہارے متعلق ایسی داستانیں سنتی ہے، جن کے باعث احترام اور عقیدت کے رشتے استوار ہوتے ہیں تو تم اس کے متعلق کیا کہو گے؟"

عاصم نے جواب دیا۔"اس صورت میں مجھے اُس سے اور زیادہ دُور رہنا چاہئے۔"

فرمس نے پوچھا۔"یہ خود پسندی ہے یا احساسِ مرعوبیت؟"

عاصم نے جواب دیا۔"مجھے معلوم نہیں، میں صرف یہ جانتا ہوں کہ اب میں اُن راستوں پر چلنے کی جرأت نہیں کروں گا، جن کی کوئی منزل نہ ہو۔ اور آپ جانتے ہیں کہ اس راستے کی کوئی منزل نہیں ہو سکتی۔"

فرمس نے کہا۔"بیٹا تم نے مجھے غلط سمجھا، میرا یہ مطلب نہ تھا کہ جولیا تمہارے دل میں جگہ لے سکتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم اس قدر نادان نہیں ہو۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے دل سے تنہائی اور بے بسی

اس دُور کیا جائے، اور جب تمہیں یہ محسوس ہونے لگے گا کہ یہاں تمہیں جاننے پہچاننے اور تمہارا احترام والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے تو ماضی کی تلخیاں تمہارے لئے اس قدر تکلیف دہ نہیں ہوں گی۔"

عاصم نے کہا۔"کیا آپ میرے لئے کافی نہیں؟"

"لیکن میں ہمیشہ تمہارے ساتھ نہیں رہوں گا۔ میرے راستے کی آخری منزل اب زیادہ دُور نہیں۔"

عاصم کچھ دیر کرب و اضطراب کے عالم میں فرمس کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے ایک گہری سانس تے ہوئے کہا۔"جب آپ میرے ساتھ نہیں ہوں گے تو میں یہ سمجھوں گا کہ زندگی کے ساتھ میرا آخری رشتہ ٹوٹ ہے۔ پھر میری جگہ یہ سرائے نہیں ہوگی۔"

"تم کہاں جاؤ گے؟" فرمس نے مغموم لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے معلوم نہیں، آج مجھے اِس سوال کا جواب سوچتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا ہے۔"

فرمس نے کہا۔"عاصم جو انسان دوسروں کے لئے جینا اور مرنا جانتا ہو اُسے اپنے ماضی پر نادم، ل سے پریشان اور مستقبل سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ کیا تم اپنے ماضی کے واقعات کے متعلق سوچتے وقت یہ محسوس نہیں کرتے کہ بعض فیصلہ کن مراحل میں تمہارے اپنے شعور سے زیادہ قدرت کی ان دیکھی اور ان جانی قوتوں نے تمہاری راہنمائی کی ہے اور یہ قوتیں آئندہ بھی تمہاری راہنمائی کرتی رہیں گی؟"

عاصم نے جواب دیا۔"اپنے ماضی سے میں نے صرف یہ سبق سیکھا ہے کہ میں نے اپنے موہوم سپنوں کو حقیقت سمجھ لیا تھا۔ میں اس خود فریبی میں مبتلا ہو گیا تھا کہ میں وقت کی آندھیوں کا رُخ بدل سکتا ہوں۔ لیکن میری کوششوں کے نتائج میری توقعات کے خلاف تھے۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ وہ زمین جہاں میں محبت کے پھولوں کی آبیاری کرنا چاہتا ہوں، صرف انگاروں کو جنم دے سکتی ہے۔ میں نے یثرب کو اپنے دوستوں اور دشمنوں کے لئے امن کا گہوارہ بنانے کی تمنا کی تھی، لیکن میری کوششوں کا ماحصل یہ تھا کہ اِس حسین وادی کے لئے میرا وجود ناقابلِ برداشت ہو گیا۔ پھر جب میں وہاں سے نکلا تو زندگی کی تمام خواہشوں سے کنارہ کش ہو چکا تھا۔ اپنی کمزوری اور بے بسی کا اعتراف کرتے ہوئے میں نے اپنی تلوار پھینک دی تھی۔ فسطینہ اور اُس کی والدہ کی مصیبت نے مجھے ایک نئے طوفان کے سامنے سینہ سپر ہونے پر مجبور کر دیا۔ پھر میں نے اپنے

نئے راستے پر جتنے قدم اُٹھائے وہ سب غلط تھے۔ میں اس بات پر خوش تھا کہ میں مصیبت میں کسی کے کام آرہا ہوں، لیکن اِس کے بعد خود نمائی کا جذبہ میری ہر نیک خواہش پر غالب آچکا تھا۔ وہ ضمیر جو ایک رات اپنے زخمی دشمن کی قابلِ رحم حالت دیکھ کر بیدار ہوا تھا فلسطین، شام اور مصر کے میدانوں میں سو چکا تھا۔ ایرانی فوج میں شامل ہونے کے بعد میری فتوحات میرے اِس یقین کی آخری شکست تھیں کہ میں عام انسانوں سے مختلف ہوں۔"

"اگر تم عام انسانوں سے مختلف نہ ہوتے تو اپنے قبیلے کی روایات کے خلاف بغاوت کا جھنڈا نہ اٹھاتے اور اس کے بعد ایرانی فوج کا ساتھ چھوڑ کر یہاں نہ آتے ــــ عاصم تم اس بات پر فخر کر سکتے ہو کہ تمہارے اندر ایک غلط راستہ چھوڑ کر ایک صحیح راستہ اختیار کرنے کی جرأت موجود تھی۔"

عاصم نے جواب دیا "شاید آپ کو میری بات پر یقین نہ آئے۔ لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں نے اپنے ماضی سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ مجھے یقین ہے کہ قدرت کا کوئی معجزہ مجھے چند سال پیچھے لے جائے۔ اور میں اپنا سفر از سرِ نو شروع کروں تو میں پھر ایک بار ماضی کی تمام غلطیوں کو دہرانے کی کوشش کروں گا۔ میں پھر ایک زخمی دشمن کو اٹھا کر اُس کے گھر لے جاؤں گا اور مجھے اس بات کی پروا نہیں ہوگی کہ میری ہمدردی اُس کے خاندان کی تباہی کے دن قریب لا رہی ہے۔ میں سمیرا سے محبت کروں گا اور مجھے اس بات کی پروا نہیں ہوگی کہ میری محبت کے پھول اُس کے لئے انگارے بن جائیں گے ــــ میں انتہائی مایوسی اور بے چارگی کی حالت میں یروشلم کے قریب ایک سرائے میں پہنچنے کے بعد فسطینہ کی اعانت اور دلجوئی کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ لوں گا۔ پھر وہی نادان لڑکی میری نگاہوں کا مرکز بن جائے گی۔ اور مجھے اس بات کا احساس تک نہیں ہوگا، میں اپنے آپ کو فریب دے رہا ہوں۔ اس کے بعد میرا ضمیر مجھے ظلم کرنے والوں کی مخالفت یا مظلوموں کی حمایت پر نہیں اکسائے گا، بلکہ میں وحشت اور بربریت کے سیلاب کا راستہ صاف کرنے والوں کا ساتھی بن جاؤں گا اور جب تک میرے بازو شل نہیں ہو جائیں گے اور میری ہمت جواب نہیں دے جائے گی مجھے اپنی قبا پر بے گناہوں کے خون کے دھبے شرمسار نہیں کریں گے ــــ میں نے اپنی نگاہوں سے ہمیشہ مختلف اور متضاد راستے دیکھے ہیں۔ کیا وہ نوجوان جو صرف اپنے خاندان کے دشمنوں سے انتقام لینے کے لئے زندہ تھا، اُس نوجوان سے مختلف نہ تھا جو اپنے قبیلے کو امن اور رواداری کا درس دے رہا تھا اور اپنے دشمن

حفاظت کے لئے اپنے عزیزوں اور بھائیوں کے خلاف سینہ سپر ہو گیا تھا؟ کیا دنیا سے تمام رشتے، توڑنے کے بعد یہ بات میرے وہم و گمان میں آسکتی تھی کہ میں اپنے انا کی تسکین کے لئے درندوں کا ساتھی بن جاؤں گا؟ کیا شام سے حبشہ کی حدود تک ایرانی لشکر کے جھنڈے تلے سفر کرنے والے اور وہاں سے قسطنطنیہ کی طرف فرار ہونے والے انسان کے دو راستے ایک دوسرے سے مختلف نہ تھے ــــ؟ کیا ان تمام واقعات کے بعد میں اپنے دل و دماغ پر بھروسہ کر سکتا ہوں ــــ؟ مجھ جیسے انسانوں پر قدرت کا سب سے بڑا احسان یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی عمر کا ایک حصہ مختلف اور متضاد راہوں پر بھٹکنے کے بعد تھک کر ایک جگہ بیٹھ جائیں اور اس تلخ حقیقت کا اعتراف کر لیں کہ یہ دنیا اُن سے پہلے بھی اِسی طرح چلتی رہی ہے اور اُن کے بعد بھی اِسی طرح چلتی رہے گی۔ فرمس میں تھک چکا ہوں، میری ہمت جواب دے چکی ہے ــــ اب مستقبل کے ہر راستے پر مجھے تاریکی کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ آپ اکثر یہ کہا کرتے ہیں کہ جب تاریکی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو خدا کا کوئی بندہ ایک صبح درخشاں کا پیغام لے کر آتا ہے۔ اور انسانوں کے تھکے ہارے قافلے نئی امیدوں اور نئے حوصلوں سے سرشار ہو کر اُس کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ لیکن کاش میں اپنی زندگی کا سفر شروع کرنے سے پہلے کسی ایسے راہنما کو تلاش کر سکتا جس کی آواز مجھے اپنے ضمیر کی آواز محسوس ہوتی۔ جو مجھے یہ بتا سکتا کہ میں اس دنیا میں کیوں آیا ہوں۔ وہ کون سا راستہ ہے جس پر چلنے والے آخری دم تک مایوسی اور بددلی کا شکار نہیں ہوتے وہ کون سے ضابطے اور اصول ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ہم انسانی زندگی کے آلام و مصائب سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ کون سی قوت ہے جو ظالم کی تلوار کے سامنے مظلوم کی ڈھال بن سکتی ہے۔ اور وہ کون سا قانون ہے جس کی بدولت نسلوں، قبیلوں اور خاندانوں کے درمیان اخوت اور مساوات کے رشتے قائم ہو سکتے ہیں؟"

فرمس نے کہا "میرے دوست تم تنہا نہیں ہو ــــ اِس دُنیا کے ہر گوشے میں ہزاروں ایسے انسان ہیں جو تمہاری طرح سوچتے ہیں۔ تم جس راہنما کے متلاشی ہو، اُس کے ظہور کے تمام اسباب مکمل ہو چکے ہیں جس طرح رات کی تاریکی میں ستاروں کی جگمگاہٹ صبح کی آمد کا پیغام دیتی ہے، اِسی طرح انسانیت کے مستقبل پر یقین رکھنے والے اُس راہنما کی آمد کا پتا دے رہے ہیں، جس کے نور سے مشرق اور مغرب کے ظلمت کدے روشن ہونے والے ہیں۔ میں خدا کے اُن نیک اور پاکباز بندوں کو دیکھ چکا ہوں، جن کے نزدیک اُس کی

راہ دیکھنا زندگی کی سب سے بڑی سعادت ہے۔ میں نے اُن میں سے اکثر کو یہ کہتے سنا ہے کہ اب اس دُنیا کے معاملات سلجھانے کے لئے کلیسا کے پیشواؤں کا تقدس اور سلطنت کے کھوکھلا ہوں کا تدبر جواب دے چُکا ہے۔ اب سسکتی اور دم توڑتی ہوئی انسانیت کو نجات کا راستہ دکھانے کے لئے اُس ہادی کی ضرورت ہے، جس کو دیکھنے والے یہ محسوس کریں کہ وہ خدا کا نور دیکھ رہے ہیں۔ عاصم! تمہیں معلوم ہے کہ سرائے کے کاروبار سے میری رغبت کی وجہ کیا ہے؟ سنو! میں کئی برس سے یہ سوچ رہا ہوں کہ ایک دن دنیا کے کسی دُور افتادہ گوشے سے کوئی مسافر میرے پاس آئے گا اور مجھے یہ خوشخبری دے گا کہ وہ جس کی تم برسوں سے راہ دیکھ رہے ہو نمودار ہو چکا ہے۔ پھر میں سب کچھ چھوڑ کر اُس کے ساتھ روانہ ہو جاؤں گا۔ ایک مرتبہ عرب کے تاجروں کی زبانی میں نے یہ سُنا تھا کہ مکہ میں کسی نے نبوت کا دعوےٰ کیا ہے لیکن یہ تاجر اُس کا مذاق اڑا رہے تھے۔ اِس کے بعد میری یہ خواہش تھی کہ اگر مکّہ کے کسی سنجیدہ آدمی سے ملاقات ہو تو میں اُس کے متعلق مزید معلومات حاصل کروں، میری تشنگی کا یہ عالم تھا کہ بذاتِ خود وہاں جانا چاہتا تھا لیکن پھر ایسے حالات پیش آئے کہ مجھے وہاں سے ہجرت کرنا پڑی۔ ہو سکتا ہے کہ مکّہ میں ایک نبی کے ظہور کی اطلاع صرف ایک مذاق ہو لیکن میں اب تک مایوس نہیں ہُوا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اُس کی آمد کا زمانہ قریب ہے۔ وہ باتیں جو میں نے کئی بزرگوں سے سُنی ہیں غلط نہیں ہو سکتیں۔"

عاصم نے کہا "لیکن میں آپ کی طرح نہیں سوچ سکتا۔ اور اگر میں آپ کی طرح سوچنا شروع کر دوں، تو بھی مجھے اپنی نگاہوں پر، جو مجھے کئی بار دھوکا دے چکی ہیں، کیسے اعتبار آئے گا۔ میں حقیقت اور سراب میں کیسے امتیاز کر سکوں گا۔ میں کیونکر یہ سمجھ لوں گا کہ جس ضمیر کی آواز نے مجھے ایرانی لشکر میں شامل ہونے پر آمادہ کر دیا تھا، دوبارہ مجھے دھوکا نہیں دے رہا ــــ مجھے یہ کیسے یقین آئے گا کہ وہ راہنما جسے لوگ خدا کا نبی سمجھتے ہیں، عام انسانوں سے مختلف ہے؟"

فرمس نے جواب دیا "اُس کے ساتھ خدا کی نشانیاں ہوں گی۔ اُس کے بدترین دشمن بھی اُس کی نیکی اور صداقت کا اعتراف کریں گے۔ وہ ناداروں اور بے کسوں کو اپنی پناہ میں لے گا اور وہ یہ محسوس کریں گے کہ اُن کے سر پر خدا کا ہاتھ ہے۔ وہ عدل و انصاف کا بول بالا کرے گا اور اُس کے جلال کے سامنے ظالموں

ردنیں جھک جائیں گی۔ اُس کا راستہ روکنے والے تنکوں کی طرح بہہ جائیں گے۔ وہ جس زمین پر قدم رکھے اُس پر خدا کی نعمتوں کی بارش ہوگی۔ اُس کی اطاعت کرنے والے فلاح پائیں گے اور اُس سے سرکشی نے والے ذلیل و خوار ہوں گے، وہ ضرور آئے گا، عاصم! تم اُسے دیکھتے ہی یہ محسوس کرو گے کہ تمہارے در کی تاریک رات بیت چکی ہے۔"

عاصم کچھ دیر خاموشی سے فرمس کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا "کاش! میں آپ کی باتوں پر یقین کر سکتا۔"

"جب تم میری عمر کو پہنچو گے تو تم یہ محسوس کرو گے کہ یہ یقین تمہارا آخری سہارا ہے۔" فرمس یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہو گیا۔

عاصم نے پوچھا "آپ جا رہے ہیں؟"

"ہاں! میں نے انطونیہ سے وعدہ کیا تھا اور وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی ــــ اور اگر تم جولیا سے بہت زیادہ خوفزدہ نہیں ہو تو تھوڑی دیر کے لئے میرا ساتھ دینے میں کوئی ہرج نہیں، چلو!"

عاصم مسکراتا ہُوا اٹھا اور فرمس کے ساتھ ہو لیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد اُس نے کہا "میں جولیا سے خوفزدہ نہیں ہوں، میرے نزدیک وہ قسطنطنیہ کے چوراہوں پر نصب اُن مرمریں مجسموں سے مختلف نہیں، جنہیں صرف چند قدم دور سے دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اُس کے نازک ہاتھ کسی دن میرے پرانے زخموں کو کرید ڈالیں گے ــــ اُس کا وجود ایک آئینہ ہے اور میں اُس کی طرف دیکھ کر یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ماضی کی ایک تصویر میرے دل کی گہرائیوں سے نکل کر میری نگاہوں کے سامنے آگئی ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ جولیا احسانمندی کے تقاضوں سے مجبور ہو کر مجھ میں دلچسپی لینے کی کوشش کرتی تھی لیکن اُس کی شفقت اور مروت سے متاثر ہو کر، میں ایسا محسوس کرتا تھا کہ فسطینہ ایک نئے روپ میں میری نگاہوں کے سامنے جلوہ افروز ہے اور وہ مجھ سے یہ کہہ رہی ہے کہ میں سین کی بیٹی ہونے کے باوجود مغرور اور خود پسند نہیں ہوں۔ تمہارا یہ خیال غلط تھا کہ عمر کے ساتھ جب میرا شعور پختہ ہونے لگے گا تو ماضی کے واقعات مجھے ایک مذاق معلوم ہوں گے۔ تمہارا یہ خیال بھی صحیح نہیں تھا کہ میرے باپ نے صرف تم سے چھٹکارا حاصل

کرنے کے لئے تمہیں مصر کی مہم پر بھیج دیا تھا——میں نے اُس سے اپنے دِل کا حال پوشیدہ نہیں رکھا تم مجھ پر یہ الزام نہیں دے سکتے کہ میں نے تمہیں جنگ میں حصہ لینے پر مجبور کیا تھا——نہیں، تمہارا یہ اقدام تمہاری خود پسندی کا نتیجہ تھا، اور مجھے صرف تمہاری خوشی منظور تھی، اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ فتوحات کا شوق تمہیں مجھ سے چھین لے گا تو میں دونوں ہاتھوں سے تمہارا دامن پکڑ لیتی۔ تم واپس آجاؤ، عاصم میں صبح و شام تمہارا راستہ دیکھتی ہوں۔ اگر تم زخمی ہو تو میں تمہارے زخموں پر مرہم رکھوں گی، اگر تم بیمار ہو تو میں تمہاری تیمارداری کروں گی تم میری نگاہوں میں سین کی بیٹی کی خود پسندی اور غرور کی بجائے اُس لڑکی کا عجز و انکسار دیکھو گے، جس نے ایک دن بے بسی کے آنسوؤں سے تمہاری محبت کا سودا چکایا تھا۔"

عاصم یہاں تک کہہ کر تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوگیا، لیکن چند قدم اور چلنے کے بعد اُس نے کہا۔ "فرمس، مجھے معلوم نہیں، میں کیا کہہ رہا ہوں مجھے ڈر ہے کہ اگر میں کچھ دیر اور اِسی طرح باتیں کرتا رہا تو آپ مجھے دیوانہ سمجھنے لگ جائیں گے——آج میں یہ تسلیم کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتا کہ فسطینہ کی یاد اب بھی کبھی کبھی مجھے بے چین کر دیتی ہے۔ میں دنیا کی ہر حسین لڑکی کو اُس کے چہرے کا آئینہ سمجھ لیتا ہوں—— ایک دن——میں کلاڈیوس کے گھر سے نکلا تھا اور رات کے وقت واپس آیا تھا۔ آپ کو معلوم ہے میں کہاں گیا تھا؟"

فرمس نے جواب دیا۔ "تم نے ہمیں صرف یہ بتایا تھا کہ تم سیر کرتے کرتے شہر سے باہر نکل گئے تھے اور پھر شام کی تاریکی میں واپسی پر راستہ بھول گئے تھے۔ اور مجھے تمہارا چہرہ دیکھ کر صرف یہ احساس ہوا تھا کہ تم بہت زیادہ پریشان ہو۔"

عاصم نے کہا۔ "سُنئے، میں نے اُس دن سارا وقت اُن ٹیلوں کے آس پاس گھوم کر گزارا تھا جہاں سے باسفورس کے دوسرے کنارے ایرانی لشکر کے خیمے دکھائی دیتے ہیں——اور اُس دن مجھ پر کئی لمحات ایسے بھی آئے تھے، جب میں آبنائے باسفورس کو عبور کرنے پر آمادہ ہوگیا تھا اور مجھے اس بات کی پروا نہ تھی کہ پہریداروں کے تیر میرا جسم چھلنی کر ڈالیں گے۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ اگر میں یہاں سے بچ کر نکل گیا، تو دوسرے کنارے مجھے ایرانیوں کے تیروں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن فسطینہ کو دیکھنے کی خواہش میرے ہر احساس

ب آچکی تھی۔ میرا دل مجھے بار بار یہ فریب دے رہا تھا کہ فسطینہ دوسرے کنارے میرا انتظار کر رہی ہے۔ ی نہ کسی طرح اُس کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ پھر مجھے اِس بات کی پروا نہیں ہوگی کہ ایرانی مجھے ایک مفرور کر میرے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ فسطینہ کو صرف ایک نظر دیکھنے کے لئے میں موت کے دروازے ک دینے کے لئے تیار تھا۔ میں اُسے یہ بتانا چاہتا تھا کہ اپنی بے بسی اور بے چارگی کے باوجود میں ے محبت کرتا ہوں۔

غروبِ آفتاب کے بعد میں نے کئی بار پانی میں کودنے کا ارادہ کیا، لیکن ہر بار میری ہمت جواب گئی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ نے میرا دامن پکڑ لیا ہے اور آپ یہ کہہ رہے ہیں، عاصم پاگل نہ ، تم تیر کر دوسرے کنارے نہیں پہنچ سکو گے۔ تم اگر رومیوں کے ہاتھوں نہیں تو ایرانیوں کے ہاتھوں، ے جاؤ گے، اور فسطینہ کو یہ معلوم بھی نہیں ہوگا کہ تم اُس کی خاطر اپنی جان پر کھیل گئے۔ پھر میں نے رات تاریکی میں ایک کشتی چرانے کا ارادہ کیا، لیکن مجھے موقع نہ ملا اور ایک ساعت اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بعد یرے تمام ولولے سرد ہو چکے تھے۔ اور مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں ایک بھیانک خواب سے بیدار ؤا ہوں۔ قسطنطنیہ پہنچنے کے بعد اپنے ماضی کی طرف لوٹنے کے لئے یہ میری پہلی اور آخری کوشش تھی۔ اگر یری زبان شکست، ندامت اور بے بسی کے احساس سے گنگ نہ ہو جاتی، تو اُس رات میں آپ سے یہ باتیں چھپانے کی کوشش نہ کرتا۔ لیکن میں ایک بات پوچھتا ہوں——فرض کیجئے، میں اُس دن واپس نہ آتا اور آپ کو کسی طرح یہ معلوم ہو جاتا کہ میں آبنائے باسفورس عبور کر کے سین کے پاس جا چکا ہوں، تو آپ میرے متعلق کیا خیال کرتے؟"

فرمس نے جواب دیا۔ "میں صرف یہ خیال کرتا کہ ایک غیر معمولی انسان کسی غیر معمولی مہم پر روانہ ہو چکا ہے، تم نے باسفورس کے پار کسی مظلوم کی چیخیں سنی ہیں یا کسی نے خواب میں تم سے فریاد کی ہے اور تم نے اُس کی اعانت اور دلجوئی کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ لیا ہے۔"

عاصم نے قدرے لاجواب ہو کر کہا۔ "اور اگر میں آپ کو یہ بتا کر گھر سے نکلتا، کہ آج میری مہم صرف فسطینہ کو دیکھنے تک محدود ہے۔ یا میں پھر ایک بار ماضی کے سراب کے پیچھے بھاگنا چاہتا ہوں تو آپ کا

ردِّ عمل کیا ہوتا؟"

فرمس نے دوبارہ اُسی اطمینان سے جواب دیا "میں پھر بھی تمہارے پیچھے بھاگنے یا تمہارا راستہ روکنے کی کوشش نہ کرتا۔ اوّل تو مجھے اِس بات پر یقین نہ آتا کہ تم کسی بلند مقصد کے بغیر اپنی جان پر کھیل جاؤ گے اور اگر مجھے یقین آبھی جاتا تو بھی میں تمہارے ایک اضطراری عمل کو قابلِ ملامت خیال نہ کرتا۔ میں زیادہ سے زیادہ یہ سوچنے کی کوشش کرتا کہ تمہارے زندہ وسلامت باسفورس کے دوسرے کنارے پہنچ جانے کے امکانات کیا ہیں، اور اگر تمہیں کوئی خطرہ ہے تو میں تمہاری کیا اعانت کرسکتا ہوں۔"

عاصم نے انتہائی پریشانی کی حالت میں اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "آپ مذاق کر رہے ہیں۔"

"نہیں، عاصم میں مذاق نہیں کرتا۔ میرے نزدیک تم اُن انسانوں سے مختلف ہو، جو دیر تک آنکھیں بند کر کے کسی راستے پر چل سکتے ہیں۔ میں تمہارے ضمیر میں وہ روشنی دیکھ چکا ہوں، جو ایک انسان کو کسی اچھائی کو قبول کرنے کا حوصلہ اور کسی بُرائی کو ٹھکرانے کی جرأت عطا کرتی ہے۔ اگر مجھے تم اپنے دل کا سارا حال بتا کر جاتے تو بھی میں تمہارے متعلق یہی سوچتا کہ نئے راستوں اور نئی منازل میں بھی تمہارے ضمیر کی روشنی تمہارا ساتھ دے گی۔ اور تمہاری زندگی میں وہ لمحات بار بار آئیں گے، جب تم انسانیت کے متعلق اپنی ہنگامی مصلحتوں سے بالاتر ہو کر سوچو گے۔ تم بدی کے طوفانوں کا ساتھ دینے کے لئے نہیں، بلکہ اُن کے خلاف سینہ سپر ہونے کیلئے پیدا ہوئے ہو، اور میں تمہارے متعلق یہ کہنے کے لئے تیار ہوں کہ جب تمہاری بڑی سے بڑی خواہش، یہاں تک کہ فسطینہ کی محبت بھی تمہارے ضمیر کی آواز کے ساتھ متصادم ہوگی تو آبنائے باسفورس کے پار ایرانیوں کی وسیع سلطنت تمہیں قسطنطنیہ کے ماحول سے کہیں زیادہ تنگ وتاریک محسوس ہوگی۔ اور اگر سچ پوچھو، تو میں یہ ماننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوں کہ اُس روز تم واقعی باسفورس کے پار پہنچنے کا تہیہ کر چکے تھے۔ یہ صرف ایک ہنگامی جوش تھا، جسے دبانے یا شکست دینے کے لئے تمہاری اندرونی توانائی کافی تھی—— تم نے تصور میں اپنی بعض خواہشات کے خلاف ایک جنگ لڑی تھی اور تم ان خواہشات کو مغلوب کرنے کے بعد واپس آگئے تھے۔"

وُہ کچھ دیر خاموشی سے چلتے رہے۔ بالآخر عاصم نے رُک کر کہا۔ "کیا یہاں میرا ایک سرائے کے

وبار پر قناعت کرلینا، اس بات کا ثبوت نہیں کہ میں کوئی خطرناک راستہ اختیار کرنے کی جرأت سے محروم چکا ہوں اور میری ساری خواہشات صرف زندہ رہنے تک محدود ہیں؟"

"نہیں، عاصم میں نے تمہارے متعلق یہ کبھی نہیں سوچا کہ تم موجودہ حالات پر قانع رہ سکتے ہو۔ مجھے ین ہے کہ تمہارے ضمیر کی آواز کسی دن اچانک تمہیں بے چین کر دے گی اور تم بلا توقف کسی طوفان سامنے کھڑے ہو جاؤ گے۔"

"آپ قسطنطنیہ کے حالات سے بے خبر نہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود آپ نے کبھی یہ نہیں یا کہ یہاں لاکھوں انسانوں کو ہلاکت کے طوفانوں سے بچانے کے لئے میں کچھ کرسکتا ہوں۔ اگر آپ میری جرأت پر اعتماد ہوتا تو آپ یقیناً مجھے یہاں آرام سے بیٹھنے کی بجائے کلاڈیوس کا ساتھ دینے پر آمادہ رتے۔ آپ اِس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ وہ ایک خطرناک مہم پر گیا ہوا ہے اور میں ان دنوں ر اور دشمن قبائل کے خاقان کے درمیان مصالحت کی افواہوں کے باوجود یہ محسوس کرتا ہوں کہ قسطنطنیہ ے خطرات دُور نہیں ہوئے۔"

فرمس نے جواب دیا "کلاڈیوس، رومی فوج کا ایک سپاہی ہے اور اُس پر سلطنت کی حفاظت کے لئے ہر خطرے کا سامنا کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لیکن تم اپنے ضمیر کی آواز پر چلنے کے لئے آزاد ہو۔"

عاصم نے کہا "آپ کو معلوم ہے، کہ اگر کلاڈیوس مجھے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دیتا، تو میں بھی انکار نہ کرتا۔"

"مجھے معلوم ہے، لیکن اگر کلاڈیوس، تمہیں اپنے حصّے کی ذمہ داریوں میں شریک کرنے کی کوشش کرتا تو میں اُسے تمہارا دوست خیال نہ کرتا۔"

عاصم نے کہا "آپ جانتے ہیں کہ اپنی عمر کے چند سال ایرانیوں کی فتوحات میں اضافہ کرنے کے باوجود میری ساری ہمدردیاں رومیوں کے ساتھ ہیں۔ اور کبھی کبھی یہ خیال مجھے بے چین کر دیتا ہے کہ میں کلاڈیوس کے ساتھ نہیں ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ بازنطینی سلطنت کے آلام و مصائب کا دور ختم ہو جائے، لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ دَور کب اور کیسے ختم ہوگا—— خدا کے لئے مجھے بتائیے، کہ

میں کیا کر سکتا ہوں۔"

فرمس نے جواب دیا "تم صرف انتظار کر سکتے ہو، عاصم اور بعض اوقات موزوں حالات کا انتظار کرنے کے لئے ناموزوں حالات کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی نسبت زیادہ ہمت اور استقلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں تمہیں صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ اس جنگ کو ایرانیوں، رومیوں یا تاتاریوں کے وحشی قبائل کی تلواریں ختم نہیں کر سکتیں۔ وہ صرف اُن لڑائیوں میں ایک دوسرے کو شکست دے سکتے ہیں جن کے نتیجہ میں آج کا ظالم کل کا مظلوم بن سکتا ہے، لیکن دائمی جنگ کا خاتمہ صرف کسی ایسے اصول کی فتح سے ہو سکتا ہے جو مشرق و مغرب کے ہر انسان کو امن اور خوشحالی کی ضمانت دے سکتا ہو —— اور ایسا کوئی اصول نہ ایرانیوں کے پاس ہے اور نہ رومیوں اور اُن کے مغربی حریفوں کے پاس۔"

عاصم نے کہا "ہم پھر اپنی بحث کے نقطۂ آغاز پر پہنچ گئے ہیں۔ اور مجھے ڈر ہے کہ آپ پھر اُس راہنما کا ذکر چھیڑ دیں گے، جس کے بغیر آپ کے نزدیک انسانیت کی نجات ممکن نہیں۔"

"جو شخص پیاس سے مر رہا ہو، وہ پانی کے سوا کسی اور چیز کا نام نہیں لے سکتا۔ ادھر دیکھو" فرمس نے سامنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اگر میں غلطی پر نہیں تو وہ مرقس کا غلام ہے اور شاید ہمارا پتا کرنے آ رہا ہے۔"

وہ رُک گئے۔ غلام انہیں دیکھ کر بھاگتا ہوا قریب پہنچا اور اُس نے کہا "میں آپ کی طرف آ رہا تھا چھوٹے آقا آپ کو بلاتے ہیں۔"

"کون! کلاڈیوس؟" فرمس نے سوال کیا۔

"جی ہاں۔"

"وہ کب آئے؟"

"جی وہ کل شام گھر پہنچے تھے اور اُسی وقت قیصر کے ساتھ ملاقات کے لئے چلے گئے تھے۔ آج بھی وہ دوپہر تک گھر سے باہر مصروف رہے ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد وہ آپ کے پاس آنا چاہتے تھے لیکن لوگوں نے انہیں گھر سے نکلنے کا موقع نہیں دیا۔ اس وقت بھی اُن کے کئی دوست اور سینیٹ کے

چند ارکان اُن کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔"

فرمس نے عاصم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ کلاڈیوس کوئی اہم خبر لے کر آیا ہے۔"

"ہاں۔" نوکر نے کہا "وہ یقیناً کوئی اہم خبر لائے ہیں۔ ورنہ فوج کے بڑے بڑے عہدہ دار اور سینیٹ کے ارکان اس طرح بھاگے ہوئے اُن کے پاس نہ آتے۔ صبح اسقفِ اعظم نے بھی اُن کے ساتھ ملاقات کی تھی۔"

باب ۳۰

کلاڈیوس کے مکان میں شہر کے اکابر کی آمد و رفت اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ وہ واقعی کوئی اہم خبر لے کر آیا ہے۔ عاصم اور مرقس نے باہر نکلنے اور اندر جانے والے مردوں اور عورتوں سے کتراتے ہوئے صحن عبور کیا لیکن ملاقات کے کمرے کے دروازے سے باہر برآمدے کی سیڑھیوں تک لوگوں کا ہجوم دیکھ کر انہیں رکنا پڑا۔

غلام نے قدرے توقف کے بعد کہا "ہم پچھلی طرف سے اندر جا سکتے ہیں، آپ میرے ساتھ آئیں"۔

وہ غلام کے پیچھے چل دیئے، لیکن مکان کے عقبی حصے میں خواتین کا شور سن کر پھر الٹے پاؤں واپس آگئے چند ثانیے بعد جب پندرہ بیس آدمی کمرے سے باہر نکلے اور برآمدے کا ہجوم اندر گھس گیا، تو مرقس اور عاصم کو دروازے میں کھڑا ہونے کی جگہ مل گئی۔

کلاڈیوس پچھلی دیوار کے قریب کھڑا لوگوں کے سوالات کے جواب دے رہا تھا ـــ اُس کے دائیں بائیں چند معززین کرسیوں پر اور باقی نیچے قالینوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک سیاہ فام اور قوی ہیکل غلام برآمدے میں داخل ہوا اور اُس نے کچھ کہے بغیر عاصم اور مرقس کو ایک طرف دھکیل کر اپنے پیچھے آنے والے ایک عمر رسیدہ رومی کے لئے راستہ صاف کر دیا۔ رومی کمرے میں داخل ہوا اور لوگ جلدی سے اُٹھ کر اِدھر اُدھر سمٹنے لگے۔ کلاڈیوس عمر رسیدہ رومی کو دیکھ کر آگے بڑھا اور اُس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔ "مجھے سب سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے تھا، لیکن لوگوں نے مجھے گھر سے باہر نکلنے کا موقع نہیں دیا"۔

عمر رسیدہ رومی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے معلوم تھا کہ اس خبر کے بعد قسطنطنیہ کا ہر باشعور آدمی یں دیکھنے کے لئے بیتاب ہو گا"۔

کلاڈیوس کا باپ مرقس اٹھ کر آگے بڑھا اور اُس نے نووارد کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنی کرسی پر بٹھا دیا۔ دیریس نے اپنی کرسی مرقس کے لئے خالی کر دی اور خود ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

اس عمر رسیدہ رومی کا نام مارٹن تھا، اُس کے تین بیٹے آرمینیا اور شام کی جنگوں میں کام آ چکے تھے۔ وہ رومی سنیٹ کے اُن چند ارکان میں سے ایک تھا جنہیں قیصر کے دربار اور قسطنطنیہ کے بازاروں میں یکساں عزت اور احترام سے دیکھا جاتا تھا۔ حاضرین کی نگاہیں کلاڈیوس کی بجائے اس معزز رومی کی طرف مبذول ہو چکی تھیں۔ اُس نے قدرے توقف کے بعد کلاڈیوس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "میں قیصر سے مل کر آ رہا ہوں، اِس لئے تمہیں بے فائدہ سوالات سے پریشان نہیں کروں گا۔ میں صرف اپنے کانوں سے یہ سننا چاہتا ہوں کہ تم واقعی ان درندوں کے خاقان سے مل چکے ہو"۔

کلاڈیوس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "جناب یہ خبر اب اتنی پرانی ہو چکی ہے کہ اب اگر میں اس کی تردید کروں تو بھی کسی کو یقین نہیں آئے گا"۔

مارٹن نے کہا "بیٹا میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں، اور اگر اس ملاقات کے نتائج کے بارے میں قیصر کی توقعات درست ثابت ہوئیں تو مستقبل کے مورخ تمہیں روم کے نجات دہندہ کی حیثیت سے یاد کریں گے، لیکن تمہیں یقین ہے کہ یہ وحشی ہمارے ساتھ کسی باعزت سمجھوتے پر آمادہ ہو جائیں گے؟"

کلاڈیوس نے چند ثانیے سوچنے کے بعد کہا "میں آپ کے اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکتا۔ مجھے صرف اس احساس نے تاتاریوں کے کیمپ میں جانے پر مجبور کر دیا تھا کہ موجودہ حالات میں ہمارے لئے دو محاذوں پر لڑنا ناممکن ہے۔ آوار کے خاقان کے ساتھ میری ملاقات کے بعد کم از کم یہ خیال غلط ثابت ہو چکا ہے کہ ایرانیوں کی طرح ان لوگوں کو بھی مصالحت پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا"۔

ایک اور رومی نے کہا "اگر خاقان نے مصالحانہ گفتگو کے لئے آمادگی ظاہر کی تھی تو اُسے قسطنطنیہ آنے پر کیوں اعتراض تھا"۔

کلاڈیوس کی بجائے مرقس نے جواب دیا "مصالحت کی ضرورت ہمیں ہے آوار کو نہیں۔ اور ہم

تو اسے بھی خدا کا احسان سمجھتے ہیں کہ خاقان نے ہرقلیہ آنا منظور کر لیا ہے۔"

دوسرے رومی نے کہا" مجھے اِس بات کا اعتراف ہے کہ تن تنہا تاتاریوں کے کیمپ میں جانے، خطرہ مول لے کر کلاڈیوس نے ایک غیر معمولی جرأت اور ہمت کا مظاہرہ کیا ہے، لیکن مجھے یہ اطمینان نہیں کہ موجودہ حالات میں قیصر قسطنطنیہ چھوڑ کر ہرقلیہ جانا پسند کریں گے۔"

مارٹن نے برہم ہو کر کہا "تمہیں اطمینان رکھنا چاہیئے، قیصر اپنے محل میں بیٹھ کر تاتاریوں کا انتظار نہیں کرے گا۔ تاتاریوں سے مصالحت کی اُمید پر وہ اُن کے کیمپ میں جانے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ جہاں تک قیصر کی ذات کا تعلق ہے، اُن کے متعلق میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ قسطنطنیہ کو بچانے کے لئے ہر خطرہ مول لینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن اس ملاقات سے کوئی خوشگوار نتائج پیدا کرنے کے لئے تنہا اُن کی جرأت کافی نہیں ہوگی، بلکہ ہمارے اکابر اور ہمارے عوام کو اُن کا ساتھ دینا پڑے گا۔ اگر ہرقلیہ میں ہم اپنی قوت اور شان و شوکت کا مظاہرہ کر کے یہ ثابت کر سکے کہ ہم اِس گئی گزری حالت میں بھی ان خانہ بدوش وحشیوں کو اپنے لئے کوئی بڑا خطرہ نہیں سمجھتے تو آوار قبائل کے سردار اور اُن کا خاقان قیصر کے سامنے زمین پر بیٹھتے ہوئے بھی فخر محسوس کریں گے، لیکن اگر ہم نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ ہم قسطنطنیہ سے باہر نکلتے ہوئے بھی خوف محسوس کرتے ہیں تو مصالحت کے متعلق تاتاریوں کا رویہ ایرانیوں سے بھی زیادہ سخت ہوگا —— میں تاتاریوں کے کیمپ میں اُن کے پہلوانوں کی کشتیاں اور شہسواروں، تیر اندازوں اور نیزہ بازوں کے مقابلے دیکھ چکا ہوں۔ خاقان نے اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے کے لئے، مجھے چار دن اپنے پاس مہمان رکھا تھا۔ آوار سرداروں نے اپنے خاقان کے سامنے پیش کرنے سے پہلے مجھے اپنے ایک دیو قامت پہلوان سے قوت آزمائی کی دعوت دی تھی اور آج میں اس لئے زندہ ہوں کہ میں نے اُس کی گردن توڑ ڈالی تھی۔ سفید رنگ کا ایک خوبصورت گھوڑا جو اس وقت میرے اصطبل میں بندھا ہُوا ہے، مجھے اِس کشتی کے بعد خاقان کی طرف سے انعام میں ملا تھا —— میں خاقان کے کیمپ سے یہ تاثر لے کر آیا ہوں کہ ہرقلیہ میں خاقان کو ہماری طرف سے ظاہری شان و شوکت کے مظاہرے قیصر کی مصالحانہ باتوں سے زیادہ متاثر کریں گے۔"

ایک نوجوان نے کہا "جہاں تک قسطنطنیہ کے عوام کا تعلق ہے، وہ آپ کو مایوس نہیں کریں گے یکن میں سنیٹ کے ایسے ارکان کو جانتا ہوں، جن کے نزدیک جنگ کے پورے زمانے کی بدترین خبر یہ ی کہ قیصر نے قسطنطنیہ سے قرطاجنہ منتقل ہونے کا ارادہ تبدیل کر دیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ لوگ قیصر کا حکم سُن کر بھی ہرقلیہ کا رُخ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔"

مرقس نے کہا "ہم سب ایسے ارکان کو جانتے ہیں، لیکن تمہیں اطمینان رکھنا چاہیئے کہ اس مسئلہ س اگر کسی نے بزدلی کا مظاہرہ کیا تو قسطنطنیہ میں اُس کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی۔"

مارٹن نے مسکراتے ہوئے کلاڈیوس سے پوچھا "بیٹا اس محفل میں سنیٹ کے ارکان پر سخت نکتہ چینی ہو رہی ہے، کہیں تمہارے دوستوں کو یہ شبہ تو نہیں ہوگیا کہ میں بھی ہرقلیہ جانے سے خوف محسوس کرتا ہوں؟"

کلاڈیوس نے جواب دیا "نہیں جناب! ابھی میرے دوست اِس قدر بددل نہیں ہوئے اور آپ کے متعلق وہ اتنا ضرور جانتے ہیں کہ تاتاریوں کے کیمپ میں اگر کسی معمر اور تجربہ کار ایلچی کو بھیجنے کی ضرورت محسوس کی جاتی تو سب سے پہلے آپ کا نام لیا جاتا۔"

مارٹن نے اُٹھ کر کہا "کلاڈیوس اگر مجھے تمہاری تھکاوٹ کا احساس نہ ہوتا تو میں خاقان کے ساتھ تمہاری ملاقات کی پوری تفصیلات سنے بغیر یہاں سے اٹھنا پسند نہ کرتا۔ لیکن تمہیں آرام کی ضرورت ہے اور میں تمہارے باقی دوستوں سے بھی یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ تمہاری قوت برداشت کا امتحان نہ لیں۔"

مارٹن کے باہر نکلتے ہی کمرہ خالی ہونے لگا اور کلاڈیوس نڈھال سا ہو کر اپنے باپ کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

فرمس اور عاصم کمرے میں داخل ہوئے۔ کلاڈیوس نے آگے بڑھ کر پہلے اپنے خسر سے مصافحہ کیا اور پھر عاصم سے بغل گیر ہو کر کہا۔ عاصم میں تمہارے پاس آنا چاہتا تھا لیکن میں بہت مصروف تھا۔"

عاصم نے جواب دیا "میں آپ کی مصروفیت کا حال دیکھ چکا ہوں۔"

چند معززین جو ابھی تک کمرے میں موجود تھے، ایک اجنبی کے ساتھ کلاڈیوس کو اس قدر بے تکلف ہوتا دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے۔ کلاڈیوس نے عاصم کے ساتھ تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد اُن کی طرف

متوجہ ہوکر کہا۔ "شاید آپ میں سے بعض عاصم کو نہیں جانتے۔ یہ ایک عرب ہیں اور میں انہیں اپنا دوست اور بھائی کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں۔"

مرقس نے کہا۔ "بیٹا اب تمہارا دوست کچھ عرصہ سے ہمارے پاس آنا پسند نہیں کرتا۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "جناب اِن دنوں میں کچھ زیادہ مصروف رہا ہوں، لیکن آیندہ مجھ سے کوتاہی نہیں ہوگی۔"

ایک رومی نوجوان نے عاصم سے سوال کیا۔ "جناب میں یہ پوچھ سکتا ہوں، کہ آپ کیا کام کرتے ہیں؟"

فرمس کو پوچھنے والے نوجوان کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز تبسم پسند نہ آیا اور اُس نے برہم ہوکر کہا۔ "یہ ایک سرائے میں کام کرتا ہے، تمہیں کوئی اعتراض ہے؟"

"جی نہیں۔" رومی نے کھسیانا ہوکر جواب دیا۔

کلاڈیوس کچھ دیر فرمس سے باتیں کرنے کے بعد عاصم کی طرف متوجہ ہوا۔ "عاصم عنقریب ہرقلیہ میں ایک شاندار میلہ لگنے والا ہے۔ قسطنطنیہ سے میرے تمام دوست وہاں آئیں گے۔ اور میں یہ چاہتا ہوں کہ تم بھی چند دن کے لئے وہاں آجاؤ۔۔۔۔ وہاں ہمارے وہ قومی کھیل کھیلے جائیں گے جنہیں دیکھنے کے لئے ایک مدت سے اہلِ قسطنطنیہ کے عوام کی آنکھیں ترس گئی ہیں، وہاں شہ زوری، پہلوانی اور فنونِ حرب کے مظاہروں کے علاوہ رتھوں کی دوڑ بھی ہوگی۔ اور یہ تمام باتیں تمہارے لئے نئی ہوں گی۔ ابّا جان بھی وہاں آئیں گے اور ولیریس شاید اُن سے چند دن پہلے ہی وہاں پہنچ جائے۔ اگر تم چند دن کی سیر و تفریح پسند کرو تو ولیریس تمہیں اپنے ساتھ لیتا آئے گا۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "اگر وہاں کوئی اور دلچسپی نہ ہوتی تو بھی میرے لئے یہی کافی تھا کہ آپ وہاں ہوں گے میں ضرور آؤں گا۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "اچھا میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں ایک چیز دکھانا چاہتا ہوں، ایک ایسی چیز جس کی صحیح پہچان صرف ایک عرب کو ہوسکتی ہے۔"

ولیریس نے پوچھا۔ "کیا چیز ہے وہ؟"

"بھئی ہمارے ساتھ آکر دیکھ لو۔ آپ سب آسکتے ہیں۔"

کلاڈیوس عاصم کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آیا اور باقی آدمی ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اُن کے پیچھے چل دیئے۔۔۔ کلاڈیوس کا باپ چند ثانیے تذبذب کی حالت میں بیٹھا رہا۔ لیکن پھر وہ بھی اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

کلاڈیوس نے صحن میں پہنچ کر ایک غلام کو ہاتھ کے اشارے سے بلایا اور کہا۔ "تم اُس گھوڑے کو لگام دے کر یہاں لے آؤ۔"

غلام بھاگتا ہوا اصطبل کی طرف چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد کلاڈیوس کے مہمان ایک اچھلتے کودتے اور ہنہناتے ہوئے گھوڑے کی تندی اور سرکشی اور اُسے لانے والے کی بے بسی دیکھ رہے تھے۔ آدمیوں کی دیکھا دیکھی گھر میں جمع ہونے والی خواتین بھی باہر آچکی تھیں۔ اور بعض نوعمر لڑکیاں غلام کی بدحواسی پر قہقہے لگا رہی تھیں۔

کلاڈیوس نے عاصم کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "کیوں عاصم کیسا ہے یہ گھوڑا؟"

عاصم نے آگے بڑھ کر سہمے ہوئے غلام کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگیں پکڑ لیں اور پیار سے اس کی گردن پر ہاتھ پھیرنے کے بعد بولا۔ "ایسی چیز کو پہچاننے کے لئے کسی مہارت کی ضرورت نہیں۔ صرف آنکھیں کافی ہیں۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "عاصم اِس سرکش جانور کو کسی اچھے سوار کی ضرورت ہے۔ تم اِس پر سواری کرنا، پسند کرو گے؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "آپ جانتے ہیں کہ میں سواری کا شوق یہاں سے بہت دُور چھوڑ آیا ہوں لیکن اگر آپ اِس گھوڑے کے متعلق کوئی اطمینان چاہتے ہیں تو میں آپ کے حکم کی تعمیل کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "میں اِس گھوڑے سے دو مرتبہ گر چکا ہوں، اور تمہارے سوا مجھے اِس بات کا اطمینان اور کوئی نہیں دلا سکتا کہ یہ مجھے تیسری بار نہیں گرائے گا۔"

ایک نوجوان نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ کا مطلب ہے کہ اِس گھوڑے سے تیسری بار گرنے

کی سعادت انہیں حاصل کرنی چاہیئے۔"

عام حالات میں عاصم شاید اس قدر جلد بازی سے کام نہ لیتا لیکن اُسے تماشائیوں کی مسکراہٹیں اور چند شوخ و طرار رُومی لڑکیوں کے دبے دبے قہقہے پسند نہ آئے، چنانچہ اُس نے کسی توقف کے بغیر باگیں درست کیں، گھوڑے کو تھپکی دی اور پھر آنکھ جھپکنے کی دیر میں اُس پر سوار ہوگیا۔ سرکش گھوڑا کچھ دیر اُچھلنے، کودنے دولتیاں جھاڑنے اور پھنکارنے کے بعد ٹھنڈا ہوگیا اور عاصم ایک تنگ دائرے میں چند چکر لگانے کے بعد اُسے سرپٹ دوڑاتا ہوا صحن سے باہر نکل گیا۔

مرقس نے اپنے بیٹے سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "کلاڈیوس سچ کہو تم واقعی اِس گھوڑے سے دو بار گرے تھے؟"

کلاڈیوس نے جواب دیا "نہیں اباجان میں عاصم جیسے دوست کو ایک ناقابلِ اعتماد گھوڑے پر سوار ہونے کی دعوت کیسے دے سکتا تھا۔ یہ بات میں نے صرف اُسے ترغیب دینے کے لئے کہی تھی۔"

ایک عمر رسیدہ آدمی نے کہا "خاقان کا یہ تحفہ یقیناً بیش قیمت ہوگا، کم از کم میں نے اپنی زندگی میں اتنا خوبصورت گھوڑا نہیں دیکھا۔"

کلاڈیوس بولا۔ "اگر یہ گھوڑا عاصم کو پسند آگیا تو میں بھی اسے بیش قیمت سمجھوں گا۔ عاصم جس گھوڑے پر سواری کیا کرتا تھا، وہ اِس سے کہیں زیادہ خوبصورت تھا۔"

تھوڑی دیر بعد صحن میں جمع ہونے والے بیشتر لوگ وہاں سے جا چکے تھے اور کلاڈیوس اپنے گھر کے افراد اور چند بے تکلف دوستوں کے ساتھ مکان کے کشادہ کمرے میں بیٹھا عاصم کا انتظار کر رہا تھا۔ غروب آفتاب سے کچھ دیر قبل جب اُن کی پریشانی اضطراب میں تبدیل ہونے لگی تو باہر اچانک گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی اور ایک خادم نے اندر جھانکتے ہوئے کہا "جناب وہ آگئے ہیں۔"

وہ جلدی سے اُٹھ کر باہر نکل آئے۔ عاصم اُن کے قریب پہنچ کر ہانپتے ہوئے گھوڑے سے اتر پڑا اور غلام نے بھاگ کر اُس کی باگ پکڑ لی۔ عاصم نے آگے بڑھتے ہوئے کلاڈیوس سے مخاطب ہو کر کہا "آپ مذاق کرتے تھے۔ یہ گھوڑا میری توقع سے کہیں زیادہ شریف ثابت ہوا۔"

کلاڈیوس نے کہا "عاصم آج میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ یہ گھوڑا تمہیں پسند آجائے، یہ آپ کا ہے۔"

عاصم نے احسانمندی سے اپنے دوست کی طرف دیکھا اور قدرے توقف کے بعد کہا "اگر آپ میرے لئے اتنی تکلیف اٹھائی ہے تو میں اپنے آپ کو ناشکر گزار ثابت نہیں کروں گا۔"

رات کے وقت جب عاصم اور فرمس اپنی سرائے کے ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے، تو عاصم اُس سے کہہ رہا تھا "مجھے واقعی اِس گھوڑے کی ضرورت تھی اور آپ حیران ہوں گے کہ جب میں اِس پر سوار ہو کر باہر نکلا تو میں نے قسطنطنیہ میں آنے کے بعد پہلی بار یہ بات محسوس کی کہ میں تلوار کے بغیر کہیں جا رہا ہوں۔"



ایک ماہ بعد ہرقلیہ کی چہل پہل دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ بازنطینی سلطنت کا پُرشکوہ ماضی پھر لوٹ آیا ہے۔ ہرقل جس کے متعلق آخری دم تک اُس کی رعایا کو یہ اطمینان نہیں تھا کہ وہ قسطنطنیہ کے قلعے سے باہر نکلنے پر آمادہ ہو جائے گا، ملاقات کی تاریخ سے ایک ہفتہ قبل ہرقلیہ پہنچ چکا تھا، اور اُس کے اِس جرأت مندانہ اقدام نے مایوس اور بد دل عوام کے حوصلے بلند کر دیئے تھے، چنانچہ وہ جوق در جوق ہرقلیہ میں جمع ہو رہے تھے۔ شہر سے باہر اولمپک کھیلوں کے میدان میں رتھوں کی دوڑ اور دوسرے جنگی کھیلوں کی مشق شروع ہو چکی تھیں۔ باہر سے آنے والے کھلاڑی اور تماشائی جن کے لئے شہر میں جگہ نہ تھی، اِس میدان کے آس پاس خیمے نصب کر رہے تھے۔ شہر کے اندر اور باہر جگہ جگہ اُن گویّوں، رقاصاؤں نقالوں اور بازی گروں نے اکھاڑے لگا رکھے تھے، جنہیں برسوں کے بعد ایک پُرامن ماحول میں اپنے کمالات دکھانے کا موقع ملا تھا۔ سینکڑوں پادری اور راہب وہاں پہنچ کر قیصر کی کامیابی کے لئے دعائیں مانگ رہے تھے۔

عاصم اور ولیریس ہرقل سے ایک دن قبل وہاں پہنچ گئے تھے، لیکن مرقس اُن سات قابلِ اعتماد وزیروں میں سے ایک تھا جنہیں قیصر نے اپنی غیر حاضری کے ایام میں دارالحکومت کے دفاعی اور انتظامی

امور کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سونپی تھی۔

عاصم کو ہرقلیہ پہنچ کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ ایک مغموم فضا سے نکل کر مسکراہٹوں اور قہقہوں کی دنیا میں داخل ہو چکا ہے۔ اُس نے بڑی بڑی فتوحات کے بعد ایرانی لشکر کو جشن مناتے دیکھا تھا لیکن ہرقلیہ میں جمع ہونے والوں کی گرمجوشی اُس کی توقعات سے کہیں زیادہ تھی۔ عاصم دن کے وقت کبھی قیصر کے محافظ دستوں کی پریڈ، کبھی پہلوانوں کی شہ زوری کے کرتب اور کبھی رتھوں کی دوڑ دیکھتا اور رات کے وقت ولیریس کے ساتھ رقص اور موسیقی کی محفلوں میں چلا جاتا۔ کلاڈیوس عام طور پر قیصر کی حفاظت کے انتظامات کی دیکھ بھال یا کھیلوں کے میدان کو آراستہ کرنے اور اونچی حیثیت کے مہمانوں کی رہائش کا مسئلہ حل کرنے میں مصروف رہتا تھا، اس لئے اُسے عاصم کے پاس بیٹھنے کا بہت کم موقع ملتا تھا۔

ایک رات وہ تھکا ہارا اپنی قیام گاہ میں داخل ہوا، تو عاصم تنہا ایک کمرے میں بیٹھا ہوا تھا کلاڈیوس نے پوچھا "عاصم اکیلے یہاں کیا کر رہے، ولیریس کہاں ہے ؟"

عاصم نے جواب دیا "وہ ابھی تک رقص دیکھ رہا ہے اور میں واپس آگیا ہوں"

"کیوں، تمہیں رقص پسند نہیں آیا ؟"

"نہیں، رقص تو بہت اچھا تھا، لیکن مجھے کبھی کبھی لوگوں کے ہجوم سے وحشت ہونے لگتی ہے"

کلاڈیوس نے اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا "عاصم میں بہت تھک گیا ہوں —— کاش قیصر اور خاقان کی ملاقات سے کوئی اچھا نتیجہ برآمد ہو سکے، ورنہ یہ لوگ اپنے مستقبل سے قطعاً مایوس ہو جائیں گے"

عاصم نے کہا "یہ خیال مجھے بھی بہت پریشان کرتا ہے۔ مجھے لوگوں کا جوش و خروش دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ دشمن کے ساتھ صلح کی بات چیت کی بجائے کسی بہت بڑی فتح کے جشن کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آج نقالوں کے ایک اکھاڑے میں جمع ہونے والے لوگ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے اور اُن کے قہقہے میرے کانوں کو اجنبی محسوس ہوتے تھے۔ کلاڈیوس میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر صلح اور امن کے متعلق اُن کی توقعات غلط ثابت ہوئیں یا خاقان نے یہاں آنے سے انکار کر دیا تو یہ کتنا بڑا سانحہ ہوگا۔ اگر ان سادہ دل انسانوں کو جنگ کے آلام و مصائب سے نجات دلانا میرے بس کی بات ہوتی تو میں

سی قربانی سے دریغ نہ کرتا۔ آج رقص و سرود کی محفلوں کے قریب سے گزرتے ہوئے میں جنگ کی ہولناکیوں تور کر رہا تھا اور مجھے طاؤس و رباب کے نغموں کی بجائے بے بس انسانوں کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں یرے لئے وہاں کھڑا ہونا مشکل ہو گیا تھا —— ابھی میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر آوار کے خاقان نے جنگ ی رکھنے کا فیصلہ کیا تو ایرانیوں کو آبنائے باسفورس عبور کرنے میں دیر نہیں لگے گی —— پھر جب یہ دخطرناک طاقتیں ایک دوسرے کی حلیف بن کر قسطنطنیہ پر یلغار کریں گی تو کیا ہوگا ؟"

کلاڈیوس نے جواب دیا "مجھے معلوم نہیں۔ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ میں اُس دن زندہ نہیں ہوں گا رمیرے کان اپنی بہنوں اور بھائیوں کی چیخیں نہیں سنیں گے۔ عاصم ایک انسان کی بے بسی اپنی انتہائی ہورت میں خود فریبی کو جنم دیتی ہے اور میں سرِدست اِس خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتا ہوں کہ قیصر اور ناقان کی ملاقات سے ہماری تقدیر بدل جائے گی۔ اور صرف میں ہی نہیں، بلکہ میری ساری قوم اِس خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتی ہے"

عاصم کچھ دیر سر جھکائے سوچتا رہا، بالآخر اُس نے کہا "آج دنیا کا ہر مظلوم اِس خود فریبی میں مبتلا ہے کہ اُس کی مظلومیت کے دن بیت چکے ہیں اور ہر ظالم اِس یقین کے ساتھ اپنی تلوار بے نیام کر چکا ہے کہ مظلوموں کی تقدیر ہمیشہ اُسی کے ہاتھ میں رہے گی اور عدل و انصاف کے جو دروازے اُس نے پنے طاقتور ہاتھوں سے بند کئے ہیں، وہ ہمیشہ بند رہیں گے —— لیکن وہ کہاں ہے ؟ وہ کب آئے گا ؟ ظالم اُسے کب تک للکارتے رہیں گے اور مظلوم کب تک اُس کی راہ دیکھتے رہیں گے ؟"

"وہ کون ؟" کلاڈیوس نے پریشان سا ہو کر پوچھا۔

عاصم نے چونک کر کلاڈیوس کی طرف دیکھا اور جواب دیا "مجھے فرمس کی باتیں یاد آرہی تھیں —— وہ ہا کرتے ہیں کہ کسی دن امن کا ایک داعی نمودار ہوگا اور اُس کے ساتھ خدا کی نشانیاں ہوں گی۔ وہ انسانوں و زندگی کے نئے آداب سکھائے گا۔ اُس کا رحم مظلوموں کی ڈھال ہوگا اور اُس کے جلال کے سامنے ظالموں ی گردنیں جھک جائیں گی"

کلاڈیوس مسکرایا —— "اس قسم کی باتیں انطونیہ بھی کیا کرتی ہے۔ اور میں اُس سے یہ کہا کرتا ہوں

کہ جب وہ آئے گا تو ہم دونوں دوڑ کر اُس کے پاؤں سے لپٹ جائیں گے۔“



دو دن بعد قیصر اور خاقان ایک کشادہ شامیانے کے نیچے سونے کی مرصع کرسیوں پر رونق افروز تھے۔ ماہ دسمبر کی سردی کے باوجود کھیلوں کے میدان میں غیر معمولی چہل پہل تھی۔ قیصر کے بائیں ہاتھ خاقان کے بعد چند آوار سرداروں کی کرسیاں تھیں اور دائیں طرف اُس کے وزراء، بڑے بڑے عہدہ دار اور سنیٹ کے ارکان بیٹھے ہوئے تھے۔ پچھلی قطاروں میں مہمانوں اور میزبانوں کو اس قرینے سے بٹھایا گیا تھا، کہ ہر سیتھین کے ساتھ ایک رُومی نظر آتا تھا۔

ہرقل اور خاقان کی کرسیوں کے عین پیچھے کچھ جگہ خالی تھی اور وہاں کلاڈیوس کے علاوہ دو رومی اور دو آوار کھڑے تھے۔ اس مرکزی شامیانے کے دائیں بائیں چند قدم کے فاصلے پر دو اور شامیانے نصب تھے اور یہاں نسبتاً کم درجہ کے سیتھین اور رومی بیٹھے ہوئے تھے اور باقی میدان کے گرد تماشائیوں کا ہجوم گھیرا ڈالے ہوئے تھا۔

خاقان اپنے ساتھ قریباً تین سو سوار لے کر آیا تھا۔ رومیوں نے ان سب کو شامیانوں کے نیچے بٹھانے کی کوشش کی تھی لیکن خاقان کے آدمیوں کو ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے گھوڑے رومیوں کے حوالے کرنا پسند نہ تھے۔ چنانچہ اُن میں سے قریباً ایک سو شامیانوں کی طرف چلے گئے۔ باقی سواروں نے نیچے اترے بغیر اپنے ساتھیوں کے خالی گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں اور ادھر اُدھر پھیل کر تماشائیوں کے پیچھے کھڑے ہوگئے۔ رومیوں نے گھوڑوں کو میدان سے باہر باندھنے کا انتظام کر رکھا تھا، لیکن خاقان کے آدمیوں کو اپنے گھوڑوں کے ساتھ رہنے پر بضد دیکھ کر انہوں نے زیادہ اصرار کرنا مناسب خیال نہ کیا۔ کھیلوں کا آغاز روم اور یونان کی قدیم رسم کے مطابق ایک نمائشی پریڈ کے ساتھ ہوا۔ سب سے پہلے سوار اور پیادہ فوج کے دستے مارچ کرتے ہوئے قیصر اور اُس کے معزز مہمانوں کے سامنے سے گزرنے لگے۔ اس کے بعد شوخ و طرار دوشیزائیں ناچتی، گاتی اور مسکراہٹوں کے پھول نچھاور کرتی ہوئی گزر گئیں۔ اُن کے پیچھے پہلوانوں،

بازی گروں اور مسخروں کے گروہ نمودار ہوئے، سب سے آخر میں اُن رتھوں کی نمائش شروع ہوئی، جن کی دوڑ کو قدیم یونانیوں کی طرح رومیوں کے قومی کھیلوں میں بھی ایک اہم ترین مقام حاصل تھا۔ ہر رتھ کے ساتھ چار چار گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ اور اُن کے سوار انتہائی شوخ رنگوں کے بیش قیمت لباس پہنے ہوئے تھے۔ آوار لباس میلے کچیلے کپڑوں، بدبودار پوستینوں اور سمور دار ٹوپیوں پر مشتمل تھا، اور اُن کا مہیب صورت خاقان بھی ایک غریب رُومی کے مقابلے میں مفلس نظر آتا تھا۔ یہ لوگ للچائی ہوئی نگاہوں سے کبھی کھلاڑیوں کی اور کبھی اپنے قریب بیٹھے یا کھڑے ہونے والے رومیوں کی زرق برق پوشاکیں دیکھ رہے تھے۔

عاصم اور ولیریس کو بائیں طرف کے شامیانے کے نیچے جگہ ملی تھی۔ اور اُن کے درمیان ایک دیو قامت سیتھین کے ساتھ ایک پتلا دبلا رومی بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک عاصم کی نگاہ ایک اور سیتھین کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئی جو ولیریس کے دائیں ہاتھ بیٹھا ہوا تھا اور اُس کے عجیب و غریب لباس کے باوجود عاصم کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ اُسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہے۔ ایک ثانیہ کے اندر اندر اُس کے شبہات یقین کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ اِس آدمی کی شکل ایرج سے اِس قدر ملتی تھی کہ اگر وہ ایرانی لباس میں ہوتا تو عاصم اُسے پچاس ساٹھ قدم کے فاصلے سے بھی پہچان لیتا۔ لیکن موجودہ حالات میں اُسے ایرج کا یہاں پہنچ جانا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اس مشابہت کو محض ایک اتفاق سمجھ کر کھیلوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد یہ سیتھین عاصم کی طرف متوجہ ہو چکا تھا، لیکن جب عاصم نے اچانک اُس کی طرف دیکھا تو اُس نے خوفزدہ ہو کر مُنہ پھیر لیا۔ اُس کی بدحواسی نے عاصم کے شبہات میں اضافہ کر دیا۔ میدان میں پہلوانوں کی زور آزمائی شروع ہو چکی تھی۔ لیکن عاصم کو اب کھیلوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ بار بار اِس آدمی کی طرف دیکھتا اور ہر بار اپنے دل کی دھڑکنوں میں اضافہ محسوس کرتا۔ میدان میں ایک قوی ہیکل رومی دو پہلوانوں کو چت کرنے کے بعد ایک نئے مدِمقابل کے ساتھ زور آزمائی شروع کر چکا تھا اور تماشائی داد و تحسین کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ عاصم اچانک اپنی جگہ سے اُٹھ کر ولیریس کے قریب پہنچا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولا ”ولیریس اگر تمہیں تکلیف نہ ہو تو تم میری جگہ بیٹھ جاؤ۔“

ولیریس کشتی دیکھنے میں اِس قدر منہمک تھا کہ وہ کوئی سوال کئے بغیر اُٹھ کر عاصم کی جگہ بیٹھ گیا، اور عاصم

نے اُس کی جگہ لے لی ـــــ قدرے توقف کے بعد اُس نے سیتھین کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا، اور فارسی میں کہا۔"ایرج تم نے مجھے ابھی تک نہیں پہچانا؟"

اور ایرج جس کے خون کا ہر قطرہ منجمد ہو چکا تھا اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے سہمی ہوئی آواز میں بولا"میں نے تمہیں پہچان لیا ہے، لیکن یہ جگہ باتوں کے لئے موزوں نہیں"۔

عاصم نے کہا"لیکن میرا خیال ہے کہ یہ لوگ فارسی نہیں جانتے۔ اور تمہیں یہاں راز کی کوئی بات ظاہر کرنے کی ضرورت بھی نہیں ـــــ میرا خیال تھا کہ وہ اس خطرناک مہم کے لئے کسی تجربہ کار آدمی کو بھیجیں گے"۔

ایرج کے چہرے پر قدرے اطمینان کے آثار ظاہر ہونے لگے اور اُس نے پہلی بار مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔"یہاں تمہاری موجودگی میں کسی اور تجربہ کار آدمی کی ضرورت نہ تھی۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم یہاں پہنچ چکے ہو تو میں اِس مہم کے لئے اپنا نام پیش نہ کرتا۔ لیکن تمہارے متعلق تو وہاں یہ مشہور تھا کہ تم کہیں روپوش ہو چکے ہو"۔

عاصم نے جواب دیا"جو فرائض میرے ذمے لگائے گئے تھے اُن کی تکمیل کے لئے میرا روپوش ہونا ضروری تھا۔ لیکن میں حیران ہوں کہ میرے بعد سین نے تمہیں یہاں بھیجنے کی ضرورت کیوں محسوس کی انہیں مجھ پر اعتماد کرنا چاہیئے تھا"۔

ایرج نے جواب دیا۔"مجھے سین نے نہیں بھیجا ہے۔ میں براہ راست کسریٰ کے حکم سے خاقان کے پاس آیا تھا"۔

عاصم نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔"تمہارا مطلب ہے کہ تم سین کے علم کے بغیر خاقان کے پاس پہنچ گئے تھے؟"

"نہیں، اُس نے جواب دیا۔ میں راستے میں سین سے ملا تھا ـــــ لیکن انہوں نے مجھ سے تمہارا ذکر تک نہیں کیا۔ فسطینہ اور اُس کی والدہ کی باتوں سے بھی یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ تمہارے متعلق کچھ نہیں جانتے"۔

عاصم نے کہا۔"ایرج مجھے جس قدر اپنی ناکامی کا افسوس ہے، اُسی قدر تمہاری کامیابی کی خوشی ہے لیکن اپنی مہم کی اہمیت کے پیش نظر تمہیں قیصر اور خاقان کے قریب بیٹھنا چاہیئے تھا"۔

ایرج نے قدرے فکرمند ہوکر عاصم کی طرف دیکھا اور دبی زبان میں جواب دیا ـــ"میں خاقان کے پاس صرف ایک ایلچی کی حیثیت سے پہنچا تھا۔ اور میں اپنا فرض پورا کر چکا ہوں"۔

عاصم نے کہا"میں نے تمہیں دیکھتے ہی پہچان لیا تھا اور میں بار بار یہ سوچ رہا تھا کہ اگر آوار نے ہانک مار دھاڑ شروع کر دی تو تمہارے لئے یہاں سے بچ نکلنے کے امکانات کیا ہیں؟ تمہیں شاید یہ معلوم نہیں کہ رومی ہر غیر متوقع صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں"۔

ایرج کا اضطراب اب خوف میں تبدیل ہو رہا تھا تاہم اُس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا"میرا گھوڑا یہاں سے زیادہ دور نہیں، اور مجھے اتنا وقت ضرور مل جائے گا کہ میں اطمینان سے اُس پر سوار ہو سکوں"۔

عاصم اپنی توقع سے کہیں زیادہ معلومات حاصل کر چکا تھا اور ہر لحظہ اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جارہی تھی ـــ اُس نے کہا"ایرج اگر خاقان واقعی کسریٰ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُسے اِس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا ـــ لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اگر اِس وقت قیصر پر ہاتھ اٹھانے کی غلطی کی گئی تو رومی ان اڑھائی یا تین سو آدمیوں میں سے ایک کو بھی بچ کر بھاگنے کا موقع نہیں دیں گے۔ وہ ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اِس وقت بھی میدان سے باہر اُن کے پانچ ہزار سپاہی گشت کر رہے ہیں اور شامیانے کے اردگرد بھی قیصر کے حفاظتی انتظامات کا یہ عالم ہے کہ اگر اُسے کوئی خطرہ پیش آیا تو رومی آنکھ جھپکنے کی دیر میں خاقان کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے"۔

ایرج نے ملتجی ہوکر کہا۔"عاصم ذرا احتیاط سے باتیں کرو ـــ اگر کسی رومی نے ہماری گفتگو کا ایک فقرہ بھی سمجھ لیا تو ہم دونوں کی خیر نہیں"۔

عاصم نے کہا"تم مطمئن رہو، سر دست رومیوں کو کھیلوں کے سوا کسی بات سے دلچسپی نہیں"۔

ایرج بولا"میں تمہاری تسلی کے لئے صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ آج کا دن بازنطینی سلطنت کی تاریخ کا منحوس ترین دن سمجھا جائے گا"۔

عاصم نے کہا۔"ایرج اگر تم کسی مرحلہ پر میری مدد کی ضرورت محسوس کرو ـــ تو تم مجھے حکم دے سکتے ہو

اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اِس عظیم مہم کی کامیابی کا تمام سہرا تمہارے سر ہوگا — اور میں تمہارے اشارے پر جان کی بازی لگانے کے بعد بھی انعام میں حصہ دار بننے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

ایرج نے جواب دیا۔ "اگر تم میرا حکم مان سکتے ہو تو خاموشی سے یہاں بیٹھے رہو — مجھے معلوم نہیں کہ تم کس حد تک رومیوں کا اعتماد حاصل کر چکے ہو، لیکن خاقان کے نزدیک میری حیثیت کسریٰ کے ایک معمولی ایلچی سے زیادہ نہیں اور خاقان کے ساتھیوں سے بعید نہیں کہ وہ مجھے تمہارے ساتھ اِس قدر مانوس دیکھ کر کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں۔ تم نے جس بے تکلفی سے ایک رومی کو یہاں سے اُٹھا کر اپنی جگہ بٹھا دیا تھا، وہ اُن کے دِل میں اَن گنت شبہات پیدا کر سکتی ہے۔ تمہارے بائیں ہاتھ بیٹھنے والا دیوقامت سیتھین بڑی دیر سے میری طرف گھور رہا ہے۔ تمہیں میرے ساتھ اِس جگہ ہمکلام ہونے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے تھی۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "مجھے اپنی غلطی کا افسوس ہے، لیکن تمہیں دیکھ کر خاموش رہنا میرے بس کی بات نہ تھی — تم اِس وحشی کو تسلی دے سکتے ہو کہ میں تمہارا دوست ہوں۔"

ایرج نے جواب دیا۔ "یہ وحشی میری زبان نہیں جانتا اور میں اپنے مترجم اور دوسرے ساتھیوں کو خاقان کے کیمپ میں چھوڑ آیا ہوں۔ وہ یہاں آنے سے ڈرتے تھے۔"

عاصم نے کہا۔ "ایرج اگر بُرا نہ مانو تو میں یہ کہوں گا کہ تمہاری یہ جرأت میری توقع سے کہیں زیادہ ہے لیکن یہ بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ اگر رُومی قبل از وقت ہوشیار ہو گئے تو تم اپنی جان کس طرح بچا سکو گے۔ میرے خیال میں وہ لوگ جو گھوڑوں پر بیٹھ کر یہ تماشا دیکھ رہے ہیں، اپنے اُن ساتھیوں سے کہیں زیادہ دُور اندیش ہیں جو اِس وقت شامیانوں کے اندر موجود ہیں۔ میرے لئے تمہاری جان کی قیمت ان تمام سیتھین وحشیوں سے زیادہ ہے، اور اگر تم کسی مصیبت میں پھنس گئے تو میں واپس جا کر تمہارے عزیزوں اور دوستوں کو کیا جواب دوں گا۔"

ایرج نے جواب دیا۔ "اگر تمہیں میری زندگی اس قدر عزیز ہے تو سنو! جب میرا یہاں سے اُٹھ کر گھوڑے پر سوار ہونا ضروری ہوگا تو تم مجھے یہاں نہیں دیکھو گے۔"

عاصم نے کہا۔ "لیکن مجھے تمہاری طرح اپنی جان بھی عزیز ہے۔ اگر تمہیں یہ پریشانی ہے کہ ایک سیتھین پریشان ہو کر تمہاری طرف دیکھ رہا ہے تو مجھے بھی آس پاس بیٹھے ہوئے رُومی بُری طرح گھور رہے ہیں۔"

ایرج نے کہا۔ "جب سُورج نصف النہار پر آئے گا تو تمہیں یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی کہ تمہیں کیا کرنا چاہیئے۔"

عاصم نے کہا۔ "تم جانتے ہو کہ میں ایک سپاہی ہوں اور ایک سپاہی ایسے معاملات کے متعلق تاریکی میں رہنا پسند نہیں کرتا جو اُس کی زندگی اور موت سے تعلق رکھتے ہوں۔"

ایرج نے کہا۔ "تمہارے خیال میں آوار کا خاقان ایک سپاہی نہیں۔ اور وہ صرف خودکشی کے ارادے سے قیصر کے پاس بیٹھا ہوا ہے؟"

عاصم نے بظاہر مطمئن سا ہو کر کہا۔ "اب میں تمہیں اپنے بیہودہ سوالات سے پریشان نہیں کروں گا۔ میں سمجھ گیا ہوں۔ جب سورج نصف النہار پر آئے گا تو خاقان اور اُس کے ساتھی کسی بہانے شامیانوں سے نکل کر اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جائیں گے۔ اور اِس کے ساتھ ہی وہ لشکر جسے وہ راستے میں چھوڑ آئے ہیں، اچانک کسی سمت سے نمودار ہوگا۔ ایرج! اگر تم نے خاقان کو یہاں آنے پر آمادہ کیا ہے، تو کسریٰ تمہیں بڑے سے بڑے انعام کا مستحق سمجھے گا۔"

ایرج نے جواب دیا۔ "میں نے خاقان کو یہاں آنے پر آمادہ نہیں کیا۔ بلکہ یہ ملاقات رومیوں کی اپنی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ میں صرف کسریٰ کی طرف سے دوستی کا پیغام لے کر خاقان کے پاس پہنچا تھا۔ لیکن قیصر کا ایلچی مجھ سے ایک ہفتہ قبل ہی خاقان سے مل چکا تھا۔"

"ایرج میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے ایک خطرے سے خبردار کر دیا ہے۔ اب اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں باقی تماشا گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر دیکھنا بہتر سمجھتا ہوں۔ میرا گھوڑا یہاں سے کچھ دُور ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ میرے لئے اچانک وہاں پہنچنا آسان نہیں ہوگا۔"

عاصم نے یہ کہہ کر اُٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن اُس کے بائیں ہاتھ بیٹھے ہوئے دیوقامت سیتھین نے اچانک اُس کے کندھے پر اپنا آہنی ہاتھ رکھا اور اُسے پوری قوت سے نیچے دبا دیا۔ اس کے ساتھ ہی

ایرج نے عاصم کا بازو پکڑ لیا اور سراپا التجا بن کر کہا۔ عاصم اگر تم نے زور آزمائی کی تو اس کا نتیجہ ہم دونوں کے لئے خطرناک ہوگا۔ اب اِس کے شبہات دُور کرنے کی یہی ایک صُورت ہے کہ تم خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھے رہو ——— دوسرے لمحے اِس مہیب صورت سیتھین کے خنجر کی تیز نوک عاصم کی پسلی کو چھو رہی تھی اور وہ اپنے اضطراب پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہُوئے ایرج سے یہ کہہ رہا تھا "تم اِس وحشی کو یہ کیوں نہیں سمجھاتے کہ میں تمہارا ساتھی ہُوں۔"

ایرج نے جواب دیا۔"اِس وحشی کو سمجھانا میرے بس کی بات نہیں، یہ میری زبان نہیں سمجھتا۔"

عاصم کے لئے بے حس و حرکت بیٹھنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، آس پاس بیٹھے ہوئے رومی کُشتیاں دیکھنے میں اِس قدر محو تھے کہ انہیں اپنے گرد و پیش کی کوئی خبر نہ تھی ——— تھوڑی دیر بعد دوسرا سیتھین جو ایرج کے دائیں ہاتھ بیٹھا ہوا تھا، اُس کے ساتھ اپنی جگہ تبدیل کر چکا تھا اور عاصم کی حالت اُس شخص کی سی تھی، جیسے دو درندوں کے درمیان باندھ دیا گیا ہو۔

ویلریس نے ایک مرتبہ عاصم کی طرف دیکھا لیکن سیتھین کے ہاتھ کا خنجر جس کا بیشتر حصّہ اُس کی پوستین میں چھپا ہُوا تھا، اُس کی نگاہوں سے اوجھل رہا۔ جوں جوں سورج بلند ہو رہا تھا۔ عاصم کی بے قراری اور بے چینی بڑھ رہی تھی۔ اگر اُسے اِس بات کا یقین ہوتا کہ اُس کی چیخ پکار سے آنے والے خطرات ٹل سکتے ہیں تو وہ شاید اپنی جان کی بھی پروا نہ کرتا۔ لیکن ان حالات میں جرأت اور بہادری کے مظاہرے سے زیادہ ضبط و سکون کی ضرورت تھی۔



رتھوں کی دوڑ شروع ہو چکی تھی۔ اور اُن پر شرطیں بدنے والے رومیوں کا جوش و خروش اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا ——— جب رتھیں شامیانوں کے سامنے سے گزرنے لگیں تو عاصم بھی رومیوں کی طرح ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر نعرے لگانے لگا ——— سیتھین سپاہی نے آہستہ سے اپنا خنجر چھو کر اُسے خاموش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن عاصم نے بے پروائی سے اُس کا ہاتھ جھٹک دیا ——— جب رتھیں دوسری بار قریب پہنچیں تو

زیادہ بے تکلفی کے ساتھ شور مچا رہا تھا ——— اور سیتھین جو شاید ابھی تک کسی خطرناک اقدام کے لیے تیار نہ تھے، غصّے اور اضطراب کی حالت میں اُس کی طرف دیکھ رہے تھے ——— جب رتھیں تیسری بار شامیانے کے قریب پہنچیں تو وہ چند بار انتہائی جوش و خروش سے نعرے لگانے کے بعد اچانک اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سیتھین اب خون آشام نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ لیکن عاصم کے جوش و خروش نے آس پاس کئی اور آدمیوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ جب رتھیں گزر گئیں تو عاصم خاموشی سے بیٹھ گیا اور سیتھین قدرے مطمئن ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

اِس کے بعد عاصم اپنے دل میں ایک فیصلہ کر چکا تھا، جب رتھیں قریب آنے لگیں تو وہ پُوری طاقت سے چند نعرے لگانے کے بعد اچانک کھڑا ہو گیا۔ سیتھین سپاہیوں نے اِس مرتبہ بھی گھٹنوں کے قریب دونوں طرف سے اُس کی قبا پکڑ رکھی تھی، لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اٹھنے سے پہلے قبا کا تسمہ کھول چکا ہے۔ جب سب سے آخری رتھ قریب پہنچی تو اُس نے اچانک اپنی قبا کندھوں سے نیچے سرکاتے ہوئے ایک جست لگائی اور اپنے آگے بیٹھے ہُوئے آدمیوں کے اُوپر سے کود گیا۔ سیتھین سپاہیوں نے انتہائی قہر و غضب کی حالت میں خالی قبا ایک طرف پھینک کر اُس کا پیچھا کیا، لیکن عاصم آن کی آن میں دو اور صفوں کے اُوپر سے پھاند کر پوری رفتار سے شاہی شامیانے کا رُخ کر رہا تھا۔ لیکن ان دو شامیانوں کے درمیان تیس چالیس قدم کا فاصلہ مسلح پہریداروں سے اٹا ہُوا تھا ——— انہوں نے ایک اجنبی کو قیصر کے شامیانے کی طرف بھاگتے دیکھا تو نیزے تان کر اُس کے سامنے کھڑے ہو گئے ——— عاصم نے ایک طرف سے کترا کر نکلنے کی کوشش کی لیکن قیصر کے محافظ اُسے تنگ گھیرے میں لے چکے تھے۔

عاصم چلایا۔"خدا کے لئے مجھے قیصر کے پاس لے چلو، اُس کی جان خطرے میں ہے، تم سب کی جانیں خطرے میں ہیں"۔ لیکن اُس کی آواز پہریداروں کی چیخ پکار میں دب کر رہ گئی ——— دو رومیوں نے اُسے اپنی گرفت میں لے کر ایک طرف کھڑا کر دیا۔ سیتھین جو اُس کا پیچھا کر رہے تھے چند قدم دُور رُک گئے ——— ویلریس بھاگتا ہُوا آیا اور اُس نے کہا "ٹھہرو! اسے چھوڑ دو ——— سپاہیوں نے اُسے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا تو وہ چلایا "ویلریس مجھے قیصر کے پاس لے چلو!"

ولیریس نے جواب دیا۔"اِس وقت قیصر کے سامنے جانا کوئی مذاق نہیں۔ اگر تمہیں کوئی اہم بات معلوم ہوئی تھی تو اِس طرف بھاگنے کی بجائے مجھ سے کہنی چاہیئے تھی۔"

عاصم نے کہا۔"قیصر کی زندگی خطرے میں ہے، تم اُدھر دیکھو وہ اب میرا پیچھا چھوڑ کر قیصر کے شامیانے کی طرف بھاگ رہے ہیں۔"

عاصم نے جھپٹ کر ایک رُومی کے ہاتھ سے نیزہ چھین لیا اور اُن کے پیچھے بھاگنے لگا۔ ولیریس اور دوسرے رومیوں نے اُس کی تقلید کی، لیکن اُن سے پہلے قیصر کے چند حبشی محافظ آوار کے راستے میں حائل ہو چکے تھے۔ اُنہوں نے مُڑ کر عاصم کی طرف دیکھا تو زندگی اور موت سے بے پروا ہو کر اُس پر ٹوٹ پڑے اور وہ اُن کی تلواروں کے وار اپنے نیزے پر روکتا ہؤا پیچھے ہٹنے لگا۔ ولیریس اپنی تلوار سونت کر عاصم کے ساتھ کھڑا ہو گیا لیکن اتنی دیر میں کئی اور سیتھین شامیانے سے نکل کر اپنے ساتھیوں کی مدد کے لئے بھاگے آ رہے تھے۔ چند ثانیے رومی سپاہیوں کو خاقان کے آدمیوں کے ساتھ لڑنے کا حوصلہ نہ ہؤا لیکن جب انہوں نے ولیریس کی چیخ پکار سنی تو وہ بھی بادل ناخواستہ میدان میں آ گئے۔ تاہم وہ لڑنے سے زیادہ آوار کو ڈرا دھمکا کر پیچھے ہٹانے پر اکتفا کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر میں رتھیں میدان کا چکر پورا کرنے کے بعد قریب آ گئیں اور وہ اپنی جانیں بچانے کے لئے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ رتھوں کے گزر جانے کے بعد ایک آوار لڑتا بھڑتا قیصر اور خاقان کے سامنے پہنچ گیا اور اُس نے خاقان کو دیکھتے ہی دہائی مچا دی۔ خاقان جلدی سے اُٹھ کر آگے بڑھا اور اُس نے ایک ثانیہ کے لئے صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد ہاتھ اٹھا کر بلند آواز میں کچھ کہا اور سیتھین اُس کے گرد سمٹنے لگے۔ قیصر تذبذب اور پریشانی کی حالت میں کھڑا تھا اور رومی اُس کے گرد جمع ہو رہے تھے عاصم بھاگ کر شامیانے کے اندر داخل ہؤا اور اُس نے شاہی آداب کا لحاظ کئے بغیر قیصر سے مخاطب ہو کر کہا۔ "آپ کی زندگی خطرے میں ہے، آپ یہاں سے بھاگنے کی کوشش کریں۔"

خاقان جو اتنی دیر میں اپنے ساتھیوں سے چند باتیں کرنے کے بعد اپنی بدحواسی پر قابو پا چکا تھا، واپس مڑا اور قیصر کے قریب پہنچ کر بولا۔"میرے آدمی کہتے ہیں کہ یہ پاگل آدمی مجھے قتل کرنے کے ارادے سے

اِس طرف بھاگا تھا۔"

قیصر نے جواب دیا۔"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے اِس پاگل کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

کلاڈیوس نے کہا۔"عالیجاہ اِس آدمی کو میں جانتا ہوں اور یہ پاگل نہیں ہے۔" پھر وہ آگے بڑھ کر خاقان سے مخاطب ہؤا۔"اگر آپ کے آدمی اِس شخص پر الزام لگاتے ہیں تو وہ یقیناً کسی غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔ میں اِسے اچھی طرح جانتا ہوں۔"

خاقان نے کہا۔"اگر تم لوگ میرے ساتھیوں پر جھوٹ بولنے کا الزام عائد کرتے ہو تو میں یہاں بیٹھنا پسند نہیں کروں گا۔"

قیصر نے ملتجی ہو کر کہا۔"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اِس واقعہ کی پوری چھان بین کی جائے گی۔ اگر یہ آدمی مجرم ثابت ہؤا تو ہم اِسے آپ کے حوالے کر دیں گے۔ لیکن اُس طرف دیکھئے آپ کے آدمی گھوڑوں سمیت میدان کے اندر آ رہے ہیں۔"

خاقان نے جواب دیا۔"وہ احمق شاید یہ سمجھتے ہیں کہ میں کسی خطرے کا سامنا کر رہا ہوں لیکن آپ مطمئن رہیں، میں آپ کا یہ شاندار کھیل خراب نہیں ہونے دوں گا۔"

خاقان یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا اور جو سیتھین شامیانوں سے نکل کر اُس کے گرد جمع ہو گئے تھے اُس کے پیچھے ہو لئے۔

قیصر نے جھنجلا کر اپنے مشیروں سے کہا۔"ایک پاگل آدمی نے ہمارے معزز مہمان کو ناراض کر دیا ہے خدا کے لئے جاؤ اور اُسے منانے کی کوشش کرو۔" سینیٹ کے چند ارکان خاقان کے پیچھے بھاگنے لگے لیکن اُس نے مڑ کر دیکھنا گوارا نہ کیا۔ میدان میں جمع ہونے والے سیتھین گھوڑے دوڑاتے ہوئے خاقان کی پیشوائی کے لئے بڑھے لیکن خاقان نے ہاتھ بلند کر کے اپنی زبان میں کچھ کہا اور وہ رک گئے۔



پہلی دوڑ جس میں آٹھ رتھوں نے حصّہ لیا تھا، ختم ہو چکی تھی اور دوسری دوڑ میں حصّہ لینے والے

جوان میدان میں آنے کے لئے قیصر کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ لیکن قیصر رنج و اضطراب اور بے بسی کی حالت میں کھڑا خاقان کی واپسی کا منتظر تھا۔

کلاڈیوس نے عاصم سے چند سوالات پوچھے اور اُس نے جلدی جلدی ایرج کے ساتھ اپنی ملاقات کا واقعہ بیان کر دیا۔

کلاڈیوس نے کسی توقف کے بغیر ایک افسر سے کہا "تم سپاہیوں کو حکم دو کہ وہ تمام فالتو گھوڑے شامیانے کے پیچھے لے آئیں۔"

ہرقل نے غضبناک ہو کر کلاڈیوس سے کہا "کلاڈیوس، تم ہمیں ایک موہوم خطرے سے بھاگنے کا مشورہ نہ دو۔"

اُس نے جواب دیا "نہیں عالیجاہ میں صرف احتیاط کرنا چاہتا ہوں۔"

ہرقل اور زیادہ غضب ناک ہو کر چلایا "اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ مٹھی بھر سیتھین ہمارے لشکر کو نگل جائیں گے تو میں قسطنطنیہ کے تخت پر بیٹھنے کی بجائے خاقان کے گھوڑوں کی رکھوالی کرنا زیادہ باعزت سمجھتا ہوں۔ تم نے اِس جگہ ہماری رسوائی کے سامان پیدا کئے ہیں اور اگر ہمیں یہ پتا چلا کہ اِس پاگل آدمی نے تمہاری شہ پر یہ بدمزگی پیدا کی ہے تو ہم تمہیں معاف نہیں کریں گے۔"

کلاڈیوس نے جواب دیا "عالیجاہ آپ اسے نہیں جانتے اِس نے کسریٰ کی فوج میں ایک بہت بڑا عہدہ چھوڑ کر ہمارے پاس پناہ لی ہے، اور یہ وہی ہے جس نے بابلیون میں مجھے ایرانیوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچایا تھا۔"

ہرقل نے کہا "اگر کسریٰ کی فوج کے کسی افسر نے یہاں بدمزگی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے تو یہ بات ہماری سمجھ میں آسکتی ہے۔ بیوقوف تم نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ ایرانی اِس ملاقات کو ناکام بنانے کے لئے ایک کامیاب سازش کر چکے ہیں۔ اسے گرفتار کر لو اور خاقان سے کہو کہ ہم انہیں اس کے متعلق فیصلہ کرنے کا اختیار دیتے ہیں۔"

کلاڈیوس نے کہا "عالیجاہ اِس شخص کے متعلق فیصلہ کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لیجئے۔ میں پوری

ذمہ داری کے ساتھ یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ ہمارا دشمن نہیں اور اگر میرا یہ دعویٰ غلط ثابت ہو تو میں اس کے بدلے بڑی سے بڑی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔"

قیصر نے کہا "تم خاموش رہو۔ ہم تمہاری کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔"

سپاہیوں نے عاصم کو بازوؤں سے پکڑ کر شامیانے سے ایک طرف کھڑا کر دیا۔ وہ کچھ دیر بے بسی اور اضطراب، غصے اور نفرت کے ملے جُلے جذبات کے ساتھ اِدھر اُدھر دیکھتا رہا اور پھر قیصر اور دوسرے رومیوں کی طرح اُس کی نگاہیں بھی سامنے میدان میں جمع ہونے والوں کی طرف مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ اچانک وہاں سے ایک آدمی نکلا اور پوری رفتار سے قیصر کے شامیانے کی طرف بھاگنے لگا۔ پھر چند ثانیے بعد کئی سیتھین شور مچاتے ہوئے اُس کا پیچھا کر رہے تھے۔ جب وہ شامیانے سے کوئی سو گز کے فاصلے پر تھا، عاصم اچانک بلند آواز میں چلانے لگا "اُسے بچاؤ! اُس کی مدد کرو! سیتھین اُسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اور وہ صرف اِس لئے مارا جائے گا کہ خاقان کے آدمیوں نے اُسے میرے ساتھ باتیں کرتے دیکھ لیا تھا۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اُس نے خاقان کی سازش کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے۔"

بھاگنے والے کی رفتار پیچھا کرنے والوں سے زیادہ تھی اور دیکھنے والوں کو اُس کا شامیانے کے قریب پہنچ جانا یقینی نظر آتا تھا ــــ لیکن اب چند سوار بھی اُس کا پیچھا کر رہے تھے، اور وہ آن کی آن میں اُس کے قریب پہنچ گئے۔ سب سے اگلے سوار نے جھک کر اُس پر اپنی تلوار سے وار کیا، لیکن وہ اچانک کترا کر ایک طرف نکل گیا۔ دوسرے سوار نے اُسے اپنے نیزے کی زد میں لینے کی کوشش کی لیکن اُس نے اچانک مُنہ کے بل گر کر اپنی جان بچالی۔ جب اُس نے دوبارہ اُٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی تو تیسرے سوار نے بھاگتے ہوئے گھوڑے سے نیزہ پھینکا۔ ایرج ایک جگر دوز چیخ کے ساتھ گرا، اُٹھا اور چند قدم لڑکھڑانے کے بعد دوبارہ مُنہ کے بل گر پڑا، ایک اور سوار نے گھوڑے سے کُود کر اُس کا سر قلم کرنے کی کوشش کی، لیکن اتنی دیر میں کلاڈیوس اور چند سپاہی اُس کی مدد کے لئے پہنچ چکے تھے۔ ایک نوجوان نے سیتھین کا وار اپنی تلوار پر روکا اور دوسرے نے اپنا نیزہ دکھا کر اُسے پیچھے دھکیل دیا اور باقی چند قدم دُور رُک کر اپنی زبان میں غم و غصّے کا اظہار کرنے لگے۔ تاہم انہوں نے زخمی ہونے والے کی موت یقینی سمجھ کر

رومیوں کے ساتھ اُلجھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

عاصم اپنے آپ کو سپاہیوں کی گرفت سے آزاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کلاڈیوس نے مُڑ کر اُس کی طرف دیکھا اور بلند آواز میں کہا۔ "اسے چھوڑ دو۔"

عاصم سپاہیوں کی گرفت سے آزاد ہوتے ہی بھاگتا ہؤا، ایرج کی طرف بڑھا اور اُس کے قریب دوزانو ہو کر "ایرج! ایرج!" پکارنے لگا۔ جب ایرج نے کوئی جواب نہ دیا تو سیبقین مطمئن ہو کر وہاں سے کھسکنے لگے۔ عاصم کچھ دیر بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد ایرج نے آہستہ آہستہ کراہتے ہوئے گردن اٹھانے کی کوشش کی تو عاصم نے سہارا دے کر اُس کا سر اپنے زانو پر رکھتے ہوئے کہا۔ "ایرج مجھے افسوس ہے، میں تمہاری جان نہ بچا سکا۔ لیکن تمہاری زبان سے چند الفاظ ہزاروں جانیں بچا سکتے ہیں۔"

ایرج نے ڈوبتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "اب میری باتوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ خاقان کا لشکر یہاں پہنچنے والا ہے۔ تم اپنی جان بچانے کی فکر کرو ــــ یہ عجیب بات ہے کہ اب میں تمہیں جان بچانے کا مشورہ دے رہا ہوں اور تھوڑی دیر قبل میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ تمہیں اپنے ہاتھ سے قتل کروں۔ لیکن میری وہاں پیش نہ گئی۔ خاقان کے آدمیوں نے اُسے یقین دلا دیا تھا کہ میں رومیوں کا جاسوس ہوں ــــ وہ مجھے قتل کرنا چاہتے تھے ــــ عاصم یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جب میں اِس طرف بھاگا تھا تو مجھے یقین تھا کہ تم مجھے پناہ دینے سے انکار نہیں کرو گے ــــ اب تم میری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ اگر تمہیں کوئی تیز رفتار گھوڑا مل سکتا ہے تو یہاں سے نکلنے کی کوشش کرو۔ اگر اپنے لئے نہیں تو فسطینہ کے لئے ــــ میں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ وہ ابھی تک تمہاری راہ دیکھ رہی ہے۔ عاصم تم جاؤ اور اگر قدرت تمہیں وہاں پہنچنے کا موقع دے تو فسطینہ کو اتنا ضرور بتا دینا کہ جسے وہ ہمیشہ قابلِ نفرت سمجھتی تھی مرتے وقت بھی اُس کی یاد سے غافل نہیں تھا ــــ" ایرج یہاں تک کہہ کر کھانسنے لگا اور اس کے ساتھ ہی اُس کے مُنہ سے خون جاری ہو گیا۔ چند ثانیے بعد اُس کی سانس اُکھڑ چکی تھی۔

ہرقل اُس کے قریب کھڑا تھا اور شاہی مترجم اُسے عاصم اور ایرج کی گفتگو کا مفہوم بتا رہا تھا۔ ایک عمر رسیدہ رومی نے کہا۔ "عالیجاہ ایک مرتے ہوئے انسان کی باتیں جھوٹ نہیں ہو سکتیں۔ اگر خاقان

واقعی اِس طرف آ رہا ہے تو ہمارے لئے قسطنطنیہ کا رُخ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔" لیکن ہرقل فیصلہ جواب دے چکی تھی۔ ایرج نے ایک جھرجھری لے کر دم توڑ دیا اور اس کے ساتھ ہی وہ جنہیں ہرقل نے خاقان کو منانے کے لئے بھیجا تھا، واپس آتے دکھائی دینے لگے۔ سنیٹ کا ممتاز رکن قریب پہنچتے ہی رومی سپاہیوں پر برس پڑا۔ "تم سب پاگل ہو گئے ہو۔ تمہیں آوار کو ایک اس کا سر قلم کرنے سے روکنے کی ضرورت نہ تھی۔"

سپاہی کوئی جواب دینے کی بجائے مُڑ کر قیصر کی طرف دیکھنے لگے تو وہ قدرے نرم ہو کر قیصر سے مخاطب ہؤا۔ "عالیجاہ یہ معاملہ خطرناک حد تک بگڑ چکا ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ خاقان کے آدمیوں کو جلد اس بات کا پتہ چل گیا کہ اُن کے ساتھ ایک ایرانی جاسوس بھی یہاں پہنچ گیا تھا اور اُس کا مقصد اِس کے اور کچھ نہ تھا کہ یہ ملاقات ناکام بنا دی جائے۔"

قیصر نے جواب دیا۔ "ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ اگر ہم یہ بات درست تسلیم کر لیں تو ایرانیوں کا نہیں بلکہ دو جاسوس یہاں موجود ہیں۔ مجھے یہ عرب جسے کلاڈیوس اپنا دوست کہتا ہے اِس قتل کرنے والے آدمی سے کہیں زیادہ خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر خاقان کو اطمینان ہو چکا ہے تو وہ ابھی وہاں کیوں کھڑا ہے؟"

رومی نے جواب دیا۔ "عالیجاہ اُس کے آدمی ہماری نیت پر شک کر رہے ہیں اور وہ ان کے شبہات دور کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

قیصر نے کہا۔ "کیا سیبقین یہ چاہتے ہیں کہ میں بذاتِ خود وہاں جا کر اُن سے التجا کروں گا؟"

"نہیں عالیجاہ وہ آ جائیں گے۔"

عاصم جو ابھی تک ایرج کے قریب بیٹھا ہؤا تھا، اُٹھ کر کلاڈیوس سے مخاطب ہؤا۔ "یہ شخص واقعی ایرانیوں کا جاسوس تھا لیکن خاقان اسے اپنی کارگزاری دکھانے کے لئے ساتھ لایا تھا ــــ اب یہ مر چکا ہے اور میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ نے میرے متعلق کیا سوچا ہے؟"

کلاڈیوس نے قیصر کی طرف دیکھا اور کہا۔ "عالیجاہ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص کسی سازش کی

نیت سے یہاں آیا ہے تو میں بھی اس کے جرم میں حصہ دار ہوں۔ اور ہم دونوں کو ایک جیسی سزا ملنی چاہیے لیکن کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ ہمارے متعلق کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے خاقان کے ارادوں کے متعلق اپنی پوری اطمینان حاصل کر لیں۔"

ایک رومی نے کہا۔ "عالیجاہ، میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ اس شخص کو خاقان کے حوالے کر دیا جائے۔ سیتھین ایسے آدمی کے منہ سے سچی باتیں اگلوانے کے طریقے جانتے ہیں۔"

قیصر تذبذب کی حالت میں کھڑا تھا، اچانک میدان کی بائیں جانب ایک سرپٹ گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی —— اور کنارے پر جمع ہونے والے لوگوں نے ادھر ادھر سمٹ کر آنے والے کے لئے تھوڑی سی جگہ خالی کر دی، ایک رومی سوار میدان میں داخل ہوتے ہی دونوں ہاتھ اٹھا کر بلند آواز میں چلانے لگا۔ "ہوشیار! ہوشیار! آوار آ رہے ہیں۔"

سیتھین اس سوار کو دیکھتے ہی اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور پیشتر اس کے کہ رومی اپنے ہوش و حواس پر قابو پاتے، وہ ایک طرف مار دھاڑ کرتے ہوئے میدان سے باہر نکل گئے۔

رومی سوار اب قیصر کے سامنے رک کر دہائی دے رہا تھا، لیکن قیصر کی حالت اس شخص کی سی تھی جسے اچانک سانپ نے ڈس لیا ہو۔ چند اور رومی سوار مختلف سمتوں سے میدان میں داخل ہوئے اور ان سب کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا۔ "سیتھین آ رہے ہیں۔"

اب ہر سمت افراتفری کا عالم تھا۔ مقامی لوگ چیختے چلاتے اپنے گھروں کا رخ کر رہے تھے اور قسطنطنیہ اور دوسرے شہروں سے آنے والے معززین افراتفری کے عالم میں شامیانے کے پیچھے پہنچ کر اپنے گھوڑوں پر سوار ہو رہے تھے۔ رومی فوج کے سوار اور پیادہ سپاہی چاروں اطراف سے سمٹ کر قیصر کے گرد صفیں باندھنے لگے۔ ایک نوجوان جس نے قیصر کے گھوڑے کی باگ پکڑ رکھی تھی، بھاگتا ہوا اس کے سامنے پہنچا اور قیصر جو کسی حد تک اپنی سراسیمگی پر قابو پا چکا تھا کسی توقف کے بغیر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ کلاڈیوس نے بلند آواز میں کہا۔ "عالیجاہ آپ سیدھے قسطنطنیہ کا رخ کریں، ہم دشمن کو روکنے کی کوشش کریں گے۔ قیصر نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور اس کے محافظ سپاہیوں کا ایک دستہ اس کے ساتھ ہو لیا۔

ولیریس اور عاصم کی طرح کلاڈیوس بھی اپنا گھوڑا نوکروں کے پاس چھوڑ آیا تھا لیکن اب اس کے لئے پس جانے کا موقع نہ تھا۔ چنانچہ جب ایک سپاہی نے اسے اپنا گھوڑا پیش کیا تو وہ بلا توقف اس پر سوار ہو گیا اور ادھر ادھر بھاگ کر سوار اور پیادہ دستوں کو ہدایات دینے لگا —— تماشائیوں میں سے کئی ایسے تھے افراتفری کے باعث اپنے گھوڑوں سے محروم ہو چکے تھے لیکن ان کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔ ہر قلبیہ کے نازک مزاج رؤسا پالکیوں پر سوار ہو کر آئے تھے لیکن اب انہیں اٹھانے والے رفو چکر ہو چکے تھے رتھوں کے سوار خاقان کے لشکر کی آمد کی اطلاع پاتے ہی فرار ہو چکے تھے اور ان کے راستے میں آنے والے کئی آدمی زخمی اور ہلاک ہو چکے تھے۔



عاصم اپنا گھوڑا لینے کے لئے بھاگا، لیکن راستے میں چیختے چلاتے بدحواس لوگ ایک دوسرے کے اوپر گر رہے تھے اور کئی عورتیں اور بچے ان کے پاؤں تلے روندے جا رہے تھے۔ ایک خیمے کے قریب دو مضبوط آدمی ایک گھوڑے پر قبضہ جمانے کے لئے زور آزمائی کر رہے تھے اور ایک بوڑھا دہائی مچا رہا تھا۔ "مجھے ان ڈاکوؤں سے بچاؤ، میری مدد کرو، یہ گھوڑا میرا ہے۔"

اپنے آگے اور پیچھے لوگوں کے بے پناہ ہجوم کے باعث عاصم کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کس سمت بھاگ رہا ہے۔ تھوڑی دیر ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد اسے آس پاس ہزاروں گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دینے لگی۔ پھر اچانک ایک خیمے کے قریب اسے کلاڈیوس کا ایک عمر رسیدہ غلام دکھائی دیا۔

"میرا گھوڑا کہاں ہے؟" عاصم نے ادھر ادھر دیکھنے کے بعد بدحواس سا ہو کر پوچھا۔

غلام نے جواب دیا۔ "ولیریس آپ سے نہیں ملا، وہ ابھی تینوں گھوڑے لے گیا ہے۔ وہ یہ کہتا تھا کہ میرے آقا واپس نہیں آئیں گے۔ اور ان کے دو نوکر بھی ولیریس کے ساتھ چلے گئے ہیں، اور میں سوچ رہا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔"

"اگر تمہیں قتل ہونا پسند نہیں تو یہاں سے بھاگ جاؤ، ورنہ کسی ایسی جگہ چھپ جاؤ، جہاں دشمن

کی نگاہ نہ پہنچ سکے۔"

عاصم یہ کہہ کر واپس مڑا تو میدان کی طرف نعروں اور چیخوں سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ سیتھین حملہ کر چکے ہیں — کچھ دیر وہ یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ اُسے کیا کرنا چاہئیے ، آوار کے ہاتھوں گرفتار ہونے کی صورت میں اُس کی موت یقینی تھی ۔ لیکن پیدل بھاگنے کی صورت میں بھی اُسے قسطنطنیہ پہنچ جانا بعید از قیاس معلوم ہوتا تھا ۔ کچھ دیر تذبذب اور پریشانی کی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد وہ ہرقلیہ کی طرف بھاگنے والوں کا ساتھ دے رہا تھا ۔ اُس کے ہاتھ خالی تھے اور یہ پہلا موقع تھا کہ وہ صرف اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ رہا تھا ۔ تھوڑی دیر بعد موسم سرما کی خنک ہوا کے باوجود اُسے پسینہ آ رہا تھا ۔ جب سانس پھول گئی تو اُس نے اپنی رفتار ذرا کم کر دی ۔ لیکن تھوڑی دیر بعد پھر زندگی کی خواہش جسمانی تھکاوٹ پر غالب آنے لگی اور اُس نے اپنی رفتار تیز کر دی ، شہر سے کوئی آدھ میل کے فاصلے پر اُسے ایک نوجوان لڑکی دکھائی دی ، جس نے ایک عمر رسیدہ نحیف اور لاغر آدمی کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا ۔ یہ بوڑھا جو اپنے لباس سے طبقۂ اعلیٰ کا فرد معلوم ہوتا تھا ، چلا چلا کر لڑکی سے کہہ رہا تھا "بیٹی اب میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا ، خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو اور اپنی جان بچانے کی کوشش کرو ۔ ہماری فوج دشمن کو زیادہ دیر نہیں روک سکے گی" اور نوعمر لڑکی جو اس بے بسی کے عالم میں بھی ایک شہزادی معلوم ہوتی تھی ، یہ کہہ رہی تھی "اباجان ذرا ہمت سے کام لیجئے ، وہ دیکھئے شہر کا دروازہ یہاں سے زیادہ دُور نہیں"

عاصم ایک ثانیہ کے لئے اُن کے قریب رُکا اور پھر دوسرے لوگوں کی طرح بے پروائی سے آگے چل دیا ۔ لیکن تھوڑی دُور آگے جانے کے بعد اُس نے مڑ کر دیکھا تو بوڑھا زمین پر بیٹھا ہوا تھا اور لڑکی اُس کا بازو کھینچ کر اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی ، بوڑھا بادل ناخواستہ اٹھا ، لیکن اُس کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں ۔ عاصم چند ثانیے تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا ، پھر اچانک بھاگ کر اُن کے قریب پہنچا "میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں" اُس نے کہا ۔ اور پیشتر اِس کے کہ وہ کوئی جواب دے سکتے اُس نے عمر رسیدہ آدمی کو اُٹھا کر اپنے کندھے پر ڈال لیا — کچھ دیر بھاگنے کے بعد وہ ایک تھکے ہوئے گھوڑے کی طرح ہانپ رہا تھا اور اُس کا چہرہ پسینے سے شرابور ہو چکا تھا ۔ تاہم اُس کی رفتار ایسی تھی کہ لڑکی بڑی مشکل سے اُس کا

ساتھ دے رہی تھی ۔

پھر جب وہ شہر سے کوئی دو سو قدم کے فاصلے پر تھے تو پیچھے آنے والوں کی چیخیں سنائی دینے لگیں ۔ عاصم نے مڑ کر دیکھا تو اُسے سیتھین سواروں کی ایک ٹولی دکھائی دی ۔ وہ اپنی رہی سہی قوت کو کام لاتے ہوئے بھاگا ۔ دروازے کے سامنے اور فصیل کے اوپر چند سپاہی شور مچا رہے تھے ، سیتھین آ گئے ، بھاگو ! جلدی کرو !!

دروازے میں داخل ہوتے وقت عاصم اپنے پیچھے آنے والوں کی چیخوں کے ساتھ گھوڑوں کی ٹاپ سُن رہا تھا ۔ اُس نے جلدی سے بوڑھے کو نیچے اُتارا اور نڈھال سا ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا ۔ عاصم کے بعد پچاس ساٹھ افراد سے زیادہ اندر داخل نہ ہو سکے ۔ اس کے بعد دشمنوں کے سوار اِس قدر قریب پہنچ چکے تھے کہ پہریدار دروازہ بند کرنے پر مجبور ہو گئے ۔

عاصم چند ثانیے ستانے کے بعد اپنا پسینہ پونچھتا ہوا اُٹھا اور کسی توقف کے بغیر فصیل کے زینے پر چڑھنے لگا ۔ اوپر جا کر اُس نے ایک دلخراش منظر دیکھا ۔ سیتھین سوار جن کی تعداد پچاس ساٹھ سے زیادہ نہ تھی دروازے کے آس پاس لاشوں کے انبار لگانے کے بعد قیدیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکتے ہوئے واپس جا رہے تھے ۔ اُس نے ایک نوجوان سے جو پہریداروں کا افسر معلوم ہوتا تھا مخاطب ہو کر کہا "اگر تم لوگ اپنے تیروں کے استعمال میں بخل سے کام نہ لیتے تو کئی اور آدمیوں کی جان بچ سکتی تھی — اور نہیں دروازہ بند کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی ، یہاں سے دس اچھے تیر انداز اُن کی پیش قدمی روکنے کے لئے کافی تھے ۔"

"آپ کون ہیں" رومی افسر نے سوال کیا ۔

"میں ایک اجنبی ہوں" ۔ عاصم یہ کہہ کر نیچے اُتر آیا ۔

عمر رسیدہ آدمی نے اُسے دیکھتے ہی کہا "اگر میری نگاہیں مجھے دھوکا نہیں دیتیں تو تم وہی ہو ، جس نے قیصر کو اس حملے کے متعلق خبردار کرنے کی کوشش کی تھی ۔"

"جی ہاں میں وہی ہوں" ، عاصم نے مغموم لہجے میں جواب دیا ۔

پہریداروں کا افسر فصیل کے زینے سے نمودار ہوا اور اُس نے بڑھ کر ادب سے سلام کرتے ہوئے کہا "جناب مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمن نے شہر پر حملہ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے لیکن جو بدنصیب شہر سے باہر ہیں اُن میں سے شاید ایک بھی زندہ واپس نہ آسکے۔ انہیں ٹھکانے لگانے کے بعد شاید سیتھین پوری قوت کے ساتھ شہر پر حملہ کریں گے۔"

عاصم نے کہا "ایک اجنبی کو آپ کے معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ خاقان کے لشکر کی منزل قسطنطنیہ ہے، یہ شہر نہیں۔ اگر اِس شہر پر قبضہ کرنے کی خواہش ہوتی تو اِس طرف صرف پچاس، ساٹھ سوار بھیجنے پر اکتفا نہ کرتا۔"

بوڑھے نے کہا "اگر ہرقلیہ پر حملہ نہ ہوا تو میں اسے قدرت کا ایک معجزہ سمجھوں گا۔ یہاں اب خالی دیواروں کے سوا اُن کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں۔ نوجوان میں اِس شہر کا منصف ہوں۔ اور تاتاریوں کے خوف سے میرے اپنے نوکر میرا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ میں تم سے پوچھ سکتا ہوں، کہ تم نے میری جان بچانے کی کوشش کیوں کی تھی؟"

عاصم نے جواب دیا "مجھے معلوم نہیں شاید آپ کی بیٹی کی ہمت دیکھ کر میرا ضمیر بیدار ہو گیا تھا۔"

شہر کے حاکم نے کہا "اب میں ایک اور سوال پوچھنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اِس شہر کے باشندے زندگی کی نسبت موت سے زیادہ قریب ہیں، تاہم جب تک دشمن کی تلواریں ہماری گردنوں تک نہیں پہنچتیں تم ہمارے مہمان ہو اور ہم اپنی بیچارگی کے احساس کو میزبانی کے فرائض میں حائل نہیں ہونے دیں گے۔"

عاصم نے جواب دیا "میری منزلِ مقصود قسطنطنیہ ہے لیکن اپنے گھوڑے سے محروم ہونے کے بعد میں یہاں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ اب اگر آپ میرے لئے ایک گھوڑے کا بندوبست کر سکیں تو میں کسی تاخیر کے بغیر یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔"

"گھوڑے کے متعلق تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، لیکن موجودہ حالات میں تمہارے لئے

نیہ کا رخ کرنا یہاں ٹھہرنے سے کم خطرناک نہیں ہوگا۔"

"جناب وہاں ایک دوست میرا انتظار کر رہا ہے اور مجھے مصیبت کے وقت اُس سے دُور رہنا نہیں۔"

"بہت اچھا تمہارے لئے گھوڑے کا انتظام کر دیا جائے گا، لیکن تمہارے لئے دن کی روشنی میں ے رات کی تاریکی میں سفر کرنا زیادہ بہتر ہوگا، کم از کم اچانک کسی گروہ کے ساتھ تصادم کی صورت میں ے بچ کر نکل جانے کے امکانات زیادہ ہوں گے۔ اگر سیتھین لشکر نے پلٹ کر شہر کا محاصرہ نہ کر لیا تو نہیں رات ہوتے ہی روانہ کر دیں گے۔ اور میں یہ کوشش کروں گا کہ کوئی باہمت جوان تمہارا ساتھ دینے ادہ ہو جائے۔"

شہر سے باہر کھیتوں کے میدان کے آس پاس چند شدید جھڑپوں کے بعد رومی دستے پسپا ہو گئے لیکن تان نے قیصر کو پکڑنے کی نیت سے اُن کا تعاقب جاری رکھا۔ خاقان کے حکم سے پیچھے رہ جانے والے چند ستوں نے شہر سے باہر لوٹ مار کرنے اور ہزاروں مردوں، عورتوں اور بچوں کو گرفتار کرنے کے بعد ہرقلیہ پر دھاوا بولنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

غروب آفتاب سے کچھ دیر بعد جب وہ لوگ جو اِدھر اُدھر چھپ کر تاتاریوں کے ہاتھوں قید یا قتل نے سے بچ گئے تھے، واپس آ رہے تھے تو عاصم اور اُس کے ساتھ ایک رومی گھوڑوں پر سوار ہو کر قسطنطنیہ کی طرف چل پڑے۔

باب ۳۱

مرقس، کلاڈیوس اور ولیریس مغموم صورتیں بنائے ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جولیا عقبی دروازے سے اندر داخل ہوئی اور اُس نے کہا۔ "انطونیہ نے کھانے کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ اب اُسے تسلی دینا ہمارے بس کی بات نہیں۔ اگر عاصم کے متعلق کوئی اطلاع مل جاتی تو شاید اُسے تھوڑا بہت قرار آجاتا۔ آج وہ اپنے باپ کی بجائے اُس کے لئے زیادہ روتی ہے۔ میں نے اُسے بہت سمجھایا ہے کہ وہ زندہ ہے، لیکن وہ بار بار یہی کہتی ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو میرے باپ کی قبر پر مٹی ڈالنے کے لئے ضرور پہنچتا۔ آج وہ صرف عاصم کا گھوڑا دیکھنے کے لئے اصطبل تک گئی تھی۔"

ولیریس نے کلاڈیوس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اگر وہ واپس نہ آیا تو میں مرتے دم تک اپنے آپ کو قابل معافی نہیں سمجھوں گا۔ وہ یقیناً اپنے گھوڑے کی تلاش میں گیا ہوگا اور جب اُسے یہ پتہ چلا ہوگا کہ میں اُس کا گھوڑا لے گیا ہوں تو اُس نے یہی سمجھا ہوگا کہ میں اُسے موت کے منہ میں چھوڑ کر بھاگ گیا ہوں۔ وہ اُن آدمیوں میں سے نہیں تھا جو موت سے ڈرتے ہیں۔ اُس نے یقیناً ایک بہادر آدمی کی طرح جان دی ہوگی۔ لیکن میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر میں اُس کی جگہ ہوتا تو اُس بے بسی کی حالت میں میرے دل پر کیا گزرتی۔ کلاڈیوس، تمہیں یقین نہیں آئے گا، لیکن میں نے آخری وقت تک اُسے تلاش کیا تھا ـــ میں نے بھاگنے سے قبل دوبارہ اپنے خیمے کا رُخ کیا تو مجھے اس بات کی پروا نہ تھی کہ دشمن کا ایک دستہ میرے پیچھے ہے۔ پھر چاروں طرف سے مایوس ہو کر جب میں اپنا گھوڑا چھوڑ کر اُس کے گھوڑے پر سوار ہوا تھا تو اُس وقت بھی میری نیت یہی تھی کہ اگر وہ مجھے کسی جگہ نظر آگیا تو میں بلا توقف اُس کا گھوڑا اُس کے

حوالے کر دوں گا، لیکن اب شاید کوئی اس بات پر یقین نہ کرے۔ اب اگر عاصم بھی زندہ واپس آجائے تو وہ بھی شاید یہی کہے گا کہ میں نے اپنی جان بچانے کے لئے ایک دوست کا تیز رفتار گھوڑا ہتھیا لیا۔"

مرقس نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "بیٹا وہ ایک شریف آدمی تھا اور ایک شریف آدمی بدترین حالات میں بھی اپنے دوستوں کے متعلق اِس قسم کی بدگمانیاں نہیں کیا کرتا۔ تم سے یہ غلطی ضرور ہوئی کہ تم اُسے بتائے بغیر اُس کا گھوڑا لانے چلے گئے تھے لیکن اِس قسم کی غلطیاں ہم سب کرتے ہیں۔ جب قیصر یہاں سے روانہ ہوا تھا تو یہ کون کہہ سکتا تھا کہ خاقان کے ساتھ اُس کی ملاقات کے بعد ہم ہرقلیہ سے لے کر قسطنطنیہ کی چار دیواری تک رومیوں کی لاشوں کے انبار دیکھیں گے اور وہ ہماری لاکھوں[1] عورتوں اور بچوں کو غلام بنا کر لے جائیں گے۔ ہم امن کے متعلق کبھی اتنے پُر اُمید نہیں ہوئے تھے اور ہم نے کبھی اس قدر تباہی کا سامنا نہیں کیا تھا۔ اگر ہم تمہاری طرح سوچیں تو ہرقل سے کہیں زیادہ مجھے اور میرے بیٹے کو اِس تباہی کی ذمہ داری قبول کرنی پڑے گی ـــ اگر کلاڈیوس خاقان کے پاس نیک توقعات لے کر نہ جاتا تو ہم پر یہ مصیبت نہ آتی، اگر میں قسطنطنیہ کے اکابر اور سینیٹ کے ارکان کو ہرقلیہ جانے کی ترغیب نہ دیتا تو وہ اس طرح ہلاک نہ ہوتے، لیکن کوئی انصاف پسند آدمی ہم پر بدنیتی کا الزام عائد نہیں کر سکتا۔"

کلاڈیوس نے مغموم لہجے میں کہا۔ "لیکن ابا جان ہمارا معاملہ ولیریس سے مختلف ہے۔ آج قسطنطنیہ کا کوئی آدمی ایسا نہیں جو مجھے اِس تباہی کا ذمہ دار نہیں ٹھہراتا ـــ کل سینیٹ کا اجلاس ہو رہا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہاں سب سے زیادہ نکتہ چینی مجھ پر ہوگی ـــ قیصر نے وہاں مجھے انعام دینے کیلئے نہیں بلایا، بلکہ اُن لوگوں کی گالیاں سننے کی دعوت دی ہے جو کل تک مجھے اپنا محسن سمجھتے تھے ـــ ابا جان میں مستعفی ہونے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ اب میرے لئے قیصر کے سامنے یہ اعلان کرنے کے سوا

[1] گبن کے بیان کے مطابق آوار قبائل قسطنطنیہ کی چار دیواری تک مار دھاڑ کرنے کے بعد دو لاکھ ستر ہزار رومیوں کو غلام بنا کر دریائے ڈینوب کے پار لے گئے تھے۔

کوئی راستہ باقی نہیں رہا کہ میں کسی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کا اہل نہیں ہوں۔"

مرقس نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا"نہیں بیٹا قیصر تمہیں اپنے ماضی کی اُن کوتاہیوں کا ذمہ دار نہیں ٹھہرائے گا، جن کے باعث ہم اپنے حقیر دشمن سے امن اور صلح کی بھیک مانگنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ سینیٹ کا کوئی رکن تمہارے خلاف زبان کھولنے کی جرأت نہیں کرے گا۔"

کلاڈیوس کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اچانک کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور وہ دروازے کی طرف دیکھنے لگا—— پھر وہ اچھل کر آگے بڑھا اور بے اختیار آنے والے کے ساتھ لپٹ گیا۔ یہ عاصم تھا۔ اُس کے چہرے سے وحشت برس رہی تھی۔ ولیریس کو تھوڑی دیر اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ پھر وہ اٹھ کر آگے بڑھا اور مغموم لہجے میں بولا۔"عاصم تمہیں یقین نہیں آئے گا لیکن میں بے قصور ہوں —— مجھ سے صرف یہ غلطی ہوئی کہ میں تمہیں بتائے بغیر گھوڑے لینے چلا گیا تھا۔"

عاصم نے جواب دیا"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، مجھے آپ کے غلام نے بتا دیا تھا——"

کلاڈیوس نے پوچھا"وہ کہاں ہے؟"

"کون! آپ کا غلام؟ مجھے معلوم نہیں۔ وہ آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ اور میں نے اُسے بھاگنے کی ہدایت کی تھی۔"

مرقس نے آگے بڑھ کر عاصم سے مصافحہ کیا اور اُسے اپنے قریب بٹھا لیا۔ کچھ دیر یہ چاروں مغموم نگاہوں سے کبھی عاصم اور کبھی ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر کلاڈیوس نے کہا۔"عاصم تمہیں معلوم ہے کہ . . . ."

"مجھے سب [illegible]م ہے۔" اُس نے بات کاٹتے ہوئے کہا"میں سیدھا سرائے کی طرف گیا تھا اور اِس کے بعد اُس کی قبر سے بھی ہو آیا ہوں۔"

"میں انطونیہ کو اطلاع دیتی ہوں۔" جولیا یہ کہہ کر عقب کے کمرے میں چلی گئی۔ اور تھوڑی دیر بعد انطونیہ اُس کے ساتھ عقبی دروازے میں کھڑی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے عاصم کی طرف دیکھ رہی تھی۔

ڈیوس جلدی سے اُٹھ کر آگے بڑھا اور اُس نے انطونیہ کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اپنے قریب بٹھا لیا—— انطونیہ ستور عاصم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اور عاصم کو اُس کی خاموش نگاہوں کی فریاد الفاظ سے کہیں زیادہ مؤثر وس ہو رہی تھی۔ عاصم نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا"میری بہن، فرمس تمہارا باپ تھا، لیکن اس دنیا یں مجھے اُس کی زیادہ ضرورت تھی۔ میں نے اپنے مقدر کی تاریکیوں میں صرف ایک ستارہ دیکھا تھا اور وہ بھی رُوپوش ہو چکا ہے۔"

انطونیہ آہستہ آہستہ سسکیاں لینے لگی اور پھر اچانک اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک سیلاب وٹ نکلا۔ پھر اُس نے قدرے سنبھل کر اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا"وہ حملے سے چند گھڑیاں قبل یہاں ئے تھے اور میں نے بہت التجائیں کی تھیں کہ آپ یہاں ٹھہر جائیں، لیکن وہ یہ کہتے تھے کہ اب نہیں، وں کی طرح ضد کرنے کی عادت چھوڑ دینی چاہیئے—— اب تم بڑی ہو چکی ہو—— پھر جب مجھے یہ معلوم ہوا ہ دشمن شہر کے قریب پہنچ چکا ہے تو میں نوکر کے ساتھ اُن کا پتا کرنے کے لئے بھاگی، لیکن شہر کا دروازہ بند ہو چکا تھا اور نوکر سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے باوجود مجھے یہ تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ حملے سے پہلے شہر میں آگئے ہوں گے۔"

عاصم نے کلاڈیوس سے سوال کیا"دشمن آپ سے پہلے یہاں پہنچ گیا تھا؟"

اُس نے جواب دیا۔ آوار نے کئی سمتوں سے پیش قدمی کی تھی۔ اور یہ وہ دستے تھے جو خاقان نے ہرقلیہ میں ہمارے ساتھ جنگ کرنے سے پہلے قسطنطنیہ کی طرف روانہ کر دیئے تھے۔ جب ہم یہاں پہنچے تھے تو وہ مضافات کی بستیوں کو تباہ و برباد کر رہے تھے اور یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہمیں کسی شدید مزاحمت سامنا کئے بغیر شہر میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔ ورنہ اگر وہ تھوڑی دیر کے لئے بھی ہمیں روک لیتے ہمارے پیچھے جو لشکر آرہا تھا وہ ہمیں روندتا ہوا شہر کے دروازے تک پہنچ جاتا۔ میں شہر میں داخل ہوتے ہی فصیل کے محافظ دستوں میں شامل ہو گیا۔ پھر جب مجھے انطونیہ کے ابا جان کا خیال آیا تو باہر یہ حالت تھی کہ اگر میں قسطنطنیہ کی ساری فوج کو لے کر باہر نکلتا تو بھی خاقان کا لشکر ہمیں چند قدم سے زیادہ بڑھنے کا موقع نہ دیتا۔ میں بھی انطونیہ کی طرح اپنے دل کو یہی تسلی دے سکتا تھا کہ وہ ہمارے گھر

پہنچ چکے ہوں گے۔ جب دشمن نے شہر کی فصیل پر تیر برسانے کے بعد پسپائی اختیار کی تو میں گھر جانے سے پہلے سرائے میں پہنچا اور اُس کے بعد جو کچھ میں نے دیکھا وہ ناقابلِ بیان ہے۔ وہاں صرف ایک بوڑھا نوکر موجود تھا جس نے حملے کے وقت گھاس کے انبار میں چھپ کر اپنی جان بچائی تھی۔"

عاصم نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ "وہ نوکر اب بھی وہیں تھا اور میں اُس سے ساری داستان سُن چکا ہوں۔"

ولیریس نے کہا۔ "ہمارا خیال تھا کہ آپ سیدھے وہاں آئیں گے، اِس لئے ہم نے اُسے انتظار کرنے کا مشورہ دیا تھا۔"

کلاڈیوس نے پوچھا۔ "لیکن تم کہاں غائب ہو گئے تھے۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "اپنا گھوڑا غائب دیکھنے کے بعد میرے لئے شہر کی طرف بھاگنے کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔ وہاں ایک شریف آدمی نے میری مدد کی اور مجھے گھوڑا اور ایک ساتھی دے کر رات کے وقت روانہ کر دیا۔ راستے میں جگہ جگہ دشمن کا خدشہ محسوس کر کے ہم نے ایک طویل راستہ اختیار کیا اور اگلا دن ایک جنگل میں چھپے رہے۔ میں شاید ایک لمحہ کی تاخیر بھی گوارا نہ کرتا، لیکن میرا ساتھی بہت محتاط تھا اور مجھے ان دیکھے راستوں پر اُس کی راہنمائی کی ضرورت تھی۔"

"تمہارا ساتھی کہاں ہے؟"

"وہ واپس چلا گیا، قسطنطنیہ کے آس پاس تباہی کے دلخراش مناظر کے دیکھنے کے بعد اُس میں آگے بڑھنے کی سکت نہ تھی۔ لیکن اب کیا ہو گا؟"

کلاڈیوس بولا۔ "اب ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔ کل سینیٹ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہو گا اور مجھے یقین ہے کہ اِس تباہی کی ساری ذمہ داری مجھ پر ڈال دی جائے گی۔"

مرقس نے کہا۔ "نہیں، نہیں بیٹا یہ نہیں ہو سکتا۔"

کلاڈیوس نے عاصم کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "میرے اباجان سینیٹ کے متعلق بہت مطمئن ہیں، لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ وہاں ایک آواز بھی میرے حق میں نہیں اُٹھے گی۔ مجھے اگر جلاوطن نہ کیا گیا تو بھی میری کم از کم سزا یہ ہو گی کہ میں اُن کے سامنے اپنی نااہلیت کا اعتراف کر کے ملازمت سے

مستعفی ہو جاؤں۔"

انطونیہ جسے اپنے باپ کی موت کے سوا دُنیا کا ہر مسئلہ بے حقیقت محسوس ہوتا تھا، اب مضطرب ہو کر کبھی اپنے شوہر اور کبھی عاصم کی طرف دیکھ رہی تھی۔

عاصم نے کلاڈیوس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کیا میں سینیٹ کے سامنے جا سکتا ہوں؟"

"تمہیں سینیٹ کے سامنے لے جانا مشکل نہیں، لیکن وہاں تم میری بے بسی کے سوا اور کیا دیکھو گے ــــ؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "آج ہر رُومی تم سے زیادہ بے بس ہے ــــ میرے نزدیک انہیں تباہی سے بچانے کی یہی ایک صورت ہے کہ مستقبل کے متعلق جو امیدیں خاقان کی بدعہدی کے باعث ختم ہو گئی ہیں وہ از سرِ نو زندہ کی جائیں۔"

"تم یہ سمجھتے ہو کہ تم انہیں اُمید کی نئی روشنی دکھا سکتے ہو؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "مجھے اپنی کم مائگی اور بے بسی کا اعتراف ہے۔ لیکن آج جب میں فرمس کی قبر پر کھڑا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ مجھ سے کہہ رہا ہے عاصم! اس شہر کو تباہی سے بچاؤ، یہاں تمہاری وہ بہن رہتی ہے جس کے آنسو قیصر کے خزانوں سے زیادہ قیمتی ہیں۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "ایسی بات کہنا رُوم کے ایک سپاہی کو زیب نہیں دیتا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ قسطنطنیہ کو اب کوئی معجزہ ہی بچا سکتا ہے ــــ کل سینیٹ کے اجلاس کے بعد لوگ یہی خبر سنیں گے کہ قیصر نے بالآخر قرطاجنہ میں پناہ لینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

عاصم نے کہا۔ "اگر موجودہ حالات میں ایک اجنبی کو قیصر اور سینیٹ کے ارکان کے سامنے زبان کھولنے کی اجازت مل سکے تو ممکن ہے کہ میں انہیں کوئی نیک مشورہ دے سکوں۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "جہاں تک قیصر کا تعلق ہے تم اِس وقت بھی اُن کے پاس جا سکتے ہو۔ میں نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ انہوں نے یہاں پہنچتے ہی تمہیں تلاش کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن کل سینیٹ کی مجلس میں تمہارا اُن کے سامنے پیش ہونا خلافِ مصلحت ہے۔ وہ میرے خلاف اِس قدر مشتعل

ہیں کہ اگر تم نے میری حمایت میں کچھ کہنے کی کوشش کی تو میرے ساتھ تم بھی اُن کی ملامت کا ہدف بن جاؤ گے اور میرے لئے یہ بات ناقابل برداشت ہو گی ـــــ میں قیصر کو تمہاری آمد کی اطلاع بھیج دیتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی اوّلین فرصت میں تمہیں بلالیں گے۔"

"نہیں کلاڈیوس میں تمہاری موجودگی میں قیصر اور اُس کے مشیروں سے کچھ کہنا چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ میرا مذاق نہیں اڑائیں گے۔"

مرقس نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔"اگر تمہارے ذہن میں ہماری بھلائی کے لئے کوئی معقول تجویز ہے تو میں تمہیں اپنے ساتھ وہاں لے جانے کا ذمہ لیتا ہوں ـــــ اور مجھے یقین ہے کہ جب تم کچھ کہنا چاہو گے تو وہ لوگ جو ہرقلیہ میں تمہاری جرأت دیکھ چکے ہیں تمہارا مذاق اڑانے کی جرأت نہیں کریں گے ـــــ"

عاصم نے کہا۔"ابھی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے ذہن میں کوئی معقول تجویز ہے۔ بہر حال میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مجھے دیکھنے کے بعد اُن کی توجہ کلاڈیوس سے ہٹ جائے گی۔ اور میرے دوست کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیئے کہ میری کسی بات سے اُسے ندامت یا پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔"



شاہی ایوان، سنیٹ کے ارکان اور حکومت کے دوسرے عہدہ داروں سے بھرا ہوا تھا۔ تماشائیوں میں طبقۂ اعلیٰ کی وہ خواتین بھی تھیں، جن کے باپ، بھائی یا شوہر ہرقلیہ سے بھاگتے وقت آوار کے ہاتھوں قتل یا قید ہو چکے تھے۔ قیصر اور اُس کی نوجوان ملکہ تخت پر رونق افروز تھے اور اُن کے چہروں سے تھکاوٹ، بددلی اور مایوسی مترشح تھی۔ کلاڈیوس تخت کے سامنے چند قدم کے فاصلے پر سر جھکائے کھڑا تھا ـــــ سنیٹ کے بیشتر ارکان اپنی تقریروں میں اُس پر نہایت سنگین الزامات عائد کر چکے تھے۔ چند انصاف پسند ارکان نے پورے جوش و خروش کے ساتھ اُس کی حمایت بھی کی تھی، لیکن اکثریت کی چیخ پکار سے اُن کی تقریروں کا اثر زائل ہو چکا تھا۔ اپنے باپ کی طرح سائمن بھی اُس کا پُرزور حامی

تھا لیکن اِس محفل میں وہ بھی اپنی بے بسی کا اعتراف کر چکا تھا۔ جب مرقس کی باری آئی تو اُس کے غم و غصے کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے بیٹے کی وکالت کرنے کی بجائے نکتہ چینی کرنے والوں پر برس پڑا اور اُس کی تقریر کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلاڈیوس کے مخالفین اور زیادہ مشتعل ہو گئے۔

سنیٹ کا ایک رکن جو قیصر کو قرطاجنہ میں پناہ لینے کا مشورہ دینے والے عافیت پسندوں کا سرغنہ تھا اُٹھ کر چلایا ـــــ "عالیجاہ! اگر کلاڈیوس کی بے احتیاطی یا حماقت کے نتائج اُس کی ذات، اُس کے خاندان یا اُس کے چند دوستوں تک محدود رہتے تو ہم درگزر کر سکتے تھے۔ لیکن یہ مسئلہ اب پوری قوم کا مسئلہ بن چکا ہے۔ اس ایوان میں ہماری وہ بہنیں موجود ہیں، جن کے آنسو ابھی تک خشک نہیں ہوئے۔ اور ایوان سے باہر آپ اُن ہزاروں انسانوں کی چیخیں سُن سکتے ہیں، جنہیں کلاڈیوس کی غلط اندیشی کی سزا مل چکی ہے۔ مرقس کو یقیناً اپنا بیٹا بہت عزیز ہے۔ لیکن کیا وہ لاکھوں انسان جنہیں دشمن غلام بنا کر دریائے ڈینوب کے پار لے گیا ہے، رومیوں کی اولاد نہ تھے ـــــ؟

کیا ہم پر یہ عبرتناک تباہی صرف اِس لئے نہیں آئی کہ ہماری فوج کا ایک ذمہ دار آدمی اتنا بیوقوف تھا کہ اُس نے خاقان کی باتوں میں آ کر پوری قوم کے مستقبل کے متعلق اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں؟ عالیجاہ آپ کا منصب یہی تھا کہ آپ اپنی رعایا کی خاطر بڑے سے بڑا خطرہ مول لینے کے لئے تیار ہو جاتے۔ لیکن وہ لوگ یقیناً ناقابل معافی ہیں، جنہوں نے دشمن کے عزائم کے متعلق پورا اطمینان حاصل کئے بغیر آپ کو ایک انتہائی غیر محفوظ جگہ پر ملاقات کی دعوت دی تھی۔ عالیجاہ! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اگر ایک اجنبی بروقت شور نہ مچاتا تو آپ کی زندگی بھی خطرے میں تھی لیکن عالیجاہ! یہ ایک مذاق نہیں کہ ایک اجنبی کو دشمن کے عزائم کا پتہ چل جاتا ہے اور اِس ملاقات کا انتظام کرنے والے آخری دم تک بے خبر رہتے ہیں؟"

ہرقل نے اپنا دایاں ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔"کلاڈیوس پر یہ الزام کئی بار دہرائے جا چکے ہیں۔"

مقرر بیٹھ گیا اور ہرقل نے کلاڈیوس کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔"تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

کلاڈیوس نے جواب دیا۔"عالیجاہ! مجھے مجرم ثابت کرنے کے لئے ان معززین کو لمبی چوڑی تقریریں کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ مجھ سے جو کوتاہیاں ہوئی ہیں، اُن کے نتائج میرے سامنے ہیں۔ اور مجھے اِس

بات کا اعتراف ہے کہ میں اِس ذمہ داری کے اہل نہ تھا۔ میں یہاں اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے نہیں آیا، بلکہ اپنی سزا کا حکم سننے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔"

ایوان میں سناٹا چھا گیا اور کلاڈیوس کے مخالفین فاتحانہ مسکراہٹوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

قیصر نے قدرے توقف کے بعد کہا "لیکن تم اتنا تو کہہ سکتے ہو کہ تمہاری غلطیوں میں وہ تمام لوگ حصے دار ہیں، جنہوں نے خاقان کے ساتھ ہماری ملاقات کی تائید کی تھی۔"

"عالیجاہ! میں اِس بات کا فیصلہ اُن کے ضمیر پر چھوڑتا ہوں۔"

"تم یہ بھی کہنا نہیں چاہتے کہ تم ہماری اجازت سے خاقان کے پاس گئے تھے؟"

"لیکن عالیجاہ! آپ کی اجازت کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اگر میری کوتاہ نظری کے باعث سلطنت کو تباہی کا سامنا کرنا پڑے تو مجھ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔"

"لیکن تم یہ جانتے ہو کہ خاقان کے ساتھ نیک توقعات وابستہ کرتے وقت تم سے زیادہ دانشمند لوگ بھی خود فریبی کا شکار ہوگئے تھے؟"

"عالیجاہ میں اُن میں سے کسی کو بھی موردِ الزام نہیں ٹھہراتا۔ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ اگر میں خاقان سے ملاقات کے بعد بڑی بڑی اُمیدیں لے کر واپس نہ آتا تو وہ خود فریبی میں مبتلا نہ ہوتے۔ مجھے ایک عیار دشمن نے اپنے چہرے کا نقاب بنالیا تھا اور میرے ہم وطن اس نقاب سے دھوکا کھا گئے تھے عالیجاہ! اگر اس مجلس میں میرے خلاف غم و غصے کا اظہار نہ ہوتا تو بھی میرے لئے دیانتداری کا تقاضا یہی تھا کہ میں از خود اِس حقیقت کا اعتراف کروں کہ میں آئندہ کسی ذمہ داری کا اہل نہیں ہوں۔ آج میں یہ کہنے کا ارادہ لے کر گھر سے نکلا تھا کہ اگر میرے لئے کوئی اور سزا نہیں تو کم از کم مجھے اپنے عہدے سے سبکدوش کر دیا جائے ——"

قیصر نے کہا "تم اگر چاہو تو دُنیا بھر کے گناہ اپنے سر لے سکتے ہو۔ لیکن سزا تجویز کرنا تمہارے اختیار میں نہیں۔"

ملکہ نے قیصر کے کان میں کچھ کہا۔" اور اس نے کلاڈیوس سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "اُس عرب کا ابھی کوئی سراغ نہیں ملا؟"

"عالیجاہ! وہ زندہ ہے اور اِس وقت باہر کھڑا ہے؟"

قیصر نے برہم ہو کر کہا "ہمیں یہ توقع تھی کہ تم اُسے تلاش کرتے ہی ہمارے سامنے پیش کرو گے۔"

"عالیجاہ! میرا خیال تھا، موجودہ حالات میں ایک اجنبی کا یہاں پیش کیا جانا مناسب نہیں ہوگا۔ لئے میں نے پہریداروں کو یہ ہدایت کی تھی کہ جب سینیٹ کی کاروائی ختم ہو تو اُسے آپ کی خدمت پیش کر دیا جائے۔"

"تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ سینیٹ کے ارکان ایک ایسے آدمی کا شکریہ ادا کرنے میں بخل سے کام گے جس نے اپنی جان پر کھیل کر ہمیں خبردار کرنے کی کوشش کی تھی۔"

کلاڈیوس نے کہا "وہ میرے ساتھ آنے پر مصر تھا۔ لیکن مجھے یہ بات گوارا نہ تھی کہ یہ معزز لوگ ن کے سامنے میں ایک مجرم کی حیثیت سے پیش ہوا ہوں، اُسے میری ڈھال سمجھ لیں۔ وہ میرا دوست ہے اور مجھے اندیشہ تھا کہ وہ اِس اجلاس کی کاروائی کے دوران خاموش نہیں رہ سکے گا۔"

"اُسے لے آؤ!"

کلاڈیوس نے جھک کر سلام کیا اور ایوان سے باہر نکل گیا۔ اور اُس کے مخالفین جو قیصر کے رویے سے کافی پریشان ہو چکے تھے، اضطراب کی حالت میں دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد عاصم کلاڈیوس کے ساتھ نمودار ہوا۔ اُس نے کچھ فاصلے سے جھک کر قیصر کو سلام کیا اور پھر کلاڈیوس کا شارہ پاکر آگے بڑھا اور مسند کے قریب مؤدب کھڑا ہوگیا۔

قیصر اور ملکہ کچھ دیر اُس کی طرف گھور گھور کر دیکھتے رہے۔ بالآخر قیصر نے کہا۔ "نوجوان اگر قیصر کو قتل قید ہونے سے بچانے والوں کے لئے کوئی انعام ہو سکتا ہے تو تم اپنے آپ کو بڑے سے بڑے انعام تحق ثابت کر چکے ہو۔ ہمیں تمہارا انتظار تھا۔"

عاصم نے کہا "یہ محض ایک اتفاق تھا کہ میں وہاں موجود تھا اور مجھے کچھ دیر قبل اِس سازش

کا پتا چل گیا۔ میں نے آپ کی سلطنت میں پناہ لی تھی اور احسانمندی کا تقاضا یہی تھا کہ میں آپ کو اس خطرے سے باخبر کردوں۔ اس کے لیے کوئی انعام مانگنا میں اپنے لئے باعث ننگ و عار سمجھتا ہوں۔"

"لیکن تم نے اپنی جان خطرے میں ڈالی تھی اور اس بات کا خاصا امکان تھا کہ سینیئن سپاہیوں سے بچ نکلنے کے بعد تمہیں ہمارے حکم سے پھانسی پر لٹکا دیا جاتا۔"

عاصم نے جواب دیا "مجھے یقین تھا کہ میں کلاڈیوس کی موجودگی میں کسی خطرے کا سامنا کئے بغیر اپنا فرض ادا کر سکتا ہوں، لیکن اگر یہ بات نہ ہوتی تو بھی میں یہی کرتا۔"

"یہاں آنے سے پہلے تم ایرانی فوج کے ساتھ تھے؟"

"جی ہاں ——"

"تم نے شام اور مصر کی فتوحات میں حصّہ لیا تھا؟"

"جی ہاں، میں شام اور مصر کی جنگوں میں عرب دستوں کا سالار تھا۔"

"کیا یہ درست تھا کہ جب کلاڈیوس بابلیون میں زخمی تھا تو تم نے اِس کی جان بچائی تھی؟"

"جی ہاں"۔ عاصم یہ کہہ کر کلاڈیوس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اِس کے بعد تم حبشہ کی طرف پیش قدمی کرنے والی فوج کے ساتھ تھے؟"

"جی ہاں"

"اچھا یہ بتاؤ، ایرانیوں کا ساتھ چھوڑ کر قسطنطنیہ کا رُخ کرتے وقت تمہیں اِس بات کا احساس نہیں تھا کہ رُومی، ایرانیوں اور اُن کے حلیفوں کو اپنا بدترین دشمن خیال کرتے ہیں۔ اور اگر کسی کو تمہارے متعلق پتا چل گیا تو لوگ تمہاری بوٹیاں نوچنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔"

"جی ہاں! مجھے معلوم تھا لیکن بعض حالات میں اپنا راستہ تبدیل کرتے وقت انسان یہ نہیں سوچتا، کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ جب میں نے کلاڈیوس کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تھا تو میں زندگی کی بجائے موت سے زیادہ قریب تھا۔"

"لیکن کلاڈیوس کو اِس بات کا اعتراف ہے کہ اُسے تمہارے متعلق سب باتیں معلوم تھیں اور اِس کے

باوجود وہ تمہیں اپنی پناہ میں لینے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ کیا یہ ایک جرم نہیں تھا کہ کلاڈیوس نے ہمیں تمہارے متعلق خبردار کئے بغیر تمہیں اپنی پناہ میں لے لیا تھا؟"

عاصم نے جواب دیا "میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ کلاڈیوس نے مجھ پر اعتماد کرنے میں غلطی نہیں کی تھی اسے یقین تھا کہ میں اِسے دھوکا نہیں دوں گا۔"

قیصر نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا "ہم پر جو نئی تباہی آئی ہے اُس کی تمام تر ذمہ داری کلاڈیوس کے سر ڈالی جا رہی ہے۔ اگر ہم کلاڈیوس کے لئے کوئی بدترین سزا تجویز کریں تو تم کیا خیال کرو گے؟"

"میں کلاڈیوس سے یہ وعدہ کر چکا ہوں کہ میں اُس کی حمایت میں زبان کھولنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ تاہم اگر آپ اُسے سزا دینے کے متعلق سوچ رہے ہیں تو میں یہ کہوں گا کہ رُوم کا مستقبل میرے اندازوں سے کہیں زیادہ تاریک ہے۔"

"تم کلاڈیوس کو بے گناہ سمجھتے ہو؟"

"عالیجاہ! میں کلاڈیوس کو بے گناہ ثابت کرنے نہیں آیا۔ میں یہ جانتا ہوں، اگر آپ کے مشیر اُسے سزا دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں تو انہیں میرے احساسات کی پروا نہیں ہوگی۔ لیکن اگر یہ حضرات ایک بےبہا اور شریف آدمی پر غصّہ نکالنے کی بجائے رُوم کے مستقبل کی فکر کریں۔ اور ہرقلیہ کے میدان کی طرح یہاں بھی میرا مذاق نہ اڑایا جائے تو میں ایک تجویز پیش کر سکتا ہوں۔"

حاضرین دم بخود ہو کر عاصم کی طرف دیکھنے لگے۔ اور قیصر نے قدرے بے تاب سا ہو کر کہا "کہو تم خاموش کیوں ہو گئے۔"

عاصم نے کہا "رُوم کو امن کی ضرورت ہے۔ اور خاقان سے مایوس ہو جانے کے بعد اب آپ کے لئے ایرانیوں کی طرف دیکھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

قیصر نے آزردہ ہو کر کہا "ہم برسوں سے ایرانیوں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ لیکن وہ صلح اور امن کے الفاظ تک سننے کے لئے تیار نہیں۔ دو سال قبل ہم نے صلح کی شرائط معلوم کرنے کے لئے، ایرانی سپہ سالار کے پاس تین آدمی بھیجے لیکن انہیں باسفورس کے پار پہنچانے والی کشتی کا صرف ایک ملاح

ایرانیوں کے تیروں سے بچ کر یہاں پہنچا تھا اور اس نے ہمیں یہ اطلاع دی تھی کہ ایرانیوں نے ہمارے ایلچیوں کے ساتھ کوئی بات کرنے کی بجائے اُن کے سر قلم کر دیئے تھے۔ اِس سے قبل ہمارا ایک ایلچی سپہ سالار کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن مصالحت کی گفتگو کے لئے ایرانی سپہ سالار کی پہلی شرط یہ تھی کہ ہم اُس کے لئے قسطنطنیہ کے دروازے کھول دیں۔"

عاصم نے کہا —— "میں آپ کو یہ اطمینان نہیں دلا سکتا کہ صلح کے لئے ایرانیوں کی نئی شرائط، آپ کے نزدیک کس حد تک قابلِ قبول ہوں گی، لیکن میں اُن کے سپہ سالار کے پاس جانے کے لئے تیار ہُوں اور مجھے یقین ہے کہ ایرانی سپاہی مجھے اپنے سپہ سالار کے سامنے پیش کرنے کی بجائے میرا سر قلم نہیں کر دیں گے۔ اگر سین ابھی تک ایرانی فوج کا سپہ سالار ہے تو وہ میری بات ضرور سُنے گا۔ کبھی وہ مجھے اپنا بیٹا سمجھتا تھا۔"

قیصر نے کہا "سین کو کبھی ہم بھی اپنا دوست سمجھتے تھے اور جب ہم نے اُسے قید سے رہا کیا تھا تو ہمیں یہ اُمید تھی کہ وہ کسریٰ کو مصالحت پر آمادہ کرنے کی پُوری کوشش کرے گا۔ لیکن یہ ایک خود فریبی تھی اب وہ رُوم کی دشمنی میں اپنے بادشاہ سے ایک قدم آگے ہے۔"

عاصم نے کہا "یہ باتیں مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا کہ سین نے کسریٰ کو صلح پر آمادہ کرنے کی کتنی کوشش کی تھی لیکن اس وقت کسریٰ کو یہ یقین تھا کہ وہ شام اور مصر فتح کرنے کے بعد کسی مزاحمت کا سامنا کئے بغیر قسطنطنیہ فتح کر لے گا، اس لئے سین کی پیش نہ گئی لیکن برسوں کی ناکام کوششوں کے بعد کسریٰ کے خیالات میں بھی تبدیلی آسکتی ہے۔"

حاضرین اب پُر امید ہو کر عاصم کی طرف دیکھ رہے تھے۔ قیصر نے کہا "اگر ایرانیوں کے لئے قسطنطنیہ کے دروازے کھول دینے کے علاوہ تمہارے ذہن میں مصالحت کی کوئی تجویز ہے تو ہم سُننے کے لئے تیار ہیں۔"

"جناب! ایران اور رُوم کی مصالحت کے لئے تجاویز سوچنا کسریٰ اور قیصر کا کام ہے۔ اگر آپ مصالحانہ گفتگو کے لئے تیار ہیں تو میں سین کی مدد سے کسریٰ کے دروازے پر دستک دینے کا ذمہ لیتا ہُوں۔

ری کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ سین کس حد تک میری باتوں سے قائل ہوتا ہے اور اگر میں اُسے لحت کی بات چیت پر آمادہ کر لوں تو وہ کہاں تک ایران کے حکمران پر اثر انداز ہو سکے گا۔ اگر سین نے ے کوئی حوصلہ افزا جواب دیا تو میں واپس آکر آپ کو اطلاع دُوں گا۔ اور اگر میں واپس نہ آسکا تو اس کا ب یہ ہوگا کہ مجھے اپنی مہم میں کامیابی نہیں ہُوئی —— پہلے مرحلہ میں میری کامیابی کا مطلب یہ ہوگا کہ ین آپ کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے تیار ہے۔ سر دست میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ سین کے ساتھ براہِ است یا بالواسطہ آپ کی گفت و شنید سے کیا نتیجہ نکلے گا لیکن میں پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہُوں کہ وہ آپ کو خاقان کی طرح دھوکا نہیں دے گا۔"

قیصر نے کہا۔ "تم یہ پسند کرو گے کہ ہم براہِ راست سین کے ساتھ ملاقات کریں؟"

"عالیجاہ اگر سین نے آپ کو ملاقات کی دعوت دی تو میں اسے ایک نیک شگون خیال کروں گا۔"

"تم سین کو قسطنطنیہ آنے پر آمادہ کر سکو گے؟"

"نہیں میں آپ کو یہ اُمید نہیں دلا سکتا، اور میری مایوسی کی وجہ یہ نہیں کہ سین مغرور یا خود پسند ہے، بلکہ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اگر سین یہاں آنا پسند کرے تو بھی ایرانی فوج کے ایک ادنیٰ سپاہی سے لے کر کسریٰ تک اُسے ملامت کریں گے۔ آپ کو یہ تلخ حقیقت نظر انداز نہیں کرنی چاہیئے کہ ایرانی فتوحات کے نشے سے سرشار ہیں اور اگر وہ جنگ کی طوالت سے تنگ آکر مصالحت پر آمادہ ہو گئے تو بھی وہ آپ کے ساتھ صرف فاتح کی حیثیت سے ہمکلام ہونا پسند کریں گے۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہُوں کہ صلح کے لئے کسریٰ کی شرائط انتہائی توہین آمیز ہوں گی۔ لیکن اگر آپ صلح اور امن کو اپنی موت و حیات کا مسئلہ سمجھتے ہیں۔ اگر آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ بازنطینی سلطنت تباہی کے آخری کنارے پہنچ چکی ہے اور آپ کے لئے مغرور اور بے رحم دشمن کے سامنے گر کر صلح کی بھیک مانگنے کے سوا کوئی چارہ نہیں اور اگر آپ یہ نہیں چاہتے کہ کسی دن قسطنطنیہ میں بھی، انطاکیہ اور یروشلم کی تباہی کی داستان دہرائی جائے تو آپ کو یہ تلخ گھونٹ پینا ہی پڑے گا۔"

عام حالات میں ایسی تقریر سُن کر ایک ادنیٰ رومی بھی عاصم کی بوٹیاں نوچنے کے لئے تیار

ہوجاتا، لیکن سامعین کی بے بسی اور بے چارگی کا یہ عالم تھا کہ وہ اِس اجتماع میں اُس کی آمد کو تائیدِ غیبی سمجھ رہے تھے۔

قیصر کچھ دیر اضطراب کی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد اُس کی طرف متوجہ ہوا۔ "تمہیں یقین ہے کہ اگر سین ہمارے ساتھ ملاقات پر رضامند ہوگیا تو ہمیں اُس کے پاس جانے میں، کوئی خطرہ نہیں ہوگا؟"

"عالیجاہ! میں سین کے خیالات معلوم کئے بغیر آپ کو کوئی اطمینان نہیں دلا سکتا۔"

قیصر نے کلاڈیوس کی طرف متوجہ ہوکر کہا۔ "کلاڈیوس ہمیں یقین ہے کہ تمہارے متعلق اگر کسی کو غلط فہمی تھی تو وہ دُور ہوچکی ہے ۔۔ اور ہماری سنیٹ کے جن ارکان نے تمہارے خلاف غم و غصّے کا اظہار کیا ہے وہ اب تمہاری جرأت اور وفاداری کا اعتراف کرنے میں بخل سے کام نہیں لیں گے لیکن ہمیں یہ بات پسند نہیں آئی کہ تم نے ہمارے حصّے کا بوجھ بھی اپنے سر اٹھالیا تھا۔ تم نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ ہم اپنی رعایا کو تباہی سے بچانے کے لئے ہر خطرہ مول لینے کے لئے تیار تھے اور اگر خاقان ہرقلیہ آنے پر آمادہ نہ ہوتا تو ہم اُس کے کیمپ میں جانے کے لئے بھی آمادہ ہو جاتے۔ بہرحال ہم تمہارے شکر گزار ہیں اور ہمیں اُمیّد ہے کہ آئندہ تمہیں بڑی سے بڑی ذمّہ داری کا اہل سمجھا جائے گا۔"

سامعین کی زبانیں گنگ ہوچکی تھیں اور کلاڈیوس تشکر کے آنسوؤں سے قیصر کی طرف دیکھ رہا تھا ہرقل عاصم کی طرف متوجہ ہوا۔ "تم نے ایک مرتبہ ہماری جان بچائی ہے اور ہم تمہاری نیک نیتی پر شبہ نہیں کر سکتے۔ تاہم کسی فیصلہ پر پہنچنے کے لئے ہمیں مزید صلاح و مشورہ کی ضرورت ہے۔ ہم دو یا تین دن کے اندر اندر تمہیں کوئی تسلّی بخش جواب دے سکیں گے۔ لیکن آج سے تم کلاڈیوس کی بجائے ہمارے مہمان ہو ۔۔۔ اب یہ مجلس برخاست ہوتی ہے۔"

باب ۳۲

دس روز بعد رات کے وقت ایک کشتی آبنائے فاسفورس سے نکل کر بحیرہ مارمورا کے ساحل کے ساتھ ...مشرق کا رُخ کر رہی تھی۔ عاصم کلاڈیوس اور ولیریس کے علاوہ چار ملاح اس کشتی پر سوار تھے۔ آسمان پر بادل ...ئے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ ولیریس کشتی کا پتوار سنبھالے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کنارے کے ...وٹے چھوٹے ٹیلوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کلاڈیوس اور عاصم کشتی کے دوسرے سرے پر بیٹھے آپس میں ...تیں کر رہے تھے۔

عاصم نے کہا۔ "کلاڈیوس اب بارش زیادہ تیز ہو رہی ہے، اگر تم لوگ اتنی دور آنے کی بجائے باسفورس سے نکلتے ہی مجھے کسی جگہ اتار دیتے تو بھی میرے لیے کوئی فرق نہ پڑتا۔"

کلاڈیوس نے جواب دیا۔ "نہیں عاصم ہمیں ہر ممکن احتیاط کرنی چاہیے۔ ولیریس کا یہ خیال صحیح ہو کہ خلقدون کے آس پاس ایرانی سپاہی زیادہ چوکس ہوں گے۔ وہ اس طرف سے بھی غافل نہیں ہوں گے۔ تاہم یہ علاقہ نسبتاً زیادہ محفوظ ہوگا۔"

عاصم خاموش ہوگیا۔ اور کلاڈیوس نے کچھ دیر بعد اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "عاصم! اگر میرے بس میں ہوتا تو میں اب بھی تمہیں کشتی سے اتارنے کی بجائے اپنے ساتھ واپس لے جانا زیادہ پسند کرتا۔ میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ کیا ہم دوبارہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "اگر سین ابھی تک ایرانی لشکر کا سپہ سالار ہے تو مجھے یقین ہے کہ دو دن بعد تم مجھے ...پنا منتظر پاؤ گے، سمندر کے کنارے آگ کی روشنی اس بات کا ثبوت ہوگی کہ میں زندہ ہوں

کشتی کے دوسرے سرے سے ولبریس کی آواز سنائی دی، "میرے خیال میں اب ہمیں اس سے آگے جانے کی ضرورت نہیں۔ میں کنارے کا رُخ کر رہا ہوں اس لیے آپ خاموش ہو جائیں۔"

اس کے بعد کشتی کی رفتار بتدریج کم ہونے لگی اور وہ دم بخود ہو کر کنارے کی سیاہ چٹانوں کے ساتھ ہلکی ہلکی لہروں کے تھپیڑوں کا شور سننے لگے، پھر کشتی کسی بھاری پتھر کے ساتھ رگڑ کھانے کے بعد رک گئی اور ایک ملاح نے جلدی سے گھٹنے گھٹنے پانی میں کودتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ "یہاں پانی بہت کم ہے۔ اور کشتی کو آگے لے جانا ممکن نہیں۔"

عاصم نے اپنے موزے اتار کر ہاتھ میں پکڑ لیے اور پھر اپنی قبا سنبھالتا ہوا پانی میں اتر پڑا۔ ملاح کشتی کو چند قدم پیچھے دھکیلنے کے بعد اس پر سوار ہو گیا اور عاصم کسی توقف کے بغیر کنارے کی طرف بڑھا۔ تھوڑی دیر وہ کنارے کے ایک ٹیلے پر کھڑا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اور کشتی جسے وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا رات کی تاریکی میں غائب ہو چکی تھی۔ بارش بتدریج زیادہ ہو رہی تھی۔ اس نے جلدی سے اپنے موزے پہنے اور ایک طرف چل دیا۔ مہیب تاریکی میں اُسے ہر سمت یکساں محفوظ اور یکساں غیر محفوظ معلوم ہوتی تھی۔ کچھ اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بعد وہ ایک جگہ رک کر فارسی زبان میں آوازیں دینے لگا۔ "کوئی ہے؟ کوئی ہے!! میں ایرانیوں کا دوست ہوں۔ میں سپہ سالار کے پاس جانا چاہتا ہوں، میری مدد کرو۔ مجھے سپہ سالار کی قیام گاہ کا راستہ دکھا دو ——— کوئی ہے!"

لیکن اس کی آوازیں رات کی ہولناک تاریکیوں میں گم ہو کر رہ گئیں۔ وہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد پوری قوت سے آوازیں دیتا رہا۔ اور بالآخر نڈھال سا ہو کر زمین پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد اچانک اس نے محسوس کیا کہ چند سائے اس کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ پھر اسے کوئی ایسی آہٹ محسوس ہونے لگی جو بارش کے دھیمے دھیمے شور اور اس کے دل کی دھڑکنوں سے مختلف تھی چند ثانیے بعد اسے اپنی آنکھوں اور کانوں پر کوئی شبہ نہ رہا۔

وہ چلایا۔ "میں راستہ بھول چکا ہوں۔ میری مدد کرو۔ مجھے سپہ سالار کے پاس لے چلو۔"!

سائے تاریکی کی آغوش سے نکل کر اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اور عاصم بدستور چلا رہا تھا۔ "اگر تم ایران کے سپاہی ہو تو میں تمہارا ساتھی ہوں۔ سپہ سالار مجھے جانتا ہے۔"

کسی نے سوال کیا۔ "تم اس وقت کہاں سے آئے ہو؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "سپہ سالار کو معلوم ہے کہ میں کہاں سے آیا ہوں۔ مجھے ان کے سوا کسی اور سے بات کرنے کی اجازت نہیں۔"

وہ کچھ دیر آپس میں سرگوشیاں کرتے رہے پھر کسی نے سوال کیا۔

"تم اکیلے ہو"؟

"ہاں۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ ہم رومی جاسوسوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں؟"

"رومی جاسوس رات کے وقت یہاں پہنچ کر ایرانی پہریداروں کو مدد کے لیے نہیں بلاتے۔ تم میں سے کسی نے عاصم کا نام سنا ہے؟"

ایک طرف سے آواز آئی۔ "میں ایک عاصم کو جانتا ہوں۔ وہ شام اور مصر کی جنگوں میں ہمارے ساتھ تھا۔ وہ حبشہ کے راستے میں زخمی ہونے کے بعد فوج سے بچھڑ گیا تھا۔ اور سپہ سالار نے اس کا پتا لگانے والوں کے لیے انعام مقرر کیا تھا۔ لیکن ہمیں یقین ہے وہ مر چکا ہے۔"

عاصم نے کہا۔ "وہ زندہ ہے اور تم مجھے سپہ سالار کے پاس پہنچا کر انعام حاصل کر سکتے ہو۔ میں عاصم ہوں۔"

سپاہی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "اگر آپ عاصم ہیں تو ہم آپ کو اتنی دیر بارش میں روکنے کے لیے معافی چاہتے ہیں۔ لیکن اس وقت آپ کو سپہ سالار کے پاس لے جانا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ وہ ان دنوں قلعے میں آرام فرما رہے ہیں۔ ہم علی الصباح انہیں اطلاع بھیج دیں گے۔ اور پھر اگر ان کا حکم آیا تو آپ کو ان کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔ سردست ہم آپ کو مستقر میں لے جائیں گے۔ اور وہاں آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔"

عاصم نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "نہیں میں سیدھا ان کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ اگر وہ آرام کر رہے ہیں تو یہ ضروری نہیں کہ مجھے وہاں پہنچتے ہی ان کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ لیکن یہ اشد ضروری ہے کہ جب تک میں ان کے سامنے پیش نہیں ہوتا تمہارے ان ساتھیوں کے علاوہ دوسرے لوگ میری آمد سے بے خبر رہیں۔ اگر تم سپہ سالار کا عتاب مول لینا چاہتے ہو تو مجھے جہاں چاہو لے جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ بحث کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ لیکن تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تم مستقر میں میری آمد کا ڈھنڈورا پیٹنے کی بجائے

مجھے کسی تاخیر کے بغیر ان کے پاس پہنچا دو۔"

پہریداروں کے افسر نے کچھ دیر سوچنے کے بعد اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "اگر یہ عاصم ہے تو ہم اُن کی ناراضگی کا خطرہ مول نہیں لے سکتے اور اگر یہ کوئی اور ہے تو بھی سپہ سالار ان کے متعلق بہتر فیصلہ کر سکیں گے۔"



فسطینہ گہری نیند سو رہی تھی۔ اس کا بوڑھا غلام فیروز آہستہ سے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور اُسے بازو سے پکڑ کر جگانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "فسطینہ! فسطینہ!! اٹھو بیٹی۔ اب صبح ہو رہی ہے۔"

فسطینہ نے چونک کر آنکھیں کھولیں اور برہم ہو کر کہا۔ "چچا فیروز! تمہیں معلوم ہے کہ رات اباجان کی طبیعت خراب تھی۔ اور میں بہت دیر سے سوئی تھی۔"

فیروز نے اپنے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ "مجھے معلوم ہے بیٹی۔ لیکن آج تمہیں دیر سے نہیں اٹھنا چاہیے۔"

"کیوں، آج کیا بات ہے؟" اس نے تلخ ہو کر سوال کیا۔

"آج ایک خاص بات ہے بیٹی۔ تم ذرا باہر نکل کر تو دیکھو۔"

"کیوں باہر برف گر رہی ہے؟"

"نہیں بیٹی اب تو آسمان صاف ہو رہا ہے اور سورج نکلنے والا ہے۔"

فسطینہ نے اپنا چہرہ لحاف کے اندر چھپاتے ہوئے کروٹ بدلی اور کہا۔ "اچھا میں ابھی اٹھتی ہوں۔"

فیروز نے کہا۔ "فسطینہ آج میں تمہیں ایک عجیب خواب سنانے آیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ رات کے وقت چند سپاہی عاصم کو پکڑ کر اس قلعے میں لاتے ہیں۔ میں اسے مشعل کی روشنی میں دیکھ کر پہچان لیتا ہوں اور اسے سپاہیوں سے چھڑا کر مہمان خانے میں لے آتا ہوں۔ وہ مجھے بتاتا ہے کہ میں زندہ ہوں اور ایک خاص وجہ سے کہیں روپوش ہو گیا تھا۔ پھر وہ تمہارے متعلق کئی سوال کرتا ہے اور میں اسے بتاتا ہوں کہ فسطینہ کو تمہارے زندہ ہونے کا یقین تھا۔ اور تمہارے متعلق اس کے خواب درست ثابت ہوئے ہیں۔ اس کے بعد میں نے تمہیں

اطلاع دینے کے لیے روکنے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا۔ "نہیں اس وقت فسطینہ کو بے آرام کرنا مناسب نہیں۔ پھر میرے ساتھ باتیں کرتے کرتے اچانک سو گیا۔ تو میں دبے پاؤں کمرے سے نکل کر یہاں پہنچا لیکن تم گہری نیند سو رہی تھیں اور میں تمہیں جگانے کی جرأت نہ کر سکا۔ اس کے بعد میں نے اپنے کمرے میں جا کر سونے کی کوشش کی۔ لیکن مجھے نیند نہ آئی۔"

فسطینہ نے اچانک اپنے چہرے سے لحاف الٹ کر اس کی طرف دیکھا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"پھر کیا ہوا چچا فیروز؟" اس نے ملتجی ہو کر پوچھا۔

"بیٹی جب صبح ہونے لگی تو میں اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد دوبارہ ڈرتے ڈرتے تمہارے کمرے میں داخل ہوا۔"

فسطینہ کچھ دیر پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی اور پھر اچانک وہ التجائیں اور فریادیں جنہیں وہ زبان پر نہیں لا سکتی تھی تو اس کی آنکھوں میں آنسو بن کر چھلکنے لگیں۔

فیروز نے کہا۔ "بیٹی میں یہ پوچھنے آیا تھا کہ آج تم نے عاصم کے متعلق کوئی سپنا نہیں دیکھا؟"

اس نے گھٹی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "تمہیں میرے ساتھ مذاق نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس کے ساتھ ہی آنسوؤں کے موتی اس کی خوبصورت آنکھوں سے ٹپک پڑے۔

فیروز نے کہا۔ "میں مذاق نہیں کرتا بیٹی۔ میرے ساتھ آؤ۔"

فسطینہ کچھ دیر سکتے کے عالم میں اس کی طرف دیکھتی رہی اور پھر اچانک پھولوں کی کراہٹیں، اور ستاروں کی ساری تابانیاں اس کے چہرے پر بکھر گئیں۔

بوڑھے غلام نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے دیکھنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" فیروز مسکراتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد فسطینہ کمرے سے نمودار ہوئی تو جذبات کی شدت سے اس کا سارا وجود لرز رہا تھا۔ وہ صحن میں فیروز کے قریب رکی اور اس نے کچھ کہے بغیر ہاتھ اٹھا کر ایک طرف اشارہ کر دیا۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی دروازے کے قریب پہنچی، رُکی اور پھر جھجکتی ہوئی اندر چلی گئی۔

عاصم سو رہا تھا، اور اس کے چہرے پر ماضی کے آلام و مصائب کی وہ داستانیں نقش تھیں جنہیں صرف

ایک عورت کی آنکھ دیکھ سکتی تھی۔ کنپٹیوں کے قریب اس کے چند بال سفید ہو چکے تھے۔

فسطینہ نے آگے بڑھ کر اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ایک حرف گرا ہوا لحاف اٹھایا اور اس کے سینے پر ڈال دیا ——— وہ مسکرا رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ وہ دیر تک بے حس و حرکت کھڑی رہی، بالآخر عاصم نے آنکھیں کھولیں۔ اور اچانک اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے وہ نوخیز لڑکی نہ تھی جسے اس نے پہلی بار یروشلم کے قریب ایک سرائے میں دیکھا تھا۔ اور آخری بار دمشق میں الوداع کہا تھا بلکہ ایک عورت تھی جس نے زندگی کی تمام رعنائیوں کو اپنے وجود میں سمیٹ لیا تھا۔ عاصم کا دل دھڑک رہا تھا اور اس کی نگاہیں جھکی جا رہی تھیں۔ اور حسین الفاظ کے وہ خزانے جو اس نے جدائی کے صبر آزما ایام میں جمع کیے تھے، لٹ چکے تھے۔

اس نے بڑی مشکل سے کہا۔ "فسطینہ میں آیا ہوں۔ میں بہت دور چلا گیا تھا۔ لیکن مجھے اپنے راستے کے ہر ویرانے میں تمہاری آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ فسطینہ میری طرف اس طرح نہ دیکھو۔ مجھے اپنی کم مائیگی اور بے بسی کا احساس تم سے دور لے گیا تھا اور اب میں پہلے سے کہیں زیادہ تہی دست اور بے بس ہوں۔"

فسطینہ اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے بولی۔ "میں صرف یہ سننا چاہتی ہوں کہ یہ ایک خواب نہیں ہے۔ جب تم یہاں نہیں تھے تو میں ساری رات آنکھوں میں کاٹا کرتی تھی اور آج تم یہاں تھے تو میں سو رہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے" لیکن تم کہاں تھے۔ میں تصور میں تم سے ہزار مرتبہ روٹھ چکی ہوں۔ لاکھوں گلے کر چکی ہوں لیکن جب

رے گلے دور ہو چکے تھے۔"

نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ "بیٹی اب تم اپنے ابّا جان کو

اطلاع دو۔"

"میں جاتی ہوں چچا، لیکن تم وعدہ کرو کہ انہیں بھاگنے نہیں دو گے۔"

فیروز مسکرایا۔ "ابھی ان کے بھاگ جانے کا کوئی اندیشہ نہیں بیٹی، وہ سپاہی جو انہیں رات کے وقت یہاں لائے تھے تمہارے ابّا جان سے انعام حاصل کرنے کے لیے قلعے کے دروازے کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور وہ انہیں فرار ہونے کا موقع نہیں دیں گے۔"

فسطینہ کمرے سے نکل کر بھاگی تو اسے اس بات کا احساس نہ تھا کہ صحن میں سپاہی اسے دیکھ رہے ہیں۔ سین ابھی تک اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا اور یوسیبیا اس کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔

"ابا جان! امی جان!" فسطینہ نے ہانپتے ہوئے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔ "وہ آگیا ہے؟"

سین نے پوچھا۔ "کون آگیا ہے؟ تم اس قدر بدحواس کیوں ہو؟"

"ابا جان عاصم آگیا ہے۔"

"عاصم! کہاں ہے وہ؟"

"ابا جان وہ مہمان خانے میں ہے۔"

"تم نے اُسے دیکھا ہے؟"

"ہاں ابا جان"

"لیکن وہ میرے پاس کیوں نہیں آیا؟" سین نے جلدی سے اٹھ کر اپنا جوتا پہنتے ہوئے کہا۔

"ابا جان آپ سو رہے تھے۔"

یوسیبیا نے پوچھا۔ "سچ کہو بیٹی تم نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا؟"

"نہیں امی جان۔" فسطینہ اس کے ساتھ لپٹ کر ایک بچے کی طرح سسکیاں لینے لگی۔

"میں ابھی پتہ کرتا ہوں" سین یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

یوسیبیا نے کہا۔ "بیٹی اگر وہ سچ مچ آگیا ہے تو تمہیں مجھ سے زیادہ خوشی نہیں ہو سکتی۔ لیکن وہ اتنی مدت کہاں تھا؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ میں صرف یہ جانتی ہوں کہ وہ آگیا ہے۔ خدا نے میری دعائیں سن لی ہیں۔ امی جان اب آپ کو یہ شکایت نہیں رہے گی کہ میں عیسائیت کی دشمن بن چکی ہوں۔"

یوسیبیا کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو چھلک رہے تھے۔ "میری بیٹی! میری فسطینہ! مجھے عاصم کی آمد سے زیادہ اس بات کی خوشی ہے کہ خدا نے تمہیں گمراہی سے بچا لیا۔"

تھوڑی دیر بعد فسطینہ اور یوسیبیا دروازے میں کھڑی باہر جھانک رہی تھیں۔ سین عاصم کے ساتھ باتیں کرتا ہوا صحن میں نمودار ہوا اور یوسیبیا نے آگے بڑھ کر ایک ماں کی دعاؤں کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا۔ پھر یہ چاروں ایک کشادہ کمرے میں بیٹھ گئے۔ اور سین نے عاصم سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”اب تم اطمینان سے مجھے اپنی سرگذشت سناؤ۔ ہماری آخری اطلاع یہ تھی کہ جب تم طلیبہ سے روانہ ہوئے تھے تو قبطی ملاحوں کے علاوہ ایک رومی غلام بھی تمہارے ساتھ تھا۔ پھر چند دن بعد غالباً یہی کشتی جس پر تم طلیبہ سے سوار ہوئے تھے، بابلیوں کے آس پاس دیکھی گئی تھی۔ لیکن وہ بابلیوں میں نہیں ٹھہری اور ہمیں یہ اندیشہ تھا کہ تم نے قبطی ملاحوں اور رومی غلام کی وفاداری پر بھروسہ کرنے میں غلطی کی ہے اور یہ لوگ تمہیں دریا یا سمندر میں پھینک کر روپوش ہو گئے ہیں اور اگر انہوں نے تمہیں دھوکا نہیں دیا تو تم نیل کے دہانے اور شام کے ساحل کے درمیان کسی جگہ بحری حادثے کے شکار ہو چکے ہو۔ چونکہ ان ایام میں کوئی قابلِ ذکر طوفان بھی نہیں آیا تھا۔ اس لیے ہمارا یہ خیال بھی تھا کہ رومیوں کے کسی جنگی جہاز سے متصادم ہونے کے بعد تمہاری کشتی غرق ہو چکی ہے۔ اب تم یہ معمّا حل کر سکتے ہو کہ تم اتنی مدت تک کہاں تھے؟“

عاصم نے جواب دیا۔ ”میں بیمار تھا اور طلیبہ سے روانہ ہونے کے بعد میں نے کئی دن بے ہوشی کی حالت میں گذارے۔ پھر جب ہوش میں آنے کے بعد مجھے یہ معلوم ہوا کہ میرے ساتھی مجھے شام کے ساحل کی بجائے قسطنطنیہ کی طرف لے جا رہے ہیں تو میں کوئی مزاحمت نہ کر سکا۔“

سین نے پوچھا۔ ”تو اب تم اتنی مدت کے بعد قسطنطنیہ کے کسی قید خانے سے فرار ہو کر یہاں پہنچے ہو؟“

عاصم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد جواب دیا۔ ”جی نہیں، وہاں مجھے ایک نیک دل رومی کے ہاں پناہ مل گئی تھی۔“

”اور وہ نیک دل رومی کون تھا؟“

”جناب یہ وہی غلام تھا جسے میں صحرائے نوبہ سے اپنے ساتھ لایا تھا۔“

”سین نے کہا۔ ”یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر وہ رومی اتنا شریف تھا تو تمہیں دھوکا دے کر قسطنطنیہ کیوں لے گیا؟“

”میں بیمار تھا اور اس کے خیال میں میری جان بچانے کی بہترین صورت یہی تھی۔“

”لیکن جب تمہیں ہوش آیا تو تم نے کشتی کا رُخ بدلنے کا مطالبہ نہیں کیا؟“

”جی نہیں۔ میں ایسا محسوس کرتا تھا کہ میں بہت دور آ چکا ہوں اور مجھے مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ تھی۔“

”اور اب تم یہاں کس طرح پہنچے ہو؟“

”جناب اس کے لیے بھی اس رومی کا ممنون ہوں۔ اس نے رات کے وقت میرے لیے کشتی کا انتظام کر دیا تھا۔“

”سین نے عاصم کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔ ”بیٹا! تمہاری صورت بتا رہی ہے کہ تم مجھ سے کوئی بات چھپا رہے ہو۔“

”عاصم نے کہا۔ ”مجھے اندیشہ ہے کہ میری کئی باتیں آپ کو ناقابلِ یقین محسوس ہوں گی۔“

”سین نے کہا۔ ”عاصم تم میرے لیے اجنبی نہیں ہو۔ اور تمہیں ایک لمحہ کے لیے بھی یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ میں تمہاری کسی بات پر شبہ کر سکتا ہوں۔“

”عاصم نے کہا۔ ”اگر میں یہ کہوں کہ میں چند دن قیصر کا مہمان رہ چکا ہوں۔ اور جب میں وہاں سے روانہ ہوا تو وہ بذاتِ خود بندرگاہ پر مجھے الوداع کہنے آیا تھا۔ اور اس نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ رومی ہر قیمت پر ایرانیوں سے صلح کرنا چاہتے ہیں۔ پھر میں نے اس سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں سپہ سالار کے پاس آپ کی درخواست لے جاؤں گا تو آپ یقین کریں گے۔“

سین کچھ دیر انتہائی اضطراب کی حالت میں عاصم کی طرف دیکھتا رہا، بالآخر اس نے کہا۔ ”مجھے یہ بات بھی بعید از قیاس معلوم نہیں ہوتی کہ ہرقل ایک مدت سے کسریٰ کے قدموں پر گرنے کے لیے بے قرار ہے۔ لیکن ہمیں تم سے یہ توقع نہ تھی کہ تم رومیوں کے ایلچی بن کر ہمارے پاس آؤ گے۔“

عاصم نے کہا۔ ”لیکن میں یہ سمجھتا تھا کہ آپ ہاتھ باندھ کر صلح اور امن کی درخواست کرنے والے دشمن پر وار کرنا پسند نہیں کریں گے۔“

سین نے جواب دیا۔ ”روم کے ساتھ جنگ یا صلح میری پسند یا ناپسند کا مسئلہ نہیں۔ میں کسریٰ کا نوکر ہوں، اور میرے لیے ان کا پہلا اور آخری حکم یہی ہے کہ میں قسطنطنیہ پر ایران کا جھنڈا نصب کرنے سے پہلے رومیوں کے ساتھ

کوئی بات نہ کروں گا۔"

"لیکن آپ جانتے ہیں کہ قسطنطنیہ پر قبضہ کرنا آسان نہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔" سین نے جواب دیا۔ "لیکن کسریٰ کے حکم سے انحراف کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا کہ میں خود پابہ زنجیر اس کے سامنے پیش ہو جاؤں۔"

"لیکن اگر آپ کو پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تو پھر کیا ہوگا۔ میں یہ سوال ایران کے ایک اولوالعزم سپہ سالار کا حوصلہ پست کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس لیے پوچھتا ہوں کہ آپ قسطنطنیہ کے دفاعی استحکامات دیکھ چکے ہیں۔"

"سین نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔ "اگر مجھے اس مرتبہ بھی ناکامی ہوئی تو میری سپہ سالاری کا عہد ختم ہو جائے گا۔ اور مجھے کسریٰ کے سامنے اس مہم کے تمام نقصانات کی ذمہ داری اپنے سر لینا پڑے گی۔ شاید تمہیں یہ معلوم نہیں کہ ایک شکست خوردہ سپہ سالار کا انجام کتنا عبرتناک ہوتا ہے۔"

عاصم نے کہا۔ "اگر آپ کی جنگ کا مقصد صرف کسریٰ کے انا کی تسکین ہے تو میں کچھ اور نہیں کہنا چاہتا۔ اب آپ کے لیے میری سزا کا فیصلہ کرنا باقی ہے۔"

سین نے جواب دیا۔ "اگر تم نے یہ باتیں اور کسی سے نہیں کیں تو تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"میں نے یہ باتیں کسی اور سے نہیں کیں۔ لیکن میں ایرانی فوج کا ساتھ چھوڑ کر رومیوں کی پناہ میں چلا گیا تھا اور یہ جرم ایسا نہیں جسے آپ نظر انداز کر سکیں۔"

"ایک رضاکار کی حیثیت میں تم ان پابندیوں سے مستثنیٰ تھے جو ایرانی سپاہیوں پر عائد ہوتی ہیں۔ عرب قبائل کے بیشتر رضاکار واپس جا چکے ہیں اور ہم نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ بلکہ انہیں انعامات دے کر رخصت کیا ہے تمہارے متعلق عام ایرانی شاید یہ سننا پسند نہ کریں کہ تم قسطنطنیہ چلے گئے تھے اس لیے یہ بہتر ہوگا کہ تم ان سے اس بات کا ذکر نہ کرو۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں تمہاری مجبوری سمجھ سکتا ہوں۔ اگر تمہارا مفرور ہو جانا ایک جرم ہوتا تو بھی میں تمہاری ڈھال بننے کی کوشش کرتا۔"

"تو آپ کا مطلب ہے کہ میں اپنے مستقبل کے متعلق فیصلہ کرنے میں آزاد ہوں۔ اور جہاں چاہوں جا سکتا ہوں؟"

سین نے جواب دیا۔ "بیٹا تم آزاد ہو۔ تم ہمیشہ آزاد تھے۔ لیکن میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم میرا ساتھ چھوڑ دو گے۔"

عاصم نے قدرے متاثر ہو کر کہا۔ "میں ناشکر گزار نہیں ہوں، آپ نے مجھے اس وقت پناہ دی تھی جب دنیا میں ...دی نہیں تھا۔ اور اس زمانے میں تشکر اور احسانمندی کا تقاضا یہی تھا کہ میں آنکھیں بند کر کے آپ کے پیچھے ...پڑوں۔ اور آج احسانمندی کا تقاضا یہ ہے کہ میں آپ کا راستہ روک لوں۔ اور چلا چلا کر یہ کہوں کہ اس جنگ کا انجام ...یت کی تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ اگر یہ جنگ انسانیت کی بھلائی کے لیے ہوتی اور مجھے ذرہ برابر اس بات کا یقین ...کہ جس زمین پر قیصر کے جھنڈے سرنگوں ہوں گے وہاں عدل و انصاف کے پرچم لہرائے جائیں گے۔ تو میں دنیا کے ...ی کونے تک کسریٰ کے لشکر کا ساتھ دیتا۔ لیکن کسریٰ کی فتوحات سے انسانیت کی کسی بھلائی کی توقع کرنا آگ ...کے الاؤ سے پھول تلاش کرنے کے مترادف ہے۔ یہ ممکن ہے کہ آپ قسطنطنیہ کو فتح کر لیں۔ یہ بھی ممکن ہے، کہ ...پ بے بس انسانوں کی لاشوں کے انبار لگاتے ہوئے مغرب کی طرف روم کی قدیم سلطنت کی آخری حد سے ...ی آگے نکل جائیں۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ آپ کی تلواریں کسی ایسی تہذیب کو جنم دے سکیں، جو خون میں ڈوبی ہوئی ...نیت کے زخم مندمل کر سکتی ہو۔ میں رومیوں کی حمایت نہیں کرتا۔ میں جانتا ہوں کہ بازنطینی حکمران بھی اپنے عروج ...ادوار میں اس زمین کو اپنے کمزور حریفوں کے خون اور آنسوؤں سے سیراب کر چکے ہیں۔ لیکن آج وہ مظلوم ہیں، ...ور وہ اس وقت تک مظلوم رہیں گے جب تک کہ روم کی سرزمین ایرانیوں کے مظالم کا حساب چکانے کے لیے ...سی بڑے عفریت کو جنم نہیں دیتی۔ لیکن جب تک رومی مظلوم ہیں اور مجھے اس بات کا احساس ہے کہ کسریٰ کی فتوحات کے ساتھ ساتھ ان کی مظلومیت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ میری ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔"

عاصم کی یہ جسارت سین کے لیے غیر متوقع تھی اور اس نے تلخ ہو کر کہا۔ "عاصم تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم ...یسائی ہو چکے ہو۔"

...یوسیبیا جو انتہائی ضبط و سکون کے ساتھ ان کی باتیں سن رہی تھی اچانک بھڑک اٹھی ——— "عاصم بیٹا تم ...موش کیوں ہو گئے۔ ہمت سے کام لو۔ میرا شوہر عیسائیوں سے نفرت نہیں کرتا۔ صرف قیصر کی کمزوری اور ...بی کو ناقابلِ معافی سمجھتا ہے۔ اگر عیسائی ہونا جرم ہوتا تو اس گھر میں میرے اور میری بیٹی کے لیے کوئی جگہ ...نہیں ہونی چاہیے تھی۔ یہ عیسائیت کے دشمن نہیں بلکہ انہیں اس بات کا اعتراف ہے کہ عیسائیت اس گئی

گزری حالت میں بھی مجوسیت سے بہتر ہے۔ لیکن انہیں کسریٰ کا یہ حکم ہے کہ قسطنطنیہ پر ہر حالت میں قبضہ کیا جائے اور یہ اس حکم کی تعمیل پر مجبور ہیں۔"

سین نے تلملا کر کہا۔ "یوسیبیا تم خاموش رہو۔"

یوسیبیا نے اپنی آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا۔ "آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ میں ایک شکست خوردہ قوم کی بیٹی ہوں اور مجھے ایک فاتح قوم کے سپہ سالار کے سامنے زبان کھولنے کا کوئی حق نہیں۔"

پھر وہ عاصم کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔ "عاصم مجھے تم پر فخر ہے۔ لیکن تمہیں اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ تمہاری باتیں میرے شوہر کے عزائم پر اثر انداز ہو سکتی ہیں۔"

سین نے زخم خوردہ ہو کر کہا۔ "یوسیبیا! یوسیبیا!! خاموش رہو۔" اور یوسیبیا اپنے آنسو پونچھتی ہوئی اٹھی اور بھاگتی ہوئی برابر کے کمرے میں چلی گئی۔

سین نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں دبا لیا اور دیر تک بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ بالآخر اس نے عاصم کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "عاصم آج دنیا مجھے صرف کسریٰ کے ایک سپاہی کی حیثیت سے جانتی ہے۔ لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں کہ میں اس جنگ کو روکنے کی کتنی کوشش کر چکا ہوں۔

مستقبل کے مؤرخ میری فتوحات کے تذکرے لکھیں گے لیکن یہ کون مانے گا کہ میں رومیوں سے زیادہ اپنے ضمیر کے خلاف لڑتا رہا ہوں۔ اس جنگ کو روکنے کے لیے میں نے قسطنطنیہ جانے کا خطرہ مول لیا۔ اس کے بعد جب میں رومیوں کی قید سے رہا ہو کر واپس آیا۔ تو مجھے یقین تھا کہ فوکاس کی موت کی اطلاع اور نئے قیصر کی طرف سے مصالحت کی پیشکش کسریٰ کو مطمئن کر دے گی۔ لیکن میری یہ نیک توقعات پوری نہ ہو سکیں۔ اس کے بعد میرا اولین فرض یہ تھا کہ میں اپنی بیوی اور بیٹی کو مجوسی کاہنوں کے تعصب سے بچانے کی کوشش کروں اور میرے لیے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ تھا کہ میں اندھا دھند کسریٰ کے ہر حکم کی تعمیل کروں۔ اگر میں کسریٰ کے حکم کی تعمیل سے انکار کر دیتا۔ تو بھی یہ جنگ نہیں رک سکتی تھی۔ اس کا نتیجہ صرف یہ ہوتا کہ مجھے عیسائیوں کا طرف دار ہونے کے جرم میں بدترین سزا دی جاتی اور میری جگہ یہ مہم کسی انتہائی سفاک آدمی کے سپرد کی جاتی۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں بہت زیادہ رحم دل ثابت ہوا ہوں۔ لیکن میں ضرور کہوں گا کہ جہاں تک میرے بس کی بات تھی میں نے اپنے لشکر

وہ کشت و خون کی اجازت نہیں دی۔ اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو آج تم اناطولیہ کی بستیوں اور شہروں میں ایک نصرانی ی زندہ نہ دیکھتے۔ مجوسی کاہنوں اور ان کے زیر اثر امراء کو میرے خلاف سب سے بڑی شکایت یہی ہے کہ میں عیسائیوں ساتھ رواداری سے پیش آتا ہوں۔ مجھے کئی وفادار ساتھیوں اور دوستوں نے اس قسم کی اطلاعات بھیجی ہیں کہ بعض مجوسی اب کھلے بندوں مجھ پر یہ الزام عائد کر رہے ہیں کہ میرے ازدواجی تعلق نے مجھے عیسائیوں کا طرف دار بنا دیا ہے اور ان شش یہ ہے کہ قسطنطنیہ فتح کرنے کے لیے میری جگہ کسی ایسے انتہا پسند کو بھیج دیا جائے جس کا دل عیسائیوں کے لیے م کے جذبات سے قطعاً عاری ہو۔ میری آخری امید یہ تھی کہ کسریٰ جنگ کی طوالت سے پریشان ہو کر کسی نہ کسی دن صلح ے لیے آمادہ ہو جائے گا لیکن یہ بھی ایک خود فریبی تھی۔ اب بازنطینی سلطنت کا نام و نشان مٹانے کے لیے کسریٰ مغرب میں بھی ایک طاقتور حلیف مل گیا ہے۔ شہنشاہ کا ایلچی آوار قبائل کے خاقان کے پاس پہنچ چکا ہے۔ اور اگر پنی مہم میں کامیاب ہو کر لوٹا تو قسطنطنیہ پر چڑھائی کرنے کے لیے ہمیں شاید موسم بہار کا انتظار بھی نہ کرنا پڑے۔ چند دن ئے ہمارے ایک جاسوس نے یہ اطلاع دی تھی کہ آوار اچانک حملہ کر کے قسطنطنیہ کے دروازوں تک پہنچ گئے تھے۔ اور ر یہ خبر درست ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ کسریٰ کا ایلچی ہماری توقعات سے زیادہ کامیابی حاصل کر چکا ہے۔"

عاصم نے کہا۔ "یہ خبر درست ہے۔ لیکن خاقان نے کسریٰ کے حلیف کی حیثیت سے نہیں بلکہ صرف لوٹ مار ے لیے حملہ کیا تھا۔ اور اس حملے سے قبل اس کے آدمی کسریٰ کے ایلچی کو موت کے گھاٹ اتار چکے تھے۔ ایرج کو ہرقلیہ یں میری آنکھوں کے سامنے قتل کیا گیا تھا۔"

سین ایک سکتے کے عالم میں عاصم کی طرف دیکھنے لگا۔ یوسیبیا برابر کے کمرے سے نمودار ہوئی اور اس نے عاصم سے پوچھا۔

"ایرج قتل ہو چکا ہے؟"

"ہاں"

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" سین نے اپنے حواس درست کرتے ہوئے سوال کیا۔

عاصم نے جواب دیا۔ "جناب وہ لوگ ایک انسان کو موت کے گھاٹ اتارتے وقت زیادہ سوچ بچار سے کام نہیں لیتے یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ وہ ایران سے دور ہیں۔"

سین نے کہا: "تمہیں معلوم ہے کہ ایرج کا خاندان ایران کے تمام امرا سے زیادہ بااثر ہے اور جب اس کے قتل ہو جانے کی اطلاع ملے گی تو یہ لوگ سارے ملک کو خاقان کے خلاف مشتعل کر دیں گے۔"

"جناب خاقان کو ان کا اشتعال کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس کے سپاہی کسریٰ کے سپاہیوں سے زیادہ جنگ جو اور خونخوار ہیں۔"

سین نے کہا: "کاش میں اس بیوقوف کو وہاں جانے سے روک سکتا۔ لیکن میرے بس کی بات نہ تھی۔ اس نے مجھ سے بالا بالا شہنشاہ کے احکام حاصل کر لیے تھے۔ اور اس کا مقصد صرف مجھے نیچا دکھانا تھا۔"

عاصم نے کہا: "کیا اب بھی آپ کسریٰ کو یہ نہیں سمجھا سکتے کہ رومیوں کی دوستی آوار کی دوستی سے بہتر ہے۔"

سین نے جواب دیا: "ممکن ہے کہ اب میں کسریٰ کی خدمت میں حاضر ہونے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہو جاؤں۔"

یوسیبیا اور فسطینہ پُر امید ہو کر سین کی طرف دیکھنے لگیں۔

عاصم نے کہا: "کیا یہ خطرہ قسطنطنیہ پر ایک ناکام حملے کے نتائج سے زیادہ ہو گا۔"

سین نے مغموم لہجے میں جواب دیا: "مجھے معلوم نہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہر راستے کی ایک آخری منزل ہوتی ہے اور میری آخری منزل شاید یہی ہو۔ لیکن اگر میں کسریٰ کے پاس جانے کیلئے تیار بھی ہو جاؤں تو بھی تمہیں یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ آسان یا نرم شرائط پر صلح کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ کسریٰ کو مطمئن کرنے کے لیے رومیوں کو زہر کے کئی تلخ گھونٹ حلق سے اتارنے پڑیں گے۔ صلح کے لیے کسریٰ کی شرائط وہی ہوں گی جو کسی مفتوحہ یا باجگذار ملک سے منوائی جاتی ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا: "مجھے معلوم ہے اور یہ بات میں قیصر سے بھی کہہ چکا ہوں۔ موجودہ حالات میں اگر اسے اس بات کا یقین ہو جائے کہ ایرانیوں کے ہاتھوں اہل قسطنطنیہ کی جان و مال اور عزت کو کوئی خطرہ نہیں تو وہ آپ کے لشکر کے لیے شہر کے دروازے کھول دینے سے بھی پس و پیش نہیں کرے گا۔"

"نہیں نہیں۔" یوسیبیا نے بے چین ہو کر کہا۔ "جب ایرانی لشکر قسطنطنیہ پر قابض ہو جائے گا۔ تو اس کی باگ ڈور مجوسی کاہنوں کے ہاتھ میں ہو گی۔ وہاں انطاکیہ، دمشق یروشلم کی تاریخ دہرائی جائے گی۔ اور میرے شوہر کی

حیثیت ایک خاموش اور بے بس تماشائی سے زیادہ نہیں ہو گی۔"

فسطینہ نے احتجاج کیا۔ "امی جان خدا کے لیے آپ خاموش رہیں۔"

سین نے کہا۔ "بیٹی تمہیں احتجاج کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری ماں درست کہتی ہے۔" پھر وہ عاصم کی طرف متوجہ ہوا۔ "میں قیصر کو اس بات کا یقین نہیں دلا سکتا۔ کہ اگر شہر کے دروازے کھول دیئے جائیں تو میرا لشکر رومیوں کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ تاہم کسریٰ کے پاس جانے سے پہلے میرے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ قیصر مصالحت کی خاطر کہاں تک جانے کے لیے تیار ہے۔"

"آپ قیصر کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں؟"

"قیصر کے ساتھ!"۔

"جی ہاں، اگر آپ پسند فرمائیں تو ان کے ساتھ آپ کی ملاقات کا انتظام ہو سکتا ہے۔"

"کس جگہ۔؟"

"اگر آپ ان کی حفاظت کی ذمہ داری لے سکیں تو اسی کمرے میں آپ کی ملاقات ہو سکتی ہے۔"

یوسیبیا اور فسطینہ حیرت اور استعجاب کے عالم میں عاصم کی طرف دیکھنے لگیں اور سین نے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ رک کر عاصم کی طرف دیکھنے لگا۔

"عاصم اگر میں یہ کہوں کہ میں ہرقل کے ساتھ گفتگو کرنے کے لیے تیار ہوں تو وہ یہاں آ جائے گا۔"

"ہاں"

"اور تم اُسے یہ اطمینان دلا سکو گے کہ اسے میرے پاس آنے میں کوئی خطرہ نہیں۔"

"ہاں"

"اور اگر میں اسے گرفتار کر کے کسریٰ کے پاس بھیج دوں تو۔؟"

"یہ سوال مجھ سے قسطنطنیہ میں بھی پوچھا گیا تھا۔ میں نے یہ جواب دیا تھا کہ اگر آپ مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں تو آپ کو اس شخص کے متعلق بے اطمینانی نہیں ہونی چاہیے جسے میں ساری دنیا سے زیادہ قابل اعتماد سمجھتا ہوں۔ وہ کسریٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے میری قربانی نہیں دے گا۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ آپ مجھے یرغمال کے طور پر اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ اور قیصر کے ساتھ بدعہدی کی صورت میں آپ کو اس بات کا حق ہوگا کہ آپ میرا سر قلم کر دیں۔"

"مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں ایک خواب دیکھ رہا ہوں۔" سین یہ کہہ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"عاصم!" اُس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔ لیکن میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں، کہ تمہارے خیالات میں اتنا بڑا انقلاب کیسے آگیا؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "میں نے آپ کو اپنی تمام سرگزشت نہیں سنائی۔ اور مجھے یقین ہے کہ جب آپ میری پوری داستان سن لیں گے تو آپ کو میری ذہنی تبدیلی پر تعجب نہیں ہوگا۔"

"بہت اچھا، تو ہم تمہاری داستان سننے کے بعد ہی فیصلہ کریں گے۔"

عاصم نے اپنی داستان شروع کی اور معمولی اختصار کے ساتھ سین کے ساتھ آخری ملاقات سے لے کر خلقدون پہنچنے تک کے تمام واقعات بیان کر دیئے۔ اور اس طویل گفتگو کے اختتام پر اس نے سراپا التجا بن کر کہا۔ "اب میں آپ کے پاس یہ امید لے کر آیا ہوں کہ آپ انسانیت کو مزید تباہی سے بچا سکتے ہیں۔ مجھے آپ کی مجبوریوں کا احساس ہے۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ مجھے آپ کی جرأت اور ہمت پر بھروسا ہے۔"

یوسیبیا اور فسطینہ ملتجی نگاہوں سے سین کی طرف دیکھنے لگیں۔ اور اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "عاصم اگر تمہیں مجھ پر اس قدر اعتماد ہے تو میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔ عام حالات میں میں شاید صلح کا ایلچی بن کر کسریٰ کے پاس جانے کی جرأت نہ کرتا۔ لیکن ایرج کی موت کے بعد مجھے وہاں جانے کے لیے ایک معقول بہانہ مل گیا ہے۔ اور قیصر سے ملاقات کے بعد یہ مسئلہ اور زیادہ آسان ہو جائے گا۔ لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ ہرقل بذاتِ خود یہاں آنے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہو جائے گا۔"

"عاصم نے جواب دیا۔ "ہرقل کے لیے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔"

یوسیبیا نے اپنے شوہر سے مخاطب ہو کر کہا۔ "لیکن ہرقل کو ملاقات کی دعوت دینے سے پہلے آپ کو اچھی طرح اس بات کا اطمینان کر لینا چاہیے کہ یہاں اسے کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ اور میں یہ اس لیے کہہ رہی ہوں کہ ہرقل کے

بدعہدی کی صورت میں صرف عاصم کو ہی اپنی زندگی سے محروم نہیں ہونا پڑے گا۔ بلکہ میں بھی یہاں رہنے کی بجائے سمندر میں ڈوب مرنے کو ترجیح دوں گی اور شاید میری بیٹی کا انجام بھی مجھ سے مختلف نہ ہوگا۔"

سین نے زخم خوردہ سا ہو کر کہا۔ "یوسیبیا اگر تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں تو میں قیصر کو یہاں آنے کی دعوت دینے کی بجائے قسطنطنیہ جانے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن یہ بات کسریٰ کے لیے ناقابلِ برداشت ہوگی۔"

یوسیبیا نے قدرے نادم ہو کر کہا۔ "نہیں نہیں میرا یہ مطلب نہ تھا۔ میں صرف یہ چاہتی تھی کہ آپ قیصر کو یہاں بلانے سے پہلے ان کی حفاظت کے متعلق اچھی طرح اطمینان کر لیں۔"

سین عاصم کی طرف متوجہ ہوا۔ "مجھے معلوم نہیں کہ کسریٰ کے دربار میں مجھے کس حد تک کامیابی ہوگی۔ لیکن میں وہاں جانے کے لیے تیار ہوں۔ تم ہرقل کو یہ پیغام دے سکتے ہو کہ میں اس سے ملاقات کے لیے تیار ہوں۔ لیکن تم وہاں کیسے جاؤ گے؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "آپ اس کی فکر نہ کریں۔ کل رات میرے لیے رومیوں کی ایک کشتی پہنچ جائے گی اور مجھے اس کشتی کی رہنمائی کے لیے سمندر کے کنارے صرف آگ جلانے کی ضرورت ہوگی۔ اور آپ کو صرف اس بات کی احتیاط کرنا پڑے گی کہ وہاں صرف چند انتہائی قابلِ اعتماد آدمی موجود ہوں۔"



شام کے وقت فسطینہ قلعے کی فصیل پر کھڑی تھی۔ عاصم دروازے کے سامنے کچھ فاصلے پر سرو کے درختوں سے نمودار ہوا اور وہ اُسے دیکھتے ہی زینے کے راستے نیچے اتر آئی اور دروازے سے چند قدم دور رک کر اس کا انتظار کرنے لگی جب عاصم اس کے قریب پہنچا تو اس نے شکایت کے لہجے میں کہا۔ "آپ کہاں چلے گئے تھے؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "میں ذرا سیر کے لیے باہر نکل گیا تھا۔"

"آیئے میں آپ کو کچھ دکھانا چاہتی ہوں۔" فسطینہ یہ کہہ کر زینے کی طرف بڑھی۔ اور عاصم اس کے پیچھے ہو لیا۔

فصیل کے اوپر پہنچ کر فسطینہ نے مغرب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھئے آج نیا چاند نمودار ہو چکا ہے۔"

عاصم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں یہ چاند تم سے پہلے دیکھ چکا ہوں۔"

"نہیں نہیں آپ نے مجھ سے پہلے نہیں دیکھا ہوگا۔ میں غروب آفتاب سے پہلے ہی یہاں پہنچ کر اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اور پہلی رات کے چاند نے ہر مہینے مجھے اسی جگہ اپنا انتظار کرتے دیکھا ہے ——— میں ہر بار اپنے دل کو یہ تسلیاں دیا کرتی تھی کہ نیا مہینہ ختم ہونے سے پہلے تم واپس آجاؤ گے اور جب یہ اپنا مہینے بھر کا سفر پورا کر لیتا تھا تو نیا چاند مجھے نئی امیدوں کی روشنی دکھایا کرتا تھا ——— کل تم پھر جا رہے ہو۔ اور میں تم سے یہ وعدہ لینا چاہتی ہوں کہ اب مجھے مہینوں اور برسوں تک تمہارا انتظار نہیں کرنا پڑے گا ——— اب مجھے طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک تمہاری راہ دیکھنا بھی دشوار محسوس ہوتا ہے۔ آج جب تم اپنی سرگزشت سنا رہے تھے تو میں یہ محسوس کر رہی تھی کہ میں افریقہ کے صحراؤں اور جنگلوں میں تمہارے ساتھ تھی۔ جب تم زخمی تھے تو میں تمہارے زخموں پر مرہم رکھا کرتی تھی۔ جب تم بیمار تھے تو میں تمہاری تیمارداری کیا کرتی تھی۔ جب تمہارے دل میں تنہائی اور بے بسی کا احساس اپنی انتہا کو پہنچ جاتا تھا تو میں تمہیں آوازیں دیا کرتی تھی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اور تمہاری سرگزشت کے اختتام پر میں یہ محسوس کر رہی تھی کہ میں راستے کی تمام منازل طے کرنے کے بعد تمہارے ساتھ واپس آئی ہوں — میری باتیں سن رہے ہو، عاصم تم خاموش کیوں ہو؟"

"فسطینہ! فسطینہ!" عاصم نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تمہارے دل میں یہ خیال کبھی نہیں آیا کہ ہم دونوں مختلف راستوں پر چلنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔"

چند ثانیے فسطینہ کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ پھر اس نے کرب انگیز لہجے میں جواب دیا "نہیں — میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ آپ میرے ہیں۔"

"لیکن تم سین کی بیٹی ہو فسطینہ، اور میں......"

فسطینہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ سین کی بیٹی کا امتحان لینا چاہتے ہیں تو میرے ساتھ آیئے۔ میں ان کے سامنے یہ اعلان کرنے کے لیے تیار ہوں کہ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اگر تمہاری محبت ایک جرم ہے تو میں اس کے لیے ہر سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔ آیئے!"

فسطینہ اس کا بازو پکڑ کر کھینچنے لگی۔

"نادان نہ بنو فسطینہ۔ تم نہیں جانتیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ اگر تم میرے دل کا حال جاننا چاہتی ہو تو سنو،

اگر قیصر اور کسریٰ کے تاج میرے قدموں میں ہوتے اور تم ایک غریب چرواہے یا کسان کی لڑکی ہوتیں تو بھی میں تمہیں حاصل کرنا اپنی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی سمجھتا۔"

وہ بولی "کیا یہ ایک جرم ہے کہ میں کسی کسان یا چرواہے کی بیٹی نہیں ہوں۔"

"نہیں فسطینہ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔ لیکن میں اگر اس بے چارگی اور بے بسی کی حالت میں تمہاری تمنا کروں تو یہ ایک جرم ہوگا۔ فسطینہ تم پھولوں پر چلنے کے لیے پیدا ہوئی ہو اور میرا راستہ کانٹوں سے اٹا ہوا ہے۔ میں غم کے پہاڑ اٹھا سکتا ہوں۔ لیکن تمہاری تذلیل برداشت نہیں کروں گا۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں فسطینہ اور میری محبت کا تقاضا یہی ہے کہ میں تمہیں اپنے آلام و مصائب میں حصہ دار نہ بناؤں۔"

فسطینہ کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔ اور سسکیاں لینے لگی۔

عاصم نے کہا۔ "مجھ کو اپنی مجبوریوں سے زیادہ تمہاری مجبوریوں کا احساس ہے۔ تم ایک غریب الوطن اور بے سہارا انسان کے ساتھ بھٹکنے کے لیے نہیں بلکہ مرمریں ایوانوں کی زینت بننے کے لیے پیدا ہوئی ہو۔ میں اسے بھی قدرت کا ایک انعام سمجھتا ہوں کہ تم میرے پاس کھڑی ہو اور میں تمہارے ساتھ باتیں کر رہا ہوں۔ اور اگر میں اس سے زیادہ چاہوں تو تمہارے والدین مجھے دیوانہ خیال کریں گے۔"

اچانک کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور وہ چونک کر زینے کی طرف دیکھنے لگے۔ یوسیبیا زینے سے نمودار ہوئی۔ اور اس نے کہا۔ "تم اس سردی میں یہاں کیا کر رہے ہو؟"

فسطینہ نے آگے بڑھ کر کہا۔ "امی جان! اگر میں اباجان کے سامنے یہ کہہ دوں کہ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی تو وہ مجھے کیا سزا دیں گے؟"

یوسیبیا نے جواب دیا۔ "تمہارے اباجان تمہاری دیوانگی سے بے خبر نہیں ہیں۔ پھر وہ عاصم کی طرف متوجہ ہوئی۔ "بیٹا میں تمہاری باتیں سن چکی ہوں اور مجھے تمہاری شرافت سے یہی توقع تھی لیکن تمہیں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ فسطینہ کے والدین اس کے دشمن ہیں۔ میری بیٹی کو ان مرمریں ایوانوں کی ضرورت نہیں جو انسانوں کی بجائے درندوں کے مسکن ہیں۔ فسطینہ کے اباجان سے تمہارے دل کا حال بھی پوشیدہ نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میری بجائے

وہ ہمارے باتیں سن لیتے تو انہیں زیادہ سے زیادہ اس بات کی فکر ہوتی کہ درندوں کی اس دنیا میں کون سا گوشہ تمہارے لیے محفوظ ہے۔"

عاصم کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا وہ دیر تک سر جھکائے کھڑا رہا اور بالآخر جب اس نے یوسیبیا کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں تشکر کے آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ اس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا "آپ خدا سے دعا کریں کہ درندوں کی یہ دنیا انسانوں سے آباد ہو جائے۔ اور میں خوف کے بغیر یہ کہہ سکوں کہ میں کسی جنگل، پہاڑ یا صحرا میں بھی فسطینہ کی حفاظت کی ذمہ داری لے سکتا ہوں۔ جب کسریٰ اور قیصر میں صلح ہو جائے گی تو میں اپنی غریب الوطنی اور بے چارگی کا احساس کیے بغیر فسطینہ کے لیے ہاتھ پھیلا سکوں گا۔ لیکن سر دست آپ دعا کریں کہ مجھے اس مہم میں کامیابی ہو۔"

"بیٹا تم نے ایک نیک کام اپنے ذمہ لیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ خدا تمہاری مدد کرے گا۔ چلو اب نیچے چلیں مجھے سردی محسوس ہو رہی ہے۔" یوسیبیا یہ کہہ کر زینے کی طرف بڑھی اور عاصم اور فسطینہ اس کے پیچھے چل دیے۔ زینے کے درمیان پہنچ کر عاصم نے فسطینہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور رک کر سرگوشی کے انداز میں کہا "فسطینہ تم مجھ سے خفا تو نہیں ہو؟"

"نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"میں قسطنطنیہ سے بہت جلد واپس آ جاؤں گا۔ لیکن اگر تمہارے ابا جان کو کسریٰ کے پاس جانا پڑا تو مجھے بھی ان کا ساتھ دینا پڑے گا۔ تم میرا انتظار کر سکو گی؟"

"ہاں۔ اگر مجھے اس بات کا یقین ہو کہ تم ضرور آؤ گے تو میں مرتے دم تک تمہارا انتظار کر سکتی ہوں۔"

یوسیبیا نیچے پہنچ کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔ تو عاصم نے فسطینہ کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور آہستہ آہستہ زینے سے اترنے لگے۔

باب ۳۳

اگلی رات عاصم اور ایرانی فوج کے چند سپاہی سمندر کے کنارے ایک الاؤ کے گرد کھڑے تھے۔ آسمان صاف تھا اور سرد ہوا چل رہی تھی۔ ایک سپاہی نے لکڑیوں کا ایک گٹھا اٹھا کر الاؤ پر ڈال دیا اور آگ کے شعلے آہستہ آہستہ بلند ہونے لگے۔

عاصم نے آگ کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا "میں سپہ سالار کے پاس جاتا ہوں۔ اگر کوئی کشتی نظر آئے تو مجھے فوراً اطلاع دو۔"

ایک سپاہی نے کہا "جناب آپ مطمئن رہیں، لیکن ہوا کافی تیز ہے اور مجھے یقین نہیں کہ رومی اس موسم میں رات کے وقت یہاں آنا پسند کریں گے۔"

"وہ ضرور آئیں گے، تم الاؤ پر لکڑیاں ڈالتے رہو۔" عاصم یہ کہہ کر ایک طرف چل دیا۔ کوئی دو سو قدم کے فاصلے پر چند پہرے دار مشعلیں اٹھائے ایک کشادہ خیمے کے گرد گشت کر رہے تھے۔ کسی نے بلند آواز میں کہا "ٹھہرو! کون ہے؟"

"میں عاصم ہوں"۔ اس نے رک کر جواب دیا اور پھر کچھ دیر توقف کے بعد دروازے کا پردہ اٹھا کر خیمے کے اندر داخل ہوا۔

سین نے جو گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اُسے دیکھتے ہی سوال کیا۔ "وہ آگئے؟"

"نہیں جناب، وہ ابھی تک نہیں آئے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کو اتنی سردی میں یہاں آنے کی تکلیف اٹھانا پڑی۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ اگر آوار نے قسطنطنیہ پر حملہ نہیں کر دیا تو وہ ضرور آئیں گے۔ آج ہوا تیز ضرور ہے لیکن ان کے موافق ہے اور انہیں ہمارے الاؤ کی روشنی میلوں تک دکھائی دے سکتی ہے۔ اگر آوار نے قسطنطنیہ پر

دوبارہ حملہ نہیں کر دیا، تو انہیں اب تک یہاں پہنچ جانا چاہیئے تھا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا، کہ اب آپ واپس قلعے میں تشریف لے جائیں اور وہاں آرام کریں۔

"نہیں نہیں، جب تک مجھے اس بات کی تسلی نہیں ہو جاتی کہ تم صحیح سلامت رخصت ہو چکے ہو، میں یہیں رہوں گا مجھے اندیشہ ہے کہ ہمارے سپاہیوں کی طرف سے ذرا سی بے احتیاطی یہ سارا کھیل بگاڑ سکتی ہے۔ تم بیٹھ جاؤ میں تمہارے ساتھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

عاصم اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ خیمے میں تھوڑی دیر خاموشی چھائی رہی۔ بالآخر سین نے کہا "میری فوج کا کوئی افسر یا سپاہی اب جنگ جاری رکھنے پر خوش نہیں۔ تاہم اگر انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ میں رومیوں کے ساتھ مصالحت کی طرف مائل ہوں تو وہ میرے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیں گے۔ کئی افسر ایسے ہیں جو شہنشاہ کو مجھ سے بدظن کر کے میری جگہ لینے کی کوشش کریں گے۔ میری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ یوسیبیا میری بیوی ہے۔ اور رقیبوں اور حاسدوں کو مجھ پر رومیوں کا طرف دار ہونے کا الزام عاید کرنے کے لیے صرف ایک بہانے کی ضرورت ہے۔ میری پہلی غلطی یہ تھی کہ میں اپنے ضمیر کی آواز کے خلاف اس جنگ میں شریک ہو گیا تھا۔ اور میری آخری غلطی شاید یہ ہو کہ میں یہ جاننے اور سمجھنے کے باوجود مصالحت کرانے کی ذمہ داری قبول کر چکا ہوں کہ کسریٰ کے دربار میں میرا مذاق اڑایا جائے گا۔ آج اگر مجھے یہ تسلی ہو کہ دنیا کا کوئی گوشہ میری بیوی اور بیٹی کے لیے محفوظ ہے تو میں ان تمام الجھنوں سے اپنا دامن بچا کر وہاں بھاگ جاؤں۔"

عاصم نے کہا "کاش انسان کو بھاگنے سے نجات مل سکتی۔ آج ساری دنیا پر وحشت اور بربریت کی حکمرانی ہے۔ آج ہر کمزور اور بے بس انسان اطمینان کے چند سانس لینے کے لیے کسی زیادہ طاقتور اور زیادہ با اختیار انسان کا سہارا تلاش کرنے پر مجبور ہے لیکن آپ ان خوش قسمت انسانوں میں سے ہیں جو تاریکی میں بھٹکنے والے قافلوں کو امید کی روشنی دکھا سکتے ہیں۔ یہ ایک معمولی واقعہ نہیں کہ قیصر نے مجھ جیسے بے بس انسان کو وسیلہ بنا کر آپ کے پاس بھیجا ہے۔"

سین نے جواب دیا "عاصم تم یہ نہیں جانتے کہ کسریٰ اس دنیا کے کمزور اور مغلوب انسانوں کے متعلق ایک فاتح کے ذہن سے سوچتا ہے اور اسے اپنی ذات کے لیے کسی عظیم خطرے کا احساس ہی امن کی جانب راغب کر سکتا ہے۔ لیکن اتنی عظیم فتوحات کے بعد اس کی خود پسندی اور غرور کا یہ عالم ہے کہ اگر ساری دنیا کے انسان یک زبان

ہو کر کہنا شروع کر دیں کہ جنگ کی مزید طوالت اس کے لیے کسی خطرے کا باعث ہو سکتی ہے تو بھی اس کے عزائم میں ذرہ بھر فرق نہیں آئے گا۔ آج دنیا کی حالت دیکھ کر کوئی ذی شعور انسان یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ قدرت کا کوئی معجزہ کسریٰ کو فاتح عالم بننے سے روک سکتا ہے۔ چند برس قبل صرف تمہارے ملک سے نبوت کے کسی دعوے دار نے یہ کہنے کی جرأت کی تھی کہ بالآخر رومی ایرانیوں پر غالب آئیں گے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس پیش گوئی کے بعد ہماری پے در پے فتوحات کے باعث اس پر ایمان لانے والے سادہ دل لوگ بھی اس کا مذاق اڑاتے ہوں گے۔"

عاصم نے کہا "مکہ میں نبوت کے دعوے دار کے متعلق میں بھی بہت کچھ سن چکا ہوں، لیکن آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اس نے ایرانیوں کی شکست یا رومیوں کی فتح کے متعلق کوئی پیش گوئی کی ہے؟"

سین نے جواب دیا "یمن سے تاجروں کا کوئی قافلہ یروشلم آیا تھا اور انہوں نے راستے میں مکہ کے نبی کی یہ پیش گوئی سنی تھی۔ جب یہ بات یروشلم کے حاکم کے کانوں تک پہنچی تو اس نے یہ سمجھا کہ دشمن کے جاسوس ہمارے سپاہیوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے اس قسم کی افواہیں پھیلا رہے ہیں۔ پھر تحقیقات کے بعد یمن کے تاجروں سے باز پرس کی گئی تو انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ عرب میں یہ پیش گوئی کافی مشہور ہو چکی ہے۔ مجھے یہ تمام واقعات فوج کے ان عہدہ داروں کی زبانی معلوم ہوئے تھے جو یروشلم سے تبدیل ہو کر یہاں آتے تھے۔ مجھے ان دنوں یہ سارا قصہ ایک مذاق معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اب کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر دنیا میں کوئی ایسا انسان ہو جس کی نگاہیں حال کے پردوں سے آگے دیکھ سکتی ہوں تو کسریٰ کو جنگ کے نتائج سے خوفزدہ کر کے اسے امن کی طرف مائل کر دینا اس کا عظیم ترین معجزہ ہوگا۔"

عاصم نے کہا "اپنا وطن چھوڑنے سے پہلے میں نے مکہ کے نبی کے متعلق عجیب و غریب باتیں سنی تھیں۔ لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ بنجر زمین کیسے ایسی اچھائی کو جنم دے سکتی ہے جس کے اثرات صحرائے عرب سے باہر پہنچ سکیں۔ اگر وہاں کوئی بنی نوع انسانیت کے لیے امن کا پیغام لے کر آیا ہو تو اہل عرب اس کے راستے میں اپنی خاندانی اور قبائلی عصبیتوں کی دیواریں کھڑی کر دیں گے۔ یہ وہ صحرا ہے جس میں پھوٹنے والے چشمے ندیوں یا دریاؤں کی شکل اختیار نہیں کرتے بلکہ وہیں جذب ہو کر رہ جاتے ہیں۔ روم و ایران کے تاجداروں سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ کسی عظیم شکست یا تباہی کے خوف سے وہ اپنی تلواریں نیاموں میں ڈالنے پر مجبور ہو جائیں یا کوئی غیر معمولی انسان

انہیں امن کا راستہ دکھائے تو وہ اس کے جاہ و جلال سے مرعوب ہو کر اس کے پیچھے چل پڑیں لیکن سردارانِ عرب کو کسی بدترین تباہی کا خوف بھی امن کی طرف مائل نہیں کر سکتا۔ وہ صرف کسی ایسے راہنما کو قبول کر سکتے ہیں جو انہیں امن کی بجائے ہلاکت کا راستہ دکھا سکتا ہو۔ عرب کی سرزمین میں امن اور انسانیت کا نعرہ بلند کرنے والے نبی کو سب سے پہلے اپنے قبیلے کے ان شیوخ سے نبرد آزما ہونا پڑے گا جو مشرق و مغرب کے تمام شہنشاہوں سے کہیں زیادہ ظالم، مغرور اور خود پسند ہیں۔ پھر اگر اس کا اپنا قبیلہ اس کا طرفدار بن گیا تو دوسرے تمام قبائل اس کے حامیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ یثرب چھوڑنے سے قبل مکہ کے نبی کے متعلق میری معلومات صرف یہ تھیں کہ خاندان قریش کے چند معززین کے علاوہ اس پر ایمان لانے والے گروہ کی اکثریت انتہائی بے بس، نادار اور مفلس لوگوں پر مشتمل ہے اور باقی سارا قبیلہ اس کا مذاق اڑاتا ہے۔ اگر وہ اپنے قبیلے کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچ گیا تو بھی مجھے یقین ہے کہ مکہ سے باہر اس کی آواز کسی دوسرے قبیلے کو متاثر نہیں کر سکے گی۔ جو لوگ عرب کے حالات سے واقف ہیں وہ کسی ایسے نبی کی کامیابی کا تصور بھی نہیں کر سکتے جو وہاں کے قبائل کو عدل و مساوات کا درس دیتا ہو۔ آج دنیا کا ہر ذی شعور انسان کسی نجات دہندہ کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور میں بھی کسی ایسے راہنما کا متلاشی ہوں جس کی آواز قبیلوں، نسلوں اور قوموں کی سرحدیں پھاند سکتی ہو۔ انسانی تاریخ کا وہ دن کتنا حسین ہوگا جب انسانوں کے درمیان ادنیٰ اور اعلیٰ، گورے اور کالے، آقا اور غلام، کمزور اور طاقتور کا امتیاز اٹھ جائیگا کبھی کبھی میں اپنے دل کو تسلی دینے کی کوشش کرتا ہوں کہ شاید انسانیت کا نجات دہندہ آچکا ہے۔ لیکن عرب کے حالات جانتے ہوئے میں پورے وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس ظلمت کدہ سے کوئی روشنی نمودار نہیں ہو سکتی۔“

سین نے کہا۔ ”تم جس قدر عرب کے حالات سے مایوس ہو میں اس سے کہیں زیادہ ایران کے حالات سے مایوس ہوں۔ ایران کے مجوسی کاہن ساری دنیا پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اور انہیں جب یہ معلوم ہوگا کہ میں صلح کا ایلچی بن کر کسریٰ کے پاس آیا ہوں تو وہ میرے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیں گے۔ تاہم میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔ اگر قیصر نے میرے پاس آنے کا ارادہ تبدیل نہ کر دیا۔ تو میں کسریٰ کے پاس ضرور جاؤنگا۔“ مجھے یقین ہے کہ قیصر آپ کے پاس ضرور آئے گا۔ اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ صلح کے لیے آپ کی

شش بے نتیجہ ثابت نہیں ہوگی۔“

خیمے کے باہر کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی پھر ایک سپاہی ہانپتا ہوا خیمے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔ ”جناب ہنچ گئے ہیں۔ ان کا جہاز ساحل سے کچھ دور رک گیا ہے اور اب ایک کشتی ساحل کی طرف آ رہی ہے۔“

عاصم نے جلدی سے اٹھ کر سین سے کہا۔ ”جناب آپ یہیں ٹھہریں میں انہیں لے کر آتا ہوں۔“ اور پھر وہ کسی توقف کے بغیر سپاہی کے ساتھ خیمے سے باہر نکل گیا۔



کشتی کنارے پر لگی پھر چند ثانیے توقف کے بعد کلاڈیوس اور ولیریس نیچے اتر پڑے۔ عاصم نے جو چند مشعل بردار سپاہیوں کے درمیان کھڑا تھا آگے بڑھ کر یکے بعد دیگرے ان کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ”کلاڈیوس میرا خیال تھا کہ آپ کے ساتھ زیادہ آدمی آئیں گے۔“

کلاڈیوس نے جواب دیا۔ ”میرے ساتھ چھ آدمی اور ہیں۔ لیکن ہم نے اپنے جہاز کو احتیاطاً ذرا پیچھے روک دیا ہے۔ اپنے باقی ساتھیوں کو یہاں لانے سے پہلے میں آپ سے مل کر اس بات کی تسلی کر لینا ضروری سمجھتا تھا کہ یہ جگہ ان کے لیے کس حد تک محفوظ ہے۔“

عاصم نے کہا۔ ”ایرانی لشکر کے سپہ سالار سے زیادہ آپ کے ساتھیوں کی حفاظت کا ذمہ اور کون لے سکتا ہے آیئے میں آپ کو ان کے پاس لے چلتا ہوں۔“

”سپہ سالار کہاں ہیں؟“

”وہ یہاں سے چند قدم کے فاصلے پر ایک خیمے میں آپ کا انتظار کر رہے۔ اگر آپ کے ساتھی جہاز سے اترنے میں کوئی خطرہ محسوس کرتے ہیں تو مجھے یرغمال کے طور پر جہاز پر بھیج دیجیے۔“

کلاڈیوس نے کہا۔ ”نہیں نہیں، مجھے تمہارے متعلق کوئی بداعتمادی نہیں۔ اور اب شاید قیصر بھی یہاں آنے کے لیے یرغمال کی ضرورت محسوس نہ کریں۔ میں صرف تمہاری زبان سے یہ سننا چاہتا تھا کہ تمہیں میرے ساتھیوں کی حفاظت کے متعلق پورا اطمینان ہے؟“

عاصم نے جواب دیا " اگر مجھے یہ اطمینان نہ ہوتا تو سمندر کے کنارے آگ نہ جلاتا۔ یہاں پہنچ کر مجھے اپنی توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی ہے۔ سپہ سالار بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ تمہارے دوسرے ساتھی کون ہیں؟"

کلاڈیوس نے جواب دینے کی بجائے عاصم کا بازو پکڑ کر سرگوشی کے انداز میں کہا "کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ آپ کے ساتھی ایک طرف ہٹ جائیں۔ میں ان کے سامنے ہر سوال کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھتا۔"

عاصم نے فارسی زبان میں سپاہیوں سے کچھ کہا اور وہ بھاگتے ہوئے ایک طرف چلے گئے۔ پھر اس نے کلاڈیوس کی طرف متوجہ ہو کر کہا " اس احتیاط کی ضرورت نہ تھی۔ یہ سپاہی سین نے اپنے انتہائی وفادار ساتھیوں میں سے منتخب کیے تھے۔ اور اس بات کا خاص خیال رکھا گیا تھا کہ ان میں سے کوئی رومی زبان کا ایک لفظ بھی نہ جانتا ہو۔"

کلاڈیوس نے کہا " میری احتیاط کی ایک معقول وجہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میرے ساتھی کون ہیں؟"

"نہیں لیکن میں اتنا ضرور سمجھ سکتا ہوں کہ وہ کسی معمولی حیثیت کے لوگ نہیں ہوں گے۔ بہرحال آپ انہیں یہ پیغام بھیج سکتے ہیں کہ وہ پورے اطمینان کے ساتھ یہاں تشریف لا سکتے ہیں۔"

کلاڈیوس نے قدرے ہچکچاتے ہوئے کہا " عاصم فرض کرو۔ اگر آج رات قیصر بذات خود میرے ساتھ آنے کے لیے تیار ہو جاتا تو تم کس حد تک اس کی حفاظت کا ذمہ لے سکتے تھے؟"

عاصم کچھ دیر بدحواس سا ہو کر کلاڈیوس کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا " میں تمہاری تسلی کے لیے صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ ایرانی سپاہیوں کا جو دستہ اس وقت یہاں موجود ہے وہ سپہ سالار کے انتہائی جاں نثار آدمیوں پر مشتمل ہے۔ تاہم اگر قیصر کو تمہارے ساتھ دیکھ کر کسی کی نیت بد ہو جاتی تو تم لوگوں سے کہیں زیادہ ایران کے سپہ سالار کو اپنے معزز مہمان کی جان بچانے کی فکر ہوتی۔ جس سین کو میں جانتا ہوں اس کے متعلق میں پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ قیصر کی حفاظت کے لیے اپنی جان پر کھیل جائے گا۔"

کلاڈیوس نے کہا " میں سین کو نہیں جانتا۔ تاہم تمہاری باتوں سے مجھے یہ اطمینان محسوس ہوتا ہے کہ وہ یقیناً کوئی بڑا آدمی ہو گا۔ ایک دغا باز آدمی اپنے ساتھی کے دل میں اتنا یقین اور اعتماد پیدا نہیں کر سکتا ———— میرے دوست اب روم اور انسانیت کی تقدیر تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اور تمہارے لئے یہ بات

جاننے کے لیے بہت تھوڑا وقت ہے کہ تم اس عظیم ذمہ داری سے کہاں تک عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ تھوڑی دیر تک وہ قیصر جسے دنیا ہرقل کے نام سے پکارتی ہے، تمہارے سپہ سالار کے سامنے کھڑا ہو گا ———— اگر ایک شکست خوردہ حکمران کی یہ جسارت تمہاری توقع سے زیادہ ہے اور تم کوئی خدشہ محسوس کرتے ہو تو میں اب بھی واپس جانے کے لیے تیار ہوں۔"

عاصم کچھ دیر خاموش کھڑا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔ مجھے کوئی خدشہ نہیں تاہم مجھے یہ اعتراف ہے کہ قیصر کی یہ جرأت میری توقع سے کہیں زیادہ ہے۔ سین کو تو یہ بات بھی بعید از قیاس معلوم ہوتی تھی کہ کسی حالت میں بھی وہ ان کے پاس آنے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہو جائے گا۔"

کلاڈیوس نے کہا " قیصر کا یہ فیصلہ میرے لیے بھی غیر متوقع تھا۔ ہم جہاز کے بادبان کھول رہے تھے، کہ ان کا ایلچی بندرگاہ پر پہنچا اور اس نے اطلاع دی کہ وہ اسقفِ اعظم کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ جہاز پر سوار ہو چکے تھے۔ میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ ابھی آپ کا ہمارے ساتھ جانا مناسب نہیں لیکن انہوں نے کہا۔ اگر سین ایک شریف دشمن ہے تو مجھے اس کے پاس جانے کے لیے کسی احتیاط کی ضرورت نہیں۔ اور اگر اس کی نیت ٹھیک نہ ہوئی تو مجھے گرفتار کرنے کے لیے وہ ایک کی بجائے ایک ہزار آدمیوں کو بھی قربان کر سکتا ہے۔ میں نصف سے زیادہ فاصلہ طے کر لینے کے بعد بھی یہ محسوس کرتا تھا کہ وہ اچانک ہمیں واپسی کا حکم دیں گے۔ لیکن آج پھر وہ اس جرأت اور ہمت کا مظاہرہ کر رہے تھے جو انہیں آوار کے خاقان کے پاس لے گئی تھی۔ اور مجھے یہ بات ناقابلِ یقین معلوم ہوتی تھی کہ کچھ مدت قبل وہ قسطنطنیہ کو دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ کر قرطاجنہ کی طرف فرار ہونے کا ارادہ کر چکے تھے۔ میں نے اسقفِ اعظم سے قیصر کی اس ذہنی کایا پلٹ کے متعلق استفسار کیا تھا اور وہ یہ کہتے تھے کہ قدرت کا یہ معجزہ لاکھوں بے بس انسانوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔"

عاصم نے کہا۔ " آپ انہیں لے آئیں۔ میں سپہ سالار کو اطلاع دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ قیصر کے استقبال کے لیے وہ بذاتِ خود یہاں آنا زیادہ پسند کریں گے۔"

"لیکن قیصر کسی اطلاع کے بغیر ان کے سامنے پیش ہونا چاہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سین کے ساتھ اچانک ملاقات زیادہ مؤثر ثابت ہو گی۔" یہ کہہ کر کلاڈیوس اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہوا ———— دلیرس

تم انہیں لے آؤ۔"

ڈلیریس بھاگ کر کشتی پر سوار ہو گیا اور چار ملاحوں نے چپو اٹھائے۔ عاصم اور کلاڈیوس کچھ دیر سمندر کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر کلاڈیوس نے کہا۔ "عاصم تم نے اپنی فسطینہ کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ وہ کہاں ہے؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "وہ پاس ہی قلعہ میں ہے۔ میں اس سے مل چکا ہوں اور تمہاری تسلی کے لیے یہ کہہ سکتا ہوں کہ اب ہمارے درمیان کوئی پہاڑ، صحرا یا سمندر حائل نہیں۔ اور وہ نادان لڑکی اس بات پر مسرور نظر آتی ہے۔ کہ ایک بھٹکا ہوا مسافر زمانے کی خاک چھاننے کے بعد دوبارہ اس کے دروازے پر آنکلا ہے۔ اب اسے دیکھتے، اس کے ساتھ باتیں کرتے یا اس کے متعلق سوچتے ہوئے مجھے یہ محسوس نہیں ہوتا۔ کہ میں اپنے آپ کو فریب دے رہا ہوں۔ کلاڈیوس میں اپنے مستقبل کے متعلق بہت زیادہ پر امید نہیں۔ لیکن اب میں اس سے بھاگنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ میرے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ ہمارے درمیان زمان و مکان کے پردے حائل نہیں ہو سکے۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "اگر وہ ابھی تک تمہاری راہ دیکھ رہی تھی۔ تو میں اسے نادان نہیں کہہ سکتا۔"

سپہ سالار کے خیمے کی طرف سے کوئی مشعل اٹھائے نمودار ہوا اور عاصم نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ سپہ سالار خود اس طرف تشریف لا رہے ہیں۔"

وہ چند قدم آگے بڑھے۔ سین اور اس کے دو محافظ مشعل بردار کے پیچھے آ رہے تھے۔

سین نے عاصم کو دیکھتے ہی شکایت کے لہجے میں کہا۔ "تم نے ہمیں بہت پریشان کیا۔"

عاصم نے کہا۔ "جناب یہ کلاڈیوس ہیں۔ میں آپ سے ان کا ذکر کر چکا ہوں۔ اور ان کے دوسرے ساتھی جہاز سے اترنے سے قبل مجھ سے اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ان کے لیے کشتی بھیج دی گئی ہے۔ وہ ابھی پہنچ جائیں گے۔"

سین نے کلاڈیوس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہم عاصم کے ہر دوست کو اپنا دوست خیال کرتے ہیں۔"

کلاڈیوس نے احسانمندی سے سر جھکاتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ میری خوش قسمتی ہے۔"

سین کچھ اور کہے بغیر آگے بڑھا اور الاؤ کے سامنے ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔

عاصم نے کہا۔ "یہاں ٹھنڈی ہوا میں آپ کو تکلیف ہو گی۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ آپ کشتی کے واپس آنے

تک خیمے میں آرام فرمائیں۔"

سین نے جواب دیا۔ "نہیں میرے لیے یہ آگ زیادہ آرام دہ ہے۔ لیکن ہمارے آدمی کہاں چلے گئے؟"

"جناب وہ یہیں آس پاس کھڑے ہیں، میں نے عمداً انہیں یہاں سے ہٹا دیا ہے۔"

سین کلاڈیوس کی طرف متوجہ ہوا۔ "تم ہمیں بتا سکتے ہو کہ صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے قیصر نے اپنے ایلچیوں کو کس حد تک اختیارات دیے ہیں۔"

"جناب قیصر اپنی رعایا کو مزید تباہی سے بچانے کے لیے آپ کی ہر ایسی شرط ماننے کے لیے تیار ہے، جسے پورا کرنا اس کے بس میں ہو۔ اور میں آپ کو یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ میرے ساتھی اپنے حکمران کی طرف سے پورے اختیارات لے کر آئے ہیں۔"

سین کچھ دیر خاموشی سے کلاڈیوس کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔ "تم جانتے ہو کہ کسریٰ نے صلح کی بات چیت کے لیے مجھے کوئی اختیار نہیں دیا۔ میرا تم لوگوں کے استقبال کے لیے یہاں آنا بھی اس کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔"

کلاڈیوس نے مایوس سا ہو کر جواب دیا۔ "مجھے معلوم ہے لیکن آپ ایک ڈوبتے ہوئے انسان کو تنکوں کا سہارا لینے سے منع نہیں کر سکتے۔ روم کا شکست خوردہ حکمران آپ کی وساطت سے ایران کے عظیم فاتح کے کانوں تک صرف یہ آواز پہنچانا چاہتا ہے کہ میں ہار مان چکا ہوں۔ اور یہ امید ہمارا آخری سہارا ہے کہ شاید وہ ایک گرے ہوئے دشمن پر آخری ضرب لگانے کی ضرورت محسوس نہ کریں۔"

"مجھے معلوم نہیں کہ وہ کان جو تلواروں کی جھنکار اور زخمیوں کی چیخیں سننے کے عادی ہو چکے ہیں تمہاری فریاد سے کہاں تک متاثر ہوں گے۔ بہر حال میں تمہارے قیصر کو مایوس نہیں کروں گا ــــــ لیکن تمہارے ساتھی کب آئیں گے۔"

"شاید وہ آ رہے ہیں۔" عاصم نے سمندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ان کی نگاہیں سمندر کی طرف مبذول ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد کشتی کنارے کے قریب پہنچ چکی تھی۔

دلیرس اور اس کے ساتھی یکے بعد دیگرے کشتی سے اترے۔ کلاڈیوس اور عاصم نے آگے بڑھ کر ان کا خیر مقدم کیا لیکن سین الادُ کے سامنے کھڑا رہا۔ کشتی سے اترنے والے کچھ دیر دبی زبان میں عاصم اور کلاڈیوس کے ساتھ باتیں کرنے کے بعد آگے بڑھے۔ ایک طویل قامت آدمی جو ایک بھاری قبا میں ملبوس تھا اپنے ساتھیوں سے دو قدم آگے تھا سین نے آگ کی روشنی میں اس کے پروقار چہرے پر نگاہ ڈالی اور مبہوت سا ہو کر رہ گیا۔

کلاڈیوس نے کہا۔ "جناب یہ ہمارے شہنشاہ ہیں۔"

سین نے اضطراری حالت میں دو زانو ہو کر ہرقل کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اور پھر اٹھ کر ادب سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "عالیجاہ! آپ کو یہاں آنے کی ضرورت نہ تھی۔ میں آپ سے ملاقات کیے بغیر کسریٰ کے پاس جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ اب آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں کسی تاخیر کے بغیر کسریٰ کی خدمت میں حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔ اور مجھے معلوم ہے کہ وہاں پہنچ کر مجھے کیا کرنا ہے۔"

ہرقل نے کہا۔ "اگر قدرت کو ہماری بھلائی مقصود ہے تو ہمیں یقین ہے کہ آپ اپنی مہم میں کامیاب ہوں گے۔ ہمیں صرف اس بات کا ملال ہے کہ ہم اس سے قبل آپ تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔"

سین نے کہا۔ "مجھے کسریٰ کا یہی حکم تھا کہ میں صلح کے لیے کوئی گفت گو نہ کروں۔ اور یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ آپ کی طرف سے ایک ایسا آدمی صلح کا پیغام بر بن کر آئے گا جسے دیکھ کر میں اپنے شہنشاہ کی حکم عدولی پر آمادہ ہو جاؤں گا ——— یہاں میرا ایک چھوٹا سا خیمہ آپ کی شان کے شایاں نہیں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ خود تشریف لا رہے ہیں۔ تو میں اس سے کوئی بہتر انتظام کرتا۔ بہر حال اب آپ وہیں تشریف لے چلیں۔"

ایک سفید ریش بزرگ صورت آدمی نے کہا۔ "خدا نے آپ کو ایک عظیم کام کے لیے منتخب کیا ہے۔ آپ اس حاکم کی منشا پر چل رہے ہیں جس کے سامنے دنیا کے کسی حکمران کو سر اٹھانے کی مجال نہیں۔ دنیا کے

لاکھوں مظلوم اور بےبس انسانوں کی دعائیں آپ کے ساتھ ہوں گی۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ ناکام نہیں لوٹیں گے۔"

یہ عمر رسیدہ آدمی قسطنطنیہ کا اسقفِ اعظم سرجیس تھا اور سین کو اُسے پہچاننے میں زیادہ دیر نہ لگی ——— وہ اچانک دو زانو ہو کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ "مقدس باپ میرے لیے دعا کیجیے۔ میں یقین اور اعتماد کی نعمتوں سے محروم ہو چکا ہوں۔ اور مجھے معلوم نہیں کہ میری منزل کہاں ہے؟"

سرجیس نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میرے بیٹے! میں دعا کرتا ہوں کہ باپ بیٹا اور رُوح القدس تمہاری راہنمائی کریں۔ اور تم ستم رسیدہ، مایوس اور بددل انسانوں کو امن کا پیغام دے سکو۔"

سین اٹھ کر ہرقل سے مخاطب ہوا۔ "چلیے عالیجاہ! یہاں ایک چھوٹا سا خیمہ آپ کے شایانِ شان تو نہیں۔ بہر حال وہاں ہم زیادہ اطمینان سے باتیں کر سکیں گے۔" ہرقل نے کہا۔ "چلیے، لیکن میں زیادہ دیر آپ کے پاس نہیں ٹھہر سکوں گا۔ طلوعِ سحر سے قبل میرا واپس پہنچ جانا ضروری ہے۔"

تھوڑی دیر بعد وہ خیمے کے اندر داخل ہوئے۔ اور سب لوگ ادب کے ساتھ ہرقل کے سامنے بیٹھ گئے خیمے کے اندر کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔ بالآخر سین نے کہا۔ "عالیجاہ! موجودہ حالات میں صرف آپ کے ایلچی کو کسریٰ کے دربار تک پہنچانے کا ذمہ لے سکتا ہوں۔ لیکن میری سب سے بڑی الجھن یہ ہے کہ صلح کے لیے کسریٰ کی شرائط بہت سخت ہوں گی۔ میں ایک سپاہی کی حیثیت میں انہیں یہ سمجھانے کی ہر امکانی کوشش کروں گا کہ ہمارے لیے جنگ کی طوالت سود مند نہیں ہو گی۔ لیکن صلح کی شرائط کو نرم کرنا یا آپ کے لیے قابلِ قبول بنانا میرے بس کی بات نہیں ہو گی۔"

"یہ بات ہمیں معلوم ہے اور ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتے کہ ہمارے ایلچی کو کسریٰ کے سامنے ہمارے احساسات کی ترجمانی کا موقع مل جائے۔ موجودہ حالات میں ہمارے ایلچی کو تمہارے شہنشاہ سے رحم کی بھیک مانگتے ہوئے بھی شرم محسوس نہیں ہو گی ——— اور ہم اسے ہر قیمت پر صلح کرنے کے مکمل اختیارات دے کر آپ کے ساتھ روانہ کریں گے۔ ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ یہاں سے کب تک روانہ ہوں گے۔"

سین نے جواب دیا۔ "میں دو دن کے اندر اندر تیار ہو جاؤں گا۔ اور اس عرصہ میں آپ اپنے ایلچی کو میرے پاس بھیج سکتے ہیں۔"

ہرقل نے ایک معمر آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہمارا ایلچی یہاں موجود ہے۔ ان کا نام سائمن ہے۔ میرے انتہائی قابل اعتماد دوست ہیں۔ میں تمہارے سامنے انہیں یہ ہدایت کرتا ہوں کہ ایران کے ساتھ صلح کرنا ہمارے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے اور ہم اس کے لیے آخری حد تک جانے کے لیے تیار ہیں۔ کلاڈیوس اور ولیریس بھی اس کے ساتھ جائیں گے۔ کسریٰ کے لیے چند تحائف ہماری کشتی میں پڑے ہوئے ہیں۔"

سین نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "اگر یہ لوگ ناکام لوٹے تو میرا انجام بھی شاید زیادہ قابلِ رشک نہ ہو میں آپ سے صرف یہ وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ آپ آبنائے باسفورس کے پار میری بیوی اور بیٹی کو سر چھپانے کے لیے کوئی جگہ دے سکیں گے۔"

ہرقل نے جواب دیا۔ "اگر یہ لوگ ناکام لوٹے تو آبنائے باسفورس کے پار ہمارا کوئی شہر یا بستی محفوظ نہیں ہوگی۔ اگر ایرانیوں کی تلواریں ہماری شاہرگ تک نہ پہنچ سکیں تو شمال مغرب سے وحشی قبائل ہمیں اپنے گھوڑوں تلے روند رہے ہوں گے۔ اگر خدا نے ہمیں مکمل تباہی کے لیے پیدا نہیں کیا تو یہ لوگ ناکام نہیں لوٹیں گے۔ اب صرف پرویز کی انسانیت اور رحم دلی ہم سب کا آخری سہارا ہے۔ اور اگر پرویز اس درجہ مغرور ہو چکا ہے کہ ہم ہار مان کر بھی اسے متاثر نہیں کر سکتے تو ہمیں یہ دعا کرنی چاہیے کہ خدا ہمارے لیے موت کے دروازے کھول دے اور ہمیں ذلت اور رسوائی کی اس زندگی سے نجات دے۔"

"نہیں نہیں"۔ سرجیس نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ "ہمیں دعا کرنی چاہیے کہ قیصر کو ظلم کی ان اندھی طاقتوں کے خلاف سینہ سپر ہونے کی ہمت دے۔ جو برسوں سے قدرت کے انتقام کو پکار رہی ہیں۔ جب ظلم اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو بالآخر قدرت کی ان دیکھی اور ان جانی قوتیں ایک ایسے طوفان کی طرح نمودار ہوتی ہیں جو سنگلاخ چٹانوں کو تنکوں کی طرح بہالے جاتا ہے۔ خدا کسی بے بس اور مجبور انسان کو یقین اور ایمان کی نعمتوں سے سرفراز کرتا ہے اور اس کے کمزور ہاتھ ظالم اور جابر شہنشاہ کے تاج نوچ لیتے ہیں۔ اگر کسریٰ کے ساتھ صلح کی تمام تدبیریں ناکام ہو جائیں تو ہمیں صرف یہ دعا کرنی چاہیے کہ خدا قیصر کو ایک ایسے حکمران کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق دے۔ جن پر لاکھوں انسانوں کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کی ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔"

ہرقل نے سین سے مخاطب ہو کر کہا۔ "آپ پرویز کو میری طرف سے یہ پیغام دے سکتے ہیں کہ اگر میرے لیے ایران کے راستے بند نہ ہوتے اور مجھے یہ اطمینان ہوتا کہ میرا اعترافِ شکست اسے رحم پر آمادہ کر سکتا ہے تو میں ننگے سر اس کے دربار میں حاضر ہونے سے دریغ نہ کرتا۔ اب میں ایک چور کی طرح اس کے سپہ سالار تک رسائی حاصل کی ہے۔ لیکن اگر میرا یہ اقدام اس کے غرور کی تسکین کے لیے کافی نہ ہو تو میں اپنی رہی سہی سلطنت کی مکمل تباہی دیکھنے کی بجائے اس کے سامنے سرنگوں ہونا زیادہ آسان سمجھتا ہوں۔ میں کسریٰ سے اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس نہیں مانگتا۔ میری درخواست صرف یہ ہے کہ آبنائے باسفورس کے پار میری رہی سہی سلطنت کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ میں اطمینان سے خونخوار قبائل کا سامنا کر سکوں۔"

سین نے کہا۔ "میں نے آپ کے ایلچی کو کسریٰ کے دربار میں پیش کرنے کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ اور میں اسے پورا کروں گا۔ پھر اگر مجھے اپنی طرف سے کچھ کہنے کا موقع ملا تو میری کوشش یہی ہوگی کہ کسریٰ آبنائے باسفورس عبور کرنے کا ارادہ ترک کر دے۔ لیکن اپنی کامیابی کے متعلق میں بہت زیادہ پر امید نہیں ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ مجوسی کاہن میرے عزائم کے متعلق سنتے ہی ایک طوفان کھڑا کر دیں گے۔ تاہم میں آپ کے ساتھ ایک وعدہ کر سکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اگر مجھے اس مہم میں ناکامی ہوئی تو آپ مجھے ایرانی لشکر کے سپہ سالار کی حیثیت سے اس محاذ پر نہیں دیکھیں گے۔"

ہرقل نے کلاڈیوس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میرے خیال میں ہماری ملاقات کا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ میں اب سین سے کچھ اور کہنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ تم جہاز سے تحائف کا صندوق لے آؤ۔ ہمارے لیے طلوعِ سحر سے قبل واپس پہنچنا ضروری ہے۔"

کلاڈیوس نے عاصم کی طرف دیکھا اور وہ دونوں اٹھ کر خیمے سے باہر نکل گئے ایک ساعت بعد ہرقل نے کشتی پر سوار ہو کر اپنے جہاز کا رخ کیا۔ سین کچھ دیر سمندر کی طرف دیکھتا رہا۔ اور پھر جب کشتی رات کی تاریکی میں روپوش ہو گئی تو اس نے سائمن کے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "میرے خیال میں اب ہمارے لیے قلعے میں پہنچ کر آرام کرنا بہتر ہوگا۔ آپ کے لیے گھوڑے موجود ہیں اور میرے آدمی آپ کا سامان لے آئیں گے۔ آپ کو اتنی بے آرامی کے بعد سفر کرنے میں تکلیف تو نہیں ہوگی؟"

سائمن نے جواب دیا۔ "ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔"

سین نے ایک سپاہی کو گھوڑے لانے کا حکم دیا، اور پھر چند ثانیے توقف کے بعد سائمن سے مخاطب ہو کر کہا "میرے ساتھ سفر کرتے ہوئے آپ سے کوئی یہ پوچھنے کی جرأت نہیں کرے گا کہ آپ کون ہیں۔ تاہم جب تک آپ کسریٰ کے سامنے پیش نہیں ہوتے۔ آپ کو ہر ممکن احتیاط سے کام لینا پڑے گا۔ آپ اناطولیہ کے یہودی تاجروں کے بھیس میں میرے ساتھ سفر کریں گے۔ آپ کے لیے مناسب لباس کا انتظام کر دیا جائے گا۔"



فسطینہ قلعے کی فصیل پر کھڑی باہر کی سمت ٹیلوں اور وادیوں میں بل کھاتی ہوئی سڑک کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اچانک حدِ نگاہ پر ایک ٹیلے کی اوٹ سے چند سوار نمودار ہوئے اور اس کی ساری حسیات سمٹ کر نگاہوں میں آگئیں۔ کچھ دیر بعد اچانک اس کا مغموم چہرہ مسرت سے چمک اٹھا۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ عاصم ان کے ساتھ تھا۔ اس کی رات بھر کی دعائیں قبول ہو چکی تھیں اور وہ تشکر کے آنسوؤں سے بھیگی ہوئی مسکراہٹوں کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ نیچے اترنے کے ارادے سے زینے کی طرف بڑھی۔ اچانک کچھ سوچ کر رک گئی۔ پھر واپس مڑ کر برج کے ایک ستون کی آڑ سے باہر جھانکنے لگی۔ سوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے قلعے کے اندر داخل ہوئے تھوڑی دیر بعد فیروز ہانپتا ہوا زینے سے نمودار ہوا۔ اور اس نے کہا۔ "بیٹی وہ آگئے ہیں۔ عاصم بھی ان کے ساتھ ہے اور تمہاری امی تمہیں بلاتی ہیں۔"

فسطینہ، فیروز کے ساتھ نیچے اتری تو سین رہائشی مکان کے برآمدے میں کھڑا اس کی ماں سے کہہ رہا تھا "میرے مہمان بھوکے ہیں۔ آپ فوراً کھانا بھجوانے کا انتظام کریں اور اگر آپ نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا تو ہم سب ایک جگہ بیٹھ کر کھائیں گے۔"

یوسیبیا نے کہا "ناشتا تیار ہے اور ہم آپ کا انتظار کر رہے تھے۔"

"فسطینہ کہاں ہے؟"

"وہ آپ کے پیچھے کھڑی ہے۔"

سین نے مڑ کر دیکھا اور فسطینہ آگے بڑھ کر اپنے باپ سے لپٹ گئی۔

یوسیبیا نے سوال کیا۔ "آپ نے عاصم کو قسطنطنیہ کیوں نہیں بھیجا؟"

"اُسے وہاں بھیجنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ رات قیصر سے میری ملاقات ہو گئی۔"

"کہاں؟"

"سمندر کے کنارے میرے خیمے میں ان کی آمد خلافِ توقع تھی۔ ورنہ میں ان کے لیے کوئی بہتر انتظام کرتا۔ اُ سیں بھی اپنے ساتھ لے جانا۔ اب تم ان کے ایلچی سے ملاقات کرو گی۔ اور میں دو تین دن کے اندر اندر ان کے ساتھ ست گرد روانہ ہو جاؤں گا۔ آپ میرے ساتھ نہیں جا سکیں گی۔ اور میرا ارادہ تھا کہ عاصم کو آپ کے پاس چھوڑ ؤں لیکن وہ میرے ساتھ جانے پر بضد ہے اور میں بھی یہ محسوس کرتا ہوں کہ شاید سفر میں مجھے اس کی ضرورت پڑے وجودہ حالات میں میرے لیے عاصم سے زیادہ قابلِ اعتماد ساتھی کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ تمہیں یہاں چھوڑ کر جانا میرے یے بے حد صبر آزما ہو گا۔ لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ایران کی نسبت یہ جگہ تمہارے لیے زیادہ محفوظ ہو گی۔ اور ویسے ئی مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ میں تم کو ساتھ لے جا کر مجوسی کاہنوں کو چڑانے کی کوشش نہ کروں۔ اب تم کھانا لگواؤ یں مہمانوں کو ساتھ لے کر آتا ہوں۔"

سین یہ کہہ کر واپس مڑا۔ اور تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا مہمان خانے کی طرف چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد سین اور مہمان دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ یوسیبیا اور فسطینہ کمرے میں داخل ہوئیں اور وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ فسطینہ اپنی ماں کے اصرار پر اپنا بہترین لباس پہن کر آئی تھی اور رومیوں کی مرعوب اور خاموش نگاہیں اسے خراجِ تحسین پیش کر رہی تھیں۔

سین نے رومی مہمانوں سے ان کا تعارف کرانے کے بعد یوسیبیا کو اپنے دائیں اور فسطینہ کو بائیں ہاتھ بٹھا لیا۔

فسطینہ کھانے کے دوران کبھی کبھی دزدیدہ نگاہوں سے عاصم کی طرف دیکھتی اور اس کے خوبصورت چہرے پر یا کی سرخی دوڑ جاتی۔ یوسیبیا دسترخوان پر بیٹھتے ہی اپنے رومی مہمانوں سے بے تکلف ہو چکی تھی۔ بار بار اس بات پر ظہارِ افسوس کر رہی تھی کہ وہ قیصر اور اسقفِ اعظم کی قدم بوسی کی سعادت حاصل نہ کر سکی۔

اچانک کلاڈیوس نے فسطینہ کی طرف متوجہ ہو کہا۔ "مجھے آپ سے مل کر جو خوشی حاصل ہوئی ہے وہ میں بیان

نہیں کرسکتا۔ ایک اجنبی ہونے کے باوجود میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ آپ کے متعلق آپ کے والدین اور عاصم کے بعد میری معلومات سب سے زیادہ ہیں۔"

عاصم نے اپنے دل میں ناخوشگوار دھڑکنیں محسوس کیں۔ اور وہ سراپا احتجاج بن کر کلاڈیوس کی طرف دیکھنے لگا اس نے عاصم کی طرف توجہ دیئے بغیر اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "بابلیون سے لے کر صحرائے نوبہ تک اور پھر نوبہ سے قسطنطنیہ تک ہمارا سفر بہت طویل تھا۔ ہم نے سینکڑوں دن اور سینکڑوں راتیں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے گزاری ہیں۔ اور عاصم کی گفت گو کے بہت کم لمحات آپ کے ذکر سے خالی ہوتے تھے۔"

یوسیبیا مضطرب ہو کر کبھی اپنے شوہر اور کبھی عاصم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ تاہم سین کے چہرے سے اندازہ کرنا مشکل تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔ اچانک فسطینہ نے گردن اٹھائی اور ایک غیر متوقع اطمینان کے ساتھ کہا۔ "آپ کے دوست کو ہمارے ساتھ باتیں کرنے کا زیادہ موقع نہیں ملا تاہم آپ ہمارے لیے اجنبی نہیں ہیں۔ ان کی بیشتر گفت گو آپ کے متعلق تھی۔ ہمارے لیے فرمس اور ان کی بیٹی بھی اجنبی نہیں۔"

ولیریس نے قدرے جرأت سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے بھی عاصم کا دوست ہونے کا فخر حاصل ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ انہوں نے مجھے قابل ذکر نہیں سمجھا ہوگا۔"

فسطینہ مسکرائی۔ "نہیں، میں آپ کے متعلق بھی بہت کچھ سن چکی ہوں۔"

سین نے اپنی بیوی کی پریشانی سے متاثر ہو کر کہا۔ "ہم عاصم کے شکر گزار ہیں کہ اس نے بدترین حالات میں بھی ہمیں فراموش نہیں کیا۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "آپ کو فراموش کرنا عاصم کے بس کی بات نہ تھی۔ ہماری کے ایام میں ان کی باتوں سے مجھے بارہا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ زندگی کے ساتھ ان کا رشتہ فقط آپ کی یاد تک محدود ہے۔ بحری سفر کے دوران میری بیوی مجھ سے اکثر یہ کہا کرتی تھی کہ وہ لوگ جو عاصم کو اس قدر عزیز ہیں یقیناً عام انسانوں سے مختلف ہوں گے۔ اور آپ کو دیکھ کر میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس کا خیال غلط نہیں تھا۔"

عاصم انتہائی اضطراب کی حالت میں کلاڈیوس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن کلاڈیوس اس کی نگاہوں کے خاموش احتجاج کی طرف توجہ دینے کی بجائے اپنے میزبانوں کو اور زیادہ متاثر کرنے کے لیے عاصم کے ساتھ اپنی رفاقت

کے ایام کے مختلف واقعات سنا رہا تھا۔ بالآخر عاصم نے کہا۔ "میرے خیال میں اب ہم سب کو آرام کی ضرورت ہے۔" اور یہ لوگ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد مہمان خانے کے ایک کمرے میں عاصم کو تنہائی میں کلاڈیوس سے باتیں کرنے کا موقع ملا، تو اس نے بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کو سین کے سامنے میری بیچارگی اور بے بسی کی تصویر کھینچنے کی ضرورت نہ تھی۔"

کلاڈیوس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "عاصم میں نے صرف ایک دوست کا فرض ادا کیا ہے اور تمہیں یہ محسوس نہیں کرنا چاہیے کہ وہ لوگ میری باتوں سے کوئی غلط نتیجہ اخذ کریں گے۔ سین ایک حقیقت پسند آدمی ہے، اور وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتا کہ تمہارے متعلق اس کی بیٹی کے جذبات کیا ہیں۔ آج چند باتوں سے مجھے یہ اطمینان ہو گیا ہے کہ اب میں ان کے ساتھ تمہارے اور فسطینہ کے مستقبل کے متعلق کھل کر بات کر سکتا ہوں۔"

"تم ان سے کیا کہنا چاہتے ہو؟" عاصم نے اور زیادہ مضطرب ہو کر سوال کیا۔

"میں ان سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ عاصم اور فسطینہ ایک دوسرے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔"

"نہیں نہیں، ابھی ان باتوں کا وقت نہیں آیا۔ میں اس وقت سین کی بیٹی کو ایک ویران دنیا اور غیر یقینی مستقبل کے سوا اور کیا دے سکتا ہوں؟"

"تم اپنے دل کی وسعتوں میں اس کے لیے وہ عشرت کدے تعمیر کر سکتے ہو جو ایک عورت کو مرمریں ایوانوں سے زیادہ دلکش محسوس ہوتے ہیں۔ اور فسطینہ جسے میں نے آج دیکھا ہے ایران کے سپہ سالار کی بیٹی ہونے کے باوجود صرف ایک عورت تھی۔ وہ تمہاری طرف اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے قیصر اور کسریٰ کے سارے خزانے تمہارے قدموں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور اس کے والدین یہ جانتے ہیں کہ وہ تمہارے سوا کسی اور کی طرف نہیں دیکھے گی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آج تک ایران کا کوئی شہزادہ اُسے اپنے محل میں جگہ دے چکا ہوتا۔"

عاصم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "میں ڈرتا ہوں کلاڈیوس۔"

"تم اس بات سے ڈرتے ہو کہ فسطینہ تمہیں ٹھکرا دے گی؟"

"نہیں۔"

"تم سین سے ڈرتے ہو؟"

"نہیں نہیں، کلاڈیوس! میں صرف اپنے مقدر سے ڈرتا ہوں۔"

"میرے دوست تمہارا مقدر تمہیں رات کی بھیانک تاریکیوں سے نکال کر صبح کی روشنی میں لے آیا ہے اور اب تمہیں آنکھیں بند کرکے مستقبل کا راستہ ٹٹولنے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم مجھے اجازت دو تو میں سین سے بات کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"میں تمہیں منع نہیں کرسکتا۔ لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ابھی اس موضوع پر سین سے گفت گو کا وقت نہیں آیا۔ اگر ہم اس مہم سے کامیاب ہوکر واپس آئے تو میں کسی جھجک کے بغیر سین کے سامنے ہاتھ پھیلا سکوں گا۔"

سین دو دن آبنائے باسفورس کے کنارے اپنے مستقر کا معائنہ کرنے اور فوج کے افسروں کو ضروری ہدایات دینے میں مصروف رہا۔ تیسرے روز غروب آفتاب کے وقت اس نے واپس پہنچتے ہی کلاڈیوس اور اس کے ساتھیوں کو اطلاع دی کہ ہم علی الصباح یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔

چنانچہ اگلے روز طلوع آفتاب سے ایک ساعت قبل عاصم اور اس کے ساتھی ایرانی سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ قلعے کے دروازے پر کھڑے سین کا انتظار کر رہے تھے۔ اچانک فیروز بھاگتا ہوا آیا۔ اور اس نے عاصم سے کہا۔ "آقا آپ کو بلاتے ہیں۔" عاصم کچھ کہے بغیر فیروز کے ساتھ ہو لیا۔ سین قلعے کے اندر اپنے رہائشی مکان کے برآمدے میں کھڑا اپنی بیوی اور بیٹی سے الوداعی باتیں کر رہا تھا۔ عاصم اس سے چند قدم دور رک گیا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے قریب بلاتے ہوئے کہا۔ "عاصم! میں رخصت ہونے سے پہلے اپنی بیوی اور فسطینہ کی موجودگی میں تم سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ کل تک میرا یہی خیال تھا کہ میں اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد فسطینہ کے مستقبل کے متعلق کوئی فیصلہ کروں گا۔ لیکن رات بھر سوچنے کے بعد میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ شاید مجھے وہاں روک لیا جائے اور میں جلد واپس نہ آسکوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس مہم کے نتائج سراسر ہماری توقعات کے خلاف ہوں۔ اور میرے لیے واپسی کا راستہ ہمیشہ مسدود ہو جائے۔ ویسے بھی میری عمر کے آدمی کو اپنے حصہ کا کام ادھورا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اس لیے میں رخصت ہونے سے پہلے تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس دن تم واپس آئے تھے میں نے اسی دن یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ فسطینہ تمہاری ہے۔ اور اگر تم مجھے صلح کے ایلچی کی حیثیت سے دست گر

درخ کرنے پر آمادہ نہ کرتے تو آج اپنی بیٹی کی شادی میری زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ ہوتا اور میں تم سے صرف پوچھتا کہ روئے زمین کا وہ کونسا گوشہ ہے جہاں تم امن اور سکون کی زندگی بسر کر سکتے ہو ——— اب میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ کسریٰ کے دربار سے امن اور سکون کے متلاشیوں کے لیے یہ خوش خبری لیکر آؤں کہ یہ دنیا تمہاری ہے اور اس کی ساری مسرتیں تمہارے لیے ہیں۔ لیکن اگر میری یہ خواہش پوری نہ ہوئی تو میرے لیے زندگی کا آخری اطمینان یہ ہوگا کہ ان کی حفاظت کے لیے ایک قابل اعتماد ساتھی اور وفادار دوست موجود ہے۔ عاصم میں تم سے یہ وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ اگر کسی آزمائش کا وقت آیا تو تم فسطینہ اور اس کی ماں کو مایوس نہیں کرو گے۔ اور یہ تمہارے ضمیر کی روشنی میں اپنے لیے سلامتی کا راستہ تلاش کرسکیں گی۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں نے ہمیشہ اپنی شہرت اور ناموری کے لیے زندہ رہنے کی کوشش کی ہے لیکن آج جب کہ میں اپنی بیوی اور اپنی بیٹی کے لیے زندہ رہنا چاہتا ہوں، مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ میں موت کے دروازے پر دستک دے رہا ہوں۔ عاصم میرے ساتھ وعدہ کرو کہ اگر مجھے کوئی خطرہ پیش آیا تو تم ان کے پاس پہنچنے کی کوشش کرو گے اور میری بیٹی کو زندگی کی وہ راحتیں عطا کرسکو گے جو میں کسریٰ کا دوست اور ایران کا سپہ سالار ہونے کے باوجود عطا نہیں کرسکا۔"

سین کی گفت گو کے دوران عاصم کی آنکھیں بتدریج آنسوؤں سے لبریز ہو رہی تھیں۔ اور پھر جب اس نے جواب دینے کی کوشش کی تو الفاظ کی بجائے موٹے موٹے آنسوؤں کے قطرے اس کی ترجمانی کر رہے تھے۔ اس نے تشکر اور احسانمندی کے علاوہ بے بسی اور بے چارگی کے احساس سے مغلوب ہو کر کہا۔ "میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کسریٰ کے دربار میں آپ کو کیا خطرہ پیش آسکتا ہے۔ تاہم میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ فسطینہ اور اس کی والدہ کو مجھ سے کسی بدعہدی، بے وفائی یا بزدلی کی شکایت نہیں ہوگی۔"

"میں تمہارا شکر گذار ہوں۔" سین یہ کہہ کر اپنی بیوی اور فسطینہ کی طرف متوجہ ہوا ——— "اب مجھے صرف تمہاری دعاؤں کی ضرورت ہے۔"

"خدا آپ کے ساتھ ہو۔" یوسیبیا نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی چھلکتی ہوئی آنکھوں سے آنسو امڈ آئے۔

فسطینہ نے اپنی ماں کے الفاظ دہرائے اور سسکیاں لیتی ہوئی اپنے باپ سے لپٹ گئی۔ "ابا جان ! میں آپ کا انتظار کروں گی۔ آپ ضرور آئیں گے۔ شہنشاہ آپ کا دشمن نہیں ہو سکتا۔"

تھوڑی دیر بعد سین اور اس کے ساتھی گھوڑوں پر سوار ہو کر ایران کا رخ کر رہے تھے۔

باب ۳۴

پرویز اپنے عروج کی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ اس کی عظیم سلطنت بحیرۂ اسود سے لے کر صحرائے نوبہ اور کوہِ البرز سے لے کر شمالی پنجاب تک پھیلی ہوئی تھی۔ اپنے پرانے دارالسلطنت مدائن کے ساتھ اس کی زندگی کی چند تلخ داستانیں وابستہ تھیں۔ اور وہ اس پُررونق شہر کو اپنے لیے منحوس خیال کرتا تھا۔ چنانچہ آرمینیا، شام اور فلسطین میں اپنی فتوحات کے پرچم گاڑنے کے بعد اس نے دجلہ کے پار، مدائن سے کوئی ساٹھ میل شمال کی طرف اپنے لیے ایک نئے دارالحکومت کی تعمیر شروع کر دی تھی۔ اس نئے شہر کا نام دست گرد تھا اور کسریٰ نے مفتوحہ ممالک کے مالِ غنیمت اور باجگذار ریاستوں کے خراج سے جو خزانے جمع کیے تھے وہ دست گرد کی تعمیر پر صرف ہو رہے تھے۔ اس کے پاس ان قیدیوں کی کمی نہ تھی جو فنِ تعمیر میں طیبہ، بابلیون، روم، ایتھنز اور بعلبک کی عظمتِ رفتہ کی نمائندگی کرتے تھے ان قیدیوں کے خون، پسینے اور آنسوؤں اور ان کے لٹے ہوئے شہروں کی دولت سے کجکلاہِ ایران اپنے لیے وہ عظیم عشرت کدہ تعمیر کر رہا تھا جس کے سامنے پرسی پولس اور مدائن کے محل بے حقیقت نظر آتے تھے۔ دست گرد کے عظیم محل کی وسعت، دلکشی اور رعنائی کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ سنگِ مرمر کے چالیس ہزار ستون جو سونے چاندی اور ہاتھی دانت سے مزین تھے، اس کی چھتوں کو سہارا دے رہے تھے۔ دیواروں کے ساتھ تیس ہزار تصویریں آویزاں تھیں۔ بڑے گنبد کی چھت کے ساتھ ایک ہزار سنہری فانوس جھلملاتے تھے۔ تہ خانے کے ایک سو کمرے صرف قیمتی لباس اور سونے، چاندی اور جواہرات کے خزانوں کے لیے مخصوص تھے۔ اس محل کی چار دیواری کے اندر بارہ ہزار غلام اور خدمت گار موجود تھے اور تین ہزار وہ حسین و جمیل لونڈیاں تھیں جنہیں مفتوحہ ممالک سے جمع کیا گیا تھا محل سے باہر چھ ہزار مسلح سوار ہر وقت پہرہ دیتے تھے۔ شاہی رعب و جلال کی نمائش کے لیے نو سو ساٹھ ہاتھیوں

سے کام لیا جاتا تھا۔ اردگرد میلوں تک زرخیز زمین کو باغات اور شکارگاہوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اور ان وسیع شکارگاہوں میں انواع و اقسام کے وہ پرندے اور جانور جمع کیے گئے تھے، جن کے شکار سے پرویز کبھی کبھی اپنا دل بہلایا کرتا تھا۔ ایران کا مغرور اور عیاش حکمران جب کبھی دست گرد سے باہر نکلتا تھا تو اس کے سفر کا سامان بارہ ہزار اونٹوں پر لادا جاتا تھا۔

غرض ایران کے اس نئے دارالحکومت یا ایرانی حکمران کے اس بے مثال عشرت کدے کے اندر اور باہر وہ سب کچھ موجود تھا جس کی ایک جابر حکمران کو تمنا ہو سکتی تھی۔ اور جو ایک مظلوم اور بے بس رعایا اسے دے سکتی تھی۔ قصرِ شاہی سے باہر دست گرد کی بیشتر آبادی محفوظ فوج کے سپاہیوں اور حکومت کے عہدے داروں پر مشتمل تھی۔ اور کسریٰ اس نئے دارالحکومت میں اپنے آپ کو ان با اثر امراء اور مجوسی کاہنوں کی سازشوں سے محفوظ پاتا تھا۔ جو مدائن کے عوام کو اپنا آلۂ کار بنا کر حکومت کا تختہ الٹ دیا کرتے تھے۔ اس کے دل و دماغ پر اپنے باپ کے عبرتناک انجام کا یہ اثر تھا کہ وہ دنیا کے کسی انسان کو یہاں تک کہ اپنے بیٹوں کو بھی قابلِ اعتماد نہیں سمجھتا تھا۔ حکومت کے انتہائی با اختیار افسر یا فوج کے بڑے بڑے جرنیل ایک دن اس کے دربار میں عزت کی کرسیوں پر رونق افروز دکھائی دیتے اور اگلے دن کسی ادنیٰ جاسوس کی شکایت پر قید خانے کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں پہنچ جاتے۔ ایک دن ایک خوشامدی اپنی چرب زبانی کے بل بوتے پر اپنے حریفوں کو پچھاڑتا ہوا درباریوں کی اگلی صف میں جا کھڑا ہوتا اور اگلے دن اُسے کسی بڑے خوشامدی اور زیادہ چرب زبان کے لیے اپنی جگہ خالی کرنا پڑتی۔ غرض دست گرد کے امراء، کاہن اور اہلکار ایک دوسرے کے خلاف بقا کی جنگ لڑ رہے تھے۔ اور پرویز جو صرف ان لوگوں کے اتحاد کو اپنے لیے خطرناک سمجھتا تھا پوری آزادی اور اطمینان کے ساتھ ان پر حکومت کر رہا تھا۔



ایک شام سین اور عاصم اپنے رومی ساتھیوں کو دست گرد کے شاہی مہمان خانے میں چھوڑ کر کسریٰ کی محافظ فوج کے سپہ سالار تورج کی قیام گاہ میں داخل ہوئے۔ تورج سین کے ان پرانے دوستوں میں سے

تھا جنھوں نے مصائب کے دور میں کسریٰ کا ساتھ دیا تھا۔ اس نے گرمجوشی سے بغل گیر ہو کر سین کا ر مقدم کیا اور پھر کسی توقف کے بغیر ایک ہی سانس میں کئی سوال کر دیئے۔ "آپ کیسے آئے؟ آپ ذِ جنگ کے متعلق یقیناً کوئی اہم خبر لائے ہوں گے۔ آپ کچھ پریشان دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں ہنشاہ نے آپ کو واپس تو نہیں بلا لیا؟"

سین نے جواب دیا۔ "میں ایک ضروری کام سے آیا ہوں اور کسی تاخیر کے بغیر شہنشاہ کی خدمت ں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔"

تورج، سین کا ہاتھ پکڑ کر ایک کشادہ کمرے میں لے گیا اور عاصم ان کے پیچھے ہو لیا۔ وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے اور تورج نے کہا۔ "میں ابھی محل کے داروغہ کو اطلاع بھجوا دیتا ہوں۔ لیکن اگر آپ محاذِ جنگ سے کوئی بری اطلاع لے کر آئے ہیں تو میں آپ کو رات کے وقت انھیں پریشان کرنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ اس وقت وہ رقاصاؤں، گویوں اور نقالوں کے ساتھ جی بہلا رہے ہوں گے۔"

سین نے جواب دیا۔ "اس وقت میں بھی آرام کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ محل کے داروغہ کو صبح کے وقت اطلاع دینا زیادہ موزوں ہو گا۔"

تورج نے سوال کیا۔ "آپ نے محاذِ جنگ کے متعلق کچھ نہیں بتایا؟"

"میں محاذِ جنگ کے متعلق کوئی نئی خبر لے کر نہیں آیا۔ ابھی تک آبنائے باسفورس ہمارے لشکر اور قسطنطنیہ کے درمیان حائل ہے۔"

"تو پھر آپ کی آمد میرے لیے ایک معما ہے۔ آپ اپنی مرضی سے تشریف لائے ہیں یا کسریٰ نے آپ کو حاضری کا حکم بھیجا تھا۔"

"میں اپنی مرضی سے آیا ہوں۔"

"معاف کیجئے میں آپ کے ساتھی کو پہچان نہیں سکا۔ یہ کون ہیں؟" تورج نے عاصم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ ایک عرب ہیں۔ اور ان کا نام عاصم ہے۔ یہ فلسطین اور مصر کی جنگوں میں ہمارا ساتھ دے

چکے ہیں۔ اور میں ان کی دوستی پر فخر کر سکتا ہوں۔"

تورج نے کہا: "معلوم ہوتا ہے کہ آپ کوئی اچھی خبر لے کر نہیں آئے۔"

عاصم نے کہا: "میں قیصرِ روم کی طرف سے صلح اور دوستی کی پیشکش لے کر آیا ہوں ——— اس کے ایلچی مہمان خانے میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور کسریٰ کے ساتھ ان کی ملاقات کے بعد دوست گرد میں میرا کام ختم ہو جائے گا۔"

تورج کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا۔ وہ کچھ دیر ایک سکتے کے عالم میں عاصم کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا: "قیصر کے ایلچی مہمان خانے میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور آپ نے انھیں شہنشاہ کے سامنے پیش کرنے کی ذمہ داری قبول کی ہے؟"

"جی ہاں میں انھیں اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں۔"

"میں اس سے بڑی حماقت کا تصور نہیں کر سکتا۔"

سین نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا: "اگر یہ حماقت ہے تو اس کے نتائج میری ذات تک محدود رہیں گے۔ میں کسی دوست کو اپنے جرم میں حصہ دار نہیں بناؤں گا۔ آپ یہ بھول جائیں کہ میں نے آپ سے قیصر کے ایلچیوں کا ذکر کیا ہے؟"

"لیکن شاہی مہمان خانے میں انھیں کیسے جگہ مل گئی؟"

"آپ پریشان نہ ہوں۔ شاہی مہمان خانے کے منتظمین نے انھیں صرف تاجروں کے بھیس میں دیکھا ہے اور جو تاجر کسریٰ کے لیے تحائف لے کر آتے ہیں۔ ان کے متعلق زیادہ چھان بین نہیں کی جاتی۔"

"اور آپ کسریٰ کو یہ اطلاع دینا چاہتے ہیں کہ یہ تاجر درحقیقت قیصر کے ایلچی ہیں۔"

"ہاں اور آپ کی تسلی کے لیے میں اپنی مہم کی تمام تفصیلات بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ آپ میرے رازدار ہیں۔ میں اپنے عزیز ترین دوست کو ان معاملات سے الگ تھلگ رکھنا چاہتا ہوں۔"

"بہت اچھا سنائیے۔ شاید اس کے بعد میں آپ کو کوئی نیک مشورہ دے سکوں۔"

سین نے مختصراً قیصر کے ساتھ اپنی ملاقات کی روئداد بیان کر دی۔ لیکن احتیاطاً اس سارے قصے سے عاصم کا تذکرہ حذف کر دیا اور اس کی جگہ قیصر کے ایک ایلچی کا نام لے دیا۔

جب اس نے اپنی روئداد ختم کی تو تورج کچھ دیر بے حس و حرکت بیٹھا اس کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا: "سین اگر میں اس وقت خواب نہیں دیکھ رہا اور تم واقعی میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہو ——— اگر قیصر کا کوئی ایلچی تمھارے پاس تھا اور قیصر سے تمھاری ملاقات ہوئی تھی اور اگر تم مجھے اپنا دوست اور خیر خواہ سمجھتے ہو تو میرا مشورہ ہے کہ تم جس راستے سے یہاں آئے ہو اسی راستے واپس چلے جاؤ۔ میں بھی تمھاری طرح جنگ جاری رکھنے کے حق میں نہیں ہوں۔ ہم قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لیے جتنے سپاہیوں کی قربانی دیں گے وہ ہمارے لیے کئی اور ملک فتح کر سکتے ہیں، لیکن کسریٰ کے سامنے امن اور صلح کی تجاویز پیش کرنا ایک حماقت ہے۔ کاش تمھیں یہ معلوم ہوتا کہ اس میں کتنی تبدیلی آ چکی ہے وہ اپنی مرضی کے خلاف کوئی نصیحت یا مشورہ سننا پسند نہیں کرتا ——— یہاں اجازت کے بغیر تمھاری آمد بھی اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہوگی۔"

سین نے اٹھتے ہوئے جواب دیا: "مجھے افسوس ہے کہ میں نے یہاں آکر آپ کو پریشان کیا۔ میں اب آپ کو تکلیف دینے کی بجائے مہمان خانے میں قیام کروں گا۔ اور یہ بات کسی پر ظاہر نہیں ہو گی کہ میں یہاں آیا تھا۔ لیکن کسریٰ کے پاس ضرور جاؤں گا۔"

تورج زخم خوردہ سا ہو کر اٹھا اور سین کا ہاتھ پکڑ کر اسے زبردستی کرسی پر بٹھاتے ہوئے بولا: "میرے دوست! میرا یہ مطلب نہ تھا تم میرے پاس ٹھہرو گے ——— اور میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ سمجھتے ہوئے بھی تمھاری تائید کروں گا کہ تم غلطی کر رہے ہو۔"

عاصم نے جواب دیا ——— "نہیں، ہم صرف اس شرط پر آپ کے پاس ٹھہریں گے کہ آپ اس معاملہ سے بے تعلق رہیں۔"

"اگر تمھاری خوشی اسی بات میں ہے تو مجھے یہ شرط منظور ہے۔"

تھوڑی دیر بعد یہ لوگ ایک پُر تکلف دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے اور تورج اپنے دوست کے ساتھ اس زمانے کی باتیں کر رہا تھا جب انھوں نے پرویز کے ساتھ فرار ہو کر روم کے ایک سرحدی قلعے میں پناہ لی تھی۔



اگلے دن سین شاہی ایوان کے ایک کشادہ کمرے میں اپنے فرمانروا کی مسند کے سامنے کھڑا تھا پرویز کے دائیں ہاتھ دو حسین و جمیل لونڈیاں سونے کی صراحی اور ساغر اٹھائے کھڑی تھیں۔ محل کا داروغہ چند اہل کار اور مسلح سپاہی سین سے چند قدم پیچھے دروازے کے قریب کھڑے تھے پرویز نے کچھ دیر اپنی سفاک نگاہوں سے سین کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے دائیں طرف دیکھ کر ہاتھ سے اشارہ کیا اور ایک لونڈی نے سنہری طشت جس میں ارغوانی شراب کا ساغر چھلک رہا تھا، آگے بڑھا دیا۔ پرویز نے جواہرات سے مرصع ساغر اٹھا کر شراب کے چند گھونٹ پیئے اور اسے دوبارہ طشت میں رکھتے ہوئے سین کی طرف متوجہ ہوا۔

"جہاں تک ہمیں علم ہے تمھیں قسطنطنیہ فتح کرنے سے پہلے اپنا محاذ چھوڑنے کی اجازت نہ تھی اگر ہماری حکم عدولی کی وجہ یہ ہے کہ تم کوئی خوشی کی خبر لائے ہو تو تمھیں کل یہاں پہنچتے ہی ہمارے سامنے پیش ہونا چاہیے تھا"

سین نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "عالیجاہ! یہ غلام آپ کی حکم عدولی کا خیال بھی اپنے دل میں نہیں لا سکتا۔ میں ایک اہم خبر لایا ہوں۔ میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ میرا کسی تاخیر کے بغیر حضور کی قدم بوسی کیلئے حاضر ہونا ضروری ہے"

پرویز نے کہا۔ "قسطنطنیہ کی فتح کے سوا ہمارے لیے کوئی اور خبر اہم نہیں ہو سکتی۔"

"عالیجاہ! میں شرمسار ہوں کہ میں قسطنطنیہ کی فتح کا مژدہ لے کر نہیں آیا۔ لیکن میں آپ کو یہ خوشخبری دے سکتا ہوں کہ ہم نے جس مقصد کے لیے تلوار اٹھائی تھی وہ حاصل ہو چکا ہے۔ قیصر ہار مان چکا ہے اور وہ مزید تباہی سے بچنے کے لیے ہماری ہر شرط ماننے کے لیے تیار ہے۔ اگر اس کے لیے دست گرد کا راستہ مسدود نہ ہوتا تو وہ بذاتِ خود یہاں پہنچ کر آپ سے صلح کی بھیک مانگتا۔"

کسریٰ کی حالت اس درندے کی سی تھی جو زخم کھانے کے بعد گہری نیند سے بیدار ہوا ہو۔ اس نے

بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "ہم نے تمھیں قیصر کو پا بہ زنجیر یہاں لانے کا حکم دیا تھا اور تم اس کے ایلچی بن کر آگئے ہو — تمھیں یہ جرأت کیسے ہوئی؟"

"عالیجاہ! میں کئی سال کی ناکام کوششوں کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہم آبنائے باسفورس کا پانی ایرانی سپاہیوں کے خون سے سرخ کیے بغیر قسطنطنیہ پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ اگر اس جنگ کا مقصد ایران کا لوہا منوانا ہے تو ہمیں یہ مقصد حاصل ہو چکا ہے۔ اگر قیصر ایران کے ایک ادنیٰ باجگزار کی حیثیت سے آپ کی پناہ میں آجائے اور اسے آپ کی شرائط منظور ہوں جو کسی شکست خوردہ دشمن کی شہ رگ پر تلوار رکھ کر منوائی جا سکتی ہے تو مجھے ایسی جنگ جاری رکھنے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا جس کے نتائج کے متعلق سرِ دست کوئی بات پورے یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی — رومیوں کی موجودہ بے بسی کی وجہ یہ ہے کہ ان کی شمال مغربی سرحدوں پر وحشی قبائل نے تباہی ا بربادی کا ایک طوفان بپا کر رکھا ہے اور وہ ہلاکت سے بچنے کیلئے ہماری پناہ میں آنا چاہتے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ وحشی ہمیشہ کے لیے ان کے دشمن بنے رہیں۔ قیصر ہم سے مایوس ہو کر ان کی طرف دیکھے گا اور یہ ممکن ہے کہ کسی دن وہ آپس میں صلح کر لیں اور ہمیں ان کی متحدہ قوت کا سامنا کرنا پڑے۔ شاید آپ کو یہ علم نہ ہو کہ ایرج جو خاقان کے پاس دوستی کا پیغام لے کر گیا تھا۔ ان کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے۔"

کسریٰ نے اضطراب کی حالت میں ساقی کے طشت سے شراب کا جام اٹھایا اور جلدی سے خالی کرنے کے بعد کہا۔ "یہ ناممکن ہے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا، خاقان میں یہ جرأت نہیں ہو سکتی۔"

"عالیجاہ! اگر آپ کو یقین نہیں آتا۔ تو میں اس شخص کو آپ کے سامنے پیش کر سکتا ہوں جس نے اپنی آنکھوں سے اسے قتل ہوتے دیکھا تھا۔"

"تم یہ سمجھتے ہو کہ ایرج کے قتل کی خبر سن کر ہم مرعوب ہو جائیں گے؟"

"نہیں عالیجاہ! میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ رومی اگر ہماری شرائط مان لیں تو ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے لیکن اوار کسی کے دوست نہیں بن سکتے۔"

پرویز نے سوال کیا۔ "تمھیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہرقل ہماری تمام شرائط مان لے گا؟"

"عالیجاہ ہرقل کے ایلچی حضور کی قدم بوسی کے لیے یہاں پہنچ چکے ہیں اور وہ صلح کی شرائط طے کرنے

کے لیے مکمل اختیارات لے کر آئے ہیں۔"

کسریٰ کی رگوں کا سارا خون سمٹ کر اس کے چہرے میں آگیا اور اس نے غصے اور اضطراب سے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "وہ کس طرح یہاں پہنچ گئے ـــــ وہ کہاں ہیں؟"

سین نے اطمینان سے جواب دیا "عالیجاہ! وہ میرے ساتھ آئے ہیں اور شاہی مہمان خانے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

کسریٰ کی نگاہیں سین سے ہٹ کر اس سے چند قدم پیچھے محل کے داروغہ پر مرکوز ہوگئیں۔ وہ لرزتا ہوا آگے بڑھا اور سراپا التجا بن کر چلّایا۔ "عالیجاہ! میں بے قصور ہوں۔ مہمان خانے کے ناظم نے مجھے صرف یہ بتایا تھا کہ سپہ سالار کے ساتھ چند متمول تاجر آئے ہیں اور وہ جہاں پناہ کو تحائف پیش کرنا چاہتے ہیں۔"

کسریٰ کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔ وہ کچھ دیر بے حس بیٹھا سین کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے سوال کیا۔ "تم کب سے قیصر کے ساتھ صلح کی بات کر رہے تھے اور تمھارے پاس اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اسے ہماری ہر شرط قبول ہوگی۔"

"عالیجاہ! اگر صرف قیصر کے ایلچی میرے پاس آتے تو میں انھیں منہ لگانے کی جرأت نہ کرتا۔ ـــــ میں اس لیے یہاں حاضر ہوا ہوں کہ قیصر بذاتِ خود آپ کے اس ادنےٰ غلام کے پاس حاضر ہوا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اگر میں نے اس کا پیغام آپ تک پہنچانے میں کوتاہی کی تو آپ شاید مجھے قابلِ معافی نہیں سمجھیں گے۔"

کسریٰ اٹھ کر کھڑا ہوگیا ـــــ ساقی نے جلدی سے آگے بڑھ کر شراب کا جام پیش کیا۔ لیکن اس نے غصّے سے ہاتھ مارا اور سنہری جام چند قدم دور جا گرا۔ چند ثانیے بعد وہ دوبارہ مسند پر بیٹھ گیا اور بولا۔ "ہرقل تمھارے پاس آیا تھا؟"

"ہاں عالیجاہ! میں جھوٹ نہیں کہتا۔ میری روانگی سے تین دن قبل سمندر کے کنارے ہماری ملاقات ہوئی تھی۔"

"جب وہ تمھارے پاس آیا تھا تو ہماری فوج کہاں تھی؟"

"فوج پڑاؤ میں تھی عالیجاہ! اور ہماری ملاقات پڑاؤ سے کچھ دور سمندر کے کنارے ہوئی تھی۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے ہرقل کے ساتھ پہلے سے خفیہ ملاقات کا انتظام کر رکھا تھا۔"

"عالیجاہ! میں نے اس کے ایلچیوں کے ساتھ ملاقات کرنا قبول کیا تھا اور ہرقل کو اس ملاقات کے بعد یہ

آنا تھا لیکن وہ انتظار نہ کر سکا اور رات کے وقت جب اس کے ایلچی میرے پاس پہنچے تو ہرقل ان کے ساتھ تھا۔"

"اور تم اسے گرفتار نہ کر سکے، تمھیں ہمارا یہ حکم یاد نہ رہا کہ ہم اسے پابہ زنجیر دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"عالیجاہ! وہ اپنے ہتھیار پھینک کر میرے پاس آیا تھا اور میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ان حالات میں آپ اس کی گرفتاری پسند فرمائیں گے۔"

"اسے یہ اطمینان تھا کہ تم اسے گرفتار نہیں کرو گے؟"

"عالیجاہ! وہ یہ جانتا تھا کہ میں ایک شہنشاہ کا خادم ہوں اور میرا شہنشاہ ایک گرے ہوئے دشمن پر ہاتھ اٹھانا پسند نہ کرے گا۔"

"تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ ایک عیسائی عورت کے شوہر سے اسے کوئی خطرہ نہیں تھا ـــــ تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ ہرقل کی محبت نے تمھیں ہمارا غدار بنا دیا تھا ـــــ"

"عالیجاہ!"

"خاموش، تم ہمیں دھوکا نہیں دے سکتے۔ ہم جانتے ہیں کہ قسطنطنیہ اب تک صرف تمھاری غداری کے باعث فتح نہیں ہوا۔ تم ابتدا سے اس جنگ کے مخالف تھے۔ ہم نے مقدس کاہنوں کے مشورہ کے خلاف تم پر اعتماد کیا اور تم نے ہمیں رعایا کے سامنے شرمسار کیا۔ اب تم واپس جا کر ہمارے دشمن سے اس غداری کا صلہ حاصل نہیں کر سکو گے۔"

سین نے سراپا التجا بن کر کہا۔ "عالیجاہ! میں غدار نہیں ہوں میرے بال آپ کی خدمت میں سفید ہوئے ہیں۔ میں نے دشمن کے کئی شہروں اور کئی قلعوں پر آپ کی فتوحات کے پرچم نصب کیے ہیں۔"

"خاموش!" پرویز بلند آواز میں چلّایا۔ "اس غدّار کو یہاں سے لے جاؤ۔ اس کی کھال اتار دو اور لاش مغربی دروازے سے باہر لٹکا دو اور دشمن کے جو جاسوس اس کے ساتھ آئے ہیں انھیں حراست میں لے لو۔"

سین سکتے کے عالم میں کھڑا تھا۔ کسریٰ کے سامنے پیش ہوتے وقت اسے یہ خدشہ ضرور تھا کہ وہ ٹھنڈے دل سے صلح اور امن کی باتیں نہیں سنے گا اپنی مہم کی ناکامی کی صورت میں وہ اپنے عہدے سے معزول ہونے کے بعد قید یا نظر بند ہونے کے لیے بھی تیار ہو کر آیا تھا تاہم یہ امید اس کا آخری سہارا تھی کہ پرویز کا غصہ عارضی ثابت ہوگا۔ اور جب جنگ کی طوالت سے اکتائے ہوئے فوجی مشیر اور مصاحب

اس کی تائید میں آواز بلند کریں گے تو وہ اس کی بیڑیاں اتارنے پر مجبور ہو جائے گا۔ بدترین حالات میں بھی ایک وحشیانہ موت کی سزا اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ وہ پرویز کی طرف اس بچے کی طرح دیکھ رہا تھا جسے طمانچہ کھانے کے بعد پیار کی توقع ہو۔ سپاہی، داروغہ اور دوسرے افسر جو وہاں موجود تھے دم بخود ہو کر کبھی سین اور کبھی پرویز کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اگر کسی اور کا معاملہ ہوتا تو وہ اس پر بھوکے درندوں کی طرح جھپٹ پڑتے لیکن ایرانی لشکر کا ایک بہادر جرنیل اور پرویز کے بچپن کا دوست اس بے بسی کی حالت میں بھی عام انسانوں سے مختلف دکھائی دیتا تھا۔

پرویز کے لیے یہ صورتِ حال غیر متوقع تھی۔ وہ چلایا۔ "دیکھتے کیا ہو، اسے لے جاؤ۔"

وہ آگے بڑھے۔ داروغہ نے سین کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ "چلیے!"

اور سین نے اچانک ایسا محسوس کیا کہ اس پر چاروں اطراف سے آگ کے دہکتے ہوئے انگاروں کی بارش ہو رہی ہے اس نے داروغہ کا ہاتھ جھٹک دیا اور بلند آواز میں چلایا۔ "ہرمز کے بیٹے! میں تمہارا اس وقت کا ساتھی ہوں جب اس دنیا میں تمہارے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ تم میری کھال اتروا سکتے ہو۔ میری بوٹیاں نوچ سکتے ہو لیکن مجھے یہ کہنے سے نہیں روک سکتے کہ تم ظالم ہو اور تمہارا انجام اپنے باپ سے مختلف نہیں ہوگا ——— تم امن کے دشمن اور انسانیت کے قاتل ہو اور مجھے مرتے وقت اس بات کا افسوس ہوگا کہ میں تمہارے مظالم میں شریک تھا۔ میں اس یقین کے ساتھ مروں گا کہ میں اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر چکا ہوں۔ اور تم اس خوف اور اضطراب کے ساتھ زندہ رہو گے کہ زندگی کا ہر سانس تمہیں ایک عبرتناک تباہی کی طرف لے جا رہا ہے اور مرتے وقت تمہاری چیخیں میری سسکیوں سے زیادہ دردناک ہوں گی۔ میں مستقبل کے افق پر ان آندھیوں کے آثار دیکھ رہا ہوں جو تمہاری سلطنت کو خس و خاشاک کی طرح اڑا لے جائیں گی ——— قانونِ قدرت میں ہر ظالم کی سزا کا دن معین ہے اور تمہاری سزا کا دن دور نہیں۔"

جس طرح سین کے لیے ایک وحشیانہ سزا کا حکم غیر متوقع تھا۔ اسی طرح سین کی یہ تقریر پرویز کے لیے غیر متوقع تھی۔ اس کا غصہ، اضطراب اور اضطراب خوف میں تبدیل ہو رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کیلئے اجنبی بن چکے تھے۔ اور وہ جو اسے گرفتار کرنے کے لیے آگے بڑھے تھے تذبذب کی حالت میں کبھی ایک اور کبھی دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پرویز جس کی قوت گویائی تھوڑی دیر کے لیے سلب ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک کپکپی لینے کے بعد چلایا۔ "اسے لے جاؤ ——— اسے لے جاؤ اور ہمیں کسی تاخیر کے بغیر اطلاع دی جائے کہ ہمارے حکم کی تعمیل ہو چکی ہے۔

آن کی آن میں سپاہیوں کی ننگی تلواریں سین کے بدن کو چھو رہی تھیں لیکن وہ اپنے گرد و پیش سے بے پروا ہو کر پرویز کی طرف دیکھ رہا تھا اور مغرور بادشاہ کو اس کی نگاہیں اس کے الفاظ سے زیادہ خوفناک محسوس ہوتی تھیں۔ داروغہ نے سین کو بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑا لیکن اس مرتبہ اس نے مزاحمت کی ضرورت محسوس نہ کی وہ مڑا اور ننگی تلواروں کے پہرے میں لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔

پرویز کے دماغ میں ابھی تک سین کے الفاظ گونج رہے تھے اس نے اپنا بھاری تاج اتار کر ایک لونڈی کے حوالے کیا اور کچھ دیر سر پکڑ کر بیٹھا رہا پھر اچانک چلانے لگا۔ "ہمیں شراب دو۔ ہمیں اتنی شراب دو کہ ہم زندگی کے سارے غم بھول جائیں ——— ہمیں یہ خاموشی پسند نہیں۔ یہاں رقص و سرود کی محفل آراستہ کرو۔ اور شراب کے دریا بہا دو ———"

اور قریباً ایک ساعت بعد جب رقص و سرود کی یہ محفل اپنے شباب پر تھی، تورج بھاگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ رقاصاؤں کے جھرمٹ سے گزر کر مسند کے قریب پہنچتے ہوئے بولا۔ "عالیجاہ! میں اس گستاخی کے لیے معذرت چاہتا ہوں لیکن شہر میں کہرام مچا ہوا ہے اور میرے لیے یہ بات ناقابل یقین ہے کہ آپ سین کی موت کا حکم دے چکے ہیں۔"

پرویز نے مدہوشی کے عالم میں اس کی طرف دیکھا اور کانپتے ہوئے ہاتھ سے اپنا جام اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یہ لو!"

تورج نے شراب کا جام اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔ "عالیجاہ! میں سین کیلئے رحم کی التجا لے کر آیا ہوں۔"

"وہ غدار ابھی تک زندہ ہے؟"

"عالیجاہ آپ اس کی جان بچا سکتے ہیں۔"

"اس کی جان اب کوئی نہیں بچا سکتا۔ تم یہاں بیٹھ جاؤ!"

"عالیجاہ!"

"بیٹھ جاؤ! یہ ہمارا حکم ہے اور تم جانتے ہو کہ ہماری حکم عدولی کی سزا کیا ہو سکتی ہے۔"

تورج انتہائی اضطراب کی حالت میں مسند سے کچھ دور بائیں طرف ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور پرویز نے کچھ دیر خاموشی سے اس کی طرف گھور گھور کر دیکھنے کے بعد کہا۔ "تمھیں ہماری شراب پسند نہیں؟"

تورج نے جلدی سے شراب کا جام خالی کرنے کے بعد کہا۔ "عالیجاہ! سین آپ کا جاں نثار ہے"

پرویز نے جھلا کر کہا۔ "یہ ابھی تک سین کا ذکر کر رہا ہے اسے اور شراب دو۔"

ایک لونڈی نے جلدی سے آگے بڑھ کر اپنی صراحی سے تورج کا خالی جام بھر دیا اور اس نے بادلِ ناخواستہ چند اور گھونٹ پی لیے۔

پرویز نے کہا۔ "ہم تمھیں سین کی جگہ قسطنطنیہ کی مہم پر بھیج رہے ہیں لیکن یہ ایسی باتوں کا وقت نہیں۔ تم جی بھر کر شراب پیو۔ پھر تمھیں سین کا خیال نہیں ستائے گا — تمھیں یہ رقص پسند نہیں آیا؟"

"مجھے یہ رقص بے حد پسند ہے عالیجاہ!" تورج نے یہ کہہ کر شراب کا جام دوبارہ منہ کو لگا لیا اور اسے خالی کرنے کے بعد ساقی کی طرف بڑھا دیا۔

تیسرا جام حلق سے اتارنے کے بعد تورج کا رنج و اضطراب دور ہو چکا تھا۔ لونڈی چوتھی مرتبہ اس کا جام بھرنے کے لیے آگے بڑھی تو تورج نے اس کے ہاتھ سے صراحی چھین لی اور یکے بعد دیگرے دو اور جام بھر کر خالی کر دیئے۔ اس عرصہ میں ایک اور لونڈی پرویز کو ایک نیا جام پیش کر چکی تھی۔ پرویز نے چند گھونٹ پینے کے بعد خمار آلود نگاہوں سے تورج کی طرف دیکھا اور کہا۔ "تم ہمارے پاس ایک غدار کے لیے رحم کی درخواست لیکر آئے تھے؟"

"نہیں عالیجاہ!" اس نے شکست خوردہ لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن تم یہ کہتے تھے کہ شہر میں کہرام مچا ہوا تھا۔"

ایک ثانیہ کے لیے تورج کے دماغ سے شراب کا نشہ اتر گیا اور اس نے خوفزدہ ہو کر کہا۔

نہیں عالیجاہ! آپ کی رعایا کسی غدار کے حق میں آواز بلند کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔"

"ہمیں صرف اس بات کا افسوس ہے کہ ہمارے کانوں تک اس غدار کی چیخیں نہیں پہنچ سکیں

لیکن معلوم ہے کہ اس نے ہمیں دھمکیاں دی ہیں؟"

"نہیں عالیجاہ! اگر میں یہاں موجود ہوتا تو اسے زبان کھولنے کا موقع نہ دیتا۔"

"تمھیں ایسے موقعوں پر غیر حاضر نہیں رہنا چاہیئے۔ تم کہاں تھے؟"

"عالیجاہ! اگر مجھے یہ علم نہ ہوتا کہ اس کے ساتھ آپ کی ملاقات تخلیہ میں ہو گی تو میں یقیناً یہاں موجود ہوتا۔"

"اب تمھیں ہمارا یہ حکم ہے کہ اگر دست گرد میں اس کا کوئی حامی نظر آئے تو اسے کسی تاخیر کے بغیر تختۂ دار پر لٹکا دو۔"

"عالیجاہ! میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا لیکن مجھے یقین ہے کہ دست گرد میں کوئی انسان آپ کے غدار کا حامی نہیں ہو سکتا۔"

پرویز نے کہا۔ "یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ دست گرد مدائن سے دور ہے اور وہاں سے ہمارے دشمن اس طرف کا رخ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اس طرف اگر مدائن کی ساری آبادی امڈ آئے تو صرف ہمارے ہاتھی انھیں کچل دینے کے لیے کافی ہوں گے۔"

"عالیجاہ! آپ کے نام کی ہیبت مسلح افواج اور ہاتھیوں سے کہیں زیادہ ہے۔"

کسریٰ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "کسی زمانے میں تم گایا کرتے تھے اور ہمیں تمھارا ایک گیت بہت پسند تھا۔"

"ہاں عالیجاہ! جب ہم نے رومیوں کے ایک سرحدی قلعے میں پناہ لی تھی تو آپ مجھ سے اکثر وہ گیت سنا کرتے تھے"

"ہم آج پھر وہ گیت سننا چاہتے ہیں۔"

"لیکن عالیجاہ! اب مجھے گانا نہیں آتا۔"

"ہم تمھیں حکم دیتے ہیں۔"

"عالیجاہ! میں آپ کے حکم کی تعمیل سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ گیت سین نے لکھا تھا۔"

پرویز نے تلملا کر کہا۔ "ہمارے سامنے اس کا نام نہ لو۔ وہ جس نے یہ گیت لکھا تھا ہمارا بچپن کا ساتھی تھا اور وہ جسے ہم نے آج موت کی سزا دی ہے ایک غدار ہے — تم گاؤ — رقص بند کر دو۔"

تورج مذبذب سا ہو کر رقاصاؤں کی طرف دیکھنے لگا۔ پرویز چلایا۔ "یہ رقص بند کر دو۔"

رقاصائیں رقص بند کر کے ایک طرف ہٹ گئیں اور تورج نے اپنی مغموم آواز میں گیت شروع

کیا۔ پردوں کے پیچھے سے اس کی لے جان لے کے ساتھ طاؤس ورباب کی تانیں بلند ہونے لگیں۔ تورج کے گیت کا مفہوم یہ تھا:

"ہم بے سروسامانی کی حالت میں مدائن سے نکلے ہیں۔
لیکن ہم اپنی فتوحات کے پرچم لہراتے ہوئے واپس آئیں گے۔
اور ایران کی تاریخ ہمارے خون سے لکھی جائے گی۔
بہرام ایک غاصب ہے اور پرویز ہمارا شہنشاہ ہے۔
نوشیرواں کا تاج صرف پرویز کے سر پر زیب دیتا ہے۔
اور ساسانیوں کی عظمت صرف اس کے دم سے قائم ہے۔
دجلہ اور فرات کی لہریں گواہ ہیں کہ ہم پرویز کے جاں نثار ہیں۔
اور روئے زمین کی آخری حد تک اس کا ساتھ دیں گے۔
ہم مدائن کے اُجڑے ہوئے ایوانوں کو دوبارہ آباد کریں گے۔
ہم اپنے خون اور آنسوؤں سے ایران کے مقدر کی سیاہی دھو دیں گے۔
ہم اپنی ہڈیوں سے پرویز کے نئے قلعے تعمیر کریں گے۔
اور ہم دنیا بھر کے تاج نوچ کر اس کے قدموں میں ڈھیر کر دیں گے۔"

تورج کی آواز اس کے قابو میں نہ تھی۔ وہ بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے اور وہ پرویز کی نگاہوں سے بچنے کے لیے سر جھکائے ہوئے تھا۔ اس نے گیت ختم کرتے شراب کا ایک جام بھرا اور منہ کو لگایا۔ آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے اس کی آنکھوں سے ٹپکے اور شراب کے جام میں جا گرے۔

پرویز بولا۔ "تورج! آج ہمیں تمہارا گیت پسند نہیں آیا۔ تمہاری آواز تمہاری صورت سے زیادہ بھونڈی ہے۔"

تورج نے بڑی مشکل سے جواب دیا۔ "عالیجاہ! مجھے اس بات کا احساس تھا کہ میری آواز آپ کو پسند نہیں آئے گی۔ میں نے صرف آپ کے حکم کی تعمیل کی تھی۔"

پرویز رقاصاؤں کی طرف متوجہ ہوا "تم کیا دیکھ رہی ہو۔ گاؤ! ناچو!"

رقاصاؤں اور مغنیوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور تھوڑی دیر بعد جب یہ محفل اپنے شباب پر تھی، محل کا داروغہ جھکتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور آگے بڑھ کر سہمی ہوئی آواز میں بولا۔ "عالیجاہ! آپ کے حکم کی تعمیل ہو چکی ہے۔"

محفل پر اچانک سناٹا طاری ہو گیا۔ رقاصائیں دم بخود ہو کر شہنشاہ کی طرف دیکھنے لگیں۔ پرویز چند ثانیے داروغہ کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اچانک اس نے شراب سے لبالب جام اپنے منہ کو لگا لیا اور ارغوانی شراب کی دھاریں اس کی باچھوں سے نکل کر اس کی قبا کو داغدار کرنے لگیں۔ پھر اس نے خالی جام دیوار کے ساتھ دے مارا اور کہا: "اس نے لوگوں کے سامنے ہماری توہین کی ہو گی۔ تمہیں کھال اتارنے سے پہلے اس کی زبان نوچ لینی چاہیئے تھی۔"

"عالیجاہ! ہم نے اسے زیادہ دیر چیخنے کا موقع نہیں دیا۔"

"اس نے ہمارے متعلق کیا کہا تھا۔"

"کچھ نہیں عالیجاہ! مرتے وقت اس کی دماغی حالت ٹھیک نہ تھی۔"

پرویز نے جھنجھلا کر کہا۔ "ہم یہ سننا چاہتے ہیں کہ اس نے کیا کہا تھا؟"

"عالیجاہ وہ یہ کہتا تھا کہ عرب کے کسی نبی کی پیش گوئی پوری ہونے کا وقت آگیا ہے۔"

"ہم تمہارا مطلب نہیں سمجھے؟"

"عالیجاہ! وہ یہ کہتا تھا کہ عرب کے نبی کی پیش گوئی کے مطابق رومی عنقریب ہم پر غالب آئیں گے۔ ایران میں ظلم کے پرچم سرنگوں ہو جائیں گے اور دست گرد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی۔ عالیجاہ! ہمارا خیال تھا کہ وہ جان دیتے وقت بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرے گا لیکن موت کے خوف سے وہ ایک دیوانے کی طرح چلا رہا تھا۔ جو لوگ اس کی چیخ و پکار سن کر وہاں جمع ہو گئے تھے انہیں اس کی غداری کے بارے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔"

"اس نے ہمارے متعلق اور کیا کہا تھا؟"

"عالیجاہ! میں اس کے الفاظ دہرانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

پرویز غضب ناک ہو کر چلّایا۔ "ہم تمھیں حکم دیتے ہیں۔"

"عالیجاہ! وہ یہ کہتا تھا کہ مجھے اپنی موت کا افسوس نہیں۔ بلکہ اس بات کا افسوس ہے کہ میں نے اپنی ساری زندگی ایک ظالم کی خدمت میں بسر کی ہے۔ آج میں اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہوں۔ لیکن مجھے یہ اطمینان ہے کہ میرے قاتل کا انجام مجھ سے زیادہ عبرتناک ہوگا — اس نے لوگوں کو بغاوت پر اکسانے کے لیے یہ بھی کہا تھا کہ ایران اپنے ظالم حکمران کی ہوسِ ملک گیری کی تسکین کیلئے ان گنت قربانیاں دے چکا ہے اور اگر تمھارے نزدیک اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے خون کی کوئی قیمت ہے تو تمھارے لیے صلح اور امن کا دروازہ کھلا ہے۔ ورنہ میں وہ وقت دیکھ رہا ہوں جب ایران کی رگوں سے خون کا آخری قطرہ بہہ چکا ہوگا۔ تم رحم کی بھیک مانگو گے۔ لیکن تمھاری التجائیں ٹھکرا دی جائیں گی — عالیجاہ! یہ ممکن تھا کہ چند احمق اس کی باتوں سے گمراہ ہو جاتے لیکن ہم نے اسے زیادہ دیر بکنے کا موقع نہیں دیا۔"

پرویز نے پوچھا۔ "وہ عرب کا نبی کون ہے جس نے ہمارے متعلق پیش گوئی کی ہے؟"

"عالیجاہ! مجھے معلوم نہیں۔ میرا خیال ہے کہ سین نے لوگوں کو مرعوب کرنے کے لیے یہ بات کہی ہوگی۔ عرب کے کئی طاقت ور قبائل ہمارے حلیف ہیں اور جب تک یمن پر ہمارا قبضہ ہے عرب کے کسی حصے کے لوگ بھی ایک ایسے نبی کے ساتھ تعاون کی جرأت نہیں کریں گے جو حضور کے متعلق اس قسم کی پیشگوئیاں کرتا ہو۔"

"ہرقل کے ایلچی ایک غدار کے انجام کو دیکھ کر بھاگ تو نہیں گئے؟"

"عالیجاہ! انھیں شاید ابھی تک یہ پتا نہیں چلا کہ سین اپنے جرم کی سزا بھگت چکا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ ابھی تک مہمان خانے میں اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک عرب ہے اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ گزشتہ رات اس نے مہمان خانے کی بجائے سین کے ساتھ تورج کے ہاں قیام کیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اس کے متعلق کچھ جانتے ہوں۔"

پرویز تورج کی طرف متوجہ ہوا اور اس کے دماغ سے اچانک شراب کا نشہ اتر گیا۔

"عالیجاہ!" اس نے عاجز ہو کر کہا۔ "میں نے سین کو حضور کا ایک وفادار خادم سمجھ کر اپنے ہاں ٹھہرایا تھا اور یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ وہ ایک غدار بن چکا ہے اور اس عرب

کے متعلق بھی مجھے سین کی زبانی یہی معلوم ہوا تھا کہ وہ فلسطین اور مصر کے معرکوں میں ہمارا ساتھ دے چکا ہے۔ سین نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ حبشہ کی مہم میں حصہ لینے والے عرب رضاکاروں کا سالار تھا۔ عالیجاہ! ایسے آدمی کے لیے آپ کا ایک جاں نثار اپنے گھر کا دروازہ بند نہیں کر سکتا تھا۔"

پرویز نے کہا۔ "ہم نے یروشلم کی جنگ کے ایام میں ایک عرب نوجوان کو سین کے ہمراہ دیکھا تھا اور شاید ہم نے اسے انعام بھی دیا تھا۔ اگر یہ وہی ہے تو اسے بھاگنے کا موقع نہیں ملنا چاہیئے۔ ہم کسی مناسب وقت پر اس سے ملاقات کریں گے ممکن ہے کہ ہمیں سین کی سازشوں کے متعلق مزید معلومات حاصل ہو سکیں۔ اگر وہ بھاگنے کی کوشش کرے تو اسے گرفتار کر لو۔"

تورج نے پہلی بار قدرے جرأت سے کام لیتے ہوئے سوال کیا۔ "عالیجاہ! قیصر کے ایلچیوں کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟"

"اس وقت ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ سر دست ہمارا یہی حکم ہے کہ ان میں سے کسی کو بھاگنے کا موقع نہیں ملنا چاہیئے۔ آج تم ایک غدار کا انجام دیکھ چکے ہو — کل ہمیں یہ اطلاع نہیں ملنی چاہیئے کہ اس کے ساتھی تمھاری آنکھوں میں دھول جھونک کر فرار ہو چکے ہیں۔"

تورج کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن پرویز کی چہیتی ملکہ اچانک عقب کے دروازے کا پردہ اٹھا کر کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے مسند کے قریب پہنچ کر تحکمانہ انداز میں کہا۔ "شہنشاہ عالی تبار کو تخلیے کی ضرورت ہے۔"

حاضرینِ مجلس پریشانی کی حالت میں کبھی پرویز اور کبھی ملکہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پرویز نے اضطراب کی حالت میں ملکہ کی طرف دیکھا لیکن اس کی نگاہوں کا احتجاج ملکہ شیریں کو متاثر نہ کر سکا! وہ قدرے برہم ہو کر چلائی۔ "تم نے سنا نہیں کہ عالم پناہ کو تخلیے کی ضرورت ہے۔"

حاضرین یکے بعد دیگرے وہاں سے کھسکنے لگے اور آن کی آن میں کمرہ خالی ہو گیا۔ ملکہ نے کرب انگیز لہجے میں سوال کیا۔ "عالم پناہ! کیا یہ درست ہے کہ آپ سین کو موت کی سزا دے چکے ہیں؟"

پرویز نے آزردہ ہو کر جواب دیا۔ "ملکہ بیٹھ جاؤ، ہمیں پریشان نہ کرو —"

"تو یہ درست ہے۔"

"ہاں یہ درست ہے لیکن ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ گستاخ کون ہے جو اس وقت تمہارے آرام میں مخل ہوا ہے۔"

ایران کی ملکہ ایسی باتوں سے بے خبر نہیں رہ سکتی۔ میرے محل کے دروازے ان لوگوں کے لیے بند نہیں ہو سکتے جو یہ محسوس کر کے میری طرف دوڑتے ہیں کہ میں ان کے حکمران کو کسی غلطی سے روک سکتی ہوں۔ عالیجاہ! مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ سین جیسے جاں نثار کی موت کا حکم دے سکتے ہیں۔"

"ملکہ تم اس غدار کے متعلق کچھ نہیں جانتیں۔ جب تمہیں سارے حالات معلوم ہوں گے تو تمہیں یہ اطمینان ہو جائے گا کہ سین کے متعلق ہمارا فیصلہ درست تھا لیکن اس وقت بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہمارے حکم کی تعمیل ہو چکی ہے۔"

"میں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ میرے شوہر کو دوست اور دشمن کی تمیز نہیں رہی۔"

"ہمیں پریشان نہ کرو شیریں، ہمیں آرام کی ضرورت ہے۔" پرویز یہ کہہ کر مسند سے اٹھا اور عقب کے کمرے کی طرف چل دیا اور شیریں کی خوبصورت آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔

باب ۳۵

جس وقت محل کا داروغہ پرویز کو سین کی موت کی اطلاع دے رہا تھا، کلاڈیوس اور عاصم شاہی مہمان خانے کے دروازے پر کھڑے آپس میں باتیں کر رہے تھے اور سائمن اور ولیریس بے چینی کی حالت میں چند قدم دور مہمان خانے کے کشادہ صحن میں ٹہل رہے تھے۔

کلاڈیوس نے کہا: "عاصم! انہیں بہت دیر ہو گئی۔ میں بہت پریشان ہوں۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اس وقت کسریٰ کے دربار میں کیا ہو رہا ہے!"

عاصم نے جواب دیا: "پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ وہ بچپن کے دوست ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ کسریٰ نے اُسے کھانے کے لیے روک لیا ہو گا۔"

"لیکن انہوں نے کہا تھا کہ اگر شہنشاہ کا طرزِ عمل حوصلہ افزا ہوا تو میں یہ کوشش کروں گا کہ تمہیں آج ہی بلا لیا جائے۔"

عاصم نے کہا: "دن کے وقت کسریٰ کی محفلیں اتنی طویل نہیں ہوتیں۔ ممکن ہے کہ سین وہاں سے فارغ ہونے کے بعد تورج کے پاس چلے گئے ہوں۔ کاش میں تمہارے پاس آنے کی بجائے وہیں ٹھہر کر ان کا انتظار کرتا!"

"تورج ان کے ساتھ نہیں گیا تھا؟"

"نہیں، تورج کو شہر سے باہر فوج کے پڑاؤ میں کچھ کام تھا۔ اس نے سین سے یہ کہا تھا کہ میں واپسی پر مہمان خانے میں تمہارے ساتھیوں سے ملاقات کروں گا۔ اب ممکن ہے کہ وہ شہنشاہ کے دربار میں چلا گیا ہو اور وہیں سے سین کو اپنے ساتھ لے کر گھر پہنچ گیا ہو۔"

" لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اگر کوئی اچھی خبر ہوتی تو وہ ہمارے پاس ضرور آتے "

عاصم نے کہا " میں تورج کے ہاں جا کر پتا کرتا ہوں۔ ممکن ہے کہ وہاں میرے لیے کوئی اطلاع آئی ہو۔ ان کا گھر شہر کی دوسری طرف ہے۔ میں گھوڑے پر جاتا ہوں!"

" میں تمہارے ساتھ چلوں گا " کلاڈیوس یہ کہہ کر عاصم کے ساتھ اصطبل کی طرف چل دیا۔ صحن سے گزرتے ہوئے وہ سائمن اور ڈیلیس کے قریب رکے اور عاصم نے کہا " ہم تورج کے گھر جا رہے ہیں ممکن ہے کہ وہ شہنشاہ سے ملاقات کے بعد وہاں پہنچ گئے ہوں "

سائمن نے کہا " عام حالات میں سین کو سیدھا ہمارے پاس آنا چاہیئے تھا۔ میرے خیال میں ہمیں ادھر اُدھر بھاگنے کی بجائے یہیں ان کا انتظار کرنا چاہیئے۔ ممکن ہے کہ ابھی تک ان کی ملاقات جاری ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ابھی تک محل کے دروازے پر کھڑے اذنِ باریابی کے منتظر ہوں۔ میں اس مہمان خانے میں کئی بادشاہوں کے ایلچی دیکھ چکا ہوں جو کئی کئی ہفتوں اور مہینوں سے ملاقات کے لئے کسریٰ کے حکم کا انتظار کر رہے ہیں "

عاصم کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن اچانک ایک سرپٹ سوار صحن میں داخل ہوا۔ اور وہ مضطرب سے ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

یہ سوار سین کے ان سپاہیوں میں سے ایک تھا۔ جو شہر سے باہر لشکر کے پڑاؤ میں ٹھہرے ہوئے تھے، وہ عاصم اور اس کے ساتھیوں کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے کود پڑا اور چلایا " آپ نے سپہ سالار کے متعلق کچھ سنا؟"

وہ اضطراب کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ بالآخر عاصم نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

" تمہاری صورت بتا رہی ہے کہ تم کوئی اچھی خبر نہیں لائے "

سپاہی نے کرب انگیز لہجے میں کہا " وہ مر چکے ہیں!"

وہ دیر تک سکتے کے عالم میں اس کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر اچانک عاصم نے آگے بڑھ کر اپنے دونوں ہاتھ سپاہی کے کندھے پر رکھ دیئے اور اسے بیدردی کے ساتھ جھنجھوڑتے ہوئے کہا " تم جھوٹ کہتے ہو یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ تم پڑاؤ میں تھے اور وہ کسریٰ کے پاس گئے ہوئے تھے۔ پڑاؤ میں ان کی موت کی افواہ کسی دشمن نے اڑائی ہو گی!"

سپاہی کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا "بش! یہ خبر غلط ہوتی۔ جب پڑاؤ میں کہرام مچا ہوا تھا تو ہم بھی یہی سمجھتے تھے کہ یہ خبر غلط ہے لیکن میں شہر کے ایک چوراہے میں ان کی لاش دیکھ چکا ہوں "

عاصم نے ایک ڈوبتے ہوئے انسان کی طرح تنکوں کا سہارا لینے کی کوشش کی " تمہیں یقین ہے کہ تمہاری آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا ؟"

" میں نے جو لاش دیکھی ہے اسے پہچاننا ناممکن ہے۔ وہ کھال کے بغیر تھی اور گدھ اسے نوچ رہے تھے لیکن وہاں جمع ہونے والے لوگ چلا رہے تھے کہ یہ سین کی لاش ہے۔ سین کے چند دیرینہ دوست جنہیں میں جانتا ہوں، وہاں موجود تھے اور وہ رو رہے تھے۔ میں ان سے تمام واقعات پوچھ کر آیا ہوں۔ میں اس جلاد سے بھی مل چکا ہوں جسے زندہ ان کی کھال اتارنے کا حکم دیا گیا تھا، فوج کے ایک افسر نے مجھے ان کے کپڑے بھی دکھائے تھے، جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ میں ان کے ساتھ آیا ہوں تو وہ میرے گرد جمع ہو گئے۔ وہ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ سین شہنشاہ کا غدار کیسے بن گیا۔ اگر وہ بغاوت پر آمادہ ہو چکا تھا تو یہاں کیوں آیا تھا؟ کیا یہ درست ہے کہ وہ قیصر کے ساتھ مل گیا تھا—— مجھے معلوم نہیں کہ میں نے جنون کی حالت میں کیا کچھ کہہ ڈالا، پاس ہی ایک کاہن لوگوں کو یہ سمجھا رہا تھا کہ اگر ایران کے لشکر کی قیادت اس غدار کو نہ سونپی جاتی تو اب تک قسطنطنیہ فتح ہو چکا ہوتا۔ ہم نے شہنشاہ کو بارہا یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ ایک رومی عورت کا خاوند ایران کا وفادار نہیں ہو سکتا۔ لیکن کسریٰ اس غدار کے خلاف کوئی بات سننے کے لئے تیار نہ تھا—— میں پوری قوت کے ساتھ چلایا " یہ جھوٹ ہے سین غدار نہیں تھا۔ غدار وہ ہیں جو ایران کے ایک عظیم سپاہی کی موت پر خوشیاں منا رہے ہیں"۔ بعض لوگ میری بوٹیاں نوچنے کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن ایک افسر نے سپاہیوں کی مدد سے انہیں ایک طرف دھکیل دیا اور پھر مجھ سے کہا " میں سین کا دوست ہوں اور تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں لیکن اب اس جگہ شور مچانے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ اگر تم اس جگہ سین کے ساتھ چند اور بے گناہوں کی لاشیں نہیں دیکھنا چاہتے تو یہاں سے بھاگ جاؤ۔ اس وقت تمہارے ساتھیوں کے لئے پڑاؤ سے زیادہ کوئی جگہ محفوظ نہیں۔ چنانچہ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے بھاگ نکلا۔ لیکن تھوڑی دور جا کر میں نے محسوس کیا کہ آپ کو اطلاع

دنیا مزدوری ہے۔ اور میں انہیں چھوڑ کر آپ کے پاس آگیا ہوں۔"

عاصم نے کرب کی حالت میں اپنی مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا "اگر سین قتل ہو چکا ہے تو اس کا قاتل پرویز نہیں بلکہ میں ہوں۔ میں نے ہی اسے موت کا راستہ دکھایا ——— میں نے ہی اسے صلح کا ایلچی بن کر یہاں آنے پر مجبور کیا تھا ——— کاش میں اس کے ساتھ ہوتا ——— کاش اس سے پہلے میری کھال اتاری جاتی اور میں اس سے یہ کہہ سکتا کہ میں جرم میں ہی نہیں بلکہ سزا میں بھی تمہارے ساتھ شریک ہوں ——— سین کو اپنے مستقبل کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ تھی۔ اسے خلقدون سے روانہ ہوتے وقت بھی اس بات کا یقین تھا کہ وہ موت کے دروازے پہ دستک دینے جا رہا ہے ———"

کلاڈیوس نے ولیریس سے مخاطب ہو کر کہا "تم اصطبل سے عاصم کا گھوڑا لے آؤ، جلدی کرو!"

ولیریس اصطبل کی طرف بھاگ گیا اور کلاڈیوس نے عاصم کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "عاصم! اب تمہیں ہمت سے کام لینا پڑے گا۔ ہم جس مقصد کے لئے یہاں آئے ہیں اس کی تکمیل کے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ لیکن موجودہ حالات میں میں تمہیں ایک لمحہ کے لئے بھی یہاں ٹھہرنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ خدا کیلئے تم یہاں سے نکل جاؤ اور سین کی بیوی اور بیٹی کی حفاظت کی فکر کرو۔ ورنہ مجھے ڈر ہے کہ کسریٰ سین کے وحشیانہ قتل کو جائز ثابت کرنے کیلئے انہیں بھی کسی سازش میں ملوث کرنے کی کوشش کرے گا۔ اگر تم کسی تاخیر کے بغیر وہاں پہنچ جاؤ تو تمہارے لیئے انہیں باسفورس کے پار پہنچا دینا مشکل نہیں ہوگا ——— وہاں کوئی تم پر شک نہیں کریگا۔ اگر تم سے پہلے سین کے قتل کی خبر وہاں پہنچ گئی تو خلقدون کے دروازے تمہارے لیئے بند ہوں گے اور تم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکو گے۔ یہاں رہ کر تم ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ مجھے بدترین حالات میں بھی کسریٰ سے یہ توقع نہیں کہ وہ ہمیں موت یا قید کی سزا دے گا۔ ہم ایک ہار ماننے والے حکمران کے ایلچی ہیں۔ ہمارے ساتھ بڑی سے بڑی بدسلوکی یہ ہو سکتی ہے کہ ہمیں دھکے دے کر دستگرد سے نکال دیا جائے لیکن تمہارا معاملہ ہم سے مختلف ہے تم سین کے دوست ہو اور وہ تمہیں کسی نیک سلوک کا مستحق نہیں سمجھیں گے۔ اگر ہمارا انجام انتہائی عبرت ناک ہو تو بھی تم ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔"

لیکن عاصم کے ذہنی اور جسمانی قوٰی شل ہو چکے تھے۔ اور وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے کلاڈیوس کی

طرف دیکھ رہا تھا۔

کلاڈیوس نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا "عاصم اگر تم کو اپنی جان کی پروا نہیں تو کم از کم یہی خیال کرو کہ تم اس دنیا میں فسطینہ کا آخری سہارا ہو۔"

عاصم نے چند بار فسطینہ کا نام دہرایا اور اس کے دل میں زندگی کی ہلکی ہلکی دھڑکنیں بیدار ہونے لگیں۔ پھر اس نے مڑ کر دیکھا۔ ولیریس اس کا گھوڑا لئے آ رہا تھا۔ اس نے اچانک بھاگ کر اس کے ہاتھ سے گھوڑے کی باگ پکڑ لی لیکن پھر تذبذب کی حالت میں اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

کلاڈیوس چلایا "اب سوچنے کا وقت نہیں عاصم، خدا کے لئے جلدی کرو!"

سپاہی نے اپنے گھوڑے پر کودتے ہوئے کہا "چلیے میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں!"

عاصم ایک گہری سانس لینے کے بعد گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ لیکن ابھی وہ بیرونی دروازے سے چند قدم دور تھے کہ چند مسلح سپاہی نمودار ہوئے اور نیزے تان کر اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

اگر عاصم کو بھاگ نکلنے کی کوئی امید ہوتی تو شاید وہ دو چار آدمیوں کو کچل ڈالنے سے بھی دریغ نہ کرتا۔ لیکن آج وہ قوتِ فیصلہ جو اُسے پہاڑوں سے ٹکر لینے پر آمادہ کر دیا کرتی تھی جواب دے چکی تھی اور وہ خون جو خطرات کے وقت اس کی رگوں میں بجلی بن کر دوڑتا تھا، منجمد ہو چکا تھا۔ پیادہ سپاہیوں سے پیچھے کشادہ سڑک پر بھی چند سوار دیکھائی دے رہے تھے اس نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں اور ایک ثانیہ صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد اپنے ساتھی سے کہا "اب بھاگنے کی کوشش بے سود ہے۔"

ایک خوش وضع نوجوان، جو ان سپاہیوں کا افسر معلوم ہوتا تھا آگے بڑھا اور اس نے کہا "تم باہر نہیں جا سکتے!"

"ایک آدمی کا راستہ روکنے کے لیئے تمہیں اتنی فوج جمع کرنے کی ضرورت نہ تھی۔" عاصم یہ کہہ کر اپنے گھوڑے سے اتر پڑا۔ افسر نے کچھ کہے بغیر ایک سپاہی کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور اس نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ دوسرا سپاہی عاصم کے ساتھی کی طرف بڑھا اور وہ بھی اپنے گھوڑے سے اتر پڑا۔

نوجوان افسر نے کہا "انہیں قید خانے میں لے جاؤ!"

سپاہیوں نے عاصم اور اس کے ساتھی کو ایک تنگ گھیرے میں لے لیا تو کلاڈیوس نے جو اپنے ساتھیوں

کی طرح دم بخود ہو کر یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اچانک آگے بڑھ کر ایرانی افسر سے سوال کیا: "کیا میں ان کی گرفتاری کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟"

افسر نے بے پروائی سے جواب دیا "میں تمہیں صرف یہ بتا سکتا ہوں کہ اگر تمہارے ساتھیوں میں سے کسی اور نے بھاگنے کی کوشش کی تو ہم اُسے بھی قید خانے میں بھیجنے پر مجبور ہوں گے۔"

کلاڈیوس نے کہا: "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم بھاگنے کی نیت سے یہاں نہیں آئے اور اگر آپ عاصم کو ہمارے پاس چھوڑ دیں تو ہم اس کی ذمہ داری لینے کے لئے تیار ہیں۔"

عاصم نے گھور کر کلاڈیوس کی طرف دیکھا اور رومی زبان میں کہا: "یہاں میرا کام ختم ہو چکا ہے لیکن تمہارے حصے کا کام ابھی باقی ہے ممکن ہے کہ سین کی موت پر ایرانی لشکر کے سرکردہ افسروں کا ردعمل کسریٰ کو تمہاری باتیں سننے پر مجبور کر دے۔ اس لئے میری حمایت میں زبان کھول کر اپنی مشکلات میں اضافہ کرنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

افسر نے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر "تم کیا دیکھ رہے ہو۔ اسے لے جاؤ!"

عاصم سپاہیوں کی ننگی تلواروں کے پہرے میں چند قدم چلنے کے بعد اچانک رکا اور افسر کی طرف مڑ کر دیکھتے ہوئے بلند آواز میں بولا "میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں!"

افسر جلدی سے آگے بڑھ کر بولا "مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری کوئی مدد کرسکوں گا۔"

عاصم نے کہا "مجھے معلوم ہے لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس غریب سپاہی کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ سین کے محافظ دستے کے ساتھ پڑاؤ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں اس نے سین کے قتل کی اطلاع سُنی شہر میں جا کر اس خبر کی تصدیق کی اور یہ سمجھ کر میرے پاس چلا آیا کہ میں سین کا ایک وفادار دوست اور ساتھی ہوں۔ یہ بات اِس کے ذہن میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ سین کے کسی دوست کو اس کی موت کی اطلاع دینے کے بعد یہ اس مصیبت میں پھنس جائے گا۔ اس لئے آپ اسے میرے ساتھ شامل نہ کریں!"

افسر کچھ دیر سوچنے کے بعد اپنے ایک ساتھی سے مخاطب ہوا "تم اسے پڑاؤ میں لے جاؤ اور وہاں اسے کڑی نگرانی میں رکھو۔ پہریداروں کو اس کے باقی ساتھیوں کے متعلق بھی یہ ہدایت کر دو کہ وہ تا حکم ثانی ان میں سے کسی کو بھی پڑاؤ سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دیں۔ اور یہ گھوڑے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ تمہارے ساتھ پانچ سپاہی کافی ہونگے۔"

پھر وہ عاصم کی طرف متوجہ ہوا۔ "اب تم کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟"

"ہاں، اگر ہو سکے تو آپ ان معزز رومیوں کو بلا وجہ کوئی تکلیف نہ دیں۔ یہ قیصر کی طرف سے صلح کا پیغام لیکر آئے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ کسریٰ کو صلح اور امن کی اہمیت محسوس کرنے میں زیادہ دیر نہ لگے۔"

افسر نے جواب دیا "میں تمہیں صرف یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ کسریٰ کے حکم کے بغیر ان لوگوں کا بال تک بیکا نہیں ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھاگنے کی کوشش نہ کرے!"

عاصم نے احسانمندی سے ایرانی افسر کی طرف دیکھا اور سپاہیوں کے پہرے میں وہاں سے چل دیا۔



عاصم پانچ دن سے دستگرد کے قلعہ نما قید خانے کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں پڑا ہوا تھا اور خوف و اضطراب کے یہ ایام اسے مہینوں اور برسوں سے زیادہ طویل محسوس ہوتے تھے۔ یہ قید خانہ سینکڑوں زندہ انسانوں کا قبرستان تھا اور یہاں کئی لوگ ایسے تھے جو طویل قید کی صعوبتوں کے باعث ذہنی توازن سے محروم ہو چکے تھے اور عاصم آس پاس کی کوٹھڑیوں سے ان کے مہیب قہقہے اور روح فرسا چیخیں سنا کرتا تھا۔ اپنی زندگی کے بدترین ادوار میں بھی اس نے امید کا دامن نہیں چھوڑا تھا لیکن اب وہ سارے چراغ جو اس نے اپنے آنسوؤں سے روشن کیے تھے بجھ چکے تھے۔ وہ اپنے ماضی کی ساری پونجی اس قید خانے سے باہر چھوڑ آیا تھا اور مستقبل کے متعلق اس کے حوصلے اور ولولے اس کوٹھڑی کی چاردیواری کے اندر محبوس ہو کر رہ گئے تھے۔ ماضی کے جن ناہموار راستوں پر اس نے اپنے پاؤں کے نشان چھوڑے تھے وہ سب اس جگہ پہنچ کر ختم ہو جاتے تھے۔ کبھی کبھی چند لمحات کیلئے اس کی بے چین روح ہزاروں میل دور ان حسین اور دلکش نخلستانوں، وادیوں اور میدانوں کے طواف کرتی جہاں سرمست ہوائیں آزادی کے گیت گاتی تھیں، درخت جھومتے اور پھول کھلتے تھے۔ لیکن اچانک اس کوٹھڑی کی دیواریں اس کی نگاہوں کے سامنے حائل ہو جاتیں اور وہ دنیا جس پر سورج اپنے نور کے خزانے لٹاتا تھا جسے چاند کی ضیا پاشیاں دلکشی اور رعنائی عطا کرتی تھیں اور جس پر ستاروں کی مسکراہٹیں نچھاور ہوتی تھیں، اسے ماضی کا ایک بھولا ہوا خواب اور ایک وہم محسوس ہونے لگتا تھا۔ پھر جب اس کا دم گھٹنے لگتا تو وہ اٹھ کر تنگ چاردیواری کے اندر ٹہلنا شروع کر دیتا۔

آس پاس کی کوٹھڑیوں سے اُسے کسی کا مہیب قہقہہ یا کسی کی بھیانک چیخ سنائی دیتی اور وہ نڈھال سا ہو کر بیٹھ جاتا۔

"کیا میں زندہ رہوں گا! کیا زندگی یہی ہے! کیا میرے لئے اس سے بہتر موت نہیں ہو سکتی تھی! آخر میں یہاں کیوں آیا تھا؟ جب تک مجھے سین کے قتل کی اطلاع نہیں ملی تھی مجھے یہ اطمینان تھا کہ میں کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دے رہا ہوں۔ لیکن اب مجھے یہ ساری باتیں ایک مذاق معلوم ہوتی ہیں - میں ایک ایک قدم چل کر اپنی تباہی کی آخری منزل تک پہنچا ہوں۔ آخر روم اور ایران کی جنگ یا صلح سے میرا کیا تعلق تھا! میں نے یہ کیوں سوچا کہ میں اس دنیا کی ساری مصیبتوں کا علاج کر سکتا ہوں! یہ میرے بس کی بات نہیں اور سین کو بھی اس بات کا یقین تھا کہ روم اور ایران میں مصالحت کرانا اس کے بس کی بات نہیں۔ خلقدون سے روانہ ہوتے وقت اس کو اس بات کا یقین تھا کہ وہ موت کے دروازے پہ دستک دینے جا رہا ہے۔ وہ کون سا جذبہ تھا جو اسے یہاں تک لے آیا تھا؟ اگر میں اس کے پاس نہ آتا، اگر صلح کا ایلچی بننے پر اسے آمادہ نہ کرتا تو یہ حالات کیوں پیدا ہوتے!!"

پھر انتہائی کرب کی حالت میں وہ اپنی مٹھیاں بھینچ کر چلاتا۔ "میں سین کا قاتل ہوں۔ میں نے اسے وہ منزل دکھائی تھی جہاں موت اس کا انتظار کر رہی تھی۔ لیکن مجھے کیا کرنا چاہیئے تھا۔ میں کیا کر سکتا تھا!"

جب ذہنی اذیت ناقابلِ برداشت ہو جاتی تو پھر ایک بار تصورات کی دنیا میں کوئی جائے پناہ تلاش کرتا۔ اس کی روح خلقدون کے قلعے کا طواف کرنے لگتی۔ فسطینہ کسی گوشے سے نمودار ہوتی اور سراپا عجز و انکسار بن کر کہتا۔ "فسطینہ میں تمہارا مجرم ہوں، کاش میں تمہارے باپ کو دست کش ہو جانے کا مشورہ نہ دیتا۔ مجھے معاف کر دو فسطینہ میری طرف دیکھو، اس دنیا میں تمہارے سوا میرا کوئی نہیں۔ میں سب کچھ کھو چکا ہوں۔ لیکن تم میری ہو ——— تم میری ہو اب میں روم اور ایران کی بجائے صرف تمہارے متعلق سوچوں گا۔ فسطینہ مجھے معاف کر دو۔ میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ میں تمہاری سسکیاں نہیں سن سکتا۔"

پھر جب اس کی آواز چیخوں میں تبدیل ہونے لگتی تو وہ دہشت زدہ ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگتا۔ اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ جاتا اور حسین سپنوں کے موتی بکھر جاتے۔ باہر کی دنیا پھر ایک بار کوٹھڑی میں دیواروں کے ادھر روپوش ہو جاتی۔ لیکن کچھ دیر بعد اسے پھر یہ محسوس ہونے لگتا کہ فسطینہ اس کی روح کی گہرائیوں سے نکل کر ایک بھیانک خلا کو پُر کر رہی ہے اور اس کے آنسو اور اس کی مسکراہٹیں اس کے دل میں زندہ رہنے کی خواہش بیدار کر رہے ہیں۔

پہرہ روز ایک بار اُس کی کوٹھڑی کا دروازہ کھلتا اور پہریدار عاصم کو کھانا اور پانی دے کر چلے جاتے۔ شروع کے دو دن اس نے کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا۔ لیکن تیسرے دن قید خانے کا ایک افسر اس کے پاس آیا۔ اور اس نے کہا۔ "ہمیں تورج کا حکم ہے کہ تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہ دی جائے اور ہم نے تمہارے لیے عام قیدیوں سے بہتر خوراک کا انتظام کیا تھا۔ لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم کھانے کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ یہاں فاقہ کشی سے صرف وہ قیدی مرنے کی کوشش کرتے ہیں جو چاروں طرف سے مایوس ہو چکے ہوں۔ اگر تورج جیسے لوگ تمہارے ہمدرد ہیں تو تمہیں اس قدر مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ جو شخص سین کا ساتھی رہ چکا ہو اسے اس قدر بزدلی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ فوج میں سین کے بے شمار ساتھی تمہاری رہائی کی کوشش کریں گے۔ اگر تم اس دنیا کی تمام دلچسپیوں سے منہ نہیں موڑ لیا تو تمہیں زندہ رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کسریٰ کو اپنی رائے تبدیل کرنے میں دیر نہیں لگتی۔ ہم نے کئی وزیروں اور سپہ سالاروں کو تختہ دار پر لٹکتے دیکھا ہے اور کئی خوش نصیب قیدیوں پر انعامات کی بارش ہوتے دیکھی ہے۔"

عاصم نے ملتجی ہو کر کہا۔ "آپ تورج کو میرا یہ پیغام دے سکتے ہیں کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"میں تورج کو تمہارا پیغام پہنچا دوں گا۔ لیکن موجودہ حالات میں شاید وہ کھلے بندوں تم سے ملاقات نہ کر سکیں شاید تم کو چند ہفتے یا چند مہینے انتظار کرنا پڑے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی دن وہ تمہاری رہائی کا حکم لے کر یہاں پہنچ جائیں۔"

قید خانے کا افسر عاصم کے ظلمت کدہ میں امید کی ہلکی سی روشنی چھوڑ کر چلا گیا۔ چنانچہ اس نے پہلی بار پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور دیوار سے ٹیک لگا کر اپنی رہائی کی تدبیریں سوچنے لگا۔



چھٹے روز چار مسلح پہریداروں نے عاصم کو اس کی کوٹھری سے نکالا اور قید خانے کے داروغہ کی قیام گاہ کے ایک کشادہ کمرے میں لے گئے۔ وہاں داروغہ کے علاوہ تورج اور ایک عمر رسیدہ آدمی جو اپنے لباس سے ایران کے طبقۂ علما کی نمائندگی کرتا تھا، اس کے منتظر تھے۔

تورج نے پہریداروں کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ کمرے سے باہر نکل گئے۔ پھر وہ عاصم کی طرف متوجہ ہوا۔ "تم سین کو اچھی طرح جانتے ہو؟"

"جی ہاں، وہ سین کے کسی دوست یا رشتہ دار کا بیٹا تھا اور میں اس سے کئی بار ملا تھا۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ وہ قتل ہو چکا ہے؟"

"جی ہاں، وہ آوار کے ہاتھوں میری آنکھوں کے سامنے قتل ہوا تھا۔"

تورج نے بوڑھے آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ایرج کے والد ہیں اور اپنے بیٹے کے قتل کی افواہ سننے کے بعد مدائن سے یہاں پہنچے ہیں۔"

عاصم نے بوڑھے سے مخاطب ہو کر کہا۔ "مرتے وقت آپ کے بیٹے کا سر میری گود میں تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس کی جان نہ بچا سکا۔"

بوڑھا کچھ دیر کرب کے عالم میں عاصم کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ایرج نے مجھے بتایا تھا سین کے گھر میں ایک عرب کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ پھر شاید تم حبشہ کی مہم پر چلے گئے تھے اور اس کے بعد لاپتا ہو گئے تھے۔ اگر تم وہی ہو تو میں تمہاری اطلاع پر یقین کر سکتا ہوں۔ لیکن اگر میرے بیٹے کو ستیتین لوگوں نے قتل کیا تھا تو تم وہاں کیسے پہنچ گئے تھے؟"

عاصم نے جواب دیا۔ "یہ ایک طویل داستان ہے۔ میں حبشہ کے راستے میں زخمی ہو گیا تھا۔ اور میرے ساتھی مجھے سخت بخار کی حالت میں پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ پھر جب میں بے ہوش تھا تو ایک رومی غلام اور قبطی ملاح مجھے بابلیون پہنچانے کی بجائے دریائے نیل کے راستے سمندر تک لے گئے اور وہاں سے مجھے ایک رومی جہاز پر سوار کرا کے قسطنطنیہ پہنچا دیا گیا۔ یہ رومی غلام ایک نہایت با اثر خاندان کا چشم و چراغ تھا اور قسطنطنیہ میں میرے ساتھ اس کا برتاؤ نہایت فیاضانہ تھا۔ قسطنطنیہ سے مجھے اس کے ساتھ اس شہر میں جانا پڑا جہاں قیصر اور آوار قبائل کے خاقان کی دوستانہ ملاقات ہونے والی تھی۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ اس جگہ ایرج کے ساتھ میری آخری ملاقات ہو گی۔"

بوڑھے نے کہا۔ "لیکن تم کہتے ہو کہ میرا بیٹا آوار کے ہاتھوں قتل ہوا ہے؟"

"جی ہاں۔ وہ قیصر پر اچانک حملہ کرنے کی نیت سے وہاں جمع ہوئے تھے۔ لیکن رومیوں پر حملہ کرنے سے پہلے انہوں نے آپ کے بیٹے کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔ ایرج خاقان کے پاس ایک ایلچی کی حیثیت سے گیا تھا۔ اس کا کوئی ساتھی بھی واپس

نہیں آیا۔"

میں نے وہاں کسی اور ایرانی کو نہیں دیکھا۔ ممکن ہے کہ وہ ایرج سے پہلے قتل کیے جا چکے ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ابھی تک خاقان کی قید میں ہوں۔ وحشی آوار کے ضابطۂ اخلاق میں ایک ایلچی کو موت کے گھاٹ اتار دینا ایک معمولی بات ہے۔ اگر سین جیسے آدمی کو اس جرم میں قتل کیا جا سکتا ہے کہ وہ قیصر کے ایلچیوں کو کسریٰ کی شرائط پر صلح کے لیے آمادہ کرنے یہاں لے آیا تھا تو آوار نے ایرج کو قتل کرنے کا بھی کوئی جواز نکال لیا ہو گا۔ ممکن ہے کہ انہیں ایرج کی کسی بات پر شبہ ہو گیا ہو۔"

عاصم کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ اگر اس نے ایرج کے ساتھ اپنی ملاقات کی تفصیلات ظاہر کرنے کی کوشش کی تو یہ مسئلہ زیادہ الجھ جائے گا۔ اور اس پر طرح طرح کے شبہات کیے جائیں گے۔

چنانچہ تورج اور ایرج کے باپ کے متعدد سوالات کے جواب میں اس نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ جناب میں یہ نہیں جانتا کہ آپ کا بیٹا ہرقلیہ کیوں آیا تھا۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ ستیتین اس کے دشمن کیوں ہو گئے۔ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ اس نے ستیتین سپاہیوں کے نرغے سے نکل کر اس طرف بھاگنے کی کوشش کی تھی جہاں رومی سپاہی کھڑے تھے۔ لیکن قبل اس کے کہ رومی اس کی کوئی مدد کر سکتے وہ ایک ستیتین سوار کے نیزے سے زخمی ہو کر گر پڑا۔ اس کے بعد خاقان کے طوفانی دستے وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے رومیوں پر حملہ کر دیا۔ اب رہا یہ سوال کہ انہوں نے آپ کے بیٹے کو قتل کیوں کیا۔ اس کا صحیح جواب صرف وہ لوگ دے سکتے ہیں جو ایرج کے ساتھ گئے تھے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں ہو گا۔"

بوڑھے نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ میرے بیٹے کو رومیوں نے قتل کیا ہو؟"

عاصم نے قدرے پریشان ہو کر جواب دیا۔ "اگر رومی اس قتل کے مجرم ہوتے تو مجھے آوار کو اس کے قتل کا الزام دینے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تم رومیوں کے ساتھی ہو۔"

عاصم نے کرب انگیز لہجے میں جواب دیا۔ "میں صرف سین کا ساتھی تھا اور میں یہ سمجھتا تھا کہ سین کے دوست میرے دوست اور سین کے دشمن میرے دشمن ہیں۔ لیکن سین مر چکا ہے اور اب میرا کوئی دوست یا دشمن نہیں۔

مجھے افسوس ہے کہ میں ایرج کی موت کے اسباب کے متعلق آپ کی تسلی نہیں کر سکا۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اسے سیتھین نے قتل کیا اور مرتے وقت جب میں نے اسے سہارا دینے کی کوشش کی تھی۔ تو میرے متعلق اس کے تاثرات ایک دوست اور بھائی کے تاثرات سے مختلف نہ تھے۔ ہم دونوں کو اس بات کا افسوس تھا کہ زندگی میں ہم ایک دوسرے کے قریب کیوں نہ آ سکے۔ میں نے یہ باتیں آپ کو خوش کرنے کے لیے نہیں کہیں۔ میں یہ جانتا ہوں کہ اب آپ کی خوشی یا ناراضگی میری قسمت پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم جھوٹ نہیں کہتے اور میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ میں اس شخص کی کوئی مدد نہیں کر سکتا جس نے میرے بیٹے کو مرتے وقت سہارا دیا تھا۔" ایرج کا باپ یہ کہہ کر غور سے عاصم کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اچانک اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے اور وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

نورج نے قید خانے کے داروغہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم انہیں دروازے تک چھوڑ آؤ۔ میں قیدی سے چند ضروری باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔"

داروغہ نے نورج کے حکم کی تعمیل کی اور وہ قدرے توقف کے بعد عاصم سے مخاطب ہوا۔ "جب ایک آدمی شیر کے منہ میں اپنا سر دے چکا ہو تو اس کے بہترین دوست بھی اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ میں سین کے معاملے میں بے بس تھا۔ لیکن تمہارا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ تم اگر ہوش سے کام لو تو شاید اپنی جان بچا سکو۔ اگر تم میری نصیحت پر عمل کرو تو ممکن ہے کہ شہنشاہ کچھ عرصہ بعد تمہیں قید سے آزاد کرنے پر بھی رضامند ہو جائے۔ میری بات غور سے سنو۔ سین کا خون رائگاں نہیں گیا۔

ہمیں ملک کے کئی شہروں سے اس قسم کی اطلاعات ملی ہیں کہ شہنشاہ کے بعض دشمن سین کو مظلوم ثابت کر کے لوگوں کو بغاوت پر اکسا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ فوج میں ایک عنصر ایسا ہے جو جنگ کی طوالت سے تنگ آ چکا ہے۔ کل شہنشاہ نے پہلی بار دستگرد کے امراء اور فوج کے اعلیٰ افسروں سے یہ مشورہ لینے کی ضرورت محسوس کی تھی کہ روم کے ایلچیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اور ہماری اکثریت نے یہ رائے دی تھی کہ شہنشاہ اول تو ان سے ملاقات کریں۔ ورنہ انہیں حفاظت سے واپس بھیج دیں۔ دستگرد کے بڑے کاہن کے علاوہ صرف چند امراء ایسے تھے جنہوں نے رومیوں کے لیے قتل یا قید کی سزا کا مطالبہ کیا تھا۔ شہنشاہ نے ملاقات کی تجویز منظور کر لی ہے۔ اور

رومیوں کے متعلق یہ حکم دے دیا گیا ہے کہ سر دست ان کے ساتھ انتہائی معزز مہمانوں کا سا سلوک کیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ شہنشاہ انہیں بہت جلد شرفِ باریابی عطا کریں گے۔ اور اگر رومیوں نے ان کی تمام شرائط مان لیں تو صلح ہو جائے گی۔ اب تمہارا مسئلہ رہ جاتا ہے۔ میں آج قیصر کے آدمیوں سے ملا تھا اور وہ یہ کہتے تھے ہم سب سے پہلے شہنشاہ کی خدمت میں تمہاری رہائی کی درخواست پیش کریں گے۔ لیکن میں نے انہیں یہ سمجھایا تھا کہ اگر تم نے اس قسم کی کوئی درخواست کی تو وہ ٹھکرا دی جائے گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ عاصم کی طرح تم بھی شہنشاہ کے زیرِ عتاب آ جاؤ۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم سر دست شہنشاہ کے سامنے عاصم کا ذکر تک نہ کرو۔ جب صلح کی شرائط طے ہو جائیں گی تو ممکن ہے کہ عاصم کے حق میں تمہاری آواز بھی موثر ثابت ہو۔ اب شاید وہ تمہاری حمایت میں زبان کھول کر اپنی الجھنوں میں اضافہ کرنے کی غلطی نہ کریں۔ لیکن تمہیں اس بات سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ میں نے تمہارے بچاؤ کا ایک راستہ نکالا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تم حقیقت پسندی سے کام لو۔"

قید خانے کا داروغہ کمرے میں داخل ہوا۔ لیکن نورج نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔ "آپ کچھ دیر اور باہر ٹھہریں۔ میں قیدی سے ایک ضروری بات کر رہا ہوں۔"

داروغہ الٹے پاؤں باہر نکل گیا اور نورج دوبارہ عاصم کی طرف متوجہ ہوا۔ "میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ سین کے قتل پر مختلف شہروں کے عوام کے ردِ عمل کے متعلق جو اطلاعات آ رہی ہیں ان کے باعث شہنشاہ کافی پریشان دکھائی دیتے ہیں۔ تم اگر چاہو تو شہنشاہ کی تمام پریشانیاں دور کر سکتے ہو۔"

عاصم نے سوال کیا۔ "میں شہنشاہ کی پریشانیاں کیسے دور کر سکتا ہوں۔؟"

"تم ایک مدت سے سین کے ساتھی ہو۔ اور اس کے متعلق تمہاری ہر بات درست مانی جائے گی۔ تم جانتے ہو کہ شہنشاہ رعایا کے سامنے اپنی غلطیوں کا اعتراف نہیں کیا کرتے۔ اور انہیں ہر وقت ایسے لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جو عوام کے سامنے ان کا ہر اقدام صحیح ثابت کر سکیں۔؟"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" عاصم نے مضطرب ہو کر سوال کیا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اپنی جان بچانے کے لیے بھرے دربار میں یہ کہنا پڑے گا کہ سین واقعی ایک باغی اور غدار تھا اور اس نے رومیوں کو بچانے کے لیے محاذِ جنگ پر ہمارے لشکر میں بد دلی اور مایوسی پھیلا دی تھی۔ تم

یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ سین دل سے عیسائی ہو چکا تھا۔ اور اس کے زیرِ اثر کئی سپاہی رومیوں کے حامی بن گئے تھے۔"

ایک ثانیے کے لیے عاصم کا سارا خون سمٹ کر اس کے چہرے پر آگیا۔ اور وہ کرب انگیز لہجے میں چلایا۔ "نہیں نہیں! میں اپنی موت سے پہلے مرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ میں اس شخص پر غلاظت نہیں پھینکوں گا، جس کے ساتھ عقیدت، محبت اور وفاداری کا رشتہ میری زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔"

تورج نے کہا۔ "بیوقوف نہ بنو۔ سین کے ساتھ تمہاری عقیدت اور محبت صرف تمہیں ہلاکت کا راستہ دکھا سکتی ہے۔ اُسے واپس نہیں لاسکتی۔ اگر تم سین کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دو تو وہ تمہارے قید خانے کا دروازہ کھول کر یہ نہیں کہے گا کہ اب تم آزاد ہو۔ اور اگر تم اس کی مذمت کرو تو وہ تمہارے مصائب میں کوئی اضافہ نہیں کرسکتا۔ اس کی موت کے بعد اس کے ساتھ تمہارے سارے رشتے ختم ہو چکے ہیں۔ لیکن کسریٰ زندہ ہے اور اسے تمہاری زندگی اور موت پر پورا اختیار ہے۔ اگر تم اپنے لیے نہیں تو ان لوگوں کے لیے زندہ رہنے کی کوشش کرو جنہیں تمہاری ضرورت ہے تم سین کی بیوہ کو سہارا دے سکتے ہو۔ اس کی بیٹی کے آنسو پونچھ سکتے ہو۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "ایک گرا ہوا آدمی کسی کا سہارا نہیں بن سکتا۔ اب تک میں یہی سمجھتا تھا کہ اس دنیا میں موت سے بھیانک کوئی چیز نہیں۔ لیکن آپ مجھے ایک ایسی زندگی کا راستہ بتا رہے ہیں جو موت سے زیادہ بھیانک ہے اگر آپ کو میرا امتحان مقصود ہے تو مجھے اپنے شہنشاہ کے سامنے لے چلیے۔ میں بھرے دربار میں یہ اعلان کروں گا کہ میں سین کا دوست ہوں اور میں اس کے قاتل سے اپنے لیے رحم کی بھیک نہیں مانگ سکتا۔ تم سین کی طرح میری کھال اتار سکتے ہو۔ لیکن کوئی اذیت، کوئی خوف اور کوئی لالچ مجھے اس عظیم انسان کے خلاف زبان کھولنے پر آمادہ نہیں کرسکتا ——— میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ میرے زندہ رہنے کو اس قدر اہمیت دے رہے ہیں۔ لیکن میں ایسی حقیر زندگی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔"

تورج کچھ دیر ٹکٹکی باندھ کر عاصم کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر وہ اچانک اپنی کرسی سے اٹھ کر آگے بڑھا اور عاصم کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "میرے دوست میں بے بس ہوں۔ اگر میں کسریٰ کی طرح بااختیار ہوتا، تو میرا پہلا حکم یہ ہوتا کہ اس قیدی کی بیڑیاں اتار دی جائیں۔ اور ایران کے سارے خزانے اس کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے جائیں۔"

عاصم نے کہا۔ "اگر آپ مجھ سے خفا نہیں ہوئے تو میری یہ درخواست ہے کہ آپ سین کی بیوی اور بیٹی کو مصیبت سے بچانے کی کوشش کریں۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ان کا انجام سین سے زیادہ عبرتناک نہ ہو۔"

"میں تم سے خفا نہیں ہوں بلکہ مجھے تم پر رشک آتا ہے۔ سردست کسریٰ کی توجہ سین اور اس کی بیوی کی طرف مبذول نہیں ہوسکتی۔ اور ہم اس بات کی پوری کوشش کریں گے کہ ان پر کوئی مصیبت نہ آئے۔ میں تمہارے مستقبل کے متعلق بھی بہت زیادہ مایوس نہیں۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ صلح کے بعد ہمارے لیے تمہیں رہا کرانا مشکل نہیں ہوگا۔ کسریٰ محاذِ جنگ کی کمان مجھے دینا چاہتا تھا۔ لیکن رومیوں کے ساتھ بات چیت کا فیصلہ کرنے کے لیے مجھے چند دن کے لیے روک لیا گیا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ صلح کے بعد محاذِ جنگ پر میری ضرورت نہیں ہوگی۔" تورج نے یہ کہہ کر تالی بجائی۔ قید خانے کا داروغہ اور مسلح سپاہی اندر داخل ہوئے۔ اس نے عاصم کو لے جانے کا حکم دیا۔

باب ۳۶

پرویز نے رومی ایلچیوں کو شرفِ باریابی عطا کرنے سے پہلے اُن کے سامنے صلح کی شرائط پیش کرنے کی ذمہ داری اپنے وزراء اور فوج کے عہدہ داروں کے علاوہ اُن مجوسی کاہنوں کو سونپ دی تھی جو عیسائیوں کی تذلیل اپنا مذہبی فریضہ خیال کرتے تھے۔ اور ان لوگوں نے چند دن غور و فکر کے بعد ہرقل کے ایلچیوں کے سامنے جو مسودہ پیش کیا تھا، وہ ایسی توہین آمیز شرائط پر مشتمل تھا جو صرف ایک ظالم فاتح اپنے پاؤں میں گرے ہوئے دشمن کی شاہرگ پر تلوار رکھ کر منوا سکتا تھا۔ لیکن رومیوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

جب پرویز کو اُس کے نمائندوں نے یہ اطلاع دی کہ ہرقل کے ایلچی زہر کے تلخ گھونٹ اپنے حلق سے اُتارنے پر آمادہ ہوگئے ہیں تو اُس نے ایک دن پوری شان و شوکت کے ساتھ اپنا دربار منعقد کیا، اور ہرقل کے ایلچی بے بس قیدیوں کی طرح وہاں لائے گئے۔

ایک بلند چبوترے پر جو بیش قیمت قالینوں سے آراستہ تھا، شہنشاہ کی مسند کے قریب سونے کے آتشدان میں مقدس آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے اور چبوترے سے نیچے سلطنت کے اکابر حسبِ مراتب صفیں باندھے کھڑے تھے۔ ملکہ شیریں شہنشاہ کے پہلو میں رونق افروز تھی۔

رومیوں کے لئے یہ وسیع ہال جس کے ستون اور دیواریں سونے اور چاندی سے مزین، فرش بیش قیمت قالینوں سے آراستہ تھے اور جس کی چھت لاتعداد فانوسوں سے سجائی گئی تھی، ایک طلسم کدہ تھا۔ وہ حاضرینِ دربار کی قبائیں اور جواہرات سے مرصع ٹوپیاں دیکھتے اور انہیں ایسا محسوس ہوتا کہ دنیا کی

ساری دولت سمٹ کر اس دربار میں جمع ہو گئی ہے۔ وہ یہ اُمید لے کر آئے تھے کہ شاید کجکلاہِ ایران ُن کی التجائیں سُن کر صُلح کی شرائط نرم کرنے پر آمادہ ہو جائے، لیکن ابھی وہ مسند سے چند قدم دُور تھے کہ سپاہیوں نے اُن کی گردنیں دبوچ لیں اور انہیں زبردستی سربسجود ہونے پر مجبور کر دیا۔ پھر چند ثانئے بعد کسریٰ کے ہاتھ کا اشارہ پا کر سپاہیوں نے انہیں بازوؤں سے پکڑ کر اُٹھا دیا اور وہ دم بخود ہو کر اُس کی طرف دیکھنے لگے۔

نقیب رُومی زبان میں چلاّیا۔ "تم فاتحِ عالم کے دربار میں کھڑے ہو۔ اگر جان عزیز ہے تو اپنی گستاخ نگاہیں نیچی کرو۔"

اُنہوں نے حکم کی تعمیل کی لیکن چند ثانیئے بعد سائمن نے قدرے جرأت سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"عالیجاہ! ہم ہرقل کی طرف سے......"

نقیب دوبارہ چلاّیا۔ "خاموش تمہیں فاتحِ عالم کے ساتھ ہمکلام ہونے کی جرأت نہیں کرنی چاہیئے۔"

سائمن کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی۔

پرویز کے وزیر نے شہنشاہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "فاتحِ عالم! آپ کا ادنیٰ غلام صلح کی شرائط کا اعلان کرنے کی اِجازت چاہتا ہے۔"

کسریٰ نے اپنے سر کو ہلکی سی جنبش دی اور وزیر نے یہ اعلان کیا۔ "فاتحِ عالم، فرمانروائے اعظم خسرو پرویز نے صلح کے لیے روم کے حکمران ہرقل کی التجا قبول فرماتے ہوئے اُس کے با اختیار نمایندوں کے ساتھ حسبِ ذیل شرائط طے فرمائی ہیں۔

ہرقل شام، فلسطین، مصر، آرمینیا اور ایشیائے کوچک کے تمام مفتوحہ علاقوں پر شہنشاہِ ایران کی حکمرانی تسلیم کرتا ہے۔ فاتحِ عالم یہ اعلان فرماتے ہیں کہ وہ باسفورس کے مغرب میں رومی سلطنت کے کسی اور حِصّہ پر قبضہ نہیں کریں گے اور اس کے بدلے رُومی انہیں، ایک ہزار ٹالنٹ سونا، ایک ہزار ٹالنٹ چاندی، ایک ہزار حریر کی قبائیں، ایک ہزار بہترین گھوڑے اور ایک ہزار رُومی دوشیزائیں بطور خراج پیش کریں گے۔ اگر چھ ماہ کے عرصے میں یہ شرائط پُوری نہ کی گئیں تو یہ معاہدہ کالعدم سمجھا جائے گا۔

اب شہنشاہِ عالم ہرقل کے ایلچی سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ انہیں یہ شرائط قبول ہیں؟"

سائمن نے کسریٰ کی طرف دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "عالیجاہ! ہرقل کو آپ کے احکام کی تعمیل سے انکار نہیں ہوگا۔ لیکن رُوم کے حالات آپ سے پوشیدہ نہیں۔ ہرقل کو اتنا خراج جمع کرنے کے لیے زیادہ مہلت کی ضرورت ہوگی۔"

ملکہ نے شہنشاہ کو اپنی طرف متوجہ کرکے کچھ کہا اور وہ پہلی بار سائمن سے مخاطب ہُوا۔ "اگر ہرقل نے ہمیں اِس بات کا اطمینان دلا دیا کہ وہ نیک نیتی سے ہماری شرائط پورا کرنا چاہتا ہے تو ہم اس کی درخواست پر اُسے مزید مہلت دینے کے متعلق سوچیں گے۔"

سائمن نے کہا۔ "عالیجاہ! میں آپ کو یہ اطمینان دلا سکتا ہُوں کہ ہرقل آپ کی شرائط تسلیم کرنے میں پس و پیش نہیں کرے گا اور اس سلسلہ میں اُن کے اپنے ہاتھ کی تحریر آپ کے پاس پہنچ جائے گی۔"

پرویز نے کہا۔ "تُم ہرقل کو ہماری طرف سے یہ پیغام دے سکتے ہو کہ اگر اُس نے حیلہ جوئی سے کام لیا تو ہمارے سپاہی دُنیا کے آخری کونے تک اُس کا پیچھا کریں گے اور قسطنطنیہ کا نام و نشان تک مٹا دیا جائے گا۔"

سائمن نے جواب دیا۔ "عالیجاہ! ہرقل کو اس بات کا پورا احساس ہے کہ آپ کی ناراضگی ہمارے لیے کس قدر تباہ کن ثابت ہوسکتی ہے۔ اگر فاتحِ عالم مجھے اجازت دیں تو میں ایک اِلتجا کرنا چاہتا ہُوں۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"عالیجاہ! ایک عرب نے دستگرد تک ہماری راہنمائی کی تھی اور اب وہ آپ کی قید میں ہے۔ اُس کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ رُوم اور ایران کی صلح کا خواہش مند تھا۔ میری التجا ہے کہ اُسے رہا کر دیا جائے۔"

پرویز نے غضب ناک ہو کر کہا۔ "وہ عرب ایران کے ایک ایسے غدّار کا دوست تھا، جسے موت کے گھاٹ اتارا جاچکا ہے۔ اور ہم تمہیں اُس کی حمایت میں زبان کھولنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ تُم جا سکتے ہو؟"

سائمن نے سر جُھکا کر سلام کیا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اُلٹے پاؤں باہر نکل آیا۔

دستگرد کا بڑا کاہن آگے بڑھا اور مسند کے قریب کھڑا ہو کر بولا۔ "عالیجاہ! میں آپ کی رعایا کی طرف سے اِس عظیم فتح پر آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اب ایران کے فرزند فخر کے ساتھ سر اُونچا کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ قیصر اُن کے شہنشاہ کا ایک حقیر غلام ہے۔"

ایک وزیر نے بلند آواز سے نعرہ لگایا۔ "فاتحِ عالم! آپ کا اقبال بلند ہو اور آپ کے دُشمن ذلیل و خوار ہوں۔" اور حاضرینِ دربار اُس کی تقلید میں آوازیں بلند کرنے لگے۔ "کسریٰ کا اقبال بلند ہو۔ کسریٰ کے دُشمن ذلیل و خوار ہُوں۔"

پرویز نے اچانک ہاتھ بلند کیا اور وہ خاموش ہوگئے۔ اُس نے کہا۔ "ہم اس کامیابی کی خوشی میں ایک ہفتہ کے لیے جشنِ عام کا حکم دیتے ہیں۔"

اگلی صبح قیصر کے ایلچی دستگرد سے روانہ ہوچکے تھے۔



ایک رات یوسیبیا اپنے بستر پر سو رہی تھی اور فسطینہ اُس کے قریب دوسرے پلنگ پر تکیے سے ٹیک لگائے کشیدہ کاری میں مصروف تھی۔ کسی نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی اور اُس نے چونک کر پُوچھا۔ "کون ہے؟"

"بیٹی دروازہ کھولو، میں فیروز ہوں۔"

فسطینہ نے ریشمی کپڑا ایک طرف رکھ دیا اور اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ عمر رسیدہ نوکر تذبذب کی حالت میں یوسیبیا کے بستر کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے چچا! امّی جان کو جگا دوں؟"

"نہیں اِس وقت انھیں بے آرام کرنا ٹھیک نہیں۔ تم میرے ساتھ آؤ، دست گرد سے ایک آدمی آیا ہے اور وہ کوئی ضروری پیغام دینا چاہتا ہے۔"

ایک ثانیہ کے لیے فسطینہ کا سارا وجود لرز اُٹھا اور پھر اُس نے اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش

کرتے ہوتے پوچھا۔ "کہاں ہے وہ؟"

"بیٹی میں اُسے کونے کے کمرے میں چھوڑ آیا ہوں۔"

فسطینہ کمرے سے باہر نکلی تو شدتِ اضطراب سے اُس کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔

اچانک اُس نے رُک کر سوال کیا۔ "چچا تم نے اس سے ابّا جان کے متعلق نہیں پوچھا؟"

"میں نے اُس سے کئی سوال کئے ہیں۔ لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ میں صرف سین کی بیٹی یا بیوی سے کوئی بات کرسکتا ہوں۔"

"اگر وہ کوئی اجنبی ہے تو میں امی جان کو جگا دیتی ہوں۔"

"بیٹی وہ کلاڈیوس ہے۔"

"کلاڈیوس! وہی جو ابّا جان کے ساتھ گیا تھا؟"

"ہاں!"

"تم نے پہلے یہ کیوں نہیں بتایا؟" فسطینہ یہ کہہ کر کمرے کی طرف بڑھی۔ کلاڈیوس کمرے کے اندر ٹہل رہا تھا۔

"آپ کب آئے، ابّا جان کہاں ہیں؟ آپ تنہا کیوں آئے، آپ کے ساتھی کہاں ہیں؟" فسطینہ نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر دیئے اور پھر سراپا التجا بن کر کلاڈیوس کی طرف دیکھنے لگی۔

چند ثانیے کلاڈیوس کے مُنہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ پھر اُس نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ کے ابّا جان اور عاصم ہمارے ساتھ نہیں آسکے۔ میں اپنے دُوسرے ساتھیوں کے ساتھ غروبِ آفتاب کے وقت یہاں پہنچا ہوں۔ ہم نے باہر پڑاؤ میں قیام کیا ہے۔ ہم علی الصباح کشتی پر سوار ہو جائیں گے۔ مجھے اندیشہ تھا کہ شاید میں جانے سے پہلے آپ کو نہ دیکھ سکوں۔ قلعہ کے محافظ نے مجھے بڑی مشکل سے رات کے وقت اندر آنے کی اجازت دی ہے۔ آپ کی امّی جان کیسی ہیں؟"

"اُن کی طبیعت کئی دنوں سے خراب ہے آج وہ سو گئی تھیں اور میں نے انہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا لیکن اگر ضروری ہو تو میں انہیں بلا لاتی ہوں۔"

"نہیں، نہیں، انہیں تکلیف نہ دیجئے۔ آپ بیٹھ جائیں، میں آپ سے چند ضروری باتیں کہنا چاہتا ہوں۔"

فسطینہ اضطراب کی حالت میں ایک کرسی پر بیٹھ گئی، کلاڈیوس کچھ دیر پریشانی کی حالت میں دروازے کے سامنے فیروز کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا۔ "کچھ کہنے سے پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ اپنے نوکر پر کہاں تک اعتماد کر سکتی ہیں؟"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "ابّا جان نے فیروز کی وفاداری پر کبھی شبہ نہیں کیا، اور میں اسے چچا فیروز کہا کرتی ہوں۔"

کلاڈیوس نے کچھ سوچ کر کہا۔ "آپ کو معلوم ہے کہ میں عاصم کا دوست ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے اور میں آپ کو اپنا بھائی سمجھتی ہوں۔ لیکن خدا کے لیے آپ میری قوتِ برداشت کا امتحان نہ لیں۔"

کلاڈیوس نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ فسطینہ کے سر پر رکھ دیے اور انتہائی کرب انگیز لہجے میں کہا۔ "میری بہن مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے لئے کوئی اچھی خبر لے کر نہیں آیا۔ میرے پاس اتنا وقت بھی نہیں کہ میں تمہیں تسلی دے سکوں۔ میری ذمہ داری تمہیں اور تمہاری والدہ کو ایک بہت بڑے خطرے سے نکالنا ہے اور اس ذمہ داری سے میں اُسی صورت میں عہدہ برآ ہو سکتا ہوں کہ تم حوصلے اور ہمت سے کام لو ــــ میں یہ جانتا ہوں کہ میں دستگرد سے جو خبر لایا ہوں اُسے سننے اور برداشت کرنے کے لیے ایک پہاڑ جیسے دل کی ضرورت ہے۔ لیکن حالات کا تقاضا یہ ہے کہ تمہاری چیخیں تمہارے سینے میں دبی رہیں اور تمہارے آنسو تمہاری آنکھوں سے باہر نہ نکلیں۔"

فسطینہ سکتے کے عالم میں کلاڈیوس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اور کلاڈیوس ایسا محسوس کر رہا تھا کہ اُس کے الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو چکا ہے۔ "فسطینہ!" اُس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "تمہارا باپ واپس نہیں آئے گا۔ اُسے پرویز نے قتل کر دیا ہے۔ عاصم کو قید کر لیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ کسی دن آزاد ہو کر تمہارے پاس پہنچ جائے۔ لیکن دستگرد میں تمہارے باپ کے دوستوں کو اس بات کا خدشہ

ہے کہ شاید تمھارے متعلق بھی پرویز کی نیت ٹھیک نہ ہو ــــ مجوسی کاہن اُسے ہر وقت تمھارے خلاف مشتعل کرسکتے ہیں۔ تمھارے خلاف اُن کا یہی کہہ دینا کافی ہو گا کہ تم عیسائی ہو ــ اب پرویز کی سلطنت میں تمھارے باپ کے کسی عزیز یا ساتھی کی زندگی محفوظ نہیں. کاش کوئی ایسی صُورت ہوتی کہ ہم تمھیں اپنے ساتھ قسطنطنیہ لے جاتے لیکن یہ ممکن نہیں۔ ایران کے سفیر ہمارے ساتھ جا رہے ہیں. پرسوں رات اگر تم کسی بہانے یہاں سے نِکل سکو تو شہر سے باہر قریباً تین میل، جنوب کی طرف سمندر کے کنارے ایک اُجڑی ہُوئی خانقاہ کے قریب چند آدمی تمھارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اگر میں کسی وجہ سے اُن کے ساتھ نہ آسکا تو میری جگہ ولیریس وہاں موجود ہو گا۔ ہمارا جہاز ساحل سے دُور کھڑا رہے گا اور تمھارے لیے رات کے وقت ایک کشتی بھیج دی جائے گی۔ آپ میری باتیں سُن رہی ہیں ؟"

فسطینہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ دیر تک پتھر کی بے جان مُورتی کی طرح بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ پھر اچانک اُس نے ایک جھرجھری لی اور اس کی پتھرائی ہوئی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔

کلاڈیوس نے گھٹی ہُوئی آواز میں کہا۔" تمھارے باپ کی آخری خواہش یہی ہو سکتی تھی کہ تم مجوسیوں کے انتقام سے بچ کر کسی محفوظ جگہ پہنچ جاؤ۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ قسطنطنیہ کب تک محفوظ رہ سکے گا۔ لیکن میں تمھارے ساتھ یہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ جب تک باسفورس کا پانی ہمارے خون سے سُرخ نہیں ہو جاتا اور جب تک قسطنطنیہ کی گلیوں اور بازاروں میں ہماری لاشوں کے انبار نہیں لگ جاتے ہم تمھاری جان اور عزت کی حفاظت کریں گے۔ کم از کم تمھیں یہ شکایت نہیں ہوگی کہ قیصر کے کسی سپاہی نے اپنے زندگی میں سین کی بیوی اور بیٹی کی بے بسی کا منظر دیکھا ہے۔

سین نے جس مقصد کے لیے قربانی دی ہے وہ صرف اس حد تک پُورا ہُوا ہے کہ پرویز نے ہمارے ساتھ گفتگو کرنا قبول کر لیا تھا۔ لیکن ہمیں اندیشہ ہے کہ صلح کے لیے اُس کی توہین آمیز شرائط انتہائی بزدل رومیوں کے لیے بھی ناقابل قبول ہوں گی ــــ ہمارے لیے دستِ گرد سے زندہ واپس آنے کی یہی ایک صُورت تھی کہ ہم پرویز کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اب امن کی بجائے رُوم اور ایران کے درمیان ایک فیصلہ کن معرکے کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔ آپ کے لیے یہ سمجھنا

مشکل نہیں کہ جنگ کی صُورت میں ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔

ابھی تک یہاں سین کی موت کے متعلق کوئی سرکاری اطلاع نہیں پہنچی۔ دست گرد سے جو ایرانی ہمارے ساتھ آئے ہیں اُنھوں نے صرف ایرانی فوج کے چند بڑے عہدہ داروں سے باتیں کی ہیں اور قائم مقام سپہ سالار نے انھیں بڑی سختی سے یہ ہدایت کی ہے کہ وہ عام سپاہیوں سے اس حادثے کا ذکر نہ کریں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ بہت جلد یہ خبر سارے لشکر میں مشہور ہو جائے گی اور اس کے بعد تمھارے لیے قلعے سے باہر نکلنا ناممکن ہو جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دو چار دنوں تک پرویز کا ایلچی تمھیں دست گرد پہنچانے کا حکم لے کر آ جائے اور یہاں تمھارے باپ کے بہترین دوست بھی تمھارے لیے کچھ نہ کر سکیں۔ اِس لیے ابھی یہ بات کسی پر ظاہر نہیں ہونی چاہیئے کہ تمھیں اپنے باپ کی موت کی اِطلاع مِل چُکی ہے۔ میری بہن ! میں یہ جانتا ہوں کہ اس وقت تمھارے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ لیکن یہ جگہ آنسو بہانے کے لیے موزوں نہیں ہے۔"

فسطینہ نے بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہُوئے کہا۔" مجھے یقین نہیں آتا کہ پرویز نے میرے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ امّی جان ! کہا کرتی ہیں کہ وہ بچپن کے دوست تھے۔ یہ کیسے ممکن ہے ؟ اگر آپ کی باتیں دُرست ہیں تو میں زندہ رہ کر کیا کروں گی ؟"

کلاڈیوس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو چکی تھیں۔ اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔" فسطینہ تمھارا باپ مر چکا ہے۔ لیکن عاصم زندہ ہے، اور تمھیں اس کے لیے زندہ رہنا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے، کہ رہائی کے بعد وہ تمھاری تلاش میں دُنیا کا کونہ کونہ چھان مارے گا۔ کیا تم یہ گوارا کر لو گی، تم ایک قیدی کی حیثیت میں دست گرد پہنچا دی جاؤ اور کسریٰ کے محل کی دیواریں مرتے دم تک عاصم اور تمھارے درمیان حائل رہیں، تمھیں معلوم ہے کہ اب بھی وہاں تم جیسی تین ہزار لڑکیاں موجود ہیں، جن کی فریاد اُن کے والدین، اُن کے بھائیوں یا شوہروں کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی ؟"

فسطینہ نے شدّت کرب سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

کلاڈیوس قدرے توقف کے بعد فیروز کی طرف متوجہ ہُوا۔" میں زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔

اگر تم سین کے وفادار ہو تو تم ان کی مدد کر سکتے ہو — پرسوں رات میرے آدمی تمھیں یہاں سے نکالنے کی کوشش کریں گے، اور یہ اُن کی پہلی اور آخری کوشش ہو گی۔ اس کے بعد ہمیں شاید دوسرا موقع نہ مل سکے۔ اگر فوج کا کوئی بڑا افسر تمھارے آقا کا وفادار ہے تو وہ میری باتوں کی تصدیق کر دے گا۔"

فیروز کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، اُس نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ فوج کا کوئی افسر مجھ سے یہ خبر چھپانے کی کوشش نہیں کرے گا، لیکن مجھے تصدیق کی ضرورت نہیں — میرے آقا کو اس بات کا یقین تھا کہ وہ دست گرد سے واپس نہیں آئیں گے۔ اب اگر پرسوں تک کوئی اور حادثہ پیش نہ آگیا تو ہم سمندر کے کنارے آپ کی کشتی کا انتظار کریں گے۔ میں وہ پرانی خانقاہ کئی بار دیکھ چکا ہوں۔"

کلاڈیوس نے فسطینہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی والدہ کو تسلی نہیں دے سکا۔ لیکن اگر وہ یہاں موجود ہوتیں تو شاید میرا کام اور زیادہ مشکل ہو جاتا۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔"

فسطینہ نے اُس کی طرف دیکھا، لیکن کوشش کے باوجود اُس کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔

کلاڈیوس ایک ثانیہ کے بعد خدا حافظ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھا اور فیروز اس کے پیچھے ہو لیا۔

باب ۳۷

سلطنت روما کی صدیوں کی عظمت خاک میں مل چکی تھی اور کجکلاہِ ایران قیصر کے ایلچیوں سے انتہائی توہین آمیز شرائط منوانے کے بعد روئے زمین کا مغرور ترین انسان بن چکا تھا۔ عوام فتح کا جشن منا چکے تھے اور ان سات دنوں میں ان کے میکدے شراب سے خالی ہو چکے تھے۔ کسریٰ کے مفتوحہ ممالک کی افواج کو اپنے حکمران کی کامیابی کی اطلاع ذرا تاخیر سے ملی۔ تاہم انھوں نے بھی جشن کی رسومات پورے جوش و خروش سے ادا کیں۔ بے بس عوام کے لیے یہ دن قیامت کے دن تھے۔ شراب سے بدمست سپاہیوں کی ٹولیاں ان دنوں بھوکے بھیڑیوں کی طرح انسانوں کی بستیوں میں گھومتی تھیں اور وحشت اور بربریت کے جگر خراش مناظر جو ان لوگوں نے اپنی شکست کے ایام میں دیکھے تھے وہ پھر ایک بار پوری شدت کے دہرائے جا رہے تھے۔ ایشیائے کوچک مصر اور شام کی فضائیں ظالموں کے قہقہوں اور مظلوموں کی چیخوں سے لبریز تھیں۔

کسریٰ کے لیے اس جشن کے بعد بھی ہر دن جشن کا دن تھا۔ وہ عام طور پر شراب سے مدہوش رہتا تھا اور جب کبھی شراب کا نشہ کم ہونے لگتا یا رقص و موسیقی کی محفلوں سے اسے کچھ اکتاہٹ محسوس ہوتی تو وہ ان خوشامدیوں اور جی حضوریوں کو اپنے گرد جمع کر لیتا جو کیخسرو اور دارا کی فتوحات کے ساتھ اس کی کامیابیوں کا موازنہ کر کے اسے یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے کہ ان میں سے کوئی آپ کا ہم پلہ نہیں تھا۔ مجوسی کاہن بظاہر اسے ایک دیوتا کا رتبہ دیتے تھے لیکن انھیں اس بات کا افسوس تھا کہ سینٹ صوفیہ اور سلطنت روما کے دوسرے عظیم گرجوں کو آتش کدوں میں تبدیل نہیں کر سکے۔

ایک دن یمن کا ایرانی گورنر سالانہ لگان کی رقم سرکاری خزانے میں جمع کرانے کے لیے دست گرد پہنچا۔

پرویز نے اس کی آمد کی اطلاع ملتے ہی اسے اپنے پاس طلب کیا اور یمن کے حالات پوچھنے کے بعد سوال کیا "ہم نے سنا ہے کہ عرب کے کسی باشندے نے خدا کا نبیؐ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ تم اس کے متعلق کیا جانتے ہو؟"

گورنر نے جواب دیا۔ "عالیجاہ! میں نے صرف یہ سنا ہے کہ یہ نبیؐ مکہ میں پیدا ہوا ہے اور اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس پر خدا کا کلام نازل ہوتا ہے۔"

"تمھیں یہ معلوم ہے کہ اس نبیؐ نے رومیوں کے ہاتھوں ہماری شکست کی پیش گوئی کی ہے؟"

"میں نے یہ سنا ہے عالیجاہ! لیکن آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ اہلِ مکہ نے نبوت کے اس دعویدار اور اس پر ایمان لانے والے چند نادار اور بے بس لوگوں کو وہاں سے نکال دیا ہے اور اس نے وہاں سے کئی منزل دور یثرب میں پناہ لی ہے اس کے بعد مکہ سے جو اطلاعات میرے پاس پہنچی ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس کے اپنے قبیلے کے لوگ اس کے خون کے پیاسے ہیں اور وہ اسے یثرب میں بھی چین نہیں لینے دیں گے۔ عالیجاہ! شام سے مکہ کے راستے یمن آنے والے تاجر مجھے عرب کے حالات سے باخبر رکھتے تھے اور میں ان کی زبانی اکثر یہ سنا کرتا تھا کہ جب مکہ میں ہماری فتوحات کی خبریں پہنچتی ہیں تو وہاں کے لوگ اس نبیؐ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اب حضور کے دربار میں قیصر کے ایلچیوں نے جس بے چارگی کا ثبوت دیا ہے اس کے بعد عرب کا کوئی ذی شعور آدمی یہ تصوّر نہیں کر سکتا کہ اہل روم دوبارہ سر اٹھا سکیں گے — مجھے یقین ہے کہ جب یثرب میں بھی اس معاہدے کی اطلاع پہنچے گی تو وہاں بھی مکہ کے نبیؐ کا مذاق اڑایا جائے گا لیکن عالیجاہ! میں ان لوگوں کی جسارت پر حیران ہوں جنھوں نے آپ کو اس پیشگوئی کی اطلاع دے کر پریشان کیا ہے۔"

کسریٰ نے برہم ہو کر یمن کے گورنر کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ہمیں اس خبر سے کوئی پریشانی نہیں ہوئی ہم یہ جانتے ہیں کہ رومی اب قیامت تک سر نہیں اٹھا سکیں گے — ہم نے قیصر کا غرور ہمیشہ کے لیے خاک میں ملا دیا ہے لیکن یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ عرب کے ایک باشندے کو ہمارے خلاف اس قسم کی پیشگوئی کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا اس دنیا میں اتنے بے خبر لوگ بھی ہو سکتے ہیں جنھیں ہماری طاقت اور ہماری فتوحات کا علم نہ ہو۔"

یمن کے حاکم نے کہا: "عالیجاہ! عرب کے نبیؐ نے یہ پیش گوئی اس وقت کی تھی جب کہ رومی

سلطنت میں ابھی زندگی کے چند سانس باقی تھے اور بعض لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو سکتے تھے کہ شاید جنگ کا پانسہ پلٹ جائے۔ مجھے کوئی پانچ سال قبل اس پیش گوئی کی اطلاع ملی تھی لیکن اب تو کوئی دیوانہ ہی اس پیش گوئی کو اہمیت دے سکتا ہے۔"

پرویز نے قدرے تلخ ہو کر پوچھا۔ "اگر تمھیں پانچ سال قبل اطلاع ملی تھی تو تم نے ہمیں خبر کیوں نہ دی؟"

"فاتح عالم! اگر مجھے یہ خدشہ ہوتا کہ دنیا کی کوئی طاقت آپ کو شکست دے سکتی ہے تو میں یقیناً آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ لیکن میرے نزدیک آپ کی فتوحات کے سیلاب کے سامنے اس پیشگوئی کی کیا حقیقت تھی۔ آخر یروشلم کے راہب بھی تو یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ ایران کا لشکر یروشلم کی دیواروں تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

کسریٰ کے بے رحم چہرے پر ایک خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور یمن کا گورنر اچانک یہ محسوس کرنے لگا کہ اس کے سر سے ایک طوفان گزر چکا ہے۔



ظاہر بین نگاہیں رومیوں کی ذلت اور رسوائی کا آخری نقشہ دیکھ رہی تھیں۔ قسطنطین کے جانشین اس تاریک گڑھے میں دم توڑ رہے تھے جہاں سے ان کے دوبارہ اٹھنے کے امکانات ختم ہو چکے تھے۔ ہرقل کے اقبال کا آفتاب غروب ہو چکا تھا اور اس کے مقدر کی رات ان ستاروں کی جھلملاہٹ کے بغیر تھی جو تھکے ہارے مسافروں کو صبح کا پیغام دیتے ہیں لیکن اب بھی خدا کی زمین پر مٹھی بھر انسانوں کی ایک جماعت ایسی تھی۔ جن کے نزدیک ابھی تک فتح اور شکست کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ محمدؐ عربی کے یہ غلام جنھیں مشرکینِ مکہ ایرانیوں کی فتوحات کی خبریں سنا کر چڑایا کرتے تھے اپنے آقا کی زبانِ مبارک سے خالقِ ارض و سما کا یہ پیغام سن چکے تھے کہ رومیوں کی شکست بالآخر فتح میں تبدیل ہو جائے گی اور زمانے کا کوئی انقلاب اس پیشگوئی کی صداقت پر ان کا ایمان متزلزل نہیں کر سکتا تھا۔

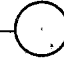
مشرکین مکہ کے نزدیک صرف ایرانیوں پر رومیوں کے غلبہ کی پیش گوئی ہی ناقابلِ یقین نہ تھی بلکہ اس سے کہیں زیادہ وہ اس بات پر حیران تھے کہ اس پیشگوئی کے ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی اللہ کی بخشی ہوئی نصرت پر

خوشیاں منانے کی بشارت دی گئی تھی اور خدا کے یہ بندے جس یقین کے ساتھ رومیوں کی فتح کا انتظار کر رہے تھے۔ اسی یقین کے ساتھ اپنی فتح کا انتظار کر رہے تھے پھر جس طرح کسریٰ کو رومیوں سے انتہائی ذلیل شرائط منوانے کے بعد اس بات کا خدشہ ذرہ بھر نہ تھا کہ رومی اس کی طاقت کے سامنے دوبارہ سر اٹھانے کی جرأت کریں گے۔ اسی طرح مشرکینِ مکہ کو بھی یہ بات خارج از امکان معلوم ہوتی تھی کہ بے بس انسانوں کا یہ گروہ جس پر وہ اپنے ظلم کے ترکش کے سارے تیر آزما چکے ہیں۔ عرب کے کسی میدان میں اپنی فتح کا پرچم گاڑ سکے گا۔ قیصر اپنی شکست کا اعتراف کرنے کے باوجود ایک بادشاہ تھا۔ اس گئی گزری حالت میں بھی باسفورس کے پار اس کے قلعے اور فوجی مستقر موجود تھے۔ کلیسا کی قوت اس کی پشت پر تھی اور ہزاروں انسان اس کی آواز پر لبیک کہنے کے لیے موجود تھے —— لیکن محمد عربی ﷺ اور ان کے مٹھی بھر غلاموں کی حالت یہ تھی کہ انھیں اپنے گھر بار چھوڑ کر کوسوں دور پناہ لینے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔

مشرکینِ مکہ اپنی قوت اور جنگی وسائل کے اعتبار سے غریب اور نادار مسلمانوں پر وہی فوقیت رکھتے تھے جو ایرانیوں کو رومیوں پر حاصل تھی اور اس وقت جب کہ وہ مکہ میں اپنے عزیزوں، دوستوں اور بھائیوں کے بے پناہ مظالم سے تنگ آکر انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں مدینے کا رخ کر رہے تھے۔ یہ کون کہہ سکتا تھا کہ اس چھوٹے سے قافلے کا ہر قدم فتح کی منزل کی طرف اٹھ رہا ہے اور راستے کی یہ پہاڑیاں جو ان کی بے بسی کا مشاہدہ کر رہی ہیں کسی دن ان کے جاہ و جلال سے لرز اٹھیں گی —— یہ کون کہہ سکتا تھا کہ کفر کی تاریک آندھیوں سے پناہ ڈھونڈنے والے نور کا ایک ایسا سیلاب بن کر لوٹیں گے جس کی تابانیوں سے مکہ کے در و دیوار جگمگا اٹھیں گے۔ ظاہر بین آنکھوں کو عرب و عجم کا صرف ایک ہی نقشہ دکھائی دیتا تھا اور وہ یہ تھا کہ عرب کے اندر صرف اسلام کے دشمن اور عرب سے باہر صرف رومیوں کے ایرانی حریف ہی غالب رہیں گے۔ ان کے نزدیک نصرانیوں کی تقدیر مجوسیوں اور مسلمانوں کی قسمت مشرکینِ مکہ کے ہاتھ میں تھی —— دست گرد کے مجوس کاہن اس بات پر خوشیاں منا رہے تھے کہ زردشت کا دین عیسائیت پر دائمی غلبہ حاصل کر چکا ہے اور عرب کے بت پرست اس بات پر شاداں تھے کہ ان کے لات و ہبل ایک ایسے دین کو شکست دے چکے ہیں جس کی تعلیم ان کے صدیوں کے عقائد کے منافی تھی۔ لیکن اسلام کی صداقت پر ایمان لانے والوں میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جسے اس

پیش گوئی کی صداقت پر ایمان نہ ہو —— وہ اپنے آقا کی نگاہوں سے مستقبل کا نقشہ دیکھ چکے تھے اور حال کے آلام و مصائب کو ناقابلِ شکست حوصلوں کے ساتھ برداشت کر رہے تھے —— دنیا میں کوئی ایسا نہ تھا جس کا حال ان سے زیادہ اذیت ناک تھا اور دنیا میں کوئی ایسا نہ تھا جو اپنے مستقبل متعلق ان سے زیادہ پُرامید تھا وہ صرف یہ جانتے تھے کہ روم و ایران اور اپنے مستقبل کے متعلق ان کے آقا کی پیش گوئی کے پورا ہونے کا وقت آگیا ہے —— اور انھیں یہ سوچنے کی ضرورت نہ تھی کہ قدرت رومیوں کو موت کے چنگل سے چھڑا کر فتوحات کے راستے پر ڈالنے کے لیے کون سے اسباب مہیا کرے گی اور پھر یہ مختصر سا قافلہ جو انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں مکہ سے نکل کر مدینہ میں پناہ لے چکا ہے کس طاقت کے بل بوتے پر اللہ کے دین کے ان دشمنوں کو شکست دے سکے گا جو عرب قبائل میں ایک مرکزی حیثیت کے مالک تھے اور جو اسلام کو عرب کی جاہلی رسوم کا بدترین دشمن ثابت کر کے پورے ملک کو اپنے پیچھے لگا چکے تھے۔ عرب میں صرف مکہ ہی ایک ایسا شہر تھا جسے پورے ملک میں ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اگرچہ حضرت ابراہیمؑ کا دین مشرکانہ رسومات کا مجموعہ بن کر رہ گیا تھا اور روئے زمین پر خدا کا پہلا گھر بتوں سے بھر دیا گیا تھا تاہم اس شہر کے ساتھ عربوں کی عقیدت کا رشتہ ابھی تک قائم تھا۔ وہ ہر سال حج کی رسومات ادا کرنے اور اپنے ہاتھوں کے بنائے بتوں سے منتیں ماننے کے لیے یہاں آتے تھے اور صدیوں سے بیت اللہ کی نگرانی اور حفاظت کے فرائض ادا کرنے کے بعد قبیلۂ قریش کو بھی عرب قبائل میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔ وہ اس جہالت کے علمبردار تھے جس کی تاریکیاں پورے عرب کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے تھیں۔ وہ ان مذہبی اور سیاسی عقائد کے معلم تھے جن کے باعث یہ ملک ایک اخلاقی انحطاط کی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ ان حالات میں ایک نئے دین کے خلاف ان کا نعرہ پورے عرب کو مشتعل کر سکتا تھا اور ظاہری حالات سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ جب عرب کے کسی میدان میں مسلمانوں کے ساتھ قریشِ مکہ کا تصادم ہو گا تو پورے عرب کی طاقت ان کی پشت پر ہو گی۔ اگر مکہ سے کوئی بگولہ اٹھا تو یثرب تک پہنچتے پہنچتے وہ ایک مہیب آندھی میں تبدیل ہو جائے گی۔ لیکن وہ قافلہ جو رات کے وقت مکہ سے نکلا تھا اور جس کی ساری پونجی ایمان کی نہ ختم ہونے والی دولت تک محدود تھی، ظاہری حالات کے تاریک پردوں کے آگے ایک ایسے مستقبل کی منازل

دیکھ رہا تھا۔ جہاں ایک نئی صبح کا آفتاب پوری تابانیوں کے ساتھ جلوہ افروز تھا*



ہرقل کی افواج جنگ کے میدانوں میں پٹ چکی تھیں۔ اس کے خزانے خالی ہو چکے تھے اور اب حالات نے اسے ایک بے رحم اور مغرور دشمن کے انتہائی توہین آمیز مطالبات تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کی رعایا اس سے بددل اور مایوس ہو چکی تھی۔ اور قسطنطنیہ کے در و دیوار اس کا مذاق اڑا رہے تھے اور وہ تاج جو سلطنتِ روما کی سطوت اور جبروت کا آئینہ دار تھا اسے غلامی کے طوق سے زیادہ بدنما محسوس ہوتا تھا۔ وہ ایک ایسی کشتی کا ناخدا تھا جس کے پیندے میں سوراخ ہو چکے تھے ـــــ اہلِ روم جو چند برس قبل اسے اپنا نجات دہندہ سمجھ کر اس کے راستے میں آنکھیں بچھاتے تھے اب اس کے وجود کو اپنے لیے ایک سزا سمجھتے تھے ـــــ لیکن انھیں کیا معلوم تھا کہ روم کی ذلت اور رسوائی کا آخری منظر دیکھنے کے بعد قدرت کی وہ ان دیکھی اور انجانی قوتیں اچانک حرکت میں آجائیں گی۔ جن کے اشاروں پر باراِن رحمت کا نزول ہوتا ہے اور بادِ سموم سے جھلسے ہوئے بے جان صحرا سبزہ زار بن جاتے ہیں۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ ان کا کمزور، عیاش اور بے حس حکمراں کسی دن اچانک خوابِ غفلت سے بیدار ہوگا اور وہ مردہ رگیں جن پر آگ کے انگارے بھی اثر انداز نہیں ہوتے، زندگی کے خون سے لبریز ہو جائیں گی۔ اگر کوئی رومی اپنی نجات کے لیے ابھی تک معجزے کا منتظر تھا تو وہ بھی یہ سوچنے کے لیے تیار نہ تھا کہ قدرت کا کوئی معجزہ ہرقل کو مایوسی اور بددلی کے قبرستان سے نکال کر جیتے جاگتے انسانوں کی صف میں کھڑا کر سکتا ہے اور اہلِ روم اس کی قیادت میں کسی کامیابی سے ہم کنار ہو سکتے ہیں۔ ماضی کے واقعات نے انھیں بار بار جس تلخ حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور کیا تھا وہ یہ تھی کہ روم کیلئے ہرقل کا ستارہ منحوس ہے اور اگر قدرت کو ان کی بھلائی مقصود ہے تو وہ انھیں جنگ کے کسی نئے میدان کا راستہ دکھانے سے پہلے ایک ایسے حکمراں سے نجات دلانے کے اسباب پیدا کرے گی جو ماضی کے امید افزا حالات میں بھی انھیں شکست ذلت اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں دے سکا ـــــ

لیکن چند برس قبل مکہ کی گلیوں میں پیغمبرِ اسلام کی جس پیشگوئی کا مذاق اڑایا گیا تھا اس کے پورا ہونے کا وقت قریب آچکا تھا ـــــ ہرقل اس وقت خوابِ غفلت سے بیدار ہوا جب اسے دیکھنے، جاننے اور سمجھنے والے تمام انسان مایوس ہو چکے تھے۔ اس نے اس وقت اپنی زنگ آلود تلوار اٹھانے کی جرأت کی جبکہ اس کے بازو شل ہو چکے تھے، اس نے عزت کا راستہ اس وقت اختیار کیا جب کہ روئے زمین کی ساری ذلتوں اور رسوائیوں کو ایک گٹھڑی میں باندھ کر اس کی پیٹھ پر لاد دیا گیا تھا ـــــ اور اسے فتح اور نصرت کے اسباب تلاش کرنے کی اس وقت فکر ہوئی جب کہ روم کی تباہی کے تمام ظاہری اسباب مکمل ہو چکے تھے۔

کسریٰ جیسے جابر دشمن سے دوبارہ ٹکر لینے کے لیے اسے نئی افواج کی ضرورت تھی اور نئی افواج تیار کرنے کے لیے اسے وقت اور روپیہ درکار تھا۔ چنانچہ پرویز نے اسے خراج جمع کرنے کے لیے جو مہلت دی تھی اس کا ایک ایک لمحہ جنگی تیاریوں میں صرف ہونے لگا۔ دولت کی کمی پوری کرنے کے لیے اس نے سلطنت کے خالی خزانوں کی بجائے ان گرجوں اور خانقاہوں کا رخ کیا جہاں کلیسا کے اکابر سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا کھاتے تھے ـــــ یہ لوگ اپنے خزانوں سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔ لیکن قیصر نے انھیں یہ سمجھایا کہ میں تم سے قرض مانگتا ہوں اور جب روم کے دن پھر جائیں گے تو تمھارے قرض کی رقوم تمھیں سود کے ساتھ ادا کی جائیں گی ـــــ کلیسا کے اکابر کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ ایرانیوں کو خراج ادا کرنے کے بعد بھی انھیں زیادہ مدت کے لیے امن اور راحت کی زندگی نصیب نہیں ہوگی اور سونے اور چاندی کے جو ذخائر انھوں نے اپنی خانقاہوں اور گرجوں میں چھپا رکھے ہیں وہ کسی دن ایرانیوں کے ہاتھوں لوٹے جائیں گے۔ چنانچہ مذہب کے بعض پیشواؤں نے رضاکارانہ طور پر قیصر کو اپنے خزانے پیش کر دیئے اور بعض جنھوں نے تنگ دلی کا مظاہرہ کیا انھیں حکومت کے دباؤ نے صدیوں کی جمع کی ہوئی دولت سے دستبردار ہونے پر مجبور کر دیا۔

قیصر کے لیے ایرانیوں کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ لڑنا ایک مجبوری تھی۔ امن کی خاطر شاید وہ اپنی رعایا کے ہاتھوں سے سوکھی روٹیاں چھین کر بھی ایرانیوں کو پیش کر دیتا۔ لیکن ایک ہزار دوشیزاؤں کا مطالبہ پورا کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ اپنے ایلچیوں سے صلح کے لیے پرویز کی شرائط سننے کے بعد اس کے لیے دو ہی راستے تھے۔ اولاً یہ کہ وہ اپنی بے بس رعایا کو ایرانیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر کہیں بھاگ جاتا اور ثانیاً یہ کہ وہ زندگی اور موت سے بے پروا ہو کر اپنے طاقت ور، مغرور اور بے رحم دشمن کے خلاف سینہ سپر ہو جاتا

——— اور قیصر نے یہی راستہ اختیار کیا اور اس کی نیم جان رعایا کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ ان کے کمزور، بے بس اور عیاش حکمران کی ذہنیت کی تبدیلی کے ساتھ زمانہ بھی ایک نئی کروٹ بدل رہا ہے وہ کسان اور چرواہے جو صرف زندہ رہنے کے لیے ہر ذلت برداشت کرنے پر آمادہ نظر آتے تھے۔ اب آزادی یا موت کے نعرے لگاتے ہوئے ہرقل کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے تھے اور وہ سپاہی جو جنگ کی صورت میں زیادہ سے زیادہ قسطنطنیہ کی حفاظت کے لیے اپنے خون کی رہی سہی پونجی لٹانے کے متعلق سوچ سکتے تھے اب اپنے سینوں میں مشرق کے ان شہروں اور قلعوں پر یلغار کرنے کا حوصلہ پاتے تھے۔ جہاں برسوں سے مجوسیت کی فتح کے پرچم لہرا رہے تھے۔ بازنطینی حکمران اور اس کی رعایا کی یہ کایا پلٹ انسانی تاریخ کا ایک ناقابلِ یقین معجزہ تھا۔



ہرقل ایک طرف نئی فوج بھرتی کرنے اور دوسری طرف بحیرۂ مارمورا اور آبنائے باسفورس میں جہاز جمع کرنے میں مصروف تھا۔ باسفورس کے دوسرے کنارے ایران کے عظیم لشکر کے خیمے اب بھی دکھائی دیتے تھے لیکن اپنی زبردست تیاریوں کے باوجود ہرقل ایرانی لشکر پر براہِ راست حملہ کرنے کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھا۔ ایسے حملے کی ناکامی کی صورت میں ایرانیوں کی جوابی کارروائی قسطنطنیہ کے لیے تباہی کا سامان پیدا کر سکتی تھی۔ اور فتح کی صورت میں بھی خشکی کے راستے مشرق کی طرف پیشقدمی کرتے ہوئے عقب میں رسد اور کمک کے طویل راستے غیر محفوظ ہو جاتے تھے۔ ایشیائے کوچک کی چوکیوں سے ایرانی لشکر کے معمولی دستے بھی ان کے لیے تباہی کا سامان پیدا کر سکتے تھے۔ ہرقل کے لیے خشکی کی بجائے سمندر زیادہ محفوظ تھا۔

چنانچہ مکمل تیاریوں کے بعد اس نے قسطنطنیہ کی حفاظت سینٹ اور کلیسا کے اکابر کے سپرد کی اور پھر لشکر کو جہازوں پر سوار ہونے کا حکم دیا۔ رومیوں کا یہ جنگی بیڑا کسی دقّت کا سامنا کئے بغیر ایشیائے کوچک کے مغربی اور جنوبی ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا شام کے مغربی کونے سے قریب خلیج اسکندروں میں لنگر انداز ہوا اور اس کے بعد ہرقل نے اسوس کے قریب ڈیرے ڈال دیئے جہاں کسی زمانے میں سکندر اعظم نے دارا کو شکست دی تھی۔ ہرقل کا یہ اقدام خطرے سے خالی نہ تھا۔ اگر ایرانی حالات سے فائدہ اٹھانے کی

کوشش کرتے تو باسفورس کے مشرقی کنارے سے ان کی پیش قدمی قسطنطنیہ کے لیے تباہ کن ہو سکتی تھی۔ اور ہرقل کو بذاتِ خود اس خطرے کا اس قدر احساس تھا کہ اس نے روانگی سے قبل جن لوگوں کو قسطنطنیہ کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی تھی انہیں دشمن کا مقابلہ کرنے یا بحالتِ مجبوری اس کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا اختیار دے دیا تھا۔ لیکن خلقدون کے آس پاس جمع ہونے والی ایرانی افواج کسی فوری اقدام کا فیصلہ نہ کر سکیں۔ اور اس کے بعد جب ہرقل کا لشکر ایک ایسے مقام تک پہنچ چکا تھا جہاں سے اس کی پیش قدمی ایک طرف آرمینیا اور دوسری طرف شام کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی تو ایرانی اپنے عقب کو غیر محفوظ سمجھ کر قسطنطنیہ پر یلغار کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

شام اور ایشیائے کوچک کی سرحدوں کے آس پاس پہاڑی علاقوں میں ایرانی لشکر کے ساتھ چند جھڑپوں کے بعد ہرقل نے موسمِ سرما کے دوران دریائے ہیلس کے کنارے قیام کیا اور اس کے بعد قسطنطنیہ کے حالات نے اسے واپسی پر مجبور کر دیا۔ اس مہم میں ہرقل کو بظاہر کوئی قابلِ ذکر کامیابی حاصل نہیں ہوئی لیکن اس کے نتائج بہت دور رس تھے۔

اس نے رومیوں کو پہلی بار یہ احساس دلانے کی کوشش کی تھی کہ ان کے عافیت پسند حکمران کی ذہنیت تبدیل ہو چکی ہے اور اپنی رعایا کے لیے وہ بڑے سے بڑا خطرہ مول لے سکتا ہے۔ اس مہم کے بعد ایک طرف اس کی شکست خوردہ رعایا کے دل میں نئے حوصلے بیدار ہو چکے تھے اور دوسری طرف شام اور ایشیائے کوچک میں مجوسیوں کے ظلم و استبداد کی چکی میں پسنے والے عیسائی امید کی ہلکی سی روشنی دیکھ چکے تھے۔ مفتوحہ علاقوں کے عیسائیوں نے جس جوش و خروش کے ساتھ رومی لشکر کا خیر مقدم کیا تھا، اُسے دیکھ کر ہرقل کے دل میں یہ امید پیدا ہو گئی تھی کہ مشرقی ممالک میں اس کی رعایا ابھی تک اسے نہیں بھولی۔ اور اگر وہ ایرانیوں کو کسی میدان میں فیصلہ کن شکست دے سکا تو یہ لوگ چاروں اطراف سے ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ تاہم ایرانیوں کے نزدیک ہرقل کی یہ مہم ایک مذاق سے زیادہ نہ تھی ——— اور جب دست گرد میں اس حملے کی اطلاع پہنچی تو مجوسی کاہن اپنے حکمران کو یہ مژدہ سنا رہے تھے کہ فاتح عالم کے ہاتھوں سلطنتِ روما کی مکمل تباہی مقدر ہو چکی ہے۔

اور پھر جب رومیوں کی واپسی کی اطلاع سننے کے بعد پرویز اور اس کے مصاحب مسرت کے قہقہے لگا رہے تھے، ہرقل ایک نئی مہم کی تیاریاں کر رہا تھا۔



"ہرقل کا جنگی بیڑا بحیرۂ اسود میں داخل ہو چکا ہے۔ اس کے جہاز طرابزون کے نزدیک لنگر انداز ہو چکے ہیں اور آرمینیا کے عیسائی جوق در جوق اس کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے ہیں۔" کسریٰ پرویز کو یکے بعد دیگرے یہ ناقابلِ یقین اطلاعات پہنچیں اور پیشتر اس کے کہ وہ کسی جوابی کارروائی کا فیصلہ کر سکتا، ہرقل آذر بائیجان میں داخل ہو چکا تھا ——— پھر ایک دن اُسے یہ خبر ملی کہ ارمیاہ - ایران کا وہ قدیم شہر جہاں زردشت پیدا ہوا تھا، فرزندانِ صلیب کے ہاتھوں تباہ ہو چکا ہے اور وہاں ایران کے سب سے بڑے آتش کدہ کی مقدس آگ بجھ چکی ہے۔ مجوسیوں کے نزدیک ارمیاہ کی وہی حیثیت تھی جو عیسائیوں کے نزدیک یروشلم کی تھی۔ اور ایرانیوں کی یلغار سے قبل جس قدر عیسائی اپنے مقدس شہر کو ناقابلِ تسخیر خیال کرتے تھے، اس سے کہیں زیادہ مجوسی ارمیاہ کے دفاع کے متعلق مطمئن تھے اور اس شہر کی تباہی کے بعد مجوسیت کے علمبرداروں کے رنج و اضطراب کا وہی عالم تھا جو یروشلم کی تباہی کے بعد فرزندانِ تثلیث نے محسوس کیا تھا ——— اور ایرانی سلطنت اب انہی حالات کا سامنا کر رہی تھی جو یروشلم کی شکست کے بعد بازنطینی سلطنت کو پیش آئے تھے۔ کاتبِ تقدیر کے ہاتھ انسانی تاریخ کا ایک نیا ورق الٹ رہے تھے۔ اور تاریخ کے اس نئے ورق کی پیشانی پر ایک ایسی جنگ کی داستان بھی لکھی جا رہی تھی جو اپنے نتائج کے اعتبار سے ارمیاہ میں روم و ایران کے معرکے سے کہیں زیادہ اہم تھی ——— یہ بدر کے میدان میں ان تین سو تیرہ مسلمانوں کی جنگ اور فتح کی داستان تھی، جن کا دین صرف عرب ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے جبر و استبداد کے خلاف ایک اعلانِ جنگ تھا ——— یہ کسی قبیلہ قوم یا نسل کی فتح نہ تھی۔ بلکہ اس ابدی صداقت کی فتح تھی جس کا پرچم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھا۔

ایک طرف ہرقل کے سپاہی ارمیاہ میں ایرانیوں کی شکست پر خوشیاں منا رہے تھے اور دوسری طرف آقائے مدنی کے جاں نثار بدر کی فتح پر اپنے پروردگار کی بارگاہ میں سجدہ ریز تھے ——— اسی طرح ایک

رف ایران کے مجوسیوں اور دوسری طرف مکہ کے مشرکین کے گھروں میں ماتم بپا تھا۔ وہ پیش گوئی جس کا اق اڑایا گیا تھا اور جس کے خلاف مشرکینِ مکہ شرطیں بدتے تھے پوری ہو رہی تھی ——— ایران پر روم اور رب پر اسلام کا غلبہ شروع ہو چکا تھا۔ تاہم ایران کے مغرور حکمران کے نزدیک ارمیاہ کی شکست ایک حادثہ تا۔ اُسے یہ اطمینان تھا کہ رومیوں نے ابھی تک اس کے عظیم لشکر کا سامنا نہیں کیا۔ اس نے ایک لڑائی میں ناکامی ہنہ دیکھا تھا۔ لیکن فیصلہ کن معرکے ابھی پیش آنے والے تھے۔ اور یہی حال مکہ کے مشرکین کا تھا۔ میدانِ بدر یں فوج کی تعداد اور اسلحہ کی برتری کے باوجود ایک عبرتناک شکست ان کے لیے تکلیف دہ ضرور تھی لیکن ہ یہ جانتے تھے کہ آنے والے معرکوں میں پورا رعب ان کی پشت پر ہوگا ———



ہرقل، شمالی مغرب کے علاقوں کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد قزوین اور اصفہان کا رخ کر رہا تھا ویز نے اس کی غیر متوقع کامیابیوں سے پریشان ہو کر مصر سے لے کر ایشیائے کوچک تک اپنی بیشتر افواج واپس بلا لیں۔ لیکن ان افواج کے اجتماع سے قبل ہرقل میڈیا اور آسریا کے کئی شہروں کو تباہ و برباد کر چکا تھا۔ دشمن کے خلاف کسی میدان میں فیصلہ کن جنگ لڑنے کی بجائے اس کی توجہ ان شہروں، قلعوں یا چوکیوں کی طرف تھی جہاں اُسے کسی شدید مزاحمت کی توقع نہ تھی۔ اگر کسی میدان میں ایرانی افواج کے اجتماع کی خبر لتی تو وہ اچانک اپنا رُخ بدل کر مہینوں کا سفر ہفتوں میں طے کرتا ہوا کسی ایسے قلعے یا مستقر پر حملہ کر دیتا، جہاں زیادہ آسانی کے ساتھ دشمن پر ضرب کاری لگائی جا سکتی تھی ———

بالآخر پرویز نے اپنی دور افتادہ چوکیوں سے جمع ہونے والے لاتعداد لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلی فوج جو پچاس ہزار آزمودہ کار سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ ہرقل کا سامنا کرنے کے لیے روانہ ہوئی۔ دوسری فوج کو رومیوں کے عقب میں پہنچ کر ان کے رسد اور کمک کے راستے مسدود کرنے کا حکم ملا۔ اور تیسرا لشکر پرویز کے ایک انتہائی تجربہ کار جرنیل سرباز کی قیادت میں قسطنطینیہ پر ایک فیصلہ کن حملہ کرنے کی نیت سے خلقدون کی طرف روانہ ہوا ———

پرویز کی اس کارروائی نے ہرقل کو بحیرہ اسود کے ساحل کی طرف ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ اور یہاں مقامی لوگ ایک اولوالعزم فاتح کی حیثیت سے اس کا خیر مقدم کر رہے تھے اور عیسائی قبائل جن کے دل میں پہلی بار مجوسیوں کے آہنی استبداد سے آزاد ہونے کی امید پیدا ہوئی تھی، جوق در جوق اس کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے تھے۔ بحیرہ اسود کے کنارے پڑاؤ ڈالنے کے بعد ہرقل کسی نئے حملے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اپنے عقب میں ایک زبردست جنگی بیڑے کی موجودگی کے باعث اس کے لیے رسد اور کمک کا بحری راستہ محفوظ تھا۔ لیکن ایرانی اب پوری قوت کے ساتھ حرکت میں آ چکے تھے اور حالات کی تبدیلی کے بغیر اُسے کسی نئے محاذ پر کامیابی کی توقع نہ تھی۔

ایرانیوں کے مفتوحہ ممالک کے عیسائی باشندے جنہیں ہرقل کی فتوحات نے امید کی روشنی دکھائی تھی زیادہ عرصہ اطمینان کا سانس نہ لے سکے۔ ایرانی جرنیل جسے قسطنطنیہ پر ضرب لگانے کی مہم سونپی گئی تھی۔ خلقدون پہنچ چکا تھا اور اس کی پہلی کامیابی یہ تھی کہ سیتھین قبائل کا خاقان جسے رومیوں نے اس امید پر لاکھ اشرفیاں نذر کی تھیں کہ وہ ہرقل کی پیش قدمی کے دوران غیر جانبدار رہے گا۔ ایرانیوں کا حلیف بن چکا تھا۔ اور اس کے جھنڈے تلے اسی ہزار[1] وحشی مضافات کی بستیوں کو تباہ و ویران کرنے کے بعد قسطنطنیہ کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔

روم کے دارالحکومت کو اس سے بڑا خطرہ آج تک پیش نہیں آیا تھا۔ شہر کے اکابر خاقان کو صلح پر آمادہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کر چکے تھے۔ لیکن ان کی التجائیں بے اثر ثابت ہو رہی تھیں۔ جب معززین شہر کا وفد خاقان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ایرانی جرنیل کے نمائندے اس کے دائیں بائیں رونق افروز تھے۔ رومی سونے اور چاندی کے تحائف لے کر گئے تھے۔ لیکن خاقان نے ان کی التجائیں سننے کے بعد انتہائی حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ "تمہاری طرف سے یہ حقیر خراج ہمیں مطمئن نہیں کر سکتا۔ ہمارے لیے صرف قسطنطنیہ کا نذرانہ قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔ تمہارا حکمران اگر کہیں بھاگ نہیں گیا۔ تو وہ اب تک ایرانیوں کی قید میں ہو گا۔ قسطنطنیہ

---

[1] خاقان کا یہ لشکر آوار قبائل کے علاوہ ان روسی اور بلغاری قبائل پر مشتمل تھا۔ جو اس کے باج گزار اور حلیف تھے۔

ہمارے رحم و کرم پر ہے اور تم اگر پرندے بن کر ہواؤں میں پرواز نہ کرنے لگ جاؤ یا مچھلیاں بن کر سمندر میں غوطے نہ لگا دو تو ہمارے ہاتھوں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔"

جب روم کے ایلچی خاقان کے کیمپ سے باہر نکلے تو ان کے جسم پر اپنی قمیصوں اور زیر جاموں کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس کے بعد آوار قبائل کے پے در پے حملوں کے دس دن اہلِ شہر کے لیے قیامت کے دن تھے۔ وہ دبابوں کی مدد سے شہر پناہ پر کئی بار یلغار کر چکے تھے اور لکڑی کے بارہ بلند میناروں سے ان کے منجنیق بے پناہ سنگ باری کر رہے تھے۔

آبنائے باسفورس کے پار ایرانی جرنیل ایک بھوکے عقاب کی طرح اپنے نیم مردہ شکار پر جھپٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ رومیوں کی قوتِ مدافعت جواب دے چکی تھی۔ اور وہ ولولہ جو ہرقل کی غیر متوقع کامیابیوں کے باعث بیدار ہوا تھا بتدریج سرد پڑ رہا تھا۔ اپنے حکمران کے متعلق اب انہیں یہ علم بھی نہ تھا کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ جس تباہی کو وہ برسوں سے ٹال رہے تھے وہ ہر لحظہ ان کے قریب آ رہی تھی۔

پھر ایک دن بحیرۂ اسود کی طرف سے ایک جنگی بیڑا آبنائے باسفورس میں نمودار ہوا۔ اور قسطنطنیہ کی فصیلوں کے تھکے ہارے محافظ چلانے لگے۔ "ہرقل آ رہا ہے۔ خدا نے ان کی دعائیں سن لی ہیں۔" لیکن ہرقل اس بیڑے کے ساتھ نہیں تھا۔ اس نے اپنے محاذ پر موجود رہنا ضروری سمجھتے ہوئے اپنے لشکر کے بارہ ہزار جوان اہلِ شہر کی مدد کے لیے بھیج دیئے تھے۔ روم کے اس عظیم بیڑے نے کسی دقت کا سامنا کیے بغیر آبنائے باسفورس میں دشمن کی چھوٹی چھوٹی کشتیاں تباہ کر دیں۔

آبنائے باسفورس کے پار ایرانی سپہ سالار ایک بے بس تماشائی کی حیثیت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اور تاتاری جو گزشتہ حملوں میں شدید نقصانات اٹھانے کے بعد بددلی کا شکار ہو رہے تھے رومیوں کے اس غیر متوقع حملے کی تاب نہ لا سکے۔ اس کے بلغاری اور روسی حلیف مالِ غنیمت میں حصہ دار بننے کی امید پر جان کی بازی لگا سکتے تھے۔ لیکن اب انہیں فوری فتح غیر یقینی معلوم ہوتی تھی۔ انہیں یہ بھی شکایت تھی کہ اس جنگ میں ان کے ایرانی حلیفوں کا بال تک بیکا نہیں ہوا۔ چنانچہ خاقان نے انہیں محاصرہ اٹھانے کا حکم دیا۔ اور وہ منظم

طریقے سے پسپا ہونے لگے۔

قسطنطنیہ کی تاریخ کا ایک اور نازک لمحہ گزر چکا تھا۔ لیکن بازنطینی سلطنت کے افق پر ابھی تک تاریک آندھیاں مسلط تھیں۔ پرویز کی فوجی قوت کا اب بھی یہ عالم تھا کہ وہ پانچ لاکھ سپاہی میدان میں لا سکتا تھا۔ قسطنطنیہ سے تاتاری قبائل کی واپسی کے باوجود وہ اپنی فتح سے ناامید نہیں ہوا تھا۔ خلقدون کے پڑاؤ میں ایرانی فوج کی تعداد آئے دن بڑھ رہی تھی اور یہ فوج کسی وقت بھی ہرقل کے دارالسلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتی تھی۔ قسطنطنیہ سے سینکڑوں میل دور ہرقل کی شکست یا پسپائی رومیوں کے لیے مکمل تباہی کا پیش خیمہ ہو سکتی تھی۔ انہوں نے جو فتوحات حاصل کی تھیں وہ نقصانات کے بغیر نہ تھیں۔ اور ان نقصانات کے بعد وہ کسی میدان میں ایرانیوں کے لاتعداد لشکر کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ اس کے برعکس ایرانیوں پر گذشتہ شکستوں کا اثر ایک مہیب ہاتھی کے جسم پر چند زخموں کے اثرات سے زیادہ نہ تھا۔ ان حالات میں ہرقل کو شمال میں امید کی ایک ہلکی سی روشنی دکھائی دی۔ اس نے دریائے والگا کے اس پار وسیع میدانوں میں پھیلے ہوئے ترک قبائل کے حکمران کی طرف دوستی کا پیغام بھیجا۔ اور یہ لوگ جو خزار کہلاتے تھے اپنے خیموں اور مویشیوں سمیت جارجیا کی طرف چل پڑے۔ ان جنگجو ترکوں کے حکمران کا نام زیبل تھا۔ ہرقل نے طفلس کے قریب اس کا خیر مقدم کیا۔ اور اپنا تاج اتار کر اس کے سر پر رکھتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ تم میرے بیٹے ہو۔ پھر اس کے ساتھ آنے والے سرداروں کے لیے ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا اور انہیں اپنے ہاتھ سے قیمتی قبائیں اور سونے اور جواہرات کے تحائف تقسیم کیے۔ اس کے بعد اس نے ترکوں کے جواں سال حکمران کے ساتھ تخلیے میں ملاقات کی اور اپنی حسین بیٹی ایڈوسیہ کی تصویر دکھانے کے بعد اس کے ساتھ شادی کا وعدہ کیا۔

——— ترک سردار اپنے حکمران کی اس غیر متوقع عزت افزائی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور ان کے چالیس ہزار سوار ہرقل کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے ——— اب ہرقل کے لشکر کی تعداد مجموعی ستر ہزار سپاہیوں تک پہنچ چکی تھی۔ تاہم وہ وسطی ایران کی طرف پیش قدمی کر کے پرویز کے لاتعداد لشکر سے فوری تصادم کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھا۔ چنانچہ وہ کچھ عرصہ تک کبھی آرمینیا اور کبھی شام کی چوکیوں پر حملے کرتا رہا ——— سرمارک کی قیادت میں باسفورس کے مشرقی کنارے پر ایرانی لشکر کے اجتماع نے ہرقل

کے عقب کے لیے ایک مستقل خطرہ پیدا کر دیا تھا۔ ان حالات میں اس کے لیے مشرق کی طرف پیش قدمی کرنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ لیکن قدرت نے ایک بار پھر اس کی مدد کی۔

ایک دن پرویز کا ایلچی شہربار[1] کے نائب کے نام یہ حکمنامہ لے کر پہنچا کہ تم اپنے بزدل اور غدار سپہ سالار کا سر اتار کر ہمارے پاس بھیج دو اور لشکر کی قیادت خود سنبھال لو۔ لیکن ایلچی نے پرویز کا یہ خط غلطی سے یا دیدہ و دانستہ سرمارک کے ہاتھ میں دے دیا۔ سرمارک کو اپنے بے رحم آقا کے متعلق پہلے بھی کوئی خوش فہمی نہ تھی چنانچہ اس نے پرویز کی طرف سے ایک جعلی حکمنامہ تیار کیا اور اس میں فوج کے چار سو چیدہ چیدہ افسروں کے نام لکھ دیے۔ پھر اس نے اپنے افسروں کا اجلاس بلایا اور بھری مجلس میں پرویز کا حکم نامہ سنانے کے بعد اپنے نائب سے سوال کیا۔ "کسریٰ نے تمہیں ان چار سو افسروں کے سر قلم کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیا تم اس کام کے لیے تیار ہو؟"

سرمارک کا نائب کوئی جواب نہ دے سکا۔ اور فوج کے سرداروں نے متفقہ طور پر اپنے ظالم حکمران کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن سرمارک نے ان کا جوش و خروش ٹھنڈا کرنے کے بعد کہا۔ "ہم اب رومیوں کے ساتھ شامل ہو کر اپنے ملک پر چڑھائی نہیں کریں گے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ ہم اس جنگ میں غیر جانب دار ہو جائیں۔" ایرانی سرداروں نے اپنے سپہ سالار کی یہ تجویز مان لی۔ اور سرمارک نے ہرقل کو یہ پیغام بھیج دیا کہ میرے سپاہی تمہارے خلاف آئندہ کسی جنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔[2]

---

[1] خلقدون کے ایرانی لشکر کا سپہ سالار۔

[2] بعض روایات کے مطابق یہ ایلچی پرویز کی طرف سے نہیں آیا تھا، بلکہ ہرقل نے ایرانی لشکر کو پرویز سے بدظن کرنے کے لیے ایک کامیاب سازش کی تھی۔

باب ۳۸

خدائے رحمٰن ورحیم کے نام سے

محمدؐ پیغمبر کی طرف سے کسریٰ (رئیس فارس) کے نام

سلام ہے اُس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہو اور خدا اور اُس کے نبی پر ایمان لائے اور یہ گواہی دے کہ خدا صرف ایک خدا ہے اور اُس نے مجھے ساری دنیا کا پیغمبر مقرر کرکے بھیجا ہے، تاکہ وہ ہر زندہ شخص کو خدا کا خوف دلائے۔ تو اسلام قبول کر تو سلامت رہے گا، ورنہ مجوسیوں کا وبال تیری گردن پر ہوگا۔

کجکلاہِ ایران کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خط اُس وقت ملا جب کہ وہ اپنی تمام شان و شوکت کے ساتھ دریائے کرسو کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ شام اور آرمینیا سے اُسے رومیوں کی پیش قدمی کے متعلق تشویش ناک خبریں آرہی تھیں، تاہم جنگ کے آخری نتائج کے متعلق اُسے کوئی پریشانی نہ تھی وہ دن کے وقت سیر و شکار سے اور رات کے وقت رقص و سرود اور مے نوشی کی محفلوں سے دل بہلاتا تھا اور اُس کے مصاحب ہر تشویش ناک خبر کے بعد اُسے یہ یقین دلانے کی کوشش کیا کرتے تھے کہ ہرقل اب ہلاکت کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ اور جب کسی کھلے میدان میں فیصلہ کن معرکہ ہوگا تو رومی لشکر کو مکمل تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور پرویز کی خود اعتمادی بلاوجہ نہ تھی۔ ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے اُس کی محفوظ افواج کی تعداد رومیوں سے کئی گنا زیادہ تھی۔ میدانی علاقوں میں صرف اُس کے ہاتھیوں کی تعداد ہی ہرقل کے لشکر کو روندنے کے لئے کافی تھی۔ اس لئے وہ رومیوں کو اپنی آبائی سلطنت کی شمال مغربی

حدود سے دور روکنے کی بجائے انہیں آگے بڑھنے کا موقع دے کر کسی ایسے میدان میں گھیرنا چاہتا تھا، جہاں سے اُن کے لئے پیچھے ہٹنے کے تمام راستے مسدود ہو جائیں۔

لیکن ان حالات میں اللہ کے اُس برگزیدہ رسُول نے اُس کے پاس اپنا ایلچی بھیجا تھا، جس کی ظاہری حکمرانی ابھی تک مہاجرین مکہ اور انصارِ مدینہ کے قلوب تک محدود تھی، اُسے ایک ایسے فرمانروا نے اطاعت کی دعوت دی تھی، جس کے جاں نثاروں کو پیٹ بھر کر دو وقت کا کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا جس کے پاس کوئی ناقابلِ تسخیر قلعہ یا کوئی باقاعدہ فوج نہ تھی۔ اور جو مال و دولت کے اُن تمام ظاہری وسائل سے محروم تھا جو ایک انسان کو دوسرے انسان پر بالادستی عطا کرتے ہیں۔ پھر آج تک دنیا کے کسی انسان نے اپنے خط میں کجکلاہِ ایران کے نام سے پہلے اپنا نام لکھنے کی جسارت نہیں کی تھی۔

جب شاہی مترجم اِس خط کا مضمون سنا رہا تھا تو حاضرینِ دربار جن کے لئے یہ تحریر ایک مذاق سے زیادہ نہ تھی، بڑی مشکل سے اپنے قہقہے ضبط کر رہے تھے۔ کسریٰ کچھ دیر غصے اور اضطراب کی حالت میں قاصد کی طرف دیکھتا رہا۔ اچانک اُس نے مترجم کے ہاتھ سے حضور کا نامہ مبارک چھین کر اُسے پُرزے پُرزے کر دیا اور پھر یمن کے حاکم باذان کے نام یہ فرمان لکھوایا کہ نبوت کے اس مدعی کو جس نے ہمارے ساتھ مخاطب ہونے کی جسارت کی ہے گرفتار کرکے ہمارے پاس بھیج دو۔

ایران کے مغرور اور جابر حکمران کے لئے محمدؐ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا خط اِس قدر غیر اہم تھا کہ حضور کے قاصد کو سزا دینے میں بھی اُسے اپنی توہین محسوس ہوتی تھی۔ لیکن اُسے کیا معلوم تھا کہ جس خط کو اُس نے چاک کیا تھا، اُس کی تحریر لوحِ محفوظ پر منتقل ہو چکی تھی۔ اور جب حضور کا قاصد بے سروسامانی کی حالت میں واپس جا رہا تھا تو اُس وقت یہ کون کہہ سکتا تھا کہ اُس کے پاؤں کے نشان عنقریب اُن مجاہدوں کی گزرگاہ بننے والے ہیں جو مدینے کی گلیوں میں جہانبانی کے نئے آداب سیکھ رہے ہیں۔

پرویز اور اُس کے درباری صرف اتنا جانتے تھے کہ جب یمن کے گورنر کا ایک معمولی قاصد اہلِ مدینہ کو یہ پیغام دے گا کہ تم اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو محمدؐ کو ہمارے حوالے کر دو تو عرب کے کسی خاندان یا قبیلے کو مزاحمت کی جرأت نہیں ہوگی۔



ہرقل اور اس کے ترک اتحادیوں کے لشکر نے دریائے اراس کے آس پاس کے علاقوں میں تباہی مچانے کے بعد جنوب کی طرف پیش قدمی کی اور دجلہ کے کنارے اُس وسیع میدان میں ڈیرے ڈال دیئے، جہاں ابھی تک نینوا کے کھنڈرات دکھائی دیتے تھے۔ اِس عرصہ میں ایرانی لشکر کے سپہ سالار کو جس کی کارگزاری ابھی تک معمولی حملوں کے بعد دشمن کا تعاقب جاری رکھنے تک محدود تھی، ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کا حکم مل چکا تھا۔

چنانچہ ایک صبح روم اور ایران کے لشکر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔ پھر سواروں اور پیادوں کی صفیں حرکت میں آئیں اور نینوا کا میدان گرد و غبار کے بادلوں میں چھپ گیا۔ اس خونریز معرکے میں ہرقل کی ذاتی شجاعت اُس کے دوستوں اور دشمنوں کے لئے یکساں حیران کُن تھی، وہ جاں نثاروں کے ایک دستے کے ساتھ دشمن کی صفیں چیرتا ہوا اُن کے قلب تک جا پہنچا۔ ایرانی لشکر کے سپہ سالار کے علاوہ دو مشہور سردار اُس کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ ایک ایرانی کا نیزہ لگنے کے باعث اُس کا ہونٹ کٹ چکا تھا اُس کے مشہور گھوڑے کی ایک ٹانگ زخمی ہو چکی تھی تاہم وہ دشمن کا گھیرا توڑ کر واپس اپنے لشکر سے آملا۔ اور رومی جو ایرانیوں کے سپہ سالار کی ہلاکت کی خبر سنکر شیر ہو گئے تھے بے تحاشا دشمن پر ٹوٹ پڑے اور ایرانی جن کے نزدیک اپنے سپہ سالار کی موت ایک بدترین شگون تھا، سراسیمگی کی حالت میں پیچھے ہٹنے لگے۔

جب آہستہ آہستہ نینوا کے میدان سے گرد و غبار چھٹنے لگا، تو وہ جو اپنی تعداد اور اپنے اسلحہ کی برتری کو اپنی فتح کی ضمانت خیال کرتے تھے، اپنے پیچھے لاتعداد لاشیں دیکھ رہے تھے۔ اور وہ جنہیں کمزور اور حقیر خیال کیا گیا تھا، اُن کے بکھرے ہوئے پرچم روند رہے تھے۔ ایرانیوں نے کئی بار جوابی حملے کئے لیکن رومیوں کے جوش و خروش نے انہیں پاؤں جمانے کا موقع نہ دیا۔

غروب آفتاب کے وقت وہ میدانِ کارزار سے ایک طرف ہٹ کر از سرِ نو صفیں باندھ رہے تھے جنگ کے میدان میں تلواروں کی جھنکار اور لڑنے والوں کے نعروں کی بجائے دم توڑنے والے زخمیوں کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ رومیوں کو اب بھی اس بات کا یقین تھا کہ ایرانی راہ فرار اختیار کرنے کی بجائے

پھر قسمت آزمائی کریں گے لیکن جب آسمان پر ستاروں کا قافلہ نمودار ہونے لگا تو کسریٰ کی شکست خوردہ فوج اچانک اپنے پڑاؤ کی طرف ہٹنے لگی۔ ہرقل کے سپاہی رات بھر جنگ میں کام آنے والے ساتھیوں کی لاشیں دفن کرنے اور زخمیوں کی مرہم پٹی میں مشغول رہے اور علی الصباح انہیں یہ معلوم ہوا کہ دشمن کا پڑاؤ خالی ہو چکا ہے۔ تھکے ہوئے رومیوں کو اِس غیر متوقع فتح کے بعد آرام کی ضرورت تھی لیکن انہوں نے دشمن کا پیچھا کرنا زیادہ ضروری خیال کیا۔

رومی لشکر پہلی بار آسریا کے زرخیز میدانوں میں فتوحات کے جھنڈے گاڑتا ہوا آگے بڑھا۔ چند دن بعد دستگرد کا عظیم شہر ایک عبرتناک تباہی کا سامنا کر رہا تھا۔ شاہی محل آگ کا ایک مہیب الاؤ نظر آتا تھا اور پرویز جو رومیوں کی آمد سے نو دن قبل وہاں سے رفوچکر ہو چکا تھا، مدائن کا رُخ کر رہا تھا۔



ایک دن یمن کے ایرانی گورنر باذان کے دربار میں سرکاری عہدہ داروں کے علاوہ چند مقامی عرب اور یہودی رؤسا جمع تھے۔ ایک فوجی افسر اندر داخل ہوا اور اس نے مسند کے قریب پہنچ کر کہا۔ ”جناب والا! مدینہ سے ہمارے ایلچی واپس آگئے ہیں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔“

باذان نے قدرے مضطرب ہو کر کہا۔ ”انہیں فوراً حاضر کرو۔“

افسر ادب سے سلام کرنے کے بعد واپس چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد دو آدمی جن میں سے ایک کا نام بابویہ اور دوسرے کا خرخسرہ تھا، کمرے میں داخل ہوئے اور آداب بجا لانے کے بعد سہمی ہوئی نگاہوں سے باذان کی طرف دیکھنے لگے۔

باذان نے کہا۔ ”تمہاری صورتیں بتا رہی ہیں کہ تمہیں اپنی مہم میں کامیابی نہیں ہوئی۔“

بابویہ نے جواب دیا۔ ”عالیجاہ یہ درست ہے کہ ہمیں اپنی مہم میں کامیابی نہیں ہوئی۔ لیکن آپ کا ہی حکم تھا کہ اگر ہماری دھمکیاں بے اثر ثابت ہوں تو ہمیں اس نبی کے حامیوں کے ساتھ الجھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔“

باذان نے سوال کیا "تم نے اس سے یہ کہا تھا کہ ہم تمہیں شہنشاہِ عالم کے حکم سے گرفتار کرنے آئے ہیں ـــــ؟"

بابویہ نے جواب دیا "ہاں، عالیجاہ! ہم نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر تم نے اِس حکم کی تعمیل نہ کی تو ہمارے شہنشاہ کا ایک اشارہ پورے عرب کی تباہی کے لئے کافی ہوگا۔"

"پھر اُس نے کیا جواب دیا؟"

بابویہ نے پریشانی اور اضطراب کی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد جواب دیا "عالیجاہ آپ کا غلام بھرے دربار میں اُس کے الفاظ دہرانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

باذان نے تحکمانہ انداز میں کہا "ہم اُس کے الفاظ سننا چاہتے ہیں۔"

بابویہ نے جھجکتے ہوئے جواب دیا "عالیجاہ اُس نے یہ کہا تھا کہ تم ہماری طرف سے یہ پیغام لے جاؤ کہ مسلمانوں کی حکومت عنقریب کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہنچنے والی ہے۔"

دربار میں ایک سناٹا چھا گیا۔ پھر حاضرین آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے اور اُن کی حقارت آمیز مسکراہٹیں قہقہوں میں تبدیل ہونے لگیں۔ لیکن باذان ایک غیر متوقع سنجیدگی کے ساتھ اپنے ایلچیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اہلِ دربار کو اُس کی حوصلہ شکن نگاہوں نے زیادہ دیر ہنسنے کا موقع نہ دیا۔ اور دربار میں پھر ایک بار سناٹا چھا گیا۔

باذان نے ایلچیوں سے مخاطب ہو کر کہا "تم نے مدینہ کے سرکردہ لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش نہیں کی کہ شہنشاہ کا عتاب اُن کے لئے عبرت ناک تباہی کا باعث ہوگا۔"

بابویہ نے خرخسرہ کی طرف دیکھا اور اُس نے جواب دیا۔ "عالیجاہ جو لوگ اِس نبی کی صداقت پر ایمان لا چکے ہیں، اُن پر ہماری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ اِس بات پر خوشیاں منا رہے تھے کہ اُن کی حکومت ایران تک پہنچنے والی ہے۔ ہمیں زیادہ تعجب اس بات پر تھا کہ جب اُس نے بھری مجلس میں یہ اعلان کیا تو کسی نے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی کہ ہم کس قوت کے بل بوتے پر روئے زمین کی عظیم ترین سلطنت پر فتح حاصل کریں گے۔ ہمیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اگر وہ یہ دعویٰ کر دے کہ میں آسمان کے ستارے نوچ

کر تمہارے سامنے ڈھیر کر سکتا ہوں تو بھی کوئی یہ سوال کرنے کی جرأت نہیں کرے گا کہ آپ کے ہاتھ ستاروں تک کیسے پہنچ سکتے ہیں۔"

بابویہ نے کہا۔ "عالیجاہ! ہم نے انہیں مرعوب کرنے کے لئے اپنے لاتعداد لشکر اور اپنے مہیب ہاتھیوں کا ذکر کیا، لیکن اُن کی باتوں سے ہمیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ انہیں بھیڑ، بکریوں سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے۔ اُن کے بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کی ایک ہی آواز ہے کہ ہم خدا کی زمین پر اُس کے نبی کے دین کا بول بالا کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں، اور جب ہمارا ہادی ہمیں جہاد کا حکم دے گا تو دُنیا کی کوئی طاقت ہمارا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔"

باذان نے پوچھا "تم نے مدینہ کے مسلمانوں سے یہ نہیں پوچھا کہ تمہارے ہاتھیوں، گھوڑوں اور اسلحہ خانوں کی تعداد کیا ہے اور ایران فتح کرنے کے لئے تم نے جو سپاہی تیار کئے ہیں۔ وہ کہاں ہیں؟"

بابویہ نے جواب دیا "عالیجاہ! ہمیں یہ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ ہم اپنی آنکھوں سے اُن کی غربت کا نظارہ دیکھ آئے ہیں، ہم نے اُن کے آقا کو کھجور کی چٹائی پر آرام کرتے دیکھا ہے۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم تھا کہ اہلِ مکہ نے دوسری جنگ میں انہیں شدید نقصان پہنچایا ہے۔ اور اب اگر قریش کے ساتھ چند اور قبائل متحد ہو گئے تو مسلمانوں کے لئے عرب کی زمین میں سانس لینا ناممکن ہو جائے گا۔ واپسی پر نخلہ اور طائف کے مقامات سے گزرتے ہوئے ہمیں اِس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ عربوں کے سینے میں مسلمانوں کے خلاف غصّے اور نفرت کی جو آگ سلگ رہی ہے اُسے مسلمانوں کے گھروں تک پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔ ہم یثرب کے یہودیوں سے بھی ملے تھے اور ہمیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مدینہ سے مسلمانوں کے اخراج کے لئے تنہا اُن کی طاقت بھی کافی ہے۔"

باذان نے کہا "میں تم سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اگر ہم مسلمانوں کے نبی کو گرفتار کرنے کے لئے سواروں کا ایک دستہ مدینہ بھیج دیں تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟"

بابویہ نے جواب دیا "عالیجاہ! مجھے یقین ہے کہ راستے کے تمام قبائل اور مدینہ کے یہودی ہمارا ساتھ دیں گے۔ لیکن مسلمان اپنے نبی کی خاطر جان دینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔"

"تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ ہماری اور ہمارے حلیفوں کی طاقت سے قطعاً مرعوب نہیں ہوں گے؟"

"ہاں عالیجاہ! یہ لوگ اپنے خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔"

ایک یہودی نے کہا۔ "اگر یہ گستاخی نہ ہو تو میں کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔"

"کہو۔۔۔!"

"عالیجاہ! میرے نزدیک یہ باتیں ایک مذاق سے زیادہ نہیں۔ آپ مدینہ میں چند مسلح سپاہی بھیج کر دیکھ لیں، مجھے یقین ہے کہ مدینہ کے کسی ذی شعور انسان کو مزاحمت کی جرأت نہیں ہوگی۔ مسلمان جس بے چارگی کی حالت میں مکّہ سے نکالے گئے تھے، اُس سے زیادہ بے چارگی کی حالت میں وہ مدینہ سے بھاگیں گے۔"

ایک عرب رئیس نے کہا۔ "عالیجاہ! مسلمانوں کو اگر اُن کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو بھی وہ آپ کے لئے کسی خطرے کا باعث نہیں ہو سکتے۔ اس وقت ہم صرف کسریٰ کی فتح اور ہرقل کی شکست کی خوشخبری سننا چاہتے ہیں۔ نینوا کی جنگ کے متعلق جو اطلاعات یہاں پہنچی ہیں، اُن سے آپ کی رعایا بہت پریشان ہے۔"

باذان نے کہا۔ "تم ہماری رعایا کو یہ تسلی دے سکتے ہو کہ ہرقل جس قدر آگے بڑھے گا، اُسی قدر اُس کی تباہی کے اسباب مکمل ہوتے جائیں گے۔ اگر اُس نے دست گرد کی طرف پیشقدمی کا ارادہ بدل نہ دیا تو تم عنقریب اُس کی عبرتناک شکست کی خبر سنو گے۔"

بابویہ نے کہا۔ "عالیجاہ! مدینہ کے مسلمانوں کی سادگی کا یہ عالم ہے کہ نو برس گزر جانے کے بعد بھی اِس مضحکہ خیز پیش گوئی پر اُن کا ایمان متزلزل نہیں ہوا کہ اِس جنگ کا آخری نتیجہ رومیوں کے غلبہ کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ ان لوگوں کے سامنے جب ہم اپنی فوجی قوت کا ذکر چھیڑتے تھے تو وہ سب یہی کہتے تھے کہ اُن کے نبی کی پیش گوئی کے پورا ہونے کے دن قریب ہیں۔"

ایرانی افسر غضب ناک ہو کر بابویہ کی طرف دیکھنے لگے، اور باذان نے اپنا اضطراب چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اگر سپاہیوں کی تلواریں کسی جنگ کا فیصلہ کر سکتی ہیں تو میں تمہیں یہ اطمینان دلا سکتا ہوں کہ رومیوں کی قسمت کا فیصلہ ایرانی سپاہیوں کی تلواروں سے لکھا جائے گا۔ لیکن اگر ہمارے خلاف کوئی اَن دیکھی اور اَن جانی قوت میدان میں آچکی ہے تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

ایک یہودی نے کہا۔ "ہمیں ایک ایسے نبی کی باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دینی چاہئیے۔ جس کے مٹھی بھر پیرو مدینہ میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔"

باذان کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن ایک نوجوان بھاگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے بلند آواز میں کہا۔ "عالیجاہ! مدائن سے قاصد آئے ہیں اور وہ اسی وقت باریابی کی اجازت چاہتے ہیں۔"

تین آدمی جن کی قبائیں گرد سے اٹی ہوئی تھیں، دروازے کے سامنے نمودار ہوئے اور پہریداروں کے احتجاج سے بے پروا ہو کر اندر چلے آئے۔ ایک نوجوان نے جس کے ہاتھ میں ایک مراسلہ تھا، مسند کے قریب پہنچ کر کہا۔ "حضور! ہم اِس گستاخی کے لئے معذرت چاہتے ہیں۔ لیکن ہمارے لئے کسی تاخیر کے بغیر آپ کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری تھا۔ ہم مدائن سے ایک اہم پیغام لے کر آئے ہیں، یہ لیجئے!"

باذان نے اپنا ہاتھ بڑھا کر مراسلہ پکڑتے ہوئے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ مدائن سے تم کوئی اچھی خبر لے کر نہیں آئے۔"

قاصد نے سر جھکا دیا۔ باذان نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے مراسلہ کھولا اور حاضرین دیر تک سکتے کے عالم میں اُس کے چہرے کا اُتار چڑھاؤ دیکھتے رہے۔ بالآخر اُس نے ایک لمبی سانس لینے کے بعد حاضرینِ مجلس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "مسلمانوں کے نبی کی پیش گوئی پوری ہو چکی ہے۔ دست گرد تباہ ہو چکا ہے۔"

دربار میں چند ثانئے ایک سکوت طاری رہا، بالآخر یمن کے مجوسی کاہن نے جو باذان کے دائیں ہاتھ رونق افروز تھا کہا۔ "یہ خبر بہت بُری ہے، لیکن دست گرد کے فتح ہو جانے سے، ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہئیے۔ مجھے یقین ہے کہ فیصلہ کن جنگ مدائن کی گلیوں میں لڑی جائے گی اور ہمارا شہنشاہ دشمن کو ایک عبرت ناک شکست دینے کے بعد قسطنطنیہ کے محلات تک قیصر کا پیچھا کرے گا۔"

باذان نے کہا۔ "ایران کا وہ شہنشاہ جس کا نام پرویز تھا! مر چکا ہے، اور تمہارے نئے حکمران کا نام شیرویہ ہے۔"

پھر وہ قاصد سے مخاطب ہوا۔ "یہ خط بہت مختصر ہے، اس لئے میں تمہاری زبان سے ساری تفصیلات سننا چاہتا ہوں۔"

قاصد نے باذان کے حکم کی تعمیل کی اور حاضرین دم بخود ہو کر دست گرد کی تباہی اور پرویز کے عبرت ناک انجام کی تفصیلات سننے لگے۔



یہ واقعات جس قدر ناقابلِ یقین تھے اُسی قدر عبرت ناک تھے۔ پرویز کو نینوا کی شکست کے بعد دست گرد کی طرف ہرقل کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو اس کے خوف و اضطراب کا یہ عالم تھا کہ وہ رومیوں کی آمد سے نو دن قبل اپنے وزیروں اور جرنیلوں سے مشورہ کئے بغیر رات کے وقت ایک چور دروازے سے نکل کر مدائن کی طرف چل دیا۔ اُس کی سراسیمگی کا یہ عالم تھا کہ شاہی حرم کی تین ہزار عورتوں میں سے شیریں اور صرف تین لونڈیاں اُس کے ساتھ تھیں۔ باقی رات اُس نے دست گرد سے کچھ فاصلے پر ایک کسان کے جھونپڑے میں گزاری، تیسرے دن وہ مدائن میں داخل ہوا اور اُس کے بعد اُسے اپنی افواج اور اپنے خزانے جمع کرنے کی فکر ہوئی۔

دست گرد کی فوج نے اپنے بزدل حکمران کی اطاعت سے زیادہ رومیوں کے خوف کے باعث اُس کے احکام کی تعمیل کی۔ اور افراتفری کے عالم میں جو خزانہ اُن کے ہاتھ لگا اُس کو لے کر مدائن کی طرف چل پڑی۔ شاہی حرم کی تین ہزار کنیزیں بھی مدائن کے قریب ایک قلعے میں پہنچا دی گئیں۔

قیصر کا لشکر ایک آتشیں طوفان کی طرح دست گرد پر نازل ہوا۔ اور کسریٰ کے محلات آگ کے مہیب الاؤ دکھائی دینے لگے۔ دست گرد میں رومی فوج کے حصہ کا بیشتر کام ہرقل کی آمد سے پہلے ختم ہو چکا تھا۔ وہ ہزاروں غلام جنہیں مغرب کے مفتوحہ ممالک سے ہانک کر دست گرد میں جمع کیا گیا تھا اور جو برسوں سے انتہائی بے چارگی کی حالت میں یومِ حساب کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے ایرانی لشکر کے نکلتے ہی شہر میں لوٹ مار اور قتل و غارت کا طوفان بپا کر دیا۔ جب ہرقل کا لشکر شہر میں داخل ہوا تو اس کی گلیوں اور بازاروں میں اُن بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں، جنہیں اپنے عیسائی غلاموں سے بچ کر بھاگنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ایرانی دست گرد کی بیشتر دولت نکال کر لے گئے تھے۔ لیکن اس کے

وجود جو سونا اور چاندی[1] ہرقل کے ہاتھ لگا وہ اُس کی توقع سے کہیں زیادہ تھا۔ دست گرد کے آتشکدے کو پیوند زمین کرنے اور شاہی محلات کو آگ لگانے کے بعد ہرقل نے مدائن کا رُخ کیا۔ لیکن اس عرصہ میں ایرانیوں کو سنبھلنے کا موقع مل چکا تھا۔ مشرقی علاقوں کی افواج ساسانیوں کے قدیم دارالحکومت کو بچانے کے لئے جمع ہو رہی تھیں۔ مدائن کے قریب پہنچ کر ہرقل کو اس بات کا احساس ہونے لگا کہ اُس کا لشکر کئی ہفتوں کی مسلسل بے آرامی کے باعث نڈھال ہو چکا ہے اور اس حالت میں اُس کے لئے ایران کے اُس عظیم شہر پر یلغار کرنا خطرے سے خالی نہیں، جس کے باشندے فوج کی اعانت کے بغیر بھی کئی دن تک اُس کے لشکر کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ دست گرد میں اسے جو غیر متوقع کامیابی حاصل ہوئی تھی، اُس کی وجہ پرویز کی بزدلی تھی۔ لیکن مدائن کی آبادی پر پرویز سے زیادہ اُن مغرور سرداروں اور مجوسی کاہنوں کا اثر تھا جو اس کی بقا اور سلامتی کو پورے ایران کی بقا اور سلامتی کا مسئلہ سمجھتے تھے اور جن کی قدیم روایات سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنے حکمران کو بزدلی اور بے غیرتی کا ایک اور مظاہرہ کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

ہرقل اتنی عظیم فتوحات کے بعد کسی ناکامی یا شکست کا معمولی خطرہ مول لینے کے لئے بھی تیار نہ تھا۔ چنانچہ اُس نے مزید تیاریوں کے بعد ایران پر آخری ضرب لگانے کی نیت سے اپنے لشکر کو واپسی کا حکم دیا۔ اب اُس کی منزلِ مقصود تبریز کا علاقہ تھا، جہاں پڑاؤ ڈال کر وہ اطمینان کے ساتھ ایک نئے حملے کے لئے تیاریاں کر سکتا تھا۔ جب وہ آسریا کے میدانوں سے نکل کر پہاڑی علاقوں میں داخل ہوا تو برف باری شروع ہو چکی تھی، لیکن فاتح لشکر نے قریباً پانچ ہفتے انتہائی عزم اور استقلال کے ساتھ برف باری کے شدید طوفانوں میں اپنا سفر جاری رکھا اور تبریز کے قریب ڈیرے ڈال دیئے۔

---

[1] ہرقل نے دست گرد کا مالِ غنیمت بحیرہ اسود کے راستے قسطنطنیہ روانہ کیا تھا، لیکن وہ جہاز جس پر یہ سونا اور چاندی لادا گیا تھا، طوفان کے باعث سمندر میں غرق ہو گیا



مدائن میں پرویز کی فوج اور رعایا کو ایک فوری خطرے نے اپنے حکمران کے جھنڈے تلے جمع کر دیا تھا لیکن اب یہ خطرہ ٹل چکا تھا اور یہ لوگ انتہائی نفرت اور حقارت کے ساتھ اُس حکمران کی طرف دیکھ رہے تھے، جس کی بزدلی اور بے تدبیری نے ایران کی عظیم ترین فتوحات کو عبرت ناک شکستوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ نوشیرواں کا پوتا اب وہ دیوتا نہیں تھا، جس کی سلامتی، عزت اور اقبال کے لئے ایران کے آتشکدوں میں دعائیں مانگی جاتی تھیں، بلکہ ایک ایسا انسان تھا، جس کی نحوست سے نجات حاصل کرنا اہلِ ایران کے لئے وقت کا ایک اہم ترین مسئلہ بن چکا تھا۔ مدائن کی گلیوں اور بازاروں میں صبح و شام اِس قسم کے نعرے سنائی دیتے تھے۔ پرویز سین کا قاتل ہے۔ پرویز نینوا کی شکست اور دست گرد کی تباہی کا ذمہ دار ہے۔ سرباراور اُس کے لشکر نے پرویز کی شرمناک سازشوں سے تنگ آکر جنگ سے علیحدگی اختیار کی تھی۔ ایران کے لاکھوں جوان جنگ میں کام آچکے ہیں، اب ہم ایک سفاک بادشاہ کی تسکین کے لئے زیادہ خون مہیا نہیں کر سکتے۔ ایران کو امن کی ضرورت ہے۔ سین ہرقل کی طرف سے صلح کی پیش کش لے کر آیا تھا لیکن پرویز نے اُسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ہمارا دشمن ہرقل نہیں پرویز ہے۔ رومی نئے حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں اور اب اُن کے ساتھ مصالحت کی یہی صورت ہے کہ ہم پرویز سے نجات حاصل کر لیں۔

پرویز سے عوام کے جذبات پوشیدہ نہ تھے، وہ جانتا تھا کہ اب اُس کی تباہ حال رعایا اُسے نفرت اور حقارت کے سوا کچھ نہیں دے سکتی۔ اپنے حال کے متعلق اُس کی پریشانی اور مستقبل کے متعلق مایوسی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی، اُس کے ذہنی اور جسمانی قویٰ مفلوج ہو چکے تھے۔ اب اُسے شراب کے نشے میں بھی اُن لوگوں کی چیخیں سنائی دیتی تھیں۔ جو اُس کے حکم سے تختہ دار پر کھینچے گئے تھے۔

بالآخر ایک دن اُس نے اپنے اُمراء کو بلایا اور اُن کے سامنے اپنے عزیز ترین بیٹے مردزا کے سر پر تاج رکھنے کی خواہش ظاہر کی، لیکن اُمراء کے نزدیک ایک شکست خوردہ بادشاہ کے حکم کی ہر خواہش بے معنی تھی۔ اُن کے ایک با اثر گروہ نے پرویز کے ایک اور بیٹے شیرویہ کے ساتھ اپنا مستقبل وابستہ کر لیا۔ یہ

نوجوان جو اپنے باپ سے کہیں زیادہ سفاک تھا۔ ایران کے تخت و تاج کو اپنا پیدائشی حق سمجھتا تھا اُس نے امراء کو انعامات اور سپاہیوں کو زیادہ تنخواہوں کا لالچ دیا، اور ایک طویل جنگ کے آلام و مصائب سے دل برداشتہ عوام کو یہ مژدہ سنایا کہ میں تمہیں امن دوں گا۔ کسریٰ کو اُس وقت ہوش آیا، جب شیرویہ کی سازش کامیاب ہو چکی تھی اور مدائن کے سپاہی، امراء اور عوام اُسے اپنا بادشاہ تسلیم کر چکے تھے۔ پرویز نے بھاگنے کی کوشش کی، لیکن سپاہیوں نے اُسے مدائن کے دروازے سے باہر نکلنے کا موقع نہ دیا اور پکڑ کر شیرویہ کے سامنے لے آئے۔

شیرویہ نے اپنے باپ کی آنکھوں کے سامنے یکے بعد دیگرے اپنے اٹھارہ[1] بھائیوں کے سر قلم کرا دیئے اور اس کے بعد اُسے مدائن کے قید خانے کی ایک تاریک کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ اور اِس تاریک کوٹھڑی میں کجکلاہِ ایران کی حالت اُس شخص کی سی تھی، جسے جیتے جی قبر میں اُتار دیا گیا ہو۔ اپنی زندگی میں ہزاروں بے گناہ انسانوں کو جو اذیتیں اُس نے پہنچائی تھیں وہ اُسے اپنے بیٹے کے ہاتھوں پہنچ رہی تھیں۔ بھوک اور پیاس کی حالت میں اُسے اپنی التجاؤں، چیخوں اور سسکیوں کے جواب میں صرف اپنی آواز سنائی دیتی تھی۔ رُوئے زمین کا انتہائی با اختیار، انتہائی مغرور اور انتہائی ظالم انسان اب اپنی بے بسی، عجز اور مظلومیت کی انتہا دیکھ رہا تھا۔

شیرویہ نے اپنے باپ کو زندگی کے عذاب سے نجات دلانے کے لئے پانچ دن کسی موزوں قاتل کی تلاش میں گزار دیئے، بالآخر اُسے ہرمز نامی ایک نوجوان نے جس کے باپ کو پرویز نے قتل کروایا تھا۔ اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے کہا "ایک بیٹے کے لئے اپنے باپ کے قاتل سے انتقام لینا جائز اور درست ہے"۔

شیرویہ نے جواب دیا۔ "تم اپنے باپ کا انتقام لے سکتے ہو"۔

ہرمز قید خانے میں داخل ہوا اور تھوڑی دیر بعد ایک کوٹھڑی سے ایران کے تاجدار کی آخری چیخ

---

[1] بعض روایات کے مطابق شیرویہ کے ہاتھوں پرویز کے قتل ہونے والے بیٹوں کی تعداد پندرہ تھی۔

سنائی دی۔ پھر تھوڑی دیر بعد قاتل اپنی خون آلود قبا تبدیل کئے بغیر شیرویہ کے سامنے کھڑا یہ کہہ رہا تھا۔" عالیجاہ! آپ کے حکم کی تعمیل ہو چکی ہے، میں اپنے باپ کا انتقام لے چکا ہوں۔"

شیرویہ کے چہرے پر ایک خوفناک مسکراہٹ نمودار ہوئی، اور اُس نے کہا" تم اپنے باپ کے قاتل سے انتقام لے چکے ہو، لیکن میں نے ابھی تک اپنے باپ کے قاتل سے انتقام نہیں لیا۔"

ہرمز کے چہرے پر اچانک موت کی زردی چھا گئی۔ اور وہ چلایا" عالیجاہ! میں نے صرف آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے۔"

شیرویہ نے مسلح پہرہ داروں کی طرف اشارہ کیا اور انہوں نے آگے بڑھ کر ہرمز کو گھیرے میں لے لیا پھر چار آدمیوں کی تلواریں بلند ہوئیں۔ ایک چیخ سنائی دی اور اس کے بعد ایک لاش شیرویہ کے قدموں میں تڑپنے لگی۔

باب ۳۹

دست گرد کے قید خانے میں دو سال گذارنے کے بعد عاصم نے اپنی اسیری کے دنوں، ہفتوں کا حساب رکھنا چھوڑ دیا تھا۔ قید کے ابتدائی ایام میں اس کے ساتھ تورج اور مہرداد کی ملاقات کا یہ اثر ہوا تھا۔ کہ قید خانے کا داروغہ اسے پہلے سے بہتر سلوک کا مستحق سمجھنے لگ گیا تھا۔ اس کے بعد سین کے ساتھ عقیدت رکھنے والے چند اور فوجی افسروں نے بھی داروغہ کی وساطت سے اس کے ساتھ درپردہ ملاقاتیں کی تھیں۔ اور ان کے طرزِ عمل نے داروغہ کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اگر کبھی حالات نے پلٹا کھایا تو فوجی سرداروں کا ایک بااثر گروہ جو سین کو مظلوم سمجھتا ہے اس شخص کو فراموش نہیں کرے گا جو سین کا وفادار دوست یا ساتھی ہونے کے جرم کی سزا بھگت رہا ہے۔ چنانچہ وہ عاصم کے ساتھ عام قیدیوں کی نسبت زیادہ دلچسپی لینے لگا۔ اور چند ملاقاتوں کے بعد اس کی دلچسپی ایک گہرے انس میں تبدیل ہونے لگی ————

ابتدا میں وہ دست گرد کے عوام کی طرح سین کی المناک موت کو ایک غدار کی موت سمجھتا تھا۔ لیکن عاصم کی باتیں سننے کے بعد اس کے خیالات یکسر تبدیل ہو چکے تھے اور وہ عاصم پر اور زیادہ مہربان ہو چکا تھا۔ تاہم اس کا نیک سلوک عاصم کے آلام و مصائب کا علاج نہ تھا۔ ماضی کی تمام یادوں سے کنارہ کش ہو کر اور مستقبل کی تمام امیدوں سے زندگی کے رشتے توڑ کر ایک قیدی کے حال پر قانع ہو جانے کا تصور بھی اسے ناقابلِ برداشت محسوس ہوتا تھا۔ ایک دن اس کی کوٹھری کا دروازہ کھلا۔ اور قید خانے کے داروغہ نے اندر داخل ہو کر کہا۔" مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے دو دن سے کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا۔"

عاصم نے بے اعتنائی سے اس کی طرف دیکھا اور جواب دینے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

داروغہ نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری صحت خراب ہو رہی ہے۔ اور میں نے آئندہ تمہیں اپنے گھر سے کھانا بھجوانے کا انتظام کیا ہے۔"

عاصم نے داروغہ کی طرف گھور کر دیکھا اور کہا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھ جیسا بدنصیب اگر چند مہینے یا چند برس اور اس کوٹھڑی میں ایڑیاں رگڑتا رہے تو آپ کو اس سے کیا حاصل ہوگا؟"

داروغہ نے جواب دیا۔ "یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں تمہاری صحت کا خیال رکھوں۔ آج سے تمہیں صبح و شام قید خانے کی چار دیواری کے اندر کھلے بندوں گھومنے پھرنے کی اجازت ہوگی۔"

عاصم کی آنکھوں میں اچانک امید کی روشنی جھلکنے لگی۔ لیکن داروغہ نے اچانک اپنا لہجہ بدلتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اس رعایت سے کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اس قید خانے میں تین سو آدمی ایسے ہیں جو شہنشاہ کے حکم سے یہاں لائے گئے ہیں اور جنہیں صرف کسریٰ کے حکم سے رہا کیا جا سکتا ہے۔ ان قیدیوں کی اکثریت ایران کے ان با اثر خاندانوں سے تعلق رکھتی ہے جن سے حکم عدولی یا بغاوت کا خدشہ ہو سکتا تھا۔ شہنشاہ کو اس بات کا یقین ہے کہ جب تک یہ لوگ قید میں ہیں اور جب تک ان کے دوستوں، عزیزوں یا رشتہ داروں کو یہ خوف دلایا جا سکتا ہے کہ ان کی قید کو ہر وقت موت کی سزا میں تبدیل کیا جا سکتا ہے وہ بغاوت کی جرأت نہیں کریں گے۔ مجھے ان قیدیوں کی صحت اور سلامتی کے علاوہ یہ ذمہ داری بھی سونپی گئی ہے کہ جب کسریٰ انہیں یاد فرمائے گا تو میں انہیں حاضر کر دوں اور اگر مجھے اس ذمہ داری کے قابل سمجھا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے پانچ بچے ہیں اور مجھے اس بات کا احساس ہے کہ اگر میری غفلت یا کوتاہی کے باعث کوئی قیدی فرار ہو جائے تو ان پانچ بچوں کو میری آنکھوں کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا۔ اور ان کے علاوہ میرے تمام عزیزوں اور دوستوں کو بھی بدترین سزاؤں کا مستحق سمجھا جائے گا۔ میں اگر تمہیں اس قید خانے میں گھومنے پھرنے کی رعایت دے رہا ہوں تو اس کی وجہ میرا یہ اطمینان ہے کہ تم اپنی آزادی کے بدلے میرے بال بچوں اور عزیزوں کی زندگیاں خطرے میں ڈالنا پسند نہیں کرو گے۔ پھر مجھے یہ اطمینان بھی ہے کہ اگر تم فرار ہونے کی کوشش بھی کرو تو بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ عاصم! تمہیں اپنے مستقبل کے متعلق اس قدر ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ کسریٰ نے پہلی بار میدان جنگ میں چند ناکامیوں کا سامنا کیا ہے۔ ممکن ہے کہ رومیوں

کی مزید کامیابیوں سے وہ ایسی شرائط پر صلح کرنے کے لیے آمادہ ہو جائے جو ان کے لیے قابل قبول ہوں۔ اس صورت میں اگر رومیوں نے تمہاری خدمات کا لحاظ کیا تو ان کے لیے تمہاری رہائی کا مطالبہ منوانا مشکل نہیں ہوگا ——— یہ بھی ممکن ہے کہ جنگ کی طوالت سے تنگ آئے ہوئے سپاہیوں کے اضطراب کے باعث ایران کو کسی اندرونی انقلاب کا سامنا کرنا پڑے اور سین کا کوئی دوست تمہارے لیے اس قید خانے کا دروازہ کھول دے۔ تم نے ایک دن عرب کے کسی نبی کی پیش گوئی کا ذکر کیا تھا۔ اور ارمیاہ کی تباہی کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید اس پیش گوئی کے پورا ہونے کا زمانہ قریب آ رہا ہے۔ تمہیں حوصلے سے کام لینا چاہیے ——— میں تمہارے لیے کھانا بھیجتا ہوں۔"

داروغہ یہ کہہ کر باہر نکل گیا اور عاصم کو پھر ایک بار دست گرد کے قید خانے سے کوسوں دور نئے راستوں اور نئی منزلوں کے چراغ دکھائی دینے لگے۔

"فسطینہ! فسطینہ!!" اس نے اپنے دل میں کہا۔ "کیا تم میرا انتظار کر سکو گی ———؟" اور پھر یکایک اس کے تصورات کی دنیا میں فسطینہ کی مسکراہٹیں پھیل گئیں۔

اس شام وہ قید خانے کی وسیع چار دیواری کے اندر گھوم رہا تھا۔ اور چند دن بعد کئی قیدیوں سے باتیں کرنے کے بعد وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ جبر اور ظلم کی اس بستی میں وہ اکیلا نہیں۔ یہاں ایسے لوگ موجود ہیں، جو اس سے زیادہ مظلوم ہیں۔



چند ماہ اور گزر گئے۔ پھر ایک دن عاصم کو یہ معلوم ہوا کہ رومی لشکر، نینوا کے میدان میں ایرانیوں کو شکست دینے کے بعد دست گرد کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس کے بعد کسریٰ نے دست گرد سے راہ فرار اختیار کی۔ تو عاصم یہ محسوس کرنے لگا کہ اس کی مصیبت کا دور ختم ہونے والا ہے۔ قید خانہ کا داروغہ بھی اسے یہ اطمینان دلا چکا تھا کہ جب رومی شہر کے قریب پہنچ جائیں گے تو میرے لیے قید خانے کے دروازے کھول دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔

لیکن کسریٰ کو مدائن میں اطمینان کا سانس لیتے ہی اپنی فوج اور کنیزانِ حرم کے علاوہ ان قیدیوں کی فکر ہوئی جو دشمن کے ساتھ مل کر اس کے لیے بدترین خطرات پیدا کر سکتے تھے ـــــ چنانچہ ہرقل کی آمد سے تین دن قبل ان لوگوں کو پانچ سو سپاہیوں کی ننگی تلواروں کی حفاظت میں قید خانے سے نکال کر مدائن سے چند میل دور ایک پرانے قلعے کے اندر منتقل کر دیا گیا۔ اس قلعے کے محافظ کا نام مہران تھا اور وہ ان سنگدل لوگوں میں سے تھا جو اپنے حکمران کے انتہائی ظالمانہ احکام کی تعمیل میں بھی ایک لذت محسوس کیا کرتے تھے۔ اور کسریٰ اُسے یہ حکم دے چکا تھا کہ اگر مدائن کو کوئی خطرہ پیش آیا تو ان قیدیوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے نہیں ہماری طرف سے کسی نئی ہدایت کا انتظار نہیں کرنا چاہیے ـــــ

دست گرد کے قید خانے کے داروغہ کو جس سے عاصم کو کسی بھلائی کی امید ہو سکتی تھی، ان سپاہیوں کی نگرانی سونپ دی گئی تھی جو شاہی خزانہ نکال کر مدائن لے جا رہے تھے۔ عاصم نے اپنے مستقبل کے افق پر امید کی جو روشنی دیکھی تھی اُسے پھر ایک بار مایوسی کی گھٹائیں اپنے آغوش میں لے چکی تھیں۔

اس قلعے میں اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ پہریداروں کو قیدیوں سے ہمکلام ہونے کی اجازت نہ تھی ـــــ وہ کئی دن انتہائی کرب و اضطراب کی حالت میں رومیوں کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن وہ نہ آئے۔ وہ اکثر یہ سوچا کرتا تھا۔ "کیا یہ ہو سکتا ہے کہ قیصر دست گرد سے آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کر کے واپس چلا گیا؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اسے کسی جنگ میں شکست ہو گئی ہو۔ اور کیا یہ ممکن نہیں کہ مدائن میں اپنے جھنڈے گاڑنے کے بعد اس کے تھکے ہوئے سپاہیوں نے اس غیر اہم قلعے کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی ہو؟"

قلعے کے محافظ نے قیدیوں کو گری ہوئی دیواریں مرمت کرنے اور خندقیں گہری کرنے کے کام پر لگا دیا تھا۔ اور پہریدار ہاتھوں میں کوڑے لیے ہر وقت ان پر مسلط رہتے تھے۔ اگر کوئی بھوک، پیاس یا تھکاوٹ سے نڈھال ہو کر گر پڑتا تو اس پر بے تحاشا کوڑے برسائے جاتے تھے۔ غذا کی کمی اور کام کی زیادتی، اور پہریداروں کے وحشیانہ سلوک کے باعث کئی قیدی طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اور ہر ہفتے مرنے والوں کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔

ایک رات چند قیدیوں نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن پہریداروں کو بروقت پتہ چل گیا۔ چنانچہ انہوں نے بھاگنے والوں کا پیچھا کیا۔ دو قیدی جنہوں نے مزاحمت کی کوشش کی مسلح سواروں کے ہاتھوں مارے گئے، چار گرفتار کر لیے گئے اور صرف دو ایسے تھے جو دریائے دجلہ عبور کرنے کے بعد کہیں روپوش ہو گئے تھے۔

گرفتار ہونے والے چار آدمیوں کو قلعے کے دروازے کے عین سامنے پھانسی دے دی گئی۔ اور کئی دن تک ان کی لاشیں وہیں لٹکتی رہیں۔ پھر ایک دن جب یہ لاشیں ہڈیوں کے ڈھانچوں میں تبدیل ہو چکی تھیں، سرپٹ سواروں کا ایک دستہ قلعے کے دروازے کے سامنے رکا۔ ایک عمر رسیدہ آدمی نے جو اپنے لباس سے کوئی بڑا افسر معلوم ہوتا تھا، فصیل پر سے نیچے جھانکنے والے پہریداروں کی طرف دیکھا۔ اور بلند آواز میں کہا۔ "دروازہ کھولو ہمیں شہنشاہ نے بھیجا ہے"۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور قلعے کا محافظ چند سپاہیوں کے ساتھ باہر نکل آیا۔

"مجھے پہچانتے ہو؟" عمر رسیدہ آدمی نے کسی توقف کے بغیر پوچھا۔

"چند ثانیے قلعے کے محافظ کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ بالآخر اس نے کہا "تم ساسان ہو۔ تم اس قلعے سے فرار ہو گئے تھے"۔

ساسان نے کہا۔ "اگر چند دنوں میں تمہارا حافظہ بہت زیادہ کمزور نہیں ہو گیا۔ تو میرے دو اور ساتھی اس جگہ موجود ہیں"۔

قلعے کے محافظ نے باقی سواروں کی طرف دیکھا۔ اور اس کی نگاہیں دو آدمیوں پر مرکوز ہو کر رہ گئیں پھر وہ اپنے سپاہیوں کی طرف متوجہ ہو کر چلایا "انہیں گرفتار کر لو"۔

ساسان نے کہا۔ "نہیں تمہارے آدمی شہنشاہ کے سپاہیوں پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اب میں اس قلعے کا محافظ ہوں اور میں تمہاری گرفتاری کا حکم دیتا ہوں"۔

قلعے کا محافظ غصے اور اضطراب کی حالت میں کبھی اپنے آدمیوں اور کبھی ان سواروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ساسان نے مڑ کر ایک فوجی افسر کی طرف دیکھا۔ اور اس نے اپنا گھوڑا آگے بڑھا کر قلعے کے محافظ کو ایک مراسلہ پیش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ درست کہتے ہیں۔ تم ایران کے نئے شہنشاہ کا حکم نامہ دیکھ سکتے ہو۔"

مہران نے مراسلے کو کھولا، پڑھا اور اس کے چہرے پر موت کی زردی چھا گئی۔

ساسان نے قلعے کے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ایران سے پرویز کی حکومت ختم ہو چکی ہے۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم اپنے نئے حکمران کی اطاعت کرو۔ مدائن یہاں سے زیادہ دور نہیں۔ اگر تم میں سے کسی کو میری باتوں پر شبہ ہے تو میں اسے وہاں بھیجنے کے لیے تیار ہوں۔"

مہران نے کہا۔ "میں کسی اور کو بھیجنے کی بجائے خود مدائن جانا چاہتا ہوں۔"

"نہیں ہم تمہیں کسی اور جگہ بھیجنا چاہتے ہیں۔" ساسان نے یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ چار آدمی گھوڑوں سے اترے اور انہوں نے مہران کے ہاتھ باندھ دیئے۔ تھوڑی دیر بعد قلعے کے دروازے کے سامنے ہڈیوں کے چار بوسیدہ ڈھانچوں کے ساتھ ایک تازہ لاش لٹک رہی تھی۔



اگلے دن وہ پہرہ دار جو قیدیوں کو بدترین اذیتیں پہنچانے میں ایک راحت محسوس کیا کرتے تھے، فصیل مرمت کرنے اور خندق کھودنے کے کام پر لگے ہوئے تھے اور چند قیدی جن کے ہاتھ میں بیلچوں اور ٹوکریوں کی بجائے کوڑے دے دیے گئے تھے، ان کی نگرانی پر مامور تھے۔

اب ایران کے انقلاب کی خبر کسی سے پوشیدہ نہ تھی۔ چار دن بعد مدائن سے ایک ایلچی آیا اور اس نے یہ خبر دی کہ کسریٰ پرویز کو مدائن کے قید خانے میں قتل کر دیا گیا ہے۔ ساسان جس نے اپنی زندگی کے دس سال پرویز کی قید میں گزارے تھے، شمالی ایران کے ایک بااثر قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اور وہ شیرویہ سے ان قیدیوں کی رہائی کے مکمل اختیارات لے کر آیا تھا۔ جن کے قبیلوں اور خاندانوں کی دوستی اس کے لیے سود مند ثابت ہو سکتی تھی۔ چنانچہ ایک ہفتہ کے اندر اندر قریباً ڈیڑھ سو قیدی جنہوں نے ایران کے نئے حکمران کی اطاعت کا حلف اٹھایا تھا۔ اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ اور ان کی جگہ لینے کے لیے مدائن سے آئے دن نئے

قیدیوں کی ٹولیاں پہنچ رہی تھیں۔ پرانے قیدیوں میں صرف وہ لوگ رہ گئے تھے جو دور دراز کے صوبوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اور جنہیں رہا کرنے سے قبل ان کے سرکش عزیزوں اور رشتہ داروں سے اطاعت اور فرمانبرداری کی ضمانت لینے کی ضرورت محسوس کی گئی تھی۔

عاصم کا معاملہ عام قیدیوں سے مختلف تھا۔ دست گرد سے اس قلعے میں منتقل ہونے والے قیدیوں کے جرائم اور سزاؤں کے متعلق یادداشت کی کتاب میں اس کے نام کے ساتھ "رومی جاسوس" کے الفاظ لکھے ہوئے تھے اور اس کی رہائی کا حکم دینا ساسان کے دائرہ اختیار سے باہر تھا۔

کئی دن انتظار کے بعد عاصم کو ساسان کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور ساسان نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "تم میرے لیے اجنبی نہیں ہو۔ میں تمہارے حالات سے پوری واقفیت حاصل کر چکا ہوں۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ شیرویہ کی اجازت کے بغیر میں تمہیں رہا نہیں کر سکتا۔ قیدیوں کی کتاب میں تمہارے متعلق یہ لکھا ہوا ہے کہ تم رومیوں کے جاسوس ہو مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ الزام غلط ہے لیکن جب تک مدائن پر رومیوں کے حملے کا خطرہ موجود ہے کسی کو تمہاری حمایت میں آواز بلند کرنے کی جرأت نہیں ہوگی۔ میں تمہیں یہ خوش خبری دے سکتا ہوں کہ ایران کا نیا حکمران ہر قیمت پر رومیوں کے ساتھ صلح کرنا چاہتا ہے اور مدائن کے اکابر کا ایک وفد تبریز کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ قیصر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے یروشلم کی صلیب بھی رومیوں کو واپس دی جا رہی ہے۔ اگر ہمارے وفد کو کامیابی ہوئی تو ایران کی نئی حکومت اس شخص کے دوست اور ساتھی کو فراموش نہیں کرے گی جس نے اپنی جان پر کھیل کر ایران کو جنگ کی تباہ کاریوں سے بچانے کی کوشش کی تھی ——— پھر اگر تمہارے رومی دوست تمہیں بھول نہیں گئے تو مجھے یقین ہے کہ وہ مصالحت کی گفتگو شروع کرنے سے پہلے تمہاری رہائی کا مطالبہ کریں گے۔"

عاصم نے مغموم لہجے میں کہا۔ "تو اس کا مطلب یہ ہے کہ روم اور ایران کی مصالحت کے بغیر میری رہائی کی کوئی صورت نہیں۔"

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں۔ لیکن تمہیں یہ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ شیرویہ نے انتہائی ناسازگار حالات میں ایک حکمران کی ذمہ داریاں قبول کی ہیں۔ میں تمہارے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ جب اسے اپنے

گردوپیش سے اطمینان نصیب ہو گا۔ تو میں بذاتِ خود اس کی خدمت میں حاضر ہو کر تمہارا مسئلہ پیش کروں گا۔"

عاصم نے کہا۔ "میری سب سے بڑی امید تھی کہ نورج مجھے فراموش نہیں کرے گا۔ اُسے یہ معلوم تھا کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ کیا آپ اسے یہ پیغام نہیں پہنچا سکتے کہ میں ابھی تک زندہ ہوں۔ جب میں سین کے ساتھ دست گرد پہنچا تھا تو وہ وہاں کی افواج کا سپہ سالار تھا۔"

ساسان نے کہا۔ "نورج مر چکا ہے جب رومی نینوا کی طرف بڑھ رہے تھے تو وہ کمک لے کر گیا تھا اور جنگ میں ہلاک ہو گیا تھا۔"

ساسان کے ساتھ اس ملاقات کے بعد عاصم کی حالت اس مسافر کی سی تھی جو ایک لق و دق صحرا کے بے نشان راستوں پر سفر کر رہا ہو ——— سین جس نے اسے افق کی دھندلی لکیروں کے پیچھے دوڑنا سکھایا تھا اس کا ساتھ چھوڑ چکا تھا۔ قسطنطنیہ نے اسے زندگی کی تڑپ اور ولولے عطا کیے تھے۔ لیکن اب اُسے یہ بھی یقین نہیں تھا کہ وہ زندہ ہے۔ وہ اکثر اپنے دل سے یہ سوال کیا کرتا تھا کہ اس قلعے سے باہر وہ کون سی جگہ ہے جہاں مجھے امن اور راحت نصیب ہو سکتی ہے۔ اگر قسطنطنیہ اس دنیا میں نہیں تو میں آزاد ہو کر کہاں جا سکتا ہوں۔"



اڑھائی مہینے اور گزر گئے۔ پھر ایک شام ساسان کے پاس کوئی ایلچی آیا اور وہ رات کے پچھلے پہر مدائن کی طرف روانہ ہو گیا۔ دس دن بعد ایک صبح عاصم اپنے کمرے سے باہر چہل قدمی کر رہا تھا کہ ایک سپاہی نے اس کے قریب آکر اطلاع دی۔ "ساسان نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔"

"وہ مدائن سے واپس آگئے ہیں؟"

"جی ہاں"

"کب؟"

"وہ آدھی رات کے قریب یہاں پہنچ گئے تھے۔"

تھوڑی دیر بعد عاصم ایک کشادہ کمرے میں داخل ہوا۔ ساسان کے ساتھ ایک اور ضعیف العمر آدمی

جس کی بھویں تک سفید ہو چکی تھیں، بیٹھا ہوا تھا۔

"تم انہیں جانتے ہو؟" ساسان نے عاصم کو دیکھتے ہی سوال کیا۔

عاصم نے غور سے عمر رسیدہ آدمی کی طرف دیکھا اور مذبذب سا ہو کر بولا۔ "آپ کو ایک قیدی کی یادداشت کا امتحان نہیں لینا چاہیے ——— اب میرے دل میں صرف اپنے آلام و مصائب کی یاد باقی رہ گئی ہے۔"

عمر رسیدہ آدمی نے کہا۔ "میرا نام مہرداد ہے۔ اور تم ایک قیدی نہیں ہو۔"

عاصم چند ثانیے بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ پھر اس کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ اور تشکر کے جذبات اُس کی پتھرائی ہوئی آنکھوں میں آنسو بن کر چھلکنے لگے۔

مہرداد نے کہا۔ "تم آزاد ہو اور قید خانے کے دروازے پر ایک گھوڑا تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

عاصم نے ساسان کی طرف دیکھا اور لرزتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔ "کیا میں سچ مچ آزاد ہوں؟"

"ہاں تم آزاد ہو ——— مدائن کے اکابر کا جو وفد قیصر کے پاس گیا تھا۔ وہ صلح کی شرائط طے کرنے کے بعد واپس آگیا ہے۔ اور میں اس کی واپسی کی اطلاع ملتے ہی مدائن پہنچ گیا تھا۔ میرا اولین مقصد شہنشاہ کے سامنے تمہاری رہائی کا مسئلہ پیش کرنا تھا۔ لیکن مجھے ان کی خدمت میں پیش ہونے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ شہنشاہ سے تمہاری رہائی کا فرمان ایک ایسے بزرگ نے حاصل کیا ہے۔ جو اس وفد کے ساتھ گیا تھا۔"

ساسان نے یہ کہہ کر میز سے ایک کاغذ اٹھایا اور عاصم کے ہاتھ میں دے دیا۔

عاصم نے تشکر آمیز نگاہوں سے ساسان کی طرف دیکھا اور پھر مہرداد کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ وہ بزرگ کون ہے۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں۔"

مہرداد نے جواب دیا۔ "میں اگر کوشش نہ کرتا تو بھی چند دنوں یا چند ہفتوں تک تمہاری رہائی یقینی تھی مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ اس سے قبل تمہارے حال پر توجہ دینے کا موقع نہ ملا۔"

عاصم نے پوچھا۔ "آپ ان رومیوں سے ملے تھے جو سین کے ساتھ دست گرد آئے تھے؟"

"نہیں، ان میں سے کسی کے ساتھ میری واقفیت نہیں تھی۔"

"آپ سے کسی رومی نے بھی میرے متعلق نہیں پوچھا؟"

"نہیں، وہاں کسی نے تمہارا ذکر نہیں چھیڑا۔ جب ہم قیصر کے پڑاؤ میں داخل ہوئے تھے تو وہاں فتح کی خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔"

عاصم کے چہرے پر مایوسی چھا گئی ——— ساسان نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اس بات پر پریشان نہیں ہونا چاہیے کہ تمہارے رومی دوستوں نے تمہیں فراموش کر دیا ہے۔ اتنی عظیم فتوحات کے بعد لوگ اپنے ماضی کے دوستوں اور ساتھیوں کو بھول جاتے ہیں۔"

عاصم نے کہا "مجھے یقین ہے کہ اگر میرے دوستوں میں سے کوئی قیصر کے ساتھ ہوتا تو وہ آپ سے میرے متعلق ضرور پوچھتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ سین اپنی بیوی اور بچے خلقدون چھوڑ آیا تھا؟"

مہرداد نے جواب دیا۔ "ہاں مجھے معلوم ہے۔"

"اب وہ کہاں ہیں؟"

"ان کے متعلق میں نے صرف یہ سنا ہے کہ سین کے قتل کے بعد پرویز نے اس کی بیوی اور لڑکی کے متعلق یہ حکم بھیجا تھا کہ انہیں دست گرد پہنچا دیا جائے۔ لیکن پرویز کا حکم پہنچنے سے دو دن قبل وہ کہیں روپوش ہو چکی تھیں۔ قلعے کے محافظ صرف اتنا جانتے تھے کہ وہ شام کے وقت سیر کے لیے نکلی تھیں اور پھر واپس نہیں آئی تھیں۔ ان کا ایک نوکر بھی ان کے ساتھ ہی لاپتا ہو چکا تھا۔"

عاصم نے پرامید ہو کر پوچھا۔ "آپ کو معلوم ہے کہ قیصر کے ایلچی جو دست گرد آئے تھے وہ بخیریت قسطنطنیہ پہنچ گئے تھے۔"

"ہاں، انہیں ہمارے سپاہیوں نے بحفاظت باسفورس کے پار پہنچا دیا تھا۔ لیکن پرویز نے جن ایرانیوں کو خراج وصول کرنے کے لیے ان کے ساتھ بھیجا تھا۔ ان کے متعلق ہمیں کئی مہینوں کے بعد یہ معلوم ہوا کہ وہ قتل کر دیئے گئے ہیں۔"

عاصم نے پوچھا۔ "کیا قیصر کے ایلچیوں نے واپسی پر خلقدون قیام کیا تھا؟"

"ہاں انہوں نے ایک رات وہاں قیام کیا تھا۔ اور ایک رومی نے قلعے میں سین کی بیٹی کے ساتھ

ملاقات کی تھی ——— لیکن اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ انہیں غائب کرنے میں ان رومیوں کا ہاتھ ہے تو یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ وہ خلقدون سے ان کی روانگی کے دو دن بعد روپوش ہوئی تھیں۔ پرویز کے پاس جب یہ خبر پہنچی تھی تو اس نے قلعے کے بیس پہریداروں کو قتل کروا دیا تھا۔ پرویز نے ان سپاہیوں کو بھی عبرت ناک سزائیں دی تھیں جو چند دن کی تاخیر سے خلقدون پہنچے تھے۔ مجھے صرف اس بات سے قیصر کے ایلچیوں پر کچھ شبہ ہوتا ہے کہ واپسی پر ان کی رفتار بہت تیز تھی۔ تحقیقات کے دوران میں راستے کی چوکیوں سے اس قسم کی شہادتیں ملی تھیں کہ ہمارے آدمی جو ان کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ اس بات کے شاکی تھے کہ رومیوں نے کسی منزل پر بھی انہیں جی بھر کر آرام کرنے نہیں دیا۔"

عاصم نے کہا۔ "بہرحال آپ کو اس بات کا یقین ہے کہ پرویز نے جو سپاہی سین کی بیوی اور بیٹی کی گرفتاری کے لیے روانہ کیے تھے، وہ رومیوں کے بعد خلقدون پہنچے تھے۔"

"ہاں ان کے دیر سے پہنچنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ کسریٰ کو رومیوں کی روانگی سے چند دن بعد دست گرد کے بڑے کاہن کے اصرار پر ان کی گرفتاری کا خیال آیا تھا۔ اور دوسری وجہ یہ کہ انہوں نے کسی تاخیر کے بغیر خلقدون پہنچنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ بہرحال یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ سین کی بیوی اور بیٹی رومیوں کے ساتھ نہیں گئیں۔ جب ان کی تلاش جاری تھی تو میں اکثر مدائن سے دست گرد جایا کرتا تھا تورج اور چند دوسرے دوستوں کی طرح مجھے بھی یہ شبہ تھا کہ کسریٰ نے انہیں قتل کروا دیا ہے۔ اور اب ان کی تلاش سے اس کا مقصد اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن اب خلقدون کے لشکر کی ایک بڑی تعداد واپس آ چکی ہے اور میں کئی سپاہیوں اور افسروں سے مل چکا ہوں ——— اور وہ سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ سین کی بیوی اور بیٹی کہیں روپوش ہو چکی ہیں۔ اور اگر رات کی تاریکی میں قلعے سے باہر ان کے اغوا یا قتل کی کوئی سازش ہوئی ہو تو اس کے ساتھ فوج کا کوئی تعلق نہیں۔"

عاصم کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی، اس نے ساسان کی طرف دیکھا اور کرب انگیز لہجے میں کہا "میں جا سکتا ہوں۔"

ساسان نے اٹھ کر کہا۔ "نہیں تم پہلے اپنے کمرے میں جا کر ناشتا کر لو۔ اور تمہارا لباس بھی ٹھیک

نہیں، میں تمہارے لیے نئے کپڑے بھیجتا ہوں۔ کچھ اور ضروری سامان تمہارے گھوڑے کی خورجین میں رکھوا دیا جائے گا۔"

مہرداد نے کہا۔ "ہم قلعے کے دروازے پر تمہارا انتظار کریں گے۔ لیکن میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم کہاں جانا چاہتے ہو؟"

"مجھے معلوم نہیں۔" عاصم نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی آنسو جنہیں وہ بڑی مشکل سے ضبط کیے ہوئے تھا اس کی آنکھوں سے اُبل پڑے۔

مہرداد نے اٹھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "شاید تمہیں یہ معلوم نہیں کہ سین میرا بہترین دوست تھا۔ اور اگر میرا بیٹا ایرج زندہ ہوتا تو فسطینہ میری بہو ہوتی۔"

"نہیں۔" عاصم نے جواب دیا۔ "میں اپنے محسن کو خوش کرنے کے لیے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اگر ایرج اپنی موت سے پہلے آپ سے ہمکلام ہو سکتا تو وہ آپ سے یہ کہتا کہ فسطینہ نے آپ کے بیٹے کی مسرتوں میں شریک ہونے کی بجائے ایک ایسے انسان کی بدنصیبی میں حصہ دار بننا قبول کر لیا تھا جو اُسے محبت کے آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں دے سکتا۔ نادان لڑکی مرمریں ایوانوں سے منہ پھیر کر اس غریب الدیار کی رفاقت قبول کرنے پر آمادہ ہے جو اُسے ایک جھونپڑا بھی عطا نہیں کر سکتا۔"

مہرداد دیر تک سکتے کے عالم میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔ "اگر تم فسطینہ کو تلاش کر سکو تو تمہیں جھونپڑا تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میرے گھر کا دروازہ تمہارے لیے ہر وقت کھلا ہے گا۔ میں یہی سمجھوں گا کہ ایرج ایک نئے وجود میں میرے پاس واپس آگیا ہے۔"

عاصم نے تشکر آمیز لہجے میں جواب دیا۔ "ممکن ہے کہ میں کسی دن آپ کے پاس پناہ لینے پر مجبور ہو جاؤں لیکن اس وقت میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔"

"تم قسطنطنیہ جاؤ گے؟"

"ہاں"

"اور اس کے بعد؟"

"اس کے بعد میں ساری زندگی فسطینہ کی تلاش میں گزار دوں گا۔"

ساسان نے کہا۔ "اگر فسطینہ کے متعلق تمہارے جذبات یہ ہیں تو اسے نادان ہونے کا طعنہ کون دے سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اُسے تمہارا جھونپڑا مدائن کے سارے محلات سے زیادہ کشادہ اور خوبصورت نظر آئے گا۔"

عاصم کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ نیا لباس پہن کر قلعے کے دروازے پر پہنچا تو ایک سپاہی ایک خوبصورت گھوڑے کی باگ تھامے کھڑا تھا۔ اور ساسان اور ایرج کے باپ کے علاوہ قلعے کے چند محافظ اس کا انتظار کر رہے تھے۔

اس نے باری باری ان کے ساتھ مصافحہ کیا۔ اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

ساسان نے چند قدم اس کا ساتھ دیا اور دروازے سے باہر نکل کر دوبارہ اس کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "جب تم خورجین میں ہاتھ ڈالو گے تو تمہیں ایک چمڑے کی تھیلی ملے گی۔ یہ مہرداد کا تحفہ ہے اس کی یہ خواہش کہ تمہیں سفر کے دوران کوئی تکلیف نہ ہو۔"

باب ۴۰

عاصم نے کئی دن دریائے فرات کے کنارے کے ساتھ ساتھ اپنا سفر جاری رکھا۔ مہرداد نے رخصت کے وقت جو تھیلی اس کے گھوڑے کی خرجین میں رکھوادی تھی وہ اشرفیوں سے بھری ہوئی تھی۔ اور ان اشرفیوں کی بدولت اسے راستے کی منازل میں ٹھہرنے یا تازہ دم گھوڑے تبدیل کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ ایران کی قدیم سرحد عبور کرنے کے بعد اس نے سیدھا ایشیائے کوچک کا رخ کرنے کی بجائے شام کے اس راستے سفر کرنا زیادہ مناسب خیال کیا جو نسبتاً آباد علاقوں سے گزرتا تھا ——

ایک دن دوپہر کے وقت وہ حلب سے چند کوس دور دریا کے کنارے ایک بستی میں داخل ہوا اور سرائے سے کھانا کھانے اور گھوڑا تبدیل کرنے کے بعد دریا عبور کرنے کی نیت سے گھاٹ کی طرف چل پڑا۔ لیکن وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ بستی کی تمام کشتیاں دوسرے کنارے جمع ہونے والے مسافروں کو لانے کے لیے روانہ ہو چکی ہیں۔ عاصم جو شام سے پہلے اگلی منزل تک پہنچنے کے لیے بے قرار تھا انتہائی اضطراب کی حالت میں کشتیوں کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔

ایک ساعت بعد پانچ کشتیاں مسافروں اور ان کے گھوڑوں سمیت واپس آ رہی تھیں۔ بیشتر مسافر اپنے لباس سے ایرانی فوج کے افسر اور سپاہی معلوم ہوتے تھے۔ لیکن سب سے اگلی کشتی پر آٹھ آدمی رومیوں کا لباس پہنے ہوئے تھے

بستی کے چند آدمی جو دریا کے کنارے جمع ہو گئے تھے انتہائی غم و غصہ کی حالت میں ایرانیوں کی طرف دیکھ رہے تھے اور ایک عمر رسیدہ شامی راہب چلا چلا کر یہ کہہ رہا تھا۔ "آج ایرانی رومیوں کے دوست بن گئے

ہیں لیکن ہم ان ظالموں کو اپنی بستیوں سے گزرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔"

ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا۔ "مقدس باپ! اب جنگ ختم ہو چکی ہے اور یہ لوگ اپنے گھروں کو واپس جا رہے ہیں۔"

"نہیں نہیں"۔ راہب چلایا۔ "مجوسیوں کے ساتھ ہماری جنگ ختم نہیں ہو سکتی۔ انطاکیہ، حلب، دمشق اور یروشلم کو تباہ کرنے والوں کو زندہ رہنے کا حق نہیں دیا جا سکتا"

نوجوان نے برہم ہو کر کہا۔ "اگر آپ لڑنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو روکنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ لیکن ہم آپ کی خاطر مزید خون نہیں دے سکتے۔ رومیوں سے بھی آپ کو یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ آپ کی خاطر مزید قربانیاں دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے —— دیکھیے وہ قریب آ رہے ہیں۔ اگر آپ اپنی زبان پر قابو نہیں رکھ سکتے تو یہاں سے تشریف لے جائیے ورنہ ...."

"ورنہ کیا ہوگا؟" راہب نے تلملا کر کہا۔

نوجوان نے جواب دیا۔ "ورنہ میں آپ کو دریا میں پھینک دوں گا۔ اور بستی کا کوئی آدمی آپ کی مدد نہیں کرے گا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ تیرنا نہیں جانتے۔"

راہب نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن اس کی آواز تماشائیوں کے قہقہوں میں دب کر رہ گئی۔ اور وہ غصے سے کانپتا اور گالیاں دیتا ہوا ایک طرف چل دیا ——

کشتیاں قریب آ چکی تھیں اور عاصم دم بخود کھڑا اسب سے اگلی کشتی پر ایک جانی پہچانی صورت دیکھ رہا تھا۔ یہ ویلریس تھا۔

عاصم کے دل کی دھڑکن کبھی تیز اور کبھی سست ہو رہی تھی۔ وہ کبھی مسرت کے ساتویں آسمان پر پرواز کر رہا تھا اور کبھی مایوسی کے سمندر میں غوطے لگا رہا تھا۔ ویلریس جو ایک ایرانی سے باتیں کر رہا تھا، اچانک ساحل کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اس کی نگاہیں عاصم کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ اور پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر دیئے۔ کشتی کنارے پر لگی۔ عاصم اپنے گھوڑے کی باگ چھوڑ کر آگے بڑھا۔ اور ویلریس کشتی سے کود کر اس کے ساتھ لپٹ گیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ اس جگہ تم سے ملاقات ہو گئی۔ ورنہ میں تمہاری تلاش میں مدائن جا رہا تھا۔ اور وہاں سے نامعلوم مجھے ایران کے کتنے شہروں کی خاک چھاننا پڑتی۔"

عاصم نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کی آواز حلق سے باہر نہ آسکی۔ تاہم اس کی نگاہیں ولیریس کو متاثر کرنے کے لیے کافی تھیں۔

اس نے عاصم کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا: "عاصم! فسطینہ زندہ ہے"۔ اور عاصم کے سامنے ساری کائنات اپنی حسین مسکراہٹوں کے ساتھ رقص کرنے لگی۔

"وہ کہاں ہے؟" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے

"وہ قسطنطنیہ میں ہے اور ہم بہت جلد وہاں پہنچ جائیں گے۔"

اتنی دیر میں چند رومی اور ایرانی ان کے گرد جمع ہو چکے تھے۔ ولیریس ایک معمر آدمی سے جو اپنے لباس سے ایرانی فوج کا کوئی بڑا عہدہ دار معلوم ہوتا تھا، مخاطب ہو کر بولا: "قدرت نے مجھے ایک طویل سفر سے بچا لیا ہے۔ اب ہم یہیں سے واپس چلے جائیں گے۔ عاصم یہی ہے۔"

عمر رسیدہ ایرانی نے آگے بڑھ کر عاصم کے ساتھ مصافحہ کیا اور اس کے ساتھی باری باری اس کی تقلید کرنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد عاصم، ولیریس اور دوسرے رومی کشتی پر سوار ہو کر دوسرے کنارے کا رخ کر رہے تھے اور ایرانی جو ان کے ساتھ آئے تھے اپنے ہاتھ بلند کر کے انہیں الوداع کہہ رہے تھے۔

ولیریس نے عاصم کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "تم نے یہ نہیں پوچھا کہ فسطینہ قسطنطنیہ کیسے پہنچ گئی۔"

عاصم نے اطمینان سے جواب دیا: "مجھے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ میرے لیے صرف یہ جان لینا کافی ہے کہ وہ زندہ ہے۔ قید سے رہا ہوتے وقت یہ معلوم ہو گیا تھا کہ فسطینہ اور اس کی ماں قلعے سے غائب ہو گئی تھیں مجھے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ تم لوگ واپسی پر وہاں ٹھہرے تھے۔ اور تم میں سے کسی نے ان کے ساتھ ملاقات بھی کی تھی۔ لیکن جب تم قلعے سے روانہ ہوئے تھے تو وہ تمہارے ساتھ نہیں تھیں۔ میرا خیال ہے کہ سین کے کسی دوست نے انہیں قسطنطنیہ پہنچا دیا ہوگا۔"

ولیریس نے کہا: "خلقدون میں سین کا ایک ہی دوست تھا جس پر ہم اعتماد کر سکتے تھے۔ اور وہ اس کا بوڑھا نوکر فیروز تھا۔ وہ کلاڈیوس کی ہدایت کے مطابق ہماری روانگی سے تیسرے روز شام کے وقت ان کے ساتھ سمندر کے کنارے پہنچ گیا تھا اور رات کے وقت ہم کشتی لے کر وہاں پہنچ گئے تھے ——— قیصر کی پیش قدمی کے ایام میں ہمارے لیے سب سے بڑا مسئلہ تمہیں تلاش کرنا تھا۔ کلاڈیوس کو قسطنطنیہ کی حفاظت کی ذمہ داری سونپ دی گئی تھی اور مجھے کئی بار قرطاجنہ سے رسد اور کمک لانے کے لیے جانا پڑا۔"

عاصم نے سوال کیا: "اب کلاڈیوس کہاں ہے؟"

"وہ قسطنطنیہ میں ہے ——— وہ میرے ساتھ آنا چاہتا تھا۔ لیکن طرابزون سے ہرقل کی روانگی کی اطلاع ملی اور اُسے مجبوراً رکنا پڑا۔ میرے ساتھیوں کو اس بات کا ملال تھا کہ وہ قسطنطنیہ میں ہرقل کا جلوس نہیں دیکھ سکیں گے۔ لیکن اب میرا خیال ہے کہ شاید ہم وقت پر پہنچ جائیں۔ ہمیں انطاکیہ پہنچتے ہی جہاز مل جائے گا۔ اور اگر ہوا موافق ہوئی تو باقی سفر چند دنوں میں طے ہو جائے گا۔ میں گھوڑے کی سواری سے تنگ آچکا ہوں۔"

عاصم نے پوچھا: "یہ ایرانی خلقدون سے آپ کے ساتھ آئے تھے؟"

"ہاں۔ کلاڈیوس ایران کے نئے حکمران کے ساتھ صلح کے بعد خلقدون پہنچا تھا اور ایرانی لشکر کے سپہ سالار سے یہ وعدہ لے کر آیا تھا کہ تمہیں تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ پھر جب ایران کی بیشتر فوج اناطولیہ کے راستے واپس جا رہی تھی تو کلاڈیوس کا خیال تھا کہ یہ لوگ کسی تاخیر کے بغیر تمہاری خبر دینگے لیکن جب کوئی اطلاع نہ ملی تو کلاڈیوس نے مجھے مدائن بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اس عرصہ میں باسفورس کے پار ایرانیوں کا پڑاؤ قریباً خالی ہو چکا تھا اور سپہ سالار بھی واپس جا چکا تھا۔ یہ ایرانی جو میرے ساتھ آئے تھے ان جنگی قیدیوں میں سے تھے جنہیں جنگ کے ایام میں طرابزون سے قسطنطنیہ بھیجا گیا تھا ——— اب میں تمہیں ایک افسوسناک خبر سناتا ہوں۔"

"فسطینہ کی ماں کے متعلق؟" عاصم نے مضطرب سا ہو کر پوچھا۔

"ہاں۔ وہ قسطنطنیہ پہنچنے کے تین ماہ بعد فوت ہو گئی تھیں۔ اور چند ماہ بعد ان کا وفادار نوکر بھی وفات

پاگیا تھا۔ قسطینہ کے دل پر ان حادثات کا گہرا اثر ہوا ہے۔ کلاڈیوس کی بیوی اور بہن اسے سہارا نہ دیتیں تو خدا معلوم اس کا کیا حال ہوتا۔ ماں کی موت کے بعد اسے یہ احساس ہو گیا تھا کہ خدا اس سے ناراض ہے۔ وہ بار بار یہ کہتی ہے کہ اگر میں یروشلم میں راہبہ بننے سے انکار نہ کرتی تو میرے والدین کا یہ انجام نہ ہوتا۔ اس نے کئی بار راہبہ کی زندگی اختیار کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن جب کلاڈیوس اور اس کی بیوی اسے یہ سمجھاتے کہ عاصم زندہ ہے اور وہ عنقریب تمہاری تلاش میں یہاں پہنچے گا تو اس کی ہمت جواب دے جاتی ہے۔ پچھلے سال ایک روز وہ اچانک کہیں غائب ہو گئی تھی۔ دو دن اس کا کوئی پتہ نہ چلا۔ تیسرے دن علی الصباح وہ خود ہی کلاڈیوس کے گھر پہنچ گئی اور یہ معلوم ہوا کہ وہ راہبہ بننے کے لیے خانقاہ میں چلی گئی تھی۔ لیکن رات کے وقت اس نے خواب دیکھا کہ تم واپس آ گئے ہو۔ اور وہ صبح بیدار ہوتے ہی وہاں سے بھاگ آئی ——— اس کے بعد اس خانقاہ کے راہبوں نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ اکثر کلاڈیوس کے گھر آکر اسے تبلیغ کرتے ہیں اور قسطینہ انہیں ہر بار یہ تسلی دیتی ہے کہ میں نے راہبہ بننے کا ارادہ ترک نہیں کیا۔ میں صرف چند دن کی مہلت چاہتی ہوں ——— کلاڈیوس کو ہمیشہ اس بات کا اندیشہ لگا رہتا ہے کہ وہ پھر کسی دن خانقاہ میں چلی جائے گی اور اس مرتبہ اس کے لیے باہر آنے کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں گے ———

عاصم نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے دل و دماغ میں اور اس کی نگاہوں کے سامنے قسطینہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کے کان صرف قسطینہ کی سسکیاں سن رہے تھے۔

ولیریس نے کہا۔ "میں نے تمہیں ایک بات نہیں بتائی۔ میری شادی ہو چکی ہے"۔

عاصم نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ اور میرے خیال میں تمہاری دلہن کا نام جولیا ہے"۔

"ہاں، لیکن اب بھی یہ ایک خواب محسوس ہوتا ہے۔ شادی سے ایک ہفتہ قبل مجھے یہ امید نہ تھی کہ جولیا کا باپ اچانک مجھ پر اس قدر مہربان ہو جائے گا۔ میں جس قدر جولیا سے محبت کرتا تھا۔ اسی قدر مجھے اس بات

کا اندیشہ تھا کہ مرقس کا خاندانی غرور ہمارے درمیان ایک آہنی دیوار کی طرح حائل ہے۔ کلاڈیوس کو اپنا بہترین دوست سمجھنے کے باوجود مجھے اپنی کم مائیگی کا احساس تھا۔ لیکن جب ہم دست گرد کی مہم سے واپس آئے تو مرقس پہلی بار مجھ سے بغل گیر ہو کر ملا۔ اور ہماری سرگزشت سننے کے بعد اس نے کسی تمہید کے بغیر یہ اعلان کر دیا کہ اگر قسطنطنیہ پر کوئی نئی مصیبت نہ آ گئی تو ایک ہفتہ کے اندر اندر جولیا کی شادی کر دی جائے گی۔ میں نے جھجکتے ہوئے دولہا کے متعلق پوچھا تو اس نے جواب دیا۔ "وہ ایک بہادر اور قابل اعتماد نوجوان ہے اور اس کا نام ولیریس ہے"۔

ولیریس اپنی شادی کی ساری تفصیلات سنانا چاہتا تھا۔ لیکن عاصم کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اس کے خیالات کسی اور سمت پرواز کر رہے ہیں۔ چنانچہ ولیریس نے اس کی بے توجہی سے پریشان ہو کر گفتگو کا موضوع بدل دیا۔



چند دن گھوڑوں پر سفر کرنے کے بعد عاصم اور ولیریس ایک دوپہر انطاکیہ میں داخل ہوئے تو انہیں یہ اطلاع ملی کہ بندرگاہ پر قسطنطنیہ کا ایک جہاز تیار کھڑا ہے۔ چنانچہ وہ کسی توقف کے بغیر بندرگاہ کی طرف چل دیے۔ لیکن وہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ جہاز بھر چکا ہے۔ چند مسافر جنہیں اس جہاز میں جگہ نہیں ملی تھی کپتان کے ساتھ تکرار کر رہے تھے۔ ایک غسانی رئیس انتہائی غصے کی حالت میں چلا رہا تھا۔ "میں قیصر کے لیے اپنے حکمران کی طرف سے مبارکباد کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ اگر مجھے اس جہاز میں جگہ نہ ملی۔ تو میں انطاکیہ کے حاکم سے تمہاری شکایت کروں گا۔ دیکھو میں قیصر کے لیے تحائف لے کر جا رہا ہوں اور فتح کے جشن سے قبل میرا قسطنطنیہ پہنچنا ضروری ہے"۔

کپتان نے بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے تحائف پہنچا دینے کا ذمہ لے سکتا ہوں۔ لیکن تمہارے لیے میرے جہاز پر کوئی جگہ نہیں۔ فتح کا جشن کئی دن جاری رہے گا اور تمہیں دو تین دن کے اندر کوئی جہاز مل جائے گا"۔

"لیکن میں قیصر کا جلوس دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ قیصر بہت جلد قسطنطنیہ پہنچ جائیگا۔"

کپتان نے کہا۔ "یہ تمام مسافر قیصر کا جلوس دیکھنے کے لیے بیتاب ہیں ——— لیکن اس بات کا فیصلہ صرف میں کر سکتا ہوں کہ میرے جہاز پر کتنے آدمی سوار ہو سکتے ہیں۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ انطاکیہ سے جتنے مسافر میرے جہاز پر سوار ہوتے ہیں۔ وہ سب قیصر کے لیے کوئی نہ کوئی تحفہ لے کر جا رہے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی ایسا نہیں جسے قیصر کے جلوس سے دلچسپی نہ ہو۔"

ولیریس اپنے مضبوط بازوؤں سے راستہ صاف کرتا ہوا آگے بڑھا۔ اور بولا۔ "تمہارے جہاز پر ایک تجربہ کار ملاح کو جگہ نہیں مل سکتی؟"

"ولیریس"۔ کپتان نے چونک کر کہا۔ "آپ اتنی جلدی واپس آگئے؟ میں نے تو یہ سنا تھا کہ آپ مدائن جا رہے ہیں۔"

ولیریس نے جواب دیا۔ "مجھے وہاں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اور اب میں کسی تاخیر کے بغیر قسطنطنیہ پہنچنا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھی گھوڑوں پر اپنا سفر جاری رکھیں گے۔ آپ کو صرف ایک اور مسافر کو جگہ دینی پڑے گی"

کپتان نے جواب دیا۔ "آپ کو جہاز پر سوار ہونے کے لیے میری اجازت کی ضرورت نہیں۔"

غسانی رئیس نے شکایت کے لہجے میں کہا۔ "لیکن آپ تو یہ کہتے تھے کہ آپ کا جہاز بھر چکا ہے۔"

"میں درست کہتا ہوں۔ شاید تمہیں یہ معلوم نہیں کہ ولیریس مجھے سارا جہاز خالی کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد ولیریس اور عاصم جہاز پر سوار ہو چکے تھے۔ ہوا موافق تھی۔ اور چند دن بعد یہ جہاز ایک صبح بحیرۂ مارمورا سے نکل کر آبنائے باسفورس میں داخل ہو چکا تھا۔ بائیں ہاتھ قسطنطنیہ کی فصیل پر عورتوں اور مردوں کا ہجوم دکھائی دے رہا تھا۔ کئی جہاز بندرگاہ سے باسفورس کے دونوں کناروں پر رکے ہوئے تھے ——— سامنے، بحیرہ اسود کی سمت سے بیس جنگی جہاز بندرگاہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اور سب سے اگلے جہاز پر قیصر کا پرچم لہرا رہا تھا۔

ولیریس، عاصم اور چند اور مسافر جہاز کے اگلے سرے پر کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ جہاز کے

کپتان نے ولیریس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "جناب قیصر تشریف لا رہے ہیں اور اب کچھ دیر ہمیں بندرگاہ سے دور رکنا پڑے گا۔ آپ کا کیا حکم ہے؟"

ولیریس نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے ہم قیصر کے بیڑے کی آمد سے پہلے بندرگاہ پر پہنچ سکتے ہیں۔"

"جناب میں آپ کی حکم عدولی نہیں کر سکتا لیکن مجھے ڈر ہے کہ جو لوگ بندرگاہ پر قیصر کے استقبال کے لیے کھڑے ہیں وہ میری اس جسارت کو پسند نہیں کریں گے۔"

ولیریس نے کہا۔ "بہت اچھا تم کچھ دور آگے جا کر جہاز کا لنگر ڈال دو اور ہمارے لیے کشتی اتار دو۔ ہم بندرگاہ کے ایک طرف اتر جائیں گے۔"

باقی مسافر ایک ساتھ شور مچانے لگے۔ "جناب ہم بھی قیصر کا جلوس دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم اتنی دور سے آئے ہیں۔ ہم برسوں سے اس مبارک دن کا انتظار کر رہے ہیں۔"

ولیریس نے کہا۔ "ہمارا جہاز اس وقت بندرگاہ کے قریب نہیں جا سکتا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ تم سب قیصر کا جلوس دیکھ سکو گے۔ میں تمہاری مدد کروں گا۔"

تھوڑی دیر بعد جب عاصم اور ولیریس کے علاوہ چند اور مسافر رسی کی سیڑھی سے اتر کر کشتی پر سوار ہو رہے تھے۔ ایک تیز رفتار کشتی ان کے قریب پہنچی اور ایک رومی افسر نے پوری قوت سے چلا کر کہا "ٹھہرو! تم بندرگاہ کی طرف نہیں جا سکتے؟"

ولیریس نے مڑ کر رومی افسر کی طرف دیکھا۔ اور اسے کچھ اور کہنے کی جسارت نہ ہوئی۔ ولیریس نے کہا "قسطنطنیہ کی بندرگاہ اتنی تنگ نہیں کہ یہ چھوٹی سی کشتی قیصر کا راستہ روک سکے۔"

رومی افسر نے معذرت طلب لہجے میں کہا۔ "جناب میں آپ کو پہچان نہیں سکا۔ لیکن آپ جلدی کریں شہنشاہ کا بیڑا بہت قریب آچکا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ بیڑا ابھی کافی دور ہے اور تم اس عرصے میں اس جہاز کے مسافروں کو اتارنے کا بندوبست کر سکتے ہو۔ یہ سب قیصر کا جلوس دیکھنے کے لیے بیتاب ہیں۔ مسافروں کو اتارنے کے لیے دو اور کشتیاں کافی ہوں گی۔"

"بہت اچھا جناب ۔ آپ کے حکم کی تعمیل میرا فرض ہے۔"



ہرقل کا جہاز بندرگاہ پہ لگا اور چاروں طرف مسرت کے نعرے بلند ہونے لگے ۔ وہ جہاز سے اترا ۔ اور ہزاروں انسان فرطِ عقیدت سے دوزانو ہوگئے ۔ وہ اپنے راستے میں بچھے ہوئے بیش قیمت قالینوں اور ان پر بکھرے ہوئے پھولوں کو روندتا ہوا آگے بڑھا اور شاہی رتھ پر جس کے آگے آٹھ سفید گھوڑے جُتے ہوئے تھے، سوار ہوگیا۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ بلند کیا اور لوگ نئے جوش و خروش کے ساتھ نعرے لگانے اور پھول نچھاور کرنے لگے ۔ اس کے آگے سینکڑوں آدمی باجے اور نقارے اٹھائے کھڑے تھے اور پیچھے جہازوں سے اترنے والے سپاہی صفیں درست کر رہے تھے ۔ وہ اپنا ہاتھ بلند کر کے کبھی دائیں، کبھی بائیں طرف دیکھتا اور کبھی اس کی نگاہیں فصیل پر جمع ہونے والوں کی طرف مرکوز ہو کر رہ جاتیں ۔ اس کی ہر جنبش، ہر حرکت اور ہر ادا زبانِ حال سے اس امر کا اعلان کر رہی تھی کہ آج خدا کی دنیا میں میرے سوا کوئی نہیں ۔

عاصم جسے ولیریس کی رفاقت کی بدولت بندرگاہ پر جمع ہونے والے ہجوم سے نکلنے کے بعد فصیل کے ایک برج کے نیچے کھڑا ہونے کے لیے جگہ مل گئی تھی ۔ غرور اور سطوت کے اس پیکرِ مجسم کی طرف دیکھ کر بار بار یہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے یقین نہیں آتا کہ یہ وہی ہرقل ہے" ——

ولیریس نے کہا۔ "میرے دوست آج تم پہلی مرتبہ اسے ایک فاتح کی حیثیت میں دیکھ رہے ہو —— آج تم قسطنطنیہ کے کسی باشندے کو نہیں پہچان سکو گے ۔ آج دنیا کی ساری توانائی اور سارا غرور سمٹ کر رومیوں کے وجود میں آگیا ہے ۔ آج جب شاہی محل کی بالکنی سے تم ہرقل کی تقریر سنو گے تو یہ محسوس کرو گے کہ تم نے پہلے کبھی اس کی آواز نہیں سنی۔"

عاصم اپنے دائیں بائیں ان لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا جو شراب کے مشکیزے اٹھائے ہوئے تھے ۔ اور اپنے حکمران کی طرف دیکھنے اور انتہائی جوش و خروش کے عالم میں چند نعرے لگانے کے بعد ہر بار چند گھونٹ حلق سے اتارنے کی ضرورت محسوس کرتے تھے ۔

وہاں ایسی عورتوں کی بھی کمی نہ تھی جو شراب کے نشے میں مدہوش مردوں سے بوس و کنار میں مشغول تھیں ایک قوی ہیکل رومی نے ایک دوشیزہ کو کندھے پر اٹھا رکھا تھا۔ اور وہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔

ایک رومی شراب سے مدہوش ہو کر اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔ "میں فصیل سے چھلانگ لگا کر باسفورس کے دوسرے کنارے پر پہنچ سکتا ہوں اور اس کے ساتھی چلا رہے تھے ۔ "تم جھوٹ کہتے ہو۔ تم بالکل جھوٹ کہتے ہو۔"

شرابی نے ایک لڑکی کی طرف متوجہ ہو کر سوال کیا۔ "تم بتاؤ میں جھوٹ کہتا ہوں؟"

"ہاں" اس نے نشے میں جھومتے ہوئے جواب دیا۔

"خدا کی قسم میں سچ کہتا ہوں۔ میں بالکل سچ کہتا ہوں" —— شرابی نے لڑکی کو بالوں سے پکڑ کر چند جھٹکے دیے اور پھر کسی توقف کے بغیر فصیل سے نیچے چھلانگ لگا دی ۔ اس کے بعد چند تماشائی آگے جھک کر خندق میں پڑی ہوئی لاش کی طرف دیکھ رہے تھے اور باقی قہقہے لگا رہے تھے ۔

ولیریس نے اپنے ایک یونانی دوست کے ہاتھ سے شراب کے دو جام پینے کے بعد تیسرا جام عاصم کو پیش کیا لیکن اس نے انکار کر دیا ۔

ولیریس نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔ "میرے دوست یہ شراب بہت اچھی ہے اور ایسا دن بار بار نہیں آتا۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارے لیے یہاں ٹھہرنا بہت تکلیف دہ ہے ۔ لیکن اس وقت انہیں تلاش کرنا ممکن نہیں ۔ مجھے یقین ہے کہ فسطینہ، انطونیہ اور جولیا کے ساتھ ہو گی ۔ اور وہ جلوس کے اختتام سے قبل گھر نہیں پہنچیں گی ۔ چند گھونٹ پینے کے بعد تمہاری پریشانی دور ہو جائے گی ——"

عاصم نے جواب دیا۔ "قید کے ایام میں میں کسی ایسے نشے کی ضرورت محسوس کیا کرتا تھا جو مجھے ہمیشہ کے لیے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دے ۔ لیکن آج میں مدہوش ہونے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔"

عاصم کی بات ولیریس کے یونانی دوست کی سمجھ سے بالاتر تھی ۔ اس نے ولیریس کے ہاتھ سے جام لیکر منہ کو لگا لیا اور اسے ختم کرنے کے بعد عاصم کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس دنیا میں کوئی شراب کے بغیر زندہ کیسے رہ سکتا ہے ۔ جب دشمن قسطنطنیہ کے دروازوں پر دستک دے رہا تھا تو ہم اپنا غم غلط کرنے کے لیے پیا کرتے تھے اور اب جب ہمیں دشمن پر ایک عظیم فتح نصیب ہوئی ہے ۔ تو ہمارے

لیے اپنی مسرتوں کے اظہار کے لیے بھی اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں۔ ویلریس معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ساتھی فتح اور شکست دونوں سے ناآشنا ہے اور اس نے کوئی بڑا غم یا کوئی بڑی خوشی نہیں دیکھی۔"

قیصر کا جلوس روانہ ہوچکا تھا اور لوگ بندرگاہ کی بجائے فصیل کی دوسری جانب دیکھ رہے تھے۔ بعض آدمی جلوس کا ساتھ دینے کی نیت سے نیچے اتر رہے تھے۔ ویلریس نے عاصم سے کہا۔ "میں نے ابھی کلاڈیوس کو دیکھا تھا۔ لیکن اب اُسے اتنی بھیڑ میں تلاش کرنا مشکل ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ ہم جلوس کے ساتھ چلنے کی بجائے دوسرے راستے محل کے سامنے پہنچ جائیں۔ جلوس کے اختتام پر قیصر اپنے محل کی بالکنی سے تقریر کرے گا۔ اور ہم اسے زیادہ قریب سے دیکھ سکیں گے ــــــ چلو عاصم چند برس بعد تم اس بات پر فخر کیا کرو گے کہ جب ہرقل ایران کی فتوحات سے واپس آیا تھا تو تم نے اپنی آنکھوں سے اس کا جاہ و جلال دیکھا تھا اور اپنے کانوں سے اس کی تقریر سنی تھی۔ اور تمہارے بچوں اور تمہارے پڑوسیوں کو تمہاری باتیں ناقابلِ یقین معلوم ہوں گی۔"

عاصم نے ادھر ادھر دیکھا۔ ویلریس کا یونانی دوست وہاں سے جاچکا تھا اور جو لوگ ابھی تک وہاں موجود تھے وہ پورے انہماک سے فصیل کے ساتھ ساتھ ایک کھلی سڑک پر گزرتے ہوئے جلوس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ عاصم قدرے توقف کے بعد ویلریس سے مخاطب ہوا ــــــ "میرے دوست میں نے اپنی زندگی میں جو کچھ دیکھا ہے وہ آج بھی مجھے ناقابلِ یقین محسوس ہوتا ہے۔ میں نے اس شہنشاہ کا جاہ و جلال دیکھا ہے جس کی نگاہوں کے اشاروں سے مشرق و مغرب کی اقوام کی قسمت کے فیصلے ہوتے تھے۔ میں سطوت اور غرور کے اس پیکرِ مجسم کو دیکھ چکا ہوں جس کے اقتدار کا سفینہ انسانیت کے خون میں تیرتا تھا ــــــ میں نے اس لشکر کی فتوحات دیکھی ہیں جس کی رفتار کے سامنے زمین کی وسعتیں سمٹ گئی تھیں۔ پرویز کے لشکر نے شام اور مصر کی فتوحات کے بعد جو جشن منائے تھے وہ تمہارے اس جشن سے کم نہ تھے۔ یروشلم کی فتح کے بعد میں نے شراب سے مدہوش ایرانیوں کے جو مہیب قہقہے اور بے بس عورتوں کی جو چیخیں سنی تھیں، وہ اس وقت بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہیں۔ میں اس اندوہناک ماضی کو بھول جانا چاہتا ہوں جس کی تاریخ میرے نزدیک ظالم اور مظلوم کی داستانوں کے سوا کچھ نہیں۔"

ویلریس نے کہا۔ "پرویز کا ظلم اس کی زندگی کے ساتھ ختم ہوچکا ہے۔ اور اب ہم انسانیت کی تاریخ کا ایک نیا ورق الٹ چکے ہیں۔ لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم روم کی اس عظیم فتح پر خوش نہیں ہو۔"

عاصم نے اپنے ہونٹوں پر ایک مغموم مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ "شاید میں ان لوگوں میں سے ہوں، جو ناممکنات پر یقین رکھتے ہیں۔ میں نے اپنی زندگی کے چند المناک واقعات کے بعد یہ سوچنا شروع کر دیا تھا کہ انسانیت کی نجات جنگ کے اختتام میں ہے۔ پھر میں نے اپنے آپ کو یہ فریب دینے کی کوشش کی تھی کہ دنیا پر ایک عظیم شہنشاہ کے غلبہ سے قبیلوں، نسلوں اور ملکوں کی جنگ ختم ہوجائے گی۔ اور میرے نزدیک وہ عظیم شہنشاہ خسرو پرویز تھا۔ لیکن مجھے معلوم ہوا کہ طاقت ایک جابر انسان کو انصاف کی طرف مائل نہیں کرتی، بلکہ اور زیادہ جابر بنا دیتی ہے اور میں پرویز کے لشکر کا ساتھ دے کر صرف اپنے انا کی تسکین کا سامان مہیا کر رہا تھا پھر جب حادثات مجھے حبشہ کے راستے سے موڑ کر قسطنطنیہ لے آئے اور میں ایران کے ظالم حکمران کا ساتھ چھوڑ کر روم کے مظلوم حکمران کا طرف دار بن گیا تو میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ روم اور ایران کی جنگ مزید خونریزی کے بغیر ختم ہوجائے اور کم از کم آبنائے باسفورس کے اس پار بسنے والے تباہی کے اس سیلاب سے بچ جائیں، جس کی ہولناکیاں مشرقی ممالک کے باشندے دیکھ چکے ہیں۔ لیکن صلح کے لیے سین کی کوشش کامیاب نہ ہوسکی۔ اس کے بعد قیصر کی فتح میرے نزدیک ایک معجزہ تھی۔ اور میں نے قید سے رہا ہونے کے بعد یہ محسوس کیا تھا، قیصر کی یہ غیر متوقع کامیابی امن اور عدل و انصاف کے متعلق سین کے سپنوں کی تعبیر ہے۔ لیکن آپ برا نہ مانیے۔ ابھی تھوڑی دیر قبل جب میں قیصر کو رتھ پر سوار ہوتے دیکھ رہا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کسریٰ پرویز دوبارہ زندہ ہوگیا ہے۔ اس کی صورت اُس حکمران سے مختلف نہ تھی جسے میں نے یروشلم کی فتح کے بعد دیکھا تھا اور اسے دیکھ کر نعرے لگانے والے بھی مجھے ان لوگوں سے مختلف نہیں دکھائی دیتے جو پرویز کو دیکھ کر نعرے لگایا کرتے تھے۔"

ویلریس نے قدرے برہم ہوکر کہا۔ "تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ قیصر اور ان کی رعایا کو اپنی فتح اور ایرانیوں کی شکست پر خوش نہیں ہونا چاہیے؟"

"نہیں، میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ وہ فتوحات جو انسانوں کو دیوتاؤں کا غرور عطا کرتی ہیں، امن

کی بجائے ہمیشہ نئی جنگوں کے راستے کھولتی ہیں۔ میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ امن کا راز کسی ایک انسان کسی ایک قوم یا کسی ایک ملک کی کسی دوسرے انسان، کسی دوسری قوم یا کسی دوسرے ملک پر فتح یا بالادستی میں نہیں۔ بلکہ تمام انسانوں پر کسی ایسے نظام کی فتح میں ہے جو طاقتور کو کمزور کی حفاظت اور نگہبانی سکھاتا ہو۔ لیکن تمہیں میری باتوں سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ یہ ایک دیوانے کا خواب ہے۔ اور اس دنیا میں اس کی تعبیر ممکن نہیں۔ یہاں ظالم مظلوم اور مظلوم ظالم بنتے رہیں گے۔ ہمیں مستقبل کے متعلق سوچنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنے حصے کے آلام و مصائب جھیل چکے ہیں۔ اب جنگ ختم ہو چکی ہے اور ہمیں یہ امید رکھنی چاہیے کہ قیصر اپنی ان فتوحات پر قناعت کرے گا اور ہماری زندگی کے باقی سال امن سے گزر جائیں گے۔ پھر اگر کسی دن کسی نئے قیصر کے دل میں پرویز کی روح بیدار ہو گی یا ایران کی زمین سے کوئی نیا اژدہا اٹھے گا تو ہم یہ دیکھنے کے لیے اس دنیا میں موجود نہیں ہوں گے کہ ہمارے بعد آنے والوں پر کیا گزرتی ہے۔"

ولیریس کی آنکھوں میں شراب کا خمار جھلک رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "تمہاری باتوں کی داد صرف کلاڈیوس دے سکتا ہے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ اب چلو آج تمہیں ہرقل کی تقریر ضرور سننی چاہیے۔"

عاصم نے کہا۔ "نہیں تم جاؤ ——— میں اب سیدھا کلاڈیوس کے گھر جاؤں گا۔ ہو سکتا ہے کہ فسطینہ وہیں ہو۔ اور اگر وہ وہاں نہ ہوئی تو بھی میرے لیے وہاں بیٹھ کر انتظار کرنا زیادہ آسان ہو گا ———"



کلاڈیوس کے گھر میں ایک بوڑھے نوکر کے سوا کوئی نہ تھا۔ اس نے غور سے عاصم کی طرف دیکھا اور کہا۔ "آپ عاصم ہیں؟ معاف کیجیے میں آپ کو پہچان نہیں سکا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ آگئے ہیں۔ کلاڈیوس اور ان کے والد کو قیصر کے بعد سب سے زیادہ آپ کا انتظار تھا۔ وہ سب قیصر کا جلوس دیکھنے گئے ہیں۔ تھوڑی دیر میں آجائیں گے۔ آپ تشریف رکھیں وہ آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔"

عاصم نے سوال کیا۔ "فسطینہ کیسی ہے؟"

"جی، اس کی ماں مر گئی تھی اور وہ ابھی تک اس کا غم نہیں بھول سکی۔ وہ آپ کے لیے بھی قریباً ہر روز گرجے میں جا کر دعا کیا کرتی ہے۔ میں اکثر اس کے ساتھ جایا کرتا ہوں اور میں نے دعا کے وقت اکثر اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے ہیں۔ اگر آپ تھوڑی دیر پہلے آجاتے تو وہ یہیں تھی۔ انطونیہ اور جولیا کے اصرار کے باوجود وہ ان کے ساتھ نہیں گئی تھی۔ اسے اب گرجے اور قبرستان کے سوا کسی چیز سے دلچسپی نہیں رہی۔ جب وہ چلی گئیں تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں گرجے جا رہی ہوں۔ میں نے کہا۔ آج وہاں کوئی نہیں ہو گا اور شاید گرجے کا دروازہ بھی بند ہو۔ وہ کچھ دیر بیٹھی رہی اور پھر اچانک اٹھ کر بولی۔ "میں قبرستان کی طرف جا رہی ہوں۔" پھر اس نے چند پھول توڑے اور باہر نکل گئی۔ اگر گھر میں کوئی ہوتا تو میں یقیناً اس کے ساتھ جاتا۔ آپ اطمینان سے بیٹھیں۔ وہ بہت جلد آجائے گی۔ قبرستان زیادہ دور نہیں۔"

"وہ کون سے قبرستان کی طرف گئی ہے؟"

"وہ قبرستان مغربی دروازے کے باہر ہے۔ آپ نے دیکھا ہو گا۔ آپ تشریف رکھیں۔ میں اسے بلا لاتا ہوں۔"

"نہیں، میں خود وہاں جانا چاہتا ہوں۔" عاصم یہ کہہ کر واپس مڑا۔ بیرونی دروازے کے قریب اس نے ایک کیاری سے گلاب کے چند پھول توڑے اور باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ مغربی دروازے سے باہر ایک قبرستان کے اندر داخل ہوا۔ وہاں ایک ٹیلے کے دامن میں اسے دور سے ایک سیاہ پوش عورت دکھائی دی۔ وہ بھاگ کر آگے بڑھا، رکا، پھر کبھی تیز اور کبھی سست رفتار سے ٹیلے پر چڑھنے لگا۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ اور اس کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ فسطینہ نے اچانک مڑ کر دیکھا۔ اور عاصم کے پاؤں زمین سے پیوست ہو کر رہ گئے۔ چند ثانیے وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر زندگی کے پرسکون سمندر میں اچانک ایک طوفان اٹھا۔ اور وہ بے اختیار ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

عاصم نے کہا۔ "فسطینہ! میں آگیا ہوں۔ میں زندہ ہوں۔ اب میں کہیں نہیں جاؤں گا۔"

اور فسطینہ کے لرزتے ہوئے ہونٹوں سے سسکیوں کے سوا اور کوئی آواز نہ نکلی ——— پھر یہ دبی دبی سسکیاں بلند ہونے لگیں، اور عاصم اپنے سینے پر اس کے آنسوؤں کی نمی محسوس کرنے لگا۔

اچانک اس نے ایک کپکپی لی اور عاصم سے جدا ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

عاصم نے آگے بڑھ کر ایک ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"فسطینہ میری طرف دیکھو۔ میں سچ مچ زندہ ہوں۔"

لیکن فسطینہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور ایک بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

عاصم نے رندھی ہوئی آواز میں کہا "کاش میں تمہاری کھوئی ہوئی مسرتیں واپس لا سکتا۔ یہ تمہاری ماں کی قبر ہے؟"

اس نے عاصم کی طرف دیکھے بغیر اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور عاصم نے آگے بڑھ کر قبر پر گلاب کے پھول رکھ دیے۔ اور پھر فسطینہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "فسطینہ! میں جانتا ہوں کہ میری محبت نے تمہیں آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں دیا۔ لیکن اپنے مقدر کی تاریکیوں میں تمہاری آنکھوں کی روشنی میرا آخری سہارا تھا۔ فسطینہ میری طرف دیکھو۔"

فسطینہ اپنے آنسو پونچھنے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ "عاصم میں تم سے بہت کچھ کہنا چاہتی ہوں بیٹھ جاؤ ——— !"

وہ گھاس پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ گئے ——— اور فسطینہ نے کچھ دیر سر جھکا کر سوچنے کے بعد کہا۔ "میں اسی دن کے لیے دعائیں کیا کرتی تھی۔ اور میری سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ مرنے سے پہلے ایک بار تمہیں دیکھ لوں۔ مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔ اب مجھے خدا کے ساتھ اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔ میری بات غور سے سنو عاصم! اپنے باپ کی المناک موت کی خبر سننے کے بعد میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ انہیں میرے گناہ کی سزا ملی ہے اور میرا گناہ یہ تھا کہ میں نے ایک راہبہ کی مقدس زندگی پر دنیاوی زندگی کی لذتوں کو ترجیح دی تھی۔ میں

یروشلم کی سب سے بڑی خانقاہ کے بشپ کی باتوں کا مذاق اڑایا تھا ——— میں نے راہبہ بننے سے اس لیے انکار کیا تھا کہ میرا باپ ایران کی فوج کا ایک بہت بڑا عہدہ دار تھا۔ اور میں ایک عیسائی ماں کی بیٹی ہونے کے باوجود ایک فاتح قوم کے ساتھ تعلق رکھتی تھی۔ میری ماں کو بھی یہ بات پسند نہ تھی کہ میں جیتے جی اس دنیا سے کنارہ کش ہو جاؤں۔ وہ خانقاہ کو قبر سے زیادہ بھیانک سمجھتی تھی۔ لیکن مرتے وقت اسے بھی اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ مجھے راہبہ بننے سے روکنا اس کی زندگی کا سب سے بڑا گناہ تھا۔ ماں کی موت کے بعد میں اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ صرف تمہارا خیال میرا راستہ روکے ہوئے تھا۔ انطونیہ مجھے سمجھایا کرتی تھی کہ جب عاصم واپس آئے گا تو تمہارے بغیر اس کا کیا حال ہوگا ——— راہبہ بننے کے بعد تم اس کے ساتھ بات تک نہیں کر سکو گی ——— پھر جب تم نہ آئے تو میں نے یہ محسوس کیا کہ تمہاری قید کی طوالت بھی شاید میرے گناہ کا نتیجہ ہے۔ قدرت کو یہ منظور نہیں کہ ہم ایک دوسرے کو دیکھ سکیں چنانچہ میں ایک دن خانقاہ میں چلی گئی ——— لیکن وہاں میں نے خواب میں دیکھا کہ تم آگئے ہو اور میں وہاں سے بھاگ آئی ——— لیکن خانقاہ چھوڑتے وقت میں نے یہ حلف اٹھایا تھا کہ اگر تم واپس آگئے تو میں راہبہ بن جاؤں گی۔ آج خدا نے میری دعائیں سن لی ہیں اور میں خدا کے ساتھ اپنا وعدہ پورا کروں گی۔ اگر اب میرا ارادہ متزلزل ہوا تو میرا انجام عبرتناک ہوگا۔ میں شاید اپنے لیے ہر سزا برداشت کر سکوں۔ لیکن میں یہ گوارا نہیں کروں گی کہ میری وجہ سے تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ۔"

عاصم نے کرب انگیز لہجے میں کہا۔ "میرے لیے اس سے بڑا عذاب کیا ہو سکتا ہے کہ میں زندہ رہوں لیکن میری آنکھیں تمہیں نہ دیکھ سکیں اور میرے کان تمہاری آواز نہ سن سکیں۔"

فسطینہ کرب انگیز لہجے میں چلائی۔ "عاصم خدا کے لیے میری طرف اس طرح نہ دیکھو ——— دنیا میں صرف تم ہی مجھے اپنی زندگی کی سب سے بڑی آزمائش میں پورا اترنے کے لیے سہارا دے سکتے ہو ——— میں آج غروب آفتاب سے قبل خانقاہ میں چلی جاؤں گی۔ اور اس سے قبل میں تمہاری زبان سے صرف یہ سننا چاہتی ہوں کہ تم مجھے بھول جاؤ گے۔"

عاصم نے کہا۔ "ایک انسان اپنی موت سے پہلے نہیں مر سکتا اور ابھی شاید میری موت کا وقت

ترتیب نہیں آیا۔ فسطینہ میری بات غور سے سنو۔ قید کے ایام میں میری زندگی کا کوئی لمحہ تمہارے تصور کے بغیر نہ تھا۔ تاہم اگر مجھے اس بات کا یقین ہو جائے کہ تم میرے بغیر زیادہ خوش رہ سکتی ہو تو میں یہیں سے الٹے پاؤں واپس چلا جاؤں گا۔ ویرانوں میں بھٹکنا میرے لیے کوئی نئی بات نہیں۔ لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ تمہاری خانقاہ کی تاریکیاں میرے قید خانے کے اندھیروں سے زیادہ بھیانک ہوں گی۔ تم سین کی بیٹی ہو اور میں تمہیں ان راہبوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر نہیں جاؤں گا جو انسانیت کی تذلیل کو سب سے بڑی نیکی سمجھتے ہیں۔"

"لیکن یہ تذلیل میرے گناہوں کا کفارہ ہو گی۔"

"فسطینہ!" اس نے جوش میں آ کر کہا۔ "تم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ اور دنیا میں کسی کو یہ حق نہیں کہ تمہیں جیتے جی قبر میں دیدے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں فسطینہ! اور تمہاری خانقاہ میرا دل ہے۔ تمہیں انطونیہ اور کلاڈیوس نے یہ نہیں بتایا کہ خانقاہوں میں انسانوں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے ——؟ تم نے ان راہبوں کو نہیں دیکھا جن کی صورتیں بگاڑ دی جاتی ہیں۔ فسطینہ مجھ سے یہ تو ممکن ہے کہ میں کسی شہزادے کو پکڑ تمہارے سامنے لے آؤں اور یہ کہوں کہ یہ مجھ سے زیادہ حسین، زیادہ بہادر اور زیادہ متمول ہے اور اس کی رفاقت میں تمہیں وہ راحتیں مل سکتی ہیں جو مجھ جیسا غریب الدیار نہیں دے سکتا۔ لیکن خدا کی قسم! اگر یہ خانقاہوں کے راہب ہوا میں اڑ کر دکھائیں تو بھی میں یہ تسلیم نہیں کروں گا کہ وہ خدا کی طرف سے ایک حسین صورت کو مسخ کرنے کا حق لے کر آئے ہیں۔ تم جس خانقاہ میں جاؤ گی اس کے آہنی دروازے بھی میرا راستہ نہیں روک سکیں گے۔ میں اپنی بے بسی اور بے چارگی کے باوجود تمہیں یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ تم صرف میری لاش پر پاؤں رکھ کر وہاں جا سکو گی ——"

فسطینہ نے آب دیدہ ہو کر کہا۔ "میرا خیال تھا کہ تم مجھے حوصلہ دو گے۔ لیکن تم میری مشکل میں اضافہ کر رہے ہو۔"

عاصم نے اس کے قریب ہو کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "فسطینہ! آج تم اس لڑکی سے زیادہ نادان ہو، جس نے میرے ساتھ یروشلم سے دمشق تک سفر کیا تھا۔ اور آج تمہیں میری رفاقت کی زیادہ ضرورت ہے —— میں تمہارا ہر گناہ اپنے سر لینے کے لیے تیار ہوں۔ تم میری ہو فسطینہ۔"

فسطینہ بے اختیار عاصم کے ساتھ لپٹ گئی اور اپنا چہرہ اس کے کشادہ سینے کے ساتھ بھینچ کر بولی۔ "عاصم میں ہمیشہ تمہاری تھی مجھے اپنے سینے میں چھپا لو۔ مجھے ایسی جگہ لے چلو جو خوف سے آزاد ہو —— میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں اپنے آپ کو دھوکا دے رہی تھی۔ اگر ہمارے مقدر میں صرف آگ ہے تو ہم ایک ساتھ کیوں نہ جلیں۔ تم میرے ہو۔ تم میرے ہو —— اب مجھے کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا۔ میں وہی ہوں جس نے تمہارے ساتھ دمشق تک سفر کیا تھا۔ اسی قدر کمزور اور بے بس۔ لیکن مجھے خوف محسوس نہیں ہوتا۔ تم یہاں کیسے پہنچ گئے —— تم گھر گئے ہو گے اور بوڑھے نوکر نے تمہیں بتایا ہو گا کہ وہ بیوقوف لڑکی قبرستان میں گھوم رہی ہو گی —— میں ہرقل کا جلوس دیکھنے نہیں گئی۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تم آ رہے ہو ——"

وہ مسکرا رہی تھی اور عاصم کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو رہی تھیں۔

پھر وہ یکایک اٹھ کر بیٹھ گئی اور اپنے حسین چہرے پر ایک مصنوعی غصہ لاتے ہوئے بولی۔ "تم نے یہ کیا کہا تھا کہ تم کسی شہزادے کو میرے سامنے لا کر یہ کہہ سکتے ہو کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے؟ کیا تم میرے شہزادے نہیں ہو ——؟"

عاصم نے اس کے بالوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے معلوم نہیں کہ میں کیا ہوں۔ لیکن میں تمہارا ہوں۔"

پھر وہ ایک دوسرے کو اپنی اپنی سرگذشت سنا رہے تھے۔ سورج سر پر آگیا تو وہ اٹھ کر چنار کی چھاؤں میں بیٹھ گئے۔

فسطینہ نے کہا۔ "تمہیں بھوک لگی ہو گی۔ چلو گھر چلیں۔"

"مجھے اب بھوک یا تھکاوٹ کا احساس نہیں رہا۔ اور گھر جانے سے پہلے میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تمہیں ایک ایسے آدمی کی بیوی بننا منظور ہے۔ جسے یہ دنیا تمہاری محبت کے سوا کچھ نہیں دے سکتی۔"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "کیا اب یہ سوال بے معنی معلوم نہیں ہوتا؟"

عاصم نے کہا۔ "فسطینہ! میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ہماری شادی کب اور کہاں ہو گی۔ اور اس کے

بعد تم کہاں رہنا پسند کرو گی؟

"میں صرف یہ جانتی ہوں کہ یہ باتیں تم مجھ سے بہتر سوچ سکتے ہو"

"عاصم بولا۔" اگر میں یہ کہوں کہ ہمیں آج ہی شادی کرلینی چاہیے۔ تو؟"

"قسطینہ نے جواب دیا۔ "عاصم میں راہبہ بننے کی قسم توڑ چکی ہوں۔ اب اگر تم کلاڈیوس کے گھر جا کر یہ اعلان کردو کہ ہماری شادی ہوچکی ہے تو بھی میں شرم محسوس نہیں کروں گی۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تمہاری آمد کی اطلاع ملتے ہی خانقاہ کے راہب میرے پیچھے پڑجائیں گے۔ اور ان کے عتاب کے خوف سے شہر کا کوئی پادری ہماری شادی کی رسومات ادا کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ ہمارے خلاف عام لوگوں کو مشتعل کرنے کے لیے ان کا یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ میں عیسائی ہوں اور تمہارا مذہب مجھ سے الگ ہے کاش میں یہ کہہ کر ان کا منہ بند کرسکتی کہ تم قسطنطنیہ کے تمام عیسائیوں سے بہتر ہو"

عاصم نے کہا۔" عرب میں میرا مذہب چند ایسی مضحکہ خیز رسومات کا مجموعہ تھا جنہیں اب بیان کرتے ہوئے بھی مجھے شرم محسوس ہوتی ہے۔ ہم حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے رب کو ماننے کے علاوہ کئی اور خداؤں کے بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اور ان خداؤں کے ساتھ ہماری عقیدت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ہم لوٹ مار، قتل و غارت اور دشمن قبائل سے اپنے قبیلے کی طاقت کا لوہا منوانے کے لیے ان کی اعانت کی ضرورت محسوس کرتے تھے۔ میں بھی یثرب کے دوسرے لوگوں کی طرح مناۃ کے بت کی پوجا کیا کرتا تھا۔ یہ ایک بے جان پتھر تھا۔ لیکن میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ مجھے اپنے دشمن قبیلے کو مغلوب کرنے اور اپنے عزیزوں کے قاتلوں سے انتقام لینے کی قوت عطا کرسکتا ہے۔ اب اپنے قبیلے سے محبت، اطاعت اور وفاداری کے تمام رشتے توڑنے کے بعد میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ عرب کے تمام بڑے اور چھوٹے خداؤں کے ساتھ بھی میرے رشتے ختم ہوچکے ہیں۔ اب مجھے کسی کا خون بہانے کے لیے ان کی اعانت کی ضرورت نہیں۔ تم یہ کہہ سکتی ہو کہ اب میرا کوئی مذہب نہیں مجھے کسی ایسے دین کی تلاش تھی جو ایک انسان کو دوسرے انسان، ایک قبیلے کو دوسرے قبیلے یا ایک قوم کو دوسری قوم کے ظلم سے بچا سکتا ہو۔ اپنا وطن چھوڑنے سے قبل میں مکہ میں ایک نبیؐ کے ظہور کے متعلق سنا کرتا تھا۔ لیکن میرے لیے یہ بات ناقابل یقین تھی

کہ عرب کے صحرا سے کوئی چشمہ پھوٹ سکتا ہے لیکن اس نبی کی ایک بات میرے لیے حیران کن ہے جب کسریٰ پرویز کا غرور اور قیصر کی بے بسی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی تو میں نے یہ سنا تھا کہ اس نے رومیوں کی فتح اور ایرانیوں کی شکست کی پیش گوئی کی ہے۔ مرتے وقت تمہارے باپ کو اس پیش گوئی کی صداقت کا یقین تھا۔ میں نے اس نبی کو نہیں دیکھا۔ لیکن میں عرب کے حالات سے واقف ہوں۔ وہاں کسی ایسے دین کا پنپنا ممکن نہیں جو انسانیت کی بھلائی چاہتا ہو۔ ممکن ہے کہ مکہ کا نبی غیب کے حالات جانتا ہو۔ لیکن اگر وہ ساری دنیا کو سلامتی کا پیغام دینے کی بجائے صرف عرب کے قبائل کے درمیان نفرت کی دیواریں مسمار کرنے میں کامیاب ہوگیا تو بھی میں اسے انسانی تاریخ کا ایک عظیم ترین معجزہ سمجھوں گا ——— بظاہر ہماری زندگی میں ایسا وقت نہیں آسکتا کہ عرب کے ظلمت کدے سے کوئی روشنی نمودار ہو کر مشرق اور مغرب میں پھیل جائے۔ لیکن اگر یہ ہوا تو ایسے دین کا جھنڈا اٹھانا اپنی زندگی کی سب سے بڑی سعادت سمجھوں گا۔ سردست میرے لیے تمام مذاہب ایک جیسے ہیں۔ اور اگر میرے عیسائی کہلانے سے تمہاری الجھن دور ہوسکتی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں"

قسطنطنیہ نے کہا۔" راہبہ بننے کا ارادہ توڑنے کے بعد میں اپنے دین کی مجرم بن چکی ہوں۔ اب میرے لیے یہ مسئلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ تمہارا مذہب کیا ہے اور میرے نزدیک اس وقت بھی اس سوال کی کوئی اہمیت نہ تھی جب ہم پہلی بار ملے تھے۔ میں صرف یہ جانتی ہوں کہ تم جو کچھ بھی ہو میرے ہو اور تمہاری موجودگی میں مجھے کوئی ڈر یہاں تک کہ کلیسا کا ڈر بھی محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن شادی کے لیے ہمیں یہاں کے قانون کے تقاضے پورے کرنے پڑیں گے۔ اس کے راہبوں کی نگاہوں سے بچنے کیلئے مجھے قسطنطنیہ چھوڑنا پڑے گا۔ انطونیہ یہ کہتی تھی کہ مجھ سے راہبہ بننے کا مطالبہ کرنے والوں کو دولت کا لالچ ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ایران کے سپہ سالار کی بیٹی کوئی بہت بڑا خزانہ اپنے ساتھ لائی ہے۔ میں اپنی ماں کی موت کے چند دن بعد اپنی ساری پونجی ایک خانقاہ کو پیش کرنا چاہتی تھی۔ لیکن انطونیہ نے میرے ہیرے زر زیورات چھین کر اپنے پاس رکھ لیے تھے اور وہ یہ کہا کرتی تھی کہ تمہاری شادی تک یہ امانت میرے پاس رہے گی ——— اسے یہ بھی یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔ پھر میں یہ سوچا کرتی تھی کہ اگر تم واقعی واپس

آگئے تو میری پونجی تمہارے کام آئے گی۔ چنانچہ ایک دن چوری چھپے خانقاہ جانے سے پہلے میں نے انطونیہ سے یہ وعدہ لیا کہ اگر مجھے کوئی حادثہ پیش آگیا تو وہ میرا سرمایہ تمہارے حوالے کر دے گی ـــــــ جب میں دو دن کے لیے خانقاہ میں گئی تھی تو بشپ بار بار مجھ سے یہ کہتا تھا کہ اگر تم اپنی کوئی چیز پیچھے چھوڑ آئی ہو تو اس کا یہ مطلب ہو گا۔ تم نے ابھی تک دنیا سے اپنے تعلقات قطع نہیں کیے ـــــــ مجھے مجبوراً یہ وعدہ کرنا پڑا کہ راہبہ بننے کا آخری حلف اٹھانے سے پہلے میں اپنی ساری پونجی یہاں لے آؤں گی۔ پھر میں وہاں سے بھاگ آئی۔ اس کے بعد وہ کئی بار کلاڈیوس کے گھر آ کر مجھے ملامت کر چکا ہے ـــــــ انطونیہ نے یہ کہہ کر بڑی مشکل سے میرا پیچھا چھڑایا تھا کہ فسطینہ کا ایک عزیز ایرانیوں کی قید میں ہے۔ اور اس کی واپسی تک یہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی ـــــــ وہ انطونیہ پر بھی بہت برہم ہوتا۔ لیکن جب میں نے یہ وعدہ کیا کہ اگر عاصم زندہ واپس آگیا تو میں راہبہ بننے کا وعدہ پورا کروں گی تو اس کا غصہ جاتا رہا۔

اس کے بعد بشپ بذاتِ خود کلاڈیوس کے گھر نہیں آیا۔ لیکن وہ ہر مہینے دو تین مرتبہ ایک راہبہ کو میرے پاس ضرور بھیج دیتا ہے۔ خدا معلوم قسطنطنیہ کی دو اور خانقاہوں کے راہبوں کو میرے حالات کا کیسے علم ہو گیا کہ چند ماہ سے وہ بھی میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ ہر خانقاہ کے مبلغ میرے پاس آ کر جس جوش و خروش کے ساتھ اپنے پیشواؤں کے معجزات بیان کرتا ہے اس سے کہیں زیادہ جوش و خروش کے ساتھ وہ دوسری خانقاہوں کے راہبوں کی مذمت کرتا ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف الزامات سن کر مجھے تعجب ہوتا ہے۔"

عاصم نے کہا۔ "تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہمیں آج ہی یہاں سے بھاگنے کی فکر کرنی چاہیے۔ ورنہ یہ عجب نہیں کہ قسطنطنیہ کی تمام خانقاہوں کے راہب جمع ہو جائیں اور کلاڈیوس کا گھر ان کی جنگ کا اکھاڑہ بن جائے ـــــــ"

فسطینہ نے کہا۔ "نہیں، تمہیں اس قدر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ ہماری شادی کی مخالفت میں کوئی طوفان نہیں اٹھے گا۔ بشپ سائمن جو تمہارے ساتھ دست گرد کیا تھا، مجھ پر بہت مہربان ہے۔ اس کی نگاہ میں میرے والد عیسائیت کے بہت بڑے محسن تھے۔ اس نے

کئی بار کلاڈیوس کے گھر آ کر مجھے تسلی دی ہے کہ ایک دن وہ شہنشاہ کا تحریری فرمان لے کر آیا تھا جس کی رو سے میں دمشق میں اپنے نانا کی ساری جائیداد کی وارث ہوں۔ اور اس نے مجھے یہ کہا تھا کہ اگر تم وہاں جانا چاہتی ہو تو میں تمہارے لیے جہاز کا انتظام کر سکتا ہوں ـــــــ وہ تمہاری بھی بے حد عزت کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ہم ان کے پاس چلے جائیں تو وہ ہماری شادی کے لیے یہ پوچھنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کریں گے کہ تمہارا مذہب کیا ہے۔ لیکن راہبہ بننے کے متعلق میرے عزائم اس قدر مشہور ہو چکے ہیں کہ ہمارے لیے قسطنطنیہ میں رہنا مشکل ہو جائے گا ـــــــ میں اپنے لیے نہیں، لیکن آپ کے لیے ان راہبوں کی بد دعاؤں سے ضرور ڈرتی ہوں۔"

عاصم نے کہا۔ "فسطینہ جب تک تم میرے ساتھ ہو۔ میرے لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہم قسطنطنیہ میں رہتے ہیں یا دمشق میں۔ اگر سائمن زندہ ہے تو میں اس کی شرافت پر اعتماد کر سکتا ہوں۔ اب چلو۔ ہمیں شام سے پہلے بہت کچھ کرنا ہے۔"



بشپ سائمن جوڑوں میں درد کے باعث بستر پر لیٹا کراہ رہا تھا۔ ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا۔ "مقدس باپ! چند آدمی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

سائمن نے جھلا کر کہا۔ "بیوقوف تم نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ مقدس باپ اس وقت نزع کے عالم میں ہے۔"

"جناب میں نے انہیں سمجھایا تھا کہ آپ بستر پر لیٹے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ آپ کو دیکھنے پر مصر ہیں میں نے انہیں ملاقات کے کمرے میں بٹھا دیا ہے۔"

"خدا تمہیں غارت کرے وہ یہ سمجھتے ہوں گے کہ میں بستر پر آرام سے لیٹا ہوا ہوں۔"

"جناب میں نے انہیں یہ بھی سمجھایا تھا کہ آپ کو سخت تکلیف ہے۔ لیکن وہ یہ کہتے تھے، کہ آپ کا کوئی دوست جسے دست گرد میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ واپس آگیا ہے۔ اس کا نام عاصم ہے

جب میں نے یہ کہا کہ اس وقت ملاقات نہیں ہو سکتی تو وہ یہ کہتے تھے کہ اگر آپ کا دوست آپ سے ملے بغیر واپس چلا گیا تو آپ بہت خفا ہوں گے۔"

سائمن نے جلدی سے اٹھ کر اپنی لاٹھی سنبھالی اور باہر نکلتے ہوئے کہا۔ "خدا کی قسم! اگر وہ ملے بغیر چلا جاتا۔ تو میں تمہاری کھال اتروا دیتا۔"

وہ ملاقات کے کمرے میں داخل ہوا۔ کلاڈیوس، ولیریس اور عاصم اٹھ کر کھڑے ہو گئے ـــــــ سائمن نے اپنی لاٹھی ایک طرف پھینک دی اور عاصم سے بغلگیر ہو کر کہا۔ "میرے لیے تمہاری آمد کی خوشی قیصر کی آمد کی خوشی سے کم نہیں۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ ولیریس تمہیں اتنی جلدی واپس لے آئیگا۔"

ولیریس نے کہا۔ "مقدس باپ یہ مجھے انطاکیہ سے چند منازل دور راستے میں مل گئے تھے۔"

وہ بیٹھ گئے اور جب عاصم نے سائمن کے سوالات کے جواب میں مختصراً اپنی سرگذشت بیان کر دی۔ تو اس نے کہا۔ "میں بیمار تھا۔ لیکن اب مجھے اس بات کا افسوس نہیں کہ میں قیصر کا جلوس نہیں دیکھ سکا۔"

عاصم نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ ہم نے آپ کو بے وقت تکلیف دی۔"

"نہیں نہیں، میرے لیے اس سے بڑی راحت کیا ہو سکتی ہے۔ ایک لمحہ پیشتر میں درد سے کراہ رہا تھا۔ اور اب مجھے اس کا احساس بھی نہیں رہا۔ اب بتاؤ میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں میں نے تئیس سالہ پرانی شراب کا ایک مٹکا سنبھال کر رکھا ہوا ہے ـــــــ اور تم اور تمہارے دوستوں سے زیادہ اس کا کوئی اور حق دار نہیں ہو سکتا۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "آپ کو معلوم ہے کہ میں شراب نہیں پیتا۔ اور میرے دوستوں کی آنکھیں اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ وہ ایک دن کی ضرورت سے زیادہ پی چکے ہیں۔"

"اُف مجھے یہ بات یاد نہیں رہی کہ تم شراب ترک کر چکے ہو۔ اچھا یہ بتاؤ۔ میں اس وقت اور کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

عاصم نے کلاڈیوس کی طرف دیکھا اور اُس نے کہا۔ "مقدس باپ! عاصم کی سب سے بڑی

خواہش یہ ہے کہ اس کی شادی کی رسومات آپ کے گرجے میں ادا ہوں ـــــــ لیکن بدقسمتی سے آپ علیل ہیں۔"

سائمن مسکرایا۔ "اگر کسی اور کی شادی کا مسئلہ ہوتا تو میں یہ جواب دیتا کہ میں قریب المرگ ہوں۔ لیکن عاصم کا معاملہ مختلف ہے۔ پھر وہ عاصم کی طرف متوجہ ہوا ـــــــ "بیٹا اگر میں غلطی پر نہیں، تو تمہاری دلہن سین کی بیٹی ہے ـــــــ وہ کلیسا کا ایک بہت بڑا محسن تھا۔ اور اس کی بیٹی کی شادی کی رسومات ادا کرنا میں اپنی زندگی کا اہم ترین واقعہ سمجھوں گا۔ تم کل صبح ہوتے ہی میرے گرجے میں پہنچ جاؤ۔ اگر میں زندہ ہوا تو وہاں مجھے موجود پاؤ گے۔ مجھے فسطینہ کی الجھنوں کے متعلق کچھ علم ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ تم آ گئے ہو ـــــــ"

عاصم نے کہا۔ "آپ کو تکلیف ہو گی۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم صبح یہیں حاضر ہو جائیں۔"

"نہیں، مجھے کوئی تکلیف نہیں ہو گی ـــــــ اور اگر تم کوئی اور خدشہ محسوس کرتے ہو تو میں تمہیں یہ تسلی دے سکتا ہوں کہ میرا گرجا میرے گھر سے کم محفوظ نہیں۔"

اگلی صبح سائمن کے گرجے میں عاصم اور فسطینہ کی شادی کی رسومات ادا ہو رہی تھیں۔ اور اس رات کلاڈیوس کے گھر میں ایک شاندار دعوت کا اہتمام ہو رہا تھا ـــــــ جب کوئی دو سو مہمان ایک وسیع دسترخوان پر بیٹھ گئے تو ایک بگھی مکان کے دروازے پر رکی۔ دو آدمیوں نے لکڑی کا ایک بھاری مٹکا بگھی سے اتارا اور اُسے اٹھا کر صحن میں داخل ہوئے۔ پھر بگھی سے ایک پادری اترا اور لاٹھی کے سہارے چلتا ہوا ان کے پیچھے ہو لیا ـــــــ یہ سائمن تھا۔ کلاڈیوس نے جلدی سے اٹھ کر اس کا خیر مقدم کیا۔ سائمن نے دسترخوان پر بیٹھتے ہوئے کلاڈیوس کے باپ سے کہا۔ "مرقس تمہارے دسترخوان پر کسی چیز کی کمی نہیں۔ لیکن پرانی شراب کا یہ مٹکا میں نے تیس سال سے کسی اہم موقع کے لیے سنبھال کر رکھا ہوا تھا ـــــــ اور میرے نزدیک اس مٹکے کو کھولنے کے لیے اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ ہم جس شخص کی شادی کی دعوت کر رہے ہیں وہ ایک عرب ہونے کے باوجود شراب نہیں پیتا۔ لیکن مجھے امید ہے کہ اس کے مہمان مجھے مایوس

نہیں کریں گے ——"

رومی سینٹ کے ایک رکن نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مقدس باپ! اگر اس مٹکے میں پانی نہیں تو ہم یقیناً آپ کو مایوس نہیں کریں گے۔"

آدھی رات کے قریب کلاڈیوس کا گھر مہمانوں سے خالی ہو چکا تھا۔ اور تھوڑی دیر بعد عاصم بالاخانے کے ایک کمرے میں فسطینہ سے کہہ رہا تھا۔ "فسطینہ ہم زندہ ہیں۔ ماضی کے آلام و مصائب کی چکی میں پسنے کے باوجود ہم زندہ ہیں۔"

اور فسطینہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "آج ہمیں ماضی کے متعلق نہیں سوچنا چاہیے۔ ہم اس گرداب سے نکل چکے ہیں۔ اور ہمیں مستقبل کے متعلق بھی سوچنے کی ضرورت نہیں۔"

"مجھے کل اور آج کے تمام واقعات ایک خواب محسوس ہوتے ہیں۔"

"یہی ایک خواب ہماری زندگی کا حاصل ہے۔ کاش زمانے کی گردش تھم جائے اور ہم کبھی اس خواب سے بیدار نہ ہوں ——"

"لیکن فسطینہ اس دنیا میں آج بھی بے شمار لوگ ایسے ہوں گے جو حال کی مایوسیوں میں مستقبل کی امیدوں کا سہارا لے رہے ہوں گے۔ اور کئی ایسے بھی ہوں گے جن کے مستقبل کا تصور حال سے زیادہ بھیانک ہو گا۔ جن کی سب سے بڑی خواہش یہی ہو گی کہ زندگی کے مہ و سال ایک آنکھ جھپکنے کی دیر میں گزر جائیں —— کبھی مجھے بھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وقت انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "ہم جس دور سے گزرے ہیں وہ واقعی انسان کا دشمن تھا۔ لیکن آج ہم یہ کیوں نہ سوچیں کہ ہمارے مستقبل کے راستے میں وہ بھنور نہیں ہوں گے۔ جن میں پھنسنے کے بعد انسان وقت کو اپنا دشمن خیال کرتا ہے۔ بلکہ ہمارے راستے میں وہ حسین وادیاں ہوں گی۔ جن سے گزرتے ہوئے ہم یہ محسوس کریں گے کہ کاش وقت کی رفتار اتنی تیز نہ ہوتی ——"

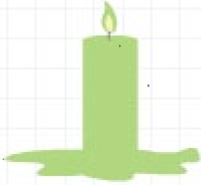
"یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب کہ قدرت دنیا میں کسی ایسے معلم کو بھیج دے جو انسانوں کو زندگی کے نئے آداب سکھا سکتا ہو —— جو ہر انسان کو یہ احساس عطا کر دے کہ وہ دوسروں

کے لیے آنسوؤں کے نہیں بلکہ مسکراہٹوں کے سامان پیدا کرنے کے لیے آیا ہو۔"

"تم پھر کسی نبی کے متعلق سوچ رہے ہو؟"

عاصم نے جواب دیا —— "ایک انسان اپنی سب سے بڑی احتیاج کے متعلق سوچے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

فسطینہ مسکرائی —— "اس وقت میری سب سے بڑی احتیاج یہ ہے کہ تم صرف میری طرف دیکھتے رہو۔"



باب ۴۱

شادی سے پانچ دن بعد ایک شام عاصم اور فسطینہ کچھ دیر باہر گھومنے کے بعد واپس آئے تو کلاڈیوس انطونیہ، جولیا، مرقس اور ولیریس مکان کے ایک کشادہ کمرے میں بیٹھے اُن کا انتظار کر رہے تھے۔ فسطینہ انطونیہ اور جولیا کے درمیان بیٹھ گئی اور کلاڈیوس نے عاصم کو اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا "میں اور ولیریس ابھی قبرستان سے ہو کر آئے ہیں۔ لیکن تم وہاں نہیں تھے۔"

عاصم نے جواب دیا "میں فسطینہ کی ماں کی قبر دیکھنے کے بعد دوسرے قبرستان میں فرمس کی قبر پر، چلا گیا تھا۔"

انطونیہ نے شکایت کے لہجے میں کہا "اگر آپ ابّا جان کی قبر پر جا رہے تھے۔ تو مجھے ساتھ کیوں نہ لے گئے ہو؟"

عاصم نے جواب دیا "میرا خیال تھا کہ میں کل وہاں جاؤں گا۔ لیکن گھر سے نکلنے کے بعد مجھے یاد آیا کہ کل ہمیں سفر کی تیاری کرنی ہے، اس لئے شاید فرصت نہ ملے، چنانچہ فسطینہ کی ماں کی قبر کی زیارت کے بعد ہم وہاں چلے گئے۔"

کلاڈیوس نے کہا "ابّا جان کو آپ کا اتنی جلدی دمشق جانا پسند نہیں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ آپ چند ہفتوں کے لئے رُک جائیں۔ ممکن ہے کہ مجھے قیصر کے ساتھ یروشلم جانا پڑے اور ہم یہاں سے اکٹھے روانہ ہوں؟"

"نہیں ہم دمشق پہنچ کر آپ کا انتظار کریں گے، اس وقت آپ مجھے سفر کا ارادہ ملتوی کرنے پر مجبور نہ کریں۔"

مرقس نے کہا "بیٹا اگر تم اِس خوف سے بھاگ رہے ہو کہ راہب تمہاری بیوی کو زبردستی پکڑ کر خانقاہ میں لے جائیں گے تو میں اُس کی حفاظت کا ذمہ لینے کے لئے تیار ہوں ـــــ شاید آپ کو یہ معلوم نہیں کہ ایک شادی شدہ عورت راہبہ نہیں بن سکتی۔"

عاصم نے جواب دیا "جناب آپ کی پناہ میں رہتے ہوئے مجھے راہبوں کا خوف نہیں، لیکن آپ کو ہمیں یہاں ٹھہرانے پر اصرار نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر دمشق میں ہمارا جی نہ لگا تو ہم واپس آپ کے پاس آجائیں گے۔"

مرقس نے کہا "بہت اچھا، ہم تمہیں مجبور نہیں کر سکتے۔ لیکن مجھے اِس بات کا افسوس رہے گا کہ قیصر سے تمہاری ملاقات نہیں ہو سکتی۔"

عاصم نے جواب دیا "قیصر ان دنوں بہت مصروف ہے۔ وہ جنگ سے واپس آیا ہے اور میں اُسے بلاوجہ بے آرام نہیں کرنا چاہتا۔"

کلاڈیوس نے کہا "تم نے یہ خبر سُنی ہے کہ ایران کا نیا حکمران مر چکا ہے۔"

"نہیں، لیکن آپ کو یہ اطلاع کب ملی ہے؟"

"مدائن سے قیصر کا ایلچی آج یہاں پہنچا اور اُس نے یہ خبر سنائی ہے کہ شیرویہ آٹھ ماہ سے زیادہ اپنی اور اپنے رشتہ داروں کی ملامت برداشت نہیں کر سکا۔ میں ایلچی سے مل کر آیا ہوں اور اُس کی باتوں سے میرا اندازہ ہے کہ تمہاری رہائی سے چند دن بعد وہ اس دُنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ اُس کے جانشین نے قیصر کو یہ پیغام بھیجا ہے کہ میں رُوم کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھوں گا۔"

مرقس نے کہا۔ "جب ہم نے پرویز کو اُس کا کھویا ہوا تخت اور تاج واپس دلایا تھا تو یہ کون کہہ سکتا تھا کہ چند سال بعد اُس کی افواج ہمارے مشرقی مقبوضات کو آگ اور خون کا پیغام دینے کے بعد قسطنطنیہ کے دروازوں تک پہنچ جائیں گی۔ مجھے اب بھی اِس بات کا یقین ہے کہ مجوسی زیادہ دیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ چند شکستیں ایران کی فوجی قوت کو تباہ نہیں کر سکیں، ہمیں ایران کی آخری حدود تک اُن کا،

تعاقب کرنا چاہیے تھا۔"

عاصم نے کہا۔ "میں اپنی قید کے باعث بہت سے حالات سے بے خبر رہا ہوں، تاہم سفر کے دوران میں مجھے راستے کی بستیوں اور شہروں سے جو حالات معلوم ہوئے ہیں، اُن کے پیشِ نظر میں یہ نہیں کہوں گا، کہ ہرقل نے چند اہم فتوحات کے بعد صلح کرنے میں کوئی غلطی کی ہے۔ مجھے یہ بات قدرت کا ایک معجزہ معلوم ہوتی ہے کہ ایرانی لشکر میں پھوٹ پڑ گئی تھی اور پرویز نے نینوا کی شکست کے بعد حوصلہ ہار دیا تھا۔ ورنہ اگر وہ بزدلی کا مظاہرہ نہ کرتا تو رومی لشکر کو دست گرد کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے قدم قدم پر شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا۔ پھر مدائن میں اگر اُسے اپنی منتشر افواج جمع کرنے کے لئے چند ہفتوں کی مہلت مل جاتی تو اُس کا جوابی حملہ یقیناً خطرناک ہوتا۔ لیکن مجھے اپنے بیٹے کے ہاتھوں اُس کا قتل ہو جانا قدرت کا ایک اور معجزہ نظر آتا ہے۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ قدرت کی ان دیکھی اور ان جانی قوتیں پرویز کے خلاف میدان میں آچکی تھیں، اور اُس کی تباہی کا فیصلہ ہو چکا تھا۔"

مرقس نے کہا "میں کلاڈیوس سے یہ سُن چکا ہوں کہ جب پرویز کا لشکر ایک سیلاب کی طرح مغرب کی طرف بڑھ رہا تھا تو عرب میں نبوت کے کسی دعویدار نے رومیوں کی فتح کے متعلق پیش گوئی کی تھی اور یہ وہ دَور تھا جب کہ ہم زیادہ سے زیادہ قسطنطنیہ کو بچانے کے متعلق سوچ سکتے تھے۔"

عاصم نے کہا "میں کئی لوگوں سے اس پیش گوئی کے متعلق سُن چکا ہوں۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکی کہ عرب کی زمین جہاں کسی نیکی کے لئے کوئی جگہ نہیں، ایک نبی کے لئے کیسے سازگار ہو سکتی ہے۔"

مرقس نے کہا "میں کئی خدا رسیدہ لوگوں کی زبانی یہ سُن چکا ہوں کہ ایک نبی کے ظہور کا وقت آچکا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اگر کوئی سچا نبی عرب میں پیدا ہوا ہے تو اُس کے اثرات صرف وہیں تک محدود نہیں رہیں گے۔ جب کوئی اُس کا پیغام لے کر ہمارے پاس آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ سرِ دست ہمیں اُس کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آج ہمارے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اس شاندار فتح کے بعد ہم کتنا عرصہ امن اور سکون کی زندگی بسر کر سکیں گے۔"

عاصم نے جواب دیا "آپ بُرا نہ مانیں، میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ جب تک انسانوں کی تقدیر کسی قیصر یا کسی کسریٰ کے ہاتھ میں رہے گی، انہیں کوئی دیرپا امن نصیب نہیں ہو سکتا —— اِس دنیا کی نجات ایک انسان پر دوسرے انسان کی خدائی میں نہیں بلکہ تمام انسانوں کی مساوات میں ہے۔ ورنہ آج کے ظالم کل کے مظلوم اور آج کے مظلوم کل کے ظالم بنتے رہیں گے۔ کل رومی مظلوم تھے، اور آج ایرانی اپنے آپ کو مظلوم سمجھتے ہوں گے۔ کاش قیصر کی فتح ایک انسان کی بجائے کسی ایسے اصول کی فتح ہوتی، جو طاقتور اور کمزور ادنیٰ اور اعلیٰ، رومی اور ایرانی، سب کے لئے یکساں قابلِ قبول ہو۔ اور سب انسان یہ کہہ سکتے کہ آج دنیا پر کسی شہنشاہ کا نہیں بلکہ ہمارا پرچم بلند ہو رہا ہے۔"

مرقس نے کہا "لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایسے اصول کا جھنڈا بلند کرنے والوں کو تمام قبیلوں، تمام نسلوں اور تمام بادشاہوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا —— اور اُن کے خلاف جو جنگ لڑی جائے گی، وہ اپنی شدت کے اعتبار سے روم اور ایران کی جنگوں سے کم نہیں ہو گی۔"

عاصم نے جواب دیا "یہ درست ہے لیکن اگر قدرت کو انسانیت کی بھلائی مقصود ہے تو وہ دنیا بھر کی مخالفت کے باوجود اس اصول کا جھنڈا اٹھانے والوں کے لئے فتح اور نصرت کے دروازے کھول دے گی۔ پھر جس زمین پر اُن کا خون گرے گا، اُس کے سینے سے عدل و مساوات کے چشمے پھوٹیں گے —— یہ لوگ نسلوں اور قوموں کے درمیان منافرت کی دیواریں مسمار کر دیں گے اور جب قوموں اور نسلوں کے درمیان اخوت کے رشتے استوار ہوں گے تو ایسی تمام جنگوں کے امکانات ختم ہو جائیں گے، جو ایک انسان دوسرے انسان، ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ یا ایک قوم دوسری قوم پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے لڑتی ہے۔

میں یہ مانتا ہوں کہ قبیلوں کے سردار، اور قوموں کے حکمران جنہیں صرف انسانوں کی تفریق میں اپنی بھلائی نظر آتی ہے، پوری قوت کے ساتھ اِس اصول کی مخالفت کریں گے۔ ایران میں کسریٰ، روم میں قیصر اور باقی دنیا میں ہر چھوٹا اور بڑا حکمران اس اصول کے علم برداروں کو اپنا بدترین دشمن خیال کرے گا لیکن اِس کے لئے قربانیاں دینا ان لوگوں کا سب سے بڑا فرض ہو گا جو اپنی آیندہ نسلوں کے لئے امن اور آزادی کا سودا کرنا چاہتے ہیں۔"

مرقس نے کہا "تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ آج دنیا جس نجات دہندہ کی متلاشی اور منتظر ہے وہ بیک

وقت مشرق و مغرب کے تمام حکمرانوں کے خلاف اعلانِ جنگ کرے گا۔"

"ہاں! میرے نزدیک اِس دنیا کی سب سے بڑی احتیاج یہی ہے۔"

مرقس نے کہا "تم کسی اور دنیا کی باتیں کر رہے ہو — تاہم مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ اگر خدا کا کوئی بندہ قبیلوں، نسلوں اور قوموں کے جھگڑے مٹا سکتا ہو، تو میں اِس بڑھاپے میں بھی اُس کے جھنڈے تلے جان دینا اپنے لئے باعث سعادت سمجھوں گا ـــــ میں اور مجھ سے پہلے میرے باپ دادا صرف قیصر کی فتح کے لئے جان دینا جانتے تھے، لیکن انسانیت کی فتح کے لئے اگر کوئی دنیا کے سارے بادشاہوں کے تاج نوچ لے تو بھی مجھے اِس بات کا ملال نہیں ہوگا۔ لیکن سچ کہو، تمہیں واقعی کسی نجات دہندہ کا انتظار ہے؟"

عاصم نے جواب دیا "میں اُن کروڑوں انسانوں میں سے ایک ہوں جنہیں ماضی کی تاریکیوں سے نکلنے کے لئے کسی روشنی کی ضرورت ہے۔ کاش مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ روشنی کب اور کہاں نمودار ہوگی۔ مجھے ایک نجات دہندہ کا انتظار ہے لیکن کاش میں اِس یقین کے ساتھ اُس کا انتظار کر سکتا کہ وہ ضرور آئے گا۔"

مرقس نے کہا "مجھے افسوس ہے کہ یہاں کوئی خدا کا بندہ تمہاری تسکین کا سامان فراہم نہیں کر سکا لیکن ممکن ہے کہ دمشق پہنچ کر تمہیں کوئی روشنی دکھانے والا مل جائے۔"

تیسرے دن عاصم اور فسطینہ جہاز پر کھڑے تھے، اور بندرگاہ پر مرقس، کلاڈیوس، ولیریس، انطونیہ اور جولیا، سائمن اور شہر کے چند اور معززین ہاتھ کے اشاروں سے انہیں الوداع کہہ رہے تھے جب بندرگاہ اُن کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو فسطینہ نے عاصم کی طرف متوجہ ہوکر کہا "عاصم! کیا یہ ممکن ہے کہ ہم کسی دن دمشق سے یروشلم جائیں۔ میں ایک بار پھر وہ راستہ دیکھنا چاہتی ہوں، جس پر میں نے بچپن میں تمہارے ساتھ سفر کیا تھا۔"

"یہ ممکن ہے، لیکن کاش ہم ماضی کے گزرے ہوئے ایام واپس لا سکتے۔"

ہرقل فاتحانہ جاہ و جلال کے ساتھ قسطنطنیہ سے روانہ ہوا۔ اُس کی رعایا اپنے حکمران کے علاوہ اُس صلیب کو دیکھنے کے لئے بیتاب تھی، جسے پرویز یروشلم کی فتح کے بعد اپنے ساتھ لے گیا تھا، اور جسے دوبارہ یروشلم واپس لانا عیسائیوں کے نزدیک ہرقل کی سب سے بڑی نیکی تھی۔ شام کے ساحل تک بحری سفر کے دوران جن بندرگاہوں پر ہرقل کا سفینہ رکتا تھا، وہاں لوگوں کا میلہ لگ جاتا تھا۔ اور وہ جو چند برس قبل اُسے بزدلی اور بے حسی کے طعنے دیا کرتے تھے، اُس کے ہاتھوں کو بوسہ دینا یا دوزانو ہوکر اُس کی قبا کو چھو لینا بھی اپنے لئے باعث سعادت خیال کرتے تھے۔ جب مقدس صلیب لوگوں کے سامنے لائی جاتی تھی تو وہ عقیدت اور محبت کے جذبات سے مغلوب ہوکر دیوانہ وار اُس پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ ہر شخص اُسے بوسہ دینے میں دوسروں سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا، پھر جب قیصر اگلی منزل کا رُخ کرتا تھا تو وہ مقامات جہاں تھوڑی دیر کے لئے اس صلیب کی نمائش کی جاتی تھی، عقیدتمندوں کی نگاہوں کا مرکز بن جاتے تھے۔

ہرقل نے بحری سفر ختم کرنے کے بعد خشکی کا راستہ اختیار کیا تو یروشلم تک لاکھوں انسان اُس کے لئے چشم براہ تھے۔ اور ہر منزل پر اُس کے جلوس میں شامل ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ وہ حکمران تھا جس نے انتہائی مایوس کن حالات میں اپنی رعایا کو سہارا دیا تھا اور آج یہ رعایا تشکر کے آنسوؤں سے اپنے محسن کا خیر مقدم کر رہی تھی۔ صلیب کو اپنی پرانی جگہ نصب کرنے، کلیسا کے اکابر سے دعائیں لینے اور عوام سے عقیدت اور محبت کے نذرانے وصول کرنے کے بعد ہرقل نے جشن عام کا حکم دیا۔

شہر سے باہر اُس کے خیمے اُسی ٹیلے پر نصب تھے، جہاں چند برس قبل خسرو پرویز پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ اور عین اُس وقت جبکہ اُس کا یہ احساس اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا کہ آج اِس آسمان کے نیچے مجھ سے بڑا فاتح اور مجھ سے زیادہ طاقتور اور کوئی نہیں۔ اُسے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک پیش کیا گیا۔ جس کا مضمون یہ تھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمدؐ کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے۔ یہ خط ہرقل کے نام ہے جو روم کا رئیس اعظم ہے ـــــ اُس کو سلامتی ہو، جو ہدایت کا پیرو کار ہے۔ اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ تم اسلام لاؤ، تو سلامت رہو گے۔ اللہ تمھیں دُگنا اجر دے گا۔ اگر تم نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تمہارے سر ہو گا۔ اے اہل کتاب کسی ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے۔ وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور ہم میں سے کوئی (اُس کے سوا) کسی کو خدا نہ بنائے۔ اور اگر تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں۔"

ہرقل کے دربار میں اسلام کی آواز اُس آواز سے کہیں زیادہ اجنبی تھی جو چند سال قبل اہل مکہ نے سُنی تھی۔ وہ نینوا کے میدان میں اپنے وقت کی سب سے بڑی طاقت کو پامال کر چکا تھا۔ اُس نے بازنطینی سلطنت کو سیتھین قوم کی وحشت اور بربریت سے نجات دلائی تھی۔ اور اُس نے شام، فلسطین، آرمینیا اور ایشیائے

فوٹ:۔ ہرقل کے نام سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط حضرت دحیہؓ کلبی لائے تھے۔ اسلام کے قریباً سارے مؤرخ اس بات پر متفق ہیں کہ حضورؐ نے سنہ ۶ھ کے آخر یا سنہ ۷ھ کے شروع میں بیک وقت ایران کے خسرو پرویز، قیصر روم، عزیز مصر، رؤسائے یمامہ اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ لیکن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ پرویز کو حضورؐ کا خط ہرقل کی نسبت کئی مہینے قبل اُن ایّام میں ملا تھا جب کہ ابھی اُسے فیصلہ کن شکست نہیں ہوئی تھی۔ اور ہرقل کے پاس حضورؐ کا خط اتنی تاخیر کے بعد اِس لئے پہنچا تھا کہ وہ اپنے دارالحکومت سے سینکڑوں میل دُور ایران کے میدانوں میں پیش قدمی کر رہا تھا۔ حضرت دُحیہؓ کلبی قسطنطنیہ جانے کی بجائے بُصریٰ کے مقام پر جو شام کے غسانی حکمرانوں کا پایہ تخت تھا رک گئے تھے۔ اور انہوں نے یہ خط حارث غسانی کے سپرد کر دیا تھا جو رومیوں کا باجگزار تھا۔ پھر جب ہرقل فتوحات کے بعد قسطنطنیہ سے ہوتا ہوا یروشلم پہنچا تو حارث غسانی نے یہ خط اُسے پہنچا دیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کا ایلچی ایک طویل عرصہ بُصریٰ میں قیام کرنے کے بعد ہرقل کی آمد پر بذات خود یروشلم پہنچا ہو۔

بہر حال مؤرخین اس بات پر متفق ہیں، کہ ہرقل کو حضورؐ کا نامہ مبارک یروشلم میں ملا تھا، اور یہیں اُس نے ابوسفیان کے ساتھ جو ابھی تک مشرکین مکہ کے سرکردہ لیڈروں میں تھا، ملاقات کی تھی۔

کوچک میں عیسائیوں کے وہ لاتعداد گرجے دوبارہ کلیسا کو دلوائے تھے، جنہیں مجوسیوں نے آتشکدوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ ان عظیم کامیابیوں کے بعد اُس کی شان و شوکت کا نظارہ دیکھنے والے اِس بات کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے تھے کہ صحرائے عرب سے نبوّت کا ایک دعویدار دنیا کے اُس عظیم فرمانروا سے ہمکلام ہونے کی جرأت کرے گا، جس نے انسانی تاریخ کا رُخ بدل دیا تھا۔

لیکن ہرقل، پرویز سے مختلف تھا۔ سرکارِ مدینہ کا خط موصول ہوتے ہی اُس نے حکم دیا کہ اگر عرب کا کوئی باشندہ یہاں موجود ہو تو اُسے ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔ اتفاق سے عرب تاجروں کا ایک قافلہ غزہ میں مقیم تھا۔ اور مکّہ سے ابوسفیان اُن کے ساتھ آیا ہُوا تھا ـــــ قیصر کے آدمی انہیں تلاش کر کے یروشلم لے آئے۔ ہرقل نے بڑے ٹھاٹھ سے دربار منعقد کیا اور جب حکومت کے عمّال اور کلیسا کے اکابر اُس کے تخت کے گرد جمع ہو گئے تو عرب تاجروں کو حاضر ہونے کا حکم ملا اور پھر جب یہ صحرانشین انتہائی مرعوبیّت کے عالم میں ہرقل کا جاہ و جلال دیکھ رہے تھے، اُس نے مترجم کی وساطت سے سوال کیا "تم میں سے نبوّت کے مدعی کا رشتہ دار کون ہے؟"

عربوں کی نگاہیں ابوسفیان پر مرکوز ہو کر رہ گئیں اور اُس نے جواب دیا "میں ہوں۔"

قیصر نے پوچھا "اس نبی کا خاندان کیسا ہے؟"

"اُس کا خاندان شریف ہے۔" ابوسفیان نے جواب دیا

"اِس خاندان میں سے کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔"

"نہیں۔"

"اِس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟"

"نہیں۔"

"جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے، وہ صاحب اثر ہیں یا کمزور؟"

ابوسفیان نے فخریہ انداز میں جواب دیا "یہ کمزور اور بے بس لوگ ہیں۔"

"اُسے ماننے والوں کی تعداد کم ہو رہی ہے یا بڑھ رہی ہے؟"

"بڑھ رہی ہے۔"

"تمہیں ان لوگوں کی نسبت کبھی جھوٹ کا تجربہ ہؤا ہے؟"

"نہیں۔"

"مدعیِ نبوت نے کبھی اپنے عہدو اقرار کی خلاف ورزی بھی کی ہے؟"

"ابھی تک تو ایسا نہیں ہؤا۔ لیکن اب ہمارے درمیان جو صلح کا معاہدہ ہُؤا ہے اُس کے متعلق ابھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کہاں تک اُس کی پابندی کرے گا۔"

"تم نے کبھی اُس کے ساتھ جنگ بھی کی ہے؟"

"ہاں۔"

"پھر اس کا کیا نتیجہ رہا؟"

"کبھی ہم غالب آئے اور کبھی وہ۔"

"وہ کیا سکھاتا ہے؟"

"وہ یہ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو اور کسی کو اُس کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو اور صلۂ رحم کرو۔"

ہرقل کچھ دیر سر جھکا کر سوچتا رہا، بالآخر اُس نے کہا "تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ وہ شریف النسب ہے پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ تم یہ کہتے ہو کہ اس خاندان سے کبھی کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں یہ سمجھتا کہ یہ خاندانی اثرات کا نتیجہ ہے۔ تم یہ مانتے ہو کہ اِس خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو میں یہ سمجھتا کہ اُسے بھی بادشاہت کی خواہش ہے۔ تم یہ بھی تسلیم کرتے ہو کہ اُس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اب جو شخص انسانوں سے جھوٹ نہیں بولتا، وہ خدا پر کیوں کر جھوٹ باندھ سکتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ اُس کے پیرو کمزور اور غریب ہیں اور ہمیں یہ معلوم ہے کہ پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب لوگ ہی ہوتے ہیں۔ تم نے ہمیں بتا دیا ہے کہ اُسے ماننے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور ہمارے نزدیک یہ بھی اُس کے دین کی سچائی کی علامت ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اُس نے کبھی فریب نہیں کیا پیغمبر یقیناً کبھی فریب

نہیں کرتے۔ تم کہتے ہو کہ وہ نماز، تقویٰ اور عفو کی ہدایت کرتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو میری قیام گاہ تک اُس کا قبضہ ہو جائے گا۔ مجھے اِس بات کا احساس ضرور تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ اگر میں وہاں پہنچ سکتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔"

سلطنت کے اکابر، اور کلیسا کے پیشواؤں کی موجودگی میں یہ الفاظ اُس شخص کی زبان سے نکلے تھے، جنہیں وہ دینِ مسیح کا سب سے بڑا حامی و ناصر سمجھتے تھے۔ پھر انہوں نے ایک ایسے عرب کی زبانی اُس کی تعریف سنی تھی جو ابھی تک اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا۔ اُن کے سینوں میں غصے کی آگ سلگ رہی تھی لیکن قیصر کے احترام کے باعث اُن کی زبانیں گنگ ہو چکی تھیں۔ لیکن جب ہرقل کے حکم سے بھرے دربار میں یہ خط پڑھ کر سنایا گیا تو اُن کی قوّتِ برداشت جواب دے گئی۔ خاموش نگاہوں کا احتجاج زبانوں پر آگیا اور پادریوں اور راہبوں کی دبی ہوئی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ روم کے شہنشاہ نے ہدایت کے جس نور کو اپنے سینے میں جگہ دینے کی جسارت کی تھی، اُس کے راستے میں دنیاوی جاہ و حشمت اور تخت و تاج کی محبت کے پردے حائل ہوگئے۔ وہ ہاتھ جو اچانک حسین پھولوں کی طرف بڑھے تھے، کانٹوں کے خوف سے پیچھے ہٹ گئے، اور وہ ہمت جو کبھی ہرقل کو مایوسی کے دلدل سے نکال کر نینوا اور دست گرد کے میدانوں کی طرف لے گئی تھی، اچانک جواب دے گئی۔ ہرقل نے اپنی رعایا کا اضطراب دُور کرنے کے لئے عربوں کو دربار سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اور کلیسا کی عظمت اور تقدیس کے محافظ اُسے مبارک باد دینے لگے۔ وہ خوش تھے وہ اِس بات پر خوش تھے کہ انہوں نے ایک پیاسے مسافر کو ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے کی طرف بھاگنے سے روک لیا ہے لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ عرب کے صحرا سے جو چشمہ پھوٹا ہے اُس سے کئی دریا اور کئی ندیاں نکلیں گی اور ان دریاؤں اور ندیوں کے سیلاب کی لہریں ایک طرف عیسائیت اور دوسری طرف مجوسیّت کے سارے بند توڑ ڈالیں گی۔ وہ قیصر کو ہاتھ پھیلانے سے منع کر سکتے ہیں لیکن رحمت کی اُس گھٹا کو برسنے سے روک نہیں سکتے جس کے بادل عرب کے آسمان پر جمع ہو رہے تھے۔

باب ۴۲

دمشق میں عاصم کی حالت اس مسافر کی سی تھی جو مدتوں وحشت ناک صحراؤں میں بھٹکنے کے بعد ایک نخلستان کی ٹھنڈی چھاؤں میں آرام کر رہا ہو۔ فسطینہ دمشق کے حاکم کو شاہی فرمان دکھانے کے بعد اپنے نانا کی جائیداد حاصل کر چکی تھی۔ پھر اس کے پاس یوں بھی دولت کی کمی نہ تھی۔ چند بیش قیمت ہیرے ان کی عمر بھر کی ضروریات کے لیے کافی تھے۔ عاصم مہرداد کے عطا کردہ سونے سے تجارت شروع کرنا چاہتا تھا۔ لیکن فسطینہ کو اپنے شوہر سے ایک لمحہ کی جدائی بھی ناگوار محسوس ہوتی تھی۔ چنانچہ عاصم شہر سے باہر ایک باغ اور چند کھیت خرید کر مطمئن ہو گیا۔

شادی سے اگلے سال ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اور والدین نے اس کے لیے یونس کا نام پسند کیا۔

عاصم کے دل میں غریب الوطنی کا احساس بتدریج ختم ہو رہا تھا اور ماضی کے آلام و مصائب اب اسے ایک خواب محسوس ہونے تھے۔ دمشق کے حکام اور روٴسا اسے ایک ایسی قابلِ عزت خاتون کے شوہر کی حیثیت سے جانتے تھے جس کا باپ ایران کی فوج کا ایک جرنیل اور کسریٰ کا دوست ہونے کے باوجود روم کو مکمل تباہی سے بچانے کے لیے اپنی جان دے چکا تھا۔ اور اس نسبت سے دمشق کے انتہائی متعصب پادری اور راہب بھی اگر دل سے نہیں تو ظاہری طور پر اس کی عزت ضرور کرتے تھے۔ مذہب کے متعلق شوہر اور بیوی کے جذبات ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ فسطینہ کو بڑی شدت سے اس بات کا احساس تھا کہ ایران کے ایک نامور جرنیل کی حیثیت سے اس کے باپ نے جو فتوحات حاصل کی تھیں وہ خدا کو پسند نہ تھیں۔ اور ان پر خوش ہونا یا فخر کرنا ایک گناہ تھا۔ اور اس کے لیے بہترین کفارہ یہی ہو سکتا تھا

کہ وہ دنیا سے منہ موڑ کر ایک راہبہ کی زندگی اختیار کر لیتی۔ لیکن عاصم نے اُسے لرزتے اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے زندگی کا دامن پکڑنے پر مجبور کر دیا۔ تاہم اس کی مسرت کا کوئی لمحہ بھی اس قسم کے خدشات سے خالی نہ تھا۔ خدا کی ناراضگی اسے کسی وقت بھی نئے آلام و مصائب میں مبتلا کر سکتی ہے۔ چنانچہ وہ رو رو کر اپنے شوہر اور کمسن بچے کی سلامتی کے لیے دعائیں کیا کرتی تھی۔ وہ گرجوں اور خانقاہوں میں جاتی اور ان خدارسیدہ بزرگوں کو خوش کرنے کے لیے بڑے بڑے نذرانے پیش کرتی جن کے متعلق یہ مشہور تھا کہ ان کی دعائیں آنے والی مصیبتیں ٹال سکتی ہیں۔

وہ عاصم کو بھی عیسائیت پر ایمان لانے کی ترغیب دیا کرتی تھی۔ اور وہ اسے خوش کرنے کے لیے کبھی کبھی اس کے ساتھ گرجوں اور خانقاہوں میں بھی چلا جاتا تھا۔ تاہم عیسائیت کے متعلق اس کے جذبات بہت سرد تھے۔ اور یہ سرد مہری یا بے توجہی کسی ضد یا ہٹ دھرمی کا نتیجہ نہ تھی۔ بلکہ اس کی وجہ اس تلخ حقیقت کا اعتراف تھا کہ عرب کی اصنام پرستی اور ایران کی مجوسیت کی طرح اسے کلیسا کا دامن بھی اس روشنی سے خالی نظر آتا تھا جو انسانیت کے بھٹکے ہوئے قافلوں کو سلامتی کی راہ دکھا سکتی۔ وہ ایک ایسے دین کا متمنی تھا جو قوموں اور نسلوں کو عدل و انصاف اور امن کا راستہ دکھا سکے۔ لیکن ایسے دین کا کوئی واضح تصور اس کی عقل اور سمجھ سے بالاتر تھا۔ اور پھر وہ دنیا جسے اس نے اپنی نگاہوں سے دیکھا تھا ایسے اسباب سے بھی خالی نظر آتی تھی جو توہمات، جہالت اور تعصب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں پر ایسے دین کے نفاذ کے لیے ضروری تھے۔ کبھی دمشق کے بازاروں میں عرب کے کسی قبیلے کے تاجر مل جاتے تو وہ انہیں اپنے گھر لے جاتا۔ ان کی تواضع کرنے کے بعد اپنے وطن کے حالات پوچھتا۔ اور جب وہ یہ سنتا کہ چند بے سروسامان انسانوں کا جو قافلہ مکہ سے نکل کر یثرب پہنچا تھا، ان کے عزم و استقلال نے پورے عرب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ تو اسے حیرت ہوتی۔ بدر کے میدان میں مٹھی بھر مسلمانوں کے ہاتھوں قریشِ مکہ کی شکست اُسے ناقابلِ یقین محسوس ہوتی تھی۔ لیکن اس کے بعد جب فرزندانِ توحید کی مزید فتوحات کی خبریں آنے لگیں تو اُسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ عرب میں واقعی کوئی غیر متوقع انقلاب آ چکا ہے۔ اسلام کی تعلیم کے متعلق سنی سنائی باتوں سے اُسے ایک تسکین

محسوس ہوتی تھی۔ تاہم وہ یہ جاننے کے لیے تیار نہ تھا کہ غلاموں اور شہنشاہوں کی دنیا کی کایا پلٹ کرنے کے لیے جس عظیم قوت کی ضرورت ہے وہ عرب سے نمودار ہو سکتی ہے۔

کلاڈیوس جو ہرقل کی محافظ فوج کے ساتھ یروشلم پہنچا تھا۔ واپس جانے کی بجائے وہاں کے رومی لشکر کی کمان سنبھال چکا تھا۔ اور چند ماہ بعد انطونیہ بھی وہاں پہنچ چکی تھی۔

سرحد کے آس پاس غسانی رؤسا اپنے رومی سرپرستوں کو عرب کے حالات سے باخبر رکھتے تھے چنانچہ یروشلم سے کلاڈیوس عاصم کے نام جو خطوط بھیجا کرتا تھا، وہ اس ناقابلِ یقین انقلاب کی تصدیق کرتے تھے جو عرب کے اندر رونما ہو رہا تھا۔ عرب میں توحید کے پرستاروں اور عدل و انصاف کا جھنڈا بلند کرنے والوں کے آلام و مصائب عاصم کے نزدیک خلافِ توقع نہ تھے۔ وہ پیغمبرِ اسلامؐ اور ان کے جاں نثاروں کی ہجرت کے اسباب سمجھ سکتا تھا۔ لیکن اسلام کے جھنڈے تلے اوس اور خزرج اور یثرب کے دوسرے خاندانوں کا متحد ہو جانا اور پھر بے سروسامان انسانوں کی ایک قلیل تعداد کا اہلِ مکہ کو شکست دینا اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

عرب تاجروں کی زبانی بدر، احد، اور خندق کی جنگوں کے واقعات سننے کے بعد وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ اہلِ مکہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک کہ یثرب کی وادی کا ایک ایک گھر راکھ کا انبار نہیں بن جاتا۔ حدیبیہ کی صلح اور اس کے ساتھ ہی مشرق و مغرب کے تاجداروں کے نام پیغمبرِ اسلامؐ کے خطوط کی حیثیت اس کے نزدیک ایک مذاق سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن عرب تاجروں کی باتوں اور کلاڈیوس کے خطوط سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہ معاملہ اب مذاق کی حد سے آگے گزر چکا ہے



یونس کی پیدائش کے چوتھے سال جب عاصم نے یہ خبر سنی کہ مسلمانوں نے بلقا کے غسانی رئیس سے اپنے نبیؐ کے ایک ایلچی کے قتل کا قصاص لینے کے لیے موتہ پر حملہ کر دیا ہے تو اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا ——— پھر چند ماہ بعد اُسے کلاڈیوس کی طرف سے ایک طویل خط ملا جس کا مضمون یہ تھا:

"میرے دوست! گزشتہ چند ماہ سے میری مصروفیات کچھ ایسی تھیں کہ میں تمہیں خط نہ لکھ سکا۔ میں سرحدی چوکیوں کے معائنے کے لیے گیا ہوا تھا۔ اور وہاں کچھ ایسے حالات پیدا ہو رہے تھے کہ مجھے ہفتوں کی بجائے مہینوں، یروشلم سے باہر رہنا پڑا۔ تم موتہ پر مسلمانوں کی غیر متوقع پیش قدمی کے واقعات سن چکے ہو گے غالباً یہ تاریخ کا پہلا واقعہ ہے کہ صحرائے عرب کے تین ہزار بے سروسامان آدمی ایک ایلچی کا قصاص لینے کے لیے دنیا کی عظیم ترین سلطنت سے الجھنے کی جرأت کرتے ہیں۔ بلقا کا غسانی رئیس ہمارا باجگزار ہے۔ اور مسلمانوں سے یہ حقیقت پوشیدہ نہ تھی کہ اس کے علاقے پر حملہ رومی سلطنت کے خلاف اعلانِ جنگ تصور کیا جائے گا۔ غسانی قبائل کے پاس ایک لاکھ کے لگ بھگ تربیت یافتہ جنگجو موجود تھے اور پھر ہماری افواج جو پورے شام میں پھیلی ہوئی ہیں ان کی پشت پر تھیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود، یہ لوگ مرعوب نہیں ہوئے۔

ایک لشکر کسی فتح کی امید پر چڑھائی کرتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کے طرزِ عمل سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ فتح اور شکست سے بے نیاز ہو کر میدان میں آتے ہیں۔ ان کی شکست یقینی تھی۔ لیکن میں اس جنگ میں حصہ لینے والے جن لوگوں سے ملا ہوں۔ وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے جرأت اور شجاعت کا اس سے بڑا مظاہرہ نہیں دیکھا غسانی صرف اس بات پر فخر کر سکتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانوں کو آگے نہیں بڑھنے دیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ پیچھے ہٹنے سے پہلے وہ غسانی لشکر کو اس قدر مرعوب کر چکے تھے کہ کسی کو ان کا تعاقب کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ مجھے تین ہزار مسلمانوں کے مقابلے میں ایک لاکھ آدمیوں کی اس کامیابی کو فتح کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ اور یہ صرف ابتدا تھی۔ اب یہ مسلمان کئی میدانوں میں عرب قبائل کی اجتماعی قوت کو شکست دے چکے ہیں۔ انہوں نے مکہ جسے عرب کا مرکز خیال کیا جاتا ہے فتح کر لیا ہے۔ انہوں نے

قبائل کے درمیان منافرت کی آہنی دیواریں توڑ دی ہیں۔ تم کہا کرتے تھے کہ ایک عرب اپنے قبیلے کے خلاف تلوار نہیں اٹھاتا۔ لیکن میں عرب کے کئی تاجروں سے مل چکا ہوں۔ اور وہ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ مسلمان اپنے دین کے دشمنوں کے خلاف لڑتے وقت اپنے خون کے رشتوں سے بھی بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ تم کہتے تھے کہ مقتول کا انتقام لینا عرب کے باشندوں کا جزوِ ایمان ہے۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ کل تک جو قبائل مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے وہ آج اپنی شکستیں بھول کر ان کے دوش بدوش لڑ رہے ہیں ——— میرے دوست! عرب میں کوئی ایسا انقلاب آچکا ہے جو میری، تمہاری اور شاید دنیا کے تمام انسانوں کی سمجھ سے بالاتر ہے تم کہا کرتے تھے کہ اس وقت عرب میں یہودیوں سے زیادہ منظم اور متحد اور کوئی طاقت نہیں۔ اور ان کا سب سے بڑا مرکز خیبر ہے۔ لیکن میں ان یہودیوں سے مل چکا ہوں جو خیبر میں شکست کھانے کے بعد شام کی حدود میں پناہ لے چکے ہیں۔ اور انہیں اس بات کا اعتراف ہے کہ عرب میں ایک دین کے ساتھ ایک عظیم فوجی قوت کا ظہور ہو رہا ہے۔ محمد (صَلّی اللہُ عَلیہِ وَآلہٖ وَسَلّمْ) کے پیرو جب انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے تو بھی وہ عرب کے اندر اور عرب سے باہر کسی طاقت سے مرعوب نہیں تھے اور جب انہیں مٹانے کے لیے عرب قبائل متحد اور منظم ہو رہے تھے تو ان کے ہادی کی خود اعتمادی کا یہ عالم تھا کہ وہ مشرق و مغرب کے حکمرانوں کو ایک ایسا دین قبول کرنے کی دعوت دے رہا تھا جس کی تعلیم اس دنیا سے بندہ و آقا کا امتیاز مٹانا چاہتی ہے۔ یہ نیا دین جو دنیا کے تمام قبیلوں اور نسلوں کے درمیان اخوت اور مساوات کے رشتے قائم کرنا چاہتا ہے۔ صرف عرب کی قبائلی عصبیتوں کے خلاف ہی نہیں بلکہ ہر اس معاشرے کے خلاف ایک اعلانِ جنگ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو طاقتور کو کمزور، امیر کو غریب اور اعلیٰ کو ادنیٰ پر آقائی کا حق دیتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ آج اگر ہمارا قیصر بھی یہ اعلان

کر دے کہ ایک رومی، ایک شامی یا مصری پر برتری کا دعوےٰ نہیں کر سکتا۔ یا خدا کے سامنے میرا اور میری رعایا کے ہر فرد کا درجہ برابر ہے۔ تو سلطنت کے امراء اور کلیسا کے پیشوا یکساں جوش و خروش کے ساتھ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور میرے خیال میں اس دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں کسی حکومت کے ایوانوں یا کسی مذہب کی عبادت گاہوں میں انسانی مساوات کے لیے جگہ ہو ——— میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے دین کو پوری دنیا کے خلاف اعلانِ جنگ سمجھتا ہوں اور میرے دل میں بار بار یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عرب کی سرزمین کسی ایسی عظیم قوت کو جنم دے سکے گی جو اس عظیم جنگ سے عہدہ برآ ہو سکے؟ تم عرب کے مستقبل سے مایوس ہو کر نکلے تھے اور میں بھی اس بے آب و گیاہ زمین کے مستقبل کے ساتھ کوئی بلند توقعات وابستہ نہیں کر سکتا۔ لیکن تم حیران ہو گے کہ جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے ہیں، میں ان کے بدترین دشمنوں سے مل چکا ہوں اور وہ سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ دنیا کی کوئی مصیبت یا آزمائش اپنے ہادی کی صداقت پر ان کا یقین متزلزل نہیں کر سکتی پچھلے دنوں ایک تاجر سے جو مکہ اور مدینہ کے راستے یروشلم پہنچا تھا، میری ملاقات ہوئی تھی۔ اور وہ یہ کہتا تھا کہ اگر یہ لوگ آسمان کے تارے نوچ لیں تو بھی مجھے تعجب نہیں ہوگا۔ ——— اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس دنیا کو اخوت اور مساوات کا درس دینا آسمان کے تارے نوچنے سے آسان نہیں۔

عاصم! تم حیران ہو گے کہ موتہ کی جنگ کے بعد ہم کافی سنجیدگی کے ساتھ اپنی مشرقی سرحدوں کی طرف مسلمانوں کی پیش قدمی کا خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ میں قریباً چار مہینے غسانی رؤسا کے قلعوں اور چوکیوں کا معائنہ کرنے کے بعد یروشلم واپس آیا ہوں۔ وہاں یہودیوں نے اس قسم کی افواہیں پھیلا رکھی ہیں کہ مسلمان حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ لیکن مجھے یہ بات ناقابلِ یقین معلوم ہوتی ہے۔ موتہ کی جنگ کے بعد

انہیں ہماری قوت کا تھوڑا بہت اندازہ ضرور ہو گیا ہو گا ——— اور اس کے بعد اگر انہوں نے شام کا رخ کرنے کی جسارت کی تو مجھے اندیشہ ہے کہ ہم ان ریگ زاروں تک ان کا تعاقب کرنے پر مجبور ہو جائیں گے جہاں ببول کے کانٹوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا ——— کبھی کبھی میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ کاش میں اس نبی کو قریب سے دیکھ سکتا۔

قیصر کو اس نئے دین کے حامیوں کے ساتھ الجھنا پسند نہیں۔ لیکن سلطنت اور کلیسا کے اکابر یہ خدشہ محسوس کرتے ہیں کہ جو قوت عرب قبائل کے اندر اتحاد اور مرکزیت پیدا کر سکتی ہے وہ آگے چل کر عرب کے ہمسایہ ممالک پر رومیوں کے اقتدار کے لیے خطرناک ثابت ہو گی۔ شام، ایشیائے کوچک اور مصر کے ممالک میں ہم ہر اس تحریک کی مخالفت کریں گے جو وہاں کے عوام میں رومی حکومت کے خلاف بغاوت کے جذبات بیدار کر سکتی ہو۔ اور اس مقصد کے لیے اگر ہمیں عرب پر چڑھائی کرنی پڑی تو بھی ہم اس سے دریغ نہیں کریں گے۔ روم اور ایران کی جنگ کی ہولناکیاں مجھے کسی نئی جنگ سے متنفر کرنے کے لیے کافی ہیں۔ لیکن امن کا طلب گار ہونے کے باوجود میں ایک سپاہی ہوں اور اس دنیا میں اسباب و نتائج کے متعلق صرف ایک سپاہی کے ذہن سے سوچ سکتا ہوں۔ اور عرب کے نبی کے متعلق سنی سنائی باتوں سے متاثر ہونے کے باوجود مجھے وہ اسباب نظر نہیں آتے جو رومی سلطنت کی عظیم قوت کے ساتھ متصادم ہونے کے بعد اس کے ماننے والوں کے لیے ایک عبرتناک شکست یا مکمل تباہی کے سوا کوئی اور نتیجہ پیدا کر سکتے ہیں۔ اگر اس دین کے علمبرداروں کی نگاہیں صرف عرب پر مرکوز رہتیں تو ممکن تھا کہ وہ کسی دن جہالت کی دلدل سے نکل کر ایک متمدن قوم بن جاتے۔ لیکن انہوں نے ابتدا میں ہی مشرق و مغرب کے حکمرانوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ امن اور عدل آج انسانیت کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور یہ ضرورت انسانوں کے درمیان اخوت اور مساوات

کے رشتے قائم کیے بغیر پوری نہیں ہو سکتی۔ لیکن روم و ایران کے شہنشاہوں اور دوسرے چھوٹے اور بڑے حکمرانوں کو ایسے امن کی ضرورت نہیں جس کی اولین شرط آقا اور غلام کا امتیاز مٹانا ہے۔

ان دنوں میرے دل میں بار بار صرف ایک ہی سوال آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ کونسی طاقت ہے جس کے بل بوتے پر عرب کے نبی (صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّم) نے ایران اور روم کے فرمانرواؤں کو اپنے دین کی دعوت دینے کی جسارت کی ہے؟ اور وہ کونسی قوت ہے جس کی بدولت اس کے پیرو کسی کامیابی یا فتح کی امید رکھتے ہیں؟ اور میں جس قدر سوچتا ہوں اسی قدر مجھے الجھن محسوس ہوتی ہے اور میری الجھن کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ میں یروشلم میں کئی ایسے خدا رسیدہ آدمیوں سے مل چکا ہوں جو فرمس کی طرح کسی نبی کے منتظر ہیں۔

میں اب تک عرب کے کئی تاجروں سے اس نبیؐ کے متعلق پوچھ چکا ہوں اور ان میں سے چند ایسے بھی تھے جو مکہ کے رہنے والے تھے۔ اور وہ سب اس بات کی تصدیق کرتے تھے کہ جب ایرانیوں کی فتوحات کا سیلاب بحیرہ روم کے کناروں تک پہنچ چکا تھا اور ہمارے دوبارہ اٹھنے اور سنبھلنے کی تمام امیدیں معدوم ہو چکی تھیں۔ تو اس نبیؐ نے پورے وثوق کے ساتھ یہ اعلان کیا تھا کہ یہ جنگ بالآخر رومیوں کی فتح پر ختم ہو گی۔ میں یہ ماننے کے لیے تیار ہوں کہ خدا نے اپنے کسی بندے کو آنے والے حالات سے آگاہ کر دیا ہو اور میں یہ بھی تسلیم کر سکتا ہوں کہ عربوں کی کایا پلٹ کے لیے قدرت کی ان دیکھی اور ان جانی قوتیں اس نبی کی رہنمائی کر رہی ہیں لیکن یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ قدرت کا کوئی معجزہ ان صحرانشینوں کو ہمارے مقابلے میں کھڑا کر سکتا ہے۔ ہم گئی گزری حالت میں بھی ایرانیوں کے بعد دنیا کی دوسری عظیم قوت تھے اور اپنی بدترین شکستوں کے دور میں بھی یہ امید ہمارا آخری سہارا

تھی کہ شاید حالات بدل جائیں۔ اور ہمارا مایوس اور بددل حکمران کسی دن اپنے زخمی ہاتھوں سے اپنے گرے ہوئے پرچم کو اٹھالے۔ لیکن عرب اور روم کی طاقت میں اتنا فرق ہے کہ اگر روئے زمین کے تمام خدارسیدہ لوگ یک زبان ہو کر یہ پیش گوئی کریں کہ ہماری سلطنت کو اہل عرب سے کوئی بڑا خطرہ پیش آسکتا ہے تو بھی مجھے یقین نہیں آئے گا۔ اور مسلمانوں کے نبیؐ کے عزائم یہ ہیں کہ اس نے قیصر کے علاوہ کئی اور حکمرانوں کو بھی اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے اور اُسے ماننے والوں کو اس بات کا یقین ہے کہ دنیا کی کوئی سلطنت ان کا مقابلہ نہیں کرسکے گی۔

عاصم! مجھے یقین ہے کہ جس سیلاب کی لہر موتہ تک پہنچ گئی تھی وہ دوبارہ شام کی سرحدوں کا رخ نہیں کرے گا۔ تاہم کبھی کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسانی تاریخ کا یہ دور ناقابل یقین واقعات کا دور ہے۔ کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر میں تمہاری طرح ایک عرب ہوتا تو موت سے پہلے اس نبی کو دیکھنے کی کوشش ضرور کرتا جس کی تعلیم دنیا کے تمام حکمرانوں کے خلاف اعلانِ جنگ کے مترادف ہے اور جسے ماننے والے مٹھی بھر انسان اپنی فتح پر یقین رکھتے ہیں اور پھر اگر مجھے اس میں کوئی صداقت نظر آتی تو میں واپس آکر اپنے رومی دوستوں کے سامنے یہ اعلان کرتا کہ اس نے میری نگاہوں سے مستقبل کے سارے پردے اٹھا دیئے ہیں۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ مغرب اور مشرق کے انسانوں کو صرف اسی کے دامن رحمت میں پناہ مل سکتی ہے اور جب اس کا قافلہ عرب کی حدود سے باہر نکلے گا تو تمہاری تلواریں اس کا راستہ نہیں روک سکیں گی۔

میرے دوست! قیصر کا ایک جان نثار ہونے ، اور صبح و شام بازنطینی سلطنت کی سلامتی کی دعائیں مانگنے کے باوجود کبھی کبھی مجھے اپنے دل میں یہ خلش محسوس ہوتی ہے کہ اگر وہ سچا ہے، اگر یہ وہی ہے جس کا اس دنیا کو انتظار ہے تو

کیا میں اپنے ضمیر کو ہلاک کیے بغیر اس کے خلاف تلوار اٹھا سکوں گا؟

یہاں میری عقل جواب دے جاتی ہے اور پھر میں اپنے آپ کو یہ کہہ کر تسلی دینے کی کوشش کرتا ہوں کہ کلاڈیوس تم ایک رومی ہو۔ تم قیصر کے سپاہی ہو اور تمہارا کام صرف بازنطینی سلطنت کی سرحدوں کی حفاظت ہے اور پھر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرے دماغ کا بوجھ ہلکا ہو رہا ہے۔ اگر تم میرے پاس ہوتے تو شاید میں اس امید پر تمہیں یثرب کا سفر کرنے پر مجبور کرتا کہ تم واپس آکر مجھے ان لوگوں کے صحیح حالات بتا سکو گے کہ جن کے متعلق سوچتے ہوئے مجھے اضطراب، الجھن اور پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یروشلم کی طرح دمشق میں بھی عرب تاجر آتے ہوں گے۔ کیا ان کی باتیں سن کر تمہارے دل میں کسی دن وہاں جانے کا خیال پیدا نہیں ہوا ——— ؟ اور میں یہ سوال اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ اگر ہمیں کسی دن عرب کے حالات کے متعلق پوری واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس مقصد کے لیے میرے نزدیک تم سے زیادہ قابلِ اعتماد اور کوئی نہیں ہوگا۔

تمہارا دوست

کلاڈیوس



فسطینہ سے کلاڈیوس کے خط کا مضمون سننے کے بعد عاصم کچھ دیر بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ اچانک یونس بھاگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور اس نے عاصم کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن جب عاصم نے اس کی طرف توجہ نہ دی تو وہ پریشان سا ہو کر ماں کی طرف بڑھا۔ اور اس کی گود میں بیٹھ گیا۔

فسطینہ نے مغموم لہجے میں سوال کیا۔ "آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

"کچھ نہیں۔" عاصم نے بے توجہی سے جواب دیا۔

فسطینہ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کروں گی۔"

عاصم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "کون سا راستہ؟"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ اپنا وطن دیکھنا چاہیں۔ اور مجھے اس بات کا اطمینان ہو کہ آپ کو وہاں جانے میں کوئی خطرہ نہیں تو میں چند دنوں یا چند ہفتوں کی جدائی برداشت کر سکوں گی۔"

"اس دنیا میں تمہارے گھر کے سوا میرا کوئی وطن نہیں" عاصم نے یہ کہہ کر یونس کی طرف ہاتھ پھیلا دیئے اور وہ ماں کی گود سے اتر کر اس کی گود میں آبیٹھا اور فسطینہ کے مغموم چہرے پر مسکراہٹیں کھیلنے لگیں۔"

عاصم نے کہا۔ "فسطینہ! اب میں تمہاری مسکراہٹوں اور یونس کے قہقہوں سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہتا۔ لیکن کاش خدا کا کوئی بندہ بادشاہوں اور غلاموں کی اس دنیا میں مجھے تمہارے لیے دائمی راحتیں اور مسرتیں حاصل کرنے کا طریقہ سمجھا سکتا۔ کاش میں تمہارے لیے کوئی ایسا نخلستان تلاش کر سکتا جس کی بہاروں کو خزاں کا خوف نہ ہو۔ مجھے عرب سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن اگر مجھے اس بات کا یقین ہو جائے کہ اس نئے دین کی فتح کے انعامات پوری انسانیت کے لیے یکساں ہوں گے اور جس روشنی میں اوس اور خزرج سلامتی کا راستہ دیکھ چکے ہیں وہ کسی دن یہاں بھی پہنچ سکتی ہے۔ اور یہ گھر، یہ شہر اور یہ ملک زمانے کی ان آندھیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے جس کی ہولناکیوں سے ہمارا ماضی لبریز ہے تو میں سمجھوں گا کہ اس نبی کی اطاعت اور اس کے دین کی اعانت میری زندگی کا پہلا اور آخری فرض ہے۔ اور پھر اگر میں نے وہاں جانے کا فیصلہ کیا تو میرے لیے تمہیں بھی یہ اطمینان دلانا مشکل نہیں ہوگا کہ میں ایک انسان، ایک شوہر اور ایک باپ کا فرض پورا کر رہا ہوں۔ اور میری ذاتی خواہش اس سے زیادہ نہیں کہ مرتے وقت مجھے یہ اطمینان ہو کہ میرے بیٹے کی دنیا میری دنیا سے بہتر ہوگی۔"

فسطینہ نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ "آپ یہ کیوں سوچتے ہیں کہ جب آپ اچھائی کی تلاش میں نکلیں گے

تو ہم آپ کے ساتھ نہیں ہوں گے۔"

یونس جو پریشان سا ہو کر اپنے والدین کی باتیں سن رہا تھا صرف اتنا سمجھ سکا۔ کہ اس کا باپ کہیں جانے کا ارادہ کر رہا ہے اس نے مضطرب سا ہو کر کہا۔ "ابا جان! میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔"

عاصم نے اُسے اپنے سینے کے ساتھ چمٹا کر پیار کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹا میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ اور اس کے بعد وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے ذہن سے ایک بوجھ اتر چکا ہے۔ اگلے دن وہ کلاڈیوس کے خط کا جواب لکھوا رہا تھا اور اس جواب میں اس نے صرف یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ میری بیوی اور بیٹا خوش ہیں۔ اور اب مجھے یہ جاننے کی خواہش نہیں کہ میرے گھر کی چار دیواری سے باہر کیا ہو رہا ہے اس نے یونس کی معصوم شرارتوں اور بھولی باتوں کا ذکر کیا تھا۔ اس نے انطونیہ اور اس کے بچوں کے حالات دریافت کیے تھے۔ اس نے کلاڈیوس کو دمشق آنے کی دعوت دی تھی۔ لیکن جہاں تک عرب کے حالات کا تعلق تھا۔ اس نے صرف یہ لکھ کر بات ختم کر دی تھی کہ اب میرے دل میں کسی اور منزل کی طرف دیکھنے کی خواہش باقی نہیں رہی تاہم فسطینہ سے خط لکھواتے ہوئے بھی وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ ظاہری اطمینان آسودگی اور قناعت کے باوجود اپنے ماضی کے ساتھ اس کے سارے رشتے منقطع نہیں ہوئے۔ اور ابھی تک اس کے دل میں اپنے وطن کے ناقابلِ یقین انقلاب کے متعلق مزید سننے اور جاننے کی خواہش کروٹیں لے رہی ہے۔

اور پھر اس کے بعد آئے دن وادیٔ یثرب سے جو اطلاعات موصول ہو رہی تھیں وہ ایسی تھیں کہ عاصم وہاں کے حالات اور واقعات سے بیگانہ یا بے تعلق رہ سکتا۔ عرب سے جو تاجر دمشق آتے تھے۔ وہ اپنے ساتھ اسلام کی تازہ فتوحات اور نئی کامرانیوں کی خبریں لاتے تھے۔ شام کے شہروں میں عرب کی کایا پلٹ قبائل کے اتحاد اور اسلام کی روز افزوں قوت کے ناقابلِ یقین قصے سنانے میں وہ یہودی پیش پیش تھے جو اپنے جرائم کی پاداش میں وہاں سے نکالے گئے تھے۔ اور جن کے نزدیک مسلمانوں سے انتقام لینے کی یہی ایک صورت باقی رہ گئی تھی کہ رومی ان کے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ شام کے رومی حاکموں کو مسلمانوں کے خلاف اکسانے کے لیے وہ غسانی رؤسا بھی یکساں بے تاب تھے

جنہیں اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کا خطرہ اپنی سرحدوں سے زیادہ قریب دکھائی دیتا تھا۔ یہ لوگ عیسائی تھے اور ان کے مذہبی پیشوا اپنے رومی سرپرستوں کو بلاتاخیر صحرائے عرب پر چڑھ دوڑنے کا مشورہ دے رہے تھے۔ فسطینہ آئے دن دمشق کے گرجوں اور خانقاہوں سے واپس آکر اپنے شوہر کو ناقابلِ یقین خبریں سناتی۔ عاصم بظاہر ان خبروں کو مذاق میں ٹالنے کی کوشش کرتا۔ لیکن اپنے دل کی گہرائیوں میں وہ ہمیشہ یہ محسوس کرتا تھا۔ کہ یہ سب باتیں غلط نہیں ہو سکتیں۔ مدینہ اور خیبر سے نکلے ہوئے یہودی رومی اور شامی عیسائیوں کو مشتعل کرنے کے لیے غلط بیانی سے کام لے سکتے ہیں۔ لیکن وہ عرب جو جانکنی کے عالم میں بھی اپنی شکست کا اعتراف نہیں کرتے، بلاوجہ اپنے حریف کی طاقت اور عظمت کا اعتراف نہیں کر سکتے۔

ایک دن دمشق کے ایک چوراہے میں لوگوں کا ہجوم یمن کے ایک تاجر کی زبانی یہ خبر سن رہا تھا کہ مسلمانوں نے مکہ فتح کر لیا ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے پیغمبرِ اسلام کا جاہ و جلال دیکھا ہے۔ میں نے وہاں اپنے کانوں سے اللہ اکبر کی اذانیں سنی ہیں۔ وہ بت جو کعبے کے اندر نصب تھے توڑ دیے گئے ہیں۔ قریش کے سرداروں کا غرور خاک میں مل چکا ہے۔ اب عرب کے اندر کوئی ایسی قوت باقی نہیں رہی جو اسلام کا راستہ روک سکے۔ جب ہم مکہ سے روانہ ہوئے تھے۔ تو مسلمانوں کا لشکر اوطاس کی طرف کوچ کر چکا تھا۔ مدینہ پہنچ کر ہمیں یہ اطلاع ملی کہ قریش کی طرح ہوازن اور ثقیف قبائل کا غرور بھی خاک میں مل چکا ہے۔ یہ معمولی واقعات نہیں۔ جب میں نے یمن میں یہ خبر سنی تھی کہ مسلمانوں کا ایک لشکر بلقا تک پہنچ کر واپس آگیا ہے تو میں اسے ایک مذاق سمجھتا تھا۔ لیکن اب مجھے کوئی بات ناقابلِ یقین محسوس نہیں ہوتی اب اگر میں یہ سنوں کہ وہ دمشق کا رخ کر رہے ہیں تو بھی مجھے یقین آجائے گا۔

ایک شامی نے غضب ناک ہو کر تاجر کا گلا دبوچ لیا۔ اور بلند آواز میں چلایا۔ "تم بکتے ہو —— تم جھوٹ کہتے ہو —— تم ہمارے دشمن کے جاسوس ہو ——"

عاصم ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے شامی کو دھکا دے کر ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔ "دشمن کے جاسوس چوراہوں میں کھڑے ہو کر تقریریں نہیں کرتے۔"

تاجر ہجوم کے تیور دیکھ کر سہم گیا۔ اور اس نے کہا۔ "بھائیو! میں مسلمان نہیں ہوں۔ میرا مقصد تم

لوگوں کو خبردار کرنا تھا۔ میرے قبیلے کے کئی خاندان اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ہمارا ایرانی حاکم بھی مسلمان ہو چکا ہے۔ لیکن میں نے اپنے اسلاف کا مذہب نہیں چھوڑا۔"

عاصم نے کہا۔ "تمہیں ایک بیوقوف آدمی کی باتوں سے پریشان نہیں ہونا چاہیے" پھر وہ تاجر کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اسے اپنے مکان کے ایک آراستہ کمرے میں بٹھا کر یہ پوچھ رہا تھا۔ "کیا تم واقعی مکہ سے ہو کر آئے ہو؟"

"ہاں مجھے جھوٹ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"کیا مسلمان واقعی مکہ پر قبضہ کر چکے ہیں؟"

"ہاں"۔

"جب جنگ ہوئی تھی تو تم وہاں تھے؟"

"مکہ فتح کرنے کے لیے مسلمانوں کو کسی بڑی لڑائی کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ قریش کا ایک گروہ معمولی مزاحمت کے بعد بھاگ گیا تھا۔ اس کے بعد اہلِ مکہ نے لڑے بغیر ہتھیار ڈال دیے تھے۔"

"یہ ناممکن ہے۔ میں قریش کے متعلق یہ نہیں مان سکتا کہ وہ جیتے جی ہار مان سکتے ہیں۔"

تاجر مسکرایا۔ "راستے میں جن قبائل کے لوگوں کے ساتھ میری ملاقات ہوئی تھی۔ وہ سب یہی کہتے تھے، کہ قریش مکہ ہار نہیں مان سکتے۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے یہ واقعات دیکھے ہیں۔"

"اچھا یہ بتاؤ، مسلمانوں نے مکہ فتح کرنے کے بعد اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

"انہوں نے قریش کے ساتھ وہ سلوک کیا ہے جو آج تک کسی فاتح نے اپنے دشمن کے ساتھ نہیں کیا۔ تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ لیکن مکہ میں داخل ہونے کے بعد مسلمانوں نے اپنے ان دشمنوں کو بھی معاف کر دیا تھا جو انہیں بدترین اذیتیں دیا کرتے تھے۔ ان کے نبیؐ نے ان لوگوں سے بھی بازپرس نہیں کی جو اس کے راستے میں کانٹے بچھایا کرتے تھے۔ اور جن کے ہاتھ کمزور اور بے بس مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے تھے۔ جب اسلام کا لشکر مکہ کی طرف بڑھ رہا تھا تو اہلِ مکہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ قدرت نے ہلاکت اور بربادی کے سارے طوفانوں کا رُخ ان کی طرف پھیر دیا ہے۔ کسی کو چند گھڑیوں سے زیادہ زندہ رہنے کی امید نہ تھی لیکن تھوڑی

دیرینہ بغض طوفانِ رحمت کی گھٹاؤں میں تبدیل ہو چکے تھے۔ اہلِ مکہ کو صرف اس بات کا ملال تھا کہ ان کے ایک گروہ نے بلاوجہ مسلمانوں کے ساتھ الجھ کر تیرہ آدمیوں کی جانیں گنوا دی ہیں۔ میں نے مسلمانوں کے نبیؐ کو پہلی بار اس وقت دیکھا تھا۔ جب قریش کے اکابر گردنیں جھکائے ان کے سامنے کھڑے تھے اور وہ یہ پوچھ رہے تھے "تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرنے والا ہوں؟" اور قریش کے اکابر یہ کہہ رہے تھے "تو شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہے۔"

عاصم نے بے چین سا ہو کر سوال کیا۔ "پھر مسلمانوں کے نبیؐ نے کیا جواب دیا؟"

اس کا جواب یہ تھا۔ "تم پر کچھ الزام نہیں جاؤ تم آزاد ہو۔"

عاصم نے جذبات سے مغلوب ہو کر کہا۔ "مجھے یقین ہے جو نبی ایک فاتح کی حیثیت سے اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ یہ سلوک کر سکتا ہے وہ پوری انسانیت کا نجات دہندہ ثابت ہوگا ——— خدا کی قسم! روم اور ایران کے لشکر اس دین کا راستہ نہیں روک سکیں گے جو ناداروں کو طاقت اور زیردستوں کو بالادستی عطا کرنے کے بعد بھی انتقام سے باز رکھ سکتا ہے۔"

تاجر نے کہا۔ "میرے لیے سب سے زیادہ تعجب خیز بات یہی تھی کہ مسلمان ہجرت کے وقت جس قدر مظلوم تھے اس قدر اپنی فتح کے دن رحم دل تھے ——— قریش کے پرچم ٹوٹ چکے تھے۔ ان کا غرور خاک میں مل چکا ہے۔ کعبہ کے تین سو ساٹھ بت پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ لیکن اس عظیم فتح کے باوجود میں نے کسی مسلمان کے چہرے پر غرور کا شائبہ تک نہیں دیکھا۔ میں مختلف قبیلوں اور خاندانوں کے مسلمانوں سے مل چکا ہوں اور مجھے اس بات پر تعجب محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنے دین کے رشتے کو خون کے رشتوں پر مقدم سمجھتے ہیں۔ میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ ایک انسان اسلام قبول کرنے کے بعد ان تمام عادات اور خصائل سے محروم ہو جاتا ہے جن پر اہلِ عرب فخر کیا کرتے تھے۔"

عاصم نے کہا۔ "اور تم یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود مسلمان نہیں ہوئے۔"

تاجر نے جواب دیا۔ "ابھی میں نے ایک عرب کی زندگی کی راحتوں سے کنارہ کش ہونے کا فیصلہ نہیں کیا! ابھی اپنے دو بھائیوں کا قصاص میرے ذمے ہے اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اسلام قبول

کرنے کے بعد میرے سینے سے انتقام کی آگ بجھ جائے گی۔ اور اس کے بعد مجھے اپنی زندگی بے معنی محسوس ہوگی۔"

عاصم نے کہا۔ "میرے دوست! تم مجھ سے زیادہ بدنصیب ہو۔ میں نے جوانی کے ایام میں اس احساس کے ساتھ اپنا وطن چھوڑا تھا کہ عرب کی پیاسی ریت کسی نیکی کو جنم نہیں دے سکتی۔ لیکن تم رحمت کے دریا کی طغیانیاں دیکھنے کے بعد بھی پیاسے ہو۔"

تاجر نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔ "مکہ میں چند دن قیام کے دوران میں مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں ایک خواب دیکھ رہا ہوں۔ لیکن اب میں اکثر یہ سوچتا ہوں کہ میں نے وہاں جو نئی روشنی دیکھی تھی وہ مرتے دم تک میرا تعاقب کرتی رہے گی۔ اور شاید ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب میں اپنے سارے تعصبات کے باوجود اس دین کی صداقت پر ایمان لانے پر مجبور ہو جاؤں گا جس نے مجھ سے کہیں زیادہ ضدی انسانوں کی کایا پلٹ دی ہے۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ اپنی ضد اور غرور کے معاملہ میں میں کا کوئی قبیلہ قریش کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا ——— میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ اہلِ عرب نے کئی برس جس دین کے راستے میں مزاحمت کی ہے وہ بڑی تیزی کے ساتھ عجم کی وسعتوں پر چھا جائے گا۔"

عاصم مسکرایا۔ "تم اسلام قبول کیے بغیر اسلام کی تبلیغ کر رہے ہو۔"

تاجر نے جواب دیا۔ "میں صرف اپنے احساسِ مرعوبیت کی ترجمانی کر رہا ہوں۔ اور آج اگر تم عرب کے کسی یہودی سے بات کرو تو وہ تمہیں مجھ سے کہیں زیادہ مرعوب نظر آئے گا۔"

عاصم کچھ دیر بے خیالی کے عالم میں چھت کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا۔ "کاش میں وہاں جا سکتا۔ کاش میں اسے دیکھ سکتا۔" ——— پھر وہ تاجر کی طرف متوجہ ہوا۔ "آپ میرے مہمان ہیں اور جب تک آپ دمشق میں ہیں اس گھر کو اپنا گھر سمجھیے۔"

تاجر نے جواب دیا۔ "نہیں میں کل یروشلم کے راستے واپس جا رہا ہوں۔ اور اس وقت میرے ساتھی سرائے میں میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

تھوڑی دیر بعد عاصم اسے اپنے دروازے سے باہر رخصت کرتے ہوئے یہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے افسوس

ہے کہ آپ میرے پاس نہیں ٹھہر سکے۔ اب میں آپ کو ایک بار پھر نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ بیت ق مسلمانوں کا ذکر کرنے میں احتیاط سے کام لیں۔ ایران کو شکست دینے کے بعد کوئی شامی یا رومی یہ سننا پسند نہیں کرتا۔ کہ اہلِ عرب ان کے لیے کسی خطرہ کا باعث ہو سکتے ہیں۔"

تاجر نے جواب دیا "میں آپ کی نصیحت پر عمل کروں گا۔ آج مجھ سے جو حماقت ہوئی ہے اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ بازار میں ایک غسانی مسلمانوں کے متعلق اپنی ذاتی معلومات بیان کر رہا تھا۔ اور دو یہودی اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ چونکہ میری معلومات ان سب سے زیادہ تھیں اس لیے میں خاموش نہ رہ سکا۔"

اس واقعہ سے چند دن بعد دمشق میں یہ خبر گرم تھی کہ مسلمانوں کے خلاف غسانیوں کے حوصلے بلند رکھنے کے لیے شام کی سرحدی چوکیوں پر رومی سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ کیا جا رہا ہے اور قسطنطنیہ سے ہرقل کی تازہ افواج شام کے ساحل پر اتر رہی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات مشہور ہونے لگی کہ عنقریب غسانی اور رومی افواج عرب پر حملہ کر کے مسلمانوں کو کچل ڈالیں گی۔

عاصم کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ اگر اہلِ شام نے عرب پر یلغار کر دی تو اس کا طرزِ عمل کیا ہو گا۔ جب وہ اپنے مستقبل کے متعلق سوچتا تو اس کے دل میں بار بار یہ خیال آتا کہ اب شام کے سوا میرا اور کوئی وطن نہیں۔ اس لیے اسے ہر اندرونی اور بیرونی خطرے سے محفوظ رہنا چاہیے۔ لیکن جب وہ اپنی ذات سے بالاتر ہو کر اس مسئلے پر غور کرتا تو وہ یہ محسوس کرتا کہ اسلام کے علمبرداروں کی شکست کے ساتھ عرب پھر ایک بار اپنے ماضی کی ظلمتوں کے آغوش میں چھپ جائے گا۔ وہ یہ بھی محسوس کرتا تھا کہ جس دین کی قوت نے عربوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا ہے اس کے کمزور ہوتے ہی عرب کے قبائل پھر ایک بار اندرونی خلفشار کا شکار ہو جائیں گے۔ چنانچہ کبھی کبھی اس کے دل سے غیر شعوری طور پر یہ دعا نکل جاتی تھی کہ کاش شام اور روم کی افواج عربوں کے خلاف پیش قدمی کا ارادہ ترک کر دیں۔

باب ۴۳

ایک شام عاصم اور فسطینہ پائیں باغ میں بیٹھے ہوئے تھے اور یونس پاس ہی ایک چھوٹی سی کمان کے ساتھ تیر اندازی کی مشق کر رہا تھا۔ ایک نوکر بھاگتا ہوا عاصم کے قریب پہنچا اور اس نے ایک خط پیش کرتے ہوئے کہا۔ "جناب یروشلم سے کلاڈیوس کا ایلچی یہ خط لایا ہے۔"

عاصم نے خط کھول کر فسطینہ کو پیش کر دیا۔ اور اس نے کچھ کہے بغیر پڑھنا شروع کر دیا۔

کلاڈیوس نے لکھا تھا۔

میرے دوست! مسلمانوں کے عزائم کے متعلق ہمیں جو تازہ اطلاع ملی ہے وہ یہ ہے کہ ان کا نبی تیس ہزار لشکر کے ساتھ تبوک پہنچ چکا ہے۔ یہ پیش قدمی اس قدر غیر متوقع تھی کہ ہم غسانیوں کی مدد کے لیے کوئی لشکر نہیں بھیج سکے۔ اس لشکر میں دس ہزار سوار ہیں۔ اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ایلہ کے سردار نے مسلمانوں کی قوت سے مرعوب ہو کر جزیہ دینا منظور کر لیا ہے۔ مسلمانوں نے تبوک میں پڑاؤ ڈال دیا ہے۔ اور قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ تبوک سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں۔ لیکن ہمارے جاسوسوں نے یہ اطلاع دی ہے کہ مسلمانوں کی فوج کا ایک جری سالار چند دستوں کے ساتھ تبوک سے آگے نکل گیا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس کی منزل مقصود کیا ہے۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ جو فوج تبوک سے آگے بڑھے گی اس کا ہر قدم تباہی کی طرف ہو گا — بہر حال ان کی جسارت قابلِ داد ہے۔ اور اگر میں تمہاری طرح عرب کا باشندہ ہوتا تو میرے

دل میں یقیناً یہ جاننے کی خواہش پیدا ہوتی کہ مسلمانوں کے لشکر نے کس امید پر شام کا رخ کیا ہے اور اس کی کامیابی کے امکانات کیا ہیں؟ اگر عرب سے تمہاری دلچسپی یکسر ختم نہیں ہوگئی تو میری یہ خواہش ہے کہ تم تبوک سے ہو آؤ۔ ہمارے پاس جاسوسوں کی کمی نہیں۔ وہ ہمیں ہر آن خبردار رکھتے ہیں۔ لیکن ان کے پاس اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں کہ عربوں کی اس جرأت کی وجہ کیا ہے؟ اگر مسلمانوں کا لشکر تبوک سے واپس چلا گیا تو میری یہ خواہش ہوگی کہ تم یثرب سے ہو آؤ۔ اور ہمیں وہاں کے پورے حالات کی اطلاع دو۔ ممکن ہے کہ شام میں ہماری طاقت کے متعلق مسلمانوں کو تمہاری شہادت پر یقین آجائے۔ اور وہ ایک ایسی جنگ کی ابتدا نہ کریں جس کا نتیجہ ان کے لیے تباہی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا —— قیصر اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہے کہ مسلمانوں کی قوت میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہے۔ ہماری فوجی نقل و حرکت کا مقصد صرف ان لوگوں کو مرعوب کرنا ہے۔ رومی لشکر میں ایک ایسا عنصر موجود ہے جو کسی نئی جنگ کو پسند نہیں کرتا اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے اپنی پوری تیاریوں کے باوجود تبوک کے محاذ کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ نہیں کیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم عرب کے حالات سے غافل رہ سکتے ہیں۔ اگر تبوک میں جنگ چھڑ گئی تو مجھے جس قدر اپنی فتح کا یقین ہے اسی قدر اس بات کا یقین ہے کہ عربوں کو پسپا کرنے کے بعد ہم صحرا کے آخری کونے تک ان کا پیچھا کریں گے۔ اور قیصر صرف اپنے ان مشیروں کی بات سنے گا جو لڑائی کو ایک کھیل سمجھتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اب بھی میرا خط پہنچنے سے دو چار دن بعد تمہیں یہ اطلاع مل جائے کہ جنگ شروع ہو چکی ہے اور ہم نے پہلے معرکے میں ہی مسلمانوں کو میلوں پیچھے دھکیل دیا ہے۔ اس صورت میں بھی مسلمانوں کے لیے ایک ایسے حقیقت پسند آدمی کے مشورے سود مند ہوں گے جو انہیں یہ سمجھا سکے کہ روم اور عرب کے جنگی وسائل کے درمیان کتنا فرق ہے اور میرے خیال میں اس خدمت کے لیے کوئی اور تم سے

بہتر نہیں ہو سکتا۔ یہ باتیں میں نے رومی لشکر کے ایک افسر کی حیثیت سے لکھی ہیں لیکن ایک انسان کی حیثیت سے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ شاید وہ روشنی جس کی تلاش میں تم اپنے گھر سے نکلے تھے تمہارے اپنے وطن سے نمودار ہو چکی ہے اور انسانی تاریخ کا وہ دور شروع ہو چکا ہے جس کے لیے فرمس جیسے لوگ چشم براہ تھے۔ میرے نزدیک اس صورت میں بھی تمہارا وہاں جانا ضروری ہے۔ اور یہ اس لیے ضروری ہے کہ میں عرب کے انقلاب کے متعلق تم سے زیادہ کسی اور کی گواہی پر یقین نہیں کر سکتا۔ تمہارے لیے تبوک میں ... مسلمانوں کے پڑاؤ تک رسائی حاصل کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ تم چند دن ان کے ساتھ رہ کر یہ معلوم کر سکو گے کہ قدرت کا وہ کونسا معجزہ ہے جس کی بدولت عربوں کے دل سے روما کی عظیم سلطنت کا رعب اٹھ گیا ہے۔ اگر یہ لوگ تبوک سے واپس چلے گئے تو بھی تمہارے لیے اپنے وطن میں داخل ہونا مشکل نہیں ہوگا —— اگر دنیا کے حال اور مستقبل کے متعلق تمہاری دلچسپیاں ختم نہیں ہوگئیں تو جلد از جلد یروشلم پہنچنے کی کوشش کرو۔

تمہارا دوست

کلاڈیوس

قسطینہ خط ختم کرنے کے بعد جواب طلب نگاہوں سے اپنے شوہر کی طرف دیکھنے لگی۔ اور تھوڑی دیر بعد جب اسے عاصم کی خاموشی تکلیف دہ محسوس ہونے لگی تو اس نے دبی زبان میں پوچھا "کیا آپ وہاں جانا چاہتے ہیں؟"

"مجھے معلوم نہیں"۔ عاصم نے جواب دیا۔

قسطینہ بولی۔ "لیکن مجھے معلوم ہے"۔ اور اس کے مغموم چہرے پر ایک مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

"تمہیں کیا معلوم ہے؟"

"یہی کہ آپ کسی دن وہاں ضرور جائیں گے اور میں یہ نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش ترک کر دیں۔"

"میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ وہاں جانا میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے۔"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "آپ کو کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کے دل کا حال جانتی ہوں۔ اور میرے متعلق آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ میں آپ کا انتظار کر سکوں گی۔ بڑھاپے میں یہ انتظار میرے لیے زیادہ صبر آزما ہو گا۔ اس لیے میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ جلد جائیں اور جلد واپس آجائیں۔"

"لیکن میں وہاں جا کر کیا کروں گا؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ میں صرف یہ جانتی ہوں کہ کسی دن آپ اچانک وہاں جانے کا فیصلہ کریں گے اور میری التجائیں اور آنسو آپ کا راستہ نہیں روک سکیں گے۔ لیکن میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں اپنی محبت کو آپ کے پاؤں کی زنجیر نہیں بننے دوں گی۔ میں زندگی کے سفر میں آپ کی رفیق ہوں۔ لیکن اس سفر کی منازل متعین کرنا آپ کا کام ہے۔"

عاصم نے پیار سے فسطینہ کی ٹھوڑی پکڑ کر اُسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس وقت میری منزل میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ اور اس وقت میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ میں ان خوب صورت آنکھوں کی گہرائیوں میں گم ہو جاؤں اور کسی اور طرف نہ دیکھوں۔"

فسطینہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "اور میری آنکھوں کی گہرائیوں میں بھی شاید آپ وہ صحرا اور نخلستان دیکھ سکیں جو آپ کو ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہیں۔"

عاصم نے جواب دیا۔ "میں ان صحراؤں اور نخلستانوں کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ چکا ہوں۔ اب اگر میں وہاں گیا بھی تو وہاں مجھے ماضی کی تلخ یادوں کے سوا کیا حاصل ہو سکتا ہے؟"

"آپ نے جس وطن کو چھوڑا تھا وہ اب درندوں کی شکار گاہ نہیں۔ بلکہ انسانیت کی بلند ترین امیدوں کا مرکز بن چکا ہے۔ کلاڈیوس کے اس خط کے بعد میں یہ محسوس کرتی ہوں کہ جس زمین کے کانٹوں سے آپ کے پاؤں زخمی ہوئے تھے وہاں پھولوں کی مسکراہٹیں آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔ جب آپ وہاں سے ہو کر واپس آئیں گے تو میں آپ کے منہ سے صرف یہ سننا پسند کروں گی کہ آپ نے کوئی ایسی جگہ تلاش کر لی ہے جہاں شہنشاہوں کی قبائیں محکوموں کے خون سے داغدار نہیں ہوتیں۔ جہاں ایک انسان کے ہاتھ دوسرے

انسانوں کی شاہ رگ تک نہیں پہنچتے۔ اور جہاں ہمارے بیٹے کا مستقبل شام سے زیادہ محفوظ ہے۔ میں آپ کے لیے یہ سفر اس لیے بھی ضروری سمجھتی ہوں کہ اگر عرب کے نبی اور اس پر ایمان لانے والوں کو قریب سے دیکھ کر آپ کی توقعات پوری نہ ہوئیں تو ہم اپنی زندگی کے باقی دن نسبتاً اطمینان کے ساتھ گزار سکیں گے۔ اور مستقبل کے متعلق موہوم امیدیں آپ کو پریشان نہیں کریں گی۔ عاصم! رات کی تاریکی صرف ان مسافروں کیلئے صبر آزما ہو سکتی ہے جنہیں طلوعِ سحر کی امید ہو۔ مجھے یقین ہے کہ اگر عرب کا انقلاب آپ کو نئی روشنی دکھانے سے قاصر رہا تو ہمارے لیے زندگی کی ان راحتوں پر قناعت کر لینا مشکل نہیں ہو گا جو ہمیں اس گھر کی چار دیواری کے اندر میسر ہیں۔ پھر میں صبح و شام آپ کی مغموم نگاہوں کو خلا میں بھٹکتے ہوئے نہیں دیکھوں گی پھر مجھے رات کے پچھلے پہر اس بات کا احساس پریشان نہیں کرے گا کہ میرا شوہر آرام کی نیند سونے کی بجائے کرب کی حالت میں کمرے سے باہر ٹہل رہا ہے۔"

عاصم نے کہا۔ "فسطینہ تم زندگی کا سب سے بڑا انعام ہو۔ اور اگر تم نے کبھی میری نگاہوں کو فضا میں بھٹکتے یا مجھے رات کے پچھلے پہر بے چین اور مضطرب دیکھا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں اس دنیا کو تمہارے لیے زیادہ مکمل، زیادہ پُر امن اور زیادہ خوشحال دیکھنا چاہتا ہوں ——— میں نے ماضی میں بے گناہوں کے خون کی ندیاں دیکھی ہیں۔ میں نے مظلوموں کے آنسوؤں کو خاک میں جذب ہوتے دیکھا ہے۔ میں نے بے بسوں کی چیخوں کے جواب میں ظالموں کے قہقہے سنے ہیں۔ میں نے غلاموں کی ہڈیوں پر حکمرانوں کو اپنے عشرت کدے تعمیر کرتے دیکھا ہے۔ میں نے محبت کے پھولوں کو نفرت اور غرور کے جہنم کا ایندھن بنتے دیکھا ہے۔ اور میری زندگی میں ایک وقت ایسا بھی تھا۔ جب میں یہ سب کچھ برداشت کر سکتا تھا۔ لیکن یونس کی دنیا کو میں اپنی دنیا سے مختلف دیکھنا چاہتا ہوں ——— کاش میں یونس کے لیے ایسی دنیا تلاش کر سکوں جہاں ایک بے بس، کمزور اور مظلوم کے آنسوؤں سے پوری انسانیت کا ضمیر لرز اٹھے جہاں ناداروں کی زبان فریاد کے لیے نہیں بلکہ تشکر کے لیے کھلتی ہو ——— کاش عرب میں ایسی دنیا تعمیر ہو رہی ہو۔"

فسطینہ نے اچانک سوال کیا۔ "آپ کب جانا چاہتے ہیں؟"

عاصم نے جواب دیا: "ابھی میں نے جانے کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ لیکن اگر تم خوشی سے اجازت دے رہی ہو۔ تو میں تمہارا شکر گزار ہوں۔"

اگلی صبح عاصم گھوڑے پر سوار ہو کر سیر کے لیے نکلا لیکن جلد ہی واپس آ گیا۔ قسطنیہ نے اُسے دیکھتے ہی پوچھا۔ "آپ اتنی جلدی واپس کیوں آ گئے؟"

عاصم نے جواب دیا: "میں نے گھر سے نکلتے ہی ایک ناقابلِ یقین خبر سنی ہے ——— مسلمانوں کی ایک فوج نے اچانک دومۃ الجندل پر حملہ کر کے وہاں کے سردار اکیدر[1] بن عبدالملک کو گرفتار اور اس کے بھائی کو قتل کر دیا ہے"۔

"یہ ناممکن ہے۔"

"میں فوج کے ایک ذمہ دار افسر سے اس خبر کی تصدیق کر چکا ہوں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا مسلمانوں کی فوج اتنی زیادہ تھی کہ ہمارا لشکر ان کا راستہ نہیں روک سکا۔"

"ان کی تعداد چار پانچ سو سواروں سے زیادہ نہیں تھی۔ اور رومیوں کی کمک پہنچنے سے پہلے وہ اکیدر کو گرفتار کر کے واپس جا چکے تھے۔" ایک رومی یہ کہہ رہا ہے کہ اگر یہ خبر درست ہے تو ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ مسلمان ہوا میں اڑ کر دُومہ پہنچے تھے۔"

"اب کیا ہوگا۔" قسطنیہ نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں۔ رومیوں کا خیال تھا کہ ان کی فوجی نقل و حرکت مسلمانوں کو مرعوب کر دے گی۔ لیکن اب مسلمانوں نے عملاً یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ جب چاہیں شام کے کسی بھی شہر پر حملہ کر سکتے ہیں۔"

"لیکن یہ قیصر کی توہین ہے اور رومی اسے برداشت نہیں کریں گے۔"

نوٹ: [1] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک پہنچ کر حضرت خالد بن ولیدؓ کو دومہ کی مہم پر روانہ کر دیا تھا۔ حضرت خالدؓ کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ وہ رومی لشکر کے حرکت میں آنے سے قبل اس مہم سے فارغ ہو کر واپس جا چکے تھے۔

عاصم نے جواب دیا: "یہ بھی ممکن ہے کہ ان واقعات کے بعد مسلمانوں کی قوت کے متعلق قیصر کے اندازے بدل جائیں اور وہ فوری جنگ کا ارادہ بدل دے۔"

قسطنیہ نے کہا: "نہیں قیصر کو کلیسا کی خواہشات کا احترام کرنا پڑے گا۔ اور کلیسا کی خواہش یہ نہیں ہو سکتی کہ اہلِ عرب ایک کمزور ہمسایہ کی بجائے ایک طاقتور حریف کی حیثیت اختیار کر لیں۔ مجھے یقین ہے کہ قیصر جوابی کارروائی میں زیادہ تاخیر سے کام نہیں لے گا۔ میں آپ سے صرف یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

عاصم نے جواب دیا: "اگر تم سفر کے متعلق پوچھ رہی ہو تو میں نے ابھی کوئی ارادہ نہیں کیا۔ اور میرا خیال ہے کہ اگر عرب اور روم کے درمیان باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی تو میں وہاں نہیں جا سکوں گا۔ اور کلاڈیوس بھی مجھے وہاں جانے کا مشورہ نہیں دے گا۔"



چند دن بعد اہلِ دمشق یہ خبر سن رہے تھے کہ لشکرِ اسلام تبوک سے واپس لوٹ گیا ہے۔ اس کے بعد عاصم یروشلم جانے کے ارادے کو اگلے دن، اگلے ہفتے اور اگلے مہینے پر ٹالتا رہا۔ اور کلاڈیوس نے بھی اُسے دوبارہ لکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ تقریباً ایک سال گزر گیا اور اس عرصہ میں شام کی مشرقی سرحد سے کوئی ایسی خبر نہ آئی جو رومیوں کے لیے کسی تشویش کا باعث ہو سکتی تھی۔ تاہم اسلام ایک حیرت انگیز رفتار کے ساتھ جزیرہ نمائے عرب کی وسعتوں کو اپنے آغوش میں لے رہا تھا۔ اور رومی جن کے نزدیک فرزندانِ صحرا کا اتحادِ عرب کی تاریخ کا ایک ناقابلِ یقین واقعہ تھا۔ اس صورتِ حال سے غافل نہ تھے۔

ایک شام عاصم دمشق کے بازار میں گھومنے کے بعد گھر واپس آیا۔ تو نوکر نے اُسے بتایا کہ اندر ایک مہمان آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ وہ جلدی سے آگے بڑھا اور ایک کشادہ اور روشن کمرے کے قریب پہنچ کر اُسے ایک مانوس آواز سنائی دی اور وہ "کلاڈیوس! کلاڈیوس!!" کہتا ہوا اندر داخل ہوا۔

کلاڈیوس یونس کو اپنی گود سے اتار کر اٹھا۔ اور دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوگئے۔

"تم کب آئے۔ تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی۔ انطونیہ کیسی ہے؟ تمہارے بچے کیسے ہیں؟ تم انہیں ساتھ کیوں نہیں لائے؟" عاصم نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر دیے۔

"وہ سب ٹھیک ہیں۔ اگر یہاں ٹھہرنے کا ارادہ ہوتا تو انہیں ضرور لاتا۔ لیکن میں علی الصباح انطاکیہ جا رہا ہوں۔"

"میں نے سنا ہے کہ قیصر وہاں آ رہا ہے؟"

"ہاں۔ عرب کے حالات نے انہیں پھر ایک بار اپنے مشرقی علاقوں کی دیکھ بھال پر مجبور کر دیا ہے۔"

عاصم نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ تمہاری دعوت پر یروشلم نہ آسکا۔ میں نے کئی بار سفر کا ارادہ کیا۔ لیکن اب شاید میں عمر کے اس حصے میں پہنچ چکا ہوں جب کہ ایک انسان کی قوتِ عمل اس کے ارادوں کا ساتھ نہیں دیتی۔ آپ کہتے ہیں کہ عرب کے حالات نے قیصر کو انطاکیہ آنے پر مجبور کر دیا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ تبوک سے واپسی کے بعد مسلمانوں کے ارادے بدل گئے ہیں۔ میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ اگر موتہ کا حاکم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایلچی کو قتل کرنے کی غلطی نہ کرتا تو وہ شام کی سرحدوں کی طرف کبھی نہ دیکھتے۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "میں مسلمانوں کے عزائم کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اسلام کے ساتھ عرب میں جو انقلاب رونما ہو رہا ہے وہ انسانی تاریخ کا ایک عظیم ترین معجزہ ہے۔ موتہ اور تبوک پر ان کے حملے ہمارے لیے کسی بڑی پریشانی کا باعث نہ تھے لیکن ان کے چند مہینوں میں عرب کی جو کایا پلٹ ہوئی ہے وہ ہمارے لیے سرحدی لڑائی سے کہیں زیادہ تشویش ناک ہے۔ پچھلے سال جب میں نے تمہیں یروشلم آنے اور وہاں سے تبوک یا اس سے آگے اپنے وطن کی سیاحت کی دعوت دی تھی تو مجھے یقین تھا کہ عرب کے تازہ حالات سنتے ہی تم سفر پر آمادہ ہو جاؤ گے۔ میں تمہیں رومی حکومت کے ایک جاسوس کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ایسے انسان کی حیثیت سے وہاں بھیجنا چاہتا تھا۔ جن کی گواہی پر مجھے یقین آسکتا تھا۔ موتہ اور اس کے بعد تبوک پر مسلمانوں کے حملوں کی نسبت میرے لیے یہ بات کہیں زیادہ

اہم تھی کہ اسلام نے شراب، جوئے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ اور اس کے باوجود عرب جوق در جوق یہ دین قبول کر رہے ہیں۔ اسلام نے چوری اور بدکاری کے لیے ہولناک سزائیں مقرر کی ہیں۔ اور عربوں کی تمام وہ بری عادات یکسر بدل دی ہیں جن پر وہ صدیوں سے فخر کرتے چلے آ رہے تھے۔ مکہ میں قریش کی شکست کے بعد بھی ہم یہ سوچتے تھے کہ عرب کے طول و عرض میں ان بتوں کی پوجا کرنے والے قبائل پوری شدت کے ساتھ اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے، جو کعبہ کے اندر توڑ دیے گئے ہیں۔ ہمیں یہ بھی یقین تھا کہ عربوں کی قبائلی عصبیتیں انہیں ہمیشہ ایک ایسے دین کے خلاف اکساتی رہیں گی جس کا مقصد نسل اور خون کے امتیازات کو مٹانا ہے۔ پھر ہماری آخری امید یہ تھی کہ جب مسلمان مکہ سے آگے بڑھیں گے تو انہیں سینکڑوں قبائل کی متحدہ قوت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور ان کا انجام اس ندی سے مختلف نہیں ہوگا جو بالآخر صحرا کی پیاسی ریت میں جذب ہو کر رہ جاتی ہے۔ لیکن گذشتہ ایک سال کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عرب کے انقلاب کی وسعت اور گیرائی ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ عرب سے آئے دن ہمیں صرف اس قسم کی اطلاعات ملتی ہیں کہ آج فلاں قبیلے کے وفد نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضری دی ہے اور آج فلاں علاقے کے اتنے خاندان مسلمان ہوگئے ہیں۔ جو لوگ چند سال قبل اسلام کے مبلغین کو قتل کیا کرتے تھے اب اسلام کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بذاتِ خود مدینہ جاتے ہیں مجھے تمام قبائل کے نام یاد نہیں رہے لیکن تم حیران ہو گے کہ حضر موت اور یمن سے لے کر یمامہ تک عرب کے بیشتر قبائل اسلام قبول کر چکے ہیں۔ قریش مکہ نے کافی مدت مقابلہ کرنے کے بعد اپنی شکست کا اعتراف کیا تھا۔ لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورا عرب اس دین کی بے پناہ اخلاقی اور روحانی قوت کے سامنے ہتھیار ڈال چکا ہے۔ یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے اپنے اسلاف کے بت توڑ رہے ہیں۔ اہلِ عرب پہلی بار ایک حکومت کے جھنڈے تلے متحد اور منظم ہو رہے ہیں۔ اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ جب شاہراہِ حیات کا یہ نیا قافلہ اپنی منازل کی طرف رخ کرے گا تو روم اور ایران کی ساری عظمتیں اس کے راستے کے گرد و غبار میں گم ہو کر رہ جائیں گی۔"

کلاڈیوس یہ کہہ کر خاموش ہوگیا اور عاصم اور فسطینہ دیر تک سکتے کے عالم میں اس کی طرف دیکھتے

رہیں۔ بالآخر عاصم نے کہا "آپ مجھے دوبارہ اپنے وطن جانے کی دعوت دے رہے ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ اس دفعہ میں شاید انکار نہ کرسکوں۔"

کلاڈیوس نے جواب دیا "عاصم! اگر میں ایک عرب ہوتا اور تمہاری طرح وہاں کے حالات سے مایوس اور بددل ہو کر نکلتا اور پھر غریب الوطنی میں مجھے کوئی یہ مژدہ سناتا کہ جس زمین پر تم نے جہالت اور ظلم کی اندھی اور بہری قوتوں کی ہولناکیاں دیکھی تھیں، وہاں رحم، عدل اور انصاف کے چراغ روشن کیے جا رہے ہیں تو میرے دل میں وہاں جانے کی خواہش ضرور بیدار ہوتی ـــــ عاصم تم میرے دوست اور محسن ہو۔ تم نے مجھے موت کے جبڑوں سے نکالا تھا۔ اور میں اس احسان کا بدلہ چکانے کے لیے تمہیں قسطنطنیہ لے گیا تھا۔ لیکن آج میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اگر عرب کے متعلق جو کچھ میں نے سنا ہے صحیح ہے تو زندگی کی جو مسرتیں وہاں تمہارا انتظار کر رہی ہیں وہ شاید تمہیں قیصر کے ایوان میں بھی نصیب نہ ہوں۔ اگر خدا کو عرب کی حالت پر رحم آگیا ہے اور وہاں اس کی رحمتوں کا نزول ہو رہا ہے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ تم وہاں جا کر اپنا دامن بھر لو۔ اگر عرب کے متعلق میری معلومات سراسر غلط نہیں تو میں پورے وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم وہاں جا کر واپس آنے کی بجائے فسطینہ اور یونس کو بھی وہیں بلا لوگے اور اس کے بعد یہ ممکن ہے کہ زندگی میں ہماری ملاقات نہ ہو سکے۔ لیکن میرے لیے یہ اطمینان کافی ہو گا کہ تم اس دنیا میں اپنا صحیح مقام حاصل کر چکے ہو۔"

عاصم بولا "کلاڈیوس سچ کہو۔ کیا میرے متعلق تمہارے اضطراب کی وجہ یہ نہیں کہ تم میرے لیے دمشق کو غیر محفوظ سمجھتے ہو؟"

کلاڈیوس نے جواب دیا "میرے دوست! تم یہ جانتے ہو کہ تمہاری حفاظت کے لیے میں اپنی جان تک قربان کر سکتا ہوں۔"

"یہ میں جانتا ہوں۔ لیکن تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

کلاڈیوس نے قدرے توقف کے بعد کہا "اگر تم اس سوال کے جواب پر اس قدر مصر ہو تو سنو! میں ان لوگوں میں سے ہوں جو عرب کے ساتھ رومی حکومت کا تصادم ناگزیر سمجھتے ہیں اور جب سے میں نے یہ

سنا ہے کہ نجران کے تمام عیسائی قبائل مسلمان ہو چکے ہیں۔ اور بعض غسانی رؤسا بھی اسلام کی طرف مائل ہیں۔ میرا یہ یقین اور پختہ ہو گیا ہے کہ کلیسا کے اکابر قیصر کو زیادہ دیر آرام سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ وہ عیسائیت کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھانے پر مجبور ہو جائے گا ـــــ اور مجھے یہ کہتے ہوئے ندامت محسوس ہوتی ہے کہ جب عرب اور شام کا معرکہ شروع ہو گا تو تم یہاں صرف ایک عرب کی حیثیت سے دیکھے اور پہچانے جاؤ گے۔ جن لوگوں نے فسطینہ کے نانا کو اس کی عظیم خدمات کے باوجود ایرانیوں کا طرفدار سمجھ کر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا، وہ تمہاری خدمات کا لحاظ نہیں کریں گے ـــــ تمہارے خلاف عوام کو مشتعل کرنے کے لیے کسی متعصب پادری کا یہ کہہ دینا کافی ہو گا۔ کہ تم یثرب کے باشندے ہو اور تمہاری دلی ہمدردیاں مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ ان حالات میں رومی حکومت کو اپنی وفاداری کا ثبوت دینے کے لیے تم عربوں کے خلاف تلوار اٹھانے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ عاصم میں تمہیں اس امتحان سے بچانا چاہتا ہوں۔ میں یہ جانتا ہوں کہ تمہاری جنگ کسی دشمن کے خلاف نہیں بلکہ اپنے ضمیر کے خلاف ہو گی اور میرے نزدیک تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو اپنے ضمیر کی موت کے بعد صرف اس بات پر قانع رہ سکتے ہیں کہ انہیں چند سال اور زندگی کے سانس لینے کی مہلت مل گئی ہے۔"

فسطینہ نے کلاڈیوس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ میں اس گھر کے بدلے اپنے شوہر کے ضمیر کی قربانی مانگوں گی تو آپ غلطی پر ہیں۔ خدا کی قسم! اگر اہل روم اتنے ناشکر گزار ہیں تو میں اسی وقت دمشق چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔ میرے لیے صحرا کا ایک جھونپڑا زیادہ آرام دہ ہو گا۔"

کلاڈیوس نے جواب دیا "میری بہن، تم سین کی بیٹی ہو اور تمہارے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ جنگ کے وقت قوموں کی تقدیر ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آجاتی ہے جو دوست اور دشمن میں تمیز نہیں کرتے یہ ہو سکتا ہے کہ جنگ شروع نہ ہو اور دمشق میں آپ کی ساری زندگی خیریت سے گزر جائے لیکن یہ ممکن نہیں کہ جنگ شروع ہو جائے اور عاصم اس سے الگ تھلگ رہ کر اس گھر کے اندر اطمینان کا سانس لے سکے۔ جنگ کے ایام میں قیصر کی رعایا کا جو فرد مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھانے میں پس و پیش کرے گا، اسے حکومت کلیسا کا دشمن سمجھا جائے گا۔ میری باتوں کو برا نہ مانیں۔ میں اس وقت جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ دوستی کے

تقاضوں سے مجبور ہو کر کہہ رہا ہوں۔ کلاڈیوس یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔ اور عاصم دیر تک سر جھکائے سوچتا رہا۔ بالآخر اس نے فسطینہ کی طرف دیکھا اور کہا۔ "فسطینہ! ہم وہاں جا رہے ہیں۔ ہم تینوں وہاں جا رہے ہیں۔ تم تیار ہو جاؤ۔ ہم تین دن کے اندر اندر یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

فسطینہ نے جواب دیا۔ "میں کل ہی روانہ ہونے کے لیے تیار ہوں۔"

کلاڈیوس نے کہا۔ "نہیں عاصم یہ بہتر ہوگا کہ میں انطاکیہ سے واپس آ جاؤں۔ اس کے بعد میں عرب کی سرحد تک تمہارے سفر کا انتظام کر دوں گا۔"

"آپ کب واپس آئیں گے؟"

"مجھے دس دن سے زیادہ نہیں لگیں گے۔"

فسطینہ نے کہا۔ "مجھے ڈر ہے کہ دس دن بعد ان کا ارادہ بدل جائے گا۔"

عاصم مسکرایا۔ "میں اپنے لیے نہیں یونس کے لیے جا رہا ہوں —— اور اب اگر روم کی پوری فوج میرے راستے میں کھڑی ہو جائے تو بھی میں اپنا ارادہ تبدیل نہیں کروں گا۔"

باب ۴۴

قریباً دو ماہ بعد ایک سہ پہر کے وقت عاصم اور فسطینہ ایک ٹیلے کے سائے میں گھوڑے روک کر سامنے یثرب کی پہاڑیوں اور نخلستانوں کے مناظر دیکھ رہے تھے۔ یونس جس کا چہرہ گرمی سے مرجھایا ہوا تھا۔ اپنے باپ کے ساتھ سوار تھا۔ اُس نے پوچھا۔ "ابا جان! یہ آپ کا شہر ہے؟"

"ہاں، بیٹا۔"

"پھر آپ رُک کیوں گئے ہیں۔ مجھے پیاس لگ رہی ہے۔"

"گھبراؤ نہیں بیٹا، ہم ابھی وہاں پہنچ جائیں گے۔" عاصم نے یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

تھوڑی دیر بعد یونس نے پوچھا۔ "ابا جان! وہاں پانی مل جائے گا نا؟"

"ہاں بیٹا! وہاں تمہارے لئے کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی۔"

وہ کچھ دیر خاموشی سے چلتے رہے۔ عاصم کے دل کی گہرائیوں سے ماضی کی ان گنت یادیں ابھر رہی تھیں اور وہ نمی جو اُس نے یثرب کی پہلی جھلک دیکھتے وقت اپنی آنکھوں میں محسوس کی تھی بتدریج آنسوؤں میں تبدیل ہو رہی تھی۔

جب وہ ایک نخلستان کے قریب سے گزر رہے تھے تو عاصم نے مُڑ کر فسطینہ کی طرف دیکھا اور اپنا گھوڑا روک کر کہا۔ "فسطینہ یہ سمیرا کا گھر ہے اور اب شاید وہاں مجھے پہچاننے والا بھی کوئی نہ ہو۔"

یونس نے سوال کیا۔ "ابا جان! یہاں کے لوگ کسی کو پہچانے بغیر پانی نہیں دیتے؟"

"نہیں، بیٹا اس گھر کے مکین پانی مانگنے والوں کو دودھ پیش کیا کرتے ہیں۔" عاصم یہ کہہ کر تھوڑی دیر کے

کے لئے ماضی کی وسعتوں میں کھوگیا۔

فسطینہ نے سوال کیا۔"آپ وہاں جانا چاہتے ہیں؟"

عاصم نے جواب دیا۔"ہاں! یہ گھر میرے لئے اپنے گھر سے کم اہمیت نہیں رکھتا۔ اور نعمان کا حال معلوم کئے بغیر یہاں سے گزر جانا مجھے کافی صبر آزما محسوس ہوتا ہے۔"

ابا جان! نعمان کون ہے؟۔ یونس نے سوال کیا۔

"وہ میرا دوست تھا بیٹا!"

"تو پھر آپ میرے لئے پانی کیوں نہیں منگواتے"

ایک لڑکا جس کی عمر دس سال کے لگ بھگ معلوم ہوتی تھی، باغ سے نمودار ہوا اور اُس نے کہا۔

"آپ کو پانی چاہیئے۔"

"ہاں"۔ عاصم نے جواب دیا۔"تم اِس گھر میں رہتے ہو؟"

"ہاں"۔

"تمہارا کیا نام ہے؟"

"میرا نام عبداللہ ہے"۔

"تم نعمان کو جانتے ہو؟"

"وہ میرے ابا جان ہیں، آئیے، اندر آئیے!"۔ عبداللہ نے یہ کہہ کر عاصم کے گھوڑے کی باگ پکڑلی۔

عاصم نے یونس کو بازو سے پکڑ کر نیچے اتارتے ہوئے کہا۔"تم اپنے اِس ننھے مہمان کو پانی پلادو۔"

"آپ کو ہمارا مہمان بننا پسند نہیں"۔

"نہیں، اس وقت ہم آگے جارہے ہیں۔ تم اِسے جلدی لے آؤ۔"

"بہت اچھا"۔ عبداللہ نے یہ کہہ کر یونس کا ہاتھ پکڑلیا، اور وہ باغ میں غائب ہوگئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئے تو اُن کے ساتھ ایک خوش وضع آدمی تھا۔ عاصم اُسے دیکھتے ہی گھوڑے سے اتر پڑا۔ نووارد نے کہا۔"میرے بیٹے کو یہ شکایت ہے کہ دو معزز مسافر پیاس کے باوجود ہمارے

گھر میں پاؤں رکھنا پسند نہیں کرتے۔ آپ کہاں سے آئے ہیں"۔

"ہم بہت دُور سے آئے ہیں؟"

"میرا بیٹا یہ بھی کہتا ہے کہ آپ کو میرا نام معلوم ہے اور اگر یہ درست ہے تو آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ میرے گھر کا دروازہ مہمانوں کے لئے ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔"

عاصم نے کہا۔"مجھے معلوم ہے کہ اس گھر کے مکین اپنے دشمنوں سے بھی نفرت نہیں کرتے"۔ اور اس کے ساتھ ہی اُس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔

یونس نے شکایت کے لہجے میں کہا۔"ہاں، ابا جان! میں نے پانی مانگا تھا اور یہ مجھے زبردستی دودھ پلانا چاہتے تھے"۔

عاصم کی قوتِ ضبط جواب دے چکی تھی۔ اُس نے کہا۔"نعمان! تم نے مجھے پہچانا نہیں؟"

وہ ایک ثانیہ سکتے کے عالم میں کھڑا رہا اور پھر عاصم، عاصم! کہتا ہوا اُس کے ساتھ لپٹ گیا۔

"میرے دوست، میرے بھائی، تم کہاں تھے۔ میں اور سالم تمہاری تلاش میں عرب و عجم کی خاک چھان چکے ہیں۔ اور اب تم میرے گھر کے دروازے سے باہر کھڑے ہو؟"

نعمان کی آنکھوں میں آنسو اور چہرے پر مسکراہٹیں تھیں۔

اچانک وہ عاصم کو چھوڑ کر فسطینہ کی طرف متوجہ ہوا۔

عاصم نے کہا۔"نعمان! یہ میری بیوی ہے"۔

"آئیے"! نعمان نے یہ کہہ کر فسطینہ کے گھوڑے کی باگ پکڑلی۔ عبداللہ نے عاصم کا گھوڑا سنبھال لیا۔ اور وہ اُس باغ کے اندر داخل ہوئے جو عاصم کو اپنی جوانی کی امنگوں کا قبرستان محسوس ہوتا تھا۔

نعمان نے کہا۔"اگر آپ تھوڑی دیر پہلے آتے تو سالم سے یہیں ملاقات ہوجاتی"۔

عاصم نے پوچھا۔"سعاد کیسی ہے؟"

"وہ بالکل ٹھیک ہے"۔

"عباد زندہ ہے"۔

”نہیں وہ آپ کے جانے سے دو سال بعد فوت ہو گیا تھا۔ مرنے سے قبل اُس کا آخری کارنامہ یہ تھا کہ اُس نے شمعون کو قتل کر دیا تھا۔“

باغ عبور کرنے کے بعد وہ مکان کے صحن میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک عورت اُون کات رہی تھی، اور ایک کمسن بچی اُس کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ عورت نعمان کے ساتھ ایک اجنبی کو دیکھ کر جلدی سے اُٹھی اور بھاگتی ہوئی کمرے کے اندر چلی گئی۔ ایک نوکر گھوڑے لے کر اصطبل کی طرف چلا گیا اور یہ سب کھلی ہوا میں ایک چٹائی پر بیٹھ گئے۔ نعمان نے انہیں پانی پلایا اور پھر عبداللہ سے کہا۔ ”بیٹا تم سالم کو بلا لاؤ۔“

عاصم نے کہا ”میں اپنے خاندان میں سب سے پہلے سعاد کو دیکھنا چاہتا ہوں، اس لئے یہ زیادہ بہتر ہو گا کہ میں خود چلا جاؤں۔“

نعمان نے کہا۔ ”سعاد بھی یہیں آ جائے گی۔“

عاصم نے کہا۔ ”یہ بات مجھے ناقابلِ یقین معلوم ہوتی ہے۔“

”اب آپ کے گھرانے کا کوئی فرد اس گھر کے لئے اجنبی نہیں۔ میں ابھی آتا ہوں۔“

نعمان یہ کہہ کر مکان کے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اُس کی بیوی جو چرخہ چھوڑ کر اندر چلی گئی تھی اُس کے ساتھ تھی۔

عاصم نے اچانک اپنے دِل میں خوشگوار دھڑکنیں محسوس کیں اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اپنی بیوی کو پریشان دیکھ کر نعمان نے کہا۔ ”سُعاد! تم نہیں جانتیں یہ کون ہیں؟“

اُس نے عاصم کی طرف غور سے دیکھا۔ چند قدم آگے بڑھی جھجکی اور پھر اخی! اخی! کہتی ہوئی بے اختیار اُس سے لپٹ گئی۔ ”مجھے یقین تھا کہ تم زندہ ہو — تم کسی دن ضرور آؤ گے۔ اور میں ہر نماز کے ساتھ یہ دُعا کیا کرتی تھی کہ میں تمہاری واپسی تک زندہ رہوں۔“ پھر اُس کے الفاظ سسکیوں میں ڈوب کر رہ گئے، اور سسکیاں دبی دبی چیخوں میں تبدیل ہونے لگیں۔ کمسن لڑکی جو حیرت کے عالم میں یہ منظر دیکھ رہی تھی، اچانک پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی اور فسطینہ نے اُسے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا۔

سعاد اپنے آنسو پونچھنے کے بعد فسطینہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ ”بہن مجھے معاف کرنا۔ میں تھوڑی

دیر کے لئے مہمان نوازی کے آداب بھُول گئی تھی۔“

فسطینہ نے جواب دیا ”بہن میرے لئے آپ کے جذبات کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ آپ کا بھائی اکثر آپ کا ذکر کیا کرتا تھا۔ اور جب میں آپ کا تصور کرتی تھی تو مجھے یہ تسکین ہوتی تھی کہ آپ کی ہمسائگی میں مجھے غریب الوطنی کا احساس نہیں ہو گا۔“

نعمان نے کہا۔ ”اگر آپ کا یہاں کوئی جان پہچان کرنیوالا نہ ہوتا تو بھی آپ کو غریب الوطنی کا احساس، پریشان نہ کرتا اب ہمیں یہاں انسانی رشتے، خون کے رشتوں سے بھی زیادہ اہم محسوس ہوتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ ایسے وقت یہاں آئے ہیں، جب کہ ہمارا ہادی جس نے ہماری زندگی کے دھارے بدل دیئے تھے، ہم سے رخصت ہو چکا ہے۔ لیکن وہ روشنی جس میں ہم نے انسانیت کی نئی عظمتیں دیکھی ہیں، ہماری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گی۔ یہ زمین جہاں قبیلوں اور نسلوں کے درمیان نفرت کی آگ کے پہاڑ کھڑے تھے، انسانی اخوت کا مرکز بن چکی ہے اور اب یہاں کسی انسان کو اپنی اجنبیت یا غریب الوطنی کا احساس پریشان نہیں کر سکتا۔“

عاصم نے کہا۔ ”نعمان مجھے کل ہی ہادیٔ اسلام کی وفات کی خبر ملی تھی۔ اور راستے میں بعض لوگوں کی باتیں سُن کر مجھے محسوس ہوتا تھا کہ وہ اسلام سے منحرف ہو جائیں گے۔ اپنی صدیوں کی زندگی پر جو قیود انہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عظمت سے مرعوب ہو کر قبول کر لی تھیں، اب انہیں ناقابلِ برداشت محسوس ہوں گی۔ اور میں بذاتِ خود یہ محسوس کرتا ہُوں کہ پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد حالات بدل چکے ہیں اور وہ عرب جو شراب، جوئے، سود، چوری، ڈاکہ زنی اور قتل و غارت اور ظلم و جور کو اپنی زندگی کے مقاصد میں شمار کرتے تھے، پوری شدّت کے ساتھ اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہُوں گے“۔

نعمان نے جواب دیا۔ ”یہ حالات ہمارے لئے غیر متوقع نہیں۔ ہم اُن قبائل کو جانتے ہیں جنہوں نے بحالتِ مجبوری اسلام قبول کیا تھا۔ ہم اُن جھُوٹے نبیوں سے بھی بے خبر نہیں جو انہیں گمراہ کر رہے ہیں لیکن اسلام خدا کا دین ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اس دین کے علمبردار ہر ابتلا اور ہر آزمائش سے سرخرو ہو کر نکلیں گے۔ اللہ کے دین کی راہ کا ہر کانٹا مسل دیا جائے گا اور صرف عرب کی حدود کے اندر ہی نہیں

بلکہ عرب کے باہر بھی جو طاقتیں اسلام سے متصادم ہوں گی، وہ اِس سیلاب کے آگے تنکوں کے انبار ثابت ہوں گی۔"

عاصم نے پوچھا "کیا یہ درست ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات سے قبل یہاں سے ایک لشکر شام پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا؟"

"ہاں! میں اور سالم اس لشکر کے ساتھ جا رہے تھے۔ لیکن حضورؐ کی علالت اور وفات کے باعث ہم رُک گئے ہیں۔"

عاصم بولا "اور اب شاید مقامی حالات اِس لشکر کو ہمیشہ کے لئے شام پر چڑھائی کا ارادہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دیں۔"

"نہیں تمہارا قیاس غلط ہے۔ ہمارے امیر ابوبکر صدیقؓ کو جن لوگوں نے فوری خطرات کے پیشِ نظر شام کی طرف لشکر کی روانگی ملتوی کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ انہیں یہ جواب ملا ہے کہ اگر مجھے یہ یقین ہو کہ جنگل کے درندے مدینے میں داخل ہو کر مجھے اٹھا لے جائیں گے تو بھی اُس لشکر کو میں نہیں روک سکتا، جس کی روانگی کا حکم رسول اللہ نے دیا تھا۔"

عاصم نے پریشان ہو کر سوال کیا "لیکن تم اِسے قرینِ مصلحت سمجھتے ہو کہ عرب کے باغی قبائل مدینے پر لشکر کشی کر دیں اور یہاں کی فوج شام کی طرف روانہ ہو جائے؟"

نعمان مسکرایا "ہمارے لئے رسول اللہ کا حکم ہی سب سے بڑی مصلحت اور دانائی ہے۔"

"اِس فوج کا سپہ سالار کون ہے؟"

"اُن کا نام اُسامہ ہے اور وہ رسول اللہ کے غلام زید بن حارث کے بیٹے ہیں۔"

"تم یہ کہتے ہو کہ ایک غلام کا بیٹا، رومی سلطنت کے خلاف عربوں کی قیادت کر رہا ہے۔"

"نہیں بلکہ رسول اللہ کے ایک جاں نثار کو اسلام کے غازیوں کی امارت سونپی گئی ہے۔ اور اُس کو حضورؐ نے ہی اِس خدمت کے لئے منتخب کیا تھا۔"

"کیا وہ بہت زیادہ تجربہ کار ہے؟"

"اُس کی عمر* بیس سال سے بھی کم ہے۔"

"اگر عربوں نے اُسے اپنا سپہ سالار تسلیم کر لیا ہے تو یہ یقیناً ایک معجزہ ہے۔"

"نہیں معجزہ یہ ہے کہ عرب مسلمان بن گئے ہیں۔"

عاصم نے کہا "میں اسلام کے متعلق بہت کچھ جاننا چاہتا ہوں، لیکن پہلے مجھے اس سوال کا جواب دو کہ اوس اور خزرج واقعی ایک دوسرے کے دوست بن چکے ہیں؟"

"ہاں! آج ہمیں یقین نہیں آتا کہ ہم کبھی ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ تمہارے روپوش ہونے سے چند دن بعد ہمارا آخری معرکہ ہُوا تھا، اور ہماری رگوں میں جتنا فالتو خون تھا، وہ یثرب کی خاک میں جذب ہو گیا تھا۔ اُس کے بعد تمہارے جیسے چند آدمی ہدایت کی تلاش میں مکّہ پہنچ گئے اور ہمیں اپنے مستقبل کے افق پر نئی روشنی دکھائی دینے لگی۔ پھر جب پیغمبرِ اسلام کے لئے مکّہ کی زمین "تنگ" ہو گئی تھی تو اللہ نے اہلِ یثرب کو اُن کی میزبانی کا شرف عطا کیا اور یہاں خدا کی رحمتوں کی بارش ہونے لگی۔ اب ہم یثرب کو مدینۃ النبی کہتے ہیں۔ اب اس مقدس خاک میں صرف نیکیاں جنم لیتی ہیں۔ عاصم! جب تم یہاں سے نکلے تھے تو یہ کون کہہ سکتا تھا کہ اوس اور خزرج کسی دن ایک ہو جائیں گے۔ آپ کے جانے سے تین دن بعد عباد نے رات کے وقت میری اور سالم کی ملاقات کرائی تھی اور ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ یثرب کے حالات خواہ کچھ ہو جائیں ہم ایک دوسرے پر تلوار نہیں اُٹھائیں گے۔ لیکن ہمیں اگلے دن ہی اِس بات کا احساس ہو گیا کہ اوس اور خزرج کی جنگ ناگزیر ہے اور ہم یہاں رہتے ہُوئے اپنے عہد پر قائم نہیں رہ سکیں گے۔ چنانچہ ایک رات ہم یہاں سے مدائن کی طرف بھاگ نکلے۔ وہاں تین سال گزارنے کے بعد ہم نے تاجروں کے ایک قافلے کے ساتھ یروشلم اور دمشق کی سیاحت کی۔ ہمارا خیال تھا کہ شاید تم کہیں مل جاؤ۔ اس کے بعد ہم واپس آئے تو یہاں روئے زمین کی ساری نعمتیں ہمارا انتظار کر رہی تھیں۔"

عاصم نے کرب انگیز لہجے میں کہا "اور میں اتنا بدنصیب تھا کہ انہیں دیکھ بھی نہ سکا۔"

---

* بعض کے مطابق صرف سترہ سال تھی۔

"نہیں، عاصم! اگر تمہیں حق کی تلاش ہے تو تم بدنصیب نہیں ہو۔ آقا نے انسانیت کو نجات کا جو راستہ دکھایا ہے وہ کہکشاں سے زیادہ تابناک ہے۔ اب عصر کی نماز کا وقت جا رہا ہے، میں ابھی فارغ ہو کر تمہیں یہ بتاؤں گا کہ عرب میں کتنا عظیم انقلاب آچکا ہے۔"



تھوڑی دیر بعد عاصم اور قسطنطینہ دم بخود ہو کر نعمان کی تقریر سُن رہے تھے۔ وہ رسول اللہؐ کے جاں نثاروں پر اہلِ مکہ کے مظالم بیان کر رہا تھا۔ وہ بدر، احد اور خندق کے معرکوں کے نقشے کھینچ رہا تھا۔ رسول اللہؐ کے معجزات بیان کر رہا تھا۔ اور اُن بشارتوں اور پیش گوئیوں کا ذکر کر رہا تھا جو پوری ہو چکی تھیں۔ وہ اُس قافلے کی سرگزشت سنا رہا تھا، جسے اہلِ مکہ کے جبر و تشدد نے مدینے کی طرف ہجرت پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ مہاجرینِ مکہ کے صبر و استقلال اور انصارِ مدینہ کے ایثار و خلوص کی داستانیں بیان کر رہا تھا۔ وہ شمعِ رسالت کے اُن پروانوں کی ارواح کو تشکر کے آنسو پیش کر رہا تھا، جنہوں نے اپنے خون سے شجرِ اسلام کی آبیاری کی تھی، اور وہ انسانیت کے اُس عظیم ترین محسن کو درود اور سلام بھیج رہا تھا جس نے عرب کے ظلمت کدے میں ہدایت کے چراغ روشن کئے تھے۔ عاصم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور جب نعمان نے اپنی تقریر ختم کی تو وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ اُس کے دل سے ماضی کا سارا گرد و غبار دُھل چکا ہے۔

اُس نے پوچھا۔ "نعمان کیا یہ درست ہے کہ جب کسریٰ کی افواج شام پر یلغار کر رہی تھیں تو انہوں نے رومیوں کی فتح کی بشارت دی تھی؟"

"ہاں! یہ بشارت قرآنِ پاک میں موجود ہے۔ مجھے وہ آیات یاد ہیں، سنو!" نعمان نے یہ کہہ کر سورۂ روم سنادی۔

عاصم نے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ اگر اُس زمانے میں خدا کا کوئی بندہ قسطنطنیہ پہنچ کر بھی اس قسم کی پیش گوئی کرتا تو لوگ اُس کا مذاق اُڑاتے؟"

نعمان نے جواب دیا۔ "اُس زمانے میں اہلِ مکہ بھی اِس بشارت پر یقین کرنے والوں کا مذاق اُڑاتے

تھے۔ عاصم میں ایک عام آدمی ہوں۔ اور میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں رسول اللہؐ کی زندگی کے کسی پہلو پر بھی پوری روشنی ڈال سکتا ہوں۔ لیکن مدینے میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں، جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ سرورِ عالم کی محبت اور اطاعت کے لئے وقف تھا۔ یہ وہ آئینے ہیں جن میں تم اُن کے حسن و جمال کا عکس دیکھ سکو گے۔

"لیکن جب تم اُن کے ساتھ باتیں کرو گے تو وہ بھی یہی کہیں گے کہ اُن کی نگاہیں، نور کے ایک سمندر کی چند لہروں سے آگے نہیں جا سکیں۔"

"اور ان لوگوں کو اس بات کا یقین ہے کہ وہ روم کی عظیم سلطنت کے ساتھ ٹکر لے سکتے ہیں؟"

"ہاں! انہیں یقین ہے کہ کسی دن قیصر اور کسریٰ کے تاج اُن کے پاؤں کے نیچے ہوں گے لیکن اگر یہ یقین نہ ہو تو بھی انہیں جہاد کا راستہ دکھانے کے لئے رسول اللہؐ کا حکم کافی ہے۔ مسلمانوں کے لئے زندگی کی سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ وہ خدا کی راہ میں شہید ہو جائے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ مسلمان فتح کی اُمید کے بغیر بھی لڑ سکتے ہیں۔"

"ہاں! اسلام کے غازیوں کو شہادت کا شوق، فتح اور شکست سے بے نیاز کر دیتا ہے۔"

نعمان نے کہا۔ "لیجئے سالم آ گیا۔"

عاصم نے مُڑ کر دیکھا اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سالم نے السلام علیکم کہا۔ اور پریشان سا ہو کر عاصم کی طرف دیکھنے لگا۔

سُعاد نے کہا۔ "اخی! آپ انہیں نہیں پہچانتے؟"

سالم کے تذبذب پر عاصم نے کہا۔ "سالم میں عاصم ہوں۔"

سالم چند ثانیے سکتے کے عالم میں کھڑا رہا اور پھر بے اختیار عاصم سے لپٹ گیا۔

کچھ دیر سالم سے گفتگو کے بعد عاصم نے نعمان کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "اب شام ہونے والی ہے اور میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم تھوڑی دیر شہر میں گھوم آئیں۔"

نعمان نے کہا۔ "چلئے لیکن آج آپ کو مدینے کی گلیاں خوشیوں سے خالی نظر آئیں گی۔ مسلمان ابھی رسول اللہؐ کا غم نہیں بھولے۔"

عاصم میں نے ابھی تک ایک اہم فریضہ ادا نہیں کیا اور وہ یہ ہے کہ میں تمہیں اسلام کی دعوت دوں۔ مدینہ میں جن لوگوں کو آپ سے محبت ہے، اُن کے لئے اس سے بڑی خوشی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ تم اسلام قبول کر لو، ابھی جب میں رسولؐ اللہ کی زندگی کے واقعات بیان کر رہا تھا تو تمہارے آنسو اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ اسلام کی روشنی تمہارے دل سے دُور نہیں رہ سکتی۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم ایک مسلمان کی حیثیت سے مدینے کی گلیوں کا طواف کرو۔"

عاصم نے جواب دیا "نعمان میں تمہاری دعوت قبول کرتا ہوں۔ اگر خلیفہ مجھے مسلمان بنا سکتے ہیں تو مجھے ابھی اُن کے پاس لے چلو۔"

نعمان نے جواب دیا "اسلام قبول کرنے کے لئے آپ کو خلیفہ کے پاس جانے یا کوئی رسومات ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف زبان سے چند کلمات کافی ہیں۔"

فسطینہ نے سریانی میں اپنے شوہر سے کچھ کہا۔ اور وہ نعمان سے مخاطب ہو کر بولا "فسطینہ کو شکایت ہے کہ آپ نے اُسے قبولِ اسلام کی دعوت نہیں دی ہے۔"

نعمان نے جواب دیا "میں خوش قسمت ہوں کہ یہ سعادت میرے مقدر میں تھی، میں آپ دونوں کو کلمۂ توحید پڑھانے کے لئے تیار ہوں۔"

غروبِ آفتاب سے کچھ دیر بعد عاصم، نعمان اور سالم کے ساتھ گھر سے باہر نکلا تو اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اُس کے دل سے ایک بوجھ اُتر چکا ہے، اور اُس کی روح ماضی کی زنجیروں سے آزاد ہو چکی ہے۔ نعمان اور سالم نے درود پڑھنا شروع کیا اور وہ اُن کے ساتھ شریک ہو گیا۔ پھر اُس کی آواز بلند ہوتی گئی اور پھر سسکیوں میں دب کر رہ گئی، اور اُس نے کہا "نعمان! مجھے اُن کی قبر پر لے چلو۔"

"ہم وہیں جا رہے ہیں عاصم!" اُس نے جواب دیا۔

راستے میں ایک نوجوان ملا اور اُس نے نعمان سے مخاطب ہو کر کہا "آپ نے خلیفۃ المسلمین کا اعلان سُن لیا؟"

"نہیں۔"

"انہوں نے حکم دیا ہے کہ شام تک تمام مجاہدین جرف؎ میں جمع ہو جائیں۔ اور پرسوں صبح وہاں سے کوچ کر دیں۔"

نعمان اور سالم کچھ دیر اس نوجوان کے ساتھ باتیں کرنے کے بعد وہاں سے چل پڑے۔ جب وہ مسجدِ نبوی کے صحن میں داخل ہوئے تو وہاں لوگوں کا ہجوم تھا اور وہ باری باری اُس حجرے کے اندر داخل ہو رہے تھے جہاں رسولؐ اللہ دفن تھے۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد عاصم اور اُس کے ساتھیوں کی باری آئی اور وہ اندر داخل ہوئے۔ یہ حجرہ چراغوں سے روشن تھا اور لوگ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہے تھے۔ نعمان اور سالم کی تقلید میں عاصم نے بھی ہاتھ اٹھائے، لیکن کچھ دیر دُعا کے لئے کوئی موزوں الفاظ اُس کے ہونٹوں پر نہ آسکے بالآخر اُس نے کہا "میرے آقا! تیری قبر پر خدا کی رحمتوں کی بارش ہو۔ میرے آقا میں بہت دیر سے آیا۔ کاش! میں تجھے ایک بار دیکھ سکتا۔ لیکن اپنی تمام کوتاہیوں کے باوجود، میں تیرے اللہ کی رحمت کا طلبگار ہوں۔" پھر اُس کی آواز بیٹھ گئی۔ اور اُس کی آنکھوں سے آنسو اُمڈ آئے۔ اور یہ آنسو ایک فرد کی بجائے اُن لاتعداد انسانوں کے جذبۂ تشکر کی ترجمانی کر رہے تھے، جنہیں رحمۃ للعالمین نے زندگی کی حقیقی مسرتوں سے آشنا کیا تھا۔



تیسرے دن عاصم مدینہ سے ایک کوس دور جرف کے مقام پر اُس لشکر کی روانگی کا روح پرور نظارہ دیکھ رہا تھا، جسے توحید کا پرچم عرب کی سرحدوں سے آگے لے جانے کی سعادت عطا ہوئی تھی۔ عبداللہ، اپنے باپ نعمان اور اپنے ماموں سالم کو الوداع کہنے کے لئے اُس کے ساتھ آیا تھا اور وہ عاصم کے گھوڑے کی باگ تھامے ایک طرف کھڑا تھا۔

اِس لشکر میں قبائل عرب کے وہ رؤسا موجود تھے جو اسلام قبول کرنے سے قبل ادنیٰ اور اعلیٰ کا امتیاز قائم رکھنا اپنی زندگی کا اوّلین مقصد سمجھتے تھے اور جو صرف اپنے قبیلوں کی برتری کا ثبوت دینے کے لئے

؎ مدینہ سے ایک کوس دُور وہ مقام جہاں شام کی طرف کوچ کرنے والی فوج نے پڑاؤ ڈالا تھا۔

ہمیشہ خون کی ندیاں بہانے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اس لشکر میں وہ جلیل القدر صحابی موجود تھے، جنہیں اپنی بزرگی اور پاکیزگی کے علاوہ خاندانی رشتوں کی بدولت رسول اللہ کی قربت کا فخر حاصل تھا۔ اور یہاں اُن اولوالعزم بہادر اور تجربہ کار سپاہیوں کی بھی کمی نہ تھی۔ جو ہر آزمائش اور ہر امتحان میں پُورے اتر چکے تھے۔ لیکن اِس لشکر کی قیادت ایک ایسے نوجوان کو سونپی گئی تھی، جس کی سب سے بڑی متاع رسولؐ اللہ کی محبت تھی اور جس کے باپ کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں انسانیت کی عظمتیں نصیب ہوئی تھیں۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ گھوڑے پر سوار تھے اور حضرت ابوبکر نیچے کھڑے انہیں ہدایات دے رہے تھے۔ کسی کو اعتراض کی مجال نہ تھی، کسی کو یہ کہنے کا یارا نہ تھا کہ انتہائی معزز صحابیوں، آزمودہ کار سالاروں، اور انتہائی بااثر قبائلی سرداروں کی موجودگی میں اتنی اہم مہم کی قیادت اُسامہ کو کیوں سونپی گئی ہے۔ اسلام آقا اور غلام کا امتیاز مٹا چکا تھا۔ اللہ کے دین کی روشنی زمانۂ جاہلیت کی تمام عصبیتوں کو شکست دے چکی تھی۔ اس سے قبل جن بزرگوں نے گردو پیش کے حالات سے پریشان ہو کر اسامہؓ کی بجائے کسی زیادہ معمر اور تجربہ کار آدمی کو یہ مہم سونپنے کی تجویز پیش کی تھی، انہیں مطمئن کرنے کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ جواب کافی تھا کہ اسامہؓ کو رسولؐ اللہ نے منتخب کیا تھا اور بڑے سے بڑا خطرہ بھی مجھے اس فیصلہ میں تبدیلی پر آمادہ نہیں کر سکتا۔

پھر جب اسلام کا یہ لشکر روانہ ہُوا تو اسامہ بن زید گھوڑے پر سوار تھے اور ابوبکر صدیق ان کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے پیدل چل رہے تھے۔

حضرت اسامہؓ، خلیفۂ اوّل کے مقام سے بے خبر نہ تھے۔ انہوں نے ملتجی ہو کر کہا "اے خلیفۂ رسولؐ اللہ! مجھے شرمسار نہ کیجئے، آپ گھوڑے پر سوار ہو جائیے، ورنہ میں بھی اتر پڑتا ہوں۔"

اور انہوں نے فرمایا "نہیں اُسامہؓ، مجھے تھوڑی دور اللہ کی راہ میں اپنے پاؤں غبار آلود کرنے سے منع نہ کرو۔"

جب لشکر تھوڑی دُور چلا گیا تو عاصم نے عبداللہ کے ہاتھ سے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہُوئے کہا "عبداللہ میں تمہارے باپ اور ماموں کے ساتھ جا رہا ہُوں۔"

عبداللہ نے کہا "لیکن آپ تو صرف انہیں الوداع کہنے آئے تھے۔"

عاصم نے گھوڑے پر سوار ہو کر جواب دیا "سعاد سے کہہ دینا کہ یونس کی امی میری واپسی تک تمہارے گھر رہے گی۔"

آن کی آن میں وہ اُس قافلے کے ساتھ شامل ہو چکا تھا، جس کی راہ کے غبار کو کہکشاں کی دلکشی اور تابندگی عطا ہونے والی تھی۔ راہِ حق کے یہ مسافر اُن مجاہدوں کے پیش رو تھے، جن کے گھوڑوں کی ٹاپ قیصر اور کسریٰ کے ایوانوں تک سنائی دینے والی تھی۔ حال اُن کے حوصلوں اور ولولوں سے لبریز تھا۔ اور مستقبل کی فتوحات یرموک اجنادین اور قادسیہ کے میدانوں میں اُن کا انتظار کر رہی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور چند معزز صحابی جنہیں انہوں نے مدینہ کی حفاظت کے لئے روک لیا تھا، کچھ دور اسامہ بن زیدؓ کا ساتھ دینے کے بعد اُن بچوں اور بوڑھوں کے درمیان کھڑے تھے جو اپنے عزیزوں کو رخصت کرنے آئے تھے۔ یہ لوگ اُن خطرات سے بے خبر نہ تھے جو رسول اکرمؐ کے وصال کے بعد مدینہ کو اسلام سے انحراف کا راستہ اختیار کرنے والے قبائل کی طرف سے پیش آنے والے تھے۔ لیکن اُن کے چہروں پر خوف و ہراس کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ اس بات پر مطمئن اور مسرور تھے کہ اُن کے آقا کے آخری حکم کی تعمیل ہو رہی ہے۔ اُن کے ہونٹوں پر غازیانِ اسلام کی فتح اور نصرت کی دعائیں تھیں اور صدیق اکبرؓ سے زیادہ یہ کون جانتا تھا کہ یہ دعائیں قبول ہونے والی ہیں۔ وہ پورے اطمینان اور یقین کے ساتھ اُس قافلے کی آخری جھلک دیکھ رہے تھے۔ جس کی راہ کے غبار میں قیصر و کسریٰ کی عظمتیں گم ہونے والی تھیں۔ ملّتِ اسلام کے کمسن بیٹوں کو جو ابھی تک تلواریں اٹھانے کے قابل نہیں ہُوئے تھے۔ اُن کی نگاہیں بشارت دے رہی تھیں کہ غازیانِ اسلام اُس عظیم لشکر کا دستۂ ہراول ہیں جسے قدرت نے عجم میں جہالت اور ظلم کے جھنڈے سرنگوں کرنے کے لئے منتخب کیا ہے۔ جب وہ شام کی مہم سے واپس آئیں گے تو تم مسرّت کے نعروں کے ساتھ اُن کا خیر مقدم کرو گے اور پھر جب تمہاری باری آئے گی تو تم اللہ کے دین کا پرچم اُن سرحدوں سے آگے لے جاؤ گے جہاں سائرس اور سکندر کے قدم رُک گئے تھے۔ لیکن وہ ظاہر بین جو نتائج کو صرف اسباب کی روشنی میں دیکھ سکتے تھے جنہوں نے کسریٰ پرویز کی فتوحات کے دور میں رومیوں کے دوبارہ غالب آنے کے متعلق قرآن حکیم کی آیات کا مذاق اڑایا تھا، جنہوں نے پیغمبرِ اسلام کی وفات کی خبر سنتے ہی حال اور مستقبل کی روشنی سے

منہ پھیر کر ماضی کی بھیانک تاریکیوں سے رشتہ جوڑ لیا تھا۔ آج بھی یہ سمجھنے کے لئے تیار نہ تھے کہ انہوں نے آس پاس کے ٹیلوں کی اوٹ سے جس لشکر کی روانگی کا منظر دیکھا ہے۔ وہ روم کی عظیم قوت کے ساتھ ٹکر لے سکتا ہے۔ انہیں اگر کوئی اطمینان تھا تو وہ یہ تھا کہ مسلمانوں نے شام پر چڑھائی کے شوق میں مدینہ کو اُن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔

لیکن چند دن بعد مدینہ کو تاخت و تاراج کرنے کی مہم میں ناکامی اور شام کی مہم سے اسامہؓ کی، کامیاب مراجعت کے باعث اُن کے حوصلے ٹوٹ چکے تھے۔ اور وہ اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ فرزندان آدم کی تاریخ میں معجزات کا دور ابھی ختم نہیں ہُوا۔

